

# السيرة النبوية

على المختصر للقدوري

٥٣٩٢ - ٥٣٢٨

احاديث كاعظيم ذخيره

شارح

حضرة مولانا غازي الدين قاسمي

الجزء الأول

از كتاب الطهارة تا كتاب الحج

ناشر:

**KHATME NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT  
United Kingdom.

# السيرة النبوية

على المختصر للقدوري

٥٣٦٢ - ٥٣٢٨

احاديث كاعظيم ذخيره

شرح

حضرة مولانا قاضی الدین قاسمی صاحب کرامت  
بدکاتھ

الجزء الأول

(اس جلد میں ہیں)

كتاب الطهارة، كتاب الصلوة، كتاب الزکوة  
كتاب الصوم اور كتاب الحج

ناشر:

**KHATME NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404

E-mail: khatmenubuwat@hotmail.com

## توجہ فرمائیں!

میں ثمیر الدین قاسمی اس کتاب کی اشاعت کے

### جملہ حقوق

محترم عبدالرحمن یعقوب باوا صاحب کو دے رہا ہوں۔  
آئندہ اس کتاب کی اشاعت یا اس سے اقتباس کے وہی مجاز ہیں۔  
بصورت دیگر میں قانونی کارروائی کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔

- نام کتاب : الشرح الثمیری علی المختصر القدوری (الجزء الاول)  
نام شارح : مولانا ثمیر الدین قاسمی  
ناشر : ختم نبوت اکیڈمی (لندن)  
باہتمام : (مولانا) سہیل عبدالرحمن باوا (لندن)  
(فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی)  
مطبوعہ : مبشر پرنٹنگ سروس، ناظم آباد نمبر 2 کراچی فون: 0334-3218149

### شارح کا پتہ:

**MOULANA SAMIRUDDIN QASIMI**

70 Stamford Street, Old Trafford

Manchester M16 9LL, United Kingdom.

### ناشر:

**KHATME NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404

E-mail: khatmenubuwwat@hotmail.com

== ملنے کے پتے ==

## **KHATME NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.

Ph: 020 8471 4434 - Mobile: 07984 864668 - 07958 033404

E-mail: khatmenubuwat@hotmail.com



**اسلامی کتب خانہ**

علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی - 74800

فون: 021.34927159





## عرضِ ناشر

تفسیر و حدیث کے بعد علوم دینیہ میں علم فقہ کا جو مرتبہ و مقام ہے، کوئی اور علم اس کے درجہ کا نہیں۔ فقہائے کرام اس امت کے لئے روحانی اطباء کی حیثیت رکھتے ہیں کہ جنہوں نے قرآن و حدیث سے علوم کے چشموں کو جاری کیا اور تشنگانِ علوم کی سیرابی کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فقہائے احناف کو علم فقہ میں جو دسترس اور جامعیت عطا فرمائی، سب ہی اس کے معترف ہیں۔ چنانچہ فقہ حنفی میں تصانیف کا ایک پہاڑ بلند ہے جن میں ”مختصر القدوری“ کا نام ایک چمکتے دکتے ستارے کی مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو جو جامعیت اور شرف قبولیت عطا فرمائی وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔ اگرچہ اس کتاب کی عربی میں بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں، لیکن اردو میں اب تک اس عظیم الشان کتاب کی شرح اس کے شایانِ شان پر نہیں لکھی گئی، لیکن ”دیر آید درست آید“ کے قاعدے موافق دارالعلوم دیوبند کے ایک سپوت ”مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم“ (مقیم برطانیہ) نے اس کتاب کی شرح جامع انداز میں کر کے جس کا نام ”الشرح الثمیری علمی المختصر للقدوری“ ہے، گویا تشریح کا حق ادا کر دیا۔

مولانا موصوف نے ہر ہر مسئلہ سے متعلق حدیث کا حوالہ اور پھر اس کی سلیس انداز میں دلنشین تشریح کی ہے جو یقیناً مبتدی طالب علم کے لئے رسوخ فی علم الفقہ کا سبب بنے گا۔

الحمد للہ ”ختم نبوت اکیڈمی“ (لندن) کو اس منفرد و شاہکار تالیف کی طباعت و اشاعت کا شرف حاصل ہوا جو کہ اب ہدیہ قارئین ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ تالیف مؤلف قارئین اور ناشر سب کے لئے ذخیرہ آخرت ہو جائے۔ آمین ثم آمین!

عبدالرحمن یعقوب باوا

(ڈائریکٹر: ”ختم نبوت اکیڈمی“ لندن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### ﴿ خصوصیات الشرح الثمیری ﴾

- (۱) ہر مسئلہ کو الگ الگ لکھا گیا ہے اور اس پر نمبر ڈال دیا گیا ہے تاکہ مسئلہ سمجھنے اور نکالنے میں آسانی ہو۔
- (۲) ہر مسئلہ کا با محاورہ ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔
- (۳) ہر مسئلہ کی وجہ یعنی دلیل عقلی اور دلیل نقلی پیش کی گئی ہے۔
- (۴) ہر مسئلہ کے تحت احادیث کا ذخیرہ پیش کیا گیا ہے تاکہ ہر مسئلہ کو احادیث سے نکالنے میں آسانی ہو۔
- (۵) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بیان کیا گیا ہے۔
- (۶) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔
- (۷) فائدہ کے تحت ائمہ کرام کا اختلاف مختصر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
- (۸) تشریح کے تحت پیچیدہ مسئلہ کو سہل انداز میں پیش کیا گیا ہے۔
- (۹) دلیل وغیرہ کو بہت طول نہیں دیا گیا ہے تاکہ طلباء تنگ نہ آجائیں۔
- (۱۰) زبان سلیس اور آسان استعمال کی گئی ہے۔
- (۱۱) دلیل اور اصول وغیرہ ہدایہ اور صحاح ستہ جیسی اہم کتابوں سے لئے گئے ہیں۔
- (۱۲) وراثت کے مسئلے کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں سیٹ کیا ہے جس سے پورا مناسخہ دو منٹ میں حل ہو جاتا ہے۔

شارح : حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

(سابق استاد حدیث، جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر)

چیرمین مولن ریسرچ سینٹر، یو کے

## ﴿فہرست مضامین الشرح الثمیری﴾

نمبر شمار	عنوانات	مسئلہ نمبر کہاں سے کہاں تک ہے	صفحہ نمبر
۱	خصوصیات الشرح الثمیری	.....	۱
۲	فہرست مضامین الشرح الثمیری	.....	۲
۳	دو قطعات در شان الشرح الثمیری	.....	۶
۴	تقریظ (از مولانا نصیر احمد صاحب دامت برکاتہم)	.....	۷
۵	تقریظ (از مفتی ظفیر الدین صاحب دامت برکاتہم)	.....	۸
۶	حالات شارح حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب	.....	۹
۷	نقل حدیث میں ترتیب کی رعایت	.....	۱۳
۸	خادمان حدیث نبوی (نوشہور محدثین عظام ایک نظر میں)	.....	۱۷
۹	حالات صاحب المختصر للقدوری	.....	۱۸
۱۰	علم فقہ	.....	۲۱
۱۱	حقیقت تینوں اماموں کے مجموعے کا نام ہے	.....	۲۳
۱۲	ائمہ کرام ایک نظر میں	.....	۲۵
۱۳	خطبۃ الکتاب	.....	۲۶
۱۴	کتاب الطہارۃ	۱ سے ۱۳۳ تک	۳۰
۱۵	سنن وضو کا بیان	۵ سے ۱۳ تک	۳۲
۱۶	مستحبات وضو کا بیان	۱۴ سے ۱۹ تک	۳۸
۱۷	نوافض وضو کا بیان	۲۰ سے ۲۲ تک	۴۱
۱۸	غسل کے فرائض کا بیان	۲۵	۴۶
۱۹	غسل کی سنتوں کا بیان	۲۶ سے ۲۷ تک	۴۶
۲۰	غسل واجب ہونے کے اسباب	۲۸ سے ۳۰ تک	۴۸
۲۱	سنن غسل کا بیان	۳۱ سے ۳۲ تک	۵۰
۲۲	پانی کے احکام	۳۳ سے ۴۳ تک	۵۱
۲۳	چڑے کے احکام	۴۴ سے ۴۶ تک	۵۹

نمبر شمار	عنوانات	مسئلہ نمبر کہاں سے کہاں تک ہے	صفحہ نمبر
۲۴	کنویں کے مسائل	۴۷ سے ۵۸ تک	۶۰
۲۵	جھوٹے کا استعمال	۵۹ سے ۶۳ تک	۶۴
۲۶	باب التیمم	۶۴ سے ۶۹ تک	۶۸
۲۷	نواقض تیمم کا بیان	۷۰ سے ۸۲ تک	۷۱
۲۸	باب المرح علی الخنقین	۸۳ سے ۹۷ تک	۷۷
۲۹	باب الحیض	۹۸ سے ۱۱۳ تک	۸۵
۳۰	نفاس کا بیان	۱۱۴ سے ۱۱۸ تک	۹۳
۳۱	باب الانجاس	۱۱۹ سے ۱۲۷ تک	۹۶
۳۲	نجاست پاک کرنے کا طریقہ	۱۲۸ سے ۱۲۹ تک	۱۰۳
۳۳	استنجاء کا بیان	۱۳۰ سے ۱۳۳ تک	۱۰۵
۳۴	کتاب الصلوۃ	۱۳۴ سے ۲۵۱ تک	۱۰۸
۳۵	باب الاذان	۱۴۷ سے ۱۵۸ تک	۱۱۶
۳۶	باب شروط صلوۃ الی تنقذھا	۱۵۹ سے ۱۷۰ تک	۱۲۲
۳۷	باب صفت الصلوۃ	۱۷۱ سے ۲۱۴ تک	۱۲۹
۳۸	وتر کا بیان	۲۱۵ سے ۲۲۲ تک	۱۵۳
۳۹	قرآۃ خلف الامام	۲۲۳ سے ۲۲۴ تک	۱۵۹
۴۰	جماعت کا بیان	۲۲۵ سے ۲۴۵ تک	۱۶۱
۴۱	مکروہات کا بیان	۲۴۶ سے ۲۷۱ تک	۱۷۵
۴۲	باب قضاء الفوائت	۲۷۲ سے ۲۷۴ تک	۱۸۷
۴۳	باب اوقات الی تکرہ فیھا الصلوۃ	۲۷۵ سے ۲۸۰ تک	۱۹۰
۴۴	باب التوافل	۲۸۱ سے ۲۸۹ تک	۱۹۵
۴۵	فصل فی القرآۃ	۲۹۰ سے ۲۹۶ تک	۱۹۸
۴۶	باب سجود السمو	۲۹۷ سے ۳۰۸ تک	۲۰۴
۴۷	باب صلوۃ المریض	۳۰۹ سے ۳۱۸ تک	۲۱۱



نمبر شمار	عنوانات	مسئلہ نمبر کہاں سے کہاں تک ہے	صفحہ نمبر
۴۸	باب تجووا التلاوة	۳۱۹ سے ۳۲۷ تک	۲۱۶
۴۹	باب صلوة المسافر	۳۲۸ سے ۳۳۵ تک	۲۲۱
۵۰	فرخ، میل اور کیلومیٹر کا حساب		۲۲۲
۵۱	باب صلوة الجمعة	۳۳۶ سے ۳۶۵ تک	۲۳۳
۵۲	باب صلوة العیدین	۳۶۶ سے ۳۸۵ تک	۲۳۵
۵۳	باب صلوة الکسوف	۳۸۶ سے ۳۹۱ تک	۲۵۴
۵۴	باب صلاة الاستسقاء	۳۹۲ سے ۳۹۵ تک	۲۵۸
۵۵	باب قیام شہر رمضان	۳۹۶ سے ۳۹۷ تک	۲۶۰
۵۶	باب صلوة الخوف	۳۹۸ سے ۴۰۱ تک	۲۶۳
۵۷	باب الجنائز	۴۰۲ سے ۴۱۴ تک	۲۶۸
۵۸	کفن کا بیان	۴۱۵ سے ۴۲۴ تک	۲۷۲
۵۹	نماز جنازہ کا بیان	۴۲۵ سے ۴۳۸ تک	۲۷۸
۶۰	باب الشہید	۴۳۹ سے ۴۴۵ تک	۲۸۶
۶۱	باب الصلوة فی الکعبۃ وحولہا	۴۴۶ سے ۴۵۱ تک	۲۹۰
۶۲	کتاب الزکوۃ	۴۵۲ سے ۵۵۰ تک	۲۹۳
۶۳	باب زکوۃ الابل	۴۵۸ سے ۴۶۲ تک	۲۹۸
۶۴	باب صدقۃ الفطر	۴۶۳ سے ۴۷۱ تک	۳۰۳
۶۵	باب صدقۃ الغنم	۴۷۲ سے ۴۷۳ تک	۳۰۷
۶۶	باب زکوۃ الخیل	۴۷۴ سے ۴۸۸ تک	۳۰۹
۶۷	باب زکوۃ الفضة	۴۸۹ سے ۴۹۳ تک	۳۱۷
۶۸	باب زکوۃ الذهب	۴۹۴ سے ۴۹۶ تک	۳۲۰
۶۹	باب زکوۃ العروض	۴۹۷ سے ۵۰۱ تک	۳۲۱
۷۰	باب زکوۃ الارزوع والثمار	۵۰۲ سے ۵۱۲ تک	۳۲۳
۷۱	باب من یجوز دفع الصدقة الیہ ومن لا یجوز	۵۱۳ سے ۵۳۶ تک	۳۳۲

نمبر شمار	عنوانات	مسئلہ نمبر کہاں سے کہاں تک ہے	صفحہ نمبر
۷۲	باب صدقۃ الفطر	۵۳۷ سے ۵۵۰ تک	۳۴۲
۷۳	کتاب الصوم	۵۵۱ سے ۶۰۴ تک	۳۴۹
۷۴	رویت ہلال کا مسئلہ	۵۵۵ سے ۵۵۹ تک	۳۵۱
۷۵	جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹا ان کا بیان	۵۶۰ سے ۵۹۵ تک	۳۵۴
۷۶	باب الاعتکاف	۵۹۶ سے ۶۰۴ تک	۳۷۳
۷۷	کتاب الحج	۶۰۵ سے ۸۱۹ تک	۳۷۸
۷۸	باب القرآن	۶۸۲ سے ۶۹۴ تک	۴۲۱
۷۹	باب التمتع	۶۹۵ سے ۷۱۳ تک	۴۲۸
۸۰	باب الجنایات	۷۱۴ سے ۷۴۹ تک	۴۳۷
۸۱	شکار کا بیان	۷۵۰ سے ۷۷۶ تک	۴۵۲
۸۲	باب الاحصار	۷۷۷ سے ۷۹۰ تک	۴۶۶
۸۳	باب القوات	۷۹۱ سے ۷۹۶ تک	۴۷۳
۸۴	باب الہدی	۷۹۷ سے ۸۱۹ تک	۴۷۶



دو قطعات در شان شرح ثمیری  
از : نادر لاجپوری



(۱)

فخر سے احناف کا سر آج اونچا ہو گیا  
ایک اہل علم کی روشن ضمیری دیکھئے  
گر مسائل بالذلال چاہتے ہو دیکھنا  
تو ثمیر الدین کی شرح ثمیری دیکھئے



(۲)

اوراق ہیں سب جس سے قدوری کے منور  
وہ ماہ درخشاں ہے یہی شرح ثمیری  
جو حسن میں انمول ہے بے مثل ہے نادر  
وہ لعل بدخشاں ہے یہی شرح ثمیری



## تقریظ

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد صاحب  
دامت برکاتہم کی رائے گرامی

باسمہ تعالیٰ

میں نے عزیز شاگرد مولانا ثمیر الدین قاسمی کی 'الشرح الثمیری علی المختصر للقدوری' کے مسودے کو جگہ جگہ سے دیکھا۔ انہوں نے ہر مسئلے کو الگ الگ کیا اور اس کے ماتحت میں ہر مسئلے کے لئے باحوالہ آیت لانے کی کوشش کی، وہ نہ ملی تو صحاح ستہ سے پورے حوالے کے ساتھ حدیث لانے کی کوشش کی۔ اور وہ نہ ملی تو مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق سے قول صحابی یا قول تابعی لائے۔ اور اس بات کا التزام کیا کہ کوئی مسئلہ بغیر حدیث یا بغیر قول صحابی کے نہ رہ جائے۔ تاکہ ہر مسئلہ مستند ہو جائے۔ کمال کی بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کو بھی بیان فرمایا اور اس کے لئے بھی صحاح ستہ سے احادیث لانے کی سعی کی۔

اس قسم کا کام پہلے بہت کم ہوا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ طلباء اور علماء کو اس سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور لوگ اب مسئلے کو احادیث سے ثابت کیا کریں گے اور اس بات کو جانیں گے کہ کون سا مسئلہ آیت سے ثابت ہے، کون سا مسئلہ حدیث سے، اور کون سا مسئلہ قول صحابی سے، اور ان کا درجہ کیا ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

نصیر احمد عفا اللہ عنہ (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند)

صدر المدرسین دارالعلوم : ۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء ، ۶ محرم ۱۴۲۳ھ



## تقریظ

دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم (مرتب فتاویٰ دارالعلوم، دیوبند)  
حضرت مولانا ظفر الدین صاحب دامت برکاتہم کی رائے گرامی  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

اما بعد! فقہ حنفی کتاب اللہ، احادیث نبویٰ اور اقوال صحابہؓ سے مستنبط ہے۔ کوئی بنیادی مسئلہ ایسا نہیں جس کا ثبوت کتاب و سنت اور اقوال صحابہؓ میں نہ ملتا ہو۔ لیکن وہ لوگ جو تقلید کے مخالف ہیں یا جن کا مطالعہ محدود ہے ان کو اعتراض ہے کہ فقہ حنفی کے پیچھے کتاب و سنت سے دلائل نہیں ہیں۔ حالانکہ بہت ساری کتابیں فقہ حنفی کی کتاب و سنت کے حوالوں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔

پھر بھی ضرورت تھی کہ حنفی کی وہ کتابیں جو درسیات میں داخل ہیں اور دلائل سے خالی ہیں ان کی شرحیں اس طرح لکھی جائیں کہ ہر مسئلے کے ساتھ کتاب و سنت سے اس کے دلائل بھی نقل ہوں۔

یہ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ مولانا ثمیر الدین قاسمی قدوری کی ایسی شرح لکھ رہے ہیں جس میں انہوں نے ہر بنیادی مسئلے کو کتاب و سنت کے دلائل سے مزین کیا ہے۔ خواہ کتاب اللہ کی آیتوں کا حوالہ ہو یا حدیث نبویؐ کا یا اقوال صحابہؓ کا۔ مولانا موصوف زید مجدہ نے اس شرح کے لکھنے میں کافی محنت کی ہے اور مسائل کو کتاب و سنت کے حوالے درج کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ محنت اہل علم میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ اور عوام و خواص اس شرح سے مستفید ہوں گے اور مولانا کو دعائیں دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس شرح کو ان کے لئے زاد آخرت بنائے اور علماء و طلبہ اس کو مطالعہ میں رکھیں۔

طالب دعا : محمد ظفر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم : ۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### حالات شارح

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

از : (حضرت مولانا) عبدالعزیز قاسمی (صاحب)

مہتمم جامعہ روضۃ العلوم، نیا گھر ضلع گڈا، جھارکھنڈ، انڈیا

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

سن پیدائش

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ۶ نومبر ۱۹۵۰ء، مطابق ۲۵ محرم ۱۳۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ تاریخ تحقیقی نہیں ہے کیونکہ گھر میں تاریخ لکھنے کا رواج نہیں تھا۔ البتہ قریب قریب یہی تاریخ ہے۔ اس کو سارٹی فیکٹ اور پاسپورٹ پر درج کروایا ہے۔

مقام پیدائش

حضرت مقام گھٹئی، تھانہ مہگاواں، ضلع گڈا، صوبہ جھارکھنڈ میں پیدا ہوئے۔ یہ صوبہ پہلے بہار کا حصہ تھا۔ اب الگ کر کے جھارکھنڈ کر دیا گیا ہے۔ یہ گاؤں شہر بھاگلپور اور شہر گڈا سے دور دیہات میں ہے۔ جہاں ابھی بھی بجلی، پانی اور سڑک کی سہولتیں نہیں ہیں۔

شجرہ نسب

نام ثمیر الدین، والد کا نام محمد بخش عرف لدنی، پردادا کا نام چولہائی، قوم شیخ صدیقی، بہت بعد میں ان کا نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اس لئے اس خاندان کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ باضابطہ کوئی شجرہ نہیں ہے البتہ ان کے خاندان میں یہی مشہور ہے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم گھٹئی گاؤں کے مکتب میں مولوی عبدالرؤف عرف گوئی، مقام مرغیا چک، ضلع بھاگلپور سے حاصل کی۔ اسی مکتب میں اردو، ہندی، حساب اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

بارہ سال کی عمر میں ۱۹۶۳ء میں مدرسہ امداد العلوم، انکی رانچی تعلیم حاصل کرنے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں مدرسہ اعزازیہ، تھنہ بھاگلپور میں داخلہ لیا۔ ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم چھاپی گجرات گئے۔ اور ۱۹۶۸ء میں مرکز علم و عرفان دلد العلوم دیوبند میں اعلیٰ تعلیم کے لئے داخلہ لیا۔ شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ حضرت نے بخاری شریف حضرت علامہ فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی، ترمذی شریف حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی، ابوداؤد شریف حضرت مولانا عبد الاحد صاحب، مسلم شریف حضرت مولانا شریف صاحب اور طحاوی شریف حضرت مولانا حسین احمد بہاری صاحب کے پاس پڑھی۔ یہ حضرات اس زمانے کے جبال العلم تھے جس سے حضرت نے فوائد ملتے ملے۔

۱۹۷۱ء میں تکمیل ادب عربی میں داخلہ لیا اور عربی میں مہارت حاصل کی۔ ۱۹۷۲ء میں فنون میں داخلہ لیا اور فلکیات وغیرہ میں مہارت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند کی پانچ سالہ زندگی حضرت مولانا کے لئے بہت اہم ہے۔ اس دوران ہمیشہ تنہائی میں بیٹھ کر علم و مطالعہ میں مشغول رہے۔ میں نے ایک مرتبہ استاذ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدرسی کے سامنے مولانا ثمر الدین کا تذکرہ کیا تو وہ فرمانے لگے، وہی مولانا ثمر الدین جو فارغ وقت میں قبرستان میں بیٹھ کر مطالعہ کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا ہاں! وہی، پھر مولانا عبدالحق صاحب نے مولانا کی محنتوں کے کئی واقعات بیان کئے جس سے ناچیز کو اندازہ ہوا کہ مولانا نے ابتدا ہی سے کتب فہمی میں کتنی محنت کی ہے۔ اسی کا ثمرہ ہے کہ 'الشرح الثمیری' جیسی عظیم کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

### تدریسی خدمات

جنوری ۱۹۷۳ء مطابق شوال ۱۳۹۳ھ سے حضرت نے تدریسی خدمات کا آغاز کیا۔ اس دوران مدرسہ کنز مرغوب، پٹن، گجرات، مدرسہ تعلیم الاسلام، آئندہ، گجرات، جامعہ رحمانی خانقاہ، مولگیر، بہار میں دورہ حدیث کی اہم کتاب ابو داؤد شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے رہے۔ اور تقریباً تیس سال تک درسی خدمات انجام دیتے رہے۔ اور اس دوران تفسیر، حدیث، فقہ، منطق اور فلسفہ کی اہم کتابیں دس دس بارہ بارہ مرتبہ پڑھائی۔ کتابوں کو اتنا پڑھایا کہ اکثر کتابوں کا خاکہ زبانی یاد ہو گیا۔

### تدریسی اندز

حضرت مولانا کا انداز تدریس بالکل نرالا ہے۔ جتنا سبق پڑھانا ہو پہلے پورے کا خاکہ بیان کرتے ہیں۔ طلباء کو کئی بار زبانی سمجھاتے ہیں۔ جب پورا سبق طلباء کو یاد ہو جاتا ہے بلکہ ایک مرتبہ طلبہ سے کہلوا لیتے ہیں جب مولانا کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ طلبہ کو پورا سبق یاد ہو گیا تب ترجمہ کرواتے ہیں۔ اس طرز تدریس سے طلباء اتنا خوش ہوتے ہیں کہ ایک مرتبہ پڑھ لینے کے بعد کبھی نہیں بھولتے۔ اور ہمیشہ اپنی کتاب حضرت ہی سے پڑھنا چاہتے ہیں۔

مجھے ہدیہ الخو میں 'ما اضمر عاملہ علی شریطة التفسیر' کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کھانے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت سے اس کا مطلب پوچھ لیا۔ حضرت نے وہیں برتنوں پر ہاتھ رکھا۔ ایک تھالی کو عامل دوسری کو ضمیر اور تیسری کو چھپا ہوا مفعول قرار دیا اور پوری بحث زبانی سمجھا دی۔ جس سے اندازہ ہوا کہ حضرت کو کتاب کتنی یاد ہے اور سمجھانے کا انداز کتنا سہل اور دلنشین ہے۔

مارچ ۲۰۰۴ء میں حضرت کی معیت میں بہار کے مرکز علم امارت شریعی، پھلواری شریف، پنڈہ حاضر ہوئے۔ وہاں کے منتہی طلبہ کو حضرت کے انداز تدریس سے استفادہ کرنے کا شوق ہوا۔ وہ لوگ ہدایہ اخیرین لیکر آئے اور مشکل مقام سے عبارت پڑھی۔ حضرت نے بغیر مطالعہ کے پورے سبق کو زبانی سمجھا دیا۔ جب طلباء نے سمجھ لیا تب کتاب کھول کر ترجمہ کروایا۔ طلبہ اس دلنشین انداز کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ بار بار خاکہ سمجھانے کی وجہ ہی سے اکثر کتابیں حضرت کے ذہن میں متحضر ہو گئی ہیں۔

### تصنیفی خدمات

حضرت مولانا ہندوستان، پاکستان اور برطانیہ کے کئی اہم پرچوں کے مضمون نگار ہیں۔ جس میں اہم مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ

جامعہ اسلامیہ، مانچسٹر سے نکلنے والا جریدہ 'الجامعہ' کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اب تک تقریباً اٹھارہ کتابیں ان کے نوک قلم سے نکل چکی ہیں جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

- |   |   |
|---|---|
| (۱) انوار فارسی                         | (۱۰) حاشیہ سفینۃ البلغاء (عربی)           |
| (۲) خلاصۃ التعلیل                       | (۱۱) تحفۃ الطلاب شرح سفینۃ البلغاء (اردو) |
| (۳) صدائے درد مند                       | (۱۲) تاریخ علاقہ گڈا بھاگلپور             |
| (۴) علاقہ میں کمیٹی کی ضرورت            | (۱۳) یاد وطن                              |
| (۵) تفریق و طلاق                        | (۱۴) سائنس اور قرآن                       |
| (۶) طلاق مغلطہ آٹھویں مرحلے پر          | (۱۵) فلکیات جدیدہ                         |
| (۷) عیسائیت کیا ہے؟                     | (۱۶) اسلامی کیلنڈر                        |
| (۸) لائف آف عیسیٰ علیہ السلام (انگریزی) | (۱۷) رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں    |
| (۹) اصلاح معاشرہ                        | (۱۸) الشرح الثمیری علی المختصر للمقدوری   |

### کارہائے نمایاں

حضرت نے فلکیات اور اسلامی کیلنڈر کے سلسلے میں نمایاں کام انجام دیا ہے۔ عرب کے کئی ملک ڈیڑھ دن مقدم وقت پر کیلنڈر بنائے ہوئے تھے۔ اور اس سے بھی پہلے اعلان کرتے تھے جس کی وجہ سے صحیح وقت سے ڈھائی دن مقدم ہو جاتا تھا اور یورپ میں بہت انتشار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا نے اس کے لئے فلکیات جدیدہ، رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں، اور اسلامی کیلنڈر جیسی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ عرب ملکوں کا بار بار سفر کیا اور وہاں کے اہل علم کو توجہ دلائی۔ ان کو اپنی غلطی کا احساس کروایا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا کیلنڈر تبدیل کیا۔ وہ کیلنڈر ابھی بھی رویت بھری سے ایک دن مقدم ہے۔ پھر بھی یہ جدوجہد کم نہیں ہے کہ سر پر کفن باندھ کر وہاں گئے اور آٹھ سال تک خط و کتابت کے ذریعہ سمجھاتے رہے۔ آج یورپ میں اکثر و بیشتر ایک رمضان اور ایک عید ہو جاتی ہے اس کا خیر میں حضرت کے جدوجہد کو کافی دخل ہے۔ ورنہ تو پہلے تین تین دن تک عید ہوتی رہتی تھی۔

### الشرح الثمیری ایک عظیم کارنامہ

حضرت کی یہ شرح بھی ایک نئے انداز کی ہے۔ اب تک جتنی شرحیں ناچیز کی نظر سے گزری ہر ایک میں ترجمہ اور مختصر تشریح پر اکتفا کیا۔ لیکن بالاتزام ہر مسئلہ کو الگ کرنا، اس پر نمبر لگانا اور ہر ایک مسئلہ کی ایسی تشریح کرنا جس سے غبی سے غبی طالب علم کو سمجھ میں آجائے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ پھر ہر مسئلہ کے لئے بالاتزام پورے حوالے کے ساتھ حدیث لائے جس سے مسئلہ مدلل ہو جائے کسی شرح میں نہیں دیکھا۔ یہ اس شرح ہی کا کمال ہے کہ اصلی کتابوں سے تلاش کر کے حدیث لکھی گئی۔ اور باب کے ساتھ حدیث کا صفحہ اور حدیث کا نمبر تک درج کیا۔ اس شرح سے حدیث کا تلاش کرنا آسان ہو گیا۔ اور ہر طالب علم کے سامنے برجستہ حدیث متحضر ہو جائے گی۔ مسئلے کے ساتھ حدیث پڑھنے سے



دل کو سکون ہوتا ہے۔ اور یقین ہو جاتا ہے کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے اور کس درجہ کا مسئلہ ہے۔

حدیث کے استخراج کے لئے تقریباً ۳۰ کتابوں کو چھانا ہے۔ اتنی محنت اور تتبع و تلاش کم شارح کرتے ہیں۔ لیکن حضرت دن رات چار سال تک اس دھن میں لگے رہے اور گوہر نایاب امت کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہوئے۔

جن مسئلوں کے تحت حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی نہیں لکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کتابوں میں بہت تلاش کیا لیکن حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی نہیں ملا جس کی وجہ سے حضرت نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اگر ان کتابوں سے حوالہ ملتا تو حضرت ضرور نقل فرماتے۔ البتہ کسی صاحب کو حوالہ ملے تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ مسئلہ تشنہ نہ رہ جائے۔

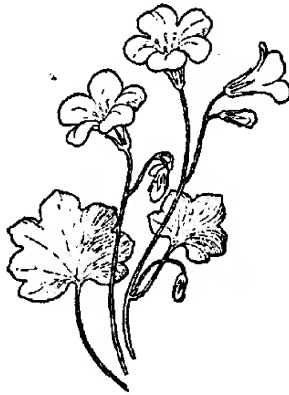
اس شرح میں یہ کمال بھی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک بھی بیان کیا اور صحاح ستہ سے ان کے بھی مضبوط دلائل مع حوالہ پیش کئے تاکہ کوئی صاحب بروقت ان کے دلائل سے واقفیت حاصل کرنا چاہے تو فوراً کر لے۔ یا حنفیہ اور شوافع کے دلائل میں موازنہ کرنا چاہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ حضرت کی یہ دریا دلی بھی قابلِ داد ہے۔

برطانیہ جیسے یورپی ملک جہاں دینی ماحول بہت کم ہے اور پڑھنے لکھنے کی سہولت کم یا ب ہے وہاں ایسی نایاب شرح لکھنا محنت و جفاکشی کا کام ہے۔ جس کو حضرت نے پوری تندہی سے انجام دیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عظیم خدمت کو قبول فرمائے اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یا رب العالمین! ایں دعا از من از جملہ جہاں آ میں باد۔

ناجیز عبدالعزیز غفرلہ

خادم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر

ضلع گڑا، جھارکھنڈ ۲۱، اپریل ۲۰۰۴ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

### نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قدوری پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتویٰ تابعی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں!

طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو قدوری کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کر دی جائے تاکہ طلباء کو سہولت ہو جائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کر سکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دارقطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تاکہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پہلے

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۱)	آیت آجائے	۶۲۳۶	-	-	-	وہ نہ ملے تو پھر
(۲)	بخاری شریف کی حدیث	۷۵۶۳	۱۹۳ھ	بخارا	۲۵۶ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۳)	مسلم شریف کی حدیث	۳۰۳۳	۲۰۴ھ	نیشاپور	۲۶۱ھ	وہ نہ ملے تو پھر

نمبر شمار	ترتیب	کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۴)	ابوداؤد شریف کی حدیث	۵۷۷۴	۲۰۲ھ	بجستان	۲۷۵ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۵)	ترمذی شریف کی حدیث	۳۹۵۶	۲۲۰ھ	سمرقند	۲۷۹ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۶)	نسائی شریف کی حدیث	۵۷۶۱	۲۱۵ھ	نساء	۳۰۳ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۷)	ابن ماجہ شریف کی حدیث	۴۳۴۱	۲۰۹ھ	قزوین	۲۷۳ھ	وہ نہ ملے تو پھر

اوپر کی یہ چھ کتابیں صحاح ستہ ہیں۔ اگر ان کتابوں سے احادیث نہ ملے تو پھر

نمبر شمار	ترتیب	کل احادیث یا قول صحابی	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف	تفصیل
(۸)	دارقطنی کی حدیث	۴۷۹۰	۳۰۶ھ	بغداد	۳۸۵ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۹)	سنن بیہقی کی حدیث	۲۱۸۱۲	۳۸۴ھ	بہق	۴۵۸ھ	وہ نہ ملے تو پھر
(۱۰)	مصنف عبدالرزاق	۲۱۰۳۳	۱۲۶ھ	صنعان	۲۱۱ھ	سے قول صحابی یا قول تابعی
(۱۱)	مصنف ابن ابی شیبہ	۳۷۹۳۰	۱۵۹ھ	کوفہ	۲۳۵ھ	سے قول صحابی یا قول تابعی

آثار بھی نہیں ملے تو.....

(۱۲) پھر اصول پیش کیا ہوں۔ اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اور اس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کے بغیر قول صحابی لے آیا۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملے پر قول تابعی ذکر کیا۔ یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔ اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔ تاکہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے مستدلات سے واقف ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔ صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریا دی سے پیش کئے ہیں۔ ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔ اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔

حاشیہ : ترمذی، نسائی، بیہقی یہ تینوں مقامات اس وقت روس میں ہے۔ بجستان اور قزوین ایران میں ہے، کوفہ اور بغداد عراق میں ہے۔

تحقیق کے دوران اس کا اندازہ ہوا کہ حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے، اور ان کی پہلی نگاہ آیات قرآنی پر پڑتی ہے۔

### ﴿خصوصیات الشرح الثمیری﴾

(۱) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاورہ اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۲) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۳) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۴) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

(۵) فائدہ کے تحت دوسرے ائمہ کا مسلک اور ان کے متدلالات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

(۶) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۷) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۸) لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تاکہ طلباء کے ذہن پریشان نہ ہوں۔

(۹) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے 'اثر' کا لفظ لکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون

حدیث ہے اور کون قول صحابی یا قول تابعی ہے۔

(۱۰) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ

دیا گیا تاکہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۱) وراثت کے مسئلے کو کلکیو لیٹر کی مدد سے نئے انداز میں حساب کا طریقہ لکھا جس سے دومنت میں پورا مناسختل ہو جاتا ہے۔

### ﴿گزارش﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ

گزارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کر دیا

جائے۔ اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گزار ہوں گا۔

### ﴿شکریہ﴾

میں ان تمام محسنوں کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا

گوئیں۔ خداوند کریم ان کو دونوں جہنموں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔ نیز اللہ تعالیٰ میرے ساتھی اور دوست

جناب نادرا لاچپوری صاحب کو بھی جزائے خیر دے جنہوں نے کمپیوٹنگ کی اور کتاب کو قابل اشاعت بنایا۔ اور مولانا عبدالعزیز صاحب، مہتمم

جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اشاعت کا بار اپنے جامعہ پر لیا۔ جس کی وجہ سے اشاعت میں تاخیر کو سہولت ہو گئی۔

نیز حضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سینہ پوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکر گزار ہوں۔ خداوند قدوس ان



حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔

اس کتاب کی اشاعت میں بائلی کے ایک سخی کی سخاوت شامل حال ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کی اشاعت میں بڑی مدد ملی۔ انہوں نے اپنے والد مرحوم کے ثواب کے لئے رقم دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تعاون کا دونوں جہان میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

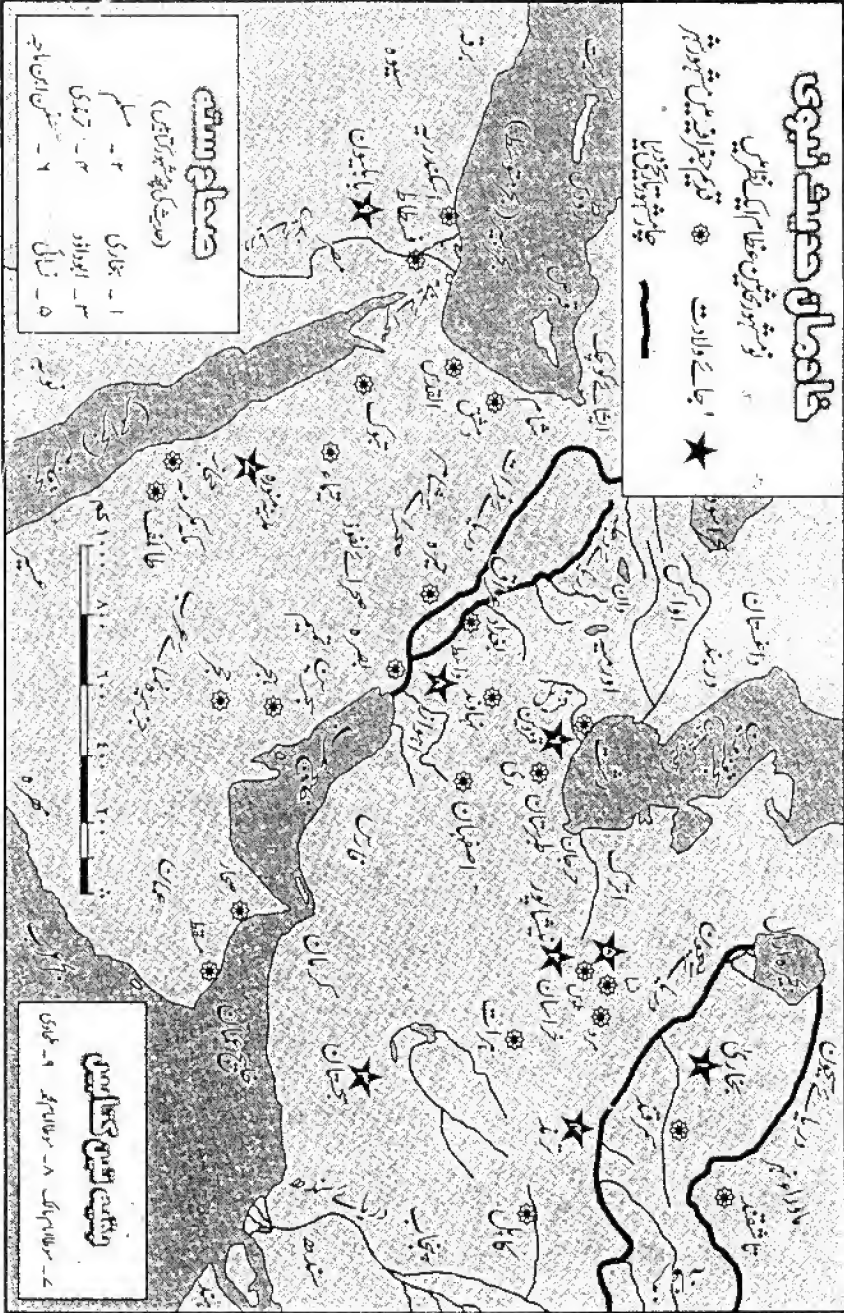
اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعہ آخرت بنائے۔ اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

Maulana Samiruddin Qasmi  
70 Stamford Street  
Old Trafford  
Manchester  
England M16 9LL  
Tel : (0161) 2279577

احقر شمیم الدین قاسمی  
سابق ستاذ حدیث، جامعہ اسلامیہ مانچسٹر  
وچیرمین مومن ریسرچ سینٹر، یو کے  
کیم مئی، ۲۰۰۴ء



(کس مقام پر کون سے ائمہ احادیث پیدا ہوئے اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں)



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## حالات صاحب المختصر للقدوری

نام و نسب

نام احمد ہے، ابوالحسن کنیت ہے، قدوری، گاؤں کی طرف یا ان کے پیشے کی طرف نسبت ہے، والد کا نام محمد ہے۔ شجرہ نسب یہ ہے... ابوالحسن احمد بن ابی بکر محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری۔

سن پیدائش اور جائے پیدائش

آپ ۳۶۲ میں پیدا ہوئے اور مقام پیدائش شہر بغداد ہے۔

کنیت کی تحقیق

المختصر للقدوری کے اکثر نسخوں میں آپ کی کنیت ابوالحسن لکھا ہوا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ تاریخ ابن خلکان، مدینۃ العلوم اور انساب سمعانی میں یہی مذکور ہے۔

قدوری، نسبت کی تحقیق

مؤرخ ابن خلکان نے اپنی تاریخ وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ قدوری، ق اور د کے ضمے اور واو کے سکون کے ساتھ قدور کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہانڈی ہیں۔ لیکن قدوری کی طرف نسبت کا سبب معلوم نہیں۔

صاحب مدینۃ العلوم فرماتے ہیں کہ قدوری کا مطلب دیگ سازی ہے۔ اب صاحب قدوری کو اس طرف اس لئے منسوب کرتے ہیں کہ ان کے خاندان کے لوگ دیگ بناتے تھے یا اس کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ اس لئے ان کو قدور کی طرف منسوب کر کے قدوری کہنے لگے۔ یا پھر اس گاؤں کے باشندے تھے جس کا نام قدورتھا۔ اسی گاؤں کی طرف منسوب کر کے قدوری کہے جانے لگے۔

تحصیل علم

امام قدوری نے علم فقہ اور علم حدیث رکن الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن یحییٰ بن مہدی جرجانی متوفی ۳۹۸ھ سے حاصل کیا۔ جو امام ابو بکر احمد جصاص کے شاگرد ہیں۔ اور حضرت ابو بکر جصاص، ابوالحسن عبید اللہ کرخی کے تلمیذ رشید ہیں۔ اور امام کرخی، ابوسعید بروعی کے خوشہ چیں ہیں۔ اور ابوسعید بروعی علامہ موسیٰ رازی کے فیض یافتہ ہیں۔ اور موسیٰ رازی امام محمد شیبانی حنفی کے مایہ ناز فرزند اور علم پروردہ ہیں۔ گویا کہ امام قدوری نے پانچ واسطوں سے حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے علم فقہ حاصل کیا۔

علم حدیث محمد بن علی بن سوید اور عبید اللہ بن محمد جوشنی سے روایت کرتے تھے۔ آپ کو ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی صاحب تاریخ اور قاضی القضاۃ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن محمد دماغانی اور قاضی مفضل بن مسعود بن محمد بن یحییٰ بن ابی الفرج التوفی متوفی ۴۴۲ھ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ حضرت نے ان جبال علم سے علم حدیث حاصل فرمایا ہے۔

## امام قدوری کی توثیق

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے حدیث لکھی ہے۔ آپ صدوق تھے اور حدیث کی روایت کم کرتے تھے۔ امام سمعانی ان کی شان میں یوں فرماتے ہیں 'کان فقیہا صدوقا، انتہت الیہ ریاسة اصحاب ابی حنیفة بالعراق. وعز عندہم قدرہ وارتفع جاہہ. وکان حسن العبارة فی النظر. مدیما لتلاوة القرآن'

ترجمہ : - آپ فقیہ اور صدوق تھے۔ آپ کی وجہ سے عراق میں مذہب حنفیہ کی ریاست کمال پر پہنچی۔ اور آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔ آپ کی تقریر و تحریر میں بڑی دلکشی تھی۔ آپ ہمیشہ تلاوت قرآن کرتے تھے۔ قاضی ابوجمہ نے طبقات الفقہاء میں آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے پرزور الفاظ میں تعریف کی ہے۔

## فقہی مقام

ابن کمال پاشا نے آپ کو اور صاحب ہدایہ کو طبقہ خامسہ یعنی اصحاب ترجیح میں شمار کیا ہے۔ لیکن اکثر علماء نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ حضرت امام قدوری حضرات قاضی خان وغیرہ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور بالفرض بڑھے ہوئے نہ بھی ہوں تو برابر کے ضرور ہیں۔ اور ان کو فقہاء کے تیسرے طبقہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس لئے امام قدوری کو بھی تیسرے درجے میں شمار کرنا چاہئے۔ اس لئے غالب یہ ہے کہ امام قدوری تیسرے درجے کے فقہاء میں سے ہیں۔

ناچیز نے قدوری کے ہر مسئلہ کی تحقیق کی تو پتہ چلا ان کے اکثر مسئلے آیت، حدیث، قول صحابی یا فتویٰ تابعی سے مستنبط ہیں۔ جس سے ان کی علمی بلندی اور تفقہ کا پتہ چلتا ہے۔

## رحلت و وفات

امام قدوری نے ۵، رجب ۱۲۲۸ھ میں شہر بغداد میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور اسی روز بغداد کے مقام درب ابی خلف میں مدفون ہوئے۔ اس کے بعد آپ کو شارع منصور کی طرف منتقل کر لیا گیا۔ اس وقت آپ ابو بکر خوارزمی کے پہلو میں آرام فرماہیں۔ مادہ تاریخ وفات 'لامع النور' ہے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ۔

## تصانیف

آپ نے بہت سی کتابیں یادگار چھوڑی جن میں سے کچھ کتابیں یہ ہیں۔

(۱) تجرید... یہ سات جلدوں میں ہے۔ اس میں اصحاب حنفیہ اور شافعیہ کے اختلافی مسائل پر محققانہ بحث کی ہے۔ اس کا املاء آپ نے ۱۲۰۵ھ میں شروع کر دیا۔

(۲) مسائل الخلاف... امام صاحب اور ان کے اصحاب کے درمیان جو فروعی اختلاف ہے اس کا ذکر ہے۔ البتہ اس میں ان کے دلائل مذکور نہیں ہیں۔

(۳) تقریب... اس میں دلائل کے ساتھ مسائل کو ذکر کئے ہیں۔

(۴) شرح مختصر الکرخی

(۵) شرح ادب القاضی

(۶) المختصر للقدوری... صاحب قدوری کی یہ کتاب بہت مشہور ہوئی اور حنفیوں کے تقریباً تمام مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی اتنی اہمیت ہوئی کہ تقریباً تیس شرحیں اردو اور عربی میں لکھی گئیں۔ خاص بات یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے شرح کے لئے اسی کتاب کے متن کو منتخب کیا۔ اور اسی کو بنیاد بنا کر پوری کتاب کی عظیم الشان شرح کی جس کو پوری دنیا میں مقبولیت حاصل ہے۔ یوں دیکھا جائے تو قدوری سے لیکر ہدایہ اخیرین تک طالب علم قدوری ہی کے متن کو دہراتار ہتا ہے۔ یہ قدوری کی مقبولیت اور اس کا کمال ہے۔ اتنی جامع اور اتنی سہل کتاب کلم نظر آتی ہے۔

اس کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسئلے آیت، حدیث، قول صحابی یا فتویٰ تابعی سے مستنبط ہیں۔ بہت کم مسئلے ہیں جو قیاس کر کے لکھے گئے ہیں۔ اور وہ بھی اصول کے تحت مستخرج ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی کتاب کو قبولیت عامہ عطا فرمائے اور امت کی جانب سے ان کو بھرپور جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین!

العبد : ثمیر الدین قاسمی

کیم مئی ۲۰۰۴ء



بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم فقہ

فقہ کے لغوی معنی

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا، فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

اصطلاحی معنی

اہل شرع کی اصطلاح میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے 'هو العلم بالاحکام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصیلیة' ترجمہ :- فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے اولہ مفصلہ سے حاصل ہو۔

ہر ایک جزو کی تشریح

الاحکام الشرعية الفرعية : احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اصلی اور ایک فرعی۔

احکام اصلی : احکام اعتقادی کو اصلی احکام کہتے ہیں۔ جیسے خداوند قدوس کی وحدانیت، رسالت، رسول کا آنا، آخرت کا علم، یہ سب احکام اعتقادیہ ہیں اور اصلی احکام کہلاتے ہیں۔ علم فقہ اس سے تعارض نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام فرعیہ بیان کرتا ہے۔

احکام فرعیہ : وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہو، جیسے نماز، روزہ، حج اور خرید و فروخت وغیرہ کے احکام۔ علم فقہ میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

ادلتها التفصیلیة : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ احکام کے تفصیلی دلائل بھی معلوم ہوں۔ مثلاً کہیں کہ حج فرض ہے تو آیت بھی معلوم ہو کہ اس کی دلیل و اتموا الحج والعمرة لله (آیت ۱۹۶، سورۃ البقرۃ ۲) موجود ہے۔ یا مسئلہ بیان کریں کہ نماز اور زکوٰۃ فرض ہیں تو یہ دلیل بھی معلوم ہو کہ آیت اقموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و ا رکعوا مع الراکعین (آیت ۴۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس کی دلیل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کے ہر جزئیہ پر حلت، حرمت، کراہت اور وجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا علم فقہ ہے۔

علم فقہ کا موضوع

مکلف آدمی کا فعل اور عمل جس سے یہ بحث کی جائے کہ یہ فرض ہے (۲) یا واجب ہے (۳) یا سنت مؤکدہ ہے (۴) یا سنت غیر مؤکدہ ہے (۵) یا نفل ہے (۶) یا مستحب ہے (۷) یا حرام ہے (۸) یا مکروہ تحریمی ہے (۹) یا مکروہ تنزیہی ہے (۱۰) یا مباح ہے۔

مکلف آدمی کے اعمال کے بارے میں اوپر کی بحثیں کرنا اور حکم لگانا علم فقہ کا موضوع ہے۔

مکلف کی قید اس لئے لگائی کہ نابالغ بچہ اور مجنون کے اعمال پر شریعت نہ حکم لگاتی ہے اور نہ اس سے بحث کی جاتی ہے۔ صرف مکلف کے اعمال سے بحث کرتی ہے۔

## غرض و غایت

سعادت دارین کی نظریاتی ہے کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔

یا علم فقہ سیکھ کر احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا اس کی غرض ہے۔

## علم فقہ کی عظمت

اس سے بڑھ کر کیا عظمت ہوگی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بلند الفاظ میں فقیہ کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ قال من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین (ترمذی شریف، باب اذا اراد اللہ بعد خیرا ففقہہ فی الدین، ص ۶۰۱، نمبر ۲۶۴۵ / مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، ج ثانی، ص ۴۶۵، نمبر ۱۵۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس جس بندے کے بارے میں خیر کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین کا علم دے دیتے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ فقیہ اشد علی الشیطان من الف عابد (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ص ۶۰۸، نمبر ۲۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیہ ہزار عابد پر بھاری ہے۔ اس لئے فقہ سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

### حقیقت تینوں اماموں کے مجموعے کا نام ہے

میرے استاد محترم فرمایا کرتے تھے کہ حقیقت صرف حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کا نام نہیں ہے بلکہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلکوں کے مجموعے کا نام حقیقت ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کے مسلک پر عمل کرے گا تو وہ حنفیہ کے مسلک پر عمل کرنا ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر فتویٰ دیا تو وہ حقیقت کے مسلک سے خارج نہیں شمار کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قدوری اور ہدایہ جیسی حنفیہ کی اہم کتابوں میں ان دونوں اماموں کے مسلک درج ہیں۔ اور وقت ضرورت ان کے مطابق فتویٰ بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے

حضرت امام ابو حنیفہؒ بہت متقی اور پرہیزگار آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیشہ احتیاط پر فتویٰ دیا اور وہی مسلک اختیار کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تک فقہ مدون نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ پہلے امام ہیں جنہوں نے فقہ اور اصول فقہ مدون کیا۔ اس لئے اگر احتیاط کے علاوہ پہلو اختیار کرتے تو ہر آدمی کی انگلی اٹھتی۔ اس لئے حضرت نے احتیاطی مسلک اختیار کیا۔ چاہے اس کے لئے فتویٰ تابعی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن انہیں کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے حدیث کی روشنی میں کہیں کہیں دوسرا مسلک اختیار کیا۔ اور کھلے دل کے ساتھ مسلک مع دلائل درج کیا۔ اب ناظرین کو اختیار ہے کہ امام اعظمؒ کا مسلک اختیار کرے یا ان کے شاگرد رشید کا مسلک اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں فضیلت امام اعظمؒ کو ہی جاتی ہے۔

آخری صدی میں مسلک امام اعظمؒ کو اجاگر کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا سہرا یو بندی مکتب فکر کے سر پر رہا۔ انہوں نے بھی احتیاطی پہلو اختیار کیا اور عموماً امام اعظمؒ کی طرح احتیاط پر ہی فتویٰ دیا۔ اس لئے بعض ناظرین کو اشکال پیدا ہوا اور کہنے لگے کہ حنفیوں کا مسلک احادیث سے مختلف ہے۔ لیکن شاید غور نہیں فرمایا کہ جن مسائل میں ان کو احادیث نہیں مل رہی ہیں وہیں حنفیوں کے دواہم ستونوں کا مسلک امام اعظمؒ سے مختلف ہے۔ اور ان کے اختیار کردہ مسلک کے لئے سو فیصد احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے موقع پر صاحبین کا مسلک حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے موافق ہو جاتا ہے۔

زیر نظر کتاب 'الشرح الثمیری' میں جا بجا دیکھیں گے کہ جہاں جہاں صاحبین نے امام اعظمؒ سے اختلاف کیا ہے وہاں امام اعظمؒ کے پاس قول صحابی یا فتویٰ تابعی ہے اور صاحبین کے پاس احادیث ہیں۔ لیکن امام اعظمؒ کا مسلک احتیاط پر ہے۔

(۱) میرا ناقص خیال ہے کہ اشکال کرنے والوں نے صرف امام اعظمؒ کے مسلک پر غور کیا اور بعض جگہ احادیث نہ پانے کی وجہ سے پورے حقیقت پر اشکال کو مضبوط کر لیا۔ انہوں نے ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو اور ان کے مضبوط احادیث کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ بھی تو حنفیت ہی کے دواہم ستون ہیں۔ اور تمام مسائل کی اشاعت انہیں کے نوک قلم کی مرہون منت ہے۔

(۲) انہوں نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ امام اعظمؒ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔ اور یہ پہلے مدون فقہ ہیں جس کی وجہ سے ان کو احتیاطی پہلو



اختیار کرنا پڑا۔

(۳) یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کا مسلک دلیل عقلی پر ہے۔ یہ تو بعد کے علماء نے حکمت بیان کرنے کے لئے دلیل عقلی، پیش کی ہے۔ ورنہ پوری قدوری کو ناچیز نے چھانا ہر مسئلہ یا آیت یا حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی سے مستنبط ہے۔ یا ان چاروں میں سے کسی ایک سے اصول متعین کیا اور اصول سے مسئلہ کا استخراج کیا ہے۔ صرف دلیل عقلی پر مسئلہ کا مدار نہیں ہے۔ اور جہاں جہاں صرف دلیل عقلی بیان کی ہے وہاں ناچیز نے اصول لکھ دیا ہے۔ اور اصول احادیث سے مستنبط ہیں اس لئے گویا کہ وہ مسئلے بھی احادیث ہی سے مستنبط ہوئے۔

صرف کتاب الایمان اور کتاب القضاء میں کچھ مسئلوں کا مدار اس زمانے کے محاورات پر ہے۔ اس لئے وہاں محاورات کے تحت مسئلہ لکھ دیا گیا ہے۔ ان مسئلوں میں حدیث اور قرآن نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ان مسئلوں کا مدار ہے ہی محاورات پر۔ اس لئے ان مسئلوں کے لئے احادیث یا آیات کہاں سے ملیں گے؟

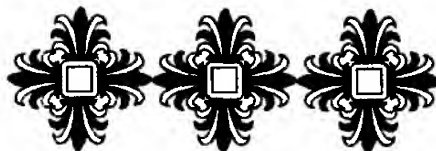
حنفیوں بلکہ تمام ہی ائمہ کرام کے مسالک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قول صحابی (۴) فتویٰ تابعی (۵) اجماع (۶) اور قیاس سے مستنبط ہے۔ اس لئے ائمہ کرام پر انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

احقر العباد : ثمیر الدین قاسمی



## ائمہ کرام ایک نظر میں

اسمائے گرامی	جائے ولادت	سن ولادت	جائے وفات	سن وفات	شیوخ	تلامذہ	تالیفات	خدمات
امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت	کوفہ	۸۰ھ	بغداد	۱۵۰ھ	ابراہیم نخعیؒ حماد بن سلیمان	امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ ابن مبارکؒ	-	تدوین فقہ تدوین اصول فقہ
امام مالکؒ مالک بن انس	حمیری مدینہ	۹۵ھ	مدینہ	۱۷۹ھ	نوسوزاند شیوخ تھے، نافع	ابن مبارکؒ قطانؒ	موطا امام مالکؒ	بانی مذہب امام مالک
امام شافعیؒ محمد بن ادریس شافعی	غزہ گاؤں عسقلان	۱۵۰ھ	مصر	۲۴۰ھ	امام مالکؒ امام محمدؒ سفیان بن عیینہؒ	احمد بن حنبلؒ علی بن مدینی اسحاق بن راہویہ	موسوۃ امام شافعی کتاب الام	بانی مذہب شافعی
امام احمدؒ احمد بن محمد بن حنبل	مروزی بغداد	۱۶۴ھ	بغداد	۲۴۱ھ	امام ابو یوسفؒ امام شافعیؒ یحییٰ بن قطان	بخاری، مسلم، ابوداؤد، عبداللہ بن احمد	مسند امام احمد ۱۲۷۱۰۰ احادیث	رد خلق قرآن بانی مذہب حنبلی
امام ابو یوسفؒ یعقوب بن ابراہیم	کوفہ	۱۱۳ھ	بغداد	۱۸۲ھ	امام ابوحنیفہؒ	احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ یحییٰ بن معینؒ	کتاب الآثار کتاب الخراج	فقہ کی ترتیب دی
امام محمدؒ محمد بن حسن	الشیخان کوفہ	۱۳۲ھ	ری	۱۸۹ھ	امام ابوحنیفہؒ امام ابو یوسفؒ سفیان ثاریؒ	امام شافعیؒ ابو حفصؒ یحییٰ بن معینؒ	موطا امام محمدؒ، جامع صغیر، جامع کبیر	حنفی کی اکثر کتابیں انہوں نے لکھی



## بسم الله الرحمن الرحيم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم کو سب سے پہلے لکھنے کی وجہ یہ ہے (الف) حضور ﷺ کو سب سے پہلی وحی آئی تو اس میں اللہ کے نام سے پڑھنے کے لئے کہا گیا اقراء باسم ربك الذي خلق آیت نمبر ۱ سورۃ العلق ۹۶ (ب) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو خط لکھا تو بسم اللہ سے شروع کیا۔ انہ من سليمان وانه بسم الله الرحمن الرحيم آیت نمبر ۳ سورۃ النمل ۲۷ (ج) قرآن کریم بسم اللہ سے شروع ہے (د) حضور ﷺ کے تمام خطوط اور تمان خطبات بسم اللہ سے شروع ہیں۔ اس لئے مصنف نے کتاب کو بسم اللہ سے شروع فرمایا۔ (ه) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول الله ﷺ کل کلام لا یبدأ فیہ بحمد الله فهو اجذم (ابوداؤد شریف، باب الہدی فی الکلام، ج ۲، ص ۳۱۷، نمبر ۳۸۳۰ راہن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح، ص ۲۷۲، نمبر ۱۸۹۴) ہر وہ کلام جو حمد کے ذریعہ شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہوتا ہے۔ اور بسم اللہ بھی حمد کا حصہ ہے اس لئے بسم اللہ سے شروع کرنے کا ثبوت ہوا۔

**نوٹ** کسی کام سے پہلے ذکر کرنا چاہئے لیکن ضروری نہیں ہے کہ بسم اللہ ہی کے ذریعہ ہو۔ تسبیح، تقدیس کے ذریعہ بھی ذکر ہو سکتا ہے۔ لیکن بہتر طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ کے ذریعہ ہو۔ کیونکہ قرآن کریم میں بسم اللہ کے ذریعہ قرآن کی ابتدا کی گئی ہے۔

بسم اللہ : میں ب حرف جار ہے جس کے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں اس کے معانی الصاق کے لئے ہیں۔ یعنی کسی فعل کے ساتھ چپکنا۔ یا اس کا معنی استقامت کے لئے ہیں یعنی اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ ب حرف جر ہے اس لئے اس کے متعلق کے لئے کوئی فعل محذوف ماننا ہوگا۔ تاکہ حرف جر اس کا متعلق ہو جائے۔ بہتر ہے کہ ابتداً محذوف مانیں تاکہ مطلب یہ ہو کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ ب متعلق کے لئے ہو گیا اور اسم تو اللہ کے تابع ہے تو گویا کہ لفظ اللہ ہی سب سے مقدم ہو گیا۔ جو اصل مقصود تھا۔

اللہ : اللہ کے نواوے نام صفاتی ہیں۔ اور یہ نام ذاتی ہے۔ اللہ الالہ سے مشتق ہے۔ الہ کے معنی ہیں معبود اور الف لام لگا دینے سے ترجمہ ہو گیا خاص معبود یعنی اللہ۔ دوسرے معبود تو ہے ہی نہیں لیکن مشرک لوگوں نے اپنے اعتقاد میں بنا رکھا ہے اس سے جدا کر کے خاص معبود اللہ کا نام ہوا۔

الرحمن : فعلان کے وزن پر ہے۔ رحمت سے مشتق ہے۔ رحمت کے معنی ہیں رقت قلب۔ اللہ میں رقت قلب محال ہے کیوں کہ وہ ذات قلب اور دل سے پاک ہے۔ اس لئے اللہ کی طرف رحمت کی نسبت ہو تو اس کے معانی ہوتے ہیں فضل و کرم کرنا، احسان کرنا۔ رحمن مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ترجمہ ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو گھیری ہوئی ہے۔ انتہائی مہربان۔

رحیم : فعیل کے وزن پر۔ یہ لفظ بھی رحمت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ البتہ اس میں رحمن کے مقابلہ میں کم مبالغہ ہے۔ کیوں کہ رحمن میں حرف زیادہ ہے۔ اس میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار حروف ہیں۔ اس لئے رحمن میں مبالغہ زیادہ ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کی دعائیں آیا ہے یا رحمن الدنیا ورحیم الآخرة۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ دنیا والوں پر اللہ کی مہربانی زیادہ ہے نسبت آخرت والوں کے۔ کیوں کہ دنیا میں مؤمن اور کافر دونوں پر مہربانی ہو رہی ہے۔ اور آخرت میں صرف مؤمن پر مہربانی ہوگی۔

(۱) الحمد لله رب العالمین (۲) والعاقبة للمتقین (۳) والصلوة والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

**تکلیف** شاید رحمن کو مقدم کرنے کی حکمت یہ ہو کہ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ ہے اور دنیا مقدم ہے۔ اس لئے بسم اللہ الرحمن الرحیم میں رحمن کو مقدم کیا۔

(۱) تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ الحمد للہ کو مقدم کرنے کی وجہ : قرآن کریم میں الحمد بالکل شروع میں ہے۔ حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ کل امر ذی بال لا یدأ فیہ بالحمد اقطع (ابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح، ص ۲۷۲، نمبر ۱۸۹۴) ترجمہ : جو انہم کام الحمد کے ذریعہ شروع نہ کیا جائے وہ ناقص ہے۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ الحمد للہ کے ذریعہ کتاب شروع کی جائے۔

الحمد : ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنا اس کو حمد کہتے ہیں۔ چاہے نعمت کے مقابلے پر ہو یا نعمت کے مقابلے پر نہ ہو۔ اللہ کی جانب سے ہر وقت نعمتوں کی بارش ہوتی رہتی ہے اس لئے ہم جو بھی حمد کریں گے وہ نعمت کے مقابلہ پر ہی ہوگی۔ ال الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہیں۔ استغراق کا مطلب ہے کہ تمام تعریفیں جو دنیا میں ہو سکتی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ جمہور کی رائے یہی ہے۔ الف لام کبھی جنس کے لئے ہوتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ ماہیت اور حقیقت حمد اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ کبھی الف لام عہد اور متعین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ یعنی متعین تعریفیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں وہ اللہ کے لئے ہیں۔

رب العالمین : رب کے معنی ہیں آہستہ آہستہ کسی چیز کی پرورش کرنا۔ اللہ پورے جہانوں کو بتدریج غذا مہیا کرتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں اس لئے اس کو رب کہتے ہیں۔ لفظ رب تنہا بولا جائے تو صرف اللہ کے لئے بولا جائے گا۔ اور اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو دوسرے کے لئے بھی رب بولا جائے گا۔ جیسے قرآن کریم کی آیت میں ہے اذ کرنی عند ربک فانساه الشیطان ذکر ربہ۔ آیت ۴۲، سورہ یوسف ۱۲، یہاں رب کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا اور مراد قیدیوں کے بادشاہ ہیں۔

العالمین : عالمین جمع کا صیغہ ہے، واحد ہے عالم۔ یہ علامت سے مشتق ہے۔ چونکہ دنیا کی تمام چیزیں بنانے والے پر علامت ہیں اس لئے اس دنیا کو عالم کہتے ہیں۔ یہ اسم فاعل کے وزن پر اسم آلہ ہے۔ جیسے خاتم اور طابع، مہر لگانے کا آلہ۔

(۲) والعاقبة للمتقین : ترجمہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے اچھا انجام ہے۔ التقویٰ : وقایہ سے مشتق ہے، اپنے آپ کو بچانا۔ گناہوں پر اصرار نہ کرے اور عبادات پر غور نہ کرے اس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام کی اتباع کامل کا نام تقویٰ ہے۔ اسی تقویٰ کا اسم فاعل متقی ہے۔ اور اسی کی جمع متقین ہے۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جو متقی لوگ ہیں آخر کار وہی لوگ دنیا اور آخرت میں کامیاب رہتے ہیں۔

(۳) والصلوة والسلام الخ درود اور سلام ہو اللہ کے رسول محمد ﷺ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر۔

**تشریح** الصلوٰۃ : صلوٰۃ کے معنی دعا، لیکن اگر اس کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس کے معنی رحمت کرنا، اور فرشتے کی طرف ہو تو صلوٰۃ کے معنی

(۴) قال الشيخ الامام الاجل الزاهد ابو الحسن احمد بن محمد بن جعفر البغدادي

استغفر کرنا۔ اور انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی دعا ہے۔ سلام : ہر قسم کی سلامتی، صلوٰۃ اور سلام کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ ان اللہ و ملائکته يصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳۔ ترجمہ: اللہ اور فرشتے حضور ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اس لئے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور سلام بھیجو۔ اس آیت میں صلوٰۃ و سلام دونوں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ فضیلت کی بات یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کام کو کرتے ہیں۔ پھر تو فضیلت کا کیا کہنا! علماء فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اس سے زیادہ فضیلت درود و سلام میں ہے۔ کیونکہ درود اور سلام خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ع بعد از خدا تو کی بزرگ قصہ مختصر۔ حدیث میں ہے۔ اخبرنی ابو حمید الساعدی انہم قالوا یا رسول اللہ! کیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللہم صل علی محمد و علی ازواجہ وذریئہ الخ (مسلم شریف، باب الصلوٰۃ علی النبیؐ، ص ۱۷۵، نمبر ۴۰۷۰ را بوداؤد شریف۔ باب الصلوٰۃ علی النبیؐ، ص ۱۷۷، نمبر ۹۷۹)

رسولہ : جس نبی پر نئی شریعت آئی ہو، کتاب آئی ہو اس کو رسول کہتے ہیں۔ اور نبی اس کو کہتے ہیں جس پر نئی شریعت نہ آئی ہو۔ اس لئے رسول نبی سے افضل ہوتے ہیں۔ اس لئے مصنف علیہ الرحمۃ نے رسول کا جملہ استعمال کیا تاکہ ادب و احترام زیادہ ہو۔ محمد : حمد سے مشتق ہے، تعریف کیا ہوا۔ یعنی جس میں فضائل مجمودہ جمع ہوں۔ الذی جمعت فیہ الخصال المحمودۃ آپ کے بہت سے نام صفاتی ہیں۔ لیکن محمد اور احمد سب سے مشہور نام ہیں۔ یہ نام آپ کے دادا نے رکھا تھا۔ آپؐ میں تمام اچھی خصلتیں جمع ہیں اس لئے آپؐ اسم بامسمیٰ بن گئے۔

الہ : یہ اہل سے مشتق ہے۔ اس کا مصداق کون کون ہیں اس میں اختلاف ہے۔ ایک معنی ہے آپ کے اہل و عیال اور اولاد، دوسرے معنی ہیں آپ کے خاندان میں جن افراد پر صدقہ لینا حرام تھا وہ حضرات آپؐ کی آل میں داخل ہیں۔ جیسے آل علیؑ، آل جعفرؑ وغیرہ۔ اصحابہ : صاحب کی جمع ہیں۔ آپؐ کے ساتھی، جن حضرات نے ایمان کے ساتھ آپؐ کو دیکھا اور ایمان ہی پر ان کا خاتمہ ہوا وہ تمام آپؐ کے اصحاب ہیں۔ ان تمام حضرات پر درود اور سلام ہو۔

(۴) شیخ وقت، قوم کے پیشوا، جلیل القدر نیک شعار ابو الحسن بن احمد بن محمد بن جعفر بغدادی جو قدوری سے مشہور ہیں وہ فرماتے ہیں۔ الشیخ : بوڑھا، قابل تعظیم آدمی، پچاس سال سے زیادہ عمر کے آدمی کو شیخ کہتے ہیں۔ اور کبھی علم و فضل کے اعتبار سے قابل تعظیم آدمی کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ شیخین بولا جائے تو اہل سیرت کے یہاں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ مراد ہوتے ہیں۔ محدثین کے یہاں امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ مراد ہوتے ہیں۔ اور فقہائے احناف کے یہاں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ مراد ہوتے ہیں۔

الامام : جس کی اقتدا کی جائے اس کو امام کہتے ہیں۔ اَمَّ یَوْمَ اِمَامَۃ باب نصر سے، امام بنا۔ لفظ ہجان کی طرح امام میں بھی مذکر اور مؤنث، مفرد اور جمع برابر ہیں۔

الاجل : جلیل القدر، بزرگ، الزاہد : نیک، پرہیزگار۔

المعروف بالقُدوری رحمة الله عليه.

**نوٹ** قال الشيخ سے اخیر تک عبارت ان کے کسی شاگرد کی ہے۔ ورنہ تو مصنف تو اضع کی وجہ سے صرف اپنا نام ہی لکھتے۔

القُدوری : قدر کے معنی ہانڈی، صاحب قدوری یا ہانڈی کا کاروبار کرتے تھے یا اس کے گاؤں کا نام ہے جس کی طرف مصنف کو منسوب کیا گیا ہے۔

**نوٹ** تفصیل حالت مصنف میں ملاحظہ فرمائیں۔



## کتاب الطہارۃ

**ضروری نوٹ :** کتاب الطہارۃ مرکب اضافی ناقص ہے۔ اس لئے اس سے پہلے مبتدایا اس کے آخر میں خبر مخدوف مانی پڑے گی۔ مثلاً ہذا کتاب الطہارۃ، یا کتاب الطہارۃ ہذا، یا کتاب الطہارۃ کو اقراء کا مفعول مانیں اور یوں عبارت رکھیں اقرء کتاب الطہارۃ۔

طہارۃ کا ثبوت : آیت میں طہارت کا ثبوت ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الى المرافق وامسحوا برء و سکم وارجلکم الى الکعبین، وان کنتم جنباً فاطہروا۔ آیت ۶، سورۃ المائدہ ۵۔ حدیث میں ہے الطہور شطر الایمان، یہ بھی ہے مفتاح الصلوۃ الطہور۔ (ترمذی، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطہور ص ۶، نمبر ۳)

طہارۃ کو مقدم کرنے کی۔

**وجہ (۱)** عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے۔ ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت نماز کو دی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ (آیت ۳، سورۃ البقرہ ۲) حدیث میں ہے الصلوۃ عماد الدین من اقامہا فقد اقام الدین۔ اسی لئے تمام مصنفین نے ابواب نماز کو مقدم کیا ہے۔ اور نماز کی شرط طہارت ہے، بغیر طہارت کے نماز ادا نہیں ہوگی اس لئے کتاب الطہارۃ کو مقدم کیا۔ (۲) حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ روزہ سال میں ایک ماہ فرض ہے۔ لیکن نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت بار بار پڑتی ہے۔ اور نماز کے لئے طہارت کی ضرورت پڑے گی تو طہارت کی ضرورت بھی دن میں پانچ بار پڑی۔ اس لئے کثرت ضرورت کی بنا پر بھی طہارت کو پہلے ذکر کیا۔

**لغوی حقیق** کتاب فاعمال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہیں۔ جیسے لباس ملبوس کے معنی میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کتاب بھی مکتوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی میں جمع کیا ہوا۔ کتب کے معنی میں جمع کرنا۔ کتاب میں بہت سے مسائل جمع ہوتے ہیں اس لئے اس کو کتاب کہتے ہیں۔

**نوٹ** فقہ کی کتابوں میں تین الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ (۱) کتاب (۲) باب (۳) فصل۔ کتاب میں مختلف انواع اور اقسام کے مسائل مذکور ہوتے ہیں اور اس میں بعض مرتبہ کئی ابواب بھی شامل ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ عام لفظ ہے۔ باب میں ایک قسم کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔ اور فصل میں ایک نوع کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

**طہارۃ :** طہر کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں طہارۃ اور پاکیزگی، اس کا الٹا ہے دس۔ شریعت میں مخصوص اعضاء کے دھونے کو طہارت کہتے ہیں۔ اس کا الٹا ہے حدث۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رفع حدث یا ازالۃ نجس کا نام طہارت ہے۔

**نوٹ** پاک کرنے کو طہارۃ بفتح ط، پاک کرنے کے بعد جو پانی باقی رہ جائے اس کو طہارۃ ط کے ضمہ کے ساتھ۔ اور پاک کرنے کا جو آلہ ہوتا ہے جیسے لوٹا اس کو طہارۃ ط کے کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں۔ پاک پانی نہ ہو تو مٹی پاک کرنے لئے چند شرائط کے ساتھ پانی کا قائم مقام ہوتی ہے۔

**نوٹ** اقسام طہارت : (۱) اعتقادات کی طہارت جیسے اللہ یا رسول یا قیامت کے ساتھ وہ اعتقاد رکھنا جو حدیث اور قرآن کے مطابق

(۱) قال الله تعالى يا ايها الذين آمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق وامسحوا برءوسكم وارجلكم الى الكعبين .

ہو (۲) مال کی طہارت جیسے مال کی زکوٰۃ دینا (۳) بدن کی طہارت جیسے وضو کرنا، غسل کرنا۔ کپڑے کی طہارت جیسے کپڑے کو پاک کرنا۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ دھو لو اور ہاتھ کو کہنیوں سمیت اور اپنے سر پر مسح کر لو۔ اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لو

**وجہ** آیت کو شروع میں لکھنے کی وجہ یہ ہیں (الف) برکت لئے ہے (۲) وضوء میں کتنے اعضاء دھوئے جائیں گے اس کا تذکرہ ہے۔ تو گویا کہ آیت اعضاء وضوء دھونے کی دلیل ہو گئی۔ آیت میں تین اعضاء دھونے اور ایک عضو کے مسح کرنے کا ذکر ہے (۱) چہرہ دھویا جائیگا (۲) دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں گے (۳) پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں گے اور سر پر مسح کیا جائے گا۔ ہر ایک عضو کی مقدار اور ان کی دلیلیں آگے آئیں گی۔

**نکتہ** اذا قمتم الى الصلوة جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اعضاء دھوؤ۔ نماز میں کھڑے ہونے کے وقت وضوء نہیں کرتے بلکہ اس سے کچھ دیر پہلے وضوء کرتے ہیں۔ اس لئے آیت سے پہلے ایک قید بڑھانی ہوگی یعنی اذا اردتم القيام الى الصلوة تم نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو وضوء کر لو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت پہلے سے وضوء موجود ہو تو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے ایک قید اور بھی بڑھانا ہوگی اذا قمتم الى الصلوة وانتم محدثون یعنی تم نماز کے لئے کھڑے ہو اس حال میں کہ تم محدث ہو تو وضوء کر لو اور محدث نہ ہو تو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ طہارت کے باوجود وضوء کرنا مستحب ہے۔

فاغسلوا : غسل غ کے فتح کے ساتھ کسی چیز پر پانی بہا کر میل کچیل دور کرنا، کسی چیز کو دھونا اور غسل غ کے ضمہ کے ساتھ غسل کرنا، پورے بدن کو دھونا۔ وجوہ : وجہ کی جمع ہے، چہرہ۔ سر کے بال اگنے سے لیکر تھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں کان کے دونوں زمرے تک کو چہرہ کہتے ہیں۔ وجہ : مواجہت سے مشتق ہے۔ اور آدمی کسی کے سامنے آئے تو چہرے کا اتنا حصہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس لئے اتنے حصے کو وجہ کہتے ہیں۔ مرافق : مرفقہ کی جمع ہے، کہنی۔ امسوا : مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔ بھیکے ہوئے ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنا۔ وارجلکم : رجل سے مشتق ہے پاؤں۔ ارجلکم پر فتح ہوگا اور عطف وجوہکم پر ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ چہرے کو دھوؤ اور پاؤں کو بھی دھوؤ۔ حضرت نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور امام حفص کی قرأت میں یہی ہے۔ اور قرآن کریم کے عام نسخوں میں لام پر فتح والی قرأت ہے۔ جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ضروری ہے ورنہ وضوء نہیں ہوگا۔ ان کے دلائل یہ ہیں (۱) قرآن نے وارجلکم الى الكعبين کہا ہے۔ اگر مسح کرنا فرض ہوتا تو الی الکعبین کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ٹخنوں تک کرو۔ بلکہ رءوسکم کی طرح مطلق بیان کرتے۔ کعبین کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ٹخنوں تک دھونا فرض ہے (۲) حضرت ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ انی سمعت رسول اللہ ﷺ انه یقول ویل للعقاب من النار (الف) (مسلم شریف، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا، ص ۱۲۴ نمبر ۲۴۴ اور بخاری شریف، باب غسل حاشیہ : (الف) آپ فرمایا کرتے تھے ایڑی کے لئے آگ سے ہلاکت ہے۔



(۲) ففرض الطہارۃ غسل الاعضاء الثلاثة ومسح الرأس (۳) والمرقان والكعبان تدخلان

الاعتقاد ص ۲۸ نمبر ۱۶۵) ایڑی پانی سے تر نہ ہو تو اس کو آگ چھوئے گی۔ تو اگر پاؤں پر مسح کریں تو ایڑی پر پانی نہیں آئے گا جس کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ کے قابل ہوگی۔ اس لئے پاؤں پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا۔ (۳) خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء فرمایا اور پاؤں کو دھویا۔ قال اتانا علی وقد صلی ثم غسل رجله الیمنی ثلاثا و رجله الیسری ثلاثا (الف) (ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ص ۱۵ نمبر ۱۱۳)

ارجلکم: کی دوسری قرأت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ قرأت عام مشہور نہیں ہے۔ اس صورت میں ارجلکم کا عطف برء و سکم پر ہوگا۔ اور مطلب یہ ہوگا کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ارجلکم کا عطف برء و سکم پر کر کے یہ مطلب لیا جائے کہ پاؤں پر بھی مسح کرو تو یہ اس وقت ہوگا جب کہ پاؤں میں موزہ ہو تو پاؤں پر مسح کرو۔ اور اس قرأت سے موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت ہوگا یا صرف جوار اور قریب ہونے کی وجہ سے جر بڑھا جائے گا۔ حکم کے اعتبار سے دھونا ہی ہے۔

رافضیوں کا مذہب ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرنا کافی سمجھتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اس پر شدت سے عمل کرتے ہیں کہ وضوء سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور وضوء کرتے وقت صرف مسح کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہی ہے کہ ارجلکم جر کے ساتھ اس کا عطف رء و سکم پر ہے اور سر کے مسح کی طرح پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے۔ لیکن ان کا جواب وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث کو وہ کیوں نہیں مانتے ہیں۔

کعبین: کعب کا تشبیہ ہے۔ ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ۔ پاؤں میں دو جگہ ابھری ہوئی ہڈی ہے۔ ایک قدم کے اوپر ہے جو صرف ایک ہی ہے۔ اور دوسری جوڑ کے پاس ہے جو ہر پاؤں میں دو دو ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ کیوں کہ کعبین تشبیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر پاؤں میں دو دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہوں۔

(۲) پس طہارت وضوء کے فرض تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے۔

وجہ آیت میں گزر چکا ہے کہ تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا ہے۔ اور بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ ان تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا فرض ہے۔

(۳) دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونا فرض میں شامل ہیں ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفرؒ کے (ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہے)

وجہ ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے دلائل یہ ہیں (۱) عن نعیم بن عبد اللہ المجمر قال رأیت ابا ہریرۃ یتوضأ فغسل وجهه فأسبع الوضوء ثم غسل یدہ الیمنی حتی اشرع فی العضد ثم یدہ الیسری حتی اشرع فی العضد ثم مسح برأسه ثم غسل رجله الیمنی حتی اشرع فی الساق ثم غسل رجله الیسری حتی اشرع فی الساق ثم قال

حاشیہ: (الف) دائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا اور بائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔

فی فرض الغسل عند علمائنا الثلاثة خلافاً لرفر (۴) والمفروض فی مسح الرأس مقدار

هكذا رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وقال قال رسول الله ﷺ انتم الغر المحجلون يوم القيامة من اسباغ الوضوء ممن استطاع منكم فليطل غرته وتحجبله (الف) (مسلم شریف، باب استحباب اطالة الغرة والتجليل فی الوضوء، ص ۲۶، نمبر ۲۴۶) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے بازو اور پنڈلی کو وضوء میں دھویا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت میں مرفق اور کعبین دھونے میں داخل ہیں۔ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے (۲) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ اذا توضأ ادار الماء على مرفقيه (دار قطنی، باب وضوء رسول اللہ ﷺ، ج اول، ص ۸۶، نمبر ۲۶۸ سنن اللیبی، باب ادخال المرفقين فی الوضوء، ج اول، ص ۹۳، نمبر ۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کہنیاں دھونے میں داخل ہیں (۳) انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں اس لئے اگر کہنیوں کی قید نہ لگاتے تو مونڈھے تک دھونا فرض ہوتا اس لئے کہنیاں تک دھونے کے لئے کہا تو کہنیوں سے آگے ساقط ہو گیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو عضو آگے کو ساقط کرنے کے لئے آئے وہ اس حکم میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے کہنی دھونے کے حکم میں داخل رہے گی۔ اس طرح رجل (پاؤں) ران تک کو کہتے ہیں۔ ٹخنہ تک کی قید لگا کر ٹخنہ سے اوپر کو ساقط کیا۔ لیکن خود ٹخنہ دھونے کے حکم میں داخل رہے گا۔

**اصول** جنس ایک ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوتا ہے۔

**فائدہ** امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں۔ یعنی اگر کہنیوں اور ٹخنوں تک دھویا اور خود کہنیوں اور ٹخنوں کو نہیں دھویا تو وضوء ہو جائیگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اتما الصیام الی اللیل یعنی روزے میں رات داخل نہیں ہے تو جس طرح الی کے مابعد رات ہے وہ روزے میں داخل نہیں ہے اسی طرح الی المرافق اور الی الکعبین میں۔ الی کے مابعد مرفق اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہونگے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہاں لیل دن کے جنس میں سے نہیں ہے۔ دن الگ جنس ہے اور رات الگ جنس ہے۔ اس لئے رات جو الی کے مابعد ہے وہ دن میں داخل نہیں ہوگی۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جنس ایک نہ ہو تو غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتا ہے۔

(۴) اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہے اور وہ چوتھائی سر ہے۔ کیونکہ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قوم کے کوڑے پر تشریف لائے اور پیشاب کیا اور وضوء فرمایا اور پیشانی پر مسح فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

**وجہ** مغیرہ بن شعبہؓ کی یہ حدیث مسلم شریف میں باب المسح علی الخفین کے تحت ذکر کی گئی ہے (ص ۱۳۴ نمبر ۲۷) اسی صفحہ پر دوسری حدیث ہے ان النبی ﷺ مسح علی الخفین ومقدم رأسه وعلی عمامته (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامة ص ۱۳۴ نمبر ۲۷) ابوداؤد شریف، باب المسح علی الخفین، ص ۲۲، نمبر ۱۵۰)) جب سر کے صرف اگلے حصے پر مسح کیا تو پتہ یہ چلا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے،

حاشیہ: (الف) میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو دیکھا کہ وہ وضوء کر رہے تھے۔ پس اپنے چہرے کو دھویا تو پورا وضوء کیا پھر دائیں ہاتھ کو دھویا یہاں تک کہ بازو کو دھونا شروع کر دیا۔ پھر بائیں ہاتھ کو دھویا یہاں تک کہ بازو کو دھونا شروع کر دیا۔ پھر سر پر مسح کیا۔ پھر دائیں پاؤں کو دھویا یہاں تک کہ پنڈلی شروع کر دی پھر بائیں پاؤں کو دھویا یہاں پنڈلی کو دھونا شروع کر دیا۔ پھر کھانسی نے اس طرح حضور ﷺ کو وضوء کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا تم لوگ قیامت کے روز چمکدار چہرے اور ہاتھ والے ہو گئے وضوء مکمل کرنے کی وجہ سے۔ پس تم میں سے جو چاہے وہ اپنے چہرے کی چمک اور پاؤں کی چمک کو زیادہ کرے۔

الناصیۃ وهو ربع الرأس لما روى المغيرة بن شعبة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتی سباطۃ قوم فبال وتوضاً ومسح علی الناصیۃ وخفیہ (۵) وسنن الطہارۃ (۶) غسل الیدین

بلکہ مستحب ہے۔ کیونکہ پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو صرف پیشانی کی مقدار یا اگلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہوتا۔ اس لئے خفیہ کے نزدیک چوتھائی سر یا پیشانی کی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔ اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہے۔ (۲) آیت میں سر کا مسح کرنا فرض ہے لیکن کتنی مقدار فرض ہے آیت سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے۔ آیت اس بارے میں مجمل ہے۔ اب حدیث نے اس کی تفسیر کی ہے کہ کم سے کم مقدار پیشانی کے برابر ہے۔ اس سے کم مقدار کا کسی حدیث سے پتا نہیں چلتا ہے۔ اس لئے یہ کم سے کم مقدار فرض ہوگی (۳) ستر عورت چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ حج کے موقع پر احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوا دے تو دم لازم ہوتا ہے۔ جس طرح پورے سر منڈوانے سے دم لازم ہوتا ہے۔ تو ان مقامات پر چوتھائی کھل کے قائم مقام ہے اس لئے سر کے مسح میں بھی چوتھائی پورے سر کے قائم مقام ہوگا (۴) قاعدہ یہ ہے کہ ب حرف جر آلہ پردا داخل ہو تو اس کا بعض مراد ہوگا اور محل کا کل، اور محل پر داخل ہو تو محل کا بعض مراد ہوگا۔ یہاں ب سر محل پر داخل ہے اس لئے سر کا بعض حصہ مراد ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا کافی ہوگا۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک چند بال کو مسح کرنے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔ وہ فرماتے ہیں کہ مسح کرنا مطلق ہے اور مطلق میں دو چار بال مسح کرنا کافی ہو جاتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں پورے سر پر مسح کرنا ثابت ہے۔ یہ احادیث بخاری شریف باب مسح الرأس کلمہ ص ۳۳ نمبر ۱۱۸۵ اور باب مسح الرأس مرة ص ۳۴ نمبر ۱۹۲ پر مذکور ہیں۔ عن عبد اللہ بن زید... ثم مسح رأسه بیدیه فاقبل بهما وادبر بدا بمقدم رأسه حتی ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما الى المكان الذی بدا منه۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ احادیث سنیت پر محمول ہیں۔ اور ہم بھی ایک مرتبہ پورے سر پر مسح کرنا سنت قرار دیتے ہیں۔

**لغت** الناصیۃ : پیشانی یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے کیوں کہ صرف پیشانی پر مسح کرنے سے کسی کے یہاں مسح ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں غزوہ خندق کے سال اسلام لائے ہیں اور ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی ہے۔ ان سے ایک سو چھتیس حدیثیں مروی ہیں۔ سباطۃ : کوڑا، کچرا پھینکنے کی جگہ۔ بال : پیشاب کیا۔

﴿سنن وضوء کا بیان﴾

(۵) سنن الطہارۃ : طہارت کی سنتیں۔ طریقہ یا راستہ کو سنت کہتے ہیں۔ شریعت میں جس کام پر عبادت کے طور پر حضور ﷺ نے بھیگی کی ہو اور کبھی کبھی چھوڑا ہو اس کو سنت کہتے ہیں۔ اگر عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادت کے طور پر کسی کام پر آپ نے بھیگی کی ہو تو وہ کام مستحب ہوگا۔ جیسے دائیں جانب سے کسی اچھے کام کو شروع کرنا مستحب ہے۔

(۶) وضوء کی سنتیں : دونوں ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ وضوء کرنے والا نیند سے بیدار ہوا ہو **تشریح** کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوا ہو اور وضوء یا غسل کرنا چاہتا ہو تو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھولینا چاہئے، یہ

ثلاثا قبل ادخالهما الا اذا استيقظ المتوضی من نومہ (۷) وتسمية الله تعالى في ابتداء الوضوء (۸) والسواک .

سنت ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ نجاست کی جگہ پر گیا ہو اور ہاتھ پر ناپاکی موجود ہو اور وضو کرنے والے کو اس کا پتہ نہ ہو۔ اب اس ہاتھ کو پانی میں ڈالے گا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کو تین مرتبہ دھو لے۔ اگر ہاتھ پر ناپاکی ہونے کا ظن غالب ہو تو دھونا ضروری ہے۔ اور صرف شک ہو تو دھونا سنت ہے۔

**حجہ** اس کے سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال اذا استيقظ احدكم من نومہ فلا تغمس يده في الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لا يدري اين باتت يده (الف) (مسلم شریف، باب کراہیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہ فی الاناء قبل غسلها ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸/ترمذی شریف، باب ماجاء اذا استيقظ احدكم من منامہ فلا تغمس يده في الاناء حتى تغسلها ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۴) مصنف نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا سنت لکھا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے بیدار نہ ہو تب بھی وضو کرنے والے کے لئے ہاتھ دھونا سنت ہے۔

**لغت** الاناء : برتن، استيقظ : بیدار ہوا، نوم : نیند

(۷) [دوسری سنت] وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

**حجہ** حدیث میں ہے کہ جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو ہی نہیں ہے۔ ابی سفیان بن حیویط عن جدتہ عن ابیہا قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه (ب) (ترمذی شریف، باب فی التسمیۃ عند الوضوء ص ۱۳ نمبر ۲۵/ابوداؤد و شریف، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، ص ۱۵، نمبر ۱۰۱) حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضو ہی نہیں ہوگا۔ لیکن یہ نفی کمال پر محمول ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضو کامل نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے

**فائدہ** اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ جان کر بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو لوٹائے گا اور بھول کر یا حدیث کی تاویل کرتے ہوئے بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو ہو جائیگا ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔

(۸) [تیسری سنت] مسواک کرنا ہے۔

**حجہ** (۱) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لولا ان اشق علی المؤمنین و فی حدیث زہیر علی امتی لا مرتهم بالسواک عند کل صلوۃ (ج) (مسلم شریف، باب السواک ص ۱۲۸ نمبر ۲۵۲/ترمذی شریف، باب ماجاء فی السواک ص ۱۲ نمبر ۲۲/بخاری شریف، باب السواک ص ۲۸ نمبر ۲۴۴) اس حدیث سے اگرچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے وقت مسواک سنت ہے۔ لیکن یہاں ایک عبارت محذوف ہوگی عند وضوء کل صلوۃ یعنی ہر نماز کے وضوء کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔ (۲) عن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے، یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ نہ دھو لے۔ (ب) اس کا وضوء کامل نہیں جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی۔ (ج) آپؐ نے فرمایا میری امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

## (۹) والمضمضة والاستنشاق

ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بالسواک مع کل وضوء (سنن للبیہقی، باب الدلیل علی ان السواک سنۃ لیس بواجب، جلد اول ص ۵۷، نمبر ۱۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سواک وضو کے وقت سنت ہے (۳) سواک کا مقصد منہ کی گندگی صاف کرنا ہے اس لئے وہ وضو کے زیادہ مناسب ہے

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک سواک سنت نماز ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث عند کل صلوٰۃ ہے (موسوعۃ امام شافعی باب السواک ص ۱۰۲ ج اول)

(۹) [چوتھی سنت] کلی کرنا [پانچویں سنت] ناک میں پانی ڈالنا۔

**حجۃ** حدیث میں ہے رأیت عثمان بن عفان سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتى بمیضۃ فاصغاهما علی یدہ الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتمضمض ثلاثا واستنثر ثلاثا (ابوداؤد شریف، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۲۱۰۸/۱۱۲۱۰۸ مسلم شریف باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۲۶) اس باب کی یہ تیسری حدیث ہے۔ اس باب میں تین مرتبہ کلی الگ پانی سے کی ہے۔ اور تین مرتبہ ناک میں پانی الگ پانی لیکر ڈالا ہے۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک تین مرتبہ پانی لیکر کلی کرنا سنت ہے۔ (۲) عن طلحۃ عن ابیہ عن جدہ قال دخلت یعنی علی النبی ﷺ وهو يتوضأ والماء يسيل من وجهه ولحيته وعلى صدره فرأيتہ يفصل بين المضمضة والاستنشاق (الف) (ابوداؤد، باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق ص ۲۰ نمبر ۱۳۹) ابوداؤد نے باضابطہ باب باندھا ہے کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنا آپ نے الگ الگ فرمایا ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چلو پانی لے اور اس کے آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے پھر دوسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے، پھر تیسری مرتبہ چلو میں پانی لے اور آدھے سے کلی کرے اور آدھے کو ناک میں ڈالے۔ اس طرح تین ہی چلو سے دونوں کام کرے۔

**وجہ** ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جس میں ہے۔ فمضمض واستنشق من کف واحد ففعل ذلک ثلاثا (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵/۲۳۵ ترمذی شریف، باب المضمضة والاستنشاق من کف واحد، ص ۱۴، نمبر ۲۸) اس حدیث میں ایک ہی پانی سے کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا ذکر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث کی اوپر کی بھی ہے۔ اور الگ الگ پانی ڈالنے میں زیادہ نفاذ ہے۔

**نوٹ** المضمضة : مضمضہ کرنا، کلی کرنا الاستنشاق : باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا، دوسرا لفظ آتا ہے استنثر : ناک سے پانی جھاڑنا

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں وضو میں بھی فرض ہیں۔

حاشیہ : (الف) میں حضور ﷺ پر داخل ہوا، وہ وضو فرما رہے تھے اور پانی آپ کے چہرے اور ڈاڑھی پر اور سینہ مبارک پر بہہ رہا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ مضمضہ اور استنشاق میں فصل کر رہے ہیں۔

(۱۰) ومسح الاذنین (۱۱) وتخليل اللحية (۱۲) والاصابع (۱۳) وتكرار الغسل الى

(۱۰) [چھٹی سنت] دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے۔

**مجا** حدیث میں ہے ان النبی ﷺ مسح برأسه واذنيه ظاهرهما وباطنهما (ترمذی شریف، باب مسح الاذنین ظاهرهما وباطنهما ص ۱۶ نمبر ۳۶ ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۲۱) انه مسح براسه وقال الاذنان من الرأس (الف) (ترمذی، باب ما جاء ان الاذنين من الرأس نمبر ۳۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کان کے اوپر اور نیچے کا حصہ سر کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کان کے لئے الگ پانی لینا مسنون ہے۔ اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ آگے کا حصہ چہرے کے ساتھ دھویا جائے اور کان کے پیچھے کا حصہ سر کے ساتھ دھویا جائے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ حدیث ہے سمع عبد الله بن زيد يذكر انه رأى رسول الله ﷺ يتوضأ فاخذ لاذنيه ماء خلاف الماء الذي اخذ لراسه (سنن للبيهقي، باب مسح الاذنين بماء جديد ج اول ص ۱۰۷، نمبر ۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ کان کے لئے الگ پانی لیا۔

(۱۱) [ساتویں سنت] ڈاڑھی کو خلال کرنا ہے۔

**مجا** حدیث میں ہے عن عثمان بن عفان ان النبی ﷺ كان يخلل لحيته (ترمذی شریف، باب تخليل اللحية ص ۱۴ نمبر ۳۱) عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ كان اذا توضأ اخذ كفا من ماء فادخله تحت حنكه خلل به لحيته وقال هكذا امرني ربي (ب) (ابوداؤد، باب تخليل اللحية ص ۲۱ نمبر ۱۳۵) نوٹ ہلکی ڈاڑھی ہو تو پانی خال تک پہنچانا ضروری ہے۔ اور گھٹی ڈاڑھی ہو تو ڈاڑھی کے اوپر دھولے اور ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا اس وقت سنت ہے۔

(۱۲) [آٹھویں سنت] انگلیوں کا خلال کرنا ہے۔

**مجا** عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال اذا توضأت فخلل اصابع يديك ورجليك (ج) (ترمذی شریف، باب تخليل الاصابع ص ۱۶ نمبر ۳۹ نسائی شریف، باب الامر بتخليل الاصابع ص ۱۶ نمبر ۱۱۴) انگلی کے خلال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اعضاء وضو میں ایک بال کے برابر خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔

(۱۳) [نویں سنت] تین مرتبہ دھونے کا تکرار کرنا ہے

**مجا** (۱) ایک ایک مرتبہ اعضاء کو دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ تین مرتبہ دھونے سے یقین ہو جائے گا کہ کوئی جگہ بال برابر بھی خشک نہیں رہ گئی۔ (۲) حدیث میں ہے رأی عثمان بن عفان دعا باناء فافروغ علی كفيه ثلث مرار فغسلهما ثم ادخل يمينه في الاناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ويديه الى المرفقين ثلث مرار، ثم مسح برأسه، ثم غسل رجليه ثلث مرار الى الكعبين ثم قال قال رسول الله ﷺ من توضأ نحو وضوئي هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما

حاشیہ : (الف) دونوں کان سر کا حصہ ہے۔ (ب) وضو ﷺ جب وضو فرماتے تو پانی کا چلو لیتے اور تھوڑی کے پاس ڈالتے اور اس سے ڈاڑھی کا خلال کرتے اور فرمایا کہ مجھے اسی طرح میرے رب نے حکم دیا ہے (ج) آپؐ نے فرمایا جب وضو کرو تو اپنے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کرو۔

## الثالث (۱۴) ويستحب للمتوضی ان ینوی الطہارۃ.

نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه (الف) (بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۷۱/۱۵۹) ابوداؤد شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۰/۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ اعضاء تین تین مرتبہ دھویا، جس سے معلوم ہوا کہ تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔

## ﴿مستحبات وضو کا بیان﴾

**ضروری نوٹ :** مستحب اس کو کہتے ہیں کہ کرنے پر ثواب دیا جائے اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہ ہو۔ مصنفؒ نے نیت کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، ترتیب سے وضوء کرنا اور پے درپے وضو کرنا مستحب لکھا ہے۔ حالانکہ دوسری کتابوں میں ان کو سنت کہا ہے (کمافی الہدایہ) اور احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چار باتیں سنت ہیں۔ متقدمین کے یہاں سنت کو بھی مستحب کہہ دیا کرتے تھے اس اعتبار سے مصنف نے ان چاروں کو مستحب کہا ہے۔ البتہ دائیں جانب سے شروع کرنا اور گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

(۱۴) وضو کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ پاکی کی نیت کرے۔

**وجہ :** سنت ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ علی المنبر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول انما الاعمال بالنیات وانما لكل امرء ما نوى (ب) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲/۱) اعمال کے ثواب کا دار و مدار یا اعمال کے صحیح ہونے کا دار و مدار نیت پر ہے۔ بغیر نیت کے وضو کا ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے وضو میں وضو کی نیت کرنا سنت ہے۔ وضو میں نیت کرنا فرض اس لئے نہیں ہے کہ پانی کو خود بخود پاک کرنے والا قرار دیا ہے چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

**دلیل :** (۱) آیت ہے انزلنا من السماء ماء طهورا (آیت ۲۸ سورۃ الفرقان ۲۵) (۲) حدیث میں ہے قال رسول اللہ ﷺ هو الطهور ماء الحل میتہ (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ماء البحر ان طہور ص ۲۱/۶۹) جب پانی بغیر نیت کی قید کے خود بخود پاک کرنے والا ہے تو نیت کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ حدیث بالا کی وجہ سے سنت رہے گا (۳) حضرت عمرؓ نے قرآن کریم چھونے کے لئے کفر کی حالت میں وضو کیا ہے۔ اور کفر کی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں اس لئے ان کا وضو کرنا بغیر نیت کے درست رہا۔ معلوم ہوا کہ وضو کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے۔

**نوٹ :** نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ عبادت مقصودہ میں اصل مقصد ثواب ہے اس لئے بغیر نیت کے یہ عبادات ادا نہ ہوں گی۔ وہاں نیت کرنا فرض ہے۔

**فائدہ :** امام شافعیؒ کے نزدیک حدیث انما الاعمال بالنیات کی وجہ سے وضو میں بھی نیت کرنا فرض ہے (موسوعۃ امام شافعیؒ ج اول، باب النیۃ فی الوضوء)

حاشیہ : (الف) عثمان بن عفان کو دیکھا کہ برتن منگوا یا پھر تین مرتبہ اپنی تھیلیوں پر پانی ڈالا اور اس کو دھویا۔ پھر دائیں ہاتھ کو برتن میں داخل کیا اور مضمضہ کیا اور استنشاق کیا۔ پھر اپنے چہرے کو تین مرتبہ دھویا پھر سر پر مسح کیا پھر دونوں پاؤں کو تین مرتبہ ٹخنوں تک دھویا۔ پھر کہا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے اور دل میں ادھر ادھر کا کوئی خیال نہ آئے تو اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے (ب) آپؐ نے فرمایا اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی (ج) آپؐ نے فرمایا سندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (مچھلی) حلال ہے۔

(۱۵) ویستوعب رأسه بالمسح (۱۶) ویرتب الوضوء فیبتداً بما بدأ الله تعالى بذكره

**لغت** الذیۃ : دل سے ارادہ کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔

(۱۵) پورے سر کا مسح کرنا۔

**مجموعہ** (۱) حدیث میں ہے عن عبد الله بن زيد عن وضوء النبي ﷺ... ثم ادخل يده في الاناء فمسح برأسه فاقبل بيده وادبر بها (الف) (بخاری شریف، باب مسح الرأس مرة ص ۳۲ نمبر ۱۹۲) (۲) ابوداؤد، باب صفت وضوء النبي ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۲ فیہ تصریح فمسح برأسه مرة واحدة) حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ سر پر مسح فرمایا (۳) اگر نئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ دھونا ہو جائے گا مسح باقی نہیں رہے گا۔ دھونے کے اعضاء میں تین مرتبہ دھوئیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن مسح تین مرتبہ نئے نئے پانی سے کریں تو موضوع ہی بدل جائے گا۔ اس لئے ایک ہی مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

**نوٹ** جن احادیث میں تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے وہ ایک ہی پانی سے پورے سر کو گھیرنے کے لئے تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایک پانی سے ہاتھ کو تین مرتبہ سر پر پھیرا جائے تاکہ اچھی طرح پورے سر پر مسح ہو جائے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ مسح کرے اور تینوں مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے ومسح رأسه ثلاثاً (ابوداؤد، باب صفة وضوء النبي ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۰۷) فمسح برأسه فاقبل بهما وادبر بدء بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الى قفاة ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذي بدء منه وغسل رجليه (ب) (مسلم شریف، باب آخر في صفة الوضوء ص ۲۳ نمبر ۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ مسح کرے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ سب احادیث میں ایک ہی پانی سے استیعاب کے لئے کئی مرتبہ مسح کیا ہے جس کے قائل ہم بھی ہیں۔

**لغت** يستوعب : گھیرے، احاطہ کرے

**نوٹ** مسح کے لئے نیا پانی لینا سنت ہے۔

**مجموعہ** ومسح برأسه بماء غير فضل يده (مسلم شریف، باب آخر في صفة الوضوء ص ۲۳ نمبر ۲۳۶)

(۱۶) ترتیب سے وضو کرے، پس وہاں سے شروع کرے جس کو اللہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔

**تشریح** اللہ نے قرآن کریم میں پہلے چہرے کو پھر ہاتھ کو پھر سر پر مسح کرنا پھر پاؤں کو دھونا ذکر کیا ہے تو اسی ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے۔ اس کے خلاف کریگا تو وضو ہو جائیگا لیکن سنت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

**مجموعہ** (۱) قرآن نے جس ترتیب سے اعضاء وضوء کو ذکر کیا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی اس لئے اس ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے (۲)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے برتن میں ہاتھ ڈالا اور سر پر مسح کیا اس طرح کہ اپنے ہاتھ کو پیچھے سے آگے کیا پھر آگے سے پیچھے کیا (ب) آپؐ نے سر پر مسح فرمایا اور ہاتھ کو پیچھے سے آگے کی طرف لائے اور پیچھے کی طرف لے گئے۔ اور سر کے اگلے حصے سے شروع کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں کو گلدی تک لے گئے پھر ان کو واپس لوٹا یا یہاں تک کہ اس مقام تک واپس لائے جہاں سے شروع کیا تھا اور پاؤں کو دھویا۔



## (۱۷) والتوالی (۱۸) وبالمیامن.

تقریباً تمام احادیث میں اسی ترتیب سے اعضاء دھونا مذکور ہے جس ترتیب سے قرآن میں ذکر ہے۔ اس لئے حضور کی مواظبت کرنے سے ترتیب سنت ہے (۳) اذ اتممت الی الصلوۃ فاغسلوا وجہکم الایۃ میں فاغسلوا کی ف تعقیب کے لئے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کے لئے کھڑے ہو تو پہلے چہرہ دھوؤ جب کھڑے ہونے اور چہرہ دھونے میں ترتیب ہوئی تو باقی اعضاء میں بھی ترتیب ہونی چاہئے اس لئے وضو میں ترتیب سنت ہے۔ لیکن یہ ترتیب واجب نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کیونکہ (۱) اوپر کے دلائل سنت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں (۲) حضرت علیؓ نے فرمایا تھا ما ابالی اذا اتممت وضوئی بای اعضائی بدأت (الف) (دارقطنی، باب ماروی فی جواز تقدیم غسل الید الیسری علی الیمنی ج اول ص ۹۲ حدیث نمبر ۲۸۹ سنن للبیہقی، باب الرخصة فی البدایۃ بالیسار ج اول ص ۱۴۰، نمبر ۴۰۶)

**فائدہ** امام شافعیؒ پچھلے دلائل کی وجہ سے ترتیب واجب قرار دیتے ہیں۔ جواب گزر گیا۔

(۱۷) پے در پے کرنا۔

**تشریح** یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد فوراً دوسرا عضو دھوئے ایسا نہیں کہ دوسرا عضو دھونے میں بہت دیر کر دے یہاں تک کہ پہلا عضو خشک ہو جائے۔

**نوٹ** التوالی کا جملہ بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

**وجہ** (۱) تمام احادیث میں ذکر ہے کہ آپؐ نے پے در پے اعضاء دھوئے ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کہ ایک عضو دھو کر بہت دیر کے بعد دوسرا عضو دھو یا اس لئے پے در پے دھونا بھی مستحب ہے۔ البتہ عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے تو سنت کی ادائیگی میں فرق نہیں آئے گا (۲) اثر میں ہے ان عبد اللہ بن عمر بال بالسوق ثم توضعاً وغسل وجهه ومسح برأسه ثم دعی لجنابة لیصلی علیہا حین دخل المسجد فمسح علی خفيه ثم صلی علیہا (موطا امام مالک، باب ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۲۴) اس اثر میں مسح علی الخفین بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء کا پیر پے دھونا ضروری نہیں ہے۔

(۱۸) دھونے کو دائیں طرف سے شروع کرنا (مستحب ہے)

**وجہ** حدیث میں ہے عن عائشة رضی اللہ عنہا کان النبی ﷺ یعجبه التیمن فی تنعله وترجله وطهوره فی شانہ کله، وقال النبی ﷺ لام عطیۃ فی غسل ابنتہ ابدأ ب میامنها ومواضع الوضوء منها (ب) بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ص ۲۹ نمبر ۱۶۷/۱۶۸) ان احادیث کی بنا پر دائیں جانب سے وضو کرنا مستحب ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کو سنت کہا ہے۔

**نکتہ** التیمن : دائیں جانب سے شروع کرنا۔

حاشیہ : (الف) مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ اگر میں اپنا وضو پورا کر لوں تو کس عضو سے وضو شروع کروں۔ (ب) آپؐ کو دائیں جانب سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا جو تا پہننے میں، کنگلی کرنے میں اور وضو کرنے میں اور ہر چیز میں۔ آپؐ نے ام عطیہ سے فرمایا اپنی بیٹی کے غسل کے سلسلہ میں کہ اس کی دائیں جانب سے غسل شروع کرنا اور اس کے وضو کے مقامات کو بھی دائیں جانب سے شروع کرنا

(۱۹) ومسح الرقبة (۲۰) والمعانی الناقضة للوضوء کل ما خرج من السبیلین.

(۱۹) گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے)

**مجموعہ** (۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی ﷺ قال من توضأ ومسح بیدیه علی عنقه وقی الغل یوم القیامة (الف) (الخصائص الحمیر، باب سنن الوضوء ج اول ص ۳۴ شرح احیاء العلوم للعلامة الزبیدی ج دوم ص ۳۶۵ باب کیفیة الوضوء، اعلاء السنن ج اول ص ۱۲۰) (۲) عن لیث عن طلحة بن مصرف عن ابيه عن جده انه رانی رسول الله ﷺ یمسح راسه حتی بلغ القذال وما یلیه من مقدم العنق (مسند احمد، باب حدیث جد طلحة الايامی، ج رابع ص ۵۳۱، نمبر ۱۵۵۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

**خلاصہ** مصنف نے چودہ سنتیں بیان کی (۱) تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا (۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۷) ڈاڑھی کا خلال کرنا (۸) انگلیوں کا خلال کرنا (۹) تین مرتبہ اعضاء کو دھونا (۱۰) پاکی کی نیت کرنا (۱۱) پورے سر کا مسح کرنا (۱۲) وضو کو ترتیب سے کرنا (۱۳) دائیں جانب سے شروع کرنا (۱۴) پے در پے کرنا اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا

**نوٹ** سنن اور مستحبات اور بھی ہیں۔

### ﴿نواقض کا بیان﴾

**ضروری نوٹ** المعانی الناقضة : وضو توڑنے والی چیزیں، جن نجاستوں کے نکلنے یا داخل ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اس کا بیان ہے۔

(۲۰) وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے رستے سے نکلے۔

**مجموعہ** (۱) آیت میں ہے او جاء احد منکم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیباً (ب) (آیت ۶ سورة المائدة) پاخانہ کرنے کی وجہ سے پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے پیشاب اور پاخانہ اور جو کچھ نکلے گا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ آیت سے اس کا پتہ چلا (۲) حدیث میں ہے عن صفوان بن عسال قال رسول الله ﷺ یا مرنّا اذا کنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ايام ولياليهن الا من جنابة ولكن من غائط و بول ونوم (ج) (ترمذی شریف، باب المسح علی الخنثین للمسا فروع الحقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رسائی شریف، باب التوقيت فی المسح علی الخنثین، ص ۱۷، نمبر ۱۲) پاخانہ، پیشاب اور جنابت پاخانہ اور پیشاب کے راستے سے نکلے ہیں اس لئے جو چیزیں بھی ان دونوں راستوں سے نکلے وہ ناقض وضو ہیں (۳) یہ دونوں مقام مقام نجاست نہیں ہیں۔ نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کوئی ناپاکی اپنی جگہ سے کھسک کر جسم کے ظاہری حصے پر آجائے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جو وضو کرے اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن پر مسح کرے تو قیامت کے روز طوق سے بچایا جائے گا (ب) تم سے کوئی پاخانہ کرنے کی جگہ سے آئے یا عورتوں سے جماع کرے اور پانی نہ پائے تو پاک مٹی سے تیمم کرے (ج) آپ ہم کو حکم دیتے تھے کہ جب ہم سفر میں ہوں تو اپنے موزوں کو تین دن اور تین رات تک نہ کھولیں مگر جنابت کی وجہ سے کھولنا ہوگا۔ اور پاخانہ، پیشاب اور نیند سے موزہ نہیں کھولیں گے (البدتہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

## (۲۱) والدم والقیح والصدید

**نوٹ** یہ چیزیں پیشاب کے رستے سے نکلتی ہیں (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) منی (۵) حیض (۶) نفاس (۷) استحاضہ۔ اور یہ چیزیں پاخانہ کے رستے سے نکلتی ہیں (۱) پاخانہ (۲) ہوا (۳) پاخانہ کا کیزا۔ ان کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

(۲۱) خون، پیپ اور کچ لہو جب بدن سے نکلے اور ایسی جگہ تک پہنچ جائے جس کو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہے (تو وضو ٹوٹ جائے گا)

**تشریح** موضع یلحقہ حکم التطہیر : یہ فقہ کا ایک محاورہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خون، پیپ وغیرہ جب تک بدن کے اندر ہوں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ بہہ کر بدن سے باہر نہ نکل جائے اور ایسی جگہ نہ آجائے جہاں آسانی سے ہاتھ سے دھویا جاسکے۔ مثلاً کان کے اندر پیپ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ لیکن اگر کان کے سوراخ میں باہر کی طرف پیپ بہہ کر آجائے جہاں انگلی سے آسانی سے پونچھا اور دھویا جاسکتا ہے تو اب وضو ٹوٹ جائے گا۔ ناک، منہ، کان، پیشاب، شرمگاہ اور پاخانہ کے اندر ناپاکی ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن باہر کی طرف آجائے جہاں آسانی کے ساتھ انگلی سے ناپاکی کو پونچھا اور دھویا جاسکتا ہے تو اب وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ ناپاکی ایسی جگہ نکل کر آگئی جہاں غسل میں یا وضو میں دھونا فرض ہوتا ہے۔ انہیں مقامات کو 'موضع یلحقہ حکم التطہیر' کہتے ہیں۔

**اصول** چوٹ لگی اور خون صرف ظاہر ہوا اپنی جگہ سے بہا اور کھسکا نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس لئے کہ صرف خون کا ظہور ہوا ہے۔ خون ابھی بہا نہیں ہے۔ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور وضو توڑتا ہے۔ قرآن میں ہے ودماسفوحا ولحم خنزیر فانہ رجس (الف) (آیت ۱۳۵، سورۃ الانعام ۶) اس لئے اگر زخم پر خون ظاہر ہوا ہو لیکن اپنی جگہ سے کھسکا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ ہاں اگر خون اتنا بہہ رہا تھا کہ اپنی جگہ سے کھسک سکتا تھا لیکن بار بار پونچھ دیا گیا جس کی وجہ سے خون نہ بہہ سکا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ بہنے اور کھسکنے کا بل خون تھا

**نوٹ** اگر مسلسل خون بہہ رہا ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا ہو اور اس حالت پر ایک دن اور ایک رات گزر گئے ہوں تو اب وہ معذور کے حکم میں ہے۔ اس لئے اب اس کا خون بہنے سے نماز کے وقت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ وہ معذور ہو گیا۔

**خون سے وضو ٹوٹنے کی وجہ** (۱) حدیث میں ہے نکسیر پھوٹے تو وضو کرو اور نماز پر بنا کرو۔ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ

من اصابہ قیء او رعاف او قلنس او مذی فلینصرف فلیتوضا ثم لیس علی صلوٰتہ وھو فی ذالک لا یتکلم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۲۲۱ اردار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج، اول، ص ۱۶۰، نمبر ۵۵۵) رعاف یعنی نکسیر پھوٹنا اور خون کا ٹکنا ہے۔ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس لئے دوبارہ وضو کر کے اس پر نماز کی بنا کرے بشرطیکہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ (۲) حدیث ہے جاءت فاطمة ابنة ابی حبیث الی النبی ﷺ فقالت یا رسول اللہ ﷺ انی امرأتہ استحاض فلا اطہر أفادع الصلوۃ؟ فقال رسول اللہ ﷺ لا، انما ذلک عرق ولیس بحیض فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوۃ واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی وقال ابی ثم توضأ لکل صلوۃ (ج) (بخاری

حاشیہ : (الف) بہتا ہوا خون اور سور کا گوشت تو یقیناً ناپاک ہے۔ (ب) آپ نے فرمایا جس کو قے ہوئی ہو یا نکسیر پھوٹی ہو یا قے ہوئی یا مذی نکلی ہو اس کو واپس جانا چاہئے اور وضو کرنا چاہئے پھر اپنی نماز پر بنا کرنا چاہئے۔ یہ اس وقت ہے کہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ (ج) فاطمہ بنت حبیش نے حضور ﷺ (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا خرج من البدن فتجاوز الى موضع يلحقه حكم الطهارة (۲۲) والقيء اذا كان ملاً الفم

شریف، باب غسل الدم ص ۳۶ نمبر ۲۲۸) نوٹ عرق سے مراد رگ سے نکلنے والے اور خون کی طرح اس کا حکم ہے۔ حیض کے خون کا حکم نہیں ہے (۳) قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من كل دم سائل (الف) (دارقطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۱) نوٹ پیپ اور کچ لہو بھی خون کی قسمیں ہیں اور خون ہی سے بنتے ہیں۔ اس لئے ان کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا۔ فائدہ امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک خون، پیپ بدن سے نکلے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ولال (۱) غزوہ ذات رقاہ میں عبادہ بن بشر کو تیر مارا اور وہ نماز پڑھتے رہے اور خون بہتا رہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وہ خون نکلنے ہی نماز توڑ دیتے۔ روایت میں ہے کہ حتی رماء بثلاثة اسهم ثم رقع وسجد (ابوداؤد شریف، باب الوضوء من الدم ص ۲۹ نمبر ۱۹۸) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی کا اپنا فعل ہے حضور کو وضو ٹوٹنے کی اطلاع نہیں تھی (۲) امام شافعی کے یہاں خون بدن پر لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو جب بہا ہوگا تو خون بدن پر لگائی ہوگا جس سے ان کے یہاں بھی اس فعل سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد میں زخم ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتے رہتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ خون ناقص نہیں ہے۔ پوری تفصیل بخاری باب من لم ير الوضوء الا من الحرمین من القبل والد بر ص ۲۹ نمبر ۶ تا ۱۸۰ میں دیکھیں۔ ہم جواب دیتے ہیں یا تو مسلسل خون بہنے سے وہ معذور کے حکم میں تھے یا خون صرف زخم پر ظاہر ہوتا تھا بہتا نہیں تھا اور خون ظاہر ہونے سے وضو ہمارے یہاں بھی نہیں ٹوٹتا جیسا کہ اوپر گزر گیا لغت الفح: پیپ، الصدید: کچ لہو، ایسا پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو، تجاوز: بہہ پڑے، کھسک جائے۔

(۲۲) اور قے جب کہ منہ بھر کے ہو (تو وضو ٹوٹ جائے گا)

وجہ (۱) جو قے منہ بھر کے ہو وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتی ہے جہاں غذا نجاست بن چکی ہوتی ہے۔ اور نجاست کا نکلنا ناقض وضو ہے اس لئے منہ بھر کے قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ اور جو قے منہ بھر کر نہ ہو وہ پیٹ کے اوپر کے حصے سے آتی ہے جہاں غذا بھی نجاست نہیں بنی ہوتی ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ اس لئے منہ بھر کر قے نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (۲) بعض حدیث میں ہے کہ وضو ٹوٹے گا اور بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قے ہوئی اور آپ نے وضو نہیں فرمایا تو یہ احادیث اسی پر محمول کی جائیں گی کہ جس میں وضو کیا وہ منہ بھر کر قے تھی اور جس میں وضو نہیں کیا وہ منہ بھر کر نہیں تھی (۳) حدیث یہ ہے عن ابی درداء رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ فاضاً فلو ضاً فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذالک له فقال صدق انا صبيت له وضوءه (ب) (ترمذی شریف، باب الوضوء من القيء والرعاف ص ۲۵ نمبر ۸) (۴) مسئلہ نمبر ۲۱ میں ابن ماجہ کی حدیث گزری جس میں تھا کہ قے سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اس حدیث

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) اے کہا اے اللہ کے رسول میں ایسی عورت ہوں کہ مستحاضہ ہوتی ہو اور پاک نہیں ہوتی ہوں۔ تو کیا نماز چھوڑ دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ صرف رگ کا خون ہے اور حیض نہیں ہے۔ پس تجھے حیض آئے تو نماز چھوڑ دے اور جب حیض ختم ہو جائے تو خون کو دھو لے اور نماز پڑھ۔ میرے باپ نے کہا کہ ہر نماز کے لئے وضو کر (الف) وضو ہر بہنے والے خون سے ہے۔ (ب) آپ نے قے فرمایا پھر وضو کیا۔ پس میں نے ثوبان سے دمشق کی مسجد میں ملاقات کی اور وضو کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا یہ سچ بات ہے۔ میں نے حضور کے لئے وضو کا پانی بہایا تھا۔

(۲۳) والنوم مضطجعا او متکئا او مستندا الى شیء لو ازيل لسقط عنه والغلبة على العقل

سے معلوم ہوا کہ قی سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

**فائدہ** امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ قے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ آپ نے قے کی اور وضو نہیں کیا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الحسن قال ليس في القلس وضوء (مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القی والقلس، ج اول، ص ۱۳۸، نمبر ۵۲۳) ہم جواب دیتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ وہ منہ بھر کر قے نہ ہو۔ یا منہ بھر کر مگر فوری طور پر وضو نہیں کیا بعد میں وضو کیا ہوگا اگرچہ وضو ٹوٹ گیا تھا۔

**نوٹ** بغم وغیرہ کی قے ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا کیونکہ بغم پر نجاست نہیں ہوتی اور نہ وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتا ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عمار بن یاسر... قال يلع عمار ا ما نخلمتک ودموع عینک والمعلم الذي في ركوتك الاسواء (دارقطني، باب نجاسة البول والامر بالتزه منه الخ، ج اول، ص ۱۳۳، نمبر ۳۵۲) اس حدیث میں ہے کہ بغم منکے کے پانی کی طرح پاک ہے۔

(۲۳) اور سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر کہ اگر اس کو قے کا دیا جائے تو آدمی گرجائے۔ اور عقل کا مغلوب ہونا بے ہوشی کی وجہ سے اور جنون کا ہونا (ان چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے)

**مذہب** (۱) اصل یہ ہے کہ گہری نیند سے یا پاگل پن سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس حالت میں ہوا نکلے یا نہیں نکلے۔ اس لئے عقل زائل ہوتے ہی ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی کو استرخاء مفاصل کہتے ہیں کہ تمام رگیں ڈھیلی ہو گئیں۔ لیکن اگر نیند گہری نہ ہو ابھی کچھ ہوش باقی ہو جیسے سجدے کی حالت میں، قیام کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گیا تو چونکہ ابھی کچھ عقل و شعور باقی ہے اس لئے ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ٹیک لگا کر سونے سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور نیند گہری ہوتی ہے۔ البتہ اگر اس لئے نہیں ہے کہ تکیہ اور سہارا اس کو گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ اس لئے وضو ٹوٹ جائے گا (۲) حدیث میں دونوں قسم کے ثبوت ہیں عن علی ابن طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ وكاء السه العينان فمن نام فليتوضأ (الف) (ابو داؤد، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۳) (۳) قال رسول اللہ ﷺ ان الوضوء لا يجب الا على من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله (ب) (ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم ص ۲۴ نمبر ۷۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گہری نیند سونے سے وضو ٹوٹے گا۔ بلکہ نیند ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ يستظرون العشاء الآخرة حتى تخفق رنوسهم ثم يصلون ولا يتوضأون (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۰ ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم، نمبر ۷۸) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدے میں سو جائے جس میں گہری نیند نہیں ہوتی تو وضو نہیں ٹوٹے گا

حاشیہ: (الف) ہوا کروٹنے والی چیز آٹکیں ہیں (یعنی بیدار آنکیں) پس جو سو گیا اس کو وضو کرنا چاہئے (ب) آپ نے فرمایا وضو نہیں واجب ہے مگر جو کروٹ پر سوئے۔ اس لئے کہ جب کروٹ پر سوتا ہے تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں (تو ہوا نکلنے لگتی ہے) (ج) صحابہ کرام عشاء کا انتظار کرتے رہتے یہاں تک کہ نیند سے جھونکے کھانے لگتے پھر نماز پڑھتے اور وضو نہیں کرتے۔

بالاغماء والجنون (۲۴) والقهقهة في كل صلوة ذات ركوع وسجود.

**نوٹ** بے ہوشی اور جنون میں بھی عقل زائل ہو جاتی ہے اس لئے وضو ٹوٹ جائے گا

**اصول** زیلان عقل سے وضو ٹوٹتا ہے۔

**لغت** اطمح : پہلو کے بل سونا، کروٹ کے بل سونا۔ الاغماء : بی ہوشی ہونا۔ الجنون : پاگل پن ہونا

(۲۴) قہقہہ مار کر ہنسنا رکوع سجدے والی نماز میں (تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا)

**تشریح** رکوع سجدے والی نماز کی قید اس لئے لگائی کہ اگر نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ صرف نماز ٹوٹے گی

**نوٹ** قہقہہ مار کر ہنسنے سے بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلتی ہے اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے۔ چنانچہ اکثر ائمہ کے نزدیک قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ لیکن چونکہ ضعیف حدیث سے وضو ٹوٹا ثابت ہے اس لئے امام ابو حنیفہؒ ضعیف حدیث پر بھی عمل کر کے وضو ٹوٹنے کے قائل ہیں۔

**بیجہ** حدیث میں ہے ان النبی ﷺ کان یصلی بالناس فدخل اعمی فتردی فی بئر کانت فی المسجد فضحک

طوائف من کان خلف النبی ﷺ فی صلواتهم فلما سلم النبی ﷺ امر من کان ضحک ان یعید وضوئہ و یعید

صلواتہ (الف) (سنن اللیثی، باب ترک الوضوء من القہقہة فی الصلوۃ، ج اول، ص ۲۲۷، نمبر ۶۸۰، دار قطنی، باب احادیث القہقہة ص

۱۷۵ نمبر ۶۱۴) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی ہی لیکن وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

**نوٹ** آہستہ ہنسنے سے صرف نماز ٹوٹے گی اور تبسم سے کچھ نہیں ٹوٹے گا۔

**فائدہ** چونکہ قہقہہ سے وضو ٹوٹنا خلاف قیاس ہے اس لئے دوسرے ائمہ کے نزدیک اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔

**بیجہ** عن جابر قال یعید الصلوۃ ولا یعید الوضوء (سنن اللیثی، باب ترک الوضوء من القہقہة فی الصلوۃ، ج اول، ص ۲۲۵، نمبر ۶۷۴) صحاح ستہ

میں قہقہہ والی حدیث نہیں ہے۔

**لغت** القہقہة : ایسی ہنسی جو پڑوس والے سن لے، ضحک : ایسی ہنسی جو خود سنے، تبسم : ایسی مسکراہٹ جو نہ پڑوس والے سنے نہ اس کی

آواز خود سنے۔

**خلاصہ** وضو ٹوٹنے والی چیزیں پانچ طرح کی ہیں (۱) سیلیں سے کچھ نکلے (۲) بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے (۳) منہ سے قے

نکلے (۴) عقل زائل ہو جائے (۵) قہقہہ مار کر ہنسنے۔

حاشیہ : (ب) حضورؐ صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک تاجیبا داخل ہوئے کہ مسجد کے کنویں میں گر گئے تو صحابہ کے کچھ لوگ ہنس پڑے جو حضور کے پیچھے نماز میں

تھے۔ پس جب آپؐ نے سلام پھیرا تو حکم دیا کہ جو ہنسنے ہیں وہ وضو لوٹائے اور نماز لوٹائے۔ نوٹ : قہقہہ سے نماز ٹوٹنے کے سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ نے قیاس چھوڑ کر

ضعیف حدیث پر عمل کیا اور احتیاط پر عمل کیا۔ حضرت کا یہ کمال تقویٰ ہے۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

(۲۵) وفرض الغسل المضمضة والاستنشاق وغسل سائر البدن (۲۶) وسنة الغسل ان

﴿غسل کے فرائض کا بیان﴾

(۲۵) غسل کے فرض (۱) کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳) پورے بدن کو دھونا ہے۔

**وجہ** (۱) اصل میں پورے بدن پر پانی پہنچانا ہے کہ ایک بال برابر بھی خشک نہ رہ جائے۔ اور منہ اور ناک کے حصے بھی بدن کے باہر کے حصے شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر وہاں تک پانی پہنچانا ضروری ہے (۲) آیت میں ہے وان کنتم جنبا فاطہروا (آیت ۶، سورۃ المائدہ ۵) آیت میں ہے کہ جنابت کی حالت میں خوب پاک پاکی حاصل کرو اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے کہ کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر ہر جگہ پانی پہنچایا جائے۔ اس لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں فرض ہیں (۳) حدیث میں ہے عن علی قال ان رسول اللہ ﷺ قال من ترک موضع شعره من جنبه لم یغسلہا فعل بها کذا کذا من النار (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل من الجنابة ص ۳۸ نمبر ۲۴۹) معلوم ہوا کہ ایک بال برابر بھی غسل میں خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوگا اسی لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔ (۴) عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ جعل المضمضة والاستنشاق للجنب ثلاثا فریضة (ب) (سنن دارقطنی، باب ماروی فی مضمضة والاستنشاق فی غسل الجنابة ج اول ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۳)

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں۔ کیونکہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ غسل میں وضو کرتے تھے اور وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔ اس لئے غسل میں سنت ہو گئے۔ دارقطنی میں دوسری حدیث ہے سن رسول اللہ ﷺ الاستنشاق فی الجنابة ثلاثا (ج اول ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۱) اس سے وہ سنت ثابت کرتے ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں بھی فرض ہے۔

﴿غسل کی سنتوں کا بیان﴾

(۲۶) غسل کی سنتیں یہ ہیں (۱) غسل کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے (۲) اور اپنی شرم گاہ کو دھوئے (۳) اور نجاست کو زائل کرے اگر اس کے بدن پر ہو (۴) پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرے مگر پاؤں ابھی نہ دھوئے (۵) پھر اپنے سر پر پانی بہائے (۶) اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے (۷) پھر اس جگہ سے الگ ہو جائے (۸) پھر دونوں پاؤں کو دھوئے۔

**وجہ** یہ آٹھ کام اسی ترتیب سے سنت ہیں۔ پاؤں پہلے اس لئے نہ دھوئے کہ غسل کا پانی پاؤں کے پاس جمع ہوگا اور پاؤں کو ناپاک کر دے گا۔ اس لئے اس کو اخیر میں دھوئے۔ البتہ پانی پاؤں کے پاس جمع نہ ہوتا ہو تو پہلے بھی پاؤں دھو سکتا ہے۔ حدیث میں اسی ترتیب سے ان سنتوں کا ذکر ہے۔ عن عائشةؓ قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا اغتسل من الجنابة یدأ فیغسل یدیه ثم یفرغ بيمينه علی شماله فیغسل فرجه ثم يتوضأ وضوءه للصلاة ثم يأخذ الماء فيدخل اصابعه فی اصول الشعر حتی اذا رأى ان قد

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے جنابت سے ایک کے برابر بھی چھوڑ دیا اور نہیں دھویا تو اس کے ساتھ آگ سے ایسا ایسا کیا جائے گا۔ یعنی عذاب دیا جائیگا (ب) حضورؐ نے مضمضہ اور استنشاق کو جُزئی کے لئے تین مرتبہ فرض قرار دیا (ج) حضورؐ نے جنابت میں تین مرتبہ استنشاق کو سنت قرار دیا۔

یبدأ المَغْتَسِل فیغسل یدیه وفرجہ ویزیل النجاسة ان كانت علی بدنہ ثم يتوضأ وضوءہ للصلوة الا رجلیہ ثم یفیض الماء علی رأسہ وعلی سائر بدنہ ثلاثاً ثم یتنحی عن ذلك المكان فیغسل رجلیہ (۲۷) وليس علی المرأة ان تنقص ضفائرها فی الغسل اذا بلغ الماء

استبرأ حنفی علی رأسہ ثلاث حنفات ثم افاض علی سائر جسده ثم غسل رجلیہ (الف) مسلم شریف، باب صفۃ غسل الجنابة ص ۱۴۷ نمبر ۳۱۶ بخاری شریف، بخاری باب الغسل مرة واحدة، ص ۳۹، نمبر ۲۵۷) اس حدیث سے ترتیب کے ساتھ سنتیں ثابت ہوئی ہیں۔

**نوٹ** نجاست پہلے اس لئے زائل کرے تاکہ پورے بدن پر پھیل کر بدن کو اور ناپاک نہ کرے۔ اس لئے غسل کے شروع میں نجاست کو صاف کرنا ضروری ہے اگر بدن پر نجاست ہو۔

**نکتہ** فوج : شرمگاہ، یفیض : بدن پر پانی بہائے یتنحی : نحی سے مشتق ہے، ایک کنارے ہو جائے، ہٹ جائے۔ (۲۷) عورت پر نہیں ہے کہ غسل میں اپنے جوڑے کو کھولے اگر پانی بال کی جڑ میں پہنچ جائے۔

**وجہ** (۱) قاعدہ کے اعتبار سے جنابت، حیض اور نفاس کے غسل میں بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد کو جوڑا ہو تو اس کو کھولنا اور بالوں میں پہنچانا ضروری ہے۔ لیکن عورت کو حضورؐ نے بار بار کی پریشانی کی وجہ سے خصوصی رعایت دی ہے کہ اگر سر کے تمام بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے تو جوڑے کو کھولنا ضروری نہیں (۲) حدیث میں ہے عورتوں کو جوڑا کھولنا ضروری نہیں ہے اگر بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جاتا ہو۔ عن ام سلمة قالت قلت یا رسول اللہ ﷺ انی امرأة اشد ضفراً اسی افانقصہ لغسل الجنابة؟ قال لا، انما یکفیک ان تحشی علی رأسک ثلاث حشیات ثم تفیضن علیک الماء فتطهرین (ب) (مسلم شریف، باب حکم ضفائر المغتسلۃ ص ۱۴۹ نمبر ۳۳۰ ابو داؤد شریف، باب المرأة هل تنقص شعرها عند الغسل نمبر ۲۵۱) اس حدیث کے چار حدیثوں کے بعد عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہے ثم تصب علی رأسها فتدلكہ دلکا شدیداً حتی تبلغ شؤن رأسها (ج) (مسلم شریف، باب استعمال المغتسلۃ من الحیض فرصۃ من مسک فی موضع الدم ص ۱۵۰ نمبر ۳۳۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پانی بالوں کی جڑوں کے اندر پہنچانا ضروری ہے تب غسل ہوگا۔ اگر جوڑا نہیں کھولا اور پانی جڑ تک نہیں پہنچا تو عورتوں کا غسل نہیں ہوگا۔

**فائدہ** بعض ائمہ کے نزدیک بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ ان کا استدلال حدیث ۳۳۰ سے ہے۔

حاشیہ : (الف) حضور جنابت کا غسل کرتے تو پہلے دونوں ہاتھ دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی بہاتے اور شرمگاہ دھوتے۔ پھر نماز کی طرح وضو کرتے پھر پانی لیتے اور انگلیوں سے بالوں کی جڑوں میں داخل کرتے یہاں تک کہ جب دیکھتے کہ بھیگ گئے ہیں تو تین لپ سر پر پانی ڈالتے پھر پورے بدن پر پانی بہاتے پھر دونوں پاؤں دھوتے (ب) ام سلمہؓ غمر ماتی ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں عورت ہوں سر پر جوڑا باندھتی ہوں۔ کیا اس کو جنابت کے غسل کے لئے کھولوں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں تمہارے لئے کافی ہے کہ اپنے سر پر تین لپ (پانی) ڈال لو پھر اپنے اوپر پانی بہا لو اور پاک ہو جاؤ (ج) پھر اپنے سر پر پانی بہاؤ اور خوب رگڑو یہاں تک کہ سر کے جوڑے میں پہنچ جائے۔



اصول الشعر (۲۸) والمعانی الموجبة للغسل انزال المنی علی وجه الدفق والشهوة من الرجل والمرأة (۲۹) والتقاء الختانین من غیر انزال المنی.

**لغت** تمقض : نقض سے کھولنا، ضفار : ضفیرۃ کی جمع جوڑا۔

﴿غسل واجب ہونے کے اسباب﴾

(۲۸) غسل واجب کرنے والے امور (۱) منی نکلنا کو ذکر شہوت کے ساتھ مرد سے اور عورت سے۔

**وجہ** (۱) منی کو ذکر اور شہوت سے نکلے تو غسل واجب ہوگا۔ لیکن بغیر شہوت کے نکلے جیسے جریان کے مرض میں ہوتا ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا صرف وضو ٹوٹے گا (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال لہ رسول اللہ ﷺ لا تفعل اذا رأیت المذی فاعسل ذکرک و توطأ وضوئک للصلوة فاذا فضخت الماء فاعسل (الف) ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۶) مسند احمد میں یوں عبارت ہے اذا حذفت فاعسل من الجنابة واذا لم تکن حاذفا فلا تغسل (ب) (مسند احمد علی بن ابی طالب، ج اول، ص ۱۷۳، نمبر ۸۴۹) حذفت اور فضخت کا ترجمہ ہے کہ منی کو ذکر نکلے تو غسل کرو۔ اور یہ شہوت کے ساتھ نکلنے میں ہوتا ہے (۳) مذی اور ودی بھی منی کا ایک حصہ ہیں لیکن کو ذکر نہیں نکلے اس لئے ان میں غسل لازم نہیں ہے۔ اسی طرح منی بیماری کی وجہ سے پانی کی طرح پتلی ہو جائے اور نکلے وقت نہ لذت ہو اور نہ کو دنا ہو اور ودی کی طرح نکلے تو ظاہر ہے کہ اس میں منی کی خصوصیت نہ رہی اس لئے اس سے غسل واجب نہ ہوگا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ منی بغیر لذت اور کو دنے کے بھی نکلے تو غسل واجب ہوگا۔

**دلائل** وہ فرماتے ہیں کہ عام احادیث میں کو دنے اور شہوت کے ساتھ نکلنے کی قید نہیں ہے۔ جیسے انما الماء من الماء (ج) (مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام یوجب الغسل ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳) اس لئے شہوت کے بغیر بھی منی نکل جائے تو غسل واجب ہوگا۔

**نوٹ** عورت کی منی نکل جائے تو اس پر بھی غسل لازم ہوگا۔ دلیل حدیث میں ہے عن ام سلمة ... فهل علی المرأة من غسل اذا احتلمت؟ فقال رسول اللہ ﷺ نعم اذا رات الماء (یعنی المنی) (د) (مسلم شریف، باب وجوب الغسل علی المرأة بخروج المنی منھا ص ۱۴۵ نمبر ۳۱۳)

**فائدہ** امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک منی مقام سے جدا ہوتے وقت شہوت نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک منی مقام سے جدا ہوتے وقت اور نکلے وقت بھی شہوت نہ ہو تب غسل واجب نہیں ہوگا۔

(۲۹) مرد اور عورت کی شرمگاہوں کے ملنے سے منی کے انزال کے بغیر۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ سے حضورؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اگر مذی دیکھو تو اپنے عضو مخصوص کو دھو لو اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرو۔ پس پانی کو ذکر نکلے تو وضو کرو (ب) اگر پانی کو ذکر نکلے تو جنابت کا غسل کرو اور اگر کو ذکر نہ نکلے تو غسل نہ کرو۔ (ج) منی نکلے تو غسل واجب ہے (د) ام سلمہ سے روایت ہے کہ حضورؐ سے پوچھا کہ کیا عورت پر غسل ہے جب احتلام ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! جب کہ منی دیکھے۔

## (۳۰) والحیض والنفساس .

**تشریح** عورت کے فرج داخل میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کو اہل عرب ختنہ کرتے تھے یہ عورت کے ختنہ کی جگہ ہے۔ اس مقام تک مرد کے ختنہ کی جگہ یعنی ختنہ داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔ چاہے منی کا انزال نہ ہو تب بھی۔

**وجہ** (۱) جگہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلے گا کہ منی نکلی یا نہیں نکلی۔ اس لئے سبب انزال کو انزال کی جگہ پر رکھ کر غسل واجب ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ شروع اسلام میں یہ تھا کہ جب تک منی نہ نکلے تب تک غسل واجب نہیں ہوتا تھا۔ اور یہ حدیث مشہور تھی انما الماء من الماء (مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام لایوجب الغسل الا ان یزول المنی و بیان نسخہ وان الغسل یجب بالجماع ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳) لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور اس بات پر اجماع ہو گیا کہ صرف جماع کرنے سے غسل واجب ہو جائے گا۔ چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو۔ اوپر ہی کے باب میں یہ حدیث ہے عن عائشةؓ قال رسول اللہ ﷺ اذا جلس بین شعبہا الاربع ومس السختان فقد وجب الغسل (الف) (مسلم شریف باب بیان ان الجماع الخ ص ۱۵۶ نمبر ۳۴۹) (۳) ابوداؤد، باب فی الاکسال ص ۳۲ نمبر ۲۱۶) میں منسوخ کے مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ تفصیل اس طرح ہے ان ابی بن کعب اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ انما جعل ذلك رخصة فی اول الاسلام لقلة الثياب ثم امر بالغسل ونهی عن ذلك (ابوداؤد، باب فی الاکسال نمبر ۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف ختنہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا چاہے انزال نہ ہوا ہو۔

(۳۰) حیض اور نفاس (سے غسل واجب ہوگا)

**وجہ** (۱) آیت میں ہے کہ حائضہ خوب پاک ہو جائے تب اس سے وطی کرو اور خوب پاک غسل سے ہوگی۔ یسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولا تقربوهن حتی یطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حیث امرکم اللہ (ب) (آیت ۲۲۲، سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں اشارہ ہے کہ حائضہ غسل کرے تب جماع کرو۔ (۲) حدیث میں ہے عن عائشہؓ ان امرأۃ سألت النبی ﷺ عن غسلها من المحیض؟ فامرھا کیف تغتسل قال خذی فرصة من مسک فتطهری بها الخ (ج) (بخاری شریف، باب دلک المرأة نفسھا اذا تطهرت من الحيض ص ۴۵ نمبر ۳۱۴) مسلم شریف، باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحيض فرصة من مسک نمبر ۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ پر غسل فرض ہے۔

نفاس : بھی حیض کے درجے میں ہے اس لئے حیض ہی کے تمام دلائل سے نفاس میں بھی غسل کرنا لازم ہوگا (۱) البتہ ایک حدیث مستدرک حاکم نے ذکر کی ہے جو کنز العمال میں ہے عن معاذ عن النبی قال اذا مضی للنفساء سبع ثم رأی الطهر فلتغتسل ولتصل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب مرد عورت کے چاروں شعبوں (یعنی شرمگاہ) پر بیٹھ جائے اور ختنہ عورت کے فرج داخل سے مل جائے تو غسل واجب ہے (ب) لوگ آپ کو حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندی چیز ہے۔ (یا تکلیف کی چیز ہے) تو حیض کی حالت میں عورت سے الگ رہا کرو اور ان سے قریب نہ ہو جب تک کہ وہ پاک نہ ہا جائیں۔ پس جب خوب پاک ہو جائیں تو اس مقام میں جماع کرو جہاں اللہ نے حکم دیا ہے۔ (ج) ایک عورت نے حضورؐ سے حیض سے غسل کے بارے میں سوال کیا تو ان کو حکم دیا کہ وہ کیسے غسل کرے گی۔ فرمایا مشک کا پھالو اور اس سے پاکی حاصل کرو (الف) حضرت معاذؓ سے مرفوعا روایت ہے کہ جب نفاس والی عورت کے سات دن گزر جائے پھر پاکی دیکھے تو غسل کرے اور نماز پڑھے

(۳۱) و سن رسول اللہ ﷺ الغسل للجمعة والعیدین والاحرام وعرفة (۳۲) وليس في

(الف) (مستدرک للحاکم، کتاب الطهارة، ج اول، ص ۲۸۴، نمبر ۶۲۶، سنن للبیہقی، باب النفاس ص ۵۰۵، نمبر ۱۶۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفساء بھی خون ختم ہونے کے بعد غسل کرے گی۔

﴿سنن غسل کا بیان﴾

(۳۱) سنت قرار دیا حضورؐ نے غسل کو (۱) جمعہ کے لئے (۲) عیدین کے لئے (۳) احرام کے لئے (۴) عرفہ کے لئے۔ ان دنوں میں غسل کرنا سنت ہے۔

**وجہ** (۱) حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول اللہ ﷺ قال غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل يوم الجمعة ص ۵۵ نمبر ۳۳۱) (۲) عن سمرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ فيها ونعمت ومن اغتسل فهو افضل (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فی ترک الغسل يوم الجمعة ص ۵۷ نمبر ۳۵۴) مسلم شریف، کتاب الجمعة ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶، مسلم شریف، باب فصل من استمع وانصت فی الخطبة، ص ۲۸۳، نمبر ۸۵۷) ان دونوں قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن پہلے غسل واجب تھا اب منسوخ ہو کر سنت باقی رہا۔

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک پہلی حدیث کی وجہ سے جمعہ کے دن غسل واجب ہے۔

عیدین کے لئے غسل سنت ہونے کے لئے حدیث یہ ہے عن ابن عباسؓ کان رسول اللہ ﷺ يغتسل يوم الفطر و يوم الاضحى (ج) (دوسری حدیث میں و يوم عرفۃ ہے) (ابن ماجہ، باب ماجاء فی الاغتسال فی العیدین ص ۱۸۶، نمبر ۱۳۱۵/۱۳۱۶)

**نوٹ** ابن ماجہ شریف کی فہرست ابواب بنانے والوں نے بہت سے ابواب لکھنے میں چھوڑ دیئے ہیں اس لئے ابن ماجہ کے ابواب کو احتیاط سے تلاش کریں۔ احرام کے لئے غسل کرنے کے لئے یہ حدیث ہے۔ عن خارجة بن زيد بن ثابت عن ابيه انه رأى النبی ﷺ تجرد لاهلاله واغتسل (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام ص ۱۷۱ نمبر ۸۳۰) مسلم شریف، باب احرام النفاء واستحباب اغتسال لاهلال احرام ص ۲۸۵ نمبر ۱۲۰۹) اس حدیث میں بھی احرام کے وقت غسل کا تذکرہ ہے۔ (۲) غسل میں پاکی اور صفائی ہوتی ہے اس لئے اوپر کے تمام مقامات پر غسل کرنا سنت ہے۔

(۳۲) اور مذی اور ودی نکلنے سے غسل نہیں ہے۔ ان میں وضو واجب ہے۔

**وجہ** (۱) مذی اور ودی مٹی نہیں ہیں اور نہ وہ کود کر نکلنے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہے صرف وضو واجب ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن علی ابن طالبؓ ارسلنا المقداد بن الاسود الى رسول اللہ ﷺ فسأله عن المذی يخرج من الانسان كيف يفعل به؟ فقال رسول اللہ ﷺ توضأ وانضح فرجك (ه) (مسلم شریف، باب المذی ص ۱۴۳ نمبر ۸۳۳)

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا جمعہ کا غسل بالغ پر واجب ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے وضو کیا تو بہت اچھا کیا اور جس نے غسل کیا تو وہ افضل ہے (ج) آپؐ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن غسل فرمایا کرتے تھے (و) زید بن ثابتؓ نے آپؐ کو دیکھا کہ انہوں نے احرام کا کپڑا اتارا اور غسل فرمایا (ه) حضرت (باقی اگلے صفحہ پر)

المذی والودی غسل وفيها الوضوء (۳۳) والطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء

(۳۰۳) (۲) سألت النبي ﷺ عن المذی؟ فقال من المذی الوضوء ومن المني الغسل (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المني والمذی ص ۳۱ نمبر ۱۱۱۱ ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی نکلے تو وضو واجب ہے غسل نہیں۔  
ودی : بھی مذی کی طرح ایک پانی ہے۔ بلکہ مذی میں تو تھوڑی شہوت ہوتی ہے ودی میں شہوت نہیں ہوتی وہ پیشاب کے بعد نکلتی ہے۔ اس لئے ودی میں وضو ہی واجب ہوگا (۲) البتہ عبداللہ بن عباس کا قول طحاوی شریف میں ہے۔ عن ابن عباس قال هو المني والمذی والودی، فاما المذی والودی فانه يغسل ذكره ويتوضأ واما المني ففيه الغسل (الف) (طحاوی شریف، باب الرجل یخرج من ذكره المذی کیف یغسل ج اول ص ۳۹ سنن للبیہقی، باب المذی والودی لا یوجبان الغسل، ج اول، ص ۲۶۲، نمبر ۸۰۰)

**لغت** المذی : بیوی سے ملاعبت کے وقت تھوڑی لذت کے ساتھ عضو مخصوص سے پانی نکلتا ہے اس کو مذی کہتے ہیں۔ الودی : پیشاب کرنے کے بعد جریان کے مریض کو سفید تھوڑا گاڑا سا پانی نکلتا ہے اس کو ودی کہتے ہیں۔

﴿پانی کے احکام﴾

(۳۳) حدثوں سے پاکی کرنا جائز ہے (۱) آسمان کے پانی سے (۲) وادیوں کے پانی سے (۳) چشموں کے پانی سے (۴) کنوؤں کے پانی سے (۵) اور سمندر کے پانی سے۔

**مجا** (۱) یہ سب پانی پاک ہیں اس لئے یہ پانی تھوڑی ناپاکی کرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے وضو کرنا اور غسل کرنا دونوں جائز ہیں (۲) آیت ہے وانزلنا من السماء ماء طهورا (ب) (آیت ۴۸، سورة الفرقان ۲۵) (۳) چشمے کے بارے میں آیت ہے الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلكه ينابيع في الارض (ج) (آیت ۲۱ سورة الزمر ۳۹) (۴) کنویں کے بارے میں حدیث ہے عن ابی سعید الخدری قال قيل يا رسول الله ﷺ انتوضأ من بئر بضاعة... فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ینجسه شیء (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لا ینجسه شیء ص ۲۱، نمبر ۶۶) سمندر کے پانی کے سلسلے میں حدیث ہے عن ابی هريرة رضى الله عنه يقول سأل رجل رسول الله ﷺ... افتوضأ من البحر فقال رسول الله ﷺ هو الطهور ماءه الحل ميتته (ه) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انه طهور ص ۲۱، نمبر ۶۹) یوں دیکھا جائے تو یہ سارے پانی آسمان ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور آسمان کے پانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو میں نے پاک کرنے والا اتارا ہے اس لئے ان پانیوں سے

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) علی بن طالبؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مقداد بن اسود کو حضورؐ کے پاس مذی کے بارے میں پوچھنے کے لئے بھیجا جو انسان سے نکلتی ہے کہ اس کے ساتھ کیا کیا جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ وضو کر لو اور اپنی شرمگاہ کو دھو لو (الف) عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نکلنے والی چیز منی، مذی اور ودی ہے۔ بہر حال مذی اور ودی تو اپنے ذکر کو دھوؤ اور وضو کر لو، بہر حال منی تو اس میں غسل ہے (ب) ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا (ج) کیا نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کو زمین کے چشموں میں بہایا۔ (د) آپؐ نے فرمایا کنویں کا پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی (ه) سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کی پچھلی حلال ہے۔

والاودية والعيون والآبار وماء البحار (۳۴) ولا تجوز الطهارة بماء اعتصر من الشجر والتمر (۳۵) ولا بماء غلب عليه غيره فاخرجه عن طبع الماء كالأشربة والخل وماء

پاکی حاصل کرنا جائز ہے

**لغت** اودیہ : جمع ہے وادی کی۔ العیون : عین کی جمع ہے چشمہ۔ الآبار : بڑ کی جمع ہے کنواں۔ البحار جمع ہے بحر کی سمندر

(۳۴) طہارت کرنا جائز نہیں ہے ایسے پانی سے جو درخت سے نچوڑا گیا ہو یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔

**حجہ** (۱) یہ پھل اور درخت کے رس ہیں پانی نہیں ہیں۔ اور پانی سے پاکی کرنا جائز ہے جیسے پہلے دلائل کے ساتھ ثابت کیا اس لئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ چاہے وہ پھل کا رس ہو یا درخت کا رس ہو (۲) حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ رس سے وضو کیا گیا ہو۔ اس لئے بھی رس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔

**نکتہ** صاحب ہدایہ نے نکتہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی رس پانی کی طرح پتلا ہو اور اس میں پانی کی پوری طبیعت ہو اور خود بخود درخت سے نچوڑا نہ گیا ہو تو چونکہ اس میں پانی کی پوری رقت سیلان اور طبیعت موجود ہے اس لئے ایسے رس سے وضو کرنا جائز ہوگا۔

**لغت** اعتصر : نچوڑا گیا ہو، مشتق ہے عصر سے۔

(۳۵) اور نہیں جائز ہے طہارت ایسے پانی سے جس پر دوسری چیز غالب آگئی ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے (۱) شربت (۲) سرکہ (۳) لوبیا کا پانی (۴) شوربا (۵) گلاب کا پانی (۶) گاجر کا پانی۔

**حجہ** (۱) یہ سب اب پانی نہیں رہے بلکہ ان کا نام بھی بدل گئے ہیں اور اوصاف بھی بدل گئے ہیں۔ مثلاً شربت میں دوسری چیز اتنی مل گئی ہے کہ اب اس کا نام بھی شربت ہو گیا۔ اب اس کو کوئی پانی نہیں کہتا۔ سرکہ کا حال بھی یہی ہے لوبیا پکا دیا جائے جس سے پانی کی حقیقت بدل جائے تو وہ شوربا کی طرح ہو جائے گا۔ اور اگر لوبیا کا پانی نچوڑا جائے تو وہ رس ہے اور رس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ گلاب کا پانی، گاجر کا پانی یہ سب رس ہیں اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ نہیں ملتا ہے۔ عن ابی امامہ الباہلی قال قال رسول اللہ ﷺ ان الماء لا ینجسہ شیء الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ (الف) (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ طحاوی شریف باب الماء تقع فیہ النجاسة ص ۱۵) اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ پانی میں پاک چیز مٹی کے علاوہ مل جائے اور بو، مزہ اور رنگ بدل دے اور پانی کی طبیعت بدل جائے تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

**نوٹ** اگر پانی میں پاک چیز ملی اور اس پر غالب نہیں آئی بلکہ مغلوب رہی تو وضو جائز ہوگا۔ اس حدیث سے اس کا استدلال ہے عن عبد اللہ بن مسعودؓ ان رسول اللہ ﷺ قال له لیلة الجن عندک طهور؟ قال لا الا شیء من نبیذ فی ادوة قال ثمرۃ طیبة وماء طهور فتوضا (ب) (ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ ص ۳۲ رد دارقطنی، باب الوضوء بالنبیذ ج اول ص ۸ نمبر ۲۳۱) نبیذ میں کھجور ڈالا جاتا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا یقیناً پانی کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی مگر غالب آجائے اس کی بو اور مزہ اور رنگ پر (ب) آپؐ نے لیلیۃ الجن میں عبد اللہؓ کو پوچھا کیا تمہارے پاس پاک کرنے کی چیز ہے؟ فرمایا نہیں! ہاں برتن میں کچھ نبیذ ہے۔ آپؐ نے فرمایا پاک پھل ہے اور پانی پاک ہے، پھر آپؐ نے وضو فرمایا۔

الباقلاء والمرق وماء الورد وماء الزردج (۳۶) وتجوز الطہارۃ بماء خالطه شیء طاهر فغیر احد اوصافه کماء المد والماء الذی یختلط به الاثنان والصابون والزعفران (۳۷) وکل

ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی پاک چیز پاک پانی میں مل جائے اور طبیعت نہ بدلے تو اس سے وضو جائز ہے۔

**اصول** پانی کی طبیعت نہ بدلی ہو تو وضو جائز ہوگا۔

**لغت** الخلل : سرکہ۔ باقلا : لوبیا (ایک قسم کی سبزی ہوتی ہے) المرق : شوربا۔ ورد : گلاب۔ الزردج : گاجر

**نوٹ** پانی کی طبیعت کبھی اجزاء کے اعتبار سے بدلتی ہے اور کبھی اوصاف کے اعتبار سے۔

(۳۶) اور جائزے وضو ایسے پانی سے جس میں پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف بدل دیا ہو۔ جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اثنان گھاس اور صابون اور زعفران ملائے گئے ہوں۔

**حجہ** (۱) پانی میں مٹی مل جانے کی وجہ سے اگر رقت اور سیلان باقی ہے تو طہارت جائز ہے۔ جیسے سیلاب کے پانی میں کافی مٹی مل جاتی ہے۔ پھر بھی لوگ اس کو پانی کہتے ہیں اس لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے (۲) اس پانی سے وضو کرنے میں مجبوری بھی ہے ورنہ دیہاتی لوگ صاف پانی کہاں سے لائیں گے۔

صابون اور اثنان گھاس کا حکم : (۱) پانی میں ایسی چیز ملائی جائے جس سے پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے یا صابون یا زعفران ڈال کر پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے ڈالنے کے بعد رقت اور سیلان باقی ہو تو طہارت جائز ہوگی۔ کیونکہ پانی کا نام اور پانی کی طبیعت باقی رہتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ پیری کی پتی ڈال کر پانی کو جوش دیا گیا اور مردہ کو نہلایا گیا۔ اگر ان چیزوں کے ڈالنے سے طہارت جائز نہیں ہوتی تو پیری کی پتی ڈال کر جوش دینے کے بعد کیسے نہلاتے اور کیسے طہارت ہوتی؟ حدیث ہے عن ابن عباسؓ عن النبی ﷺ خر رجل من بعیرہ فوقص فمات فقال اغسلوہ بماء وسدر وکفینوہ فی ثوبیہ (الف) (مسلم شریف، باب ما یفعل بالمحرم اذا مات ص ۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶ ابن ماجہ شریف، باب المحرم یبوت، ص ۴۴۹، نمبر ۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیری کی پتی یا کوئی چیز پانی کی صفائی کے لئے ملائی جائے تو اس پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ رقت اور سیلان ختم نہ ہو گیا ہو۔

**اصول** پانی کی مزید صفائی کے لئے کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس پانی سے طہارت جائز ہے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ وہ خالص پانی نہیں رہا اس لئے اس سے طہارت جائز نہیں ہوگی (موسوۃ امام شافعی ج اول ص ۲۵)

**لغت** المد : سیلاب۔ الاثنان : ایک قسم کی گھاس جس کو پانی میں مزید صفائی کے لئے ڈالتے ہیں۔

(۳۷) ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی (جو بڑے تالاب سے کم ہو) اگر اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ نجاست کم ہو یا زیادہ۔ اس لئے کہ حضور ﷺ نے پانی کو ناپاکی سے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں

حاشیہ : (الف) ایک آدمی اپنے اونٹ سے گرا اور مر گیا، آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور پیری کی پتی سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں میں کفن دو۔

ماء دائم اذا وقعت فيه نجاسة لم يجز الوضوء به قليلا كان او كثيرا لان النبي ﷺ امر بحفظ الماء من النجاسة فقال عليه السلام لا يبولن احدكم في الماء الدائم ولا يغتسلن

پیشاب نہ کرے اور نہ اس میں جنابت کا غسل کرے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں ہرگز نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو لے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے ہاتھ نے رات کہاں گزاری؟

**تشریح** پانی بڑے تالاب سے کم ہو اور ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ چاہے اس نجاست سے رنگ، بو اور مزید بدلے یا نہ بدلے۔ اس کی وجہ بہت سی احادیث ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے دو حدیثیں مصنفؒ نے بھی ذکر کی ہیں۔ پیشاب نہ کرنے کے بارے میں احادیث یہ ہیں سمع ابو ہریرۃ انہ سمع رسول اللہ ﷺ يقول لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لا یجری ثم یغتسل فیہ (الف) (بخاری شریف، باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹) مسلم شریف، باب النہی عن البول فی الماء الراکد ص ۳۸ نمبر ۲۸۲) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب (ب) (مسلم شریف، باب الہی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۳۸ نمبر ۲۸۳) نیند سے بیدار ہونے کے بعد تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم اس حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء حتی یغسلہا ثلاثا فانہ لا یدری این باتت یدہ (ج) (مسلم شریف، باب کراہیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلہا ثلاثا ص ۳۶ نمبر ۲۷۸) ترمذی شریف، باب ما جاء اذا استیقظ احدکم من منامہ ص ۱۳ نمبر ۲۴) یہ احادیث اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں پانی میں نجاست ڈالنے سے منع فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ ورنہ منع کرنے کے کوئی معنی نہیں ہے۔

**فائدہ** امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے جب تک رنگ، بو اور مزہ میں سے ایک نہ بدلے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ انتوضا من بئر بضاعہ و ہی بئر یلقى فیہا الحیض ولحوم الکلاب والنتن؟ فقال رسول اللہ ﷺ ان الماء طهور لا ینجسہ شیء (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الماء لا ینجسہ شیء ص ۲۱ نمبر ۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپاک چیز گرنے سے جب تک مزہ، بو یا رنگ نہ بدل جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کنواں میں حیض اور کتے کا گوشت اور گندگیاں اتنی ڈالی جاتی ہوگی اور پھر بھی رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے یہ ناممکن

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو اس میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور پھر اس میں غسل کرے (ب) آپؐ نے فرمایا کوئی آدمی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو (ج) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھو لے اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے۔ (د) آپؐ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ (بقید اگلے صفحہ پر) حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) کیا بئر بضاعہ سے وضو کریں؟ حالانکہ وہ ایسا کنواں ہے کہ اس میں حیض کے کپڑے، کتے کا گوشت اور گندگیاں ڈالی جاتی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی۔

فیہ من الجنابة وقال علیہ السلام اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا یغمسن یدہ فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانہ لا یدری این باتت یدہ (۳۸) واما الماء الجاری اذا وقعت فیہ نجاسة جاز الوضوء منه اذا لم یرلھا اثر لانھا لاتستقر مع جریان الماء (۳۹) والغدير العظيم

ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں ماء جاری کے حکم میں تھا اور ماء جاری کے بارے میں ہم بھی کہتے ہیں کہ جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔ جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے قال رسول اللہ ﷺ اذا كان الماء قلتین لم يحمل الخبث (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لا ینجس شئ ص ۲۱ نمبر ۶) ہم کہتے ہیں دوسری حدیثوں میں یہ قید نہیں ہے (۲) حدیث کمزور ہے۔

**لغت** ماء دائم : ٹھہرا ہوا پانی (یہاں تھوڑا مراد ہے جو جاری نہ ہو اور بڑا تالاب نہ ہو) یغسین : ڈالنا۔ باتت : رات گزارنا۔ (۳۸) اور جاری پانی جب کہ اس میں نجاست گر جائے پھر بھی اس سے وضو جائز ہے اگر اس میں نجاست کا کوئی اثر نظر نہ آئے۔ اس لئے کہ ناپاک پانی بہنے کی وجہ سے ٹھہرے گی نہیں۔

**تشریح** نجاست کا اثر نظر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ یا بو یا مزہ میں سے ایک بدل جائے تو جاری پانی ہونے کے باوجود اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن اگر ناپاک گری لیکن پانی کا مزہ یا بو یا رنگ ناپاک کی گرنے کی وجہ سے نہیں بدلا تو اس پانی سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے۔ وہ پانی ابھی تک پاک ہے۔

**وجہ** (۱) اس لئے کہ جیسے ہی ناپاک گری تو اس کو جاری پانی بہا کر دوسری جگہ لے گیا وہاں ٹھہرنے نہیں دیا۔ اس لئے اس جگہ کا پانی پاک رہا (۲) حدیث میں ہے کہ ماء کثیر کا جب تک رنگ، بو اور مزہ نہ بدلے پاک ہے عن ابی امامہ الباہلی قال قال رسول اللہ ﷺ ان الماء لا ینجسہ شیء الا ما غلب علی ریحہ وطعمہ ولونہ (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الحيض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ طحاوی، باب الماء تنقی فی النجاسة ص ۱۵) مسئلہ نمبر ۳ پر حدیث قلتین گزری اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماء کثیر میں ناپاک کی گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے۔

**لغت** الماء الجاری : جو پانی تنکے بہا کر لے جائے، چلو سے پانی لے تو فوراً دوسرا پانی اس جگہ آجائے اس کو ماء جاری کہتے ہیں۔ (۳۹) ایسا بڑا تالاب جو نہیں متحرک ہوتا ہو اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کے حرکت دینے سے۔ اگر اس کے ایک کنارے میں ناپاک کی گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ناپاک وہاں تک نہیں پہنچے گی۔

**وجہ** اتنا لمبا جوڑا تالاب ہو کہ ایک جانب اس کے پانی کو حرکت دے تو اس حرکت کا اثر اور دوسری جانب نہ پہنچے۔ تو جب حرکت کا اثر نہیں پہنچتا ہے تو نجاست کا اثر دوسری جانب کیسے پہنچے گا۔ جبکہ حرکت کا اثر تیز ہوتا ہے اور نجاست کا اثر دھیمہ ہوتا ہے۔ اس لئے دوسری جانب پاک (الف) آپ نے فرمایا جب پانی دو ٹکے ہوں تو ناپاک نہیں ہوتا (ب) آپ نے فرمایا پانی کو کوئی چیز پاک نہیں کرتی مگر یہ کہ غالب آجائے اس کی بو پر اس کے مزے پر اور اس کے رنگ پر۔



الذى لا يتحرك احد طرفيه بتحرك الطرف الآخر اذا وقعت في احد جانبيه نجاسة جاز الوضوء من الجانب الآخر لان الظاهر ان النجاسة لاتصل اليه (۴۰) وموت مالم يمس له

رہے گا۔ اور دوسری جانب وضو اور غسل کرنا جائز ہوگا۔

**نوٹ** امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ غسل سے حرکت دینے کا اعتبار ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک وضو سے حرکت دیکر دیکھیں گے کہ دوسری جانب پہنچتا ہے یا نہیں۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک دو منکے پانی ہو تو وہ ماء کثیر ہے۔ اس میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، بو یا مزہ بدل جائے تو پانی پاک رہے گا۔ ان کی دلیل حدیث قلعتین ہے جو مسئلہ نمبر ۳ میں گزر گئی۔

**نوٹ** امام ابوحنیفہ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے (۲) دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض ہو اور اتنا گہرا ہو کہ پانی کا چلواٹھانے سے زمین نظر نہ آئے تو اس کو بھی عوام کی سہولت کے لئے بڑا تالاب اور ماء کثیر کہتے ہیں۔

**نکتہ** الغدير : تالاب

(۴۰) پانی میں ایسی چیز کا مرنا جس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے (۱) مچھر (۲) مکھی (۳) بھڑ (۴) بچھو۔

**وجہ** (۱) اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور ان جانوروں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔ اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے الا ان يكون ميتة او دما مسفورا (آیت ۴۵ سورة الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اس لئے جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو وہ ناپاک نہیں کرے گا (۳) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کھانے میں مکھی گر جائے تو کھانا ناپاک نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کلہ ثم لیطرحہ فان فی احدی جناحہ شفاء و فی الآخر دواء (الف) بخاری شریف، کتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء ص ۸۶۰ جلد ثانی نمبر ۸۲ (۵) حدیث میں پوری مکھی کو برتن میں ڈالنے کے لئے کہا۔ اگر مکھی سے کھانا یا پانی ناپاک ہوتا تو پوری مکھی کو کیسے ڈالنے کے لئے فرماتے (۴) دارقطنی میں ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ کھانے یا پانی میں گر جائے تو اس کھانے کو کھاؤ۔ اور اس پانی سے وضو کرو قال رسول اللہ ﷺ یا سلمان کل طعام و شراب وقعت فیہ دابة لیس لها دم فماتت فیہ فهو حلال اکلہ و شربہ و وضوءہ (ب) (دارقطنی، باب کل طعام وقعت فیہ دابة لیس لها دم ج اول ص ۳۳ نمبر ۸۱) دارقطنی کی حدیث اگرچہ کمزور ہے لیکن بخاری کی حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کی ایک روایت ہمارے مطابق ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اگر مکھی تم میں سے کسی کے برتن میں گر جائے تو پورے ہی کوڈو پھراس کو نکال کر پھینک دو۔ اس لئے کہ اس کے ایک پر میں شفاء ہے اور دوسرے میں بیماری ہے (ب) آپؐ نے فرمایا، اے سلمان! ہر وہ کھانا اور پینا جس میں ایسا جانور گر جائے جس میں خون نہیں ہوتا اور اس میں مر جائے تو اس کا کھانا اور اس کا پینا اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔

نفس سائلة فی الماء لا یفسد الماء کالبق والذباب والزناбір والعقارب (۴۱) وموت ما یعیش فی الماء لا یفسد الماء کالسمک والضفدع والسرطان (۴۲) واما الماء

کہ یہ جانور میتہ ہے اور ان کا کھانا حرام ہے۔ اور میتہ ناپاک ہوتا ہے اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔

**لغت** نفس سائلة : بہتا ہوا خون۔ البق : مچھر۔ الذباب : بکھی۔ الزناбір : بھڑ۔ العقارب : بچھو، عقرب کی جمع ہے۔

(۴۱) مرنا ایسی چیز کا جو پانی میں زندگی گزارتی ہو پانی کو ناپاک نہیں کرتی ہے جیسے (۱) مچھلی (۲) مینڈک (۳) کیڑا۔

**حجہ** (۱) جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اور اسی میں زندگی گزارتا ہے اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔ کیونکہ بہتا ہوا خون رہے گا تو پانی کے اندر

ہی نہیں ر سکے گا۔ اور وہ جو تھوڑا بہت خون نظر آتا ہے وہ مکمل خون نہیں ہے۔ خون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو دھوپ میں رکھو تو وہ کالا سا ہو جائے

گا۔ اور دریائی جانور کے خون کو دھوپ میں رکھو تو وہ سفید ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ مکمل خون ہی نہیں ہے۔ اور مسئلہ نمبر ۴۰ میں تفصیل سے گزر چکا

ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ (۲) عن ابی ہریرۃ قال رسول اللہ ﷺ ہو

الطہور ماء الحل میتہ (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی ماء البحر انہ طہور ص ۲۱ نمبر ۶۹) سمندر کا میتہ حلال ہے سے استدلال کیا جا

سکتا ہے کہ کھانا تو حلال نہیں ہے لیکن اس کے مردے میں خون نہیں ہوتا اس لئے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کی ایک روایت ہے کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے مائی جانور کے مرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مچھلی

تو حلال ہے لیکن دوسرے جانور حلال نہیں ہیں اس لئے دوسرے جانور کے مرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہوگا۔

**لغت** الضفدع : مینڈک۔ السرطان : کیڑا۔

**نوٹ** جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اور پانی ہی میں زندگی گزارتا ہے وہ مائی جانور کہلاتا ہے۔ اور جو پانی کے اوپر پیدا ہوتا ہے اور پانی میں رہتا

ہے وہ مائی جانور نہیں ہے جیسے بطخ۔

(۴۲) اور ماء مستعمل نہیں جائز ہے اس کا استعمال کرنا حادث کے پاک کرنے میں۔

**تشریح** جس پانی کو حادث غسل یا حادث وضو کو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا قربت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو ایسے پانی کو دو

بارہ حادث غسل یا حادث وضو کو پاک کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ پانی مستعمل ہو چکا ہے۔ اور ماء مستعمل خود پاک تو

ہے لیکن حادث کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

**حجہ** (۱) پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ماء مستعمل صحابہ کے کپڑوں میں وضو اور غسل کے بعد لگتا رہا لیکن آج تک کسی نے ماء مستعمل کی وجہ سے

کپڑا نہیں دھویا۔ اور پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب کو پانی کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود کسی نے ماء

مستعمل استعمال کر کے وضو یا غسل نہیں کیا۔ اور نہ اس کو دوسرے برتن میں وضو یا غسل کے لئے رکھا ہو (۲) پاک ہونے کی دلیل وہ احادیث

ہیں جن میں حضورؐ نے وضو کے لئے استعمال کیا ہوا پانی مریضوں کو پلایا ہے۔ اگر ماء مستعمل پاک نہ ہوتا تو آپؐ اس کو بیماروں کو کیسے

حاشیہ : (الف) سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

المستعمل لا يجوز استعماله في طهارة الاحداث (۴۳) والماء المستعمل كل ماء ازيل به

پلاتے؟ حدیث میں ہے عن جابر یقول جاء رسول الله ﷺ يعودني وانا مريض لا اعقل فتوضاً وصب على من وضوئه فعقلت (الف) بخاری شریف، باب صب النبي ﷺ وضوءه علی المغفی علیہ ص ۳۲ نمبر ۱۹۴ (۳) سمعت السائب بن یزید یقول ذهب بی خالتی الی النبی ﷺ فقالت یا رسول الله ان ابن اختی وقع فمسح رأسی ودعا لی بالبرکة ثم توضاً فشربت من وضوءه (ب) (بخاری شریف، باب استعمال فضل وضوء الناس ص ۳۱ نمبر ۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے تب ہی تو وضو کا پانی پلایا۔ اور السنن الکبریٰ للبیہقی، باب طهارة الماء المستعمل ج اول ص ۳۵۹، نمبر ۱۱۱ میں اس سلسلے کی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ اور ماء مستعمل کے پاک نہ کرنے کے سلسلے میں ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں آپؐ نے ہر عضو کے لئے نیا پانی لیا ہے۔ اگر ماء مستعمل طہور ہوتا تو ماء مستعمل ہی کو دوبارہ استعمال کر لیتے اور ہر عضو کے لئے نیا پانی نہ لیتے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس اتحبون ان اریکم کیف کان رسول الله ﷺ يتوضاً فدعا باناء فيه ماء فاغترف غرفة بيده اليمنى فتمضمض واستنشق ثم اخذ اخرى فجمع بها يديه ثم غسل وجهه الخ (ج) (ابوداؤد، باب فی الوضوء مرتین ص ۲۰ نمبر ۱۳۷) اس حدیث میں ہر عضو کے لئے الگ الگ پانی لیا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں تھوڑے پانی میں جنابت کے غسل کرنے سے منع فرمایا۔ اگر اس کے جسم پر نجاست نہ ہو تو منع کرنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ماء مستعمل ہونے کے بعد وہ پانی دوسروں کے کام نہیں آ سکتا۔ اس لئے اس میں گھس کر پانی کو مستعمل کرنے سے منع فرمایا۔ حدیث میں ہے ابو ہریرۃ یقول قال رسول الله ﷺ لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وهو جنب (د) (مسلم شریف، باب انھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۳۸ نمبر ۲۸۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک تو ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

**فائدہ** صاحب ہدایہ نے ماء مستعمل کے حکم کے سلسلے میں کئی قول نقل کئے ہیں۔ لیکن اکثر ائمہ کا صحیح قول یہی ہے کہ وہ پاک ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ کما قال موسوعة الامام الشافعی، باب حکم الماء المستعمل ج اول ص ۵۲ (۴۳) ماء مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدت زائل کیا گیا ہو (۲) یا بدن پر قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

**تشریح** (۱) اگر یعنی نجاست بدن یا کپڑے پر ہو اس کو پانی سے دور کیا تو وہ پانی ناپاک ہے۔ البتہ نجاست یعنی نہ ہو صرف حدت اکبر جنابت یا حدت اصغر وضو کرنے کے لئے پانی استعمال کیا تو وہ ماء مستعمل ہوتا ہے (۲) یا پہلے وضو موجود ہو لیکن قربت الہی حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضو کرے تو یہ بھی ماء مستعمل ہو جاتا ہے۔ جس کا حکم اوپر گذر چکا۔

حاشیہ : (الف) حضور میری عیادت کے لئے آئے۔ میں بیمار تھا اور سمجھتا نہیں تھا تو آپؐ نے وضو فرمایا اور وضو کا پانی مجھ پر بہایا تو میں سمجھنے لگ گیا (ب) حضرت سائب فرماتے ہیں کہ میری خالہ مجھے حضورؐ کے پاس لے گئی اور کہا یا رسول اللہ میری بہن کے بیٹے میں جنونیت کا اثر ہے۔ پس آپؐ نے میرا سر پونچھا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر وضو فرمایا تو میں نے آپؐ کے وضو کا پانی پیا۔ (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ حضورؐ کیسے وضو فرماتے تھے اس کو دکھلاؤں؟ پھر ایک برتن منگوایا جس میں پانی تھا اس سے دائیں ہاتھ سے ایک چلو لیا پس مضمضہ اور استنشاق کیا پھر دسر چلو لیا اور دونوں ہاتھ جمع کر کے چہرے کو دھویا ... الی آخرہ (د) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو۔

حدث او استعمل فی البدن علی وجه القربة (۴۴) وکل اهاب دبغ فقد طهر جازت الصلوة فيه والوضوء منه (۴۵) الا جلد الخنزیر والآدمی (۴۶) وشعر الميتة وعظمها طاهر

**فائدہ** امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ قربت کا ارادہ کر کے وضو یا غسل کرے تو پانی مستعمل ہوتا ہے اور قربت کے بغیر پانی استعمال کیا تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

**نوٹ** جب پانی عضو سے جدا ہو تب مستعمل ہوتا ہے۔ اس سے پہلے مستعمل قرار دینے میں مجبوری ہے لغت حدث : حدث اصغر جیسے وضوء، حدث اکبر جیسے جنابت۔ نجاست یعنی کو نجاست کہتے ہیں۔ وجہ القرية : حدث دور کرنے کی نیت ہو یا وضو پر وضو کرنے کی نیت ہو۔ ﴿چڑے کے احکام﴾

(۴۴) کچا چمڑا دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر نماز جائز ہے۔ اور اس کے برتن سے وضو جائز ہے **مذہب** (۱) مردار کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو اس کی ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے اور بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے صرف چمڑا باقی رہ جاتا ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ اور اس چمڑے پر نماز پڑھ سکتا ہے اور اس چمڑے کے برتن میں پانی ہو تو اس سے وضو اور غسل کر سکتا ہے۔ اہل عرب کے پاس اکثر اسی قسم کے برتن ہوتے تھے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما اهاب دبغ فقد طهر (الف) نسائی شریف، باب جلود الميتة ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۳۶ دوسری حدیث میں ہے ذکوة الميتة دباغها (نسائی شریف، باب باب جلود الميتة ص، ۱۶۹، نمبر ۴۲۵۱) مسلم شریف، باب طهارة جلود الميتة بالدباغة ص ۱۵۷، نمبر ۳۶۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

**نوٹ** جس حدیث میں منع فرمایا ہے وہ کچے چمڑے سے منع فرمایا ہے جو دباغت دیا ہو نہ ہو۔

(۴۵) مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

**مذہب** سورنخس العین ہے اس لئے اس کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگا۔ آیت میں ہے او لحم الخنزیر فانه رجس آیت ۱۴۵، سورة الانعام ۶۔ اور آدمی کا چمڑا عزت اور کرامت کی بنا پر دباغت دینے کے بعد بھی قابل استعمال نہیں ہوگا۔ (۴۶) مردار کے بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

**مذہب** (۱) بال، ہڈی، کھر اور سینگ میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے اور نہ ناپاک رطوبت ہوتی ہے اس لئے مردار کی یہ چیزیں بھی پاک ہیں (۲) حدیث میں ہے قال رسول اللہ ﷺ یا ثوبان اشتر لفاطمة قلادة من عصب و سوارین من عاج (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الانتفاع بالعاج جلد ثانی ص ۲۲۷ نمبر ۴۲۱۳) اول کتاب الخاتم سے پہلے ہے۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کا کھٹھہ بھی پاک ہے اور ہاتھی کے دانت بھی پاک ہیں۔ ورنہ آپؐ پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کا کنگن خریدنے کے لئے کیسے فرماتے۔

حاشیہ : (الف) کسی کچے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کہ اے ثوبان فاطمہ کے لئے پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خریدو۔

(۴۷) واذا وقعت فی البئر نجاسة نزع و كان نزع ما فیها من الماء طهارة لها۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کھال کے علاوہ سب کو ناپاک کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عکیم قال کتب الینا رسول اللہ ان لا تستمتعوا من المیتة باهاب ولا عصب (الف) (نسائی شریف، باب ما یدلغ بہ جلود المیتة ج ثانی ص ۷۰ نمبر ۳۲۵/۱ ابن ماجہ شریف، باب من کان لا یشفقو امن المیتة باهاب ولا عصب، ص ۵۲۰ نمبر ۳۶۱۳/۱ دارقطنی، باب الدباغة ج اول ص ۴۲ نمبر ۱۱۳) حنفیہ ابو داؤد والی حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں پٹھے اور ہاتھی دانت سے استفادہ کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ سمعت ام سلمة تقول سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا بأس بمسک المیتة اذا دبغ ولا بأس بصوفها وشعرها وقرونها اذا غسل مال الماء (ب) (دارقطنی، باب الدباغة، نمبر ۱۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہڈی، سینگ اور بال پاک ہیں۔

**اصول** جن ہڈیوں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پاک ہے۔

**نکتہ** احاب : کچا چمڑا، دباغت دیئے بغیر کا چمڑا۔

### کنوئیں کے مسائل ﴿﴾

(۴۷) اگر کنوئیں میں ناپاکی گر جائے تو اس کا پانی نکالا جائے گا۔ اور جو اس میں پانی ہے اس کا نکالنا ہی اس کا پاک ہونا ہے۔

**تشریح** پہلے گزر چکا ہے کہ بڑے تالاب کی طرح کنواں ہو تو وہ تھوڑی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن کنوئیں کی لمبائی اور چوڑائی کم ہو تو ناپاکی ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چلی جائے گی اور ناپاکی نیچے اتر کر گہرائی کی طرف چلی جائے گی اس لئے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

پورے کنوئیں کا پانی بار بار نکالنا مشکل ہے اس لئے صحرا اور جنگل میں جو نجاست بار بار کنوئیں میں گرتی ہے مثلاً گوبر۔ لید وغیرہ تو اس کے بہت سے گرنے سے ناپاک ہوگا۔ اور جو نجاست کبھی کبھار گرتی ہے جیسے خون تو اس کا ایک قطرہ گرنے سے کنواں ناپاک نہیں ہوگا۔ اسی طرح ناپاک پانی سے کنوئیں کی دیوار ناپاک ہوگی لیکن اس کو دھونا مشکل ہے اس لئے اس کو دھونے کی ضرورت نہیں صرف پانی نکالنے سے دیوار پاک ہو جائے گی۔ اسی طرح کچھ اور باقی ماندہ پانی بھی نکالنے کی ضرورت نہیں وہ بھی پانی نکالنے سے پاک ہو جائیں گے۔ یہ سہولت مجبوری کی بنا پر شریعت نے دی ہے۔ اس لئے اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔ پورا کنواں ناپاک ہونے کی دلیل یہ ہے عن عطاء ان حبشیا وقع فی زمزم فمات فامر ابن الزبیر فنزع ما نھا (ج) (طحاوی شریف، باب الماتقع فیہ النجاسة ص ۱۶ دارقطنی، باب البئر اذا وقع فیھا حیوان ص ۲۸ نمبر ۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کے مرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ اسی طرح ناپاکی گرنے سے پورا کنواں

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عکیم فرماتے ہیں کہ ہم جہینہ والوں کے پاس حضورؐ کا خط آیا کہ مردار کے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ اور نہ اس کے پٹھے سے فائدہ اٹھاؤ (ب) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ مروے کی کھال میں کوئی حرج نہیں ہے اگر دباغت دی جائے۔ اور اس کے اون اور اس کے بال، اس کے سینگ کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے اگر پانی سے دھو دیا جائے (ج) عطاءؒ فرماتے ہیں کہ ایک حبشی زمزم کے کنوئیں میں گر گیا اور مر گیا تو عبد اللہ بن زبیرؓ نے حکم دیا کہ اس کا پورا پانی نکالا جائے۔

(۴۸) فان ماتت فيها فارة او عصفور او صعوة او سودانية او سام ابرص نزع منها ما بين عشرين دلوا الى ثلثين بحسب كبر الدلو وصغرها (۴۹) وان ماتت فيها حمامة او دجاجة او سنور نزع منها ما بين اربعين دلوا الى خمسين (۵۰) وان مات فيها كلب او شاة او

ناپاک ہو جائے گا۔

**تاکید** امام شافعی کا مسلک گذر گیا ہے کہ دو منکے کنویں میں پانی ہو تو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حدیث قلین گزر گئی۔

**نعت** نزع : پانی کا کنواں سے نکالنا۔

(۴۸) اگر کنویں میں چوہا یا چڑیا یا مولایا بھجگایا چھلکی مر جائے تو بیس سے لیکر تیس ڈول تک نکالے جائیں گے۔ ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے

**تشریح** یعنی چھوٹا ڈول ہو تو تیس ڈول اور بڑا ڈول ہو تو بیس ڈول نکالے جائیں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ بیس ڈول واجب ہے اور تیس ڈول بطور استحباب کے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب کہ صرف جانور مرا ہو۔ پھولا پھٹا نہ ہو۔ پس اگر پھول پھٹ گیا تو چھوٹا جانور ہو تب بھی پورا کنواں نکالنا ہوگا۔

**مذہب** عن علی قال اذا سقطت الفارة او الدابة فی البئر فانزحها حتی يغلبک الماء (الف) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسة ص ۱۶ مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابة ج اول ص ۸۱ نمبر ۲۷۱ مصنف ابن ابی شیبہ ۱۹۸ فی الفارة والدجاجة اشباههما تقع فی البئر، ج اول، ص ۱۳۹، نمبر ۱۷۱) یہ حدیث پھولے پھٹنے پر محمول ہے۔ کہ چوہا پھولے پھٹے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔ ورنہ بیس سے تیس ڈول ڈٹ بیس سے تیس ڈول کی دلیل مجھے نہیں ملی۔

**نعت** عصفورة : چڑیا۔ صعوة : مولایا۔ سودانية : بھجگا۔ سام ابرص : گرگٹ۔

(۴۹) اور اگر کنویں میں کبوتر یا مرغی یا بلی مر جائے تو کنویں سے چالیس سے پچاس ڈول تک نکالے جائیں گے

**مذہب** (۱) عن الشعبي فی الطیر والسنور ونحوهما يقع فی البئر قال نزع منها اربعون دلوا (ب) (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسة ص ۱۶ مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابة ج اول نمبر ۲۷۲ مصنف ابن ابی شیبہ، نمبر ۱۷۱) (۵۰) اور اگر کنویں میں کتا یا بکری یا آدمی مر جائے تو تمام پانی نکالا جائے۔

**مذہب** (۱) یہ جانور بڑے ہوتے ہیں اس کے مرتے ہی پورے کنویں میں نجاست پھیل جائے گی اس لئے پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اور حدیث گزری کہ زمزم کے کنویں میں جیشی مرا تو پورا کنواں نکالا گیا (۳) عن عطاء قال اذا سقط الكلب فی البئر فاخرج منها حاشیہ : (الف) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ جب کنویں میں چوہا یا جانور گر جائے تو اس کو اتنا نکالو کہ پانی تم پر غالب آجائے (ب) طحاوی سے منقول ہے کہ پرندہ، بلی اور اس مقدار کے جانور کنویں میں گر جائیں تو کنویں سے چالیس ڈول نکالے جائیں گے۔ ایک قول ہے کہ ستر ڈول نکالے جائیں گے۔

آدمی نزع جميع ما فيها من الماء (۵۱) وان انتفخ الحيوان فيها او تفسخ نزع جميع ما فيها صغر الحيوان او كبر (۵۲) وعدد الدلاء يعتبر بالدلو الوسط المستعمل للآبار في البلدان (۵۳) فان نزع منها بدلو عظيم قَدِّر ما يسع من الدلاء الوسط احتسب به (۵۴) وان كانت البئر معينا لا ينزع ووجب نزع ما فيها اخرجو مقدار ما فيها من الماء .

حين سقط نزع منها عشرون دلو فان اخرج حين مات نزع منها ستون دلو او سبعون دلو فان تفسخ فيها نزع منها ماءها فان لم تستطعوا نزع مائة دلو وعشرون ومائة (مصنف عبدالرزاق، باب البئر تقع في الدلاء ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۷۷ مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۸ فی الفارة، تقع فی البئر ۱۳۹، نمبر ۱۷۱)

(۵۱) اگر جانور کنویں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

**ترجہ** (۱) پھولنے اور پھٹنے کے زمانے تک نجاست پورے کنویں میں پھیل جاتی ہے اس لئے چھوٹا جانور ہو یا بڑا جانور ہو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اوپر حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ کہ چوہا گر جائے اور پھول پھٹ جائے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔  
**لغت** انش : پھول جائے۔ تفسخ : پھٹ جائے۔

(۵۲) ڈول کی تعداد میں اوسط قسم کی ڈول کا اعتبار ہے جو شہروں میں کنوؤں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

**تشریح** جو ڈول عام طور پر کنوؤں پر استعمال ہوتا ہے جس میں تقریباً ساڑھے تین کیلو پانی آتا ہے اس ڈول کا اعتبار ہے۔ اس ڈول سے چالیس سے پچاس ڈول پانی نکال دے تو کنواں پاک ہوگا۔

**لغت** دلاء : جمع ہے دلو کی ڈول۔

**نوٹ** شریعت میں ہمیشہ اوسط کا اعتبار ہوتا ہے۔ آیت میں اس کا اشارہ ہے۔ فکفارتہ اطعام عشرة مساكين من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم (آیت ۸۹، سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں اوسط کھانا حکم دیا گیا ہے۔

(۵۳) پس اگر کنویں کا پانی بڑے ڈول سے نکال دیا جائے اس مقدار سے جو اوسط ڈول سماتا ہو تو اس کا حساب کیا جائے گا۔

**تشریح** مثلاً اتنا بڑا ڈول استعمال کیا جس میں اوسط دس ڈول پانی آتا ہے تو دو ڈول نکالنے سے بیس ڈول پانی نکل جائے گا۔ اور جس کنویں سے بیس ڈول پانی نکالنا تھا وہ بیس ڈول نکالنا شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا۔

**لغت** احتسب به : گن لیا جائے گا، شمار کیا جائے گا

(۵۴) اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ پورا پانی نہیں نکالا جاسکتا ہو تو واجب ہے اتنا نکالنا جتنی مقدار اس میں پانی ہے۔

**تشریح** کنویں کے اندر چشمہ جاری ہے اور اتنا پانی نکلتا رہتا ہے کہ سب پانی نکالنا مشکل ہے۔ ایسی صورت میں دو ماہر اور تجربہ کار آدمی سے اندازہ کروایا جائے کہ کنویں میں اس وقت کتنے ڈول پانی ہیں۔ جتنے ڈول اس وقت پانی ہوا تنے ڈول نکال دینے سے کنواں پاک ہو جائے

(۵۵) و عن محمد بن الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ انہ قال ینزع منها مائتا دلوا الی ثلث مائة  
(۵۶) واذا وجد فی البئر فارة او غیرھا ولا یدرون متی وقعت ولم تنتفخ ولم تنفسخ  
اعادوا صلوۃ یوم و لیلۃ اذا كانوا توضؤا منها وغسلوا کل شیء اصابہ ماء ھا (۵۷) وان

گا۔ چشمہ کا پانی بعد میں آکر کتنا ہی بھر دے۔ امام ابو حنیفہ کا قول یہی ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ کنویں کی مقدار گڑھا کھودے اور اس  
گڑھے کو پانی نکال نکال کر بھر دے تو سمجھا جائے گا کہ پورے کنویں کا پانی نکال دیا۔ اس سے کنواں پاک ہو جائے گا۔ زمزم والے کنویں میں  
جشی گرا تھا جس کی وجہ سے پورا پانی نکالنا چاہا لیکن چشمے کی وجہ سے نہیں نکال سکے۔ لیکن جتنا پانی کنویں میں تھا اس لئے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ  
نے فرمایا اتنا نکالنا کافی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ فنظرو فاذا عین تنبع من قبل الحجر الاسود قال فقال ابن الزبیر حسبکم  
(مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۸ فی الفارۃ والد جابۃ واشباھما تقع فی البئر، ج اول، ص ۱۵۰، نمبر ۲۱۷)

**لفت** معینا : چشمہ والا کنواں، عین سے مشتق ہے۔

(۵۵) امام محمدؒ سے منقول ہے کہ کنویں سے دو سو ڈول سے تین سو ڈول تک نکالے جائیں گے۔

**تشریح** (۱) یہ قول سہولت کے طور پر ہے (۲) امام محمدؒ نے اپنے ملک بغداد اور کوفہ میں دیکھا کہ عام طور پر کنویں میں پانی دو سو سے لیکر تین سو  
ڈول تک ہوتا ہے۔ اس لئے وجوبی طور پر دو سو ڈول اور استحبی طور پر تین سو ڈول نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔ پورے کنویں کا پانی  
نکالنے کی دلیل جشی گرنے کی حدیث گزر چکی ہے۔ اسی طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں غسل جنابت کرنے سے منع کرنے کی حدیث گزر چکی ہے  
جس سے معلوم ہوا کہ پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

**نوٹ** مردہ جانور پہلے نکالے اس کے بعد ڈول سے یہ سب مقدار نکالے تب پاک ہوگا۔

**اصول** اصل مقصد کنویں میں موجود تمام پانی کو نکالنا ہے۔

(۵۶) اگر کنویں میں چوہا پایا، یا اس کے علاوہ مرا ہوا پایا جائے اور نہیں معلوم کہ کب گرا ہے اور ابھی پھولا اور پھٹا نہیں ہے تو ایک دن اور ایک  
رات کی نماز لوٹائی جائے گی جب کہ اس پانی سے وضو کیا ہو۔ اور ان تمام چیزوں کو دوبارہ دھویا جائے گا جن میں اس کا پانی لگا ہو۔

**وجہ** جانور کنویں میں مرا ہوا ملا اور کوئی علامت نہیں ہے کہ کب گرا ہے اور کب مرا ہے تو ایک دو گھنٹے کا کوئی معیار نہیں ہے اس لئے یہی سمجھا  
جائے گا کہ ایک دن ایک رات پہلے مرا ہے اور اس درمیان جن جن لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا ہے اس کو وہ تمام نمازیں لوٹانی ہوں گی۔ کیونکہ  
ناپاک پانی سے نہ وضو ہوا اور نہ نماز ہوئی۔ اور اس پانی سے ایک دن اور ایک رات کے درمیان جن لوگوں نے غسل کیا ہے یا کپڑا دھویا ہے ان کو  
بھی غسل اور نماز لوٹانی ہوں گی۔ کیونکہ ناپاک پانی سے غسل کیا ہے اور کپڑے دھویا ہے

**اصول** احتیاط پر عمل کیا جائے گا۔

(۵۷) اور اگر جانور پھول گیا یا پھٹ گیا تو تین دن اور تین راتوں کی نماز لوٹائے گا ابو حنیفہؒ کے قول میں۔



انتفخت او تفسخت اعدوا صلوۃ ثلثة ايام ولياليها في قول ابى حنيفة رحمه الله تعالى  
(۵۸) وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله تعالى ليس عليهم اعادة شيء حتى يتحققوا  
متى وقعت (۵۹) وسور الآدمی وما يؤكل لحمه طاهر .

**وجہ** عموماً جانور تین دن تین راتوں میں پھولتا اور پھٹتا ہے۔ اور اس کے خلاف علامت نہیں ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ جانور تین دن پہلے گرا تھا اور مرا تھا اور اب تین دن میں پھولا اور پھٹا ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے اس دوران اس پانی سے وضو اور غسل سے نماز پڑھی وہ لوٹائیں گے۔ حضرت کا قول یقین اور احتیاط پر مبنی ہے۔

(۵۸) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ وضو کرنے والوں پر کسی چیز کا لوٹنا نہیں ہے جب تک تحقیق نہ ہو جائے کہ کب گرا ہے۔  
**وجہ** (۱) حضرت امام ابو یوسف نے دیکھا کہ ایک پرندہ نے مردہ کو لا کر کنویں میں ڈالا جس سے وہ رجوع کر گئے اور فرمانے لگے کہ ہو سکتا ہے کہ ابھی پھولے ہوئے چوہے کو کنویں میں ڈالا ہو۔ اس لئے تین دن پہلے کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۲) یقین ہے کہ پانی پاک ہے اور شک ہے کہ تین دن پہلے جانور گرا ہو تو یقین پر عمل کرتے ہوئے ابھی تک پانی پاک قرار دیا جائے گا۔ اور جب سے مردہ جانور کو کنویں میں دیکھا ہے اس وقت سے کنواں ناپاک قرار دیا جائے گا۔

﴿جو ٹھٹھے کا استعمال﴾

(۵۹) آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔

**وجہ** (۱) تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم تھوک کا ہوگا۔ آدمی کا تھوک تو پاک ہے ہی۔ اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا تھوک بھی پاک ہوگا اور جوٹھا پاک ہوگا (۲) عن ابن عباس قال دخلت مع رسول الله ﷺ انا و خالد بن الوليد على ميمونة فجاءتنا باناء من لبن فشرب رسول الله ﷺ وانا على يمينه و خالد على شماله فقال لي الشربة لك فان شئت اثرت بها خالد ا فقلت ما كنت لا وثر على سورك احدا (الف) (شامل ترمذی، باب ماجاء فی مصف شراب رسول اللہ ﷺ ص ۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے۔ تب ہی تو آپؐ نے اپنا جوٹھا دوسرے کو پینے دیا۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں۔ حلال جانور کا جوٹھا پاک ہونے کی۔

**وجہ** (۱) یہ ہے کہ جوٹھا گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور گوشت حلال ہے اور کھانے کے قابل ہے تو اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا (۲) دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول الله ما اكل لحمه فلا بأس بسؤره (سنن بیہقی، باب الخمر الذی ورد فی سور مایکل لحمہ ج اول) میں  
(۳۸۱، نمبر ۱۱۸۹)

حاشیہ : (الف) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ میں اور خالد بن ولیدؓ بیوٹہ کے پاس آئے۔ پس دودھ کا برتن لایا گیا۔ حضورؐ نے نوش فرمایا۔ اور میں آپؐ کے دائیں جانب تھا اور خالدؓ بائیں جانب تو مجھے حضورؐ نے فرمایا پینے کا حق آپؐ کے لئے ہے۔ اگر چاہیں تو خالد کو ترجیح دیں۔ میں نے کہا آپؐ کے جوٹھے پر میں کسی اور کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

(۶۰) وسور الکلب والخنزیر وسباع البهائم نجس (۶۱) وسور الهرة والدجاجة

(۶۰) کتے کا جوٹھا اور سور کا اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک ہے۔

❏ (۱) کتا، سور اور پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا تھوک اور جوٹھا بھی ناپاک ہے (۲) کتے کا جوٹھا ناپاک ہونے کے سلسلے میں یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعاً (الف) (بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعاً، ص ۲۹، نمبر ۱۷۲) اس قسم کی احادیث کی بنا پر امام شافعی اور امام مالک کے یہاں کتے کے جوٹھے میں برتن کو سات مرتبہ دھونے سے پاک ہوگا (۳) ہماری دلیل حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے عن ابی ہریرۃ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاهرقہ ثم اغسلہ ثلاث مرات (ب) (دارقطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء، ج ۱ اور ص ۶۶ نمبر ۱۹۳) اس فتویٰ سے معلوم ہوا کہ کتے کا جوٹھا تین مرتبہ دھونے سے پاک ہو جائے گا (۴) اصل بات یہ ہے کہ ناپاکی زائل ہونے سے برتن پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس سے غلیظ ناپاکی پاخانہ اور پیشاب تین مرتبہ دھونے سے زائل ہو جاتی ہے اور برتن پاک ہو جاتا ہے تو جوٹھا بدرجہ اولیٰ پاک ہو جانا چاہئے۔ البتہ حدیث صحیح پر عمل کرتے ہوئے سات مرتبہ دھو بیگا تو ثواب ملے گا۔ سور نجس العین ہے اس لئے اس کا جوٹھا ناپاک ہوگا ہی۔

❏ ولحم خنزیر فانه رجس (آیت ۴۵ سورۃ الانعام ۶) پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہے۔ اس لئے کہ وہ سبع یعنی درندہ جانور ہے۔ حدیث یہ ہے عن ابی ثعلبۃ ان رسول اللہ ﷺ نہی عن اکل کل ذی ناب من السباع (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع نمبر ۵۵۳۰)

(۶۱) (۱) بلی کا جوٹھا (۲) کھلی پھرنے والی مرغی کا جوٹھا (۳) پھاڑ کھانے والے پرندے (۴) اور اور ان جانوروں کا جوٹھا جو گھر میں رہتے ہوں جیسے سانپ اور چوہا مکروہ ہے۔

❏ (۱) بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے اس لئے اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن یہ گھر میں رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے شریعت نے تسہیل دیدی اور اس کا جوٹھا مکروہ ہوا۔ (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال یغسل الاناء اذا ولغ فیہ الکلب سبع مرات اولاهن و اخرهن بالتراب واذا ولغت فیہ الهرة غسل مرة (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الکلب ص ۲۷ نمبر ۹۱) عن ابی ہریرۃ قال النبی ﷺ السور سبع (سنن الترمذی، باب سور الھررة ج ۱ ص ۲۴۹ دارقطنی باب سور الھررة ج ۱ اول نمبر ۲۰۲) بلی کے جوٹھے کے بارے میں یہ حدیث بھی ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ قال انها لیست بنجس انما هی من الطوافین علیکم والطوافات (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الھررة ص ۲۷ نمبر ۹۲ ابوداؤد شریف، باب سور الھررة ص ۱۲، نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پی لے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ (ب) آپؐ نے فرمایا جب کتا برتن میں منڈال دے تو پانی انڈیل دو پھر اس کو تین مرتبہ دھوؤ۔ (ج) آپؐ نے فرمایا کتا برتن میں منڈال دے تو اس کو سات مرتبہ دھوؤ اور شروع اور اخیر میں مٹی سے دھوؤ۔ اور جب بلی منڈال دے تو ایک مرتبہ دھویا جائیگا۔ (د) آپؐ نے فرمایا بلی ناپاک نہیں ہے اس لئے کہ وہ تم پر بار بار آنے والیوں میں سے ہے

المخلات وسباع الطيور وما يسكن في البيوت مثل الحية والفارة مکروه (۶۲) وسور

الحمار والبغل مشکوک (۶۳) فان لم يجد الانسان غيرهما توضأ بهما وتيمم وباهما

(۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔ اس لئے دونوں حدیثوں کو ملانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ بلی کا جوٹھا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہی حال گھر میں رہنے والے تمام جانوروں کا ہے۔

کھلی پھرنے والی مرغی نجاست میں منہ ڈالتی رہتی ہے۔ اس لئے اس کے منہ میں نجاست کے گمان کی وجہ سے مکروہ ہے۔ اگر اس کی چونچ بالکل پاک ہو تو اس کا جوٹھا پاک ہے کیونکہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

**نکتہ** الدجاجة : مرغی۔ المخلات : جو کھلی پھرتی ہو۔ سباع الطيور : وہ پرندے جو شکار کر کے کھاتے ہیں۔ الحية : سانپ۔ الفارة : چوہا۔

(۶۲) گدھے کا جوٹھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے۔

**وجہ** مشکوک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گدھے کے گوشت اور پسینے کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں۔ آپؐ نے گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ اور جب گوشت حلال نہیں ہوگا تو اس کا نکلا ہوا تھوک بھی نجس ہوگا۔ اس اعتبار سے گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے۔ لیکن آپؐ گدھے پر سوار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپؐ کے کپڑے پر گدھے کا پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ گوشت سے نکلتا ہے اور کسی پسینے کا حکم بھی وہی ہے جو تھوک کا حکم ہے۔ اس لئے اگر پسینہ لگنے سے کپڑا نہیں دھویا اور پسینہ پاک ہے تو اس اعتبار سے تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔ تو گویا کہ گدھے کے تھوک کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں اس لئے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔ نجس ہونے کی دلیل یہ ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نہی رسول اللہ ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر و رخص فی الخیل (الف) (بخاری شریف، باب غزوة خیبر ج ۲ ص ۶۰۶ نمبر ۴۲۱۹) جب گوشت حلال نہیں تو تھوک بھی پاک نہیں ہوگا۔ اور تھوک پاک ہونے کی دلیل یہ ہے عن معاذ قال کنت ردف النبی ﷺ علی حمار یقال له عفیر (ب) (بخاری شریف، باب اسم الفرس والحمار ص ۴۰۰ نمبر ۲۸۵۶) آپؐ گدھے پر سوار ہوئے تو کپڑے پر پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ پاک ہے تو تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔ ان دونوں قسم کے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا پاک ہے۔

**البغل** : خچر چونکہ گدھی سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گدھی کے جوٹھے کا ہوا وہی حکم خچر کا بھی ہوا۔ یعنی اس کا جوٹھا مشکوک ہے۔

**نکتہ** البغل : خچر

(۶۳) پس اگر کوئی انسان گدھے اور خچر کے جوٹھے کے علاوہ نہ پائے تو دونوں پانی سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی کرے۔ اور جس کو بھی پہلے کرے جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے غزوة خیبر کے دن گدھے کے گوشت کھانے سے روکا اور گھوڑے کے گوشت میں رخصت دی (ب) حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پیچھے گدھے پر سوار تھا جس کا نام عفیر تھا۔

بدأ جاز.

جب گدھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہوا تو وہ پاک بھی ہے اور ناپاک بھی ہے۔ اس لئے اگر کوئی اور پانی نہیں ہے صرف گدھے کا جوٹھا یا خچر کا جوٹھا پانی اس کے پاس ہو تو چونکہ پانی ہے اس لئے اس کو وضو کرنا چاہئے لیکن یہ پانی ناپاک بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس کو تیمم کرنا چاہئے۔ اب پہلے وضو کرے اور بعد میں تیمم کرے وہ بھی ٹھیک ہے اور پہلے تیمم کرے بعد میں وضو کرے وہ بھی ٹھیک ہے۔



## ﴿ باب التیمم ﴾

[۶۴] (۱) ومن لم يجد الماء وهو مسافر او خارج المصربینه و بین المصرب نحو المیل او

اکثر.

## ﴿ باب التیمم ﴾

**ضروری نوٹ:** التیمم : تیمم کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ اور شریعت میں حدث سے پاک کرنے کے لئے مٹی کا ارادہ کرنے کو تیمم کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے فلم تجدوا ماء فتیمموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وايديكم (الف) (آیت ۴۳ سورۃ النساء) پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے۔

[۶۴] (۱) جو پانی نہ پائے اس حال میں کہ وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہو اور اس آدمی کے درمیان اور شہر کے درمیان تقریباً ایک میل یا اس سے زیادہ ہو (تو وہ تیمم کریگا)

**وجہ (۱)** پانی نہ پانے کے وقت تیمم کرنے کا حکم اس آیت میں ہے وان كنتم مرضى او على سفر او جاء احد منكم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه (ب) (آیت ۶ سورۃ المائدہ ۵) (۲) حدیث میں ہے عن ابی ذر... قال رسول الله ﷺ الصعيد الطيب وضوء المسلم ولو الى عشر سنين (ابوداؤد شریف، باب الحجبتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۲) آیت میں ہے کہ پانی نہ پائے تو تیمم کر سکتا ہے۔ اب پانی نہ پانے کی مصنف نے چار صورتیں بیان کی ہیں (۱) مسافر ہو اور اس کے پاس پانی نہ ہو (۲) یا شہر سے باہر ہو اور پانی سے ایک میل دور ہو تو تیمم کر سکتا ہے کیونکہ ایک میل سے کم فاصلہ ہو تو گویا کہ وہ پانی کے پاس ہے۔ کیونکہ پندرہ منٹ میں پانی لیکر آجائیگا اس لئے کوئی حرج نہیں ہوگا۔ البتہ ایک میل یا اس سے دور ہو تو وہاں تک جا کر پانی لانے میں حرج ہے اس لئے اب تیمم کر سکتا ہے (۳) ایک میل دور ہونے کی دلیل ابن عمرؓ کا اثر ہے عن نافع بتیمم ابن عمر علی رأس میل او میلین من المدینة فصلی العصر فقدم والشمس مرتفعة (ج) (دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ وقد ره من البلد وطلب الماء ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۰۹) بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے مرید الغنم میں تیمم کیا اور نماز پڑھی (بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذ لم یجد الماء، ج اول، ص ۴۸، نمبر ۳۳۷) اور مرید کے بارے میں دارقطنی میں ہے کہ وہ مدینہ سے تین میل پر ہے۔ ان ابن عمرؓ تیمم بمرید النعم وصلی وهو علی ثلثة امیال من المدینة (دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۷۰۷) ان آثار سے معلوم ہوا کہ پانی سے ایک میل دور ہو تب تیمم کرے اس سے کم دوری پر نہیں۔

حاشیہ : (الف) اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی بتیمم کر لو اس طرح کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھوں کو پونچھ لو (ب) اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو اور تم میں سے کوئی پاخانہ سے آیا ہو یا پیوی سے جماع کیا ہو اور پانی نہ پائے تو تیمم کر لو پاک مٹی سے اس طرح کہ چہرے اور ہاتھوں کو پونچھ لو (ج) حضرت ابن عمرؓ نے مدینہ سے ایک میل یا دو میل دوری پر تیمم فرمایا پھر عصر کی نماز پڑھی پھر مدینہ تشریف لائے تو سدرج بلند تھا۔

[۶۵] (۲) او کان یجد الماء الا انه مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضه او خاف الجنب ان اغتسل بالماء یقتله البرد او یمرضه فانه یتیم بالصعید [۶۶] (۳) والیتیم

[۶۵] (۲) اگر پانی تو پا تا ہو مگر یہ کہ بیمار ہو پس خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا۔ یا جنبی کو خوف ہو کہ اگر غسل کرے گا تو سردی اس کو مار ڈالے گی یا اس کو بیمار کر دے گی تو وہ پاک مٹی سے تیمم کر سکتا ہے۔

**حجہ** (۱) شریعت انسان کو مشقت شدیدہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی اس لئے اگر بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا بیمار ہو جانے کا ظن غالب ہو تو تیمم کر سکتا ہے (۲) آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (الف) (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ) (۳) حدیث میں ہے کہ بیمار ہونے کا ظن غالب ہو تو تیمم کر سکتا ہے عمر ابن العاص یذکر ان عمر ابن العاص اجنب فی لیلۃ باردة ف تیمم وتلا ولا تقبلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ف ذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف (ب) (بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض والموت او خاف العطش تیمم، ج اول، ص ۴۹، نمبر ۳۴۵) معلوم ہوا کہ سردی سے مرض بڑھنے کا خوف ہو یا بیمار ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر سکتا ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں جان جانے کا خوف ہو یا عضو تلف ہونے کا خوف ہو تب تیمم کر سکتا ہے اس سے پہلے نہیں۔

**نکتہ** الصعید : پاک مٹی۔

[۶۶] (۳) تیمم کے دو ضربے ہیں۔ ایک کو چہرے پر ملے اور دوسرے کو دونوں ہاتھوں پیر کہنیوں سمیت۔

**تشریح** تیمم کے لئے دو ضربے ہونگے۔ ایک ضربہ زمین پر مار کر چہرے پر ملیگا اور دوسرا زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں پر ملیگا کہنیوں سمیت **حجہ** حدیث میں ہے عن عمار بن یاسر حین تیمموا مع رسول اللہ ﷺ فامر المسلمین فاضربوا باکفہم التراب ولم یقبضوا من التراب شیئا فمسحوا بوجوہہم مسحۃ واحدة ثم عادوا فاضربوا باکفہم الصعید مرة اخرى فمسحوا بایديہم (ج) (ابن ماجہ شریف، باب فی التیمم ضربتین، ص ۸۱، نمبر ۵۷۱۷ اور ابوداؤد شریف، باب التیمم ص ۵۱، نمبر ۳۱۸) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان صرۃ للوجه و صرۃ للیدین الی المرفقین (د) دارقطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴

**نوٹ** تیمم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے پورے چہرے کو اور پورے ہاتھ کو کہنیوں سمیت گھیرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ دارقطنی کی حدیث سے معلوم ہوا۔

**فائدہ** صحاح ستہ کی کتابوں میں ایک ضربہ کا تذکرہ ہے اس لئے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کی رائے ہے کہ ایک ضربہ سے چہرہ اور ہاتھ ملنا کافی ہے۔ البتہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ دو ضربے ضروری ہیں۔ امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمار بن یاسر قال سألت النبی

حاشیہ : (الف) اللہ کسی نفس کو مکلف نہیں بناتے مگر اس کی وسعت کے مطابق (ب) عمر ابن عاصؓ سردی کی رات میں جنبی ہو گئے تو ولا تقبلوا انفسکم الخ آیت پڑھی۔ اس کا تذکرہ حضورؐ کے پاس کیا گیا تو آپؐ نے تنبیہ نہیں کی (ج) عمار بن یاسرؓ نے حضورؐ کے ساتھ تیمم کیا تو مسلمانوں کو حکم دیا تو انہوں نے اپنی پھیلی کوٹی پر مارا اور مٹی سے کچھ بھی نہیں لیا پھر اپنے چہرے پر ایک مرتبہ ملا، پھر دوبارہ اپنی پھیلیوں کوٹی پر مارا اور اپنے ہاتھوں پر ملا (د) تیمم دو ضربے ہیں۔ ایک ضربہ چہرے کے لئے اور ایک ضربہ ہاتھ کے لئے کہنیوں سمیت۔

ضربتان یمسح باحدیهما وجہہ وبالاخری یدیه الی المرفقین [۶۷] (۴) والتیمم فی الجنابة والحدث سواء [۶۸] (۵) ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ بكل ماکان من جنس الارض کالتراب والرمل والحجر والجص والنورة والكحل

عن التیمم فامر نی ضربة واحدة للوجه والكفین (ابو داؤد شریف، باب التیمم، ص ۵۲ نمبر ۳۲۷ بخاری شریف، باب التیمم ضربة، نمبر ۳۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے اور ہاتھ کے لئے ایک ہی ضربة کافی ہے۔

[۶۷] (۴) تیمم جنابت اور حدث کے لئے برابر ہے۔

تیمم جنابت کے لئے اور حیض اور نفاس کے غسل کے لئے بھی کیا جائیگا۔ اور حدث اصغر یعنی وضو کے لئے بھی کیا جائیگا۔ اور سب کے لئے دو ہی ضربے ہیں۔ ایک چہرے کے لئے اور دوسرا ہاتھ کے لئے۔ سر اور پاؤں پر تیمم ساقط ہو جائیگا۔ حدیث میں ہے (۱) اور مسئلہ نمبر ۲ میں عمرو بن عاص کی حدیث گزر گئی جس سے معلوم ہوا کہ تیمم جنبی کے لئے بھی جائز ہے (۲) آیت میں ہے کہ جنبی بھی تیمم کر سکتا ہے۔ او جساء احد منکم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعيدا طيبا (آیت ۴۳، سورۃ النساء) (۳) عن ابی ہریرۃ قال جاء اعرابی الی رسول اللہ ﷺ فقال انا نکون فی الرمل وفینا الحائض والجنب والنفساء فیاتی علینا اربعة اشهر لا نجد الماء قال علیک بالتراب یعنی التیمم (الف) (سنن للبیہقی، باب ماروی فی الجنائز والنساء، کیفیہما التیمم عند انقطاع الدم اذا عد الماء ج، اول ص ۳۳۳، نمبر ۱۰۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورت بھی پانی پر قدرت نہ ہوتے وقت غسل کے لئے تیمم کرے گی۔ اور بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی بھی صرف چہرے اور ہاتھ پر تیمم کرے گا۔ پاؤں اور سر ساقط ہوں گے۔ حدیث کا کترا یہ ہے۔ الم تسمع قول عمار لعمر ان رسول اللہ ﷺ بعثنی انا وانت فاجنبت فتمعکت بالصعيد فاتینسا رسول اللہ ﷺ فاخبرناہ فقال انما کان یکفیک ہکذا ومسح وجہہ وکفیه واحدة (ب) (بخاری شریف، باب التیمم ضربة، ص ۵۰، نمبر ۳۳۷)

[۶۸] (۵) جائز ہے تیمم امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر وہ چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو۔ جیسے مٹی، ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہڑتال سے۔ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص طور پر۔

ج (۱) جابر ابن عبد اللہ ان رسول اللہ ﷺ قال جعلت لی الارض مسجدا و طهورا (ج) (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۲۸ نمبر ۳۳۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ زمین سے تیمم کر سکتے ہیں۔ تو زمین کی جنس سے جتنی چیزیں ہیں ان تمام سے تیمم کیا جاسکتا

حاشیہ : (الف) ایک دیہاتی رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ ہم لوگ ریت میں رہتے ہیں اور ہم میں حائضہ اور جنبی اور نفساء ہوتے ہیں اور ہم پر چار چار ماہ گزر جاتے ہیں کہ ہم پانی نہیں پاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ آپ کے لئے مٹی ہے۔ یعنی مٹی سے تیمم کرو (ب) حضرت عمارؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اور تمہیں یعنی حضرت عمرؓ کو حضورؐ نے بھیجا تو میں جنبی ہو گیا۔ میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر حضورؐ کے پاس آئے اور بتایا تو آپؐ نے فرمایا تم کو صرف اتنا کر لینا کافی ہے۔ پھر اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ایک مرتبہ بار (ج) جابر بن عبد اللہ سے حضورؐ نے فرمایا کہ زمین ہمارے لئے مسجد اور پاک کرنے کی چیز بنادی گئی ہے۔

والزرنیخ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز الا بالتراب والرمل خاصة [۶۹] (۶) والنية فرض فی التیمم و مستحبة فی الوضوء [۷۰] (۷) وینقض التیمم کل شیء ینقض الوضوء.

ہے۔ چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ جیسے پتھر وغیرہ (۲) آیت تیمم میں ہے فتیمموا صعيدا طيبا اور صعيد کے معنی زمین کا اوپر کا حصہ ہے چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔ اس لئے ریت، پتھر، گچ، چونہ، سرمہ اور ہر تال سے بھی تیمم کر سکتا ہے۔ اثر میں ہے عن حماد قال تیمم بالصعيد والجص والجل والرمل (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ماسجری الرجل فی تیمم، ج اول ص ۱۳۸، نمبر ۱۷۰۴) اس اثر سے امام ابو حنیفہ کی تائید ہوتی ہے۔

**نوٹ** ہر وہ چیز جو آگ میں جلے نہیں اور پگھلے نہیں وہ تمام چیزیں زمین کی جنس سے ہیں۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ حدیث کی بنیاد پر یہ فرماتے ہیں کہ صرف وہ مٹی جس میں اگنے کی صلاحیت ہو اور ریت سے تیمم کر سکتا ہے دوسری چیزوں سے تیمم نہیں کر سکتا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابن عباس قال اطيب الصعيد الحرث والارض الحرث (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ماسجری الرجل فی تیمم، ص ۱۳۸، نمبر ۱۷۰۴)

**نوٹ** التراب : مٹی۔ الرمل : ریت، الجص : گچ، النورة : چونہ، الکحل : سرمہ، الزرنیخ : ہر تال (ایک قسم کی دھات ہوتی ہے)

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک صرف مٹی سے تیمم جائز ہے۔ ان کی دلیل امام ابو یوسفؒ کی دلیل ہے۔

[۶۹] (۶) تیمم میں نیت فرض ہے اور وضو میں مستحب ہے۔

**وجہ** (۱) تیمم کے معنی ہی ہیں قصد اور ارادہ کرنے کے، اس لئے تیمم میں تیمم کرنے کا ارادہ اور نیت کی جائے گی تو پاکی ہوگی۔ اور بغیر ارادہ کے چہرہ اور ہاتھ پر مٹی پھر گئی تو پاکی نہیں ہوگی (۲) پانی بذاتہ خود طاهر اور طہور ہے۔ اس کے برخلاف مٹی سے تو چہرہ اور خراب ہوتا ہے۔ اس لئے وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہاں نیت کرنا مستحب ہے۔ اور مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے اس لئے نیت کرنے سے مطہر بنے گی۔ اس لئے تیمم میں نیت کرنا فرض ہے۔ آیت میں ہے۔ تیمموا صعيدا طيبا (آیت ۴۳، سورة النساء ۴) اس کا ترجمہ ہے پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ جس سے ارادہ اور نیت کا ثبوت ہوا۔

﴿نواقض تیمم کا بیان﴾

[۷۰] (۷) تیمم کو وہ تمام چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

**وجہ** تیمم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے جو احداث وضو کو توڑتے ہیں وہ تمام تیمم کو بھی توڑ دیں گے۔ اسی طرح غسل کا تیمم غسل کے قائم مقام ہے۔ اس لئے جو جنابت، حیض اور نفاس غسل کو توڑتے ہیں وہ غسل کے تیمم کو توڑ دیں گے۔



[۷۱] (۸) وينقصه ايضا روية الماء اذا قدر على استعماله [۷۲] (۹) ولا يجوز التيمم الا بصعيد ظاهر [۷۳] (۱۰) ويستحب لمن لم يجد الماء وهو يرجو ان يجده في آخر الوقت ان يؤخر الصلوة الى آخر الوقت فان وجد الماء توضأ وصلى والا تيمم [۷۴] (۱۱) ويصلى بتيممه ما شاء من الفرائض والنوافل

[۷۱] (۸) نیز تیمم کو توڑ دے گا پانی کو دیکھنا جب کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہو۔

■ چونکہ تیمم پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں جائز ہے اس لئے جوں ہی پانی پر قدرت ہوگی تیمم ٹوٹ جائیگا۔ آیت میں ہے فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا۔ اور اس نے پانی پالیا تو تیمم ٹوٹ جائیگا۔ وضو کے تیمم ٹوٹنے کے لئے وضو کی مقدار پانی اور غسل کے تیمم کے لئے غسل کی مقدار پانی پر قدرت ہو تو ٹوٹے گا۔

[۷۲] (۹) اور تیمم جائز نہیں ہے مگر پاک مٹی سے۔

■ (۱) آیت میں ہے فتيمموا صعيدا طيبا (آیت ۶ سورۃ المائدہ ۵) کہ پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس لئے ناپاک مٹی سے تیمم درست نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ پاک مٹی سے تیمم درست ہوگا فقال ابوذر... فقال رسول الله ﷺ يا ابا ذر ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنين فاذا وجدت الماء فامسه جلدك (ابوداؤد شریف، باب الحجب تیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) جب مٹی دوسرے کو پاک کرے گی تو خود بھی پاک ہونا چاہئے۔

[۷۳] (۱۰) اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو پانی نہ پاتا ہو لیکن امید ہے کہ آخری وقت میں پانی پالیا تو نماز آخری وقت تک مؤخر کر دے۔ پس اگر پانی پایا تو وضو کرے اور نماز پڑھے ورنہ تیمم کرے۔

■ (۱) جس کے پاس ابھی پانی نہیں ہے تو وہ ابھی بھی تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں مجبوری تو ابھی ہے۔ البتہ پانی ملنے کی امید ہے اس لئے اصل پر عمل کرنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ پانی ملنے تک نماز مؤخر کرے۔ پس اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے اصل پر نماز پڑھے ورنہ تو تیمم کر کے نماز پڑھے (۲) حضرت علی کا قول ہے اذا اجنب الرجل في السفر تلوم ما بينه وبين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى (الف) (دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التيمم فی ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷ سنن للبیہقی، باب من تلوم ما بينه وبين آخر الوقت رجاء وجود الماء، ج اول، ص ۳۳۵، نمبر ۱۱۰) حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی امید کرنے والوں کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے۔

■ اول وقت میں نماز پڑھ لی پھر پانی پایا تو نماز نہیں لوٹائے گا۔ حدیث ابوداؤد سے ثابت ہے

[۷۴] (۱۱) ایک تیمم سے جتنے فرائض اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) اگر آدمی سفر میں جنبی ہو جائے تو اس کے درمیان آخری وقت تک انتظار کرے، پس اگر پانی نہ پائے تو تیمم کرے اور نماز پڑھے۔

[۷۵] (۱۲) ويجوز التيمم للصحيح المقيم اذا حضرت جنازة والولي غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته صلوة الجنازة فله ان يتيمم ويصلي.

**مجا** (۱) تیمم وضو کا مکمل نائب ہے۔ جس طرح ایک وضو سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمم سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وقت ختم ہوتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا (۲) آیت میں وضو، غسل اور تیمم کے تذکرے کے بعد یہ فرمایا لیس جعل علیکم من حرج ولكن یزید لیطهرکم (آیت ۶ سورۃ المائدہ ۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمم تینوں کے ذریعہ مکمل پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے تیمم سے بھی وضو کی طرح کئی نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) حدیث میں ہے۔ ان الصعید الطیب طهور وان لم تجد الماء الى عشر سنین (الف) (ابوداؤد شریف، باب الحجب تیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) طہور کا مطلب یہ ہے کہ تیمم کا حکم وضو کی طرح ہے کہ ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک ایک تیمم سے ایک فرض پڑھ سکتا ہے۔ اور اس کے تابع کر کے نوافل اور سنن پڑھ سکتا ہے۔ لیکن جب دوسرے فرض کا وقت آئے گا تو اس کے لئے دوسرا تیمم کرنا ہوگا پہلا تیمم کافی نہیں ہوگا۔

**مجا** (۱) تیمم ان کے نزدیک طہارت ضروری ہے یعنی وقت آنے پر پانی نہ ملے تو اب اس وقت تیمم کریں۔ اس لئے تیمم کی ابتدا وقت فرض آنے پر ہوگی (۲) حضرت عمر و ابن العاص، حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے یتیمم لكل صلوة (ب) (دارقطنی، باب التیمم وانه یفعل لكل صلوة ج اول ص ۱۹۳ نمبر ۶۹۸ السنن للبیہقی، باب التیمم لكل فریضة، ج اول، ص ۳۳۹، نمبر ۱۰۵۴) اس لئے وہ ہر نماز کے وقت الگ الگ تیمم کرنا واجب قرار دیتے ہیں (موسوعة امام شافعی، باب متى تیمم للصلوة، ج اول، ص ۱۸۳)

[۷۵] (۱۲) جائز ہے تیمم کرنا تندرست آدمی کے لئے جو مقيم ہو۔ جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں مشغول ہو تو نماز جنازہ اس سے فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز ہے کہ تیمم کرے اور نماز پڑھے۔

**مجا** (۱) حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ اس لئے جو آدمی میت کا ولی نہیں ہے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس سے ہمیشہ کے لئے وہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔ اب چاہے وہ تندرست ہے، مقيم ہے پانی ایک میل کے اندر ہے لیکن خوف ہے کہ وضو کرنے گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔ اس مجبوری کی بنا پر گویا کہ اس کو پانی پر قدرت نہیں ہے اس لئے تیمم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے (۲) عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازة وانت علی غیر وضوء فیتیمم و صلی (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۹۳ فی الرجل ان یخاف ان تفوته الصلوة علی الجنازة وهو غیر متوضی، ج ثانی ص ۴۹۷، نمبر ۱۱۳۶، کتاب الجنائز) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوف ہو تو نماز جنازہ کے لئے تیمم کر سکتا ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اس لئے تیمم کرنے کی مجبوری نہیں ہے۔ اس لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے

حاشیہ : (الف) ایک مٹی مسلمان کا وضو ہے چاہے دس سال تک ہو (ب) ہر نماز کے لئے تیمم کرے (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر نماز جنازہ فوت ہونے کا خوف ہو اور تم وضو پر نہیں ہو تو تیمم کرو اور نماز پڑھو۔

[۷۶] (۱۳) وكذلك من حضر العيد فخاف ان اشتغل بالطهارة ان يفوته العيد [۷۷]

(۱۴) وان خاف من شهد الجمعة ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الجمعة توضاً فان ادرك

الجمعة صلاها والا صلى الظهر اربعا [۷۸] (۱۵) وكذلك ان ضاق الوقت فخشى ان

کے لئے تیمم نہیں کر سکتا (۲) عن ابن عمر انه قال لا يصلى على الجنابة الا وهو طاهر (الف) (السنن للبيهقي، باب الصبح المقيم تيضاً المكتوبة والجنابة والعيد ولا يتم ص ۳۵۲، نمبر ۱۰۹۳) وہ طہارت سے صرف وضو کی طہارت لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مجبوری کے موقع پر تیمم بھی طہارت ہے اس لئے ابن عمر کا قول حنفیہ کے خلاف نہیں ہوا

**نوٹ** خود ولی کی نماز جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے اس کے حق میں مجبوری نہیں ہوتی

[۷۶] (۱۳) ایسے ہی جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہوا اور خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس سے عید کی نماز فوت ہو جائے گی (تو تیمم کر کے نماز پڑھ لے)

**مذہب** (۱) نماز عید بھی امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اور وضو کے لئے جائے گا تو نماز فوت ہو جائے گی۔ اس لئے گویا کہ پانی پر قدرت نہیں ہے۔ اس لئے تیمم کر کے نماز عید پڑھ سکتا ہے۔ باقی دلائل اوپر گزر گئے (۲) عن ابراهيم قال يتيمم للعیدین والجنابة (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۳۹ لرجل یحدث یوم العید ما یصح، ج ثانی ص ۹، نمبر ۵۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اور عید کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

[۷۷] (۱۴) اگر اس کو خوف ہو جو جمعہ میں حاضر ہوا کہ اگر وضو میں مشغول ہوگا تو جمعہ فوت ہو جائیگا پھر بھی وضو کرے۔ پس اگر جمعہ پائے تو اس کو پڑھے ورنہ ظہر کی نماز چار رکعت پڑھے۔

**مذہب** جمعہ فوت ہو جائے تو اس کا خلیفہ ظہر کی نماز ہے۔ اس لئے جمعہ کا فوت ہونا مکمل فوت ہونا نہیں ہے۔ اس لئے تیمم نہیں کریگا بلکہ وضو ہی کرے گا۔ پس اگر جمعہ مل گیا تو وہ پڑھے ورنہ اس کا خلیفہ ظہر پڑھے۔ اس اثر سے استدلال ہے۔ سنن الحسن عن رجل احدث یوم الجمعة فذهب ليتوضأ فجاء وقد صلى الامام قال يصلى اربعا (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰۸ لرجل یحدث یوم الجمعة، ج اول ص ۳۸۴، نمبر ۵۵۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے وضو کرے۔

**اصول** جو نماز فوت ہو جائے اور اس کا نائب نہ ہو اس کے لئے تیمم کر سکتا ہے اور جس کا نائب ہو اس کے لئے تیمم نہ کرے۔ [۷۸] (۱۵) ایسے ہی اگر وقت تنگ ہو جائے۔ پس ڈر ہو کہ اگر وضو کرے گا تو وقت فوت ہو جائے گا۔ پھر بھی تیمم نہ کرے لیکن وضو کرے اور نماز قضا کر کے پڑھے۔

حاشیہ : (الف) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنازہ کی نماز نہ پڑھے مگر طہارت کی حالت میں (ب) حضرت حسن کو پوچھا کسی آدمی کو جمعہ کے دن حدث لاحق ہو گیا۔ وہ وضو کرنے گیا واپس آیا تو امام نماز پوری کر چکا تھا؟ فرمایا چار رکعت ظہر پڑھے۔

توضاً فاتہ الوقت لم یتیمم ولكنه یتوضا ویصلی فائتته [۷۹] (۱۶) والمسافر اذا نسی الماء فی رحله ف تیمم وصلی ثم ذکر الماء فی الوقت لم یعد صلوته عند ابی حنیفۃ ومحمد وقال ابو یسف یعید [۸۰] (۱۷) ولیس علی المتیمم اذا لم یغلب علی ظنه ان

**وجہ** یہاں وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہوگی۔ اور قضا ادا کا خلیفہ ہے۔ اس لئے نماز مکمل فوت نہیں ہوئی۔ اس لئے وضو کرے گا۔ اور وقت فوت ہو گیا تو قضا نماز پڑھے گا۔

[۷۹] (۱۶) مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول گیا اور تیمم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت میں پانی یاد آیا تو اپنی نماز نہیں لوٹا بیگا امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک۔ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا نماز لوٹائے گا۔

**وجہ** طرفینؒ فرماتے ہیں کہ کجاوہ میں عموماً پانی خود پینے کے لئے اور اونٹ کو پلانے کے لئے ہوتا ہے۔ وضو کرنے کے لئے صحرا اور جنگل میں کجاوہ میں پانی نہیں رکھتے۔ اس لئے پانی بھول جانا پانی نہ پانے کے لئے مقبول عذر ہے۔ اس لئے گویا کہ اس نے پانی نہیں پایا۔ اس لئے اس کا تیمم درست ہے۔ اس لئے نماز نہیں لوٹائے گا۔

**اصول** کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی نہیں ہے۔  
**فائدہ** اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کجاوہ میں عموماً پانی ہوتا ہے چاہے وہ پینے کے لئے ہی ہو۔ اس لئے نہ اس کا تیمم درست ہے اور نہ نماز۔ اس لئے نماز لوٹائے گا۔

**اصول** کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی ہے۔  
**نوٹ** اختلاف اس صورت میں ہے جب خود پانی رکھا ہو۔ یا اس کے حکم سے کسی نے پانی رکھا ہو۔ اور اگر کسی اور نے اس کے کجاوہ میں پانی رکھا تھا تو بالا اتفاق تیمم کرنا درست ہے کیونکہ یہ معذور ہے۔

**نوٹ** یہ مسئلہ اصول پر مبنی ہے۔

**نعت** رطل : کجاوہ

[۸۰] (۱۷) تیمم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کو غالب گمان نہیں ہے کہ اس کے قریب پانی ہے **وجہ** (۱) جنگل اور صحرا میں ہے اور قرب وجوار میں پانی کے آثار نہیں ہیں اور غالب گمان نہیں ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ملے گا تو حقیقی طور پر بھی پانی پانے والا نہیں ہے اور آثار سے بھی پانی پانے والا نہیں ہے۔ اس لئے اس پر پانی کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل سے بھی ہوتا ہے عن نافع انه اقبل هو و عبد الله بن عمر من الجرف حتی اذا كانا بالمربد نزل عبد الله ف تیمم صعیدا طیباً ف مسح بوجهه و یدیه الی المرفقین ثم صلی (الف) (موطا امام مالک، باب العمل فی التیمم حاشیہ : (الف) حضرت نافع اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ مقام جرف سے تشریف لارہے تھے۔ یہاں تک کہ جب دونوں مربد کے پاس آئے تو عبداللہ بن عمرؓ اترے پھر پاک مٹی سے تیمم کیا۔ پس چہرے کو پونچھا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت پونچھا پھر نماز پڑھی۔

بقربه ماء ان يطلب الماء [۸۱] (۱۸) وان غلب علی ظنه ان هناك ماء لم یجز له ان یتیمم حتی یطلبه [۸۲] (۱۹) وان كان مع رفیقہ ماء طلبه منه قبل ان یتیمم فان منعه منه یتیمم و صلی.

ص (۴۱) اور بخاری کی اسی حدیث میں اتنی عبارت زیادہ ہے ثم دخل المدينة واشمس مرتفعة فلم يعد (الف) (بخاری شریف، باب التیمم فی الخضر اذا لم یجد الماء ص ۴۸، نمبر ۳۳) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ گر پانی دور ہوا اور قریب میں ملنے کی امید نہ ہو تو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے مدینہ آنے کے بعد نماز نہیں لوٹائی۔ [۸۱] (۱۸) اور اگر اس کو غالب گمان ہے کہ یہاں (قریب میں) پانی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ تیمم کرے یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

حجہ (۱) غالب گمان یہ پانی پانے کی علامت ہے۔ اس لئے پانی پاتے وقت تیمم نہیں کر سکتا جب تک کہ پانی تلاش کرنے کے بعد یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے (۲) حضرت علی کا قول بھی ہے عن علی اذا جنب الرجل فی السفر تلوم ما بینہ و بین آخر الوقت فان لم یجد الماء یتیمم و صلی (دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷ مصنف ابن ابی غشیہ، ۱۹۵ من قال لا یتیمم ما رجا ان یقدر علی الماء، ج اول ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰) اصول علامت ظاہرہ اور غالب گمان پانی پانے کے درجے میں ہیں۔

فائدہ امام شافعی کے یہاں ہے کہ پانی ملنے کی امید ہو یا نہ ہو ہر حال میں تلاش کرنا ہوگا اور پانی نہ ملنے پر تیمم کرے گا۔ تاکہ فلم تجدوا ماء کا مکمل تحقق ہو جائے۔ [۸۲] (۱۹) اگر ساتھی دوست کے پاس زائد پانی ہے تو تیمم کرنے سے پہلے اس سے مانگے۔ پس اگر وہ پانی سے منع کر دے تو تیمم کرے اور نماز پڑھے۔

حجہ (۱) ساتھی ہونا پانی ملنے کی امید ہے اس لئے مانگے بغیر تیمم نہ کرے (۲) اس کی تائید ایک روایت سے بھی ہوتی ہے عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ استیقظ وحضرت الصلوۃ فالتمس الناس الماء فلم یجدوا (ب) (سنن للبیہقی، باب اعواذ الماء بعد طلبہ ج اول ص ۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اندازہ ہو کہ پانی ملے گا تو پہلے اس کی کوشش کرے پھر نہ ملنے پر تیمم کرے۔



حاشیہ : (الف) پھر حضرت ابن عمر مدینہ میں داخل ہوئے اس حال میں کہ سورج بلند تھا اور نماز عصر نہیں لوٹائی (ب) حضورؐ بیدار ہوئے اس حال میں کہ نماز کا وقت ہو چکا تھا تو لوگوں نے پانی تلاش کی۔

## ﴿باب المسح علی الخفین﴾

[۸۳] (۱) المسح علی الخفین جائز بالسنة من کل حدث موجب للوضوء اذا لبس

## ﴿باب المسح علی الخفین﴾

**ترندی** مسح : کے معنی ہیں ترہاتھ کو عضو پر پھیرنا، یا کسی چیز پر پھیرنا۔

**دلیل** عن ابی وقاص عن النبی ﷺ انه مسح علی الخفین (الف) (بخاری شریف، باب المسح علی الخفین ص ۳۳ نمبر ۲۰۲) مسح علی الخفین کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے۔ البتہ اگر وامسحوا براء وسکم وارجلکم الی الکعبین (آیت ۶ سورة المائدة ۵) میں ارجلکم کو کسرہ پڑھیں تو امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس میں مسح علی الخفین کا جواز نکلتا ہے۔ ورنہ اصل آیت میں تو پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ چونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اس لئے مسح علی الخفین کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔ مسح علی الخفین کی حدیث چالیس صحابہ سے منقول ہیں۔ اور بلا تاویل اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ صرف روافض اس کے خلاف ہیں۔

[۸۳] (۱) موزے پر مسح جائز ہے حدیث کی وجہ سے ہر وہ حدث سے جو وضو واجب کرنے والا ہو۔ جب کہ موزے کو طہارت پر پہنا ہو پھر حدث ہوا ہو۔

**وجہ** جن حدث اکبر میں غسل کی ضرورت ہو اس میں موزہ کھولنا ہوگا اور غسل کے ساتھ پاؤں دھونا ہوگا۔ صرف حدث اصغر یعنی وضو کے مقام میں موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو پھر حدث ہوا تب موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ طہارت پر پہننے کی صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں پہلے دھولیا پھر موزہ پہن لیا پھر ہاتھ دھویا، منہ دھویا اور سر پر مسح کیا۔ مکمل طہارت کے بعد حدث ہوا تو موزہ پر مسح کر سکتا ہے۔ کیونکہ حدث سے پہلے مکمل طہارت بھی ہے اور موزہ بھی پہنا ہوا ہے۔ غسل کی ضرورت کے وقت موزہ پر مسح جائز نہیں اور وضو کی ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن صفوان بن عسال قال کان رسول اللہ ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ايام ولیا لیهن الا من جنابة ولكن من غائط وبول ونوم ((ب)) (ترندی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶) اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہو تو موزے پر مسح نہیں کر سکتا۔

اور دونوں پاؤں کو طہارت پر داخل کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن مغيرة بن شعبه قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر فاهویت لا نزع خفیه فقال دعهما فانی ادخلتهما طاهرتین فمسح علیهما ((ج)) (بخاری شریف، باب اذا دخل رجلیہ وهما طاهرتان ص ۳۳ نمبر ۲۰۶) اس حدیث سے خفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ صرف پاؤں کو دھو کر موزہ پہن لیا اور بعد میں باقی اعضاء دھوئے تو جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے موزے پر مسح فرمایا (ب) حضورؐ ہمیں حکم دیتے تھے جب ہم سفر میں ہوں کہ اپنے موزے تین دن تین رات نہ کھولیں۔ مگر جنابت سے (مسح نہ کریں) لیکن پاخانہ اور پیشاب اور نیند سے مسح کر سکتے ہیں (ج) مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ سفر میں تھا تو میں آپؐ کے موزے کھولنے کے لئے جھکا تو آپؐ نے فرمایا ان کو چھوڑ دو اس لئے کہ دونوں پاؤں کو طہارت کی حالت میں داخل کیا ہوں۔ پھر آپؐ نے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

الخفين ثم احدث [۸۴] (۲) فان كان مقيما مسح يوما و ليلة وان كان مسافرا مسح ثلاثة ايام ولياليها وابتداؤها عقيب الحدث [۸۵] (۳) والمسح على الخفين على ظاهرهما خطوطا يبتدأ من الاصابع الى الساق وفرض ذلك مقدار ثلث اصابع من اصابع اليد

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکمل وضو کر کے موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ان کے نزدیک وہ احادیث مستدل ہیں جس میں ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو۔

**نوٹ** حنفیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے بھی موزہ مکمل وضو سے پہلے پہن لے تو مسح جائز ہے۔

[۸۴] (۲) پس اگر مقيم ہے تو ایک دن ایک رات تک مسح کرے اور مسافر ہے تو تین دن تین رات تک مسح کرے گا۔ اور مدت مسح کی ابتداء حدث کے بعد سے ہوگی۔

**ترجمہ** اس مدت کی دلیل حدیث میں ہے قال اتيت عائشة... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر ويوما و ليلة للمقيم (الف) (مسلم شریف، باب التوقيت في المسح على الخفين ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶) مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقيم کے لئے ایک دن اور ایک رات حدث کے وقت سے شروع ہونگے۔ موزہ پہننے کے وقت سے نہیں۔ کیونکہ موزہ مانع حدث ہے تو اس وقت سے مانع حدث ہوگا جب حدث ہوگا جب حدث ہوا ہو۔ جب تک حدث نہیں ہوا ہے تو مانع حدث کیسے ہوگا۔ اس لئے حدث کے وقت سے مدت شروع ہوگی۔

**نوٹ** جو احادیث تحدید مدت کے خلاف ہیں وہ ضعیف ہیں اور علماء کے یہاں معمول بہا نہیں ہیں۔

[۸۵] (۳) موزے پر مسح پاؤں کے ظاہر پر کیا جائے گا خطوط کی شکل میں شروع کیا جائے گا انگلیوں سے پنڈلی تک اور اس کا فرض تین انگلیوں کی مقدار ہے ہاتھ کی انگلیوں سے۔

**تشریح** موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا جائیگا۔ نیچے کے حصے پر نہیں کیا جائے گا۔ اور تین انگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے کھینچا جائے گا اور کھینچتے کھینچتے پنڈلی تک لے جایا جائے گا۔ اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

**ترجمہ** (۱) پاؤں کے اوپر مسح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی قال لو كان الدين بالراي لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رایت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه (ب) (ابوداؤد شریف، باب كيف المسح ص ۲۴ نمبر ۱۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنا ضروری ہے۔ اور جس حدیث میں پاؤں کے نیچے مسح کرنا ثابت ہے وہ فضیلت کے طور پر ہے۔ اور تین انگلی سے پنڈلی تک کھینچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر قال رسول الله ﷺ بيده هكذا من اطراف الاصابع

حاشیہ : (الف) آپؐ نے تین دن تین رات مسافر کے لئے اور ایک دن ایک رات مقيم کے لئے مسح کرنے کے لئے جائز قرار دیا (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں اگر دین سے رائے سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ زیادہ اچھا ہوتا اس کے اوپر کے حصے سے۔ اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ وہ موزہ کے اوپر کے حصے پر مسح فرماتے تھے۔

[۸۶] (۴) ولا يجوز المسح على خف فيه خرق كثير يتبين منه قدر ثلاث اصابع الرجل وان كان اقل من ذلك جاز [۸۷] (۵) ولا يجوز المسح على الخفين لمن وجب عليه الغسل.

الى اصل الساق وخطط بالا اصابع (الف) (ابن بلجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفله، ص ۷۸، نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم تین انگلیاں ہوں۔  
**لغت** خطوطا : خط کی طرح کھینچتے ہوئے، الساق : پنڈلی

[۸۶] (۴) مسح نہیں جائز ہے ایسے موزے پر جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو۔ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہوتی ہو۔ اور اگر اس سے کم ظاہر ہوتی ہو تو مسح جائز ہے۔

**مذہب** اصل یہ ہے کہ موزہ اگر پاؤں سے کھل جائے تو پورا موزہ کھول کر پاؤں دھونا پڑتا ہے۔ اب تین انگلی پھٹنا بھی موزہ کا کھلنا ہے۔ کیونکہ چوتھائی قدم بعض مقامات پر کل کا حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قدم میں اصل انگلیاں ہیں اور تین انگلیاں اکثر قدم ہے۔ اس لئے تین انگلیوں کی مقدار پھٹنے اور اتنی مقدار ظاہر ہونے سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ قدم کھل گیا۔ اس لئے اب موزہ کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔ موزہ کھلنے سے پاؤں دھونے کی دلیل یہ اثر ہے عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفيه ثم یدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه (ب) (السنن للبیہقی، باب من خلع خفيه بعد مسح علیہما ج اول ص ۲۸۹) سألت معمرًا عن الخرق یكون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیہ واخلع (السنن للبیہقی، باب الخف الذی مسح علیہ رسول اللہ ﷺ اول ص ۴۲۵، نمبر ۱۳۴۷) مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفيه ثم یتخلعها، ج اول، ص ۷۰، ۱۷۰، نمبر ۱۹۵۸)

**نوٹ** اگر تین انگلیوں سے کم کی مقدار ایک موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز ہے۔  
**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بھی پھٹا ہو جس سے وضو کی جگہ ظاہر ہوتی ہو تو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ تھوڑا بہت تو پھٹا ہوا ہوتا ہی ہے اس لئے یہ مقدار معفو عنہ ہے۔

**لغت** خرق : پھٹن، يتبين : ظاہر ہوتا ہے۔  
 [۸۷] (۵) موزے پر مسح جائز نہیں ہے اس آدمی کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

**مذہب** مسئلہ نمبر ایک میں حدیث گزر چکی ہے کہ صرف حدث اصغر (وضو) میں مسح کر سکتا ہے۔ جن حدیثوں میں غسل کی ضرورت پڑتی ہو اس میں پاؤں کھولنا ہوگا لہذا مسح علی الخفين جائز نہیں ہے۔

حاشیہ : (الف) حضور نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا انگلیوں کے کنارے سے پنڈلی تک اور انگلیوں سے کھینچتے ہوئے (ب) اصحاب رسول کے ایک آدمی سے یہ روایت ہے کہ ایک آدمی مسح کرے اپنے موزے پر پھر اس کا خیال ہو اور دونوں کو نکال لیا تو فرمایا کہ دونوں قدموں کو دھوئے۔



[۸۸] (۶) وینقض المسح ما ينقض الوضوء وينقض ايضا نزع الخف [۸۹] (۷) ومضى المدة فاذا مضت المدة نزع خفيه و غسل رجلیه و صلى و ليس عليه إعادة بقية الوضوء [۹۰] (۸) ومن ابتداء المسح وهو مقيم فسافر قبل تمام يوم و ليلة مسح تمام ثلاثة

[۸۸] (۶) مسح کو توڑتی ہے وہ چیزیں جو وضو کو توڑتی ہیں اور موزے کا کھل جانا بھی۔

جن حدیثوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان حدیثوں سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ موزہ پر مسح کرنا ہوگا۔ البتہ موزہ کھول کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے اس لئے جس سے وضو ٹوٹے گا اس سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا۔ لیکن موزہ پاؤں سے نکل جائے تو دونوں موزے کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۴ میں حدیث گزر چکی ہے کہ موزہ کھلنے سے دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔ اگر ایک پاؤں کا موزہ کھل گیا تو دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا۔ کیونکہ ایک موزہ پر مسح کریں اور دوسرے پاؤں کو دھوئیں اس طرح غسل اور مسح ایک وظیفہ میں جمع نہیں کر سکتے۔ دونوں پر مسح کریں گے یا دونوں کو دھوئیں گے۔ حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے (۲) عن مغيرة بن شعبه قال غزونا مع رسول الله ﷺ فامرنا بالمسح على الخفين ثلاثة ايام ولياليها للمسافر ويوما و ليلة للمقيم ما لم يخلع (الف) (سنن للبيهقي، باب من خلع خفيه بعد مسح عليهما، ص ۴۳۴، نمبر ۶۳۷۱۳ مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفيه ثم تخلعها، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۶۰) ما لم تخلع سے پتہ چلتا ہے کہ موزہ پاؤں سے کھل جائے تو دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔

[۸۹] (۷) اور مدت کا گزر نہ بھی مسح توڑتا ہے۔ پس جب مدت گزر جائے تو دونوں موزوں کو کھولے اور دونوں پاؤں کو دھوئے اور نماز پڑھے۔ اور اس پر باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

اوپر کی کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مدت مسح ہے۔ پس یہ مدت مسح پر گزر جائے تو مسح کا وقت ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ موزہ حدث کے لئے مانع تھا۔ وقت گزرنے پر مانع ختم ہو گیا اور حدث پاؤں کے اندر سرایت کر گیا اس لئے موزہ کھولنا ہوگا اور پاؤں دھونا ہوگا۔ پس اگر پہلے سے وضو موجود ہے تو صرف پاؤں دھولے باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔ البتہ لوٹالے تو اچھا ہے (۲) مسئلہ نمبر ۴ کی حدیث میں یہ گزرا ہے کہ فیسنز عهما قال يغسل قدميه (ب) (سنن للبيهقي، نمبر ۱۳۷۰) جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دونوں قدموں کو دھونا لازم ہے۔ پورا وضو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

نزع : نکالے۔

[۹۰] (۸) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مقیم تھا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر شروع کیا تو مسح کرے گا تین دن

حاشیہ : (الف) حضور نے ہمیں حکم دیا کہ موزے پر مسح کرنے کا تین دن تین رات مسافر کے لئے اور ایک دن ایک رات مقیم کے لئے جب تک موزہ نہ کھولے (ب) دونوں موزے کو کھولیں۔ فرمایا کہ دونوں قدموں کو دھوئے گا۔

ایام ولیالیہا [۹۱] (۹) ومن ابتداء المسح وهو مسافر ثم اقام فان كان مسح يوما وليلة او اكثر لزمه نزع خفيه وان كان اقل منه تم مسح يوم و ليلة [۹۲] (۱۰) ومن لبس الجرموق فوق الخف مسح عليه [۹۳] (۱۱) ويجوز المسح على الجوربين الا ان يكونا

تین رات۔

**ترجمہ** مقیم نے ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے سفر کیا تو حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مسافر بن گیا اس لئے مدت اب لمبی ہو کر مسافر کی مدت پر عمل کرے گا یعنی جب سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات تک پورا کرے گا۔ اور اگر ایک دن اور ایک رات پورا ہو جاتا تو حدث قدم پر سرایت کر جاتا اب وہ اٹھے گا نہیں۔ اب تو پاؤں کھول کر دھونا ہی ہوگا۔ اس صورت میں تین دن پورا نہیں کر سکتا **ترجمہ** حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مدت کا حکم بدل سکتا ہے۔ سرایت کرنے کے بعد نہیں۔

[۹۱] (۹) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مسافر تھا پھر مقیم ہو گیا، پس اگر ایک دن ایک رات مسح کر چکا ہے یا اس سے زیادہ کر چکا ہے تو اس پر دونوں موزوں کو کھولنا لازم ہے۔ اور اگر اس سے کم ہے تو ایک دن ایک رات پورا کرے گا۔

**ترجمہ** مسافرت کی حالت میں ہو تب ہی تین دن مسح کرے گا لیکن اگر درمیان میں مسافرت کی حالت ختم ہو گئی تو مقیم کی مدت ایک دن ایک رات ہی پر اکتفاء کرے گا۔ اب اگر ایک دن پورا کر چکا ہے یا اس سے زیادہ پورا کر چکا ہے تو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے گا اور ایک دن ایک رات پورا نہیں کیا ہے تو ایک دن ایک رات پورا کرے گا۔ کیونکہ مقیم تو اخیر بھی ہے ہی۔ [۹۲] (۱۰) جس نے جرموق کو موزے کے اوپر پہنا تو اس پر مسح کرے گا۔

**ترجمہ** جرموق یا موق اس موزے کو کہتے ہیں جو اچھے موزے کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر پہنتے ہیں۔ تو گویا کہ دونوں موزے ہی ہیں۔ اس لئے جرموق پر مسح کر سکتا ہے

**ترجمہ** جرموق پر مسح کرنے کے لئے وہی شرائط ہیں جو موزے پر مسح کرنے کے لئے ہیں (۲) حدیث میں ہے عن انس بن مالک ان رسول اللہ ﷺ كان يمسح على الموقين والخمار (الف) (سنن للبیہقی، باب المسح على الموقين، ج اول، ص ۴۳۲، نمبر ۱۳۶۸ ابوداؤد شریف، باب المسح على الخفين، ص ۲۳ نمبر ۱۵۳) اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے جرموق پر مسح فرمایا۔

**ترجمہ** امام شافعی کے نزدیک جرموق پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قدم کا بدل موزہ ہے اور اب موزہ کا بدل جرموق بنے یہ بدل کا بدل ہو گیا جو صحیح نہیں ہے۔ ہم جواب دیتے ہیں کہ دونوں موزے مل کر ایک ہی موزہ و دطاق والا ہو گیا اس لئے جائز ہے۔

**ترجمہ** جرموق اور موق : موزے پر جو موزے حفاظت کے لئے پہنتے ہیں اس کو جرموق یا موق کہتے ہیں۔

[۹۳] (۱۱) جائز ہے مسح جوربین پر، اور نہیں جائز ہے مگر یہ کہ دونوں مجلدین ہوں یا دونوں متعلین ہوں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں جوربین پر مسح

حاشیہ : (الف) آپ جرموق اور عمامہ پر مسح کیا کرتے تھے (خمار کا ترجمہ یہاں عمامہ ہے)

مجلدین او منعلین وقال لا يجوز اذا كانا ثخينين لا يشفان [۹۴] (۱۲) ولا يجوز المسح

جائز جب کہ موٹے ہوں اور پانی نہ چھنتا ہو۔

**تشریح** سوت کے موزے کو جو بین یا جراب کہتے ہیں۔ اس کے تلے پر چڑا چڑھا ہوا ہو تو اس کو منعلین کہتے ہیں۔ یہ نعل سے مشتق ہے۔ جو تے کی ایڑی میں جولوہا لگاتے ہیں اس کو نعل کہتے ہیں۔ اور تلے میں بھی چڑا ہوا اور جو تے کی طرح قدم پر بھی چڑا ہوا تو چونکہ کافی چڑا لگ گیا اس لئے سوت کے اس موزے کو مجلدین کہتے ہیں۔ جو رب مجلدین ہوں یا منعلین ہو تب ابو حنیفہ کے نزدیک ان پر مسح کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔

**مذہب** عن مغيرة بن شعبه قال توضأ النبي ﷺ ومسح على الجوربين والنعلين (الف) (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ۲۹ نمبر ۹۹ را بوداؤد، باب المسح علی الجوربین ص ۲۴ نمبر ۱۵۹)

حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور والنعلین کا ترجمہ استاذ ابو الولیدؒ نے یہ کیا ہے جو بین جو منعلین ہو یعنی ایسا سوت کا موزہ جس میں نعل لگا ہوا ہو۔ اور راشد بن نجیح سے روایت ہے قال رأیت انس بن مالک دخل الخلاء وعلیه جوربان اسفلهما جلود واعلاهما خنز فمسح عليهما (ب) السنن للبیہقی، باب ما ورد فی الجوربین والنعلین، ج اول ص ۴۲۸، نمبر ۱۳۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے جو سوت کے موزے میں مجلدین اور منعلین ہونے کی قید لگائی ہے وہ ان روایات کی روشنی میں لگائی ہے۔

**فائدہ** صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ یہ فرماتے ہیں کہ تین شرطیں ہوں تو سوت کے موزے پر مسح جائز ہے (۱) اتنا موٹا ہو کہ مسح کرتے وقت پانی پاؤں کی خال تک سرایت نہ کرتا ہو (۲) بغیر باندھے پاؤں پر رکتا ہو (۳) ایک میل تک موزے میں چل سکتا ہو۔ تو اس موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شرطوں سے سوت کا موزہ چڑے کے موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل میں چڑے کے موزے پر مسح کرنا جائز ہے اس لئے یہ شرطیں لگائی گئیں۔ (۲) عام احادیث سے جو بین پر مسح کرنے کا ثبوت ہے چاہے مجلدین اور منعلین ہو یا نہ ہو۔ اس لئے خالص جو بین پر مذکورہ شرطوں کے ساتھ مسح کرنا جائز ہے۔

**نوٹ** امام ابو حنیفہؒ نے آخری عمر میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس لئے جو بین پر مسح کرنے کا اتفاق ہو گیا۔

**لغت** خف : چڑے کا موزہ، جو بین : سوت کا موزہ جس کے تلے میں چڑا لگا ہوا ہو، ثخينين : مخمین کا تشبیہ ہے موٹا موزہ، يشفان : تشبیہ ہے یشف کا جس میں پانی چھن جاتا ہو۔

[۹۴] (۱۲) عمامہ پر، ٹوپی پر اور برقع پر اور دستانے پر مسح جائز نہیں ہے۔

**جہ** (۱) آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اب خبر آحاد حدیث کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے احادیث کی وجہ سے پگڑی، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور جن احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپؐ نے پگڑی پر مسح کیا اس کا مطلب یہ ہے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے وضو فرمایا اور سوت کے موزے پر اور چپل پر مسح فرمایا، یا چپل کے ساتھ مسح فرمایا (ب) میں نے انس بن مالکؓ کو دیکھا کہ بیت الخلاء میں داخل ہوئے اور آپ کے پاؤں میں دو سوت کے موزے تھے۔ دونوں کے نیچے کا حصہ چڑے کا تھا اور اوپر کا حصہ ریشم تھا تو آپ نے دونوں پر مسح فرمایا۔

## على العمامة والقلنسوة والبرقع والقفازين [۹۵] (۱۳) ويجوز على الجائر وان شذها

کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کیا اور پگڑی پر بھی کر لیا (۲) چنانچہ حدیث میں اس طریقہ کا رکا ثبوت ہے عن انس بن مالک قال رأیت رسول اللہ ﷺ يتوضأ وعليه عمامة قطرية فادخل يده من تحت العمامة فمسح مقدم رأسه فلم ينقض العمامة (الف) (ابوداؤد شریف، باب المسح على العمامة ص ۲۱ نمبر ۱۲۷) مسلم میں ہے ان النبی ﷺ مسح على الخفين ومقدم رأسه وعلى عمامته (مسلم شریف، باب المسح على الناصية والعمامة، ص ۱۳۴ نمبر ۲۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض سر پر مسح کیا اور پگڑی پر مسح کیا۔ اس لئے صرف پگڑی پر مسح کافی نہیں ہے (۳) امام ترمذی نے فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ سر پر بھی مسح نہ کر لے۔ وهو قول سفیان الثوری وما لک بن انس وابن المبارک، والثافعی (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والعمامة ص ۲۹ نمبر ۱۰۰) (۴) دارقطنی نے باضابطہ باب باندھا ہے باب فی جواز المسح علی بعض الرأس (ج اول ص ۲۲۰ نمبر ۷۲۸) اور اس کے تحت ایسی چار حدیثیں ذکر کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عمامہ کے ساتھ سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔ دستانے پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کے دلائل وہی ہیں جو مسح علی العمامة کے بارے میں گزرے ہیں (۲) ان چیزوں کے دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مسح کرنا دفع حرج کے لئے ہے اس لئے ہاتھ کو دھونا ہی ضروری ہوگا۔ دستانے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

**لغت القفازين :** دستانے

[۹۵] (۱۳) مسح جائز ہے زخم کی پیٹوں پر اگرچہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

**وجہ (۱)** زخم کی پیٹوں کو کھولنا مشکل ہے اور حرج ہے۔ اس لئے پیٹی رہتے ہوئے اس پر مسح کیا جائے گا۔ چاہے پیٹی کو حدث کی حالت میں باندھا ہو (۲) ابوداؤد میں یہ تعلیق ہے انما يكفيه ان يتييم و يعصر او يعصب شك موسى على جرحه خرقه ثم يمسح عليها و يغسل سائر جسده (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الجرح و التيميم ص ۵۵ نمبر ۳۳۶) (۳) عن علی بن طالب قال سألت رسول الله ﷺ عن الجائر يكون على الكسر كيف يتوضأ صاحبها وكيف يغتسل اذا اجنب؟ قال يمسح بالماء عليها في الجنابة والوضوء (ج) (دارقطنی، باب جواز المسح على الجائر، ص ۲۳۳ نمبر ۸۶۵/۱ ابن ماجہ شریف، باب المسح على الجائر، ص ۹۳، نمبر ۶۵۷، السنن للبیہقی، باب المسح على العصاب والجائر ج اول، ص ۳۲۸، نمبر ۱۰۷۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ کچھ پیٹی پر مسح کرنا جائز ہے۔

**لغت الجائر :** جمع ہے جبیرۃ کی پیٹی، کچھ پیٹی۔

**نوٹ** عموماً زخم پر بغیر وضو کے ہی پیٹی باندھتے تھے اس کے باوجود صحابہ اس پر مسح کرتے تھے۔ کیونکہ مجبوری ہے۔ اس لئے بغیر وضو کے بھی پیٹی

حاشیہ : (الف) میں نے حضور کو دیکھا کہ آپ کے سر پر قطری پگڑی تھی پس آپ نے پگڑی کے نیچے ہاتھ داخل کیا پھر سر کے اگلے حصہ پر مسح فرمایا اور پگڑی نہیں کھولی (ب) صرف اس کو کافی یہ ہوگا کہ تیمم کرے اور پیٹی باندھے اپنے زخم پر، موسیٰ کو شک ہوا کہ یصر کہا یا یصعب کہا۔ پھر اس پر مسح کرے اور باقی جسم کو دھوئے (ج) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو ٹوٹے ہوئے پر کچھ پیٹی ہوا اس کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے وضو کرے اور رضی ہو جائے تو کیسے غسل کرے؟ آپ نے فرمایا کہ دونوں پیٹی پر پانی سے مسح کرے جنابت میں بھی اور وضو میں بھی۔

على غير وضوء [۹۶] (۱۴) فان سقطت من غير برء لم يبطل المسح [۹۷] (۱۵)  
وانسقطت عن برء بطل.

باندھی تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

[۹۶] (۱۴) پس اگر بغیر زخم اچھا ہوئے پٹی گر گئی تو مسح باطل نہیں ہوگا۔

وضو کر کے پٹی پر مسح کیا تھا اس درمیان ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ پٹی گر گئی تو پہلا مسح چلے گا۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔

جب تک زخم ٹھیک نہیں ہوا ہے تو پٹی باندھنا گویا کہ اس کو دھونا ہے اس لئے اس کو دوبارہ مسح کی ضرورت نہیں (۲) مجبوری بھی ہے۔

[۹۷] (۱۵) اگر کچھ زخم ٹھیک ہو کر گری ہو تو مسح باطل ہو جائے گا۔

زخم ٹھیک ہو گیا تو اب مجبوری نہیں رہی اس لئے اصل پر آ جائے گا اور مسح باطل ہو جائے گا۔ اب اس کو دوبارہ دھونا ہوگا۔

برء : زخم ٹھیک ہونا۔

مجبوری کے وقت ہی فرع پر عمل آتا ہے اور مجبوری ختم ہو جائے تو اصل پر عمل کرنا ضروری ہے۔



## ﴿باب الحيض﴾

[۹۸] (۱) اقل الحيض ثلاثة ايام و ليليتها فما نقص من ذلك فليس بحيض وهو استحاضة

## ﴿باب الحيض﴾

**ترجمہ:** حیض کے معنی بہنا ہے۔ شریعت میں ایسی عورت جو نابالغ نہ ہو، آنسہ نہ ہو، جریاں خون کا مرض نہ ہو اور حمل نہ ہو اس کے رحم سے خون نکلے تو اس کو حیض کہتے ہیں۔ جس کو جریاں خون کا مرض ہو یا حاملہ ہو یا نابالغ ہو یا آنسہ ہو اس کے رحم سے جو خون نکلتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا ہے بلکہ استحاضہ ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے ویستلونک عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء فی المحيض ولا تقربوهن حتی يطهرن (الف) (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

[۹۸] (۱) حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین راتیں ہیں تو جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔

**ترجمہ:** تین دن تین رات سے کم جو خون آئے اس کو استحاضہ کا خون کہتے ہیں۔ حیض کا خون نہیں کہتے ہیں۔ یا دس دن سے زیادہ خون آئے اس کو بھی استحاضہ کا خون کہتے ہیں اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی امامۃ الباہلی قال قال رسول اللہ ﷺ لا یكون الحيض للجارية والثيب الذي قد اينست من الحيض اقل من ثلاثة ايام ولا اكثر من عشرة ايام فاذا رأت الدم فوق عشرة ايام فهي مستحاضة فما زاد على ايام اقرائها قضت ودم الحيض اسود خائر تعلوه حمرة ودم المستحاضة اصفر رقيق (ب) عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحيض ثلاثة ايام واكثره عشرة ايام (ج) (دارقطني، کتاب الحيض ص ۲۲۵ نمبر ۸۳۲/۸۳۶) دارقطني میں اس قسم کی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔

**ترجمہ:** امام شافعیؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت ایک دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت پندرہ دن ہیں۔ ان کی دلیل یہ قول ہے عن عطاء قال اكثر الحيض خمسة عشرة وقال ادنى الحيض يوم (د) (دارقطني، کتاب الحيض ص ۲۱۶ نمبر ۸۹/۷۹۰) اس قسم کے قول سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔ امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت میں کوئی حد تعین نہیں ہے۔ کیوں کہ اوپر حضرت عطاء کا قول آیا کہ کم سے کم مدت ایک دن ہو سکتی ہے۔

حاشیہ: (الف) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے وہ گندگی کی چیز ہے۔ اس لئے حیض کے زمانے میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے قریب نہ ہو جب تک کہ پاک نہ ہو جائے (ب) آپ نے فرمایا حیض لڑکی کے لئے اور شیبہ کے لئے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو تین دن سے کم نہیں ہے اور دس دن سے زیادہ نہیں ہے، پس جب کہ خون دس دن سے زیادہ دیکھے تو وہ مستحاضہ ہے، پس جب کہ حیض کے زمانہ سے زیادہ ہو تو وہ نماز قضا کرے گی حیض کا خون بالکل کالا ہوتا ہے اس پر سرخی چھائی ہوتی ہے اور مستحاضہ کے خون میں تھوڑی سے زردی ہوتی ہے۔ (ج) کم سے کم حیض کا خون تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہیں (د) عطاء نے فرمایا حیض زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے اور کم سے کم ایک دن۔

واكثره عشرة ايام وما زاد على ذلك فهو استحاضة [۹۹] (۲) وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والكدرۃ في ايام الحيض فهو حيض حتى ترى البيض خالصا [۱۰۰] (۳) والحيض يسقط عن الحائض الصلوة ويحرم عليها الصوم وتقضى الصوم ولا تقضى

[۹۹] (۲) اور عورت حیض کے زمانہ میں جو سرخ خون، زرد خون اور میلا خون دیکھتی ہے وہ سب حیض ہیں۔ یہاں تک کہ سفید خالص پانی دیکھے۔

**مذہب** حیض کے زمانے میں عورت کا خون، سرخ خون، زرد، میلا اور سبز رنگ کا خون دیکھتی ہے ان میں سے سفید پانی تو حیض نہیں ہے۔ لیکن کا خون، سرخ خون، زرد خون اور میلا خون امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حیض میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ سفید خالص کے علاوہ تمام حیض ہیں۔ کن نساء یعشن الی عائشۃ بالدرجۃ فیہا الکرسف فیہ الصفرة فتقول لا یبعجلن حتی ترین القصة البیضاء ترید بذلك الطهر من الحيضة (الف) (بخاری شریف، باب اقبال الحيض وادبارہ، ص ۴۶، نمبر ۳۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں جب تک سفید پانی نہ نظر آئے باقی تمام رنگوں کا حال حیض ہے۔

**نوٹ** ام عطیہ سے روایت ہے قالت کننا لا نعد الکدرۃ والصفرة شیئا (ب) (بخاری شریف، باب الصفرة والکدرۃ فی غیر ايام الحيض ص ۴۶ نمبر ۳۲۶) اس قول میں حیض کے زمانے کے علاوہ میں میلا اور زرد رنگ کا خون حیض شمار نہیں کرتے تھے۔ اور حیض کے زمانے میں جو میلا اور زرد خون ہے اس کو حیض شمار کریں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے قول سے معلوم ہوا۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میلا خون حیض نہیں ہے۔ یہ غذا کی خرابی کی وجہ سے ہے، حیض کے خون کا حصہ نہیں ہے۔ ان کی دلیل اوپر میں ام عطیہ کا قول ہے۔ کننا لا نعد الکدرۃ والصفرة شیئا (بخاری شریف، نمبر ۳۲۶)

**نوٹ** عورت حیض والی ہو تو سبز خون خون حیض ہوگا اور اگر آئہ ہو تو سبز خون استحاضہ ہوگا لغت الصفرة: زرد رنگ، الکدرۃ: میلا رنگ کا خون۔

[۱۰۰] (۳) حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ عورت سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ۔ چنانچہ حائضہ قضا کرے گی روزہ اور نہیں قضا کرے گی نماز کو۔

**تشریح** حیض کی حالت میں نماز شروع ہی سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے بعد میں اس کی قضا نہیں ہے۔ اور روزہ واجب ہوتا ہے لیکن حیض کی حالت میں اس کو ادا نہیں کر سکتی۔ اس کا ادا کرنا حرام ہے اس لئے بعد میں قضا کرے گی

**مذہب** (۱) دس روز کی نمازیں پچاس ہو جائیگی اور ہر ماہ میں پچاس نمازیں قضا کرنے میں حرج عظیم ہے اس لئے نماز شروع ہی سے ساقط ہو

حاشیہ: (الف) عورتیں حضرت عائشہؓ کو ذبیحہ بھیجتی تھیں۔ جس میں کرسف ہوتا اور کرسف میں زرد رنگ کا خون ہوتا تو حضرت عائشہؓ فرماتی جلدی مت کرو یہاں تک کہ سفید اون نہ دیکھ لو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ تم جب حیض سے پاک ہوگی (ب) ہم میلا اور زرد رنگ کے خون کو حیض نہیں شمار کرتے تھے۔

الصلوة [۱۰۱] (۴) ولا تدخل المسجد ولا تطوف بالبيت [۱۰۲] (۵) ولا يأتيها زوجها

جائے گی اور روزہ سال بھر میں صرف دس دن قضا کرنا ہوگا اس میں حرج نہیں ہے اس لئے روزہ فرض رہا البتہ بعد میں قضا کرے گی (۲) حدیث میں ہے عن معاذة قالت سألت عائشة فقلت ما بال الحائض تقضي الصوم ولا تقضي الصلوة؟ فقالت احرورية انت؟ قلت لست بحرورية ولكني اسأل قالت كان يصيبنا ذلك فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوة (الف) مسلم شریف، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلوة ص ۵۳ نمبر ۳۳۵ بخاری شریف، باب لا تقضي الحائض الصلوة ص ۴۶ نمبر ۳۲۱) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے

[۱۰۱] (۴) حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوگی اور نہ بیت اللہ کا طواف کرے گی

**بیچ** (۱) حدیث میں ہے کہ سمعت عائشة ... فقال وجهوا هذه البيوت عن المسجد فاني لا احل المسجد لحائض ولا جنب (ب) (ابوداؤد شریف، باب في الجنب يدخل المسجد ص ۳۴ نمبر ۲۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اور مسجد حرام میں طواف ہوتا ہے اس لئے وہ طواف بھی نہیں کر سکتی (۲) تاہم طواف کے منع کے بارے میں مستقل حدیث ہے عن عائشة قال لعنك نفسك؟ قلت نعم قال فان ذالك شيء كتبه الله على بنات آدم فافعل ما يفعل الحاج غير لا تطوفى بالبيت حتى تطهري (ج) (بخاری شریف، باب تقضي الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت ص ۴۴ نمبر ۳۰۵) حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت طواف نہیں کرے گی۔

[۱۰۲] (۵) شوہر حائضہ بیوی سے طہی نہیں کرے گا۔

**بیچ** آیت میں ہے ویستلونك عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن (د) (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲)

**نوٹ** طہی تو کرنا حرام ہے۔ البتہ عورت کو ازار پہنا کر لیٹ سکتا ہے اور اگر اول حیض میں طہی کر لیا تو ایک دینار صدقہ کرے اور اخیر حیض میں طہی کر لیا تو آدھا دینار صدقہ کرے (ابوداؤد باب فی ایان الحائض ص ۴۰ نمبر ۲۶۵) میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے۔ اذا اصابها فی اول الدم فدينار واذا اصابها فی انقطاع الدم فنصف دينار۔

حاشیہ : (الف) معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ سے پوچھا کیا بات ہے کہ حائضہ روزہ کی قضا کرتی ہے اور نماز کی قضا نہیں کرتی؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کیا تم متام حرور کی رہنے والی ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں لیکن میں پوچھتی ہوں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کو حیض آتا تھا ہمیں روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا اور نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا (ب) آپؐ نے فرمایا ان گھروں کے دروازے مسجد سے پھر دو اس لئے کہ میں مسجد کو حائضہ اور جنبی کے لئے حلال قرار نہیں دیتا (ج) آپؐ نے فرمایا شاید تم کوئیس آگیا ہے۔ میں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے آدمؑ کی بیٹیوں پر فرض کیا ہے۔ اس لئے حاجی جتنے کام کرتے ہیں تم بھی کرو سوائے اس کے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک تم پاک نہ ہو جاؤ (د) آپؐ سے حیض کے بارے میں لوگ پوچھتے ہیں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ وہ گندگی کی چیز ہے اس لئے عورتوں سے حیض کی حالت میں الگ رہا کرو اور ان سے قربت نہ کرو جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں۔



[۱۰۳] (۶) ولا يجوز لحائض ولا لجنب قراءة القرآن [۱۰۴] (۷) ولا يجوز للمحدث مس المصحف الا ان يأخذه بغلافه [۱۰۵] (۸) فاذا انقطع دم الحيض لاقل من عشرة ايام

[۱۰۳] (۶) حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

**ترجمہ** (۱) عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال لا تقرأ الحائض ولا الجنب شيئا من القرآن (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء في الجنب والحائض لا يقرأ القرآن ص ۳۴ نمبر ۱۳۱۱ ابوداؤد شریف، باب في الجنب يقرأ القرآن، ص ۳۴ نمبر ۲۲۹) علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے پڑھانا ہو تو آیت کو کھراکھرا کر کے پڑھائے۔ البتہ تسبیح اور تہلیل پڑھ سکتی ہے، دعا پڑھ سکتی ہے، تفصیل ترمذی کی حدیث ۱۳۱ کے تحت ہے۔

[۱۰۴] (۷) حدث والے کیلئے جائز نہیں ہے قرآن کو چھونا مگر یہ کہ قرآن کو غلاف سے پکڑے۔

**ترجمہ** حدث والا آدمی زبانی قرآن پڑھ سکتا ہے البتہ قرآن کو چھونے سے گریز کرے، اگر چھونا ہو تو کسی غلاف کے ذریعہ قرآن کو چھوئے گا۔

**ترجمہ** (۱) لا يمسه الا المطهرون (آیت ۹ سورۃ الواقعة ۵۶) (۲) حدیث میں ہے کہ کان فی کتاب النبی لعمر بن حزم الا تمس القرآن الا على طهر (ب) (دارقطنی، باب فی نضح المحدث عن مس القرآن ج اول ص ۱۲۸ نمبر ۳۲۹ سنن للبیہقی، باب الحائض لا تمس المصحف ولا تقرأ القرآن، ص ۳۶۱ نمبر ۱۴۷۸) اس قسم کی بہت سی احادیث دارقطنی میں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں ہے۔

**نوٹ** جو غلاف اور جلد قرآن کے ساتھ چپکا ہوا ہے وہ گویا کتاب کا حصہ ہے اس لئے اس غلاف کے ساتھ چھونا جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ غلاف ہونا چاہئے۔

**نوٹ** بچوں کو بار بار وضو کرانے میں حرج ہے (۲) وہ مرفوع القلم ہیں (۳) اس کو قرآن سے روکنے سے وہ قرآن نہیں پڑھیں گے اس لئے بچوں کو بغیر وضو کی حالت میں قرآن پڑھنے کے لئے دینا جائز ہے۔

[۱۰۵] (۸) اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو گیا تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ غسل نہ کرے یا اس حائضہ پر کامل نماز نہ گزر جائے۔

**ترجمہ** دس دن سے کم میں حیض منقطع ہوا ہے تو ممکن ہے کہ دوبارہ خون آجائے اور عورت کی عادت بدل جائے اس لئے یا تو عورت غسل کر لے تاکہ مکمل پاک ہو جائے آیت حتی یطهرون (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ) میں تشدید کے ساتھ پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ خوب خوب پاک ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عورت غسل کر لے (۲) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ سأل انسان عطاء قال الحائض تری الطهر ولا تغتسل اتحل لزوجه؟ قال لا حتی تغتسل. (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یسب امرأته وقد رأت

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جنبی اور حائضہ قرآن نہ پڑھیں (ب) حضورؐ نے عمر بن حزم کے خط میں لکھا تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاکی پر (ج) حضرت عطاء سے پوچھا حائضہ پاک ہو جائے لیکن غسل نہ کرے تو کیا وہ شوہر کے لئے حلال ہے؟ فرمایا نہیں جب تک غسل نہ کر لے۔

لم یجز وطیہا حتی تغتسل او یمضی علیہا وقت صلوۃ کاملۃ [۱۰۶] (۹) وان انقطع دمہا لعشرۃ ايام جاز وطیہا قبل الغسل [۱۰۷] (۱۰) والظہر اذا تخلل بین الدمین فی مدۃ الحیض فهو کالدم جاری۔

الظہر ولم تغتسل ص ۳۳۰ نمبر ۱۲۷) رلسن للیہقی، باب الحائض لا توطأ حتی تطهر وتغتسل، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۲۸۳) دوسری شکل ہے کہ اس عورت پر ایک کامل نماز کا وقت گزر جائے تو اللہ کا فرض اس پر واقع ہو جائے گا تو حکماً یہ سمجھا جائے گا کہ پاک ہو گئی۔ کیونکہ اللہ کا فرض واجب ہو گیا تو انسان کا حق بھی اس کے تحت آجائے گا۔

**نوٹ** حنفیہ کا مسلک یہاں احتیاط پر مبنی ہے۔

**نوٹ** نماز کا اتنا وقت گزر جائے کہ عورت غسل کر کے تحریر باندھ سکے

[۱۰۶] (۹) اور اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر منقطع ہو تو اس عورت سے غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے۔

**وجہ** دس دن سے زیادہ تو حیض آئی نہیں سکتا۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اس لئے عورت نے غسل نہیں کیا ہے تب بھی اس سے وطی کر سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے تاکہ مکمل پاکی پر وطی ہو۔ اس صورت میں آیت حتی یطہرن بغیر تشدید کے، پر عمل ہوگا۔ جس کی تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ پاک ہوگی۔ عبارت یہ ہے۔ عن مجاہد فی قولہ عزوجل (ولا تقربوہن حتی یطہرن) حتی ینقطع الدم فاذا تطہرن قال یقول اذا اغتسلن (سنن للیہقی، باب الحائض لا توطأ حتی تطهر وتغتسل، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۲۸۲)

**فائدہ** امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں غسل ہے۔ پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ ان کے نزدیک حتی یطہرن کا ترجمہ طہارت بالماء ہے۔ اور اثر للیہقی سے استدلال کرتے ہیں کہ مکمل طہارت ہونی چاہئے تب وطی کرے۔

[۱۰۷] (۱۰) وہ پاکی جو دو خون کے درمیان ہو حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔

**تفہیم** عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر خون آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، پھر آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، حیض کا خون مسلسل نہیں آتا رہتا ہے۔ اس لئے حیض کی مدت کے درمیان پاکی اور طہر ہو تو اس کا حکم بھی خون آنے ہی کی طرح ہے۔ یعنی اس مدت میں عورت نماز نہیں پڑھے گی اور نہ اس کا شوہر اس سے وطی کرے گا۔ مثلاً پہلے دن خون آیا پھر خون بند رہا پھر دسویں دن خون آیا تو پہلے دن سے لیکر دس دن تک حیض ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم حیض ہی کی طرح ہوگا۔

**وجہ** جس طرح نصاب زکوٰۃ میں شروع سال اور اخیر سال میں نصاب پورا ہو جانا کافی ہے اسی طرح حیض کے شروع دن میں اور اخیر دن میں خون آجائے تو تمان دن حیض ہی شمار کر دیا جائے گا۔ چاہے درمیان میں خون نہ آیا ہو (۲) عموماً ہمیشہ خون آتا بھی نہیں ہے۔ اس لئے مسلسل خون آنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔

[۱۰۸] (۱۱) واقل الطهر خمسة عشر يوما ولا غاية لاكثره [۱۰۹] (۱۲) ودم

الاستحاضة هو ما تراه المرأة اقل من ثلاثة ايام او اكثر من عشرة ايام [۱۱۰] (۱۳)

[۱۰۸] (۱۱) دو حیضوں کے درمیان کم سے کم طہر پندرہ دن ہونگے اور کوئی حد نہیں ہے زیادہ طہر کے لئے۔

**تشریح** دو حیضوں کے درمیان کم سے کم پندرہ دن طہر ہوگا اور زیادہ طہر کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ دو سال اور تین سال بھی عورت کو حیض نہیں آتا ہے۔

**مجموعہ** (۱) ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ کم سے کم طہر کی مدت پندرہ دن ہوتی ہے۔ اس لئے پندرہ دن ہونگے۔

**نوٹ** یہ قول مجھے نہیں ملا اور نہ صاحب درایہ کو ملا ہے (۲) اقامت کی مدت پندرہ دن ہے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ طہر کی مدت پندرہ دن ہو۔

[۱۰۹] (۱۲) اور استحاضہ کا خون وہ ہے جو عورت تین دن سے کم دیکھے یا دس دن سے زیادہ دیکھے۔

**تذکرہ** عورت کو حنفیہ کے نزدیک کم سے کم تین دن تک حیض کا خون آئے گا۔ لیکن مثلاً دو دن خون آیا اور پھر گیارہ دن تک کوئی خون نہیں آیا تو یہ دو دن کا خون استحاضہ کا خون شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح دس دن سے زیادہ خون آیا وہ استحاضہ کا خون شمار ہوگا۔

**نوٹ** جن اماموں کے نزدیک حیض کا خون ہونے کا مدار خون کے کالے یا خون کے سرخ ہونے پر ہے ان کے نزدیک استحاضہ کا مسئلہ بہت آسان ہے کہ جب کالا اور انتہائی سرخ خون آئے گا تو اس کو حیض شمار کریں گے۔ اور جب پیلا، زرد یا سفید خون آئے گا تو اس کو استحاضہ شمار کریں گے۔ اور استحاضہ کی حالت میں عورت نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور شوہر سے وطی بھی کرائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورت متحیرہ ہو یعنی نہ عادت کا اندازہ ہو کہ مہینے میں کون کون سے دن حیض آتا تھا اور نہ یہ پتہ ہو کہ کب سے حیض شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا ہے تو ایسی عورت کے لئے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے عن فاطمة بنت ابی حبیش انها كانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ اذا كان دم الحيض فانه دم اسود يعرف فاذا كان ذلك فامسكي عن الصلوة فاذا كان الآخر فتوضئي و صلي (الف) (ابوداؤد، باب من قال توضحاً لكل صلوة ص ۴۸ نمبر ۳۰۴) چنانچہ امام احمد نے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کیا ہے۔

[۱۱۰] (۱۳) استحاضہ کا حکم تکسیر پھونسنے کے حکم کی طرح ہے۔ نہ نماز کو روکتا ہے نہ روزے کو اور نہ وطی کو۔

**تشریح** استحاضہ کی حالت میں یہ سب جائز ہیں۔ حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے (۱) عن عائشة انها قالت قالت فاطمة بنت ابی حبیش لرسول الله ﷺ يا رسول الله اني لا اطهر؟ افادع الصلوة فقال رسول الله ﷺ انما ذلك عرق وليس بالحیضة فاذا اقبلت الحيضة فاتركي الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسلي عنك الدم و صلي (ب) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جب حیض کا خون ہو۔ یقیناً وہ کالا خون ہوتا ہے جو پھیپھڑا جاتا ہے۔ پس جب کہ یہ خون ہو تو نماز سے رک جاؤ، پس جب کہ دوسرا خون ہو (یعنی استحاضہ کا) تو وضو کرو اور نماز پڑھو (ب) فاطمہ بنت ابی حبیش حضور سے کہنے لگی یا رسول اللہ! میں پاک نہیں ہوتی ہوں تو کیا نماز چھوڑ (باقی اگلے صفحہ پر)

فحكمه حکم الرعاف لا يمنع الصلوة ولا الصوم ولا الوطی [۱۱۱] (۱۴) واذا الدم على العشرة وللمرأة عادة معروفة ردت الى ايام عاداتها وما زاد على ذلك فهو استحاضة

الاستحاضة ص ۴۴ نمبر ۳۰۶) / مسلم شریف، باب المستحاضة وغسلها وصلواتها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ نماز پڑھے گی۔ اور روزہ نماز کی طرح ہے اس لئے روزہ بھی رکھے گی (۲) شوہر وطی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عکرمہ قال كانت ام حبیبة تستحاض فكان زوجها يغشاها (الف) (ابوداؤد، باب الاستحاضة يغشاها زوجها ص ۴۹ نمبر ۳۰۹) (۳) مستحاضہ کا خون حدیث سے معلوم ہوا کہ نکسیر پھوٹنے کی طرح ہے۔ اور نکسیر پھوٹنے کی حالت میں نماز، روزہ، اور وطی جائز ہیں اس لئے استحاضہ کی حالت میں بھی یہ سب جائز ہونگے۔

**نفت** رعاف : ناک سے جو خون آتا ہے جس کو نکسیر پھوٹنا کہتے ہیں، اس کو رعاف کہتے ہیں۔

**تحقیق حیض و استحاضہ** رحم کے اندر چاروں طرف حیض کی جھلیاں ہوتی ہیں وہ بڑھتی رہتی ہیں۔ جب حیض کا زمانہ آتا ہے تو وہ کٹ کٹ کر خون کے ساتھ گرتی ہیں۔ اس لئے حیض کا خون گاڑھا اور کالا ہوتا ہے۔ لیکن رحم رگوں میں کوئی بیماری ہو تو حیض کے بعد بھی اس سے خون گرتا ہے۔ جس میں وہ جھلیاں نہیں ہوتی یا سرخ رنگ کا خون ہوتا ہے یا نیلا یا زرد رنگ کا خون ہوتا ہے، استحاضہ کا خون رحم میں خراش یا بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

[۱۱۱] (۱۴) اگر خون دس دن سے زیادہ ہو جائے اور عورت کے لئے عادت معروف ہو تو اس کی عادت کے زمانے کی طرف لوٹا یا جائے گا۔ اور جو عادت معروفہ سے زیادہ ہو گا وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔

**تشریح** مثلاً کسی کی عادت ہر مہینے میں تین یا چار دن حیض آنے کی ہے۔ اب اس کو نو دنوں تک خون آ گیا تو سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی اور نو دن تک حیض شمار کیا جائے گا۔ لیکن اگر اس کو دس دن سے بھی زیادہ خون آ گیا تو دس دن سے زیادہ جو خون ہے وہ استحاضہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی عادت پانچ روز تھی اس سے جو زیادہ خون آیا وہ بھی استحاضہ ہو جائے گا۔ یعنی پانچ روز سے زیادہ تمام خون استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اور عادت کے مطابق پانچ روز حیض کے ہوں گے۔

**وجہ** حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے قالت عائشہ رایت مرکنها ملآن دما فقال لها رسول الله ﷺ امكثي قدر ما كانت تحبسك حبضتك ثم اغتسلي و صلی (ب) (مسلم شریف، باب المستحاضة وغسلها وصلواتها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) (۲) عن النبی ﷺ قال فی المستحاضة يدع الصلوة ایام اقرانها التي كانت تحيض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلوة

حاشیہ : پچھلے صفحہ سے آگے) دوں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ رگ کا خون ہے حیض نہیں ہے۔ پس جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو۔ پس جب حیض کے زمانے کی مقدار چلی جائے تو اپنے سے خون دھوؤ اور نماز پڑھو (الف) عکرمہ فرماتے ہیں کہ ام حبیبہ مستحاضہ ہوتی تھی اور ان کے شوہران سے وطی کرتے تھے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ام حبیبہ کا برتن خون سے بھرا ہوا تھا تو اس سے حضور نے فرمایا اتنی مدت ٹھہرے رہو جتنی مدت تمہارا حیض تم کو روکے رکھتا تھا۔ پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

[۱۱۲] (۱۵) وان ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة ايام من كل شهر والباقي استحاضة [۱۱۳] (۱۶) والمستحاضة ومن به سلسل البول والرعاف الدائم والجرح الذي لا يرقأ يتوضؤون لوقت كل صلوۃ ويصلون بذلك الوضوء في الوقت ما شاءوا من

وتصوم وتصلی (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان المستحاضة تنوضاً لكل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہو اور دس دن سے زیادہ خون آگیا تو عادت سے زیادہ جتنا ہوگا وہ سب استحاضہ کا خون ہوگا۔ [۱۱۲] (۱۵) اگر بالغ ہونے کے بعد شروع سے مستحاضہ ہوئی ہے تو اس کا حیض دس دن ہیں ہر ماہ میں اور باقی استحاضہ ہوگا۔

**تشریح** ایک عورت کو پہلا خون آیا اور دس دن سے زیادہ خون آیا اور مستحاضہ ہوگئی اس کی کوئی عادت نہ بن سکی جس پر محمول کیا جائے اور ہر وقت خون آتا ہے تو ایسی عورت کے لئے ہر ماہ میں دس دن حیض شمار کئے جائیں گے۔ اور باقی دن استحاضہ کے ہونگے۔

**مذہب** (۱) ہر ماہ میں تین دن تو یقینی طور پر حیض کا زمانہ ہے۔ باقی سات دنوں میں شک ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس لئے دس دن تک حیض ہی شمار کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ دس دن حیض کی مدت ہے اس کی دلیل مسئلہ نمبر ایک میں حدیث گزر گئی اقل الحيض ثلاثة ايام واكثره عشرة ايام (دارقطنی نمبر ۸۳۶)

**فائدہ** امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ نماز اور روزہ کے حق میں تین دن حیض ہوگا اور باقی دن نماز اور روزے ادا کرے گی اور وطی کے حق میں دس دن حیض شمار ہوگا تا کہ دس دن تک وطی نہ کرے۔ یہ مسئلہ احتیاط پر ہے۔

**نوٹ** باضابطہ کوئی حدیث اس کے بارے میں نہیں ملی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون کالا یا سرخ ہے تو اس وقت حیض ہوگا اور باقی زمانہ استحاضہ کا شمار ہوگا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کالے اور سرخ خون کو حیض کہا گیا ہے۔ یہ حدیث مسئلہ نمبر ۱۲ میں ابوداؤد کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ تھے۔ فانه دم اسود يعرف (ابوداؤد شریف، نمبر ۳۰۴)

[۱۱۳] (۱۶) مستحاضة عورت اور جس کو سلسل البول ہے یا ہمیشہ نکسیر بہتی ہے یا وہ زخم ہو جو بند نہ ہوتا ہو تو وضو کریں گے ہر نماز کے وقت کے لئے اور نماز پڑھیں گے اس وضو سے وقت میں جتنی چاہے فرائض میں سے اور نوافل میں سے۔ پس جب کہ وقت نکل جائے تو ان کا وضو باطل ہو جائے گا اور ان کے اوپر از سر نو وضو کرنا ہوگا دوسری نماز کے لئے۔

**تشریح** (۱) جس کو مسلسل استحاضہ کا خون آتا ہو (۲) یا مسلسل پیشاب آتا ہو (۳) یا نکسیر پھوٹی ہو اور ہمیشہ خون آتا رہتا ہو (۴) یا زخم سے خون بند نہ ہوتا ہو اور اتنا بھی وقت نہیں ملتا ہو کہ وضو کر کے تحریمہ باندھ سکے اور فرض نماز پڑھ سکے تو ایسے لوگوں کو معذور کہتے ہیں۔ اور معذور کے لئے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے مستحاضہ کے بارے میں فرمایا کہ حیض کے زمانے میں نماز چھوڑ دیگی جتنی حیض کی عادت تھی۔ پھر غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے اور روزہ رکھے اور نماز پڑھے۔

الفرائض والنوافل فاذا خرج الوقت بطل وضوءهم وكان عليهم استيناف الوضوء لصلوة اخرى [۱۱۴] (۱۷) والنفاس هو الدم الخارج عقيب الولادة [۱۱۵] (۱۸) والدم الذي

شریعت نے سہولت دی ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضو کریں گے اور اس وضو سے فرض اور نوافل جتنی چاہے پڑھیں۔ جب وقت نکل جائے گا تو اب ضرورت پوری ہوگئی اس لئے نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ خون تو نکل ہی رہا تھا مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کر رہے تھے۔ لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی تو خون نکلنے کا اعتبار کر لیا گیا اور وضو توڑ دیا گیا۔ اب نئے وقت کے لئے نیا وضو کریں گے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) عن النبی ﷺ انه قال فی المستحاضة تدع الصلوة ایام اقرانها التی كانت تحيض فیها ثم تغتسل وتوضاً عند کل صلوۃ وتصوم وتصلی (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان المستحاضة توضاً لکل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶/۱ ابن ماجہ فی المستحاضة التی قد عدت ایام اقرانها قبل ان یستمر الدم ص ۸۸، نمبر ۶۲۳) فیہ توضی لکل صلوۃ صلوۃ وان قطر الدم علی الحصر (ب) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے گی۔ البتہ ہمارے یہاں نماز کی بجائے نماز کے وقت کے لئے معذور وضو کریں گے۔ کیونکہ عمارہ میں نماز بول کر نماز کا وقت مراد لیتے ہیں۔ کہتے ہیں ظہر میں آؤ یعنی ظہر کے وقت میں آؤ۔ اس لئے عند کل صلوۃ سے مراد عند کل وقت صلوۃ ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایک وضو سے فرض کے تحت میں بہت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اس لئے حنفیہ اور شوافع کا مسلک قریب قریب ہو گیا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک احادیث کی بنا پر ہر نماز کے لئے وضو کیا جائے گا اور اس کے تحت میں نوافل پڑھ سکتے ہیں

**نوٹ** احادیث میں ہر نماز کے لئے غسل کرنے کا حکم ہے وہ استحباب کے طور پر ہے یا علاج کے طور پر ہے

**لغت** سسل البول : جن کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو، الرعاف الدائم : ہمیشہ نکسیر پھونکتی رہتی ہو، لایرقا : خون بند نہ ہوتا ہو

**فائدہ** امام زفرؒ کے نزدیک فرض نماز کا وقت داخل ہونے سے پہلے وضو ٹوٹے گا۔

﴿ نفاس کا بیان ﴾

[۱۱۴] (۱۷) نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکلے۔

**تشریح** یہ نفس سے مشتق ہے۔ یعنی وہ خون جو نفس یعنی انسان نکلنے کی وجہ سے نکلے۔

**لغت** عقیب : بعد میں، پیچھے

[۱۱۵] (۱۸) وہ خون جو حاملہ عورت دیکھے یا عورت جو ولادت کی حالت میں دیکھے بچہ نکلنے سے پہلے وہ استحاضہ ہے۔

**تشریح** حاملہ عورت حمل کی حالت میں خون دیکھے یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت کو جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔

**مذہب** (۱) کیونکہ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ہوا اور یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہے۔ اور حیض اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ

(ب) آپؐ نے فرمایا استحاضہ کے سلسلے میں کہ وہ حیض کے زمانے میں نماز چھوڑ دے گی جس میں حیض آیا کرتا تھا۔ پھر غسل کرے گی اور ہر نماز کے وقت وضو کرے گی اور روزہ رکھے گی اور نماز پڑھے گی (ب) ہر نماز کے لئے وضو کرے اگرچہ خون چٹائی پر پھینکا رہے۔

تراه الحامل وما تراه المرأة في حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة [۱۱۶] (۱۹) و اقل النفاس لا حد له واكثره اربعون يوما وما زاد على ذلك فهو استحاضة [۱۱۷] (۲۰) واذا تجاوز الدم على الاربعين وقد كانت هذه المرأة ولدت قبل ذلك ولها عادة في النفاس ردت الى ايام عاداتها وان لم يكن لها عادة فنفسها اربعون يوما

خالی رحم سے نکلتا ہے اور یہاں رحم بچہ سے بھرا ہوا ہے (۲) حیض کی جھلیاں کٹ کٹ کر اگر قتی ہیں تو حیض ہوتا ہے اور بچہ کی حالت میں بچہ کا آنول جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوتا ہے اس لئے جھلیاں نہیں کٹ سکے گی اس لئے وہ حیض کا خون نہیں ہے۔ اسی طرح بچہ کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہے اس لئے نہ حیض آسکتا ہے اور نہ نفاس۔ اس لئے وہ استحاضہ کا خون ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اس کو حیض قرار دیتے ہیں

[۱۱۶] (۱۹) نفاس کی کم سے کم مدت کے لئے کوئی حد نہیں ہے اور اس کی زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور جو اس سے زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔  
**مذہب** حدیث میں ہے عن ام سلمة قالت كانت النفساء تجلس على عهد رسول الله ﷺ اربعين يوما (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کم تمکث النفساء ص ۳۵ نمبر ۱۳۹) اور ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ لا یأمرها النبی ﷺ بقضاء صلوٰۃ النفاس (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی وقت النفساء ص ۴۹ نمبر ۳۱۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اور کم کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس قال قال رسول الله ﷺ وقت النفاس اربعون يوما الا ان ترى الطهر قبل ذلك (ج) (دارقطنی، کتاب الحيض، حدیث نمبر ۸۴/ترمذی شریف حدیث نمبر ۱۳۹) الا ان ترى الطهر قبل ذلك سے معلوم ہوا کہ چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے یو چاہے چند گھنٹے کے بعد خون بند ہو جائے عورت پاک ہو جائے گی۔

[۱۱۷] (۲۰) نفاس کا خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے حالانکہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی تھی اور اس کے لئے نفاس میں عادت تھی تو نفاس کا خون لوٹا یا جائے گا اس کی عادت کی طرف۔ اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو اس کے نفاس کی مدت چالیس دن ہے۔

**تشریح** جس عورت کو پہلے بچہ پیدا ہو چکا ہو اور نفاس کے لئے اس کی ایک عادت ہو مثلاً پچیس روز نفاس آتا ہو اب اس کو پچاس روز تک خون آ گیا تو دس روز تو یقیناً استحاضہ ہے اس لئے اس دس روز کے ساتھ باقی پندرہ دن بھی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔ اور اس کی پہلی عادت کے مطابق پچیس روز ہی نفاس ہوگا۔ کیونکہ چالیس دن کے بعد والے دس دن استحاضہ ہے تو معلوم ہوا کہ پچیس دن کے بعد بھی استحاضہ ہی آیا ہے۔ اور اگر اس عورت کی کوئی عادت نہیں ہے تو حدیث کے مطابق چالیس روز نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہوگا۔ عادت کی طرف پھیرنے کی دلیل

حاشیہ : (ب) ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نفساء عورت حضورؐ کے زمانے میں چالیس دن تک بیٹھتی تھی (نماز نہیں پڑھتی تھی) (ب) حضورؐ نفاس کے وقت کی نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے (ج) حضورؐ نے نفاس کا وقت چالیس دن متعین کیا۔ مگر یہ کہ اس سے پہلے طہر دیکھ لے (تو پہلے بھی پاک ہو جائے گی)

[۱۱۸] (۲۱) ومن ولدت ولدين في بطن واحد فنفاستها ما خرج من الدم عقيب الولد الاول عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله تعالى وقال محمد وزفر رحمهما الله تعالى من الولد الثاني.

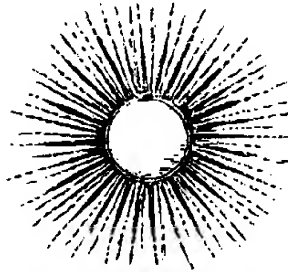
اور حدیث مسئلہ نمبر ۱۹ میں گزر گئی۔

[۱۱۸] (۲۱) کسی عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دیئے تو اس کا نفاس وہ خون ہے جو پہلے بچے کے بعد نکلے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور امام محمد اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسرے بچے کے بعد۔

**بجہ** امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم کا منہ کھل گیا اور انسان بھی پیدا ہو گیا جس سے لفظ نفاس مشتق ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون نکلے گا وہ سب نفاس شمار کیا جائے گا۔ اور امام محمد اور زفرؒ فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیٹ میں موجود ہے اس لئے عورت ابھی حاملہ ہے اور حمل کی حالت میں جو خون آتا ہے وہ استخاضہ کا خون ہوتا ہے۔ اس لئے پہلے بچے کے بعد جو خون ہے وہ استخاضہ کا خون ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابھی رحم کا منہ بھی پورا کھلا ہوا نہیں ہے جب تک کہ دوسرا بچہ پیدا ہو کر منہ پورا نہ کھل جائے نفاس کا خون کیسے شمار کیا جائے گا۔

**حاصل** طرفین کی نظر بچہ پیدا ہونے کی طرف گئی اور امام محمد کی نظر اندر جو بچہ ابھی تک موجود ہے اس کی طرف گئی۔

**لغت** عقیب : بعد میں





## ﴿باب الانجاس﴾

[۱۱۹] (۱) تطهير النجاسة واجب من بدن المصلى وثوبه والمكان الذى يصلى عليه

## ﴿باب الانجاس﴾

**ضروری نوٹ** انجاس نجس کی جمع ہے ناپاکی۔ نجس کی دو قسمیں ہیں نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل کی ضرورت ہو اور نجاست حقیقیہ جیسے پیشاب اور پاخانہ۔ یہاں اسی نجاست حقیقیہ کے احکام کے متعلق بحث ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطهر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷) اور حدیث یہ ہے عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت سألت امرأة رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله ارأيت احدا اذا اصاب ثوبها الدم من الحيضة كيف تصنع فقال رسول الله اذا اصاب ثوب احدا كن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه (الف) (بخاری شریف، باب غسل دم الحيض ص ۴۵ نمبر ۳۰/۳۱ ترمذی شریف، باب ما جاء في غسل دم الحيض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸)

[۱۱۹] (۱) نجاست کو پاک کرنا واجب ہے (۱) نماز پڑھنے والے کے بدن سے (۲) اس کے کپڑے سے (۳) اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتے ہیں۔

**تشریح** نماز پڑھنے والے کے لئے بدن، کپڑا اور مکان کا پاک ہونا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔ نجاست حکمیہ سے پاک ہونے کی دلیل تو وضو اور غسل کے ابواب میں گزری اور نجاست حقیقیہ سے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے۔

**مجموعہ** (۱) نجاست حکمیہ سے پاک ہونا ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ مثلاً پیشاب، پاخانہ لگا ہو تو اس سے پاک ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔ کیونکہ یہ تو اور بھی زیادہ گندی چیز ہے (۲) بدن پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت انس بن مالک يقول كان النبي ﷺ اذا خرج لحاجته اجيء انا و غلام معنا اداوة من ماء يعني يستنجي به (ب) (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلیٰ کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔ کپڑا پاک ہونے کی دلیل اوپر کی آیت ہے وثیابک فطهر اور حدیث میں ہے عن اسماء ابنة ابی بکر ان امرأة سألت النبي ﷺ عن الثوب يصيبه الدم من الحيضة؟ فقال رسول الله حتىه ثم اقرصيه بالماء ثم رشيه و صلى فيه (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء في غسل دم الحيض من الثوب ص ۳۵ نمبر ۱۳۸) اور مکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان النبي ﷺ ان يصلى في سبعة مواطن في المزبلة والمبصرة وقارعة الطريق وفي الحمام وفي معادن الابل و فوق ظهر بيت الله (د) (ترمذی)

حاشیہ : (الف) حضور کی بیوی نے آپ سے پوچھا کہ ہم میں سے ایک کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟ آپ نے فرمایا تم میں سے کسی کے کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو اس کو ہاتھ سے کھرچو پھر پانی سے دھو پھر اس میں نماز پڑھو (ب) حضور جب اپنی ضرورت کے لئے نکلتے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا ہوتا۔ ہمارے ساتھ پانی کا برتن ہوتا یعنی آپ اس سے استنجاء فرماتے (ج) حضور کی بیوی نے اس کپڑے کے بارے میں جس میں حیض کا خون لگ جائے پوچھا تو آپ نے فرمایا کھرچو پھر اس کو گرو پانی سے پھر اس پر پانی بہاؤ اور اس میں نماز پڑھو (د) آپ نے سات جگہ نماز پڑھنے سے منع فرمایا (۱) کچرا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۲۰] (۲) ويجوز تطهير النجاسة بالماء وبكل مائع طاهر يمكن ازالته به كالخل و ماء  
الورد [۱۲۱] (۳) واذا اصاب الخف نجاسة ولها جرم فجفت فدلکه بالارض جاز

شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفی ص ۸۱ نمبر ۳۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان مقامات پر ناپاکی ہوتی ہے اس لئے ان مقامات پر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

[۱۲۰] (۲) نجاست کا پاک کرنا جائز ہے پانی کے ذریعہ اور ہر وہ بہنے والی پاک چیز کے ذریعہ جن سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔

**مجموعہ** (۱) حنفیہ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے نجاست کے اجزاء دھل جاتے ہیں وہ پانی نہ ہوں تب بھی ان چیزوں سے نجاست ہتھیاتیہ کو پاک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل ناپاکی تو اجزاء نجاست ہیں جب وہ ہی نہیں رہیں تو کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اس لئے گلاب کا پانی یا سرکہ جو پانی کی طرح پتلا ہوتے ہیں اور اجزاء نجاست کو دھو ڈالتے ہیں ان سے نجاست کو دھویا تو پاک ہو جائے گا۔ البتہ یہ رس کی قسموں میں سے ہیں اس لئے ان سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے (۲) حدیث میں ہے قالت عائشة ما كان لاحد انا الا ثوب واحد تحيض فيه فاذا اصابه شيء من دم قالت بريقها فقصته بظفرها (الف) (بخاری شریف، باب هل تصلی المرأة فی ثوب حاضت فی ص ۴۵ نمبر ۳۱۲/ ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذي تلبسه فی حیضها ص ۵۸ نمبر ۳۶۴) آخری حدیث ہے۔ خون سب کے نزدیک ناپاک ہے اور اس کو تھوک سے تر کر کے ناخن سے رگڑ دیا اور خون زائل ہو گیا تو وہ چیز پاک ہو جائے گی (۳) جو تے پر نجاست لگی ہو اور زمین پر رگڑ دیا جائے اور نجاست زائل ہو جائے تو جو تہ پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ نجاست کے زایلان سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔

**فائدہ** امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف پانی سے نجاست زائل کرے گا تو چیز پاک نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں پانی سے منی، خون، پیشاب پاک کرنے کا ذکر ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکرؓ... اذا اصاب ثوب احدا من الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلی فیہ (بخاری شریف، باب غسل دم الحيض، ص ۴۵، نمبر ۳۰۷) اس حدیث میں پانی سے ناپاکی دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے صرف پانی سے ناپاکی پاک ہوگی۔

**نکتہ** مانع: ہر بہنے والی چیز، الحبل: سرکہ، ماء الورد: گلاب کا پانی۔

**نوٹ** جس بہنے والی چیز میں نجاست زائل کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

[۱۲۱] (۳) اگر موزے کو ایسی نجاست لگ جائے جس کو جسم ہے پھر وہ خشک ہو جائے پس اس کو رگڑ دے زمین سے تو اس موزے میں نماز

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) پھینکنے کی جگہ میں (۲) اونٹ ذبح کرنے کی جگہ میں (۳) قبرستان میں (۴) راستے کے درمیان (۵) غسل خانہ میں (۶) اونٹ کے باندھنے کی جگہ میں (۷) اور بیت اللہ کے اوپر (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں کے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا جس میں ہم لوگ حائضہ ہوتیں تھیں۔ پس جب کہ اس کپڑے کو کچھ خون لگ جاتا تو تھوک سے تر کر لیتے تھے اور ناخن سے رگڑتے تھے۔

## الصلوة فيه [۱۲۲] (۴) والمني نجس يجب غسل رطبه.

جائز ہے **تشریح** جس نجاست کو جسم ہے جیسے پاخانہ، لید، گوبر وغیرہ وہ چمڑے کے موزے یا جوتے پر لگ جائے پھر خشک ہو جائے پھر اس کو زمین سے اتار گڑ دے کہ پاخانہ لگا ہوا محسوس نہ ہو تو وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا۔

**مذہب** (۱) چمڑے میں جو ناپاکی سرایت کی ہوگی وہ کم ہے اور سوکھنے کی وجہ سے ناپاکی کے جسم نے واپس چوس لیا اور چمڑے کے اندر بہت کم ناپاکی رہ گئی اور اوپر کے حصے کو زمین سے رگڑ دیا تو نجاست زائل ہو گئی اور پہلے بتایا گیا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے کپڑا یا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ جوتے یا موزے پاک ہو جائیں گے (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا وطئ احدکم بمنعہ الاذی فان التراب له طهور (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب اللعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵ باب الصلوۃ فی اللعل، نمبر ۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مٹی سے رگڑنے کے بعد جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا۔

**اصول** نجاست حقیقیہ کے زائل ہونے سے چیز پاک ہو جائیگی۔

**لغت** جرم : جسم دار، جفت : خشک ہو گیا، دلک : رگڑا۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ موزے میں نجاست لگ جائے تو بغیر دھوئے پاک نہیں ہوگی۔ کیونکہ رگڑنے کی وجہ سے نجاست پھر بھی موزے پر رہ جائے گی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کو دھوئے بغیر پاک نہیں ہوتی۔

**نوٹ** تر نجاست دھونے سے پاک ہوگی۔

[۱۲۲] (۴) منی ناپاک ہے۔ تر منی کو دھونا واجب ہے۔

**مذہب** (۱) منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔ جس چیز پر غسل واجب ہو ظاہر ہے کہ وہ چیز خود بھی ناپاک ہوگی (۲) حدیث میں ہے حضرت عائشہ تر منی کو حضور کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی اگر وہ ناپاک نہ ہوتی تو دھونے کی ضرورت نہیں تھی۔ حدیث میں ہے سألت عائشۃ عن المني یصیب الثوب؟ فقالت کنت اغسله من ثوب رسول الله ﷺ فیخرج الی الصلوۃ و اثر الغسل فی ثوبه بقع الماء (ب) (بخاری شریف، باب غسل المني وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ مسلم شریف، باب حکم المني ص ۳۰ نمبر ۲۸۹) دوسری حدیث ہے یا عمار انما یغسل الثوب من خمس، من الغائط والبول والقيء والدم والمني (دارقطنی، باب نجاسة البول والامر بالتزہ منہ ج اول ص ۱۳۳ نمبر ۴۵۲)

**فائدہ** امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک منی پاک ہے۔ کپڑے میں لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی دلیل (۱) وہ احادیث ہیں جن میں ہے

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک اپنے جوتے سے گندگی رو نہیے تو مٹی اس کے لئے پاک کرنے والی چیز ہے (ب) حضرت عائشہ سے کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں حضور کے کپڑے سے منی دھویا کرتی تھی پھر وہ نماز کے لئے نکلتے تھے تو دھونے کا اثر ان کے کپڑے میں پانی کا دھبہ ہوتا۔

[۱۲۳] (۵) فاذا جف على الثوب اجزاه فيه الفرق [۱۲۴] (۶) والنجاسة اذا اصاب المرأة والسيف اكتفى بمسحهما.

کہ حضورؐ کی منی کو کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا کرتی تھی۔ اگر ناپاک ہوتی تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی اس لئے منی پاک ہے (۲) منی سے انسان پیدا ہوتا ہے جو پاک ہے۔ اس لئے منی بھی پاک ہونی چاہئے (۳) وہ عبداللہ ابن عباسؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابن عباس قال سئل النبی ﷺ عن المنی یصیب الثوب قال انما هو بمنزلة المخاط والبزاق وانما یکفیک ان تمسحه بخرقۃ او باذخر (الف) (دارقطنی، باب ما ورد فی طہارۃ المنی وحکمہ ربطا ویا بساج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۱) ہم کہتے ہیں اس کی سند کمزور ہے۔

[۱۲۳] (۵) پس اگر کپڑے پر خشک ہو جائے تو کافی ہے اس کو کھرچ دینا۔

**تشریح** منی ناپاک ہے لیکن تھوڑی گاڑھی ہوتی ہے اس لئے کپڑے پر خشک ہو جائے تو رگڑنے سے اس کے تمام اجزاء نکل جائیں گے اور کپڑا پاک ہو جائے گا۔ اور تھوڑی بہت رہ گئی تو وہ معفو عنہ ہے۔

**حجہ** (۱) حدیث میں رگڑ کر پاک کرنے کی دلیل موجود ہے عن عائشة لقد رأیتنی افرک من ثوب رسول اللہ ﷺ فرکا فیصلی فیہ (ب) مسلم شریف، باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ رترندی شریف، باب ما جاء فی المنی یصیب الثوب ص ۱۱۶ نمبر ۱۱۶ (۲) عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول اللہ ﷺ اذا کان یابساً واغسله اذا کان رطباً (ج) (دارقطنی، باب ما ورد فی طہارۃ المنی وحکمہ ربطا ویا بساج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

**فائدہ** امام مالک کے نزدیک منی صرف دھونے سے پاک ہوگی۔ رگڑنا کافی نہیں ہے۔

[۱۲۴] (۶) نجاست جب کہ آئینہ کو یا تلوار کو لگ جائے تو کافی ہوگا ان دونوں کو پونچھ دینا۔

**حجہ** (۱) آئینہ اور تلوار چکنے ہوں کہ پونچھنے سے تمام نجاست صاف ہو جائے تو پونچھ دینے سے پاک ہو جائیں گے۔ کیونکہ نجاست مکمل صاف ہونے کے بعد نجاست باقی نہیں رہی۔ اس لئے پاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر تلوار یا آئینہ نقشین ہیں یا کھر درا ہیں اور نجاست مکمل صاف نہیں ہوتی تو پونچھنے سے پاک نہیں ہوں گے۔ دھونا پڑے گا۔ (۲) صحابہ کرام قتال کرتے تھے اور تلوار کو صاف کر کے نماز پڑھ لیتے تھے دھونے کا اتفاق کم ہوتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ چکنی چیز پونچھ دینے سے صاف ہو جائے تو پاک ہو جائے گی۔

**لغت** المرأة : آئینہ۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے کپڑے میں منی لگ جانے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ وہ ناک کی نیٹ اور تھوک کی طرح ہے۔ صرف کافی ہے کہ کپڑے سے نکلوں گے پونچھ دے یا ازخراگہ اس سے پونچھ دے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھ کو دیکھتے ہو کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے اچھی طرح منی رگڑتی تھی پھر آپ اس میں نماز پڑھتے (ج) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ میں حضورؐ کے کپڑے سے منی رگڑتی جب کہ خشک ہوتی اور اس کو دھوتی جب کہ تر ہوتی۔

[۱۲۵] (۷) وان اصابته الارض نجاسة فجفت باشمس وذهب اثرها جازت الصلوة علی مکانها ولا يجوز التیمم منها۔

[۱۲۵] (۷) اگر زمین پر ناپاکی لگ جائے اور سورج اس کو خشک کر دے اور ناپاکی کا اثر ختم ہو جائے تو اس جگہ پر نماز جائز ہے اور اس سے تیمم جائز نہیں ہے۔

**تشریح** پیشاب یا پاخانہ یا کوئی اور ناپاکی زمین پر لگی ہو لیکن سورج نے اس ناپاکی کو خشک کر دیا اور ناپاکی کا اثرات ختم ہو گئے اب پتہ نہیں چلتا کہ اس جگہ پیشاب یا پاخانہ تھا تو اب وہ جگہ پاک ہو گئی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔ تیمم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آیت قرآنی سے اس کے لئے مٹی کا بالکل پاک ہونا ضروری ہے فتیمموا صعيدا طيبا بالکل پاک مٹی کی قید ہے۔

**حجہ** (۱) حدیث میں ہے قال عبد الله ابن عمر كنت ابيت في المسجد في عهد رسول الله ﷺ و كنت فتى شابا عزبا، وكانت الكلاب تبول و تقبل و تدبر في المسجد فلم يكونوا يرشون شيئا من ذلك (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی طهور الارض اذا بيسست ص ۶۰ نمبر ۳۸۲) (۲) عن ابی قلابہ قال اذا جفت الارض فقد زكت (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۷۲ من قال اذا كانت جافة فهو زكاتها، ج اول، ص ۵۹، نمبر ۶۲۵)

کتا مسجد میں پیشاب کرتا ہو پھر اس کو کوئی دھوتا نہ ہو اور اسی پر نماز پڑھتا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب خشک ہونے کے بعد اور اس کے اثرات چلے جانے کے بعد جگہ پاک ہو گئی۔ ابو قلابہ کے قول میں تو صاف ہے کہ زمین خشک ہو گئی تو پاک ہو گئی۔

**نوٹ** نجاست تر ہو یا اس کے اثرات نہ گئے ہوں تو دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ نجاست خشک ہونے اور اثرات جانے کے بعد بھی دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

**حجہ** (۱) پاک کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی (۲) حدیث میں ہے ان ابا هريرة قال قام اعرابي فبال في المسجد فتناوله الناس فقال لهم النبي ﷺ دعوه وهريقوا علی بوله سجلا من ماء او ذنوبا من ماء فانما بعثتم ميسرين لم تبعثوا معسرین (ج) (بخاری شریف، باب صب الماء علی البول فی المسجد ص ۳۵ نمبر ۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین پر پانی بہانے سے پاک ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ تر نجاست ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ پانی بہانے سے پاک ہوگی۔ یہاں پیشاب تر تھا اور جلدی میں نماز پڑھنی تھی اس لئے پانی سے پاک کی گئی۔ البتہ خشک کے لئے اوپر کی حدیث پر عمل ہوا۔

**نکتہ** جفت : خشک ہو گئی۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے زمانے میں مسجد میں رات گزارتا تھا۔ میں جوان اکیلا تھا۔ کتا پیشاب کرتا تھا اور مسجد میں آتا جاتا تھا تو کوئی بھی اس پر پانی نہیں چھڑکتا تھا (ب) ابو قلابہؒ نے فرمایا جب زمین خشک ہو جائے تو پاک ہو جائے گی (ج) ابو ہریرہؓ نے فرمایا ایک دیہاتی کھڑے ہوئے اور مسجد میں پیشاب کرنے لگے۔ لوگوں نے ان کو جھڑکنا شروع کیا تو حضورؐ نے ان لوگوں سے کہا اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو (سجلا کہا یا ذنوبا کیا) تم لوگ آسانی کے ساتھ بھیجے گئے ہوں تنگی کے ساتھ نہیں بھیجے گئے ہوں۔

[۱۲۶] (۸) ومن اصابته من النجاسة المغلظة كالدم والبول والغائط والخمر مقدار

[۱۲۶] (۸) کسی کو نجاست مغلطہ لگ جائے جیسے خون، پیشاب، پاخانہ اور شراب درہم کی مقدار یا اس سے کم تو نماز اس کے ساتھ جائز ہوگی اور اگر زیادہ ہو جائے تو جائز نہیں ہوگی۔

**تشریح** نجاست مغلطہ بدن یا کپڑے پر لگ جائے اور درہم یعنی ہتھیلی کی چوڑائی سے کم ہو تو دھوئے بغیر نماز جائز ہو جائے گی اگرچہ دھونا ضروری ہے۔ کیونکہ اتنی مقدار شریعت نے معاف کی ہے ورنہ حرج عظیم لازم ہوگا۔

**حجہ** (۱) پتھر کے ذریعہ استنجا کی حدیث میں ہے کہ پتھر سے مقام پاخانہ صاف کر دیا جائے تو نماز جائز ہو جائے گی۔ حالانکہ پتھر کے ذریعہ صفائی سے نجاست مکمل صاف نہیں ہوگی صرف کمی ہوگی اس کے باوجود نماز جائز کر دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار نجاست غلیظہ معاف ہے۔ حدیث میں ہے عن عائشة قالت ان رسول الله ﷺ قال اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه (الف) (ابوداؤد شریف، (باب الاستنجاء بالا حجار ص ۴۰) پاخانہ کا مقام ایک درہم کی مقدار یا ہتھیلی کی گہرائی کے مقدار ہے اس لئے اتنی ہی مقدار معاف ہوگی اس سے زیادہ لگی ہو تو دھوئے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ تعاد الصلوة من قدر الدرهم من الدم (دارقطنی، باب قدر النجاسة التي تطل الصلوة ص ۳۸۵ نمبر ۱۲۷۹) معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اور امام زفر فرماتے ہیں کہ تھوڑی نجاست بھی دھونی پڑے گی اس لئے کہ احادیث میں دھونے کا حکم ہے اور تھوڑی نجاست اور زیادہ نجاست میں کوئی فرق نہیں کیا ہے اس لئے تھوڑی نجاست کو بھی دھونی پڑے گی تب نماز جائز ہوگی

**لغت** نجاسة مغلظة : جس نجاست کے نجاست ہونے پر اتفاق ہو وہ نجاست مغلطہ ہے۔ اور جس نجاست میں علماء کا اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے۔

**نوٹ** خون، انسانی پیشاب، پاخانہ کے نجاست مغلطہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے یا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقيء والدم والمني (ب) (دارقطنی، باب نجاسة البول والامر بالتزهر منه والحكم في بول ما ياكل لحمه ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ثعلبة الخشني انه سأل رسول الله قال انا نجادر اهل الكتاب وهم يطبخون في قدورهم الخنزير ويشربون في أنيتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وان لم تجدوا غيرها فارضوها بالماء واكلوا واشربوا (ج) (ابوداؤد شریف، باب في استعمال آتية اهل الكتاب ج

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے۔ اس سے اس کی صفائی کرے۔ اس لئے کہ یہ صفائی کرنا کافی ہو جائے گا (ب) اے عمار! کپڑا پانچ نجاستوں سے دھویا جاتا ہے (۱) پاخانہ (۲) پیشاب (۳) تے (۴) خون (۵) اور مٹی سے (ج) آپؐ سے پوچھا کہ ہم لوگ اہل کتاب سے معاملہ کرتے ہیں اور وہ اپنی ہانڈیوں میں سوڑ پکاتے ہیں اور اپنے برتنوں میں شراب پیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس کے علاوہ برتن ملے تو اس میں کھاؤ اور پیو۔ اور اگر اس کے علاوہ نہ ملے تو اس کو پانی سے دھوؤ اور اس میں کھاؤ اور پیو۔

الدرهم فمادونه جازت الصلوة معه وان زاد لم یجز [۱۲۷] (۹) وان اصابته نجاسة

ثانی ص ۱۸۰ نمبر ۳۸۳ (۱) اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ جس برتن میں شراب پیتے ہوں اگر اس کے علاوہ کوئی برتن نہ ملے تو اس کو دھو کر اس میں پیو، دھونے کا حکم اس بات پر دال ہے کہ شراب ناپاک ہے اس لئے شراب والے برتن کو دھونا پڑیگا تب پاک ہوگا۔ انما الخمر والمیسر والانصاب، والازلام رجس من عمل الشیطان (آیت ۹، سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں بھی شراب کو ناپاک قرار دیا ہے۔ [۱۲۷] (۹) اور اگر کپڑے یا بدن کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک چوتھائی کپڑے کو نہ لگ جائے۔

**شرح** نجاست خفیفہ اس کو کہتے ہیں جس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کے دلائل ہوں، یا علماء میں اختلاف ہو۔ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کہ ان کے پاک اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ پاک ہونے کی دلیل یہ ہے حدیث میں ہے (۱) عن انس ان ناسا من عرینة قدموا المدينة فاجتوہا فبعثہم رسول اللہ ﷺ فی ابل الصدقة وقال اشربوا من البانہا و ابوالہا (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی بول ما یؤکل لحمہ ص ۲۱ نمبر ۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲) عن البراء قال قال رسول اللہ ﷺ لا بأس ببول ما اکل لحمہ (ب) (دارقطنی، باب نجاسة البول والامر بالتزہ منہ والاکم فی بول ما یؤکل لحمہ ص ۱۳۵ نمبر ۳۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ما کول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔ پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱) عن ابن عباس... فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدهما لا یستتر من بولہ و کان الآخر یمشی بالنمیمہ (ج) (بخاری شریف، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص ۳۵ نمبر ۲۲۶ ترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص ۳۱ نمبر ۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے وہ ناپاک ہے (۲) عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه (د) (دارقطنی، باب نجاسة البول والامر بالتزہ منہ ج اول ص ۱۳۵ نمبر ۳۵) یہ دونوں قسم کی احادیث ما کول اللحم کے بارے میں ہیں۔ اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو گیا۔ اس لئے اس کا پیشاب امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور دوسرے جانور یا انسان کے بارے میں پاکی کی احادیث نہیں ہیں اس لئے ان کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔

نجاست خفیفہ کے بارے میں اصل روایت یہ ہے کہ اتنا لگ جائے کہ لوگ اس کو کثیر اور زیادہ سمجھیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔ دوسری روایت ہے کہ کپڑے کی چوتھائی ہو تو وہ گویا کہ کثیر ہو گیا اور کپڑا ناپاک ہوگا۔ کیونکہ ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ مقام عرینہ سے مدینہ تے تو ان کے پیٹ پھول گئے تو ان کو حضورؐ نے صدقہ کے اونٹ میں بھیجا اور کہا کہ اس کا دودھ بھی پیو اور اس کا پیشاب بھی پیو (ب) آپؐ نے فرمایا جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے (یعنی پاک ہے) (ج) دونوں کی بڑی چیزوں کی وجہ سے عذاب نہیں دینے جارہے ہیں۔ پھر کہا کہ کیوں نہیں ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا پھرتا تھا (د) آپؐ نے فرمایا پیشاب سے پرہیز کیا کرو اس لئے کہ عام طور پر عذاب قبر اسی سے ہوتا ہے۔

مخففة قبول ما يؤكل لحمه جازت الصلوة معه ما لم يبلغ ربع الثوب [۱۲۸] (۱۰) وتطهير النجاسة التي يجب غسلها على وجهين فما كان له عين مرئية فطهارتها زوال

مقام ہے۔ احرام کی حالت میں سرمنڈوانے میں چوتھائی سرمنڈوانے تو کل سرمنڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

**نوٹ** بعض حضرات نے فرمایا کپڑے کی چوتھائی اور بعض حضرات نے فرمایا کپڑے کا ہر حصہ جن کا الگ الگ نام ہے جیسے آستین، دامن تو آستین کی چوتھائی اسی طرح دامن کی چوتھائی مراد ہے۔ گائے، بھینس کے چرواہے کے لئے ان کے پیشاب سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اگر چوتھائی کپڑے میں پیشاب لگنے اور کچڑ لگنے کو معاف نہ کیا جائے تو ان کے لئے حرج ہو جائے گا۔ اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو اس میں نماز جائز ہوگی اگرچہ دھو لینا چاہئے۔ اس سہولت کی وجہ یہ حدیث ہے۔ قلت لام سلمة ان امرأة اطليل ذيلی وامشى فی المكان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ يطهره ما بعده (الف) وعن عبد الله ابن مسعود قال كنا نصلی مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطی (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳۱ ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجله ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) دامن میں تھوڑی بہت ناپاکی لگ جائے اور بعد کے مکان اس کو جھاڑ دے تو نماز ہو جائے گی۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہو یا خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم ہو تو معفو عنہ ہیں ورنہ حرج ہوگا۔

**فائدہ** امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بنا پر ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔

﴿نجاست پاک کرنے کا طریقہ﴾

[۱۲۸] (۱۰) نجاست کے پاک کرنے کا طریقہ جس کو دھونا واجب ہے دو طریقے ہیں (۱) پس جو نجاست آنکھ سے نظر آتی ہو اس کی پاکی اس کے عین کا زائل کرنا ہے۔ مگر یہ کہ اس کا اثر باقی رہ جائے جس کا زائل کرنا مشکل ہو۔

**تشریح** جو نجاست خشک ہونے کے بعد آنکھ سے نظر آئے اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اتنی مرتبہ دھوئے کہ عین نجاست زائل ہو جائے۔ چاہے ایک مرتبہ میں زائل ہو جائے چاہے پانچ مرتبہ میں۔

**وجہ** (۱) نجاست مرئیہ کے عین کے زائل ہونے سے پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن اسماء بنت ابی بکر انھا قالت سمعت امرأة تسأل رسول الله ﷺ کیف تصنع احدانا بشوبها اذا رأت الطهر اتصلی فیہ قال تنظر فان رأت فیہ دما فلتقرصه بشيء من ماء ولتتضح ما لم تری وتصلی فیہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۱۰۰)

حاشیہ : (الف) میں نے ام سلمہ سے کہا میں ایسی عورت ہوں جس کا دامن لمبا ہے اور گندگی کی جگہوں پر چلتی ہوں، انہوں نے فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بعد کی جگہ اس کو پاک کر دے گی۔ (ب) عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اور روندی ہوئی خشک ناپاکی کی وجہ سے وضو نہیں کرتے (ج) ایک عورت نے حضورؐ سے پوچھا ہم میں سے ایک اپنے کپڑے کے ساتھ کیسے کرے گی جب کہ پاکی دیکھے۔ کیا اس کپڑے میں نماز پڑھے گی؟ آپؐ نے (باقی اگلے صفحہ پر)



عينها الا ان يبقى من اثرها ما يشق ازلتها [۱۲۹] (۱۱) وما ليس له عين مرئية فطهارتها ان يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل انه قد طهر.

۵۸ نمبر ۳۶۱) اس حدیث میں ہے کہ پانی ڈالو جب تک کہ نجاست نظر آئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ زائل ہونے تک دھویا جائے گا (۲) مستحاضہ کے سلسلے میں یہ حدیث ہے عن عائشة قالت جالت فاطمة بنت ابی حبیش ... فاذا ادبرت فاغسلی عنک الدم وصلی (الف) (مسلم شریف، باب الاستحاضہ وغسلھا وصلواتھا ص ۵۱ نمبر ۳۳۳) اس میں یہ بتایا کہ خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو۔ کتنی مرتبہ دھوؤ یہ نہیں بتایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ کے زائل ہونے تک دھوؤ۔ نجاست زائل ہو جائے مگر اس کی رنگت زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت کرنے پڑے تو اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کپڑا پھر بھی پاک ہو جائے گا۔ جیسے گوبر لگنے کے بعد عام پانی سے دھونے سے گوبر زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کا داغ باقی رہتا ہے تو اس کے زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت ضروری نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے سألت عائشة عن الحائض یصیب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم یذهب اثره فلتغیره بشیء من صفرة (ب) (ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبد فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۵۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کو صفرہ سے بدل دیا جائے (۲) شریعت یوں بھی مشقت شدیدہ کی مکلف نہیں بناتی۔

[۱۲۹] (۱۱) جو نجاست نظر نہیں آتی اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ دھوتے رہے یہاں تک کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہوگا۔

**نشر** جو ناپاکی خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب، شراب اس کو اتنی مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ تجوڑے کہ دھونے والے کو گمان ہونے لگے کہ تمام نجاست نکل کر اب کپڑا پاک ہو گیا ہے۔

**حجہ** دھونے کی تکرار سے نجاست نکلتی چلی جائے گی اور آخر تمام نجاست نکل جائے گی اور زیلانہ نجاست ہی سے کپڑا یا بدن پاک ہو جاتا ہے (۲) علماء نے کہا ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء حتی یغسلھا ثلاثا فانہ لا یدری ابن بات یدہ (ج) (مسلم شریف، باب کراهۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ مشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸) یہاں نجاست غیر مرئیہ ہے تو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا گیا تو اور نجاست غیر مرئیہ میں بھی تین مرتبہ دھویا جائے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا غور کرو اگر اس میں خون دیکھو تو اس کو پانی کے ذریعہ رگڑو پھر پانی بہاتے رہو جب تک گندگی نہ نظر آنے لگے اور پھر اس میں نماز پڑھو (الف) فاطمہ بنت ابی حبیش سے حضورؐ نے فرمایا جب حیض کا خون ختم ہو جائے تو اپنے جسم سے خون دھوؤ اور نماز پڑھو (ب) حضرت عائشہ کو اس حاضہ کے بارے میں پوچھا جس کے کپڑے میں خون لگا ہو تو فرمایا کہ اس کو دھوئے۔ پس اگر اس کا اثر نہ جائے تو زرد رنگ سے متغیر کر دے (ج) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو تو اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے یہاں تک کہ اس کو تین مرتبہ دھوئے۔ اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اپنے ہاتھ کو کہاں گزارا۔

[۱۳۰] (۱۲) والاستنجاء سنة یجزئ فیہ الحجر والمدر وما قام مقامہ یمسحہ حتی ینقیہ و لیس فیہ عدد مسنون.

### ﴿ استنجاء کا بیان ﴾

[۱۳۰] (۱۲) استنجاست ہے، کافی ہے اس میں پتھر اور ڈھیلا اور جو اس کے قائم مقام ہو۔ مقام کو پونچھے یہاں تک کہ اس کو صاف کر دے۔  
**تشریح** پاخانہ صاف کرنے کے لئے پتھر، ڈھیلا، لکڑی اور ایسی چیز جس سے پاخانہ صاف ہو جائے ان تمام چیزوں سے استنجا کرنا سنت ہے۔ ان چیزوں سے اتنی مرتبہ مقام صاف کرے کہ پاخانہ صاف ہو جائے تو کافی ہو جائے گا۔ اور پیشاب کے لئے ایسی چیز کی ضرورت ہے جو پیشاب کو چوس لے جیسے ڈھیلا۔ پتھر سے کام نہیں چلے گا کیونکہ اس میں پیشاب چوسنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ پتھر یا ڈھیلا استعمال کرنے سے نجاست کی کمی ہو جائے گی مکمل صفائی نہیں ہوگی۔ لیکن مخرج کے پاس ایک درہم چوڑائی کے اندر اندر ہو تو شریعت نے انسانی مجبوری کو دیکھتے ہوئے اس کی سہولت دی ہے۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ پانی استعمال کرے تاکہ مکمل صفائی ہو جائے

**نوٹ** یہاں بھی اصل مقصد نجاست کو صاف کرنا ہے چاہے جتنے ڈھیلے میں صاف ہو جائے۔ تین عدد ضروری نہیں ہے۔ ان سب کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ان رسول الله و قال اذا ذهب احدکم الى الغائط فليذهب معه بثلاثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاستنجاء بالا حجار ص ۴۰) حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پتھر اور ڈھیلا استنجاء کے لئے کافی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پتھر اس لئے ہونا چاہئے کہ ان سے عموماً پاکی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے کہا فانها تجزئ عنها (۲) عن ابی ہريرة عن النبی ﷺ قال... ومن المستحمر فليوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (ابوداؤد شریف، باب الاستنجاء بالخلاء ص ۶ نمبر ۳۵)

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین پتھر لینا ضروری ہے اور اگر تین سے صفائی نہ ہو تو پھر زیادہ پتھر لیں گے۔ لیکن طاق پتھر لئے جائیں گے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن سلمان قال قيل له قد علمكم بينكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخراثة قال فقال اجل لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجى باليمين او ان نستنجى باقل من ثلاثة احجار او ان نستنجى برجيع او بعظم (ب) (مسلم شریف، باب الاستطابة ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲) اس حدیث میں استنجا کرنے کے بہت سے آداب مذکور ہیں۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ تین پتھر سے کم سے استنجاء کرے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ اس لئے ہے کہ اس سے عموماً صفائی ہو جاتی ہے یا استنجاء کے طور پر ہے واجب نہیں ہے۔

**نکتہ** المدر : ڈھیلا، حقیقہ : صاف کر دے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک پاخانہ جائے تو اپنے ساتھ تین پتھر لے جائے اور ان سے پاکی حاصل کرے۔ اس لئے کہ یہ تین پتھر پاکی حاصل کرنے کے لئے کافی ہے (ب) حضرت سلمانؓ سے لوگوں نے کہا کہ تمہارا نبی تم کو ہر چیز سکھاتا ہے یہاں تک کہ پاخانہ کرنے کا طریقہ بھی! کہا ہاں! ہم کو روکا کہ پاخانہ کی حالت یا پیشاب کی حالت میں قبلہ کا استقبال کریں یا دائیں یا بائیں پتھر سے کم سے استنجا کریں یا الید یا ہڈی سے استنجا کریں۔

[۱۳۱] (۱۳) وغسله بالماء افضل [۱۳۲] (۱۴) وان تجاوزت النجاسة مخرجها لم يجز فيه الا الماء او المائع [۱۳۳] (۱۵) ولا يستنجی بعظم ولا روث ولا بطعام ولا

[۱۳۱] (۱۳) مقام کو پانی کے ساتھ دھونا افضل ہے۔

**وجہ** سمعت انس بن مالک يقول كان النبي ﷺ اذا خرج لحاجته اجيء انا و غلام معنا ادواة من ماء يعني يستنجي به (الف) (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) او پر کی حدیث اور اس حدیث کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی کے ساتھ استنجا کرنا افضل ہے۔ اس لئے کہ اس سے مکمل صفائی ہو جاتی ہے۔ البیہ پھر استعمال کرنے سے کفایت کر جائے گی اور نماز جائز ہو جائے گی۔ [۱۳۲] (۱۴) اگر نجاست مخرج سے زیادہ پھیل جائے تو اس میں جائز نہیں ہے اس میں مگر پانی یا بہنے والی چیز۔

**تشریح** شیخین کے نزدیک مخرج کے علاوہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے اور امام محمدؒ کے نزدیک مخرج کے ساتھ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے۔ اب پھر سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا

**وجہ** (۱) مخرج کو مجبوری کے درجہ میں پھر سے صاف کرنا کافی قرار دیا اس لئے اس سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہوگا (۲) حضرت علیؓ کے قول سے تائید ہوتی ہے۔ قال علی بن ابی طالب انهم كانوا يبعرون بعرا وانتم تثلطون ثلثا فاتبعوا الحجارة الماء (ب) (سنن للبیہقی، باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالا جارد والغسل بالماء، ج اول، ص ۱۷۲، نمبر ۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ پھر اس وقت کافی ہوگا جب نجاست مخرج تک ہو جیسا کہ صحابہ خشک پاخانہ کرتے تھے تو مخرج تک ہوتا تھا۔ لیکن مخرج سے زیادہ ہو تو پانی استعمال کرنا ہوگا۔

**نوٹ** پانی سے بھی استنجا کرنا جائز ہے۔ اور ہر وہ بہنے والی چیز جس سے نجاست زائل ہو جائے اس سے بھی استنجا کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ کا اختلاف اس بارے میں پہلے گزر چکا ہے۔

[۱۳۳] (۱۵) نہ استنجا کرے ہڈی سے، نہ لید سے، نہ کھانے سے، نہ دائیں ہاتھ سے۔

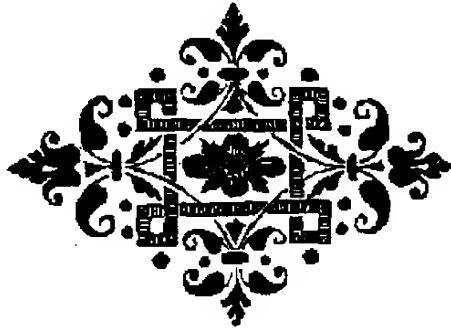
**وجہ** (۱) یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جو خود ناپاک ہو جیسے لید، سوکھا گوشت، دوسرے کو کیسے پاک کرے گی۔ اس لئے ناپاک چیز سے استنجا کرنا جائز نہیں ہے (۲) ایسی چیز جو چکنی ہو جیسے ہڈی اس سے مقام صاف نہیں ہوگا صرف نجاست مزید پھیل جائے گی اس لئے اس سے بھی استنجا جائز نہیں ہے (۳) ایسی چیز جو محترم ہو جیسے کھانا اور کاغذ تو اس سے بھی استنجا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ احترام کے خلاف ہے۔ اسی طرح دایاں ہاتھ محترم ہے اس کو بھی پاخانہ کے لئے استعمال کرنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے اس سے بھی استنجا کرنا جائز نہیں ہے۔

**نوٹ** ان چیزوں سے استنجا کر لیا اور نجاست صاف ہو گئی تو نماز کے لئے درست ہو جائے گی۔ ان چیزوں سے مکروہ ہونے کی دلیل حضرت

حاشیہ : (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جب قضاء حاجت کے لئے نکلے تو میں اور میرے ساتھ ایک لڑکا پانی سے بھرے ہوئے برتن کے ساتھ جاتے، یعنی اس سے حضورؐ استنجا فرماتے (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ میٹھی کی طرح پاخانہ کرتے تھے اور تم لوگ پتلا پاخانہ کرتے ہو اس لئے پھر کے بعد پانی استعمال کرو۔

بیمینہ۔

سلمانؓ کی حدیث ہے جو مسئلہ نمبر ۱۲ میں گزر گئی۔ عن سلمان ... لقد نهانا ان نستقبل القبلة لعائط او بول او ان نستنجي باليمين او ان نستنجي باقل من ثلاثة احجار او ان نستنجي برجيع او بعظم (الف) (مسلم شریف، باب الاستطابة ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲) اس حدیث میں دائیں ہاتھ سے اور لید سے اور ہڈی سے استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔



حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہمیں روکا کہ پاخانہ اور پیشاب کے وقت قبلے کا استقبال کریں یا دائیں ہاتھ سے استنجا کریں یا تین پتھر سے کم سے استنجا کریں مگر ہر سے یا ہڈی سے استنجا کریں۔

## ﴿کتاب الصلوة﴾

[۱۳۴] (۱) اول وقت الفجر اذا طلع الفجر الثانی وهو البیاض المعترض فی الافق و آخر

## ﴿کتاب الصلوة﴾

**ضروری نوٹ** صلوة کے لغوی معنی دعا ہے۔ شریعت میں ارکان معبودہ کو صلوة کہتے ہیں۔ صلوة کے فرض ہونی کی دلیل قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں۔ مثلاً ان الصلوة كانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (الف) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء)

**نوٹ** نماز اہم عبادت ہے اور طہارت اس کے لئے شرط ہے۔ اس لئے طہارت کو مقدم کیا۔ اب طہارت کے اباحت ختم ہونے کے بعد نماز کے مسائل کو شروع کیا

**وقت** وقت نماز کے لئے شرط ہے اگر وقت نہ ہوا ہو تو نماز ہی واجب نہیں ہوتی۔ وقت آنے پر ہی نماز واجب ہوتی ہے۔ وجوب کی اصل وجہ تو اللہ کا حکم ہے لیکن ہم اللہ کے ہر وقت کے حکم کو نہیں سن پاتے اس لئے علامت کے طور پر وقت کو رکھ دیا کہ جب وقت آئے تو سمجھ لو کہ حکم آ گیا اور نماز شروع کرو۔ وقت کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

[۱۳۴] (۱) فجر کا اول وقت جب کہ صبح صادق طلوع ہو جائے، فجر ثانی وہ افق میں پھیلی ہوئی سفید روشنی ہے اور فجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہو جائے۔

**وجہ** فجر کی نماز فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وسبح بحمدک ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها ومن اثناء اللیل فسبح واطرافھا النہار لعلک ترضی (ب) (آیت ۱۳۰ سورہ طہ ۲۰) بلکہ اس آیت میں تمام نمازوں کے اوقات کی طرف اشارہ ہو گیا۔ اور نماز فجر کے وقت کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

**وقت** الفجر الثانی : فجر کی دو قسمیں ہیں (۱) صبح کاذب (۲) صبح صادق۔ صبح کاذب : مشرقی افق میں پھیڑے کی دم کی طرح لمبی سی روشنی ہوتی ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے۔ اس کے تھوڑی دیر کے بعد محرابی شکل میں پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں۔ بعض ماہرین فلکیات اس کو اٹھارہ ڈگری پر بتاتے ہیں اور بعض پندرہ ڈگری پر بتاتے ہیں۔ دلائل دونوں طرف ہیں۔ اسی صبح صادق کے وقت فجر کی نماز واجب ہوتی ہے۔ اسی کی طرف مصنف نے البیاض المعترض کہہ کر اشارہ کیا ہے۔ حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ ﷺ لا یغرنکم اذان بلال ولا هذا البیاض لعمود الصبح حتی یستطیر ہکذا (ج) (مسلم شریف، باب بیان ان الدخول فی الصوم تکھل بطلوع الفجر، کتاب الصوم ص ۳۵۰ نمبر ۱۰۹۴) حدیث سے پتہ چلا کہ روشنی جو لمبائی میں ہو وہ صبح صادق نہیں ہے۔ بلکہ یستطیر یعنی افق میں پھیلی ہوئی روشنی صبح صادق ہے۔ آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے وکلوا واشربوا حتی

حاشیہ : (الف) نماز مومن پر وقت متعین کے ساتھ فرض ہے (ب) اپنے رب کی تسبیح بیان کیجئے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب سے پہلے اور رت کے کچھ حصے میں۔ پس تسبیح بیان کیجئے اور دن کے کناروں میں شاید کہ آپ راضی ہو جائیں (ج) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے بلال کی اذان اور نہ یہ صبح کی لمبی سفیدی یہاں تک کہ روشنی پھیل نہ جائے۔

وقتہا ما لم تطلع الشمس [۱۳۵] (۲) واول وقت الظهر اذا زالت الشمس و آخر وقتہا عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اذا صار ظل کل شیء مثلیہ سوی فی الزوال وقال ابو

یتیمین لکم الخیط الابيض من الخیط الاسود من الفجر (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲) تبیین سے مراد فجر کا خوب واضح ہونا ہے جو صا دق کے وقت ہوتا ہے۔

[۱۳۵] (۲) ظہر کا اول وقت جب سورج ڈھل جائے اور اس کا آخری وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ۔ اور صاحبین کے نزدیک جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔

**شرح** ظہر کا اول وقت زوال کے فوراً بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ اس کے آخری وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے رائے یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل رہتا ہے۔ اور اس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **بخاری** عن ابی ذر قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان يؤذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد، ثم اراد ان يؤذن فقال له ابرد، حتی رأینا فیء التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة (الف) (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی السفر ص ۷۷ نمبر ۵۳۹) نیلہ پستہ قد ہوتا ہے اس کا سایہ نیچے نظر نے لگے یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو چکا ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی گئی ہے۔ اس لئے ظہر کا وقت دو مثل تک ہے فائدہ صاحبین اور دوسرے ائمہ سایہ اصلی کے علاوہ ایک مثل تک ظہر کا وقت کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **بخاری** عن ابی بن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الاولى منہما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظلہ ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس والفطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم و صلی المراتب الثانیة الظهر حین کان ظل کل شیء مثله لوقت العصر بالامس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیہ ثم صلی المغرب لوقتہ الاول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین ہذین الوقتین (ب) (ترمذی

حاشیہ : (الف) ابوذر فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ سفر میں تھے تو مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔ پھر اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپؐ نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دو۔ یہاں تک کہ ہم نے ٹیلے کا سایہ دیکھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا سخت گرمی جہنم کی لپٹ ہے۔ پس جب کہ سخت گرمی ہو تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو (ب) آپؐ نے فرمایا کہ جبرئیل نے بیت اللہ کے پاس میری دو مرتبہ امامت کی۔ پس ظہر کی نماز پہلے وقت پڑھائی جس وقت کے سایہ چپل کی طرح ہو گیا۔ پھر عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ پھر مغرب کی نماز پڑھائی جب کہ سورج ڈوب گیا اور روزہ دار نے افطار کر لیا۔ پھر عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ شفق ڈوب گیا۔ پھر فجر کی نماز پڑھائی جس وقت فجر نکل گیا اور کھانا روزہ دار پر حرام ہو گیا۔ اور دوسری مرتبہ ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا جس وقت پچھلے دن عصر پڑھائی تھی۔ پھر عصر کی نماز پڑھائی جس وقت ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا۔ پھر مغرب کی نماز پڑھائی پہلے ہی وقت پر۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

یوسف و محمد رحمہما اللہ اذا صار ظل کل شیء مثله [۱۳۶] (۳) واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر علی القولین و آخر وقتها مالم تغرب الشمس .

شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوٰۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوٰۃ نمبر ۱۴۹ ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۲۲، نمبر ۳۹۳ اس حدیث میں تمام نماز کے وقت بیان کئے گئے ہیں۔ اور ظہر کا آخری وقت ایک مثل بتایا گیا ہے۔ اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر صاحبین بھی اس طرف گئے ہیں کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ایک مثل کے بعد ظہر نہ پڑھے اور دو مثل سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے لغت فی الزوال : ٹھیک دوپہر کے وقت جب سورج سر پر ہو تو اس وقت جو تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس کو سایہ اصلی اور فی الزوال کہتے ہیں۔ اس کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو تو وہ ایک مثل سایہ کہلاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا قد ساڑھے پانچ فٹ ہے۔ تو سایہ اصلی کے علاوہ سایہ ساڑھے پانچ فٹ تک چلا جائے تو ایک مثل ہو گیا۔ اور سایہ اصلی کے علاوہ گیارہ فٹ تک سایہ لبا ہو گیا تو دو مثل ہو گیا۔

[۱۳۶] (۳) عصر کا اول وقت جب کہ ظہر کا وقت نکل جائے دونوں قول پر۔ اور اس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔ **تشریح** صاحبین کے قول کے مطابق مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔ اور بعض ائمہ نے دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ایک مثل کے بعد اور دو مثل سے پہلے وقت مہمل ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے اور نہ عصر کا وقت ہے۔

**نوٹ** احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر کے بعد فوراً عصر کا وقت شروع ہوتا ہے نہ دونوں کے درمیان وقت مہمل ہے اور نہ مشترک ہے۔ پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کی آخری نماز دو مثل پر پڑھی گئی لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت موجود ہے۔ البتہ آفتاب زرد ہونے کے بعد نماز مکروہ ہونے لگتی ہے۔ اس لئے آفتاب زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنی چاہئے۔ تاہم غروب سے پہلے عصر کی نماز پڑھنا تو ادا ہوگی فضا نہیں ہوگی۔ کیونکہ ابھی وقت باقی ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کے وقت ہونے کی دلیل۔

**ترجمہ** (۱) ورج بجر ربک قبل طلوع الشمس قبل غروبھا (آیت ۱۳۰ سورہ طہ ۲۰) غروب سے پہلے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك العصر و من ادرك من العصر ركعة قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶ بخاری شریف، باب من ادرك من الفجر ركعة ص ۴۵)

حاشیہ : (پچھلے صفحے سے آگے) پھر عشا آخرہ کی نماز پڑھائی جب کہ تہائی رات چلی گئی۔ پھر صبح کی نماز پڑھائی جس وقت زمین میں اسفار ہو گیا۔ پھر میری طرف جبریل متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے محمد! یہ آپ سے پہلے انبیاء کا وقت ہے۔ اور نمازوں کا وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے (الف) آپ نے فرمایا جس نے صبح کی ایک رکعت پائی سورج کے طلوع ہونے سے پہلے گویا کہ اس نے صبح کی نماز پائی۔ اور جس نے سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پائی تو گویا کہ عصر کی نماز پائی۔

[۱۳۷] (۴) واول وقت المغرب اذا غربت الشمس و آخر وقتها مالم تغب الشفق  
[۱۳۸] (۵) وهو البياض الذي يرى في الافق بعد الحمرة عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقال  
ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ هو الحمرة.

(نمبر ۵۷۹) سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو گویا کہ پوری عصر کی نماز پائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کا وقت ہے

[۱۳۷] (۴) مغرب کا اول وقت سورج ڈوب جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔

**مغرب** کے اول وقت کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔ اور حضرت جبریل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن سورج غروب ہونے کے بعد ہی پڑھائی۔ اس لئے کہ مستحب وقت وہی ہے۔ لیکن مغرب کا آخری وقت حقیقت میں شفق کے غروب ہونے تک ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمران النبی ﷺ قال اذا صلیتم الفجر ... فاذا صلیتم المغرب فانه وقت الی این یسقط الشفق (الف) (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص ۲۲۲ نمبر ۶۱۲ ترمذی شریف، باب ما جاء فی مواقیط الصلوة ص ۲۰ نمبر ۱۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے۔

[۱۳۸] (۵) شفق وہ سفید روشنی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دیکھی جاتی ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے کہا شفق وہ سرخی ہے۔ **شرق** آفتاب ڈوبنے کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفید روشنی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ پھر سفید روشنی لمبی سی ہوتی ہے جس کو بیاض مستطیل اور پھر بیاض مستطیل کہتے ہیں۔ اس کے بعد افق پر مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سرخی کے بعد جو بیاض مستطیل ہوتی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ اس کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے (۱) فجر میں بیاض مستطیل فجر کا وقت ہے۔ اسی طرح بیاض مستطیل مغرب کا وقت ہونا چاہئے۔ کیونکہ دونوں ایک ہی طرح ہیں (۲) حدیث میں ہے سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ویصلی المغرب حین تسقط الشمس ویصلی العشاء حین یسود الافق وربما اخرها حتی یجتمع الناس (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی المواقیط ص ۶۲/۶۳ نمبر ۳۹۴) اس حدیث میں ہے کہ آپ عشاء کی نماز افق کالا ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بیاض مستطیل تک مغرب کا وقت ہے۔ جو سرخی کے بعد آتی ہے۔ کیونکہ افق کالا سفیدی غائب ہونے کے بعد ہی ہوگا۔ اس کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔ کتب عمر بن عبد العزیز ان صلوا صلوۃ العشاء اذا ذهب بياض الافق فیما بینکم و بین ثلث اللیل (مصنف عبدالرزاق، باب وقت العشاء الاخرة، ص ۵۵۶، نمبر ۲۱۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ افق کے بیاض جانے یعنی شفق البیض کے ڈوبنے کے بعد نماز عشاء کا وقت ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) (الف) آپ نے فرمایا پس جب کہ مغرب کی نماز پڑھو تو اس کا وقت شفق کے ڈوبنے تک ہے (ب) ابو مسعود انصاری فرماتے ہیں کہ حضور نماز پڑھتے تھے مغرب کی جب سورج ڈوب جاتا تھا اور عشاء کی جب افق کالا ہو جاتا تھا، اور کبھی پھر کر کے تھے یہاں تک کہ لوگ جمع ہو جائیں۔



[۱۳۹] (۶) واول وقت العشاء اذا غاب الشفق و آخر وقتها ما لم يطلع الفجر [۱۴۰]

(۷) واول وقت الوتر بعد العشاء و آخر وقتها ما لم يطلع الفجر.

**فائدہ** صاحبین اور جمہور ائمہ کے نزدیک بیض مستطیل کے پہلے جو سرخی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ الشفق الحمرة فاذا غاب الشفق وجبت الصلوة (الف) (دارقطنی، باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۶۲ نمبر ۱۰۴۳ سنن للبیہقی، باب دخول وقت العشاء بغیوۃ الشفق، ج اول، ص ۵۳۸، نمبر ۱۷۴۳) اس حدیث اور ابو ہریرہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ شفق تک مغرب کا وقت ہے اس کے غروب ہونے کے بعد عشا کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

[۱۳۹] (۶) عشا کا اول وقت جب شفق غائب ہو جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہو جائے۔

**ترجمہ** عشا کے اول وقت کے بارے میں مسئلہ نمبر ۱۲ اور مسئلہ نمبر ۴۴ میں حدیث گزر چکی ہے۔ البتہ آخری وقت کے بارے میں یہ حدیث ہے عن عائشة قالت اعتم النبی ﷺ ذات لیلۃ حتی ذهب عامة اللیل وحتى نام اهل المسجد (ب) (مسلم شریف، باب وقت العشاء و تاخیر خاص ۲۲۹ نمبر ۶۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عامۃ اللیل رات کا ایک بڑا حصہ چلا گیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آدھی رات چلی گئی تھی۔ اس لئے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثبوت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور آخر رات تک عشا کے وقت ہونے کی دلیل صحابہ کا قول ہے قال لابی ہریرۃ ما افرط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر وعن عبد الرحمن بن عوف فی امرأة تطهر قبل طلوع الفجر صلت المغرب والعشاء (ج) (سنن للبیہقی، باب آخر وقت الجواز لصلوة العشاء، ج اول، ص ۵۵۳، نمبر ۶۳۳) صحابی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ عشا کا وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے۔ تمام ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

[۱۴۰] (۷) وتر کا اول وقت عشا کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے (۱) عن خارجة بن حذافة انه قال خرج علينا رسول اللہ ﷺ فقال ان الله امدكم بصلوة هي خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء الى ان يطلع الفجر (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲، ابوداؤد و شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کا وقت عشا کے بعد سے لیکر صبح صادق طلوع ہونے تک ہے۔ اور حدیث میں امدکم یعنی ایک نماز زیادہ کی اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے۔ تب ہی تو پانچ نماز پر زیادتی ہوگی۔ ایک اور حدیث ہے عن مسروق انه سأل عائشة عن وتر النبی ﷺ فقالت من كل اللیل قد اوتر

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا شفق وہ سرخی ہے۔ پس جب شفق غائب ہو جائے تو عشا کی نماز واجب ہے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے ایک رات عشا کی نماز پڑھی یہاں تک کہ رات کا عام حصہ جا چکا تھا۔ اور مسجد والے سوچے تھے (ج) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ عشا کی نماز کب ہوگی؟ فرمایا طلوع فجر پر اور عبد الرحمن بن عوف سے پوچھا گیا اس عورت کے بارے میں جو طلوع فجر سے پہلے حیض سے پاک ہو۔ فرمایا مغرب اور عشا کی نماز پڑھے گی (د) ہمارے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے آپ نے فرمایا اللہ نے ایک نماز زیادہ کی ہے وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے۔ وہ وتر ہے۔ اس کو اللہ نے تمہارے لئے عشا کی نماز سے لیکر فجر طلوع ہونے تک کی ہے۔

[۱۴۱] (۸) ويستحب الاسفار بالفجر [۱۴۲] (۹) والابراد بالظهر في الصيف وتقديمها في الشتاء.

اوله وواسطه وآخره فانتہی وتره حين مات في وجه السحر (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی البوتر اول الليل وآخره ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز اول، اوسط اور آخرات میں پڑھی جاسکتی ہے۔ [۱۴۱] (۸) فجر میں اسفار کرنا مستحب ہے۔

**شرح** فجر کا اصل وقت تو طلوع صبح صادق سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ اسفار کر کے فجر کی نماز شروع کرے۔  
**وجہ** (۱) جماعت بڑی ہوگی ورنہ لوگ غلٹ اور اندھیرے میں کم آئیں گے اور جماعت کی قلت ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله يقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر (ب) (ترمذی شریف، باب الاسفار بالفجر ص ۴۰ نمبر ۱۵۴) ابوداؤد شریف، باب فی وقت الصبح ص ۶۷ نمبر ۴۲۴) اس میں الفاظ یوں ہیں اصبحوا بالصبح اس سے معلوم ہوا کہ فجر کو اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

**فائدہ** امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔ اور فجر کو غلٹ اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشة اخبرته قالت كن نساء المؤمنات يشهدن مع رسول الله ﷺ صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ينقلن الى بيوتهن حين يقضين الصلوة لا يعرفهن احد من الغلس (ج) (بخاری شریف، باب وقت الفجر ص ۸۲ نمبر ۵۷۸) مسلم شریف، باب استحباب التكبير بالصبح ص ۲۳۰ نمبر ۶۴۵) اس حدیث میں دیکھئے غلٹ میں نماز پڑھی گئی۔ ہم کہتے ہیں کہ مدینہ کی طرح لوگ غلٹ میں مسجد میں آجاتے ہوں جیسے رمضان میں آجاتے ہیں تو غلٹ میں مستحب ہے اور اگر لوگ سوئے رہتے ہوں تو اسفار مستحب ہے۔

[۱۴۲] (۹) مستحب ہے گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اور سردی میں اس کو مقدم کرنا۔  
**وجہ** (۱) حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر حدثنا عن رسول الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة فان شدة الحر من فيح جهنم (د) (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدة الحر ص ۶ نمبر ۵۳۳) ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر الظہر فی شدة الحر ص ۴۰ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی ہو تو ظہر کی نماز مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے (۲) اور حدیث میں ہے انس بن مالک ان رسول الله ﷺ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر (ه) (بخاری شریف، باب وقت الظہر عند

حاشیہ : (الف) آپ نے پوری ہی رات وتر پڑھی۔ شروع رات میں، درمیان میں اور آخر میں۔ آخری آپ کی وجہ انتقال کیا سحری کے وقت تھی (ب) آپ فرمایا کرتے تھے فجر کو اسفار کر کے پڑھو اس میں اجر و ثواب زیادہ ہے (ج) حضرت عائشہؓ نے خبر دی کہ مومن عورتیں حضورؐ کے ساتھ فجر کی نماز میں حاضر ہوتیں اپنی چادروں میں لپٹ کر۔ پھر اپنے گھروں کو جاتیں جس وقت نماز پوری کر لیتیں تو وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہیں جاتیں (د) آپ نے فرمایا اگر گرمی زیادہ ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ اس لئے کہ سخت گرمی جہنم کی لپٹ میں سے ہے (ه) آپؐ نکلے سورج ڈھل گیا اور ظہر کی نماز پڑھی۔

[۱۴۳] (۱۰) و تاخیر العصر مالم تتغير الشمس [۱۴۴] (۱۱) و تعجيل المغرب [۱۴۵]

(۱۲) و تاخیر العشاء الی ما قبل ثلث الليل.

الزوال ص ۷۷ نمبر ۵۴) اس سے معلوم ہوا کہ سردی ہو تو نماز جلدی پڑھی جائے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے سمعت انس بن مالک يقول كان النبي ﷺ اذا اشتد البرد بكر بالصلوة وذا اشتد الحر ابرد بالصلوة یعنی الجمعة (الف) (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة ص ۱۲۴ کتاب الجمعة نمبر ۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔

[۱۴۳] (۱۰) عصر مؤخر کرے جب تک سورج میں زردی نہ آجائے۔

بخ (۱) حدیث میں ہے علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول الله ﷺ الی المدينة فكان يؤخر العصر مادامت الشمس بيضاء بقية (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی وقت صلوة العصر ص ۲۵ نمبر ۴۰۸) (۲) دوسری حدیث میں ہے سمعت ابا مسعود الانصاری يقول ... ورايته يصلي العصر والشمس مرتفعة بيضاء قبل ان تدخلها الصفرة (ج) (دارقطنی، باب ذکر بیان المواقيت واختلاف الروایات فی ذلك ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔ تاکہ عصر سے پہلے سنن اور نوافل پڑھ سکے۔ کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکیں گے۔

[۱۴۴] (۱۱) مغرب کو جلدی پڑھنا (مستحب ہے)

بخ (۱) اوپر کی حدیث میں دیکھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دن ایک ہی وقت میں مغرب کی نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت میں مغرب کی نماز پڑھنا مستحب ہے (۲) حدیث میں ہے فقام اليه ابو ايوب ... وقال اما سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تزال امتي بخير او قال على الفطرة مالم يؤخروا المغرب الی ان تشتبك النجوم (د) (ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۲۶ نمبر ۴۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔

[۱۴۵] (۱۲) عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

بخ حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم ان يؤخروا العشاء الی ثلث الليل او نصفه (ه) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر العشاء الآخرة ص ۴۲ نمبر ۱۶۷ ابوداؤد شریف، باب ما وقت العشاء الآخرة ص

حاشیہ : (الف) حضور جب سخت سردی ہوتی تو جلدی نماز پڑھتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو ٹھنڈا کر کے نماز پڑھتے یعنی جمعہ کی نماز (ب) علی ابن شیبان فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے پاس مدینہ آئے تو آپ عصر کو مؤخر کرتے تھے جب تک سورج سفید ہوتا (ج) ابوسعود انصاری فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ عصر کی نماز پڑھتے ہیں اس حال میں کہ سورج بلند رہتا ہے اور سفید رہتا ہے۔ اس میں زردی آنے سے پہلے (د) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے میری امت ہمیشہ خیر میں رہے گی یا فطرت پر رہے گی جب تک ستارے چمکنے تک مغرب کی نماز کو مؤخر نہ کرے (ه) آپ نے فرمایا میری امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کو عشاء کی نماز تہائی رات یا آدھی رات تک مؤخر کرنے کا حکم دیتا۔

[۱۴۶] (۱۳) ويستحب فی الوتر لمن یالف صلوة اللیل ان یؤخر الوتر الی آخر اللیل وان لم یشق بالانتباه اوتر قبل النوم .

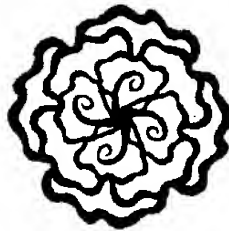
۶۶ نمبر ۲۲۲) س سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

[۱۴۶] (۱۳) وتر میں مستحب اس شخص کے لئے جس کو تہجد پڑھنے کا شوق ہو یہ ہے کہ مؤخر کرے رات کے اخیر حصہ تک، اور اگر اعتماد نہ ہو جائے پرتو وتر پڑھے سونے سے پہلے۔

**تشریح** جس کو تہجد پڑھنے کا شوق اور عادت ہو وہ وتر رات کے اخیر حصہ میں پڑھے۔ اور جسکو جائے پراعتقاد نہ ہو تو اس کو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہئے۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ ومن طمع ان یقوم آخرہ فلیوتر آخر اللیل فان صلوة آخر اللیل مشہودہ وذلک افضل (الف) (مسلم شریف، باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اولہ، ص ۲۵۸، نمبر ۷۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر اخیر میں پڑھنا چاہئے۔ لیکن اگر سو جانے کا خطرہ ہو تو سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔

**نکتہ** یشق بالانتباه : جائے پراعتقاد ہو



حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کہ جس کو خوف ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہ ہو سکے گا تو وہ اول رات میں وتر پڑھ لے۔ اور جس کو لالچ ہو کہ آخری رات میں بیدار ہوگا اس کو آخری رات میں وتر پڑھنا چاہئے۔ اس لئے کہ آخری رات کی نماز حاضری جاتی ہے اور یہ افضل ہے۔

## ﴿باب الاذان﴾

[۱۴۷] (۱) الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة دون ماسواها. [۱۴۸] (۲) ولا

## ﴿باب الاذان﴾

**ضروری نوٹ** الاذان کے معنی اعلان کے ہیں، اذان میں نماز کا اعلان کیا جاتا ہے اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یا ایہا الذین آمنوا اذنا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعۃ ۶۲) [۱۴۷] (۱) اذان سنت ہے پانچوں نمازوں کے لئے اور جمعہ کے لئے نہ اس کے علاوہ کے لئے۔

**تشریح** پانچوں نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اذان سنت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ (۱) وتر (۲) عیدین (۳) جنازہ (۴) کسوف (۵) استسقاء (۶) تراویح (۷) سنن زوائد کے لئے اذان دینا سنت نہیں ہے۔ اذان سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابن عمر کان یقول کان المسلمون حین قدموا المدینۃ یجتمعون فیتحینون الصلوة لیس ینادی لہا فتکلموا یوما فی ذلک فقال بعضهم اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصارى وقال بعضهم بل بوقا مثل قرن الیہود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوة؟ فقال رسول اللہ یا بلال! قم فناد بالصلوة (ب) بخاری شریف، باب بدأ الاذان ص ۸۵ نمبر ۶۰۴ مسلم شریف، باب بدء الاذان ص ۱۶۴ نمبر ۷۳۷ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے اذان دینا سنت ہے۔ [۱۴۸] (۲) اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

**تشریح** ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اور اشہد ان محمدا رسول اللہ کو دو دو مرتبہ آہستہ آہستہ کہے پھر ان دونوں کلمات کو دو دو مرتبہ ورزور سے کہے۔ تو ان دونوں کلمات کو دوبارہ لوٹانا ہے اس لئے اس کو ترجیع کہتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے **مذہب** (۱) عبداللہ بن زید جس نے فرشتے کو خواب میں اذان دیتے ہوئے دیکھا اور حجرت بلال کو اذان کے کلمات کی تلقین کی اس میں ترجیع نہیں ہے۔ عن عبد اللہ بن زید قال کان اذان رسول اللہ ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامة (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان الاقامة ثنی ثنی ص ۲۸ نمبر ۱۹۴ ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸ نمبر ۴۹۹) حضرت ابو محذورہ کو آپؐ نے آواز بلند کروانے کے لئے دوبارہ شہادتین پڑھوایا تو انہوں نے سمجھا کہ ترجیع اصل ہے۔ حالانکہ دو پور شہادتین پڑھوانا آواز بلند کروانے کے لئے تھا **فائدہ** امام شافعی کے نزدیک اذان میں ترجیع ہے۔ ان کی دلیل حضرت ابو محذورہ کی لمبی حدیث ہے۔ یہ حدیث مسلم

خاشیہ : (الف) اے ایمان والو جمعہ کے دن نماز کے لئے جب اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر جاؤ (ب) حضرت عبداللہ بن عمر فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو جمع ہوتے تھے اور نماز کا انتظار کرتے تھے۔ ان کے لئے اذان نہیں دی جاتی تھی۔ لوگوں نے اس بارے میں ایک دن بات کی تو بعض نے کہا کہ ناقوس رکھ لو جیسے نصاریٰ کے ناقوس ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا بلکہ نرسنگھالے لو یہود کے نرسنگھا کی طرح تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک آدمی کو نہ بھیجے جو نماز کے لئے آواز دے۔ تو آپؐ نے فرمایا اے بلال کھڑے ہو کر نماز کی اذان دو (ج) عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی اذان شفعا شفعا تھی۔ اذان میں بھی اور اقامت میں بھی۔

ترجیع فیہ [۱۴۹] (۳) ویزید فی اذان الفجر بعد الفلاح الصلوة خیر من النوم مرتین [۱۵۰] (۴) والاقامة مثل الاذان الا انه یزید فیہا بعد حی علی الفلاح قد قامت الصلوة

شریف، باب صفۃ الاذان ص ۱۶۵ نمبر ۳۷۹ مرتزندی شریف، باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان ص ۱۲۸ نمبر ۱۹۲ میں تفصیل سے ہے۔ ابو محذورہ کی حدیث جو دارقطنی میں ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔ (دارقطنی، باب فی ذکر اذان ابی محذورہ واختلاف الروایات فیہ ص ۲۳۱ نمبر ۸۹۲) اس حدیث میں ترجیع کے کلمات نہیں ہیں۔

**نوٹ** تطویل کی وجہ سے حدیث نقل نہیں کر رہا ہوں۔

[۱۴۹] (۳) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو مرتبہ الصلوة خیر من النوم زیادہ کریں۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن بلال قال قال رسول اللہ ﷺ لا تشوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوة الفجر (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الثوب فی الفجر ص ۴۹ نمبر ۱۹۸) اور دارقطنی میں سمعت ابا محذورہ یقول کنت غلاما صبیبا فاذنت بین یدی رسول اللہ ﷺ الفجر یوم حنین فلما بلغت حی علی الصلوة، حی علی الفلاح قال رسول اللہ الحق فیہا الصلوة خیر من النوم (ب) (دارقطنی، باب ذکر الاقامة واختلاف الروایات فیہا ص ۲۳۲ نمبر ۸۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں الصلوة خیر من النوم کہنا چاہئے۔

[۱۵۰] (۴) اقامت اذان کی طرح ہے مگر یہ کہ زیادہ کیا جائے گا حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوة دو مرتبہ۔

**وجہ** حنفیہ کے نزدیک اذان کی طرح اقامت بھی شنی ثنی یعنی دو دو مرتبہ ہے۔ ایک ایک مرتبہ نہیں ہے۔ اس کی دلیل ایک حدیث مسئلہ نمبر دو میں گزر چکی ہے (۲) ابوداؤد میں ابن ابی لیلۃ کی لمبی حدیث نقل کی ہے اس کے درمیان یہ لفظ ہے فاذن ثم قعد قعدة ثم قام فقال مثلها الا انه یقول قد قامت الصلوة (ج) (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۱ نمبر ۵۰۶) (۳) ایک تیسری حدیث ہے عن ابن ابی لیلۃ عن معاذ بن جبل ثم امهل هنية ثم قام فقال مثلها الا انه قال (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷) ابو محذورہ کی حدیث میں اقامت شنی ثنی ہے۔ قال و علمنی الاقامة مرتین مرتین (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۹ نمبر ۵۰۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اذان کی طرح اقامت بھی شنی ثنی ہے۔ کیونکہ مثلاً ہے کا مطلب ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی شنی ثنی ہو۔

**فائدہ** امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اقامت فرادی فرادی یعنی ایک ایک مرتبہ تمام کلمات ہیں سوائے قد قامت الصلوة کے۔ ان کی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا نماز میں سے کسی میں تھوب نہ کرو مگر فجر کی نماز میں (ب) ابو محذورہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا لڑکا تھا۔ پس میں نے سنن کے دن حضور کے سامنے فجر کی اذان دی۔ پس جب میں حی علی الصلوة حی علی الفلاح پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں الصلوة خیر من النوم ملاو (ج) اذان دی پھر تھوڑی دیر بیٹھے پھر کھڑے ہوئے پھر اذان ہی کی طرح اقامت کہی مگر یہ کہ قد قامت الصلوة کہا (د) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ پھر تھوڑی دیر بیٹھے پھر کھڑے ہوئے پھر کہا اذان ہی کے مثل مگر یہ کہ کہا۔

مرتين [۱۵۱] (۵) و یترسال فی الاذان و یحدر فی الاقامة [۱۵۲] (۶) و یتقبل بهما القبلة [۱۵۳] (۷) فاذا بلغ الى الصلوة والفلاح حول وجهه یمینا و شمال.

دلیل بہت سی احادیث ہیں۔ مثلاً عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان وان یرتر الاقامة الا الاقامة (الف) (بخاری شریف، باب الاقامة واحدة الا قوله قد قامت الصلوة ص ۸۵ نمبر ۶۰۷ / مسلم شریف، باب الامر بشفع الاذان وایتار الاقامة ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۸) ان احادیث کی وجہ سے جمہور ائمہ اقامت کے فرادی فرادی کے استحباب کے قائل ہیں۔ حنفیہ کہ یہاں بھی اگر اقامت فرادی دے دے تو اقامت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔ صرف افضلیت کا فرق ہے۔

[۱۵۱] (۵) ٹھہر ٹھہر کر کرے اذان میں اور جلدی کرے اقامت میں۔

**وجہ** اذان میں آواز دور تک پہنچانا ہے اس لئے تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرے اور اقامت میں مسجد تک آواز پہنچانا ہے اس لئے مسلسل کہتا چلا جائے ٹھہر ٹھہر کر نہ کہے (۲) عن جابر ان رسول اللہ ﷺ قال لبلال یا بلال! اذا اذنت فترسل فی ذلک و اذا اقامت فاحدر (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الترسل فی الاذان ص ۲۸ نمبر ۱۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور اقامت میں جلدی کرے۔ یہ مستحب ہے۔

**نکتہ** ترسل : ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا، یحدر : مسلسل بات کہے جانا۔

[۱۵۲] (۶) اذان اور اقامت کہتے وقت قبلہ کا استقبال کرے۔

**وجہ** اذان اور اقامت کہتے وقت قبلہ کا استقبال کرنا سنت ہے۔ لیکن اگر اس کے خلاف کیا تو اذان اور اقامت کی ادائیگی ہو جائے گی۔ البتہ سنت کی مخالفت ہوگی (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ابو داؤد میں معاذ بن جبل کی ایسی حدیث ہے اس میں ایک عبارت اس طرح ہے فجاء عبد اللہ بن زید الی رجل من الانصار وقال فیہ فاستقبل القبلة (ج) (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷) باب فی الاقامة سے پہلے یہ حدیث ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرشتے نے استقبال قبلہ کر کے اذان دی تھی اس لئے استقبال قبلہ کر کے اذان و اقامت کہنا سنت ہے۔

[۱۵۳] (۷) پس جب کہ حی علی الصلوة اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں پھیرے۔

**تشریح** حی علی الصلوة میں دائیں جانب چہرہ پھیرے تاکہ دائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف چہرہ پھیرے تاکہ بائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے۔

**وجہ** اس کی وجہ حدیث میں یہ ہے (۱) عن عون بن جحيفة عن ابيه قال اتيت النبي ﷺ بمكة وهو في قبة حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فكننت اتبع فمه ههنا و ههنا... فلما بلغ حي على الصلوة حي على الفلاح لوى عنقه یمینا و

حاشیہ : (الف) آپ نے حکم دیا بلال کو کہ اذان کو شفع کرے اور اقامت کو وتر کرے مگر قد قامت الصلوة کو (ب) آپ نے بلال سے فرمایا اے بلال جب اذان دو تو اس میں ٹھہر ٹھہر کر دو اور جب اقامت کہو تو مسلسل کہتے چلے جاؤ (ج) عبد اللہ بن زید نے فرمایا کہ فرشتے نے قبلہ کی طرف استقبال کیا (اور اذان دی)۔

۱ [۱۵۴] (۸) ویؤذن للفاثنة ویقیم فان فاثته صلوات اذن للاولی و اقام و کان مخیرا فی الثانية ان شاء اذن و اقم وان شاء اقتصر علی الاقامة [۱۵۵] (۹) وینبغی ان یؤذن ویقیم علی طهر فان اذن غیر وضوء جاز۔

شمالا ولم یستدر (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المؤذن یتدری فی اذانه ص ۸۴ نمبر ۵۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جی علی الصلوة اور جی علی الفلاح میں چہرہ دائیں اور بائیں پھر انا چاہئے۔

[۱۵۴] (۸) بہت سی فائز نمازوں کے لئے اذان دی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی پس اگر بہت سی نمازیں فوت ہو جائیں تو پہلی نماز کے لئے اذان دے اور اقامت کہے۔ اور دوسری نمازوں میں اختیار ہے اگر چاہے تو ہر ایک کے لئے اذان دے اور اقامت کہے اور اگر چاہے تو صرف اقامت پراکتفا کرے۔

**شرح** ایک نماز فائز ہو اس کے لئے اذان کہی جائے گی اور اقامت کہی جائے گی۔ اور اگر بہت سی نمازیں ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر ایک کے لئے اذان دے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے اور چاہے تو صرف پہلی کے لئے اذان دے اور باقی ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔

**بخاری** حدیث میں ہے قال عبد الله ان المشرکین شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات یوم الخندق حتی ذهب من اللیل ماشاء الله فامر بلالا فاذا نثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل تقویۃ الصلوات باتھن ید ا ص ۴۳ نمبر ۹۷۱ انسائی شریف، باب کیف یقضى الفوات من الصلوة ص ۲۷ نمبر ۶۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اذان دے اور باقی کے لئے اقامت کہے (اور چاہے تو ہر ایک نماز کے لئے اذان بھی کہے) (۲) اذان کا مقدمہ لوگوں کو باہر سے بلانا ہے اور ہر ایک اذان میں سب جمع ہو چکے ہیں اس لئے باقی نمازوں کے لئے اذان دینے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ البتہ ہر فرض نماز اذان کے ساتھ شروع ہے اس لئے اگر ہر ایک کے لئے اذان دے تو دے سکتا ہے۔ [۱۵۵] (۹) مناسب ہے کہ اذان اور اقامت وضو کے ساتھ کہے۔ پس اگر اذان بغیر وضو کے دیدی تو جائز ہے۔

**بخاری** (۱) اذان میں نماز کی طرف بلانا ہے اور ذکر ہے اس لئے وضو کے ساتھ اذان کہے۔ اور اقامت کے بعد تو نماز ہی پڑھنا ہے تو دوسرے لوگ نماز میں مشغول ہوں اور خود نماز کی طرف بلانے والا وضو کرنے جائے تو کتنا برا معلوم ہوگا۔ اس لئے اقامت بغیر وضو کے کہنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کہہ دیا تو اقامت ادا ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ

حاشیہ: (الف) ابی حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس مکہ آیا۔ آپ چمڑے کے سرخ قبے میں تھے تو بلال نکلے۔ پس اذان دی تو میں حضرت بلال کے چہرے کی اتباع کر رہا تھا۔ وہ کبھی اس طرف کبھی اس طرف چہرہ کرتے تھے... پس جب جی علی الصلوة اور جی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنی گردن کو دائیں اور بائیں جانب پھیرا لیکن مکمل نہیں گھومے (ب) عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضور کو غزوہ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ چلا گیا تو بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی پھر اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور مغرب کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشا کی نماز پڑھی۔



[۱۵۶] (۱۰) ویکرہ ان یقیم علی غیر وضوء [۱۵۷] (۱۱) او یؤذن وهو جنب [۱۵۸]

(۱۲) ولا یؤذن لصلوة قبل وقتها الا فی الفجر عند ابی یوسف.

(الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاذان بغیر وضوء ص ۵۰ نمبر ۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضوء کے اذان اور اقامت کہنا مکروہ ہے۔

[۱۵۶] (۱۰) اور مکروہ ہے کہ اقامت کہے بغیر وضوء کے۔

**وجہ** اوپر گزر چکی ہے کہ دوسروں کو نماز کی طرف بلائے اور خود نماز چھوڑ کر وضوء کے لئے جائے تو کتنی بری بات ہے؟

[۱۵۷] (۱۱) یا اذان دے اس حال میں کہ وہ جنبی ہو تو (وہ مکروہ ہے)

**وجہ** جب بغیر وضوء کے اذان دینا مکروہ ہے تو جنابت کی حالت میں اذان دینا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۹ میں گزر گئی ہے۔ (ترمذی شریف، نمبر ۳۰۰)

[۱۵۸] (۱۲) نہیں اذان دی جائے نماز کے لئے اس کے وقت سے پہلے مگر فجر میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک

**وجہ** (۱) اذان دینے کا مقصد وقت بتانا ہے۔ لیکن وقت سے پہلے اذان دینے سے وقت کی تجہیل ہوگی۔ اس لئے وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے (۲) مدینہ طیبہ میں فجر کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی تھی وہ تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے اور جو تہجد پڑھ چکے ہیں ان کو آرام کرنے کی اطلاع دینے کے لئے تھی۔ چنانچہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی طرح تہجد پڑھنے والے کثرت سے ہوں تو ان کو بیدار کرنے کے لئے اذان دی جاسکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز کے لئے عبداللہ بن کتبہ دوسری اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن

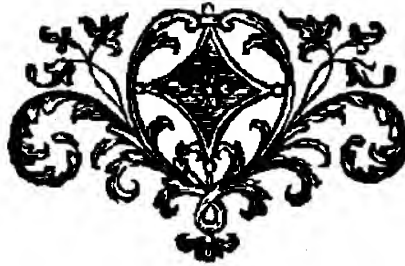
مسعود عن النبی ﷺ قال لا یمنعن احدکم او احدا منکم اذان بلال من سحورہ فانہ یؤذن او ینادی بلیل لیرجع قائمکم ولینبہ نائمکم (ب) (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ۸ نمبر ۶۲۱ رسائی شریف، باب الاذان فی غیر وقت الصلوہ ص ۵ نمبر ۶۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں حضرت بلال کی اذان فجر کی نماز کے لئے نہیں تھی، تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے

تھی۔ اسی لئے نماز کے وقت حضرت عبداللہ بن کتبہ دوبارہ اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے (۳) عن عائشۃ عن النبی ﷺ انه قال ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم (ج) (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ۸ نمبر

۶۲۲ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل ص ۵۰ نمبر ۲۰۳) (۴) وقت سے پہلے اذان دینے سے اذان لوٹانی پڑے گی حدیث میں ہے عن ابن عمر ان بلالا اذن بلیل فامرہ النبی ﷺ ان ینادی ان العبد قد نام (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا کہ اذان نہ دے مگر وضوء کی حالت میں (ب) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کسی ایک کو بلال کی اذان سحری سے نہ روکے اس لئے کہ وہ اذان دیتے ہیں رات میں تاکہ تم میں سے تہجد میں کھڑے ہونے والے لوگ واپس ہو جائیں اور تم میں سے سونے والے بیدار ہو جائیں (ج) آپؐ نے فرمایا کہ بلال رات میں اذان دیتے ہیں اس لئے سحری کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ عبداللہ بن کتبہ اذان دے (د) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے رات میں اذان دے دی تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ پکار کر کہو نہ میں نیند میں تھا۔

ص ۵۰ نمبر ۲۰۳ / ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے حضرت بلال نے اذان دی تو حضورؐ نے ان کو لوگوں کے سامنے معذرت کرنے کے لئے کہا کہ 'ان العبد قد نام' کہو (۵) ان رسول اللہ ﷺ قال له لا تؤذن حتى ليتبين لك الفجر هكذا ومد يديه عرضا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۲) فائدہ تاہم اوپر کی احادیث کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فجر سے پہلے اذان دیدی تو اذان ادا ہو جائے گی۔ دوسری نمازوں میں اذان ادا نہیں ہوگی۔



## ﴿باب شروط الصلوة التي تتقدمها﴾

[۱۵۹] (۱) يجب على المصلي ان يقدم الطهارة من الاحداث او الانجاس على ما قدمناه  
[۱۶۰] (۲) ويستر عورته [۱۶۱] (۳) والعورة من الرجل ما تحت السرة الى الركبة

## ﴿باب شروط الصلوة التي تتقدمها﴾

**ضروری نوٹ** شرط : شرط کی جمع ہے۔ وہ فرائض جو نماز سے پہلے ادا کئے جائیں۔ جو فرائض نماز کے اندر لازم ہیں ان کو ارکان کہتے ہیں۔ جیسے مصلی کا بدن پاک ہونا۔ یہ شرط چھ ہیں (۱) بدن پاک ہونا حدث اور نجس دونوں سے (۲) جگہ پاک ہونا (۳) کپڑا پاک ہونا (۴) ستر عورت ہونا (۵) نماز کی نیت کرنا (۶) قبلہ کی طرف متوجہ ہونا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۱۵۹] (۱) واجب ہے نماز پڑھنے والے پر کہ پہلے پاکی حاصل کرے حدث سے اور نجس سے جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔

**تشریح** حدث کی دو قسمیں ہیں۔ حدث اصغر جیسے وضو کرنے کی ضرورت ہو اور حدث اکبر جیسے غسل کرنے کی ضرورت ہو جیسے جنابت ہو یا حیض یا نفاس سے پاک ہوئی ہو۔ تو مصلی کو ان دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ حدث اصغر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وايديكم الى المرافق الخ (آیت ۶ سورة المائدة ۵) اور حدث اکبر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وان كنتم جنبا فاطهروا (آیت ۶ سورة المائدة ۵) اور نجس سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے (آیت ۴ سورة المدثر ۷) ظاہر ہے کہ کپڑے میں نجس لگی ہوتی ہے اس لئے نجس سے پاک ہونے کی دلیل اس آیت میں موجود ہے۔ اس حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے یا عمار انما يغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقيء والدم والمنى (دارقطنی، باب نجاسة البول والامر بالتره منه ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدن، کپڑا اور مکان ان نجاستوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ باقی تفصیل باب الانجاس میں دیکھیں۔

[۱۶۰] (۲) مصلی اپنا ستر عورت کرے۔

**مذہب** آیت میں ہے یا بنی آدم خذوا زینکم عند کل مسجد (الف) (آیت ۳۱ سورة الاعراف ۷) اور حدیث میں ہے عائشة قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلوة حلتض الا بخمار (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء لا تقبل صلوة المرأة الخ الختمار ص ۸۶ نمبر ۷۱۳ ابواب الصلوة را بوداؤ و شریف، باب المرأة تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوة نمبر ۶۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کو ستر ڈھانکنا ضروری ہے۔

[۱۶۱] (۳) مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر ہے نہ کہ ناف۔

**تشریح** گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں ہے اس لئے نماز میں ناف کھل جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ لیکن اگر گھٹنا کا چوتھائی

حاشیہ : (الف) اے بنی آدم ہر نماز کے وقت زینت اختیار کرو (یعنی ستر ڈھانکو) (ب) آپ نے فرمایا بالذکر عورت کی نماز نہیں قبول کی جاتی مگر روپیہ سے۔

والركبة عورة دون السرة [۱۶۲] (۴) وبدن المرأة الحرة كله عورة الا وجهها وكفيها

کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

**حجہ** حدیث میں ہے کہ ناف ستر میں نہیں ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول الله ﷺ الركبة من العورة (الف) (دارقطنی، باب الامر بتعليم الصلوة والضرب علیها وحد العورة التي يجب سترها ج اول کتاب الصلوة ص ۲۳ نمبر ۸۷۸) (۲) عن عمر بن شبيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ مرو صبيانكم بالصلوة في سبع سنين واضربوهم علیها في عشر و فرقوا بينهم في المضاجع واذا زوج احدكم خادمه من عبده او اجيره فلا ينظرون الى شيء من عورته فان كل شيء اسفل من سرتة الى ركبته من عورته (ب) (سنن للبیہقی، باب عورة الرجل ج ثانی ص ۳۲۴ نمبر ۳۲۳/ دارقطنی، باب الامر بتعليم الصلوة والضرب علیها وحد العورة التي يجب سترها ص ۲۳ نمبر ۸۷۶) حضرت علیؓ کی حدیث میں تھا کہ گھٹنا ستر ہے۔ اس لئے ابن شیبہ کی حدیث میں الی ركبته کا ترجمہ گھٹنا سمیت کیا ہے۔ جیسے کہ وایدیکم الی المرافق کا ترجمہ کہنیوں سمیت کہا تھا۔ اس لئے گھٹنا ستر میں داخل ہوگا۔ اور عمر ابن شیبہ کی حدیث اسفل من سرتة ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ناف سے نیچے نیچے ستر ہے ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک گھٹنا ستر میں سے نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمر بن شبيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ... فلا ينظر الى مادون السرة و فوق الركبة فان ماتحت السرة الى الركبة من العورة (ج) (دارقطنی، باب الامر بتعليم الصلوات والضرب علیها وحد العورة التي يجب سترها ص ۲۳ نمبر ۸۷۶/ ابوداؤد شریف، باب متى یؤمر الغلام بالصلوة ص ۸۷ نمبر ۴۹۶) اس حدیث میں گھٹنا سے اوپر ستر کہا گیا ہے۔ اس لئے ان کے یہاں گھٹنا ستر نہیں ہے۔

**نوٹ** ان احادیث کی وجہ سے حنفیہ کے بعض حضرات کا قول ہے کہ گھٹنا نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ یہ بھی فرمایا کہ گھٹنا کا ستر ہلکا ہے اور ان کا اس سے زیادہ سخت ہے اور شرمگاہ کا ستر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

**لغت** السرة : ناف، الركبة : گھٹنا۔

[۱۶۲] (۴) آزاد عورت کا بدن کل کا کھل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیاں۔

**تشریح** آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہے۔ یعنی اگر یہ نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

**حجہ** آیت میں ہے ولا یبذلین زینتھن الا ما ظہر منها (د) (آیت ۳۱ سورۃ النور ۲۴) آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی زینت کے

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا گھٹنا ستر میں سے ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو سات سال کی عمر میں اور اس پر مار دس سال کی عمر میں۔ اور اس کو علیحدہ سلاؤ۔ اور جب تم میں سے کوئی اپنے خادم یا نوکر کی شادی کرائے تو اس کے ستر میں سے کسی چیز کی طرف نہ دیکھے۔ اس لئے کہ ہر چیز جو ناف سے نیچے ہے گھٹنا سمیت وہ اس کا ستر ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کہ ناف کے نیچے اور گھٹنا کے اوپر نہ دیکھے۔ اس لئے کہ ناف کے نیچے سے گھٹنا تک ستر ہے (د) عورتیں اپنی زینت نہ ظاہر کریں مگر وہ جو خود بخود ظاہر ہو جائے (یعنی چہرہ اور ہتھیلی)

[۱۲۳] (۵) وما كان عورة من الرجل فهو عورة من الامة وبطنها وظهرها عورة وما سوى

ظاہر نہ کریں لیکن جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ستر نہیں ہیں۔ عن ابن عباس فی قوله ولا یبدین زینتہن الا ما ظہر، الآیة قال الکحل والخاتم (سنن للبیہقی، باب عورة المرأة المحرمة، ج ثانی، ص ۳۱۹، نمبر ۳۶۱۶) اس اثر میں الکحل سے مراد سرمہ لگانے کی جگہ یعنی چہرہ مراد ہے اور خاتم انگلی پہننے کی جگہ یعنی ہاتھ مراد ہے۔ کہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہوں تو یہ ستر نہیں ہیں (۲) ان دونوں کے ظاہر کرنے میں ضرورت بھی ہے اس لئے نماز میں یہ دونوں ستر نہیں ہیں (۲) حدیث میں ہے عن عائشة... قال رسول الله ﷺ يا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح لها ان يری منها الا هذا وهذا و اشار الى وجهه وكفيه (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی ما تبدي المرأة من زینتها ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہیں۔

**نوٹ** قدم نماز میں ستر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قدم کو ہتھیلی سے زیادہ کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے ہتھیلی ستر نہیں ہے تو قدم بھی ستر نہیں ہونا چاہئے، پھر قدم بھی مقام زینت ہے۔ لیکن بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قدم ستر ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ام سلمة انها سألت النبي ﷺ اتصلی المرأة فی درع وخمار لیس علیها ازار؟ قال اذا كان الدرع سابغا یغطی ظهور قدمیها (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأة ص ۱۰۱ کتاب الصلوة نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے دونوں قدم چھپے ہوتے ہوں تب ہی نماز جائز ہے۔ اس لئے عورت کے دونوں قدم ستر ہیں۔

**نوٹ** ان احادیث اور ضرورت کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں ستر ہیں لیکن باہر ستر نہیں ہیں۔

[۱۲۳] (۵) مرد کے جتنے اعضاء ستر ہیں وہ باندی کے بھی ستر ہیں اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بدن میں سے ستر نہیں ہے۔

**تشریح** باندی کے کندھے سے لیکر گھٹنے تک ستر ہیں۔ لیکن سر، گردن، بازو، پنڈلی اور پاؤں ستر نہیں ہیں۔

**مذہب** باندی مولیٰ کے کام کے لئے باہر نکلتی ہے اس لئے ان اعضاء کو ستر قرار دینے سے حرج لازم ہوگا۔ اس لئے یہ اعضاء ستر نہیں ہیں۔ نماز میں یہ اعضاء کھل جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) ان صفیہ بنت ابی عییدہ حدیثہ قالت خرجت امرأة مختمرة متجلبة فقال عمر من هذه المرأة فقيل له هذه جارية لفلان رجل من بنیہ فارس الى حفصة فقال ما حملک علی ان تخمری هذه الامة و تجلبیها تشبیہا بالمحصنات حتی هممت ان اقع بها لا احسبها الا من المحصنات لا تشبهوا الائمة بالمحصنات (ج) (سنن للبیہقی، باب عورة الامة، ج ثانی، ص ۳۲۰، نمبر ۳۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا ستر اتنا نہیں ہے جتنا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اے اسماء! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ اس سے دیکھا جائے مگر یہ اور آپؐ نے اپنے چہرے اور ہتھیلی کی طرف اشارہ فرمایا (ب) ام سلمہؓ نے حضورؐ سے پوچھا کیا عورت کرتے میں اور دوپٹہ میں جب کہ اس پر ازاردہ ہو نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا جب کہ کرتا اتنا لمبا ہو کہ دونوں قدم کے اوپر کے حصے کو ڈھانپ دے تو پڑھ سکتی ہے (ج) صفیہ بنت ابی عییدہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت دوپٹہ اوڑھ کر (باقی اگلے صفحہ پر)

ذلک من بدنہا لیس بعورة [۱۶۴] (۶) ومن لم يجد ما یزیل النجاسة صلی معها ولم یعد [۱۶۵] (۷) ومن لم يجد ثوبا صلی عریانا قاعدا یومی بالرکوع والسجود [۱۶۶] (۸) فان صلی قائما اجزاه والاول افضل۔

آزاد عورت کا ہے۔ لیکن پستان اور سینہ موضع شہوت ہیں اس لئے وہ تمام جگہیں ستر میں شامل ہوگی۔

**نوٹ** خالص باندی : مدبرہ، ام ولد سب خالص باندی میں شامل ہیں۔

[۱۶۴] (۶) اگر کوئی ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست زائل کر سکے تو ایسی نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھے گا اور بعد میں نہیں لوٹائے گا۔

**تشریح** کپڑے پر یا جسم پر نجاست لگی ہوئی ہے لیکن نجاست کو زائل کرنے کے لئے اور اس کو دھونے کے لئے اس کے پاس پانی یا بہنے والی چیز نہیں ہے تو وہ اس کپڑے میں اور اسی جسم کے ساتھ نماز پڑھ لے گا۔

**ج** اس کی طاقت میں اس سے زائد نہیں ہے اور شریعت طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتی۔ اس لئے اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

[۱۶۵] (۷) جو کپڑا نہ پائے تو ننگا ہی نماز پڑھے گا۔ بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔

**ج** ان کے پاس بالکل کپڑے نہیں ہے یا کپڑے ہیں لیکن تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہیں تو گویا کہ اس کے پاس کپڑے ہیں ہی نہیں۔ اس لئے وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے گا۔ البتہ کھڑا ہونے میں ستر دور تک نظر آئے گا اور برا معلوم ہوگا اس لئے قیام چھوڑے گا اور بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے گا۔ کیونکہ یہی اس کے بس میں ہے (۲) عن ابن عباس قال الذی یصلی فی السفینۃ والذی یصلی عریانا یصلی جالسا (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب صلوٰۃ العریان ج ۲ ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی مجبوری کہ وجہ سے بیٹھ کر نماز فرض ادا کرے گا اور اس سے قیام ساقط ہو جائے گا۔

**نفت** یومی : اشارہ کرے گا۔

[۱۶۶] (۸) پس اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو کافی ہو جائے گی لیکن پہلا افضل ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا)

**ج** مرض کی مجبوری کے وقت کھڑے ہونے کا نائب بیٹھنا ہے اور رکوع اور سجدے کا نائب ان کو اشارہ سے ادا کرنا ہے۔ اس لئے ان سب ارکان کا نائب ہو گیا۔ لیکن کھڑے ہونے میں ستر کھلنے کی بدنمائی واضح ہے اس کا کوئی نائب بھی نہیں ہوا اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ عند اللہ اور عند الناس بدنمائی سے بچ جائے۔ تاہم کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے۔ عن

حاشیہ (بچھلے صفحہ سے آگے) حجاب میں نکلی۔ تو حضرت عمر نے پوچھا کون ہے؟ ان کو کہا گیا کہ یہ فلاں کی باندی ہے۔ ان کے لڑکوں میں سے ایک آدمی کا نام لیا تو انہوں نے حضرت حصہ کو خبر بھیجی کہ آپ لوگوں کو کس چیز نے ابھارا اس بات پر کہ اس باندی کو دو پتہ اڑھائیں اور اس پر حجاب ڈالیں اور آزاد عورتوں کے مشابہ کر دیں۔ یہاں تک کہ میں نے سوچا کہ اس کو ماروں۔ میں اس کو نہیں سمجھتا تھا مگر آزاد عورتوں کے مشابہ مت بناؤ (الف) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جو کشتی میں نماز پڑھے اور جو ننگا نماز پڑھے وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔

[۱۶۷] (۹) وینوی للصلوة التي يدخل فيها بنية لا يفصل بينها وبين التحريمة بعمل [۱۶۸] (۱۰) ويستقبل القبلة الا ان يكون خائفا فيصلي الى اي جهة قدر

ميمون بن مهران قال سئل علي عن صلوة العريان فقال ان كان حيث يراه الناس صلى جالسا، وان كان حيث لا يراه الناس صلى قائما (مصنف عبد الرزاق، باب صلوة العريان، ج ثانی، ص ۵۸۴، نمبر ۳۵۶۶) اس اثر سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

[۱۶۷] (۹) اس نماز کی نیت کرے جس میں داخل ہو رہا ہے ایسی نیت کہ اس کے درمیان اور تحریم کے درمیان کسی عمل سے فصل نہ ہو۔  
**تشریح** نیت ارادے کا نام ہے۔ تحریم کے ساتھ ساتھ ارادہ ہو کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔ اگر دل کے ارادہ کے بغیر نماز پڑھ لی یا تحریم باندھ لیا تو نماز نہیں ہوگی۔ اگر نیت کی پھر کوئی عمل کیا اور عمل کے بعد دوبارہ نیت کئے بغیر احرام باندھ لیا تو چونکہ احرام کے وقت نیت نہیں تھی اس لئے احرام نہیں ہوا۔

**م** یہ حدیث ہے سمعت عمر بن خطاب علی المنبر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات (الف) (بخاری شریف، باب کیف كان بدء الوحي الى رسول الله ص ۲ نمبر ۱) اگر امام کی اقتدا کر رہا ہو تو یہ بھی نیت کرنی پڑے گی کہ میں اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہوں۔ کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متضمن ہے۔

**م** عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه فاذا كبر فكبرو (ب) (مسلم شریف، باب اتمام المأموم بالامام، ص ۷۷، کتاب الصلوة، نمبر ۳۱۴، بخاری شریف، باب انما جعل الامام ليؤتم به ص ۹۵ نمبر ۶۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتدا کرنی چاہئے۔ اور اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے۔ عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰) جب امام ضامن ہو تو اس کی اقتدا ابھی کرنی چاہئے۔

**نوٹ** نیت میں دل سے ارادہ کرنا کافی ہے۔ زبان سے بولنا ضروری نہیں، مگر زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔

[۱۶۸] (۱۰) نماز میں قبلہ کا استقبال کرے مگر یہ کہ خوف ہو تو نماز پڑھے جدھر چاہے۔

**م** آیت میں ہے وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطوه (ج) (آیت ۱۴۴ سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ کی طرف چہرہ کرنا چاہئے۔ اور خوف کے وقت جدھر ممکن ہو اس طرف چہرہ کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے ولله المشرق والمغرب باينما تولوا فثم وجه الله (د) (آیت ۱۱۵ سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے موقع پر کسی اور

حاشیہ : (الف) عمر ابن خطابؓ سے منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا کرتے تھے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے (ب) آپؐ نے فرمایا امام بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے اس لئے اس کے خلاف نہ کرو۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو (ج) جہاں کہیں ہوا پنا چہرہ بیت اللہ کی طرف نماز میں کرو (د) اللہ ہی کے لئے مشرق و مغرب ہے تو جدھر بھی چہرہ کرو وہاں اللہ ہے۔

[۱۶۹] (۱۱) فان اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسئله عنها اجتهد و صلى فان علم انه اخطأ بعد ما صلى فلا اعادة عليه [۱۷۰] (۱۲) وان علم ذلك و هو فى الصلوة

طرف توجہ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔

[۱۶۹] (۱۱) اگر نماز پڑھنے والوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی موجود نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں پوچھ سکے تو اجتہاد کریگا اور نماز پڑھیں گے اگر جاننا کہ غلطی ہوگئی نماز پڑھنے کے بعد تو اس پر لوٹنا نہیں ہے۔

**شرح** قبلہ کا پتہ نہ چلے اور کوئی آدمی بھی نہ ہو کہ اس سے پوچھ سکے تو تحری کرے گا اور جدھر دل کا رجحان ہو اسی طرف نماز پڑھ لیگا۔ اور نماز کے بعد معلوم ہوا کہ غلط جہت میں نماز پڑھی ہے تب بھی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے نماز ہوگئی۔ اس لئے کہ اس کی وسعت میں جتنا تھا وہ کرگزار ہے (۲) حدیث میں ہے عن جابر قال کنا مع النبی ﷺ فی مسیر او سرية فاصابنا غيم فتحرينا واختلفنا فی القبلة فبصلى كل رجل منا على حدة فجعل احدنا يخط بين يديه لنعلم امكنتنا فلما اصبحتنا نظرنا فاذا نحن قد صلينا على غير القبلة فذكرنا ذلك للنبي ﷺ فقال قد اجزأت صلواتكم (الف) (سنن للبيهقي، باب الاختلاف فی القبلة عند التحری، ج ثانی، ص ۱۶، نمبر ۲۳۵ رتذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم، ص ۸۰ نمبر ۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے نماز پڑھی تو قبلہ غلط بھی ہو جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ تحری ہی اس کا قبلہ ہو گیا۔

[۱۷۰] (۱۲) اور اگر قبلہ کی غلطی کو جاننا اس حال میں کہ وہ نماز میں ہے تو قبلہ کی طرف گھومے گا اور اسی پر بنا کرے گا۔

**تب** صحابہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ سولہ یا سترہ ماہ کے بعد قبلہ بدل گیا۔ کچھ صحابہ نماز میں تھے اور اطلاع دی گئی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو وہ لوگ نماز کے درمیان ہی گھوم گئے۔ ار نماز پر بنا کی اور نماز پڑھتے رہیں۔ حدیث میں ہے عن عبد الله بن عمر قال بین الناس بقاء فی صلوة الصبح اذ جاءهم آت فقال ان رسول الله ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوها و كانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة (ب) (بخاری شریف، باب ما جاء ومن لم یزلا اعادة علی من سہی فصلی الی غیر القبلة ص ۵۸ کتاب الصلوة نمبر ۴۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں صحیح قبلہ کا علم ہو گیا تو اس طرف پھر جائے اور پہلی نماز پر بنا کرے۔ پہلی نماز بھی تحری کی بنا پر صحیح ہے۔

**نوٹ** استدار : گھوم جائے، شتق دور سے ہے، بنی : بنا کرے۔

حاشیہ : (الف) حضرت جابر سے روایت ہے کہ ہم حضور کے ساتھ کسی سفر میں تھے۔ پس ہم لوگوں پر بادل چھا گیا۔ پس ہم نے تحری کی اور ہم قبلہ کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ پس ہم میں سے ہر ایک نے الگ الگ جہت میں نماز پڑھی۔ پس ہم میں سے ہر ایک نے اپنے سامنے خط کھینچا تاکہ ہم اپنی اپنی جگہ جانیں۔ پس جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہم نے قبلہ کے علاوہ کی طرف نماز پڑھی تھی۔ پس اس کا حضور کے سامنے تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا تمہاری نماز جائز ہو گئی (ب) حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا اس درمیان کہ لوگ قباء میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے کوئی آنے والا آیا اور کہا کہ حضور پر رات میں قرآن اترا ہے اور حکم دیا ہے کہ کعبہ کا استقبال کریں تو لوگوں نے کعبہ کا استقبال کیا۔ حالانکہ ان کا چہرہ شام کی طرف تھا تو وہ لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے۔



استدار الى القبلة و بنی علیہا.

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر قبلہ بالکل پشت کے پیچھے ہو گیا تو چونکہ مکمل الٹا ہو گیا اس لئے نماز لوٹائے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کی طاقت میں اتنا ہی تھا اس لئے نہیں لوٹائے گا۔ پھر حدیث میں بھی لوٹانے کا حکم نہیں ہے۔



## ﴿باب صفة الصلوة﴾

[۱۷۱] (۱) فرائض الصلوة ستة التحريمة [۱۷۲] (۲) والقيام [۱۷۳] (۳) والقراءة [۱۷۴] (۴) والركوع [۱۷۵] (۵) والسجود [۱۷۶] (۶) والقعدة الاخيرة مقدار

## ﴿باب صفة الصلوة﴾

**ضروری نوٹ** صفة الصلوة سے مراد نماز کی ہیئت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اور اس میں کیا کیا ہو۔

[۱۷۱] (۱) نماز کے فرائض چھ ہیں (۱) تحریم۔

**مذہب** تحریم کی دلیل یہ آیت ہے و ربک کبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولا صلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة في فريضة او غيرها ((الف)) (ترمذی شریف، باب ما جاء في تحريم الصلوة وتحليلها ص ۵۵ نمبر ۲۳۸۸ ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسه من آخر ركعة ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لئے تحریم باندھنا فرض ہے۔ آیت میں ہے و ذکر اسم ربہ فصلی (آیت ۱۵ سورۃ الاعلیٰ ۸۷) اس آیت سے بھی تحریم ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس ذکر سے مراد تحریم باندھنے کی تکبیر ہے۔ [۱۷۲] (۲) کھڑا ہونا۔

**مذہب** کھڑا ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وقوموا لله قانتين (ب) (آیت ۲۳۸ سورۃ البقرہ ۲) اس آیت سے نماز میں قیام فرض ہے۔ [۱۷۳] (۳) قرأت کرنا فرض ہے۔

**مذہب** فافرق ما تيسر منه واقموا لصلوة واتوا الزكوة (ج) (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت پڑھنا فرض ہے (۲) اوپر مسئلہ میں ایک حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ قرأت کرنا فرض ہے۔

[۱۷۴] (۴) رکوع فرض ہے

[۱۷۵] (۵) سجدہ فرض ہے۔

**مذہب** دونوں کی دلیل یہ آیت ہے یا ایہذا الذین آمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا ربکم (د) (آیت ۷۷ سورۃ الحج ۲۲) اور واقموا

الصلوة وآتوا الزکوة وارکعوا مع الراکعین (ه) (آیت ۴۳ سورۃ البقرہ ۲)

[۱۷۶] (۶) اور قعدة اخيره تشہد کی مقدار (فرض ہے)

**تشریح** تشہد پڑھنا تو واجب ہے لیکن تشہد کی مقدار قعدة اخيره میں بیٹھنا فرض ہے۔

حاشیہ : آپ نے فرمایا نماز شروع کرنے کی چیز پاکی ہے۔ اور اس کا تحریم باندھنا تکبیر کہنا ہے اور نماز کو کھولنا سلام کرنا ہے اور اس کی نماز ہی مکمل نہیں ہوئی جس نے الحمد اور سورۃ نہیں پڑھی فرض نماز میں ہو یا اس کے علاوہ میں (ب) اللہ کے لئے خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو (ج) قرآن سے جتنا آسان ہو پڑھو اور نماز قائم کرو اور زکوة دو (د) اے ایمان والو رکوع کرو سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو (ه) نماز قائم کرو، زکوة دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

## التشهد [۷۷۱] (۷) وما زاد على ذلك فهو سنة.

**ج۱** (۱) یہ حدیث ہے وہ صحابی جس نے نماز جلدی جلدی پوری کی اور تین مرتبہ حضور کی خدمت میں آئے ان کو آپؐ نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔ اس حدیث کے آخر میں آپؐ نے چار کام کرنے پر زور دیا ہے۔ ان میں سے تین کام تو آیت کی وجہ سے فرض ہیں۔ اس لئے چوتھا کام بھی فرض ہی ہونا چاہئے۔ حدیث میں ہے عن رفاعۃ بن رافع ان رسول اللہ ﷺ بینما هو جالس فی المسجد یوما ... فان کان معک قرآن فاقراء والا فاحمد اللہ وکبرہ وھللہ ثم ارکع فاطمن راکعاً ثم اعتدل قائماً ثم اسجد فاعتدل ساجداً ثم اجلس فاطمن جالسا ثم قم فاذا فعلت ذلك فقد تمت صلوٰۃک وان انتقضت منه شیئا انتقضت من صلوٰۃک (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) اس حدیث میں (۱) قرأت (۲) رکوع (۳) سجدہ (۴) اور تشهد میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ ان میں سے کسی چیز کی رہ گئی تو تمہاری نماز میں کمی رہ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قعدہ اخیرہ تشهد کی مقدار فرض ہے (۲) ترمذی کے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس کے اخیر میں یہ جملہ ہے ثم ارفع حتی تطمنن جالسا وافعل ذلك فی صلوٰۃک کلماً (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء وصف الصلوٰۃ ص ۶۷ نمبر ۳۰۳) اس سے بھی معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے (۳) ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے وان رسول اللہ ﷺ اخذ بید عبد اللہ بن مسعود فعلمہ التشہد فی الصلوٰۃ فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا اوقضیت هذا فقد قضیت صلوٰۃک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد (ج) (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تشهد کی مقدار بیٹھنے کا تو نماز پوری ہوگی ورنہ نہیں (۴) آپؐ نے کوئی بھی نماز بغیر تشهد کی مقدار بیٹھے ہوئے پوری نہیں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشهد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے (۵) عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوٰۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوٰۃہ ومن کان خلفہ ممن اتم الصلوٰۃ (د) (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قعدہ اخیرہ فرض ہے۔

[۷۷۱] (۷) اور جو ان سے زیادہ ہو وہ سنت ہے۔

**تشریح** مصنف نے ان کے علاوہ کو سنت کہا ہے حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجب بھی ہیں۔ لیکن سب کو سنت اس لئے کہا کہ وہ سنت اور

حاشیہ : (الف) حضور مسجد میں ایک دن بیٹھے ہوئے تھے... آپؐ نے فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کچھ قرآن ہو تو اس کو پڑھو ورنہ اللہ کی تحمید کرو، بکبیر کرو اور تہلیل کرو۔ پھر اطمینان سے رکوع کرد پھر پورے کھڑے ہو جاؤ پھر سجدہ کرو اور پورے اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر بیٹھ جاؤ اور پورے اطمینان سے بیٹھو پھر کھڑے ہو جاؤ۔ پس جب تم نے اتنا کیا تو نماز پوری کر لی اور ان میں سے کچھ کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ گئی (ب) پھر سر سجدے سے اٹھائیں یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جائیں اور یہ چیزیں اپنی تمام نمازوں میں کریں (ج) آپؐ نے عبداللہ بن مسعود کا ہاتھ پکڑا پھر ان کو نماز کی تشهد سکھائی (پس حضرت اعمش کی حدیث کی طرح دعا کا ذکر کیا) پھر آپؐ نے فرمایا جب تم نے تشهد کہہ لیا یا ادا کر لیا تو اپنی نماز پوری کر لی۔ اس لئے اگر اٹھنا چاہیں تو اٹھ جائیں اور اگر بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ جائیں (د) آپؐ نے فرمایا اگر امام نے نماز پوری کر لی اور بیٹھ گیا پھر بات کرنے سے پہلے حدیث ہو گیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ اور جو اس کے پیچھے ہیں ان کی نماز بھی پوری ہو گئی۔

[۸۷] (۸) واذا دخل الرجل في صلوته كبر [۹۷] (۹) ورفع يديه مع التكبير حتى يحاذي بابهاميه شحمتي اذنيه.

حدیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے ان کو سنت کہا ہے۔ ورنہ اس میں کچھ واجبات بھی ہیں۔ مثلاً (۱) قرأت فاتحہ (۲) سورۃ ملانا (۳) مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا (۴) قعدہ اولیٰ (۵) قعدہ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (۶) جن رکعتوں میں قرأت جہری ہے اس کو جہری پڑھنا اور جن رکعتوں میں سری ہے اس کو سری پڑھنا (۷) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (۸) تکبیرات عیدین، یہ سب واجبات ہیں۔ [۸۷] (۸) اگر آدمی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔

**تشریح** تحریمہ باندھتے وقت تکبیر کہے۔ کیونکہ آیت میں ہے وربک فکبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس لئے تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر کہے۔ مسئلہ نمبر ۱۱ میں حدیث گزری جس میں تھا وتحریمها التکبیر اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔ **نوٹ** امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر داخل نماز نہیں ہے بلکہ وہ شرائط نماز میں سے ہے۔ کیونکہ آیت میں ہے وذكر اسم ربہ فصلی (الف) (آیت ۱۵ سورۃ الاعلیٰ ۱۸) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ذکر پہلے ہوگا تکبیر پہلے ہوگی پھر نماز ہوگی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک وہ داخل نماز اور فرائض نماز میں سے ہے۔ اس لئے ان کے تمام شرائط وہی ہیں جو نماز کے لئے ہیں۔ [۸۷] (۹) دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھوں کو کان کی لو کے مد مقابل کر دے۔

**تشریح** تکبیر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائے۔

**مجہد** حدیث میں دونوں طریقہ ہیں یعنی پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اور یہ بھی ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔ حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے تاکہ عمل سے بھی اللہ کے علاوہ کا انکار ہو جائے پھر تکبیر کہے تاکہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہو جائے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام للصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر (ب) (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیر الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰ ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے تو بہتر ہے۔ اور اگر پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے۔ انہ رأی مالک بن الحویث اذا صلی کبر ثم رفع يديه ... وحدث ان رسول الله ﷺ كان يفعل هكذا (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیر الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱ ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الصلوة ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۶) اس حدیث میں پہلے تکبیر کہی پھر ہاتھ اٹھائے۔

ہاتھ کان کی لو تک اٹھائے اس طرح کہ انگلیاں کان کی لو کے مد مقابل ہوں اور باقی ہاتھ گلے اور مونڈھے کے قریب ہوتا کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔ کان کی لو تک انگلیاں رکھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن مالک بن الحویث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع

حاشیہ : (الف) اپنے رب کا نام ذکر کرو پھر نماز پڑھو (ب) آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو مونڈھے کے برابر اٹھاتے پھر تکبیر کہتے۔

یدیدہ حتی یحاذی بہما اذنیہ (الف) (مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذوا لمنکبین ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱) ای کے آگے حدیث میں ہے عن قتادة بهذا الاسناد انه رأى نبی اللہ ﷺ وقال حتی یحاذی بہما فروع اذنیہ (ب) (مسلم شریف ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۱) عن وائل بن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین افتتح الصلوة رفع یدیدہ حیال اذنیہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین کی آخری حدیث ہے ص ۱۱۲ نمبر ۷۲۸) ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کے وقت ہاتھ کان کی لوتک مرد اٹھائے گا۔ مونڈھے تک اٹھانے کی جو حدیث ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے ہے۔ اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن وائل بن حجر قال قال رسول اللہ ﷺ یا ابن حجر اذا صلیت فاجعل یدیک حذاء اذنیک والمرأة تجعل یدہا حذاء ثدیہا (د) (رواہ الطبرانی، اعلاء السنن، باب افتراض التحریم وسننہاج ثانی ص ۱۸۱) اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں آیا کہ وہ اپنے پستان تک ہاتھ اٹھائے۔ کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ستر کی چیز ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہاتھ مونڈھے تک اٹھائیں گے۔ ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ ان رسول اللہ وکان یرفع یدیدہ حذو منکبہ اذا افتتح الصلوة (ہ) (بخاری شریف، باب رفع الیدین فی التکبیر الاولی ص ۱۰۲ نمبر ۳۵) مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو لمنکبین ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھاتے تھے۔ حنفیہ اس طرح عمل کرتے ہیں کہ تمام احادیث پر عمل باجائے۔

**نکتہ** ابھام : انگوٹھا، شحمہ کان کا زما، کان کی لو۔

**نوٹ** رکوع کے وقت میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ حنفیہ اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس کے خلاف حدیث موجود ہے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی نگاہ قوموا للہ قانتین (و) کی طرف گئی ہے۔ اس لئے دوسری احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے (۱) قال عبد اللہ بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول اللہ ﷺ فلم یرفع یدیدہ الا فی اول مرة (ز) (ترمذی شریف، باب ان النبی لم یرفع الا فی اول مرة ص ۵۹ نمبر ۲۵۷) عن البراء ان رسول اللہ ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیدہ الی قریب من اذنیہ ثم لا یعود (ح) (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الركوع ص ۱۱۶ نمبر ۳۹) نسائی شریف، باب رفع الیدین حذو لمنکبین عند الرفع من الركوع والرنصہ فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدی کے چھوڑنے کی گنجائش ہے فائدہ امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا قام فی الصلوة رفع یدیدہ حتی

حاشیہ : (الف) آپؐ جب تکبیر کہتے تو دونوں ہاتھوں کو کان کے برابر اٹھاتے (ب) صحابی نے حضور کو دیکھا اور فرمایا ہاتھ کو کان کی لو کے برابر اٹھاتے (ج) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ جب انہوں نے نماز شروع کی تو دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھایا (د) آپؐ نے فرمایا اے ابن حجر! جب تم نماز پڑھو تو اپنے ہاتھوں کو کان کے برابر کرو۔ اور عورت اپنے ہاتھوں کو پستان کے برابر کریں (ہ) آپؐ اپنے ہاتھوں کو مونڈھے کے برابر اٹھایا کرتے تھے جب نماز شروع کرتے (و) اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو یا عاجزی سے کھڑے رہو (ز) عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا۔ کیا میں تم لوگوں کو حضورؐ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پھر نماز پڑھائی اور ہاتھ نہیں اٹھائے مگر پہلی مرتبہ (ح) حضورؐ جب نماز شروع کرتے تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاتے پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے۔

[۱۸۰] (۱۰) فان قال بدلا من التكبير الله اجل او اعظم او الرحمن اكبر اجزاه عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالى وقال ابو یوسف رحمه الله تعالى لا يجوز الا ان يقول

تكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع و يفعل ذلك اذا رفع رأسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلك في السجود (الف) (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا كبر واذا ركع واذا رفع ص ۱۰۲ نمبر ۳۶۷/مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنكبين مع تكبيرة الاحرام والركوع وفي الرفع من الركوع وانه لا يفعله اذا رفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰) اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔ اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

[۱۸۰] (۱۰) اگر اللہ کے بجائے اللہ اجل کہا یا اللہ اعظم کہا یا الرحمن الاکبر کہا تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر یہ کہ کہے اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر۔

**تشریح** امام طرفین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ کی تعظیم کا کوئی بھی کلمہ کہے گا اور تحریمہ باندھے گا تو کافی ہو جائے گا بشرطیکہ تعظیم کا کلمہ ہو۔ استغفار وغیرہ نہ ہو۔ البتہ تکبیر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے تحریمہ باندھنا مکروہ ہے۔

**وجہ** آیت میں ہے و ذکر اسم ربہ فصلی (آیت ۵۱ سورۃ الاعلیٰ ۸۷) آیت سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے اللہ کا کوئی بھی نام لے، چاہے وہ تکبیر ہو یا تعظیم کا کوئی کلمہ (۲) آیت میں ہے و ربک فکبر (ب) (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل مقصود اللہ کی تعظیم کرنا ہے چاہے کوئی بھی کلمہ ہو (۳) حدیث میں ہے عن ابی سعید خدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الى الصلوة باللیل کبر (ج) (ترمذی شریف، باب ما یقول عند افتتاح الصلوة ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔ اس لئے کسی بھی کلمات سے تعظیم کرنا کافی ہوگا۔

**فائدہ** امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک خاص طور پر اللہ اکبر اور اللہ الاکبر اور اللہ الکبیر کہنا ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ یہی کلمات حدیث میں تکبیر تحریمہ کے لئے آئے ہیں۔ سمعت ابا حمید الساعدی یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الى الصلوة استقبال القبلة و رفع یدیه و قال اللہ اکبر (د) (ابن ماجہ شریف، باب افتتاح الصلوة ص ۱۱۴ نمبر ۸۰۳، ابواب اقامۃ الصلوة رترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوة، باب منہ ص ۶۶ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں خاص اللہ اکبر کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کلمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ہوگا۔ اللہ الاکبر میں اور اللہ الکبیر میں زیادہ مبالغہ ہے اس لئے ان دونوں کلمے سے بھی تحریمہ ادا ہو جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حضور جب نماز میں کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ ہو جاتے موٹھوں کے قریب۔ اور ایسا ہی کرتے جس وقت رکوع کے لئے تکبیر کہتے۔ اور ایسا ہی کرتے جب رکوع سے سر اٹھاتے۔ اور سبح اللہ لمن حمدہ کہتے اور رفع یدین سجدہ میں نہیں کرتے (ب) اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے (ج) آپ جب نماز کے لئے رات میں کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے (د) حضور جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو قبلہ کا استقبال کرتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔

اللہ اکبر واللہ الاکبر واللہ الکبیر [۱۸۱] (۱۱) ويعتمد بيده اليمنى على اليسرى

[۱۸۱] (۱۱) اور پکڑے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر اور دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔

**تشریح** حدیث میں یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔ اور یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لے۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔ تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

**حجہ** (۱) عن وائل بن حجر انه رأى النبي ﷺ ... ثم وضع يده اليمنى على اليسرى (الف) (مسلم شریف، باب وضع يده اليمنى على اليسرى ص ۳۷ نمبر ۴۰۱۰ ابوداؤد شریف، باب وضع اليمنى على اليسرى ص ۱۱۷ نمبر ۵۵۵ بخاری شریف، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلوة نمبر ۷۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے (۲) قبيضة بن هلب عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ يؤمننا فيأخذ شماله بيمينه (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال في الصلوة ص ۵۹ نمبر ۲۵۲ نسائی شریف، باب وضع اليمين على الشمال في الصلوة ص ۱۲۳ نمبر ۸۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہئے۔ اس لئے حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا۔ اور ناف کے نیچے رکھنے کی حدیث یہ ہے (۳) عن علي قال ان من السنة في الصلوة وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة (ج) (ابوداؤد شریف، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلوة ص ۱۱۷ نمبر ۵۶۶ دارقطنی، باب في اخذ الشمال باليمين في الصلوة ج اول ص ۲۸۹ نمبر ۱۰۸۹ سنن للبيهقي، باب وضع اليمين على الصدر في الصلوة من السنة ج ثاني ص ۲۸ نمبر ۲۳۴۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھنا چاہئے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ سینے پر رکھنا سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن وائل انه رأى النبي ﷺ وضع يمينه على شماله ثم وضعها على صدره (د) (ابوداؤد شریف، باب وضع اليمنى على اليسرى في الصلوة ص ۱۱۷ نمبر ۵۹۹ سنن للبيهقي، باب وضع اليمين على الصدر في الصلوة من السنة ج ثاني ص ۲۶ نمبر ۲۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سینے پر رکھنا چاہئے۔

**نوٹ** امام ترمذیؒ نے بہترین فیصلہ فرمایا ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے۔ وراى بعضهم ان يضعها فوق السرة وراى بعضهم ان يضعها تحت السرة وكل ذلك واسع عندهم (ه) (ترمذی شریف، باب ماجاء في وضع اليمين على الشمال في الصلوة ص ۵۹ نمبر ۲۵۲)

**نوٹ** قیام میں جہاں جہاں ذکر مسنون ہے وہاں وہاں ہاتھ باندھنا بہتر ہے۔ اور جہاں جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں وہاں ہاتھ چھوڑنا

حاشیہ : (الف) وائل بن حجر نے حضور کو دیکھا... پھر اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا (ب) آپؐ ہماری امامت کرتے تو بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتے (ج) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ نماز میں سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھے ناف کے نیچے (د) حضورؐ نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا پھر ان دونوں کو اپنے سینے پر رکھا (ه) بعض علماء کی رائے ہے کہ دونوں ہاتھوں کو ناف کے اوپر رکھے اور بعض کی رائے ہے کہ ان دونوں کو ناف کے نیچے رکھے۔ اور علماء کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کی گنجائش ہے۔

ویضعها تحت السرة [۱۸۲] (۱۲) ثم يقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک [۱۸۳] (۱۳) ويستعید بالله من الشیطان الرجیم

منون ہے۔

**نکات** ملتئم : پڑیگا، السرة : ناف۔

[۱۸۲] (۱۲) تحریمہ باندھنے کے بعد پڑھے سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک **تشریح** تحریمہ باندھنے کے بعد اور بھی بہت سی دعائیں منقول ہیں۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک سبحانک اللهم الخ پڑھنا زیادہ بہتر ہے **حجہ** یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوة باللیل کبر ثم يقول سبحانک اللهم الخ (الف) (ترمذی شریف، باب ما یقول عند افتتاح الصلوة ص ۵۷ نمبر ۲۳۲ ابوداؤد شریف، باب من رأى الاستفتاح یسبحک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبحانک اللهم الخ پڑھنا چاہئے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک اللهم وجهت وجهی الخ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اس کا ثبوت یہ حدیث ہے عن علی بن ابی طالب قال کان رسول اللہ اذا قام الی الصلوة کبر ثم قال وجهت وجهی الخ (ب) (ابوداؤد شریف، باب ما یستفتح بہ الصلوة من الدعاء ص ۱۱۷ نمبر ۷۶۰) امام ابو یوسف ان دونوں احادیث کی وجہ سے دونوں دعاؤں کے ملانے کے قائل ہیں۔ [۱۸۳] (۱۳) اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے۔

**حجہ** آیت میں ہے فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم (ج) (آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔ عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قام الی الصلوة ثم يقول اعوذ باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم (ترمذی شریف، باب ما یقول عند افتتاح الصلوة ص ۵۷ نمبر ۲۳۲) اسی لئے حنفیہ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت قرآن کی سنت ہے۔ ثنائی سنت نہیں ہے اس لئے ہر رکعت میں قرأت قرآن سے اعوذ باللہ الخ اور بسم اللہ الخ پڑھے جائیں گے۔ بسم اللہ الخ پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلواتہ بسم اللہ الرحمن الرحیم (د) (ترمذی شریف، باب من رأى النبی ﷺ یفتتح بسم اللہ الرحمن الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔ لیکن اس میں یہ تذکرہ نہیں ہے کہ زور سے پڑھنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور بسم اللہ تو پڑھتے ہوں لیکن آہستہ پڑھتے ہوں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن مغفل قال سمعی ابی والافی الصلوة اقول بسم اللہ الرحمن الرحیم فقال لی ای بنی محدث ایاک والحدث ... وقال وقد صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم

حاشیہ : (الف) آپ جب رات میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر سبحانک اللهم الخ کہتے (ب) آپ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے پھر وجہت وجهی الخ پڑھتے (ج) جب قرآن پڑھتے تو اعوذ باللہ پڑھتے (د) آپ اپنی نماز کو بسم اللہ سے شروع فرماتے۔



ویقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ویسر بهما [۱۸۴] (۱۴) ثم یقرأ فاتحة الكتاب

اسمع احدا منهم یقولها فلا تقلها، اذا انت صلیت فقل الحمد لله رب العالمین (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک الجهر بسم اللہ الرحمان الرحیم ص ۵ نمبر ۲۴۴ بخاری شریف، باب ما یقول بعد التسمیر ص ۱۰۳ نمبر ۴۳۳ مسلم شریف، باب حجة من قال لا تحمّر بالبسملة ص ۲ نمبر ۳۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔

**نوٹ** یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ الحمد للہ یا دوسری سورتوں کا جز نہیں ہے ورنہ بسم اللہ زور سے پڑھتے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ زور سے پڑھی جائے گی۔ کیوں کہ وہ بسم اللہ کو الحمد کا جز مانتے ہیں اور سورت کا بھی جز مانتے ہیں۔ ان کی دلیل کی حدیث اوپر گزری (۲) عن انس بن مالک قال بینا رسول اللہ ذات یوم بین اظہرنا اذا غفی اغفاءة ثم رفع رأسه متبسما فقلنا ما اضحکک یا رسول اللہ قال انزلت علی انفا سورة فقرء بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اعطیناک الکوثر الخ (ب) (مسلم شریف، باب حجة من قال البسملة آیت من اول کل سورة سوی برائے ص ۲ نمبر ۴۰۰ ابوداؤد شریف، باب ماجاء من جهر بسم اللہ ص ۱۲ نمبر ۷۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے۔ اس لئے اس کو جہری نماز میں جہر سے پڑھنا چاہئے۔ اس سے بھی واضح دلیل دارقطنیؒ میں ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم (ج) (دارقطنی، باب وجوب قراءة بسم اللہ الرحمن الرحیم ج اول ص ۳۰۸ نمبر ۱۱۴) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کو جہری نماز میں جہری پڑھنا چاہئے۔

**نوٹ** بسم اللہ ہر سورۃ سے پہلے آہستہ سے پڑھ لے تو بہتر ہے تاکہ اختلاف سے بچ جائے اور احتیاط پر عمل ہو جائے۔

[۱۸۴] (۱۴) پھر سورۃ فاتحہ پڑھے۔

**تشریح** حنفیہ کے نزدیک قرآن کی کسی جگہ سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اگر اتنا بھی نہیں پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اس پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر نہیں پڑھے گا تو کمی رہ جائے گی اور جہدہ سہو کرنا پڑے گا۔

**مجموعہ** (۱) کہیں سے بھی قرآن پڑھنے کی فرضیت کی دلیل یہ آیت ہے فاقراء ما تیسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) (۲) حدیث میں ہے عن ابن سعید قال امرنا ان تقراء بفاتحة الكتاب وما تیسر (د) (ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءة (الفاتحة) فی صلوٰۃ بفاتحة الكتاب، ص ۱۲۵ نمبر ۸۱۸ نسائی شریف، باب ایجاب قراءة فاتحة الكتاب فی الصلوة ص ۱۰۵ نمبر ۹۱۲) (۳) بخاری شریف میں ہے آپؐ نے اس دیہاتی سے فرمایا جس نے جلدی جلدی نماز پڑھی ثم اقرء ما تیسر معک من القرآن (ہ) (بخاری

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے سنا کہ میں نماز میں بسم اللہ پڑھ رہا ہوں تو میرے باپ نے کہا کہ اے میرے بیٹے یہ نئی ایجاد کرنے سے بچو... اور فرمایا میں نے حضورؐ، ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے ساتھ نماز پڑھی کسی نے نہیں سنا کہ وہ بسم اللہ زور سے کہتے ہوں۔ اس لئے اس کو مت کہا کرو۔ جب تم نماز پڑھو تو الحمد للہ الخ کہو (ب) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن ہمارے درمیان حضورؐ تھے۔ اچانک آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی۔ پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! آپؐ کو کس چیز نے ہنسایا؟ آپؐ نے فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورۃ نازل ہوئی ہے۔ پھر آپؐ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انا اعطینا کالکوثر پڑھی (ج) آپؐ بسم اللہ کو زور سے پڑھتے تھے (د) ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ہم کو حکم دیا کہ فاتحہ پڑھیں اور قرآن میں جو آسان ہو وہ پڑھیں (ہ) پھر پڑھو جو تمہارے پاس قرآن میں سے آسان ہو۔

[۱۸۵] (۱۵) وسورة معها او ثلاث آیات من ای سورة شاء [۱۸۶] (۱۶) واذا قال الامام

شریف، باب وجوب القراءة للامام والمأموم فی الصلوة کما ص ۱۰۵ نمبر ۵۷۷ / مسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ص ۱۷۰ نمبر ۳۹۷ / اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کا پڑھنا فرض ہے۔ چاہے سورۃ فاتحہ کے علاوہ ہو۔

سورۃ فاتحہ واجب ہونے کی دلیل (۴) عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب (الف) (بخاری شریف، باب وجوب القراءة للامام والمأموم فی الصلوة کما ص ۱۰۴ نمبر ۵۶۷ / مسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ نہیں پڑھیں گے تو کسی رہ جائے گی۔ حدیث میں ہے (۵) عن ابی هريرة عن النبي ﷺ قال من صلى صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهي خداج ثلاثا غير تمام (ب) (مسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۵ / ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءة فی صلوة ص ۱۲۵ نمبر ۸۲۱) فہی خداج کا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ چھوڑنے سے نماز میں کمی رہ جائے گی اور اس کا اتمام سجدہ سے کرنا پڑے گا۔

**فائدہ** امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی احادیث ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت اور اس مسئلہ کی حدیث نمبر ۱۲ اور ۳ کو ملائیں تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ جس کے قائل ہم بھی ہیں۔

[۱۸۵] (۱۵) اور سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائے یا تین آیتیں جس سورۃ سے بھی ہو۔

**تشریح** سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی چھوٹی سورت یا کسی سورت کی تین آیتیں ملانا واجب ہے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ ... ولا صلوة لمن لم يقرأ بالحمد و سورة في فريضة او غيرها (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوة وتخلیها ص ۵۵ نمبر ۲۳۸) اس حدیث میں وسورۃ فی فريضة سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کی طرح سورۃ ملانا بھی واجب ہے۔ (۲) ابوداؤد شریف وغیرہ میں نماز ظہر، عصر، مغرب اور فجر میں کون کون سی سورۃ پڑھتے تھے اس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سورۃ کا ملانا واجب ہے۔ تفصیل ابوداؤد، باب قدر القراءة فی صلوة الظهر والعصر، باب قدر القراءة فی المغرب ص ۱۲۳ نمبر ۷۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی القراءة فی الصبح ص ۶۷ نمبر ۳۰۶) [۱۸۶] (۱۶) اور جب امام کہے ولا الضالین تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے اور اس کو آہستہ کہے۔

**تشریح** امام سورۃ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔ لیکن دونوں آمین آہستہ کہے۔

**وجہ** (۱) عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ اذا امن الامام فامينوا فانه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وقال ابن شهاب وكان رسول الله ﷺ يقول آمين (د) (بخاری شریف، باب جهر الامام بالتأمين ص ۱۰۷ نمبر ۸۰ / مسلم

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا ان کی نماز ہی نہیں ہوئی جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے نماز پڑھی اور اس میں ام القرآن یعنی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی تو وہ ناقص ہے۔ تین مرتبہ یہ مکمل نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا اس کی نماز نہیں ہوگی جس نے الحمد نہیں پڑھی اور سورۃ نہیں ملائی فرض نماز میں ہو یا اس کے علاوہ میں ہو (د) آپؐ نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اس لئے کہ جس کی آمین فرشتے کی آمین کے موافق ہو جائے گی اس (باقی اگلے صفحہ پر)

ولا الضالین قال آمین ویقولها المأتم ویخفیها [۱۸۷] (۱۷) ثم یکبر یرکع [۱۸۸] (۱۸) ویعتمد بیدیه علی رکتیه ویفرج اصابعه ویبسط ظهره ولا یرفع رأسه ولا

شریف، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۷۶ نمبر ۴۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین کہے۔ اور آہستہ آمین کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) حضرت امام اعظم کی نگاہ اس بات کی طرف گئی کہ آمین دعا ہے اور نماز میں قرأت کے علاوہ جتنی دعائیں کی جاتی ہیں سب آہستہ ہیں۔ اس لئے آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے۔ چنانچہ حضرت نے آہستہ والی حدیث پر عمل کیا۔ آداب دعا یہ ہیں کہ گڑگڑا کر آہستہ کی جائے۔ آیت یہ ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة انه لا یحب المعتدین (الف) (آیت ۵۵ سورۃ الاعراف) (۲) حدیث میں بھی ہے عن علقمة بن وائل عن ابیہ ان النبی ﷺ قرء غیر المغضوب علیہم ولا الضالین فقال آمین وخفض بها صوتہ (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التأمین ص ۵۸ نمبر ۲۴۸، دارقطنی، باب التأمین فی الصلوة بعد فاتحۃ الكتاب والجمہر بہا، ج اول، ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے۔ بخاری، مسلم وغیرہ میں زور سے آمین کہنے کی باضابطہ حدیث نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کی نزدیک آمین زور سے کہنا بہتر ہے۔ ان کی دلیل (۱) اوپر کی حدیث سے امام بخاری اور امام مسلم نے استدلال کیا ہے کہ زور سے آمین کہے (اگرچہ اس میں زور کا لفظ نہیں ہے) (۲) عن ابی ہریرۃ قال ترک الناس التأمین وکان رسول اللہ اذا قال غیر المغضوب علیہم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعہا اهل الصف الاول فیرتج بہا المسجد (ج) (ابن ماجہ شریف، باب الجمہر بآمین ص ۱۲۱، نمبر ۸۵۳، دارقطنی، باب التأمین فی الصلوة ج اول ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین زور سے کہنا چاہئے۔ لیکن خود ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے زور سے آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔

یہ استحباب کا اختلاف ہے۔ کوئی زور سے آمین کہتا ہو تو اس پر تکبیر نہیں کرنا چاہئے۔

[۱۸۷] (۱۷) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔

حدیث میں ہے کہ آپؐ رکوع اور سجدے میں تکبیر کہتے سمع ابا ہریرۃ یقول کان رسول اللہ ﷺ اذا اقام الی الصلوة یکبر حین یقوم ثم یکبر حین یرکع (د) (بخاری شریف، باب التکبیر اذا اقام من السجود ص ۱۰۹ نمبر ۷۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے۔

[۱۸۸] (۱۸) دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پر نیچے اور انگلیوں کو کشادہ کرے اور پیٹھ کو برابر کرے، سر کو نہ اٹھائے نہ زیادہ جھکائے۔

رکوع میں ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے جیسے اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہو۔ اور انگلیوں کو گھٹنے پر پھیلائے ہوئے رکھے۔ پیٹھ کو

حاشیہ: (پچھلے صفحے آگے) کے لئے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ حضورؐ آمین کہا کرتے تھے (الف) اپنے رب کو گڑگڑا کر آہستہ سے پکارو۔ وہ حد سے زیادہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے (ب) آپؐ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا اور آمین کہا اور اس کے ساتھ آواز آہستہ کی (ج) آپؐ جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتے تو آمین کہتے۔ پہلی صف والے اس کو سنتے اور مسجد گونج اٹھتی (د) آپؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے جب کھڑے ہوتے۔ پھر تکبیر کہتے جب رکوع میں جاتے۔

ینکسہ [۱۸۹] (۱۹) ویقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلاثا وذلک ادناه [۱۹۰] (۲۰) ثم یرفع رأسه ویقول سمع اللہ لمن حمدہ ویقول المؤمن ربنا لک الحمد

سرین کے برابر رکھے۔ سرکونہ زیادہ جھکائے اور نہ پیٹھ سے اٹھا کر رکھے۔ بلکہ پیٹھ کے برابر رکھے۔

**ترجمہ** (۱) یہ حدیث ہے فذکروا صلوة رسول اللہ ﷺ فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة رسول اللہ ﷺ ان رسول اللہ ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکتیه کانه قابض علیہما ووتر یدیه ففاحما عن جنبیه (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء یجانی یدیعن جنبیه فی الركوع ص ۶۰ نمبر ۲۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے کہ کمان کی رسی کی طرح معلوم ہو (۲) حدیث میں ہے عن ابی حمید الساعدی قال کان النبی ﷺ اذا رکع اعتدل فلم ی نصب رأسه ولم یقنعه ووضع یدیه علی رکتیه (ب) (نسائی شریف، باب الاعتدال فی الركوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰ ابوداؤد شریف، بان صلوة من لا یتقیم صلبہ فی الركوع والسمو ص ۱۳۲ نمبر ۸۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں نہ سر کو سرین کے برابر رکھے نہ جھکائے اور نہ زیادہ اٹھائے۔

**لغت** لائنکسہ : نہ زیادہ جھکائے۔

[۱۸۹] (۱۹) اور رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہے۔

**تشریح** کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے۔ اس سے زیادہ بھی کہہ سکتا ہے۔ لیکن طاق مرتبہ کہنا افضل ہے۔

**ترجمہ** عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال اذا رکع احدکم فقال رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلاث مرات فقد تم رکوعہ وذلک ادناه (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التبیح فی الركوع والسمو ص ۶۰ نمبر ۲۶۱ ابوداؤد شریف، باب ما یقول الرجل فی رکوعہ سجودہ ص ۱۳۳ نمبر ۸۷۰)

[۱۹۰] (۲۰) پھر اپنے سر کو اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔

**تشریح** امام ابوحنیفہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللہم ربنا لک الحمد (د) (بخاری شریف، باب فضل اللہم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ ترمذی شریف، باب آخر و باب ما یقول الرجل اذا رفع رأسہ ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ اللہ منفرد ہو تو چونکہ وہ امام اور مقتدی دونوں ہے اس لئے وہ دونوں کہے گا۔

حاشیہ : (الف) کچھ صحابہ نے حضور کی نماز کا تذکرہ کیا تو ابو حیدر ساعدی نے فرمایا میں آپ کو حضور کی نماز بتاتا ہوں۔ حضور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے گویا کہ ان کو پکڑے ہوئے ہیں۔ اور دونوں ہاتھوں کو کمان کی رسی کی طرح بناتے۔ اور دونوں ہاتھوں کو پہلو سے الگ رکھتے (ب) حضور جب رکوع کرتے تو سر کو براہم رکھتے نہ سر کو اونچا اٹھاتے نہ اندھنیچے جھکاتے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھتے (ج) نبی نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے تو اس کا رکوع پورا ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے (د) آپ نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم لوگ اللہم ربنا لک الحمد کہو۔

[۱۹۱] (۲۱) فاذا استوى قائما كبر و سجد [۱۹۲] (۲۲) واعتمد بيديه على الارض و

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک امام دونوں کلمے کہے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ قال اللہم لک الحمد (الف) (بخاری شریف، باب ما یقول الامام ومن خلفہ اذا رفع رأسہ من الركوع ص ۱۰۹ نمبر ۹۵) ترمذی شریف، باب ما یقول الرجل اذا رفع رأسہ من الركوع ص ۶۱، نمبر ۲۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں کہے گا۔

**نوٹ** دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے صاحبین فرماتے ہیں کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے۔

[۱۹۱] (۲۱) پس جب کہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

**تشریح** امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اطمینان سے کھڑا ہونا جس کو تعدیل ارکان کہتے ہیں واجب ہے۔

**مذہب** حدیث میں ہے عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجزئ صلوۃ لا یقیم الرجل فیہا صلبہ فی الركوع و فی السجود (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی من لا یتقیم صلبہ فی الركوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵) ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یتقیم صلبہ فی الركوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵) بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتیم رکوعہ بالا عاۃ ص ۱۰۹ نمبر ۹۳) ان احادیث سے امام ابو حنیفہؒ تعدیل الارکان کو واجب کہتے قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں ہوگی۔ کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فرض ہے۔ ان کی دلیل یہی اوپر کی حدیث ہے۔

**نوٹ** امام شافعیؒ کے یہاں فرض کے بعد سیدھا سنت کا درجہ ہے درمیان میں واجب کا درجہ نہیں ہے۔ اس لئے جب کسی حدیث میں تاکید ہوئی ہے تو سیدھا وہ اس کی فرضیت کی طرف جاتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ ہے اس لئے بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے تو فرض ہوتا ہے۔ اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو واجب ہوتا ہے۔ اور اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو سنت ہوتا ہے۔ اسی اصولی فرق کی بنا پر امام ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

**نوٹ** ایک روایت ہے کہ تعدیل ارکان اور قومہ سنت ہیں۔

[۱۹۲] (۲۲) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیکے اور اپنے چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔

**تشریح** سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی اور ناک زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر رکھے اس طرح کہ چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو۔

**مذہب** (۱) حدیث میں ہے۔ قلت للبراء بن عازب این کان النبی ﷺ یضع وجهہ اذا سجد بین کفہ فقا ل بین کفہ

حاشیہ : (الف) آپ جب سبح اللہ لمن حمدہ کہتے تو اللہم ربنا لک الحمد بھی کہتے (ب) آپ نے فرمایا نماز کافی نہیں ہوگی جب تک کہ آدمی رکوع اور سجدہ میں ریڑھ کی ہڈی سیدھی نہ کرے (یعنی اطمینان سے پورے طور پر رکوع اور سجدہ نہ کرے۔

وضع وجهه بین کفیه [۱۹۳] (۲۳) وسجد علی انفه وجبته فان اقتصر علی احدهما  
جاز عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقال لا يجوز الاقتصار علی الانف الا من عذر

(ترمذی شریف، باب ماجاء ان وضع الرجل وجهه اذا سجد ص ۶۲ نمبر ۲۷۱) فی ابوداؤد عن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ عن النبی ﷺ  
فلما سجد وضع جبهته بین کفیه وجافی عن ابیطیہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوة ص ۱۱۲ نمبر ۷۳۶) اس حدیث  
سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے وقت چہرہ ہتھیلی کے درمیان رکھے اور ہتھیلی کو زمین پر رکھ کر دونوں کہنیوں کو زمین سے اونچی رکھیں اور بغل سے علیحدہ  
رکھیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول اللہ ﷺ اذا سجدت فضع کفیک وارفع مرفقیک وفی  
حدیث آخر اذا صلی فرج بین یدیه حتی یدو بیاض ابیطیہ (ب) (مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود وضع الکفین علی الارض  
ص ۱۹۲ نمبر ۳۹۵ بخاری شریف، باب ید ید ضعیفہ ویجانی فی السجود نمبر ۸۰۷)

[۱۹۳] (۲۳) اور سجدہ کرے اپنی ناک پر اور پیشانی پر۔ پس اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کر لیا تو جائز ہے ابو حنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین  
نے فرمایا نہیں جائز ہے اکتفا کرنا ناک پر مگر عذر کی بنا پر

**تشریح** ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا چاہئے۔ لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک پر یعنی صرف ناک پر یا صرف پیشانی پر اکتفا کیا تب بھی  
سجدہ ادا ہو جائے گا۔ البتہ کمی رہ جائے گی۔ لیکن امام صاحبین کے نزدیک پیشانی اصل ہے اس لئے صرف پیشانی پر سجدہ کر لیا تو سجدہ ہو جائیگا۔  
اور اگر صرف ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی پر کوئی عذر نہیں ہے تو سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اصل پر سجدہ نہیں کیا۔ ابو حنیفہؒ کی۔

**ج** (۱) وہ فرماتے ہیں کہ چہرے کو رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا چاہے پیشانی ٹیکے یا ناک ٹیکے سر کا زمین پر رکھنا پایا گیا (۲) چنانچہ حدیث  
میں پیشانی اور ناک دونوں کے رکھنے کا تذکرہ موجود ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد  
علی سبعة اعظم علی الجبهة و اشار بیدہ علی انفہ والیدین والرکتین و اطراف القدمین (ج) (بخاری شریف، باب السجود  
علی الانف ص ۱۱۲ نمبر ۸۱۲ مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنہی عن کفی الشرح ص ۱۹۳ نمبر ۳۹۰ ترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبهة  
والانف ص ۶۱ نمبر ۲۷۱) اس لئے دونوں میں سے ایک پر اکتفا کرنا بھی کافی ہوگا۔

**ج** صاحبین فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اصل پیشانی ہے۔ ناک فرع ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر نہیں ٹکایا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا (۲) بعض  
حدیث میں صرف پیشانی کا تذکرہ ہے۔ عن ابن عباس قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء ولا یکف شعرا  
ولا ثوبا، الجبهة والیدین والرکتین والرجلین (د) (بخاری شریف، باب السجود علی سبعة اعضاء ولا یکف شعرا  
ولا ثوبا، الجبهة والیدین والرکتین والرجلین (د) (بخاری شریف، باب السجود علی سبعة اعضاء ولا یکف شعرا ولا ثوبا، الجبهة والیدین والرکتین والرجلین (د) (بخاری شریف، باب السجود علی سبعة اعضاء ولا یکف شعرا ولا ثوبا، الجبهة والیدین والرکتین والرجلین (د)

حاشیہ : (الف) وائل بن حجر نے بیان فرمایا کہ حضورؐ جب سجدہ کرتے تو اپنی پیشانی کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھتے اور ہاتھوں کو دونوں پہلوؤں سے الگ  
رکھتے (ب) آپؐ نے فرمایا جب سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلی کو رکھو اور دونوں کہنیوں کو اٹھاؤ۔ فی حدیث آخر جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو بغل سے الگ رکھتے یہاں  
تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی (ج) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔ پیشانی پر۔ اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا۔ اور  
دونوں ہاتھوں پر۔ دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں پر (د) نبیؐ کو حکم دیا گیا کہ سات اعضاء پر سجدہ کریں اور نہ بال کو ٹیکیں اور نہ پٹے کو ٹیکیں۔ اور (باقی اگلے صفحہ پر)

[۱۹۴] (۲۴) فان سجد علی کور عمامتہ او علی فاضل ثوبہ جاز [۱۹۵] (۲۵) ویدی  
ضبعیہ ویجافی بطنہ عن فخذیہ [۱۹۶] (۲۶) ویوجہ اصابع رجلیہ نحو القبلة [۲۹۷]

اعضاء السجود انھی عن کف الشترص ۱۹۳ نمبر ۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی اصل ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر سجدہ نہ کرنے سے سجدہ ادا نہ ہوگا۔ اس میں پیشانی کا خاص تذکرہ ہے۔

[۱۹۴] (۲۴) اگر پگڑی کے کنارے پر یا زائد کپڑے پر سجدہ کیا تو جائز ہے۔

**م** حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال کنا نصلی مع النبی ﷺ فیضع احدنا طرف الثوب من شدة الحر فی مکان السجود (الف) (بخاری شریف باب السجود علی الثوب فی شدة الحر ص ۵۶ نمبر ۳۸۵ رسائی شریف، باب السجود علی الثياب ص ۱۲۵ نمبر ۱۱۱۷ الوداد و شریف، باب الرجل یسجد علی ثوبه ص ۱۰۳ نمبر ۶۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

**ن** کور : عمامہ کا بیچ، کنارہ

[۱۹۵] (۲۵) دونوں بغلوں کو کشادہ رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھیں۔

**ن** مرد اس طرح سجدہ کرے کہ بغل پیٹ سے دور رہے۔ اور ران بھی پیٹ سے الگ رہے۔

**م** حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن مالک ابن بحینہ ان رسول اللہ ﷺ کان اذا صلی فرج بین یدیه حتی یدو بیاض ابیطیہ (ب) (بخاری شریف، باب یدو وضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغل کو ران سے اور پیٹ سے اتنا الگ رکھے کہ آدمی پیچھے سے اس کی بغل کی سفیدی دیکھ سکے۔

**ن** عورت سکر کر سجدہ کرے گی۔ یہ اس کے ستر کے لئے بہتر ہے۔

**ن** ضبع : ضبع تشنیہ کا صیغہ ہے بغل، یجافی : دور رکھے۔

[۱۹۶] (۲۶) (سجدہ کی حالت میں) دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ رہیں۔

**م** حدیث میں ہے یستقبل باطراف رجلیہ القبلة قال ابو حمید عن النبی ﷺ (ج) (بخاری شریف، باب یستقبل باطراف رجلیہ القبلة ص ۱۱۲ الخ قال ابو حمید الساعدی انا کنت احفظکم لصلوة رسول اللہ ﷺ فذکر الحديث وفيه واذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیہ القبلة (د) (بخاری شریف، باب سجد

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پیشانی اور دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں (الف) ہم حضور کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم میں سے ایک گرمی کی شدت کی وجہ سے کپڑے کے کنارے کو سجدہ کی جگہ پر رکھتے (ب) آپ جب نماز پڑھتے تو دونوں ہاتھوں کو پہلو سے کشادہ رکھتے یہاں تک کہ بغل کی سفیدی نظر آتی (ج) ابو حمید ساعدی نے حضور کے بارے میں نقل کیا ہے کہ دونوں پاؤں کی انگلیوں سے قبلہ کا استقبال کرے (د) ابو حمید نے فرمایا میں حضور (باقی اگلے صفحہ پر)

(٢٤) ويقول في سجوده سبحانه ربى الاعلى ثلثا وذلك ادناه' ١٩٨] (٢٨) ثم يرفع رأسه ويكبر [١٩٩] (٢٩) واذا اطمئن جالسا كبر وسجد.

الجلوس فی التشهد ص ۱۱۳ نمبر ۸۲۸ سنن للبیہقی، باب ینصب قدمیه ویستقبل باطراف اصابعهما القبلة، ج ثانی، ص ۱۶۷، نمبر ۷۷۱ (۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے۔

**مذہب** عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال ... اذا سجد فقال فی سجودہ سبحان ربی الاعلیٰ ثلث مرات فقد تم سجودہ وذلك ادناہ (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسلیم فی الركوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱/۱ بوداؤد شریف، باب ما یقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ ص ۱۳۳ نمبر ۸۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا چاہئے۔ اور یہ ادنیٰ مرتبہ ہے اس سے زیادہ کہے تو بہتر ہے

**نوٹ** فرض سجدہ صرف سر زمین پر ٹیک دینے سے ادا ہو جائے گا باقی سب سنتیں ہیں۔

[۱۹۸] (۲۸) پھر سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔

**تشریح** تکبیر کہتے ہوئے جلسہ میں پورے اطمینان سے بیٹھے۔

**وجہ** عن انس ... کان رسول اللہ ﷺ اذا قال سمع لمن حمده قام حتى نقول قد اوهم ثم يسجد و يقعد بين السجدين حتى نقول قد اوهم (ب) (مسلم شریف، باب اعتدال ارکان الصلوۃ و تحفیضہا فی تمام ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۳) یعنی آپ دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھتے کہ لوگوں کو خیال ہوتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قومہ میں اطمینان سے بیٹھنا چاہئے۔ ان ہی احادیث کی وجہ سے بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔

**نوٹ** اتنا سرا اٹھایا کہ بیٹھنے کے قریب ہو گیا تو پہلا سجدہ ادا ہو جائے گا۔

[۱۹۹] (۲۹) اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

**دوسرے بچہ کی دلیل** بہت سی احادیث میں ہے مثلاً عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلى ... ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمن جالساً ثم اسجد حتى تطمن ساجداً ثم افعل ذلك في صلوٰتک کلھا (الف) (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتیم رکوعہ بالا عاۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) اس حدیث میں غلطی کرنے

حاشیہ : (پچھلے صفحے آگے) کی نماز تم سے زیادہ یاد رکھے ہوئے ہوں۔ پھر لمبی حدیث ذکر کی اور اس میں ذکر کیا کہ جب آپؐ مسجد کرتے تو دونوں ہاتھوں کو رکھتے نہ بچھاتے ہوئے اور نہ کٹھڑے ہوئے۔ اور پاؤں کی انگلیوں کے کنارے سے قبلہ کا استقبال کرتے (الف) آپؐ نے فرمایا جب مسجد کرے تو مسجدے میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے تو اس کا مسجد پورا ہو گیا اور یہ ادنیٰ مرتبہ ہے (ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم کہتے شاید آپؐ کو وہم ہو گیا۔ پھر مسجد کرتے اور دونوں مسجدوں کے درمیان بیٹھتے یہاں تک کہ ہم کہتے آپؐ کو وہم ہو گیا (یعنی آپؐ اتنی دیر تک قومہ میں کھڑے رہتے اور جلسہ میں بیٹھتے) (الف) آپؐ مسجد میں داخل ہوئے۔ پھر ای آدی داخل ہوا اور نماز پڑھی۔ پھر مسجد کر وہاں تک کہ اطمینان سے مسجد کر پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھو (باقی اگلے صفحہ پر)



[۲۰۰] (۳۰) فاذا اطمئن ساجدا کبر واستوی قائما علی صدور قدمیه ولا یقع ولا یعتمد بیدیه علی الارض. [۲۰۱] (۳۱) ویفعل فی الركعة الثانية مثل ما فعل فی الاولى

والے صحابی کو دوسرا سجدہ کرنے کی بھی تلقین کی ہے۔ اس لئے دوسرا سجدہ بھی فرض ہے جس طرح پہلا سجدہ فرض ہے۔

[۲۰۰] (۳۰) پس جب اطمینان سے سجدہ کر لے تو تکبیر کہے اور دونوں قدموں کے سینے کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور بیٹھے نہیں اور نہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا سہارا لے۔

**تشریح** سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت درمیان میں جلسہ استراحت نہ کرے اور نہ زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہو بلکہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور سیدھا کھڑا ہو جائے۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ قال کان النبی ﷺ ینھض فی الصلوة عن صدور قدمیه (الف) (ترمذی شریف، باب منہ ایضا) (کیف انھوض من السجود) ص ۶۴ نمبر ۲۸۸ سنن للبیہقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیه، ج ثانی، ص ۱۷۹، نمبر ۶۳۷۳) اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بیٹھے نہیں بلکہ پاؤں کے بل کھڑے ہو جاتے (۲) عن محمد بن حجاج اذا نہض علی رکتیه واعتمد علی فخذیه (ب) (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوة ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ **فائدہ** امام شافعیؒ کے یہاں سجدہ اخیرہ کے بعد جلسہ استراحت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے اخبرنی مالک بن الحویرث اللیثی انه رأى النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی وتر من صلواته لم ینھض حتی یستوی قاعدا (ج) (بخاری شریف، من استوی قاعدا فی وتر من صلواته ثم نہض ص ۱۱۳ نمبر ۸۲۳ ترمذی شریف، باب کیف انھوض من السجود ص ۶۴ نمبر ۲۸۷) (۲) جاءنا مالک بن الحویرث ... واذا رفع رأسه عن السجدة الثانية جلس واعتمد علی الارض ثم قام (د) (بخاری شریف، باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الركعة ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جلسہ استراحت سنت ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بڑھاپے کے وقت کیا ہے۔ تاہم کوئی جلسہ استراحت کرے گا تو سجدہ سہولاً لازم نہیں ہوگا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے۔

**نکتہ** صدور قدمیه : قدم کے اوپر کا حصہ جس کے بل پر آدمی کھڑا ہوتا ہے۔

[۲۰۱] (۳۱) دوسری رکعت میں وہی کرے جو پہلی رکعت میں کیا جاتا ہے مگر یہ کہ ثانیہ پڑھے اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

**حجہ** ثنائی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح اعوذ باللہ بھی پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے دوسری رکعت میں یہ دونوں نہ پڑھے۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ اطمینان سے سجدہ کرو۔ پھر ایسا ہی تمام نمازوں میں کرو (الف) آپ نماز میں کھڑے ہوتے دونوں قدموں کے سینے پر (یعنی سیدھے کھڑے ہو جاتے) (ب) محمد بن حجاج سے روایت ہے کہ آپ ﷺ جب کھڑے ہوتے تو دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہوتے اور دونوں رانوں پر ٹیک لگاتے (ج) آپ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز کی طاق رکعت ہوتی تو نہیں کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ٹھیک سے بیٹھ جاتے (د) جب دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھ جاتے اور زمین پر ٹیک لگاتے پھر کھڑے ہوتے۔

الا انه لا يستفتح ولا يتعوذ [۲۰۲] (۳۲) ولا يرفع يديه الا في التكبيرة الاولى [۲۰۳]  
(۳۳) فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية في الركعة الثانية افترش رجله اليسرى فجلس

**نوٹ** دوسری رکعت میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے گا۔ کیونکہ قرأت سے پہلے بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال كان النبي ﷺ يفتح صلواته بسم الله الرحمن الرحيم (ترمذی شریف، باب من رأى الجهر بسم الله الرحمن الرحيم ص نمبر ۲۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت کو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرنا چاہئے (دارقطنی نمبر ۱۱۳۳ میں بھی ہے) [۲۰۲] (۳۲) ہاتھ نہیں اٹھائے گا مگر تکبیر اولی کے وقت۔

**تشریح** حنفیہ کے نزدیک تکبیر اولی کے علاوہ میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ نہ رکوع سے اٹھتے وقت اور نہ دوسری رکعت شروع کرتے وقت۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۹ میں نوٹ کے تحت گزر چکی ہے۔ دلیل یہ بھی یاد رکھیں کہ حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرة قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال مالي اراكم رفعى ايديكم كانها اذ ناب خيل شمس؟ اسكنوا في الصلوة (الف) (مسلم شریف، باب الامر بالسكون في الصلوة والنهي عن الاشارة باليد ص ۱۸۱ نمبر ۲۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سکون اور اطمینان مطلوب ہے۔ اور بار بار ہاتھ اٹھانے میں سکون نہیں ہے۔ اس لئے بھی رفع یدین نہیں ہونا چاہئے (۲) عن علقمة عن عبد الله قال صليت مع النبي ﷺ ومع ابي بكر ومع عمر فلم يرفع ايديهم الا عند التكبيرة الاولى في افتتاح الصلوة (ب) (دارقطنی، باب ذكر التكبير ورفع اليدين الخ ص ۲۹۶ نمبر ۱۱۲۰ ترمذی شریف، باب ما جاء ان النبي ﷺ لم يرفع الا يدا في اول مرة ص ۵۰ نمبر ۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر اولی کے علاوہ کسی وقت بھی رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

**فائدہ** امام شافعی دوسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن نافع ان ابن عمر كان اذا دخل في الصلوة ... واذا قام من الركعتين رفع يديه ورفع ذلك ابن عمر الى النبي ﷺ (ج) (بخاری شریف، باب رفع اليدين اذا قام من الركعتين ص ۱۰۲) اس لئے امام شافعی کے نزدیک دوسری رکعت شروع کرتے وقت بھی رفع یدین ہے۔

[۲۰۳] (۳۳) پس جبکہ سر دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے اور اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے **تشریح** حنفیہ کے نزدیک دونوں تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا۔

**وجہ** فقال ابو حميد الساعدي فاذا جلس في الركعتين جلس على رجله اليسرى ونصب اليمنى واذا جلس في الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته (د) (بخاری شریف، باب سنة الجالس في التشهد ص ۱۱۴،

حاشیہ : (الف) جابر بن سمرة فرماتے ہیں کہ حضور ہمارے سامنے آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہوں۔ گویا کہ دوڑنے والے گھوڑے کی دم ہوں۔ نماز میں سکون سے رہو (ب) فرمایا میں نے نماز پڑھی نبیؐ اور حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے ساتھ، پس انہوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے مگر صرف تکبیر اولی کے وقت نماز کے شروع میں (ج) ابن عمر جب نماز میں داخل ہوتے ... جب دونوں رکعتوں سے کھڑے ہوتے تو ہاتھ اٹھاتے۔ ابن عمر نے اس حدیث کو حضورؐ تک مرفوع کیا (د) ابو حمید ساعدی نے فرمایا ... پس جب دور رکعتوں پر بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے۔ پس جب آخری رکعت (باقی اگلے صفحہ پر)

عليها و نصب اليمنى نصبا [۲۰۴] (۳۴) ووجه اصابعه نحو القبلة و وضع يديه على

نمبر ۸۲۸ / مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۸ (۲) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لانظرن الى صلوۃ رسول اللہ ﷺ فلما جلس یعنی للتشهد افترش رجله اليسرى و وضع يده اليسرى یعنی على فخذه اليسرى و نصب رجله اليمنى (الف) (ترمذی شریف، باب کیف الجلس فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔ اور دوسری حدیث میں قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ کی بھی قید نہیں ہے۔ اس لئے دونوں قعدہ میں خفیہ کے نزدیک ایک طرح بیٹھنا مسنون ہے۔

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔ تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں پیچھے کر دے اور مقعد پر بیٹھے۔ ان کی دلیل بخاری والی اوپر کی حدیث ہے (بخاری شریف، نمبر ۸۲۸) (۲) حدیث میں ہے حتی اذا كانت السجدة التي فيها التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر (ب) (مسلم شریف، باب صفۃ الجلس فی الصلوۃ و کیفیۃ وضع الیدین علی الخفین ۲۱۶ نمبر ۵۹۷ / ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعة ص ۱۴۵ نمبر ۹۶۳) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔

[۲۰۴] (۳۴) پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

**مذہب** پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر قال من سنة الصلوۃ ان تنصب القدم اليمنى استقباله باصابعها القبلة والجلوس على اليسرى (ج) (نسائی شریف، باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلة عند القعود للتشهد ص ۱۶۱، نمبر ۱۱۵۹) (۲) و اقبل بصدرۃ اليمنى على قبلته (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعة، نمبر ۱۹۶ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں بیٹھتے وقت پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہونی چاہئے۔

ہاتھوں کی انگلیوں کو رانوں پر رکھنے کی دلیل اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنا کر اشارہ کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ عن وائل بن حجر قال ... ثم جلس فافترش رجله اليسرى و وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى و حمد مرفقه الايمن على فخذه اليمنى و قبض ثنتين و حلق حلقة و رأيته يقول هكذا و حلق بشر الابهام والوسطى و اشار بالسبابة (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف الجلس فی التشہد ص ۱۴۵ نمبر ۹۵۷) عاصم بن کلیب الجریمی عن ابيه عن جده قال دخلت على النبی

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پر بیٹھے تو بایاں پاؤں آگے کرے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کرے اور اپنی مقعد پر بیٹھے (یعنی تورک کرے) (الف) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تاکہ حضور کی نماز دیکھوں۔ پس جب کہ تشہد کے لئے بیٹھے تو بائیں پاؤں کو بچھایا اور اس پر بائیں ہاتھ کو رکھا یعنی بائیں ران پر اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا (ب) یہاں تک کہ جب وہ سجدہ ہوا جس میں سلام کرنا ہے تو بائیں پاؤں کو پیچھے کیا اور بائیں جانب میں تورک کر کے بیٹھے (ج) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نماز کی سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں قدم کو کھڑا کرے اور اپنی انگلیوں سے قبلہ کا استقبال کرے اور بائیں پاؤں پر بیٹھے (د) وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ... پھر بیٹھے اور اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا اور دائیں کہنی کو حد کی طرح بنایا اور خضر اور چھوٹی انگلیوں کو موڑا اور پورا حلقہ بنایا اور میں نے دیکھا کہ وہ اس طرح کر رہے تھے۔ راوی بشر نے انگوٹھے اور درمیان کی انگلیوں سے حلقہ بنایا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔

فخذیه ویبسط اصابعه [۲۰۵] (۳۵) ثم یتشهد والتشهد ان یقول التحیات لله والصلوات والطیات السلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی

صلیٰ علیہ وسلم وهو یصلی وقد وضع یدہ الیسری علی فخذہ الیسری ووضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعه وبسط السبابة (الف) (ترمذی شریف، باب ابواب الدعاء ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۱۳۵۸ ابواب المناقب سے دو صفحے پہلے ہے) نسائی شریف، باب قبض الشنتین من اصابع الید الیمنی وعقد الوسطی ص ۴۲ نمبر ۱۲۶۹) اس باب میں بہت سی احادیث نقل کی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کو ران پر رکھ کر دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرے۔

[۲۰۵] (۳۵) پھر تشهد پڑھے اور تشهد یہ ہے کہ کہے التیات للہ الخ۔

یہ عبد اللہ بن مسعود کا تشهد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کا پڑھنا افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود کو اس تشهد کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ قال عبد اللہ بن مسعود کنا اذا صلینا خلف النبی ﷺ قلنا السلام علی جبرائیل ومکائیل السلام علی فلان وفلان فالتفت الینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ هو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات لله الخ (ب) (بخاری شریف، باب التمشید فی الآخرة ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۱ مسلم شریف، باب التمشید فی الصلوة ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۲) اس حدیث میں فلیقل امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبد اللہ ابن مسعود کا تشهد ہمارے یہاں زیادہ بہتر ہے (۲) مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے سمعت ابن مسعود یقول علمنی رسول اللہ ﷺ التمشید کفی بین کفیه کما علمنی السورۃ من القرآن (ج) (مسلم شریف، باب التمشید فی الصلوة ص ۱۷۴ نمبر ۴۰۲ ترمذی شریف، باب ما جاء فی التمشید ص ۶۵ نمبر ۲۸۹ نسائی شریف، باب تعلیم التمشید کتعلیم السورۃ ص ۱۷۸، نمبر ۱۲۷۹) اس حدیث سے اور زیادہ اہمیت ہوگئی۔ کیونکہ جس طرح قرآن سکھاتے تھے اس طرح عبد اللہ ابن مسعود کو حضورؐ نے تشهد سکھایا۔ اس لئے ہمارے یہاں یہی تشهد بہتر ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے یہاں عبد اللہ بن عباس کا تشهد بہتر ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس انه قال قال رسول اللہ ﷺ یعلمنا التمشید کما یعلمنا السورۃ من القرآن فكان یقول التحیات المبارکات الخ (د) (مسلم شریف، باب التمشید فی الصلوة ص ۱۷۴ نمبر ۴۰۳ ترمذی شریف، باب منہ، باب ما جاء فی التمشید ص ۶۵ نمبر ۲۹۰) اس حدیث سے ان کے یہاں عبد اللہ بن عباس والا

حاشیہ : (الف) میں آپؐ پر داخل ہوا۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے اور حال یہ تھا کہ بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھے ہوئے تھے اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھے ہوئے تھے۔ اور انگلیوں کو موڑے ہوئے تھے۔ اور شہادت کی انگلی کو کھولے ہوئے تھے (ب) عبد اللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم جب حضورؐ کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہم کہتے السلام علی جبرائیل ومیکائیل السلام علی فلان وفلان تو ہماری طرف حضورؐ متوجہ ہوئے اور فرمایا اللہ وہ سلام ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو کہنا چاہئے التیات للہ الخ (ج) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضورؐ نے تشهد سکھایا اس حال میں کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں تھا جیسا کہ قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے۔ (د) عبد اللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ ہم کو تشهد سکھاتے تھے جیسا کہ قرآن کی سورۃ سکھاتے تھے۔ پس کہا کرتے تھے التیات المبارکات الخ۔

عباد الله الصالحين اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله [۲۰۶] (۳۶) ولا يزيد على هذا في القعدة الاولى [۲۰۷] (۳۷) ويقرأ في الركعتين الاخيرتين بفاتحة

تشهد مسنون ہے۔

**نوٹ** تشهد پڑھنا واجب ہے چاہے کوئی بھی تشهد ہو۔ کیونکہ اوپر کی حدیث میں امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور سورۃ کی طرح کھانے سے بھی تاکید ہوتی ہے۔

[۲۰۶] (۳۶) تشهد پر قعدہ اولیٰ میں زیادہ نہ کرے۔

**شرح** قعدہ اولیٰ میں تشهد سے زیادہ نہ پڑھے۔ اتنا ہی پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

**وجہ** عن عبد الله بن مسعود قال كان النبي ﷺ في الركعتين كانه على الرصف قلت حتى يقوم قال ذلك يريد (الف) (نسائي شريف، باب التحفيف في التشهد الاول، ص ۱۶۴، نمبر ۷۱۱/ ابوداؤد شريف، باب في تخفيف القعود ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپ قعدہ اولیٰ میں اتنی جلدی اٹھتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر ہوں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدہ اولیٰ میں تشهد سے زیادہ نہ پڑھے۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک عقدہ اولیٰ میں بھی تشهد کے بعد درود پڑھے گا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہے جن میں تشهد کے بعد درود کی فضیلت آئی ہے۔

[۲۰۷] (۳۷) اور دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھے گا خاص طور پر۔

**شرح** ظہر اور عصر کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے اس لئے سورۃ فاتحہ پڑھے تو یہ بہتر ہے۔ اور تسبیح پڑھے وہ بھی ٹھیک ہے۔

**وجہ** عن عبد الله بن ابي قتادة عن ابيه ان النبي ﷺ كان يقرأ في الظهر في الاوليين بام الكتاب وسورتين وفي الركعتين الاخيريين بام الكتاب ويسمعنا الآية ويطول في الركعة الاولى ما لا يطيل في الركعة الثانية وهكذا في العصر (ب) (بخاری شریف، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحة الكتاب ص ۷۰ نمبر ۷۱۰/ مسلم شریف، باب القراءة فی الظهر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۳۵۱) (۲) جابر بن سمرہ قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخرین ولا آتو ما اقتدیت به من صلوة رسول الله قال صدقت ذاک الظن بک (ج) (بخاری شریف

حاشیہ : (الف) حضور پہلی دو رکعت کے تشهد میں ایسے ہوتے جیسے گرم پتھر پر ہوں۔ میں نے کہا کہ کھڑے ہونے کے لئے کہا یہی مراد ہے (ب) حضور ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے اور ہمیں کبھی کبھی آیت سناتے۔ پہلی رکعت لمبی کرتے جتنی دوسری رکعت لمبی نہ کرتے۔ اور ایسا ہی عصر میں کرتے (ج) حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے فرمایا آپ کی ہر چیز میں شکایت کی۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا میں پہلی دو رکعت لمبی کرتا ہوں اور دوسری میں مختصر کرتا ہوں۔ اور میں کوتاہی نہیں کرتا اس چیز میں جس بارے میں حضور کی نماز میں اقتدا کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ نے سچ کہا۔ آپ کے ساتھ میرا یہی گمان تھا۔

الكتاب خاصة [۲۰۸] (۳۸) فاذا جلس في آخر الصلوة جلس كما جلس في الاولى وتشهد [۲۰۹] (۳۹) وصلى على النبي صلى الله عليه وسلم [۲۱۰] (۴۰) ودعا بما شاء

باب يطول في الاولين ويخفف في الآخرين ص ۱۰۶ نمبر ۷۰۷ / مسلم شریف، باب القراءة في الظهر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳ / پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔ اور دوسری حدیث میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ دوسری دورکتوں میں اختصار کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اس لئے دوسری دورکتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک بعض روایت میں واجب ہے اور بعض روایت میں مستحب ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دورکتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے (۱) اوپر کی حدیث کی بنا پر (۲) لا صلوة الا بفتح الکتاب کی حدیث کی بنا پر حوالہ گزر چکا ہے۔

[۲۰۸] (۳۸) پس جبکہ نماز کے اخیر میں بیٹھے تو ایسے ہی بیٹھے جیسے قعدہ اولیٰ میں بیٹھا تھا اور تشہد پڑھے۔

**تشریح** قعدہ اولیٰ میں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے ہیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے ہیں اسی طرح قعدہ اخیرہ میں بھی بیٹھے گا۔ تورک نہیں کرے گا۔ اور تشہد پڑھنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۴ میں گزر چکی ہے۔

[۲۰۹] (۳۹) اور حضورؐ پر درود پڑھے۔

**تشریح** قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھے۔ درود پڑھنا سنت ہے اس کو پڑھنا چاہئے لیکن اگر نہیں پڑھے گا تب بھی سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔

**وجہ** نماز میں درود سنت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ان الله و ملئكتہ يصلون على النبي يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما (الف) (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے عن كعب بن عجرة ... فقلنا قد عرفنا كيف نسلم عليك فكيف نصلي عليك؟ قال قولوا اللهم صلى على محمد الخ (ب) (مسلم شریف، باب الصلوة على النبي بعد التشهد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶ / ابوداؤد شریف، باب الصلوة على النبي بعد التشهد ص ۱۷۵ نمبر ۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے (۳) عن سهل بن سعد ان النبي ﷺ قال لا صلوة لمن يصل على نبيه ﷺ (ج) (دارقطنی، باب ذکر وجوب الصلوة على النبي في التشهد ص ۳۴ نمبر ۱۳۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے۔

[۲۱۰] (۴۰) اور دعا کرے جو چاہے ایسی دعا جو الفاظ قرآن کے مشابہ ہو اور حدیث میں منقول دعائیں ہوں اور نہ دعا کرے ایسی جو کلام الناس کے مشابہ ہو۔

حاشیہ : (الف) اللہ اور فرشتے حضورؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی حضورؐ پر درود اور سلام بھیجو (ب) ہم نے کہا ہم جان گئے کہ آپؐ پر سلام کیسے کریں لیکن آپؐ پر درود کیسے بھیجیں؟ آپؐ نے فرمایا اللھم صلی علی محمدؐ (ج) آپؐ نے فرمایا کہ اس کی نماز نہیں ہوگی جس نے اپنے نبیؐ پر درود نہیں پڑھا۔

مم يشبه الفاظ القرآن والادعية الماثورة ولا يدعو بما يشبه كلام الناس [۲۱۱] (۴۱) ثم  
يسلم عن يمينه ويقول السلام عليكم ورحمة الله ويسلم عن يساره مثل ذلك.

**تشریح** درود کے بعد وہ دعا کرے جو قرآن میں ہو یا احادیث میں منقول ہو۔

**وجہ** انسانی کلام کی دعا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے ایسی دعا نہ کرے جو انسانی کلام کے مشابہ ہو (۲) حدیث میں ہے عن  
عبد اللہ قال اذا كنا مع النبي ﷺ في الصلوة ... ثم ليتخير من الدعاء اعجبه اليه فيدعو به (الف) (بخاری شریف،  
باب ما تخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۵/ ابوداؤد شریف، باب التشهد ص ۱۴۶ نمبر ۹۶۸) عن عائشة زوج النبي  
ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ كان يدعو في الصلوة اللهم اني اعوذ بك الخ (ب) (بخاری شریف، باب الدعاء قبل  
السلام ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے دعا کرنی چاہئے۔ لیکن یہ مننون ہے واجب نہیں ہے۔

**نکتہ** الماثورة : جو احادیث میں منقول ہوں

[۲۱۱] (۴۱) پھر سلام کرے دائیں جانب اور کہے السلام علیکم ورحمة اللہ اور سلام کرے بائیں جانب اسی طرح۔

**وجہ** حدیث میں ہے (۱) عن عبد الله ان النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه وعن شماله حتى يرى بياض خده السلام  
عليكم ورحمة الله، السلام عليكم ورحمة الله (ج) (ابوداؤد شریف، باب في السلام ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۶/ بخاری شریف، باب  
التسليم ص ۱۱۶ نمبر ۸۳۷/ ترمذی شریف، باب ما جاء في التسليم في الصلوة ص ۶۵ نمبر ۲۹۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے اس  
طرح کہ کنارے والوں کو گال نظر آنے لگے (۲) عن ابی سعيّد قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها  
التكبير وتحليلها التسليم (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء في تحريم الصلوة وتحليلها ص ۵۵ نمبر ۲۳۸/ ابوداؤد شریف نمبر ۶۱۸) اس  
حدیث کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک سلام کر کے نماز سے نکلنا واجب ہے۔ اگر بغیر سلام کے نکلا تو سجدہ سہو لازم ہوگا۔ البتہ فرض نہیں ہے۔ کیونکہ  
پہلے گزر چکا ہے کہ آپؐ نے تشہد کے بارے میں فرمایا اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوٰۃ تک الخ (ه) (ابوداؤد  
شریف، باب التشهد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰/ ترمذی شریف، باب ما جاء في وصف الصلوة ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی  
۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگے سلام فرض نہیں ہے۔ اسی طرح طحاوی میں ہے عن عمر بن العاص ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى  
الامام الصلوة فقعده فاحدث هو واحد ممن اتم الصلوة معه قبل ان يسلم الامام فقد تمت صلاته فلا يعود فيها (و)  
(طحاوی شریف، باب السلام في الصلوة هل هو من فروضها او من سننها ص ۱۹۴ سنن للبيهقي، باب تحليل الصلوة بالتسليم ج ثانی ص ۲۵۰، نمبر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا دعائیں سے جو اچھی لگے وہ پسند کرے اور اس کے ذریعہ سے دعا کرے (ب) آپؐ نماز میں دعا کرتے تھے اللهم اني اعوذ بك الخ  
(ج) آپؐ سلام کرتے تھے دائیں جانب اور بائیں جانب یہاں تک کہ آپؐ کے گال کی سفیدی نظر آتی السلام علیکم ورحمة اللہ (د) آپؐ نے فرمایا نماز کے شروع  
کرنے کے لئے پاکی ہے، اور اس کا تحریر باندھنا تکبیر ہے اور اس کا کھولنا سلام کرنا ہے (ه) جب تشہد کہہ لیا یا اس کو پورا کر لیا تو گویا کہ آپؐ نے نماز پوری کر لی (و)  
جب امام نے نماز پوری کی پھر بیٹھا پھر حدیث کیا امام نے یا جس نے اس کے ساتھ نماز پوری کی امام کے سلام کرنے سے پہلے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

[۲۱۲] (۴۲) ويجهر بالقراءة في الفجر وفي الركعتين الاوليين من المغرب والعشاء ان

(۲۹۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدہ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور حدث ہو گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ چاہے سلام کرے یا نہ کرے تو معلوم ہوا کہ سلام کرنا فرض نہیں ہے۔ اگر سلام کرنا فرض ہوتا تو اس کی نماز پوری کیسے ہوتی۔ عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوٰۃ وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوٰۃ (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسه ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں ہے ورنہ حدث سے نماز کیسے پوری ہو جاتی۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک تحلیلھا التسليم حدیث کی وجہ سے سلام کر کے نکلنا فرض ہے۔

[۲۱۲] (۴۲) جہری قرأت کرے فجر میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں اگر امام ہو۔ اور قرأت پوشیدہ کرے گا پہلی دو کے بعد میں۔

**تشریح** فجر کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت آہستہ پڑھے گا۔

**وجہ** حدیث میں عن ابن عباس قال انطلق النبی ﷺ... وهو یصلی باصحابه صلوٰۃ الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا له (الف) (بخاری شریف، باب الجھر بقراءة صلوٰۃ الصبح ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۳) مسلم شریف، باب الجھر بالقراءة فی الصبح والقراءة علی الجن ص ۱۸۴ نمبر ۴۳۹) اس باب میں جنات کے سامنے فجر کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی کئی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں جہری قرأت ہے اگر خود امام ہو تو۔ مغرب میں جہری قرأت کی دلیل یہ ہے جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ قراء فی المغرب بالطور (ب) (بخاری شریف، باب الجھر فی المغرب ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۵) سمعت کے لفظ سے پتہ چلا کہ آپ نے قرأت جہری کی ہے تب ہی تو راوی نے سورہ طور سنی۔ عشا کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت البراء ان النبی ﷺ کان فی سفر فقراء فی العشاء فی احدی الركعتین بالتین والتینون (ج) (بخاری شریف، باب الجھر فی العشاء ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۷) مسلم شریف، باب القراءة فی العشاء ص ۱۸۷ نمبر ۴۶۴) یہاں بھی سمعت کے لفظ سے معلوم ہوا کہ آپ نے عشا کی نماز میں قرأت جہری کی ہے۔

عشا کی دوسری دو رکعتوں میں جہری قرأت نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال عمر لسعد شکوک فی کل شیء حتی الصلوٰۃ قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخریین (د) (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین وحذف فی الآخریین ص ۱۰۶ نمبر

حاشیہ : (الف) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ مجھے... آپ نے اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ پس جب جناتوں نے قرآن سنا تو کان لگا کر سننے لگے (ب) میں نے حضورؐ سے سنا کہ مغرب میں سورہ طور پڑھا رہے تھے (ج) آپؐ سفر میں تھے تو عشا میں پہلی دو رکعتوں میں سے ایک میں والتین والتینون پڑھی (د) حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ سے کہا آپ کی شکایت کی ہر چیز ہیں یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ سعدؓ نے فرمایا بہر حال میں تو پہلی دو رکعت لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں میں قرأت حذف کر دیتا ہوں یعنی چھوڑ دیتا ہوں۔



كان اماما ويخفى القراءة فيما بعد الاولين [۲۱۳] (۴۳) وان كان منفردا فهو مخير ان شاء جهر واسمع نفسه وان شاء خافت [۲۱۴] (۴۴) ويخفى الامام القراءة في الظهر والعصر.

(۷۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ کیونکہ حذف کے ایک ہی معنی ہے قرأت چھوڑ دینا۔ اس لئے قرأت ہی نہیں کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ اسی پر مغرب کی تیسری رکعت کو قیاس کرنا چاہئے۔ اور اس میں بھی یا قرأت نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزرا یا قرأت آہستہ کرتے تھے۔

[۲۱۳] (۴۳) اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو زور سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے **تشریح** اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے لئے امام بھی ہے اس لئے جہری نماز میں زور سے پڑھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو سنا سکتا ہے۔ لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے اس لئے وہ آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑا زور سے پڑھے تاکہ بیت جماعت پر نماز ادا ہو جائے **مذہب** اس کی دلیل یہ اثر ہے عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا فاته شيء من الصلوة مع الامام فيما جهر فيه الامام بالقراءة انه اذا سلم الامام قام عبد الله فقرأ لنفسه فيما يقضي وجهر (الف) (مؤطا امام مالک، باب العمل في القراءة ص ۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز اکیلے پڑھتا ہو تو زور سے قرأت پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ عبد اللہ بن عمر زور سے پڑھتے تھے۔ [۲۱۴] (۴۴) امام قرأت آہستہ پڑھے ظہر اور عصر میں۔

**مذہب** عن ابی قتادة قال كان النبي ﷺ يقرأ في الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة سورة ويسمعا الآية احيانا (ب) (بخاری شریف، باب القراءة في الظهر والعصر ص ۱۰۵ نمبر ۶۲ مسلم شریف، باب القراءة في الظهر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱)۔ سمعنا الآية احيانا سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت آہستہ کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھار ایک دو آیت سنا بھی دیتے تھے۔ اسی حدیث کے بقراءنی الركعتين سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آپ پہلی دو رکعتوں ہی میں قرأت کرتے تھے (۲) عن الزهري قال عن رسول الله ﷺ ان يجهر بالقراءة في الفجر في الركعتين وفي الاولين من المغرب والعشاء ويسر فيما عدا ذلك (ج) (اخرج البوداؤني مراسله دراية ص ۹۱ را علاء السنن ج رابع ص ۶ مصنف ابن ابی شيبه، ۱۳۹ فی قراءة النهار كيف هي في الصلوة، ج اول، ص ۳۰۲، نمبر ۳۶۶۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں قرأت سری ہونی چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر کا معاملہ یہ تھا کہ جب ان سے کوئی رکعت امام کی نماز میں سے چھوٹ جاتی تو جس میں امام جہری قرأت کرتے ہوں تو جب امام سلام کرتے تو عبد اللہ بن عمر کھڑے ہوتے اور اپنے لئے پڑھتے وہ نماز جس کی قضا کرتے اور قرأت زور سے پڑھتے (یعنی فوت شدہ رکعت میں جہری قرأت فرماتے) (ب) حضور ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے اور سورۃ سورۃ ملائے اور کبھی کبھار ہمیں سنا بھی دیتے (ج) زہری کی مرسل حدیث ہے کہ آپ فجر میں مغرب اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں زور سے قرأت پڑھتے اور ان کے علاوہ میں آہستہ پڑھتے۔

[۲۱۵] (۴۵) والوتر ثلث رکعات لا يفصل بينهما بسلام.

﴿وتر کا بیان﴾

[۲۱۵] (۴۵) وتر تین رکعت ہے۔ اس کے درمیان سلام سے فصل نہ کرے۔

**تشریح** امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کی نماز واجب ہے۔ اور تین رکعتیں ایک ساتھ ہیں۔ دو رکعت کے بعد سلام کر کے تیسری رکعت ایک سلام کے ساتھ نہ پڑھے۔ بلکہ تینوں رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھے۔

**وجہ** (۱) وتر کی تاکید بہت سی احادیث میں ہے۔ اور جب تاکید ہوتی ہے تو سنت سے اوپر اٹھا کر واجب میں لے جاتے ہیں۔ لیکن چونکہ آیت سے ثابت نہیں ہے اور نہ اتنی تاکید ہے کہ فرض میں لے جایا جاسکے۔ ورنہ تو پانچ کے بجائے چھ نمازیں فرض ہو جائیں گی۔ اس لئے وتر کو واجب میں رکھا۔

**نوٹ** امام شافعیؒ کے نزدیک سنت کے بعد فرض کا درجہ ہے۔ واجب کا درجہ نہیں ہے اس لئے وتر ان کے یہاں بھی مؤکد ہے۔ لیکن سنت میں داخل ہے۔ کیونکہ آگے واجب کا درجہ ان کے یہاں نہیں ہے (۲) واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے قال ابو الولید العدوی قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال ان الله تعالى قد امدكم بصلوة وهي خير لكم من حمر النعم وهي الوتر فجعلها لكم فيما بين العشاء الى طلوع الفجر (الف) (ابوداؤد شریف، باب استحباب الوتر، باب تفریع ابواب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۳۱۸ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ / ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۶۸) فرض نمازوں پر زیادہ کرنے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ بھی فرض کی طرح ہی اہم ہے لیکن ہم فرض تو نہیں کرتے اس لئے واجب قرار دیتے ہیں (۳) عن عبد الله بن بريدة عن ابيه قال سمعت رسول الله ﷺ يقول الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا، الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی من لم یوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۳۱۹ / سنن للبیہقی، باب تاکید صلوة الوتر ص ۲۵۹، نمبر ۴۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر حق ہے یعنی واجب ہے (۴) عن علی قال قال رسول الله ﷺ يا اهل القرآن اوتروا فان الله وتر يحب الوتر (ج) (ابوداؤد شریف، باب استحباب الوتر ص ۲۰۷ نمبر ۱۳۱۶ / ترمذی شریف، باب ما جاء ان الوتر ليس بختم ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۳) اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے۔ اس سے بھی وتر کے واجب ہونے کا ثبوت ملتا ہے **فائدہ** امام شافعیؒ اور صاحبین کے نزدیک وتر سنت ہے۔

**وجہ** ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن علی قال الوتر ليس بحتم كهيئة الصلوة المكتوبة ولكن سنة سنّها رسول الله ﷺ

حاشیہ : (الف) ہمارے سامنے حضور شریف لائے پھر فرمایا اللہ نے تم پر ایک نماز زیادہ کی ہے اور وہ تمہارے لئے سرخ اونٹ سے بہتر ہے اور وہ وتر ہے۔ تو اس کو تمہارے لئے عشاء اور طلوع فجر کے درمیان کیا (ب) حضورؐ سے کہتے سنا ہے کہ وتر حق ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وتر حق ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ وتر حق ہے، جس نے وتر نہیں پڑھی وہ ہم میں سے نہیں ہے (ج) آپؐ نے فرمایا اے اہل قرآن! وتر پڑھو، اللہ وتر ہے، وتر کو پسند کرتے ہیں۔

(الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الوتر لیس یحکم ص ۱۰۳ نمبر ۳۵۴ رسائی شریف، باب الامر بالوتر ص ۱۸۹ نمبر ۱۶۷۷) حضرت علی کے قول سے معلوم ہوا کہ وتر واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ فرض کی طرح تو ہم بھی وتر کو فرض نہیں مانتے۔ ہم تو صرف واجب مانتے ہیں۔ (۲) عن عبد الله عن النبي ﷺ قال ان الله وتر يحب الوتر فاوتروا يا اهل القرآن (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ وتر کو پسند کرتے ہیں یہ سنت کی دلیل ہے۔  
وتر ایک سلام کے ساتھ تین رکعتیں ہیں اس کی دلیل۔

حجہ (۱) حدیث میں ہے عن علی قال کان رسول الله ﷺ یوتر بثلاث یقرأ فیہن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة بثلاث سور آخرهن قل هو الله احد (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بثلاث ص ۱۰۶ نمبر ۳۵۹) (۲) عن ابی بن کعب ان رسول الله ﷺ کان یوتر بثلاث رکعات کان یقرأ فی الاولى بسبح اسم ربک الاعلیٰ وفی الثانية بقل یا ایہا الکافرون وفی الثالثة بقل هو الله احد ولا یسلم الا فی آخرهن (د) (نسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ التاکلین بخبر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۷۰۰) (۱) ترمذی شریف، باب ماجاء ما یقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۳۶۳ ابوداؤد شریف، باب ما یقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۳۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سلام کے ساتھ پڑھتے تھے۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں ہے ولا یسلم الا فی آخرهن (۳) مسلم شریف میں حضرت عائشہؓ کی ایک لمبی حدیث ہے جس میں حضورؐ کی تہجد کی نماز کا ذکر ہے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ وتر تین رکعت پڑھتے تھے انہ سال عائشہ کیف کانت صلوة رسول الله ﷺ ... ثم یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثاً (ه) (مسلم شریف، باب صلوة اللیل و عدد رکعات النبیؐ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔

فائدہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک تین رکعت وتر دو سلام کے ساتھ ہے۔ یعنی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے پھر ایک رکعت وتر پڑھے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے فقال رسول الله ﷺ صلوة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی احدکم الصبح صلی رکعة واحدة توتر له ما قد صلی (و) (بخاری شریف، باب ماجاء فی الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۰) مسلم شریف، باب صلوة اللیل و عدد رکعات النبیؐ فی اللیل وان الوتر رکعة وان الركعة صلوة صحیحہ ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۶) ان احادیث سے اور مسلم کی بہت سی احادیث کی بنا پر ان کے یہاں ایک رکعت وتر ہے۔ مسلم شریف کے اوپر کے باب ہی میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله الوتر رکعة من آخر اللیل (ز)

حاشیہ: (الف) علیؑ نے فرمایا وتر ضروری نہیں ہے فرض نماز کی ہیئت کی طرح۔ لیکن سنت ہے۔ حضورؐ نے اس کو سنت قرار دیا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ وتر ہے، وتر کو پسند کرتا ہے۔ اے اہل قرآن وتر پڑھو (ج) آپ تین رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ اور اس میں مفصل میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے، ہر رکعت میں تین سورتیں۔ اور اس کی آخری رکعت میں قل هو اللہ احد پڑھتے تھے۔ (د) آپ وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں بح اسم ربک الاعلیٰ، دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل هو اللہ احد پڑھتے تھے۔ اور نہیں سلام کرتے مگر آخری رکعت میں (ه) حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کی نماز کی تھی... پھر نماز پڑھتے چار رکعت، مت پوچھو اس کے حسن کی اور اس کی لمبائی کی حالت۔ پھر نماز پڑھتے تین رکعتیں (و) آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو دو رکعتیں ہیں۔ پس اگر تم میں سے ایک صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے۔ جو کچھ تہجد پڑھا ہے اس کو وتر بنا دے (ز) آپؐ نے فرمایا وتر ایک رکعت ہے آخری رات میں۔

[۲۱۶] (۴۶) ویقنت فی الثالثة قبل الركوع فی جمیع السنة.

(مسلم شریف ص ۲۵۷ نمبر ۷۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر ایک رکعت ہے۔

**نوٹ** تہجد اور صلوٰۃ اللیل کو بھی وتر کہتے ہیں جیسا کہ حدیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔ خود امام ترمذی نے فرمایا قال اسحق ابن ابراہیم معنی ماروی ان النبی ﷺ کان یوتر بثلاث عشرة، قال انما معناه انه کان یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة مع الوتر فنسبت صلوٰۃ اللیل الی الوتر (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر بسبع ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کو بھی شامل کر کے وتر کہتے تھے۔ اس لئے جہاں پانچ رکعت یا ایک رکعت وتر ہے وہ تہجد کی نماز کے ساتھ ہے۔ وہ وتر نہیں ہے جو خفیہ کے نزدیک تین رکعتیں ہیں۔

[۲۱۶] (۴۶) قنوت پڑھی جائے گی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پورے سال میں۔

**تشریح** وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھیں گے۔

**ہج** حدیث میں ہے۔ عن ابی بن کعب ان رسول اللہ ﷺ قنت فی الوتر قبل الركوع (ب) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۲۷ انسائی شریف، باب ذکر اختلاف الفاظ الناکلین بخیر ابی بن کعب فی الوتر ص ۱۹۱ نمبر ۷۰۰ ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی القنوت قبل الركوع وبعده ص ۱۶، نمبر ۱۱۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر میں دعاء قنوت تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے پڑھی جائے گی۔ اور جس حدیث سے رکوع کے بعد ہے یا فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے جو کسی مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اس کا ثبوت یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قنت رسول اللہ ﷺ شہرا متتابعاً فی الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلوٰۃ الصبح فی دبر کل صلوٰۃ اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ من الركعة الآخرة يدعو علی احياء من بنی سلیم علی رعل و ذکوان و عصبیہ و يؤمن خلفہ (ج) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوات ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۴۳ بخاری شریف، باب القنوت قبل الركوع وبعده ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ مصیبت کے وقت تھا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک قنوت رکوع کے بعد ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے انس بن مالک اقنت النبی ﷺ فی الصبح قال نعم قبل او قنت قبل الركوع؟ قال بعد الركوع یسیرا (د) (بخاری شریف، باب القنوت قبل الركوع وبعده ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۰۱ ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوٰۃ ص ۲۰۹ نمبر ۱۲۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھنا چاہئے۔ ہم کہتے ہیں کہ صبح کی نماز میں جو ثبوت ہے وہ قنوت نازلہ ہے نہ کہ دعائے قنوت۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے جو روایت ہے کہ وتر تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے اس کے معنی یہ ہے کہ آپؐ رات کی تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے وتر کے ساتھ۔ تورات کی نماز کو وتر کی طرف منسوب کر دیا ہے (ب) آپؐ نے وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھی (ج) آپؐ نے مسلسل ایک ماہ تک قنوت پڑھی۔ ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نماز میں۔ ہر نماز کے بعد جب سبح اللہ لمن حمدہ کہتے آخری رکعت میں۔ تو بنی سلیم، رعل، ذکوان، عصبیہ پر بددعا کرتے اور پیچھے کے لوگ آمین کہتے (د) انس بن مالکؓ سے پوچھا گیا کیا حضورؐ نے صبح کی نماز میں قنوت پڑھی؟ کہا ہاں کہا گیا کیا رکوع سے پہلے پڑھی؟ فرمایا رکوع کے تھوڑی ذریعہ۔

[۲۱۷] (۴۷) ویقرأ فی کل رکعة من الوتر فاتحة الكتاب وسورة معها [۲۱۸] (۴۸) فاذا

پورے سال میں قنوت پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال ابو ہریرۃ او صانی رسول اللہ ﷺ بالوتر قبل النوم (الف) (بخاری شریف، باب ساعات الوتر ص ۱۳۵ نمبر ۹۹۵ را بوداؤد شریف، باب فی الوتر قبل النوم ص ۲۱۰ نمبر ۱۳۳۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ پورے سال وتر پڑھنا ہے۔ اس لئے پورے سال دعائے قنوت بھی اس میں پڑھنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ابی بن کعب کی حدیث میں گزری کہ قنوت فی الوتر قبل الركوع کہ وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھا کرتے تھے اس لئے پورا سال قنوت پڑھی جائے گی (۲) اثر میں ہے۔ عن ابراہیم قال : لا وتر الا بقنوت (مصنف ابن ابی شیبہ، ۵۹۳ من قال لا وتر الا بقنوت، ج ثانی، ص ۱۰۲، نمبر ۶۹۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وتر میں قنوت پڑھنا لازمی ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک صرف رمضان کے نصف آخر میں قنوت پڑھی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابی بن کعب امہم یعنی فی رمضان وکان یقنت فی النصف الاخير من رمضان (ب) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الوتر ص ۲۰۹ نمبر ۱۳۲۸) اس سے معلوم ہوا کہ ابی بن کعب کا عمل یہ تھا کہ وہ صرف رمضان کے نصف اخیر میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ہم نے ثابت کیا کہ حضورؐ رکوع سے پہلے ہمیشہ قنوت پڑھا کرتے تھے (۲) یہ اثر ان کی دلیل ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال نزلت علیہ عشر سنین فما رأیته قنوت فی وترہ (مصنف ابن ابی شیبہ، ۵۸۸ من کان لا یقنت فی الوتر، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۶۹۴۳)

[۲۱۷] (۴۷) وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا۔

**مذہب** (۱) فاقراء ما تيسر من القرآن آیت کی وجہ سے قرأت تو فرض ہے لیکن وتر مکمل فرض کی طرح نہیں ہے کہ تیسری رکعت میں سورۃ نہ ملائی جائے۔ بلکہ من وجہ سنت کی طرح ہے۔ اس لئے اس کی تیسری رکعت میں بھی سورت ملائی جائے گی (۲) مسئلہ نمبر ۴۵ میں ابی بن کعبؓ کی حدیث گزری کہ حضورؐ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سج اسم ربک الاعلیٰ، دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ہو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے ان احادیث کی بنا پر تینوں رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ ملائی جائے گی (ابوداؤد شریف، نمبر ۱۴۲۳ اثر ترمذی شریف، نمبر ۴۶۳)

[۲۱۸] (۴۸) پس جبکہ دعائے قنوت کا ارادہ کرے تو تکبیر کہے اور ہاتھ اٹھائے پھر قنوت پڑھے۔

**مذہب** قرأت سے دعا کی طرف منتقل ہو رہا ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ ایک عمل سے دوسرے عمل کی طرف منتقل ہو تو تکبیر کہے۔ اور ہاتھ اٹھانے کا ثبوت اس اثر میں ہے عن عبد اللہ (بن مسعود) انه کان یقرأ فی آخر رکعة من الوتر قل هو الله احد ثم رفع یدیه فیقنت قبل الركعة (ج) (جزء رفع یدین للامام البخاری ص ۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ۵۹۱ فی رفع یدین فی القنوت ج ثانی ص ۱۰۱، نمبر ۶۹۵۳) عبد

حاشیہ : (الف) ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے مجھے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی (ب) حضرت ابی بن کعبؓ نے لوگوں کی امامت کی یعنی رمضان میں تو رمضان کے نصف کے بعد آخر میں قنوت پڑھا کرتے تھے (ج) عبد اللہ بن مسعودؓ وتر کی آخری رکعت میں قل هو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے، پھر رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے۔

اراد ان یقنت کبر و رفع یدیه ثم قنت [۲۱۹] (۴۹) ولا یقنت فی صلوٰۃ غیرها [۲۲۰] (۵۰) و لیس فی شیء من الصلوٰۃ قراءۃ سورۃ بعینہا لایجوز غیرها [۲۲۱] (۵۱) و یکرہ

الرحمن بن الاسود عن ابيه قال کان ابن مسعود یرفع یدیه فی القنوت الی ثدیہ (سنن للبیہقی، باب رفع الیدین فی القنوت، ج ثالث، ص ۵۹، نمبر ۲۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قنوت پڑھنے سے پہلے ہاتھ اٹھائے گا۔  
[۲۱۹] (۴۹) اور قنوت نہ پڑھے وتر کے علاوہ میں۔

**تشریح** اوپر کی حدیث مسئلہ نمبر ۴۴ میں گزری کہ آپؐ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے بعد یہ قنوت منسوخ ہوگئی۔ اس لئے دوسری نمازوں میں اب قنوت نہ پڑھے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس بن مالک ان النبیؐ وقت شہرا ثم ترکہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوٰۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ماہ کے بعد آپؐ نے قنوت نازلہ چھوڑ دی۔ کیونکہ منسوخ ہوگئی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک ابھی بھی صبح کی نماز میں قنوت نازلہ منسوخ ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن البراء ان النبیؐ کان یقنت فی صلوٰۃ الصبح زاد ابن معاذ و صلوٰۃ المغرب (ب) (ابوداؤد شریف، باب القنوت فی الصلوٰۃ ص ۲۱۱ نمبر ۱۲۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنا منسوخ ہے۔

**نوٹ** ابھی حنفیہ کے یہاں بھی اس پر عمل ہے کہ مصیبت کے وقت صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے ہیں۔  
[۲۲۰] (۵۰) کسی نماز میں کوئی متعین سورۃ نہیں ہے کہ اس کے علاوہ جائز نہ ہو۔

**تشریح** کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورۃ نہیں ہے کہ وہی پڑھنا ضروری ہو، اس کے پڑھے بغیر نماز نہ ہوتی ہو۔

**مذہب** فائقرء و اما تیسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) اس آیت میں ہے کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کو پڑھو۔ اس لئے کسی ایک آیت کی تعیین اس کے خلاف ہوگی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل لا صلوٰۃ الا بفاتحة الكتاب حدیث ہے۔ ہمارے یہاں یہ حدیث وجوب کے لئے ہے کہ اگر فاتحہ نہیں پڑھا تو نماز میں کمی رہ جائے گی لیکن نماز ہو جائے گی۔  
[۲۲۱] (۵۱) اور مکروہ ہے کہ کسی نماز کے لئے کسی متعین سورۃ کو خاص کرے کہ اس میں اس کے علاوہ پڑھے ہی نہیں یہ مکروہ ہے۔

**مذہب** اس کی وجہ سے دوسری سورۃ کی اہمیت کم ہو جائے گی۔ حالانکہ تمام سورتوں کی اہمیت برابر ہے۔ اس لئے کسی نماز کے لئے کسی سورۃ کو ہمیشہ کے لئے متعین کر لینا مکروہ ہے۔ البتہ فضیلت حاصل کرنے کے لئے کسی سورۃ کو کسی نماز میں اکثر و بیشتر پڑھے تو جائز ہے۔ بشرطیکہ کبھی کبھار دوسری سورتوں کو بھی پڑھ لے۔ جیسے حضورؐ وتر میں اکثر سراج اسم، قل یا ایہا الکافرون اور قل هو اللہ احد پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح سنت پر عمل

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ایک ماہ قنوت پڑھا پھر چھوڑ دیا (ب) آپؐ صبح کی نماز میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ ابن معاذ نے صلوٰۃ مغرب کا بھی اضافہ کیا ہے (کہ مغرب میں بھی قنوت پڑھا کرتے تھے۔

ان يتخذ قراءة سورة بعينها للصلوة لا يقرأ فيها غيرها [۲۲۲] (۵۲) وادنى ما يجزى من القراءة فى الصلوة ما يتناوله اسم القرآن عند ابى حنيفةؒ وقال ابو يوسف و محمد رحمهما الله لا يجوز اقل من ثلث آيات قصار او آية طويلة.

کرنے کے لئے یا برکت کے لئے کسی سورۃ کو اکثر و بیشتر پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

[۲۲۲] (۵۲) کم سے کم قرأت جو نماز میں کافی ہے اتنا ہے جس کو قرآن کا نام شامل ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ تین چھوٹی آیتیں یا ایک لمبی آیت اس سے کم جائز نہیں ہے۔

**شرح** امام ابوحنیفہ کے نزدیک اتنا پڑھنے سے نماز ہو جائے گی جس کو قرآن کہتے ہیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آیت کی اہمیت ہے اور اس کو قرآن کہتے ہیں اس لئے ایک آیت نماز میں پڑھ دے تو چاہے وہ چھوٹی ہی آیت ہو نماز ہو جائے گی۔

**وجہ** کیونکہ فاقراء و اما تيسر من القرآن کہا ہے۔ تو کم سے کم جتنی آیت کو قرآن کہا جاتا ہے اتنا پڑھنا کافی ہوگا۔ اور وہ ایک آیت ہے۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹی آیت مثلاً صرف الرحمن یا صرف علم القرآن آیت تو ہے لیکن اس کے پڑھنے والے کو قرآن کا پڑھنے والا نہیں کہتے۔ اس لئے ایک آیت لمبی ہو یا تین آیتیں چھوٹی ہوں جس کے پڑھنے والے کو قرآن کا پڑھنے والا کہتے ہیں اس کے پڑھنے سے نماز ہوگی۔ اس سے کم پڑھے گا تو قرأت نہیں ہوگی اور اس کی وجہ سے نماز بھی نہیں ہوگی۔

**نوٹ** آیتوں کی قرأت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض، جس سے جواز متعلق ہے وہ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت تامہ ہے۔ اب اگر وہ دو کلموں پر مشتمل ہو جیسے ثم نظر تب تو جائز ہے، اور اگر صرف ایک کلمہ ہو جیسے مدھامتان یا صرف ایک حرف ہو جیسے ص، ن، ق، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اصح عدم جواز ہے (۲) واجب، قرأت فاتحہ اور قرأت سورۃ واجب ہیں (۳) مسنون، وہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل ہے۔ یعنی سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۃ بروج سے سورۃ لہم یکن تک، مغرب میں قصار مفصل یعنی سورۃ زلزال سے آخر قرآن تک (۴) مستحب، وہ فجر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں سے چالیس آیتوں تک اور دوسری رکعت میں بیس سے تیس آیتوں تک سورۃ فاتحہ کے علاوہ (۵) مکروہ، وہ یہ ہے کہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھے یا فاتحہ کے ساتھ ایک آدھ آیت ملائے یا سورۃ پڑھے اور فاتحہ نہ پڑھے یا پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھے۔ یہ سب صورتیں مکروہ کی ہیں۔



[۲۲۳] (۵۳) لا یقرأ المؤتم خلف الامام

﴿ قرأت خلف الامام ﴾

[۲۲۳] (۵۳) مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔

**تشریح** حنفیہ کے نزدیک مقتدی کو قرأت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ان کا کام ہے مقتدی کی قرأت سننا اور خاموش رہنا۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی نظر آیت اور نص قطعی کی طرف گئی ہے۔

**وجہ** (۱) آیت میں ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (الف) (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ اس لئے امام جب قرأت کرے گا تو مقتدی کا کام اس کو کان لگا کر سننا ہے اور سنائی نہ بھی دے تو چپ رہنا ہے۔ اس لئے قرأت خلف الامام صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں بھی ہے کہ امام قرأت کرے تو مقتدی کو چپ رہنا چاہئے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبرو واذا قرأ فانصتوا (ب) (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۳۶ رنسانی شریف تاویل قولہ عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا له ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۲ ر دارقطنی، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقرأۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کے وقت مقتدی کو چپ رہنا چاہئے (۳) بلکہ قرأت کرنے والوں کو آپؐ نے منع فرمایا عن عمران بن حصین ان رسول اللہ ﷺ صلی الظہر فجعل رجل یقرء خلفہ سبح اسم ربک الاعلیٰ فلما انصرف قال ایکم قرء او ایکم القاری؟ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضکم خالجنیہا (ج) (مسلم شریف، باب بھی الماموم عن جہرہ بالقراءۃ خلف الامام ص ۷۲ نمبر ۳۹۸) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے مالم یانزع القرآن قال فانتھی الناس عن القراءۃ مع رسول اللہ ﷺ فیما جہر فیہ (د) (ابوداؤد شریف، باب من رأى القراءۃ اذا لم یجہر ص ۱۲۷، نمبر ۸۲۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جہر الامام بالقراءۃ ص ۷۱ نمبر ۳۱۲ ردارقطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۴) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام مناسب نہیں ہے۔ آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے (۴) مقتدیوں کو قرأت کرنے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ امام مقتدیوں کی جانب سے قرأت کر رہا ہے۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے۔ حدیث میں اس کا باضابطہ ذکر ہے۔ عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قراءۃ (ه) (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرأ الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰ ردارقطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ

حاشیہ : (الف) قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر اس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ رحم کئے جاؤ (ب) آپؐ نے فرمایا امام صرف اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ تم اس کی اقتدا کرو۔ پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت پڑھے تو چپ رہو (ج) آپؐ نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک آدمی آپؐ کے پیچھے سجد اسم ربک الاعلیٰ پڑھنے لگا۔ پس جب آپؐ فارغ ہوئے تو پوچھا تم میں سے کس نے قرأت کی؟ یا تم میں سے کون قاری ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں، تو آپؐ نے فرمایا کہ میں نے گمان کیا تم میں سے بعض مجھ سے لڑ رہے ہیں (د) آپؐ نے فرمایا، کیا بات ہے کہ مجھ سے قرآن میں جھگڑ رہے ہو۔ راوی نے فرمایا کہ لوگ جہری نماز میں حضور کے ساتھ قرأت کرنے سے رک گئے (ه) جن کا امام ہو تو امام کی قرأت ان کی قرأت ہے۔



[۲۲۴] (۵۴) ومن اراد الدخول فی صلوة غیره یحتاج الی نیتین نية الصلوة و نية

امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی تو گویا کہ مقتدی نے بھی پڑھ لی وہ بغیر فاتحہ کے نہ رہے (۵) عن ابی درداء سمعه یقول سئل رسول اللہ ﷺ افی کل صلوة قراءة؟ قال نعم قال رجل من الانصار وجبت هذه؟ فالتفت الی و کنت اقرب القوم منه فقال ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاهم (الف) (نسائی شریف، باب اکتفاء المأموم بقراءة الامام ص ۷۰ نمبر ۹۲۴ رد ار قسطنطینی ص ۳۲۶ نمبر ۱۲۳۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو امام کی قرأت کافی ہے (۶) مؤطا امام مالک میں ہے کان عبد الله بن عمر لا یقرأ خلف الامام (ب) (مؤطا امام مالک، باب ترک القراءة خلف الامام فیما جهر ص ۶۸) (۷) مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو تو مقتدی کو وہ رکعت مل گئی۔ لیکن فاتحہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو گویا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں امام کا پڑھا ہوا فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہو گیا تو آخر ایک صورت میں وہ بھی حنفیوں کے ساتھ ہو گئی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے گا۔ چاہے قرأت جہری کر رہا ہو یا سری۔ اور ایک روایت ہے کہ سری قرأت کر رہا ہو تو قرأت فاتحہ کرے گا اور جہری کر رہا ہو تو نہیں کرے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الكتاب (ج) (بخاری شریف، باب وجوب القراءة لتمام المأموم فی الصلوات کھانی الحضر والسفر وما یجهر فیها وما یتخاف ص ۱۰۴ نمبر ۵۶۷ / مسلم شریف، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴ / ابوداؤد شریف نمبر ۸۲۳) اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ جواب: حنفیہ بھی فاتحہ واجب کرتے ہیں لیکن مقتدی کی جانب سے امام نے پڑھ لیا اس لئے مقتدی کی جانب سے کافی ہو گیا۔ جیسے کہ پہلے احادیث سے ثابت کیا گیا۔

**نوٹ** امام محمد سے روایت ہے کہ احادیث کی بنا پر سری نماز میں احتیاطاً فاتحہ پڑھ لے (ہدایہ اولین، فصل فی القراءة ص ۱۰۱)

[۲۲۴] (۵۴) جس نے دوسرے کی نماز میں داخل ہونے کا ارادہ کیا وہ محتاج ہے دو نیتوں کا، نماز کی نیت کا اور اتباع کی نیت کا۔

**تشریح** کوئی آدمی دوسرے کی اقتدا کر رہا ہو تو اس کو دو قسموں کی نیت کرنی ہوگی۔ ایک اصل نماز پڑھنے کی نیت اور دوسری امام کی اقتدا کرنے کی نیت۔

**مذہب** (۱) کیونکہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اصلاح اور فساد میں۔ اس لئے اس کی اقتدا کرنے کی بھی نیت کرنی ہوگی۔ اگر اس کی اقتدا کرنے کی نیت نہیں کی اور صرف میں کھڑے ہو کر اصل نماز کی نیت کی تو اقتدا نہیں ہوگی (۲) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (د) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۷) اس سے معلوم ہوا

حاشیہ: (الف) آپ سے پوچھا گیا کیا ہر نماز میں قرأت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! انصار کے ایک آدمی نے کہا یہ قرأت واجب ہوگئی تو حضورؐ میری طرف متوجہ ہوئے اور میں آپ سے قوم میں سے زیادہ قریب میں تھا۔ آپ نے فرمایا میں نہیں سمجھتا ہوں مگر یہ کہ امام نے قوم کی امامت کی تو ان کی قرأت ان کو کافی ہوگی (ب) عبد اللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے (ج) آپ نے فرمایا اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی (ب) آپ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے

المتابعة [۲۲۵] (۵۵) والجماعة سنة مؤكدة [۲۲۶] (۵۶) واولی الناس بالامامة اعلمهم

کہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے اس لئے مقتدی کو امام کی نیت کرنے کی ضرورت ہوگی (۲) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال انما جعل الام لیوم بہ فلا تختلفوا علیہ (الف) (مسلم شریف، باب اتمام الماموم بالامام ص ۶۷ نمبر ۴۱۴) اس حدیث سے بھی متابعت کی نیت کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔

﴿جماعت کا بیان﴾

[۲۲۵] (۵۵) جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

﴿۱﴾ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ قال والذی نفسی بیدہ لقد همت ان امر لیحطب یحطب ثم امر بالصلوة فیوذن لها ثم امر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق علیہم بیوتہم والذی نفسی بیدہ لو یعلم احدهم انه یجد عرقا سمینا او مرما تین حستین لشہد العشاء (ب) (بخاری شریف، باب وجوب صلوۃ الجماعة ص ۸۹ نمبر ۶۴۳) ابوداؤد شریف، باب فی التشدید ترک الصلوۃ ص ۸۸ نمبر ۵۴۸) آپ نے جماعت چھوڑنے پر گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کے وجوب کی دلیل ہے۔ تاہم وہ سنت مؤکدہ ہے (۲) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من سمع المنادی فلم یمنعہ من اتباعہ عذر قالوا وما العذر؟ قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوۃ التی صلی (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید ترک الجماعة ص ۸۸ نمبر ۵۵۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ بغیر عذر کے اس کے چھوڑنے سے نماز قبول نہیں ہوگی۔

[۲۲۶] (۵۶) لوگوں میں سے امامت کا زیادہ حقدار جوان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔ پس اگر (سنت کے جاننے والوں میں) سب برابر ہوں تو ان میں سے اچھی قرأت کرنے والا، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے زیادہ پرہیزگار، اور اس میں بھی برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو۔

﴿شرح﴾ سنت سے مراد احکام نماز ہے۔ اس لئے جو موجودہ لوگوں میں سے احکام نماز اور مسائل سے زیادہ واقف ہوں ان کو امام بنایا جائے بشرطیکہ اتنی قرأت جانتا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہو۔ پھر اگر کبھی مسائل کے جاننے میں برابر ہوں تو جس کی قرأت بہت اچھی ہو ان کو امام بنایا جائے۔ اور اگر قرأت بھی سبھی کی ہی اچھی ہو تو جو زیادہ پرہیزگار ہو ان کو امام بنایا جائے۔ اور سب پرہیزگار بھی برابر درجے کے ہوں تو جو عمر میں بڑے ہوں ان کو امامت کا حق ہے۔

﴿نوٹ﴾ یہ اس وقت ہے کہ پہلے سے امام متعین نہ ہو۔ اور اگر پہلے سے امام متعین ہو تو ان کو امامت کا زیادہ حق ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے اس لئے اس سے اختلاف نہ کر د (ب) آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ لکڑی لانے کا حکم دوں تاکہ لکڑی جمع کی جائے، پھر نماز کا حکم دوں پس اس کے لئے اذان دی جائے، پھر ایک آدمی کو حکم دوں وہ لوگوں کی امامت کرائے، پھر میں لوگوں کے پاس جاؤں اور ان کے گھروں کو جلا دوں۔ قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر ان میں سے ایک جان لے کہ وہ موٹی سی ہڈی یاد دلاؤ اچھی کھرپائے گا تو عشا میں ضرور حاضر ہو جائیں (ج) آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور کوئی عذر اس کی اتباع کرنے سے نہ روکے، لوگوں نے پوچھا عذر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خوف یا مرض تو اس کی وہ نماز قبول نہیں ہوگی جو اس نے پڑھی۔

بالسنة فان تساوا فاقبر اھم وان تساوا فاورعھم وان تساوا فاسنھم۔

**وجہ (۱)** مسئلہ زیادہ جاننے والے کو سب سے مقدم اس لئے کریں گے کہ اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ کہاں سجدہ سہو ہوگا اور کہاں نہیں ہوگا۔ اسی طرح کون سا رکن فرض ہے کون سا واجب اور کون سا سنت، اور اس کی رعایت کتنی کرنی چاہئے (۲) یوں بھی زیادہ جاننے والے کا رعب زیادہ پڑتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے جماعت کا معاملہ قابو میں رہتا ہے (۳) دور صحابہ میں اونچے قاری ابی بن کعبؓ تھے لیکن آپ نے آخر وقت میں اپنے مصلے پر حضرت ابو بکرؓ کو تاکید کر کے کھڑا کیا جو علم بالسنۃ تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ علم بالسنۃ کو امامت کا حق زیادہ ہے۔ عن ابی موسیٰ قال مرض النبی ﷺ فاشتد مرضه فقال مروا ابا بکر فليصل بالناس (الف) (بخاری شریف، باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ص ۹۳ نمبر ۶۷۸) مسلم شریف، باب اختلاف الامام اذا عرض له عذر ص ۸ نمبر ۴۱۸ (۴) عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لیلینی منکم اولوا الاحلام والنہی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (ب) (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامۃ افضل الاول فالاول ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل اور سمجھ رکھنے والے کو امام کے قریب رہنا چاہئے تاکہ ضرورت پر امامت کے کام آئے۔ یہ نہیں کہا کہ قاری کو حضورؐ کے قریب ہونا چاہئے (۵) حدیث میں ہے عن عقبہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ یوم الناس اقدمھم ہجرۃ وان کانوا فی الہجرۃ سواء فافقھھم فی الدین وان کانوا فی الدین سواء فاقروھم للقرآن (ج) (دارقطنی، باب من احق بالامامۃ ص ۲۸۴ نمبر ۱۰۷۷) اس میں بھی افتہ کو زیادہ حق امامت دیا گیا ہے۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ جو اچھا قاری ہو ان کو امامت کا زیادہ حق ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ یوم القوم اقرؤھم لکتاب اللہ فان کانوا فی القراءۃ سواء فاعلمھم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمھم ہجرۃ۔ وفي حدیث آخر فان کانوا فی الہجرۃ سواء فلیؤمھم اکبرھم سنا (د) (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳) ابو داؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کے دور میں جو زیادہ قرآن پڑھنے والا ہوتا تھا وہ مسائل کو بھی زیادہ جاننے والا ہوتا تھا اس لئے اقرء بالقرآن فرمایا۔ زیادہ عمر والے کو امامت کا حق ہوگا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی ﷺ ... قال ... فاذا حضرت الصلوۃ فلیؤذن لکم احدکم ولیؤمکم اکبرکم (ه) (بخاری شریف، باب اذا استودی القراءۃ فلیؤمھم اکبرھم ص ۹۴ نمبر ۶۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبھی ہجرت اور قرأت میں برابر ہوں تو عمر کے اعتبار سے جو

حاشیہ : (الف) حضورؐ بیمار ہوئے پھر ان کا مرض بڑھ گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ابو بکرؓ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے (ب) آپؐ نے فرمایا میرے قریب تمہارے بالغ اور عقل والے رہا کریں۔ پھر جو ان سے کم درجہ کے ہوں، پھر جو ان سے کم درجہ کے ہوں (ج) آپؐ نے فرمایا لوگوں کی امامت وہ کریں جو ان میں سے ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہوں۔ اور اگر ہجرت میں برابر ہوں تو دین کے اعتبار سے جو زیادہ فقیہ ہوں۔ اور اگر دین میں برابر ہوں تو جو قرآن کا زیادہ قاری ہوں (د) آپؐ نے فرمایا قوم کی امامت وہ کریں جو اللہ کی کتاب کو زیادہ پڑھنے والا ہو۔ پس اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو جو ان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔ پس اگر سنت میں برابر ہوں تو جو ان میں سے ہجرت کے اعتبار سے قدیم ہو۔ دوسری حدیث میں ہے جو ہجرت کے اعتبار سے برابر ہوں تو ان کی امامت کرے جو عمر کے اعتبار سے بڑا ہو (ه) آپؐ نے فرمایا جب نماز کا وقت آئے تو تمہارے لئے کوئی اذان دے اور تم میں سے بڑا تمہاری امامت کرے۔

[۲۲۷] (۵۷) ویکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق والاعمی وولد الزنا فان تقدموا

زیادہ ہواس کو امامت کا حق ہے۔

**لغت** اورع : جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

[۲۲۷] (۵۷) مکروہ ہے غلام کو امامت کے لئے آگے کرنا اور دیہاتی کو، فاسق کو، نابینا کو اور ولد الزنا کو آگے کرنا۔ پس اگر آگے کر دیا تو جائز ہے۔

**مذہب** (۱) ان لوگوں میں عموماً جہل ہوتا ہے۔ اور لوگ اس کی امامت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کی امامت مکروہ ہے۔ لیکن اگر ان لوگوں میں علم ہو اور لوگ ان کی امامت سے خوش ہوں تو ان کی امامت مکروہ نہیں ہے۔ نابینا میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ناپاکی سے بچ نہیں سکتا ہے۔ اگر وہ ناپاکی سے بچ سکتا ہو تو مکروہ نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یقول ثلاثۃ لا یقبل اللہ منہم صلوۃ من تقدم قوما وهم لہ کارہون (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یؤم القوم وهم لہ کارہون ص ۹۵ نمبر ۵۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم جن لوگوں کی امامت سے کراہیت کرے ان کی امامت مکروہ ہے۔ اور اوپر کے لوگوں کی امامت سے قوم کراہیت کرتی ہے اس لئے ان کی امامت مکروہ ہے۔ تاہم امامت جائز ہو جائے گی۔ غلام کی امامت جائز ہونے کی دلیل یہ اثر ہے وکانت عائشۃ یؤمہا عبدہا زکوان من المصحف (ب) (بخاری شریف، باب امامۃ العبد والمولیٰ ص ۹۶ نمبر ۶۹۲) فاسق کی امامت جائز ہے لیکن مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبید اللہ بن عدی بن خیاریہ دخل علی عثمان بن عفان وهو محصور فقال انک امام عامۃ ونزل بک ما تری ویصلی لنا امام فتنۃ و نتخرج فقال الصلوۃ احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معهم واذا اساء فاجتنب اساءتهم (ج) (بخاری شریف، باب امامۃ المؤمن والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ وقال الزہری لا نری ان یصلی خلف المخنث الا من ضرورۃ لا بد منها (د) (بخاری شریف، باب امامۃ المؤمن والمبتدع ص ۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال صلوا خلف کل بر وفاجر و صلوا علی کل بر وفاجر (سنن الترمذی، باب الصلوۃ علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلہ ج ۴ رابع، کتاب الجنائز ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۲) نابینا کی امامت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔ عن انس ان النبی ﷺ استخلف ابن ام مکتوم یوم الناس وهو اعمی (ه) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اللہ تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں کرتے جو کسی قوم کی امامت کے لئے آگے بڑھے حالانکہ وہ ناپسند کرتے ہوں (ب) حضرت عائشہؓ کی امامت اس کے غلام زکوان کرتے تھے قرآن سے (ج) عبید اللہ بن عدی، عثمان بن عفانؓ پر داخل ہوئے اس حال میں کہ وہ مجوس تھے۔ عبید اللہ نے کہا کہ آپ عوام کے امام ہیں اور آپ پر وہ مصیبت نازل ہوئی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اور ہمیں فتنہ کے امام نماز پڑھا رہے ہیں۔ اور ہم حرج محسوس کرتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا نماز اچھی چیز ہے جو لوگ عمل کرتے ہیں۔ پس اگر لوگ اچھا کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اگر برا معاملہ کریں تو تم ان کی برائی سے بچو (د) امام زہری نے فرمایا کہ مخنث کے پیچھے نماز پڑھنا اچھا نہیں سمجھتا مگر ضرورت کی بنا پر۔ (ه) حضورؐ نے عبد اللہ بن مکتوم کو مدینہ کا خلیفہ بنایا۔ وہ لوگوں کی امامت کرتے تھے حالانکہ وہ نابینا تھے۔

جاز [۲۲۸] (۵۸) وینبغی للامام ان لا يطول بهم الصلوٰۃ [۲۲۹] (۵۹) ویکره للنساء ان

امامة الاعلیٰ ص ۹۵ نمبر ۵۹) اس سے معلوم ہوا کہ نابینا پاکی ناپاکی کا احتیاط رکھتا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو ان کو امام بنایا جاسکتا ہے۔ مکروہ نہیں ہے۔

[۲۲۸] (۵۸) امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ نماز بہت لمبی نہ کرے۔

**مذہب** (۱) نماز بہت زیادہ لمبی کرنے میں کمزور اور بوڑھے لوگ پریشان ہونگے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے مستحبات سے زیادہ قرأت لمبی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں! اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے اخبرنی ابو مسعود ان رجلا قال والله يا رسول الله اني لاتاخر عن صلوٰۃ الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فما رأيت رسول الله ﷺ في موعظه اشد غضبا منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرین فايكم ما صلى بالناس فليتجاوز فان فيهم الضعيف والكبير وذا الحاجة (الف) (بخاری شریف، باب تخفيف الامام فی القيام و اتمام الركوع والسجود ص ۹۷ نمبر ۷۰۲ / مسلم شریف، باب تخفيف الصلوٰۃ، نمبر ۶۶۷) اس کے آگے حدیث میں یہ جملہ بھی ہے واذا صلى احدكم لفسه فليطول، اما شاء (بخاری شریف، نمبر ۷۰۳ / مسلم شریف، نمبر ۶۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام ہو تو نماز زیادہ لمبی نہ کرے۔ اور اکیلا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

[۲۲۹] (۵۹) عورتوں کے لئے مکروہ ہے کہ تنہا عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، پس اگر جماعت کی تو امام ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی جیسے ننگے کھڑے ہوتے ہیں۔

**تشریح** صرف عورتیں نماز پڑھیں تو الگ الگ نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ وہاں مرد نہیں ہے اس لئے عورت ہی کو امامت کرنی ہوگی۔ اور عورت کی امامت جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔ اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور عورت نے امامت کرائی تو امام عورت عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی۔ مرد کی طرح آگے کھڑی نہیں ہوگی۔

**مذہب** اس لئے کہ یہ عورتوں کے ستر کے خلاف ہے۔ اس لئے امام عورت درمیان میں کھڑی ہوگی جیسے تمام ننگے آدمیوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوتا ہے (۲) عن ربيعة الحنفية قالت امتنا عائشة فقامت بينهن في الصلوٰۃ المكتوبة في حديث آخر امتنا ام سلمة في صلوٰۃ العصر فقامت بيننا (ب) (دارقطني، باب صلوٰۃ النساء جماعت وموقف المأمن ص ۳۸۸ نمبر ۱۴۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت امام کو درمیان میں کھڑی ہونی چاہئے۔

حاشیہ: (الف) ابو مسعود نے فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں دو پہر کی نماز سے فلاں آدمی کی وجہ سے پیچھے رہتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ لمبی نماز ہمیں پڑھاتا ہے۔ تو میں نے حضور کو کسی نصیحت میں اس دن کی طرح اتنا غصہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے۔ اس لئے کہ اس میں کمزور ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں اور ضرورت مند ہوتے ہیں (ب) ربطہ حنفیہ کہتی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ہماری امامت کی تو وہ فرض نماز میں عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوئی۔ دوسری حدیث میں ہے ام سلمہؓ نے عصر کی نماز میں ہماری امامت کی تو ہمارے درمیان کھڑی ہوئی۔

یصلین و حدهن بجماعة فان فعلن وقفت الامامة وسطهن كالعراة [۲۳۰] (۶۰) ومن صلی مع واحد اقامه عن یمینہ [۲۳۱] (۶۱) وان كانا اثنين تقدمهما.

عورت کی امامت مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها (الف) (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتها وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰/ ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصف الاول، ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) جب عورت کو اگلی صف میں جانا مکروہ ہے تو امامت کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ اس میں آگے جانا ہوتا ہے۔ عورت کی امامت مکروہ ہے اس کی دلیل یہ اثر بھی ہے۔ عن علیؑ قال لا تؤم المرأة (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۱۷ من کرہ ان تؤم المرأة النساء، ج اول، ص ۴۳۰، نمبر ۳۹۵)

**نکات** العراة : عاری کی جمع ہے ننگے۔

**نوٹ** ننگے لوگوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے عن قتادة قال اذا خرج ناس من البحر عراة فامهم احدهم صلوا قعودا وكان امامهم معهم في النصف ويأمون ايماء (مصنف عبدالرزاق، باب ضلوة العريان ج ثانی ص ۵۸۳، نمبر ۴۵۶۲)

[۲۳۰] (۶۰) اگر ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے۔

**وجہ** (۱) دائیں جانب افضل ہے اس لئے ایک آدمی مقتدی ہو تو امام اس کو اپنی دائیں جانب میں کھڑا کرے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال صليت مع النبي ﷺ ذات ليلة فقامت عن يساره فاخذ رسول الله ﷺ برأسي من ورائي فجعلني عن يمينه فصلي (ب) (بخاری شریف، باب اذا قام الرجل عن يبار الامام وحوله الامام خلفه الى يمينه تمت صلوة ص ۱۰۰ نمبر ۷۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں جانب کھڑا کرنا چاہئے۔ لیکن امام سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوگا۔

[۲۳۱] (۶۱) اور اگر دو مقتدی ہوں تو امام دونوں سے آگے کھڑا ہوگا۔

**وجہ** عن انس بن مالک قال صليت انا يتييم في بيئنا خلف النبي وامى خلفنا ام سليم (ج) (بخاری شریف، باب المرأة وحدها تكون صفاف ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ ابوداؤد شریف، باب اذا كانوا ثلثة كيف يقوّمون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں انس اور یتیم دو آدمی تھے تو حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہوگا اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے ہوں گے۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام دونوں مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا۔ ان کا استدلال اس اثر سے ہے استاذن علقمة والاسود

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا مردوں کی بہترین صف پہلی صف ہے اور بری صف آخری صف ہے۔ اور عورتوں کی بہترین صف آخری صف ہے اور بری صف پہلی صف ہے (ب) عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ ایک رات نماز پڑھی تو میں آپؐ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا۔ آپؐ نے میرے سر کو پیچھے سے پکڑا اور مجھ کو اپنی دائیں جانب کر دیا (الف) انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں اور یتیم نے حضورؐ کے پیچھے میرے گھر میں نماز پڑھی اور میری ماں ام سلیم میرے پیچھے تھیں۔

[۲۳۲] (۶۲) ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة او صبي.

علی عبد اللہ (بن مسعود) وقد كنا اطلنا القعود علی بابہ فخرجت الجارية فاستأذنت لهما فاذن لهما ثم قام فصلى بیسی وبنہ ثم قال هکذا رأیت رسول الله ﷺ فعل (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلاثہ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۳) اس حدیث میں عبد اللہ بن مسعود علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بہتر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے لیکن آگے کھڑا ہونا بہتر ہے۔

[۲۳۲] (۶۲) نہیں جائز ہے مرد کے لئے کہ اقتدا کرے عورت کی یا بچے کی۔

**شرح** مرد مقتدی ہوا اور اس کا امام عورت ہو یا بچہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

**وجہ** مسئلہ نمبر ۵۷ میں (مسلم شریف نمبر ۴۴۰/۱ ابوداؤد شریف نمبر ۶۷۸) حدیث گزری ہے جس میں تھا کہ عورت کی انگلی صف بری ہے اور پچھلی صف اچھی ہے۔ اور امامت کرنے کی وجہ سے وہ مرد سے بھی آگے ہوگی اس لئے مرد کے لئے اس کی امامت درست نہیں ہے۔ مسئلہ نمبر ۵۷ میں جو عورت کی امامت کا مسئلہ گزرا وہ یہ تھا کہ عورت عورت کی امامت کر سکتی ہے نہ کہ مرد کی (۲) حدیث میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال سمعت رسول الله علی منبرہ یقول فذكر الحديث وفيه الا ولا تؤمن امرأة رجلا (ب) (سنن للبیہقی، باب لا یأتی تم رجل بامرأة ج ۳ ص ۱۲۸، نمبر ۵۱۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرے۔

**نوٹ** ابوداؤد شریف میں عورتوں کی امامت کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی ہے عن ام ورقة بنت عبد اللہ بن حارث بھذا الحدیث قال کان رسول الله یزورھا فی بیتھا وجعل لھا مؤذنا یؤذن لھا وامرھا ان تؤم اهل دارھا (ج) (ابوداؤد شریف، باب امامۃ النساء ص ۹۵ نمبر ۵۹۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت امامت کر سکتی ہے۔ لیکن اس میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ مرد کی امامت کرتی تھی۔ سنن للبیہقی اور دیگر احادیث کو ملانے سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرتی تھی مرد کی نہیں۔

اور بچے کی اقتدا اس لئے جائز نہیں کہ اس کی نماز ہی نہیں ہے۔ وہ نماز توڑ دے تو اس پر قضا نہیں ہے۔ اور امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے اب امام کی نماز کمزور ہے تو مضبوط نماز کی ضامن وہ کیسے بن سکتی ہے۔ اس لئے بالغ مرد یا عورت کے لئے بچے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔ عن الشعبي قال لا یام الغلام حتی یحتلم (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۲۲ فی امامۃ الغلام قبل ان یتحکم، ج ۱ ص ۳۰۶، نمبر ۳۵۰۵) عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا عجمی ولا غلام لم یحتلم (دارقطنی، باب من

حاشیہ : (الف) علقمہ اور اسود نے عبد اللہ بن مسعود کے پاس آنے کی اجازت مانگی، اور ان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے بہت دیر ہو چکی تھی۔ پھر ایک باندی نکلی اور دونوں کے لئے اجازت لی اور عبد اللہ نے اجازت دیدی۔ پھر کھڑے ہوئے اور میرے اور ان کے درمیان نماز پڑھی۔ پھر فرمایا کہ میں نے اسی طرح حضور کو کرتے ہوئے دیکھا ہے (ب) حضور کو نمبر پر کہتے ہوئے سنا ہے پھر لمبی حدیث ذکر کی اس میں یہ بھی تھا کہ سن لو! عورت مرد کی امامت نہ کرے (ج) آپ ام ورقہ کی ان کے گھر میں زیارت کے لئے جاتے۔ ان کے لئے ایک مؤذن متعین کیا جو اذان دیتا تھا اور ام ورقہ کو حکم دیا تھا کہ اپنے گھر والوں کی امامت کرے۔

[۲۳۳] (۶۳) ویصف الرجال ثم الصبيان ثم الخنثی ثم النساء [۲۳۴] (۶۴) فان قامت امرأة الى جنب رجل وهما مشترکان فی صلوٰۃ واحدة فسدت صلوٰۃه.

یصلح ان یقوم خلف الامام۔ ج اول، ص ۲۸۵، نمبر ۱۰۷

**فائدہ** بعض ائمہ کے نزدیک سنن اور نوافل میں بچے کی اقتدا کرنا جائز قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عن عمر بن سلمہ کنا بحاضر ... فکنت اؤمهم وانا ابن سبع او ثمان سنین (الف) (ابوداؤد شریف، باب من اتق بالامۃ ص ۹۳ نمبر ۵۸۵) اس حدیث میں عمر بن سلمہ سات یا آٹھ سال کے بچے تھے۔ اور انہوں نے اچھے قاری ہونے کی وجہ سے صحابہ کی امامت کرائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی اقتدا جائز ہے۔ جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور کو معلوم نہیں ہے کہ لوگوں نے بچوں کو امام بنالیا ہے۔ کیونکہ یہ حدیث ولیلنی منکم اولو الاحلام والنہی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم (ب) (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واثابتہا، ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲) کے خلاف ہے۔

[۲۳۳] (۶۳) صف بنائی جائے گی مردوں کی پھر بچوں کی پھر خنثی کی پھر عورتوں کی۔

**ترجمہ** حدیث میں اسی طرح صف بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صلیت انا ویتیم فی بیتنا خلف النبی ﷺ وامی ام سلیم خلفنا ام سلیم (ج) (بخاری شریف، باب المرأة وحدها تکون صفًا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ ابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد پہلے صف میں کھڑے ہونگے۔ بچے دوسری صف میں اور خنثی چونکہ مرد اور عورت کے درمیان ہے اس لئے وہ عورت سے آگے اور بچوں سے پیچھے کھڑے ہونگے۔ اور آخری صف میں عورت کھڑی ہوگی (۲) مسلم کی حدیث گزر چکی ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها (د) (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واثابتہا وفضل الاول فالاول ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

[۲۳۴] (۶۴) پس اگر کوئی عورت کسی مرد کی بغل میں کھڑی ہوگئی اور وہ دونوں ایک ہی نماز میں مشترک ہیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی **مشرع** عورت مرد کی بغل میں کھڑی ہو جائے اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے۔ اس لئے فاسد ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) دونوں کی نماز ایک ہو (۲) بغیر پردہ کے عورت کھڑی ہو (۳) رکوع اور سجدہ والی نماز ہو (۴) عورت اہل شہوت ہو (۵) اور امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو تب مرد کی نماز فاسد ہوگی۔

حاشیہ : (الف) عمر بن سلمہ فرماتے ہیں کہ میں قوم میں حاضر تھا... میں ان کی امامت کرتا تھا۔ حال یہ تھا کہ میں سات سال یا آٹھ سال کا لڑکا تھا (ب) میرے قریب تم میں سے بالغ اور عقلمند آدمی ہونا چاہئے۔ پھر جو اس کے بعد ہو پھر جو اس کے بعد ہو (ج) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں نے میرے گھر میں نماز پڑھنے کے حضور کے پیچھے اور میری ماں ام سلیم میرے پیچھے تھی (د) آپ نے فرمایا مرد کی بہترین صف پہلی صف ہے اور اس کی بری صف آخری ص ہے۔ اور عورت کی بہترین صف آخری صف ہے اور بری صف پہلی صف ہے۔



[۲۳۵] (۶۵) ویکرہ للنساء حضور الجماعة.

**مذہب (۱)** مرد کا کام تھا کہ عورت کو نصیحت کر کے اس کو پیچھے کرتے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگی (۲) مسئلہ نمبر ۶۳ میں مسلم شریف کی حدیث گزری ہے کہ آخری صف عورت کے لئے بہتر ہے لیکن وہ صف میں آگئی اس لئے اس نے خلاف سنت کام کیا اس لئے نماز فاسد ہوگی (۳) عن الحارث بن معاویۃ انه ركب الی عمر بن الخطاب یسأله عن ثلاث خلال، قال فقدم المدینة فساله عمر ما اقدمک؟ قال لاسئلک عن ثلاث خلال، قال وماهی قال ربما كنت والمرأة فی بناء ضیق فتحضر الصلوة فان صلیت انا وهی كانت بحذائی فان صلت خلفی خرجت من البناء قال تستر بینک و بینها بثوب ثم تصلی بحذائک ان شئت (الف) (بمعناه مصنف عبدالرزاق، باب الرجل والمرأة یصلیان احدهما یحجز الآخر ۳۶ ص، نمبر ۲۳۹۱ مجمع الزوائد ج اول ص ۶۷/ اعلاء السنن، باب فساد صلوٰۃ الرجال بمحاذاة النساء ج رابع ص ۲۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے درمیان پردہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۴) اخبرنا ابو حنیفہ عن حماد عن ابرہیم قال اذا صلت المرأة الی جانب الرجل وکانا فی صلوٰۃ واحدة فسدت صلوٰۃ. قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنیفہ (ب) (کتاب الآثار لا امام محمد، باب ما یقطع الصلوٰۃ ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کا فتویٰ یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ عورت کا مرد کے ساتھ کھڑا ہونا مکروہ تو ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشۃ زوج النبی ﷺ انها قالت كنت انام بین یدی رسول اللہ ﷺ ورجلائی فی قبلتہ فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتها (ج) (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأة ص ۷۳، نمبر ۵۱۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیوں کہ حضور نماز کے درمیان حضرت عائشہ کو چھوتے تھے پھر بھی نماز بحال رہتی تھی۔

[۲۳۵] (۶۵) عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

**مذہب (۱)** عورتوں کو مسجد کی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔ کیونکہ حضور نے اجازت دی ہے۔ لیکن جوان عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ کیونکہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے فتنہ کا خطرہ ہے (۲) سمعت عائشۃ زوج النبی ﷺ تقول لو ان رسول اللہ ﷺ رأى ما احدث

حاشیہ: (الف) حارث بن معاویہ عمر کے پاس تین باتیں پوچھنے کے لئے آئے۔ مدینہ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ کیوں آئے ہو، حارث نے کہا تین باتیں پوچھنے کے لئے آیا ہوں۔ عمر نے کہا وہ کیا ہیں؟ حارث نے کہا کبھی میں اور میری بیوی تنگ گھر میں ہوتے ہیں تو نماز کا وقت آجاتا ہے۔ پس اگر میں اور میری بیوی نماز پڑھتے تو وہ میرے محاذات میں ہوتی ہے اور اگر وہ میرے پیچھے نماز پڑھتے تو وہ مکان سے باہر ہو جائے گی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تمہارے درمیان اور اس کے درمیان کپڑے کا ستر کرلو۔ پھر وہ تمہارے محاذات میں نماز پڑھے اگر تم چاہو (ب) امام ابو حنیفہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے خبر دی ہے کہ کہا جب عورت مرد کے پہلو میں نماز پڑھے اور دونوں ایک ہی نماز میں ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں یہ ابو حنیفہ کا قول ہے (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کے سامنے سوتی تھی اور میرے دونوں پاؤں قبلہ کی طرف ہوتے تھے۔ پس جب وہ سجدہ فرماتے تو مجھ کو ٹٹولتے تو میں دونوں پاؤں سکیڑ لیتی۔ پس جب آپ کھڑے ہوتے تو میں ان کو پھیلا دیتی۔

[۲۳۶] (۶۶) ولا بأس بان تخرج العجوز فی الفجر والمغرب والعشاء عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقال ابو یوسف و محمد یجوز خروج العجوز فی سائر الصلوة

النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل (الف) (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہن ص ۱۸۳ نمبر ۴۳۵/۱ ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عورتوں کو حضور منع فرماتے تو آج کل کی عورتوں کو کیوں نہ روکا جائے (۳) عن عبد اللہ عن النبی ﷺ قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها و صلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها (ب) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔ لیکن گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ اور یہی مسجد میں جانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔ مسجد جانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی ہریرہ ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال : لا تمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ ولكن لیخرجن وھن تفلات (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد ص ۹۱، نمبر ۵۶۵/۲ مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہن ص ۱۸۳، نمبر ۴۳۲)

[۲۳۶] (۶۶) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بوڑھی عورتیں فجر، مغرب اور عشا میں مسجد کے لئے نکلیں امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جائز ہے۔

**ج** بوڑھی عورتوں میں رغبت کم ہوتی ہے اور خاص طور پر فجر، مغرب اور عشا میں شریروں کو سوائے ہوتے ہیں اس لئے بوڑھیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جائیں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بوڑھیوں میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے تمام ہی نمازوں میں جاسکتی ہیں۔ دلیل یہ حدیث ہے قال رسول اللہ ﷺ ایما امرأة اصاب بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (ج) (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص ۱۸۳ نمبر ۴۳۲) اس سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت جس میں رغبت ہو وہ مسجد میں حاضر نہ ہوں۔ دوسرا اثر یہ ہے عن عبد اللہ ابن مسعود قال والذی لا الہ غیرہ ما صلت امرأة صلوة خیر لها من صلوة تصلیها فی بیتها الا ان یکون مسجد الحرام او مسجد الرسول ﷺ الا عجوزا فی منقلہا (د) (سنن للبیہقی، باب خیر مساجد النساء تقریباً تھن ج ثالث ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بوڑھی عورت وہ بھی بغیر عطر اور بھڑکیلے کپڑے کے مسجد میں جاسکتی ہے۔

**فائدہ** جن حضرات نے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تمنعوا نساءکم المساجد اذا استأذنکم الیہا فقال بلال بن عبد اللہ واللہ لمنعهن (ہ)

حاشیہ : (الف) اگر حضور دیکھ لیتے جو آج کل عورتوں نے پیدا کیا ہے تو ان کو مسجدوں سے روک دیتے۔ جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (ب) آپ نے فرمایا عورت کی نماز گھر میں زیادہ بہتر ہے اس کی نماز سے جو کرے میں ہو۔ اور اس کی نماز چھوٹی سی کوٹھری میں ہو تو زیادہ بہتر ہے جو گھر میں ہو (ج) آپ نے فرمایا کوئی عورت عطر لگائے تو وہ ہمارے ساتھ عشا کی نماز میں نہ آئے (د) عبد اللہ ابن مسعود نے فرمایا اللہ کی قسم نہیں پڑھی عورت نے کوئی بہتر نماز جو اس نے گھر میں پڑھی ہو۔ مگر یہ کہ مسجد حرام میں یا مسجد رسول میں پڑھی ہو۔ مگر یہ کہ بوڑھی ہو جو بغیر نعل کے موزے میں آئی ہو (ہ) آپ نے فرمایا تم لوگ اپنی عورتوں کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۳۷] (۶۷) ولا یصلی الطاهر خلف من به سلسل البول ولا الطاهرات خلف المستحاضة [۲۳۸] (۶۸) ولا القارئ خلف الامی ولا المكتسی خلف العریان [۲۳۹] (۶۹) ویجوز ان یؤم الممیم المتوضئین والماسح علی الخفین الغاسلین.

(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص ۱۸۳ نمبر ۴۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو اس کو منع نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن خود اس حدیث میں ہے کہ راوی کے بیٹے بلال نے فرمایا کہ میں تو روکوں گا تا کہ وہ اس کو دھوکا کی چیز نہ بنالیں۔ رات میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوں ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد (بخاری شریف، باب هل علی من لا یشہد الجمعة غسل من النساء والصبيان ص ۱۲۳، ابواب الجمعة نمبر ۸۹۹)

[۲۳۷] (۶۷) پاک آدمی اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھے جس کو سلسل البول ہے اور نہ پاک عورتیں مستحاضہ عورت کے پیچھے۔

**مذہب** قاعدہ ہے کہ امام اعلیٰ درجہ کا ہو یا مقتدی سے برابر درجہ کا ہو یا امام مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تو اقتدا جائز ہے۔ اور اگر امام مقتدی سے بہت کم درجہ کا ہو تو ایسے امام کی اقتدا جائز نہیں ہے۔ اب اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔ اب سلسل البول والا جس کو مسلسل پیشاب آتا ہو پاک آدمی سے بہت کم درجہ کا ہے۔ کیونکہ سلسل البول والا معذور ہے اور پاک معذور نہیں ہے۔ اس لئے پاک آدمی کے لئے سلسل البول کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے (۲) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور سلسل البول یا مستحاضہ پاک آدمی سے نیچے درجے کے ہیں۔ اس لئے اقتدا جائز نہیں ہے **اصول** (۱) امام ضامن ہے (۲) امام کو اعلیٰ یا برابر درجہ کا ہونا چاہئے

[۲۳۸] (۶۸) اور نہیں جائز ہے اقتدا پڑھنے والے کی امی کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والے کی ننگے کے پیچھے۔

**شرح** جو آدمی اتنا قرآن شریف جانتا ہے جس سے نماز جائز ہو سکے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو کچھ بھی آیت قرآنی نہیں جانتا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔ کیونکہ امی معذور ہے اور قاری معذور نہیں ہے۔ اس لئے اصل اور صحیح کی اقتدا معذور کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جس کے پاس ستر ڈھکنے کا کپڑا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو بالکل ننگا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ننگا معذور ہے اور کپڑے والا صحیح اور اصل ہے۔

**مذہب** مسئلہ نمبر ۶۵ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے۔

[۲۳۹] (۶۹) جائز ہے کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرے اور موزے پر مسح کرنے والا پاؤں کو دھونے والے کی امامت

حاشیہ : (پچھلے صفحے سے آگے) مسجد میں آنے سے مت روکو اگر وہ تم سے اجازت چاہیں۔ عبد اللہ کے بیٹے بلال نے کہا کہ ہم تو عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکیں گے (الف) آپ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امامت دار ہے۔

[۲۴۰] (۷۰) ویصلی القائم خلف القاعد.

کرے۔

**بج** (۱) تیمم کرنے والا پانی نہ ہونے کے وقت وضو کرنے والے کے حکم میں ہے۔ اس لئے دونوں برابر درجے کے ہو گئے۔ اسی طرح موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی طرح ہے۔ اس لئے دونوں برابر درجے کے ہو گئے۔ اس لئے وضو کرنے والے تیمم کرنے والے، اور پاؤں دھونے والے موزے پر مسح کرنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عمرو بن العاص قال احتملت فی ليلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلک فتیممت ثم صلیت باصحابی الصبح (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا خاف الجب البرد ایتیمم ص ۵۴ نمبر ۳۳۳ بخاری شریف، باب اذا خاف الجب علی نفسه المرض او الموت ص ۴۹ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں حضرت عمرو نے جنابت کا تیمم کر کے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ہے۔ جب کہ ساتھی وضو اور غسل والے تھے۔ اور آپؐ نے اس پر کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ تیمم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی اقتدا درست ہے۔ موزے پر مسح کر کے تو آپؐ نے بار بار وضو کرنے والوں کی امامت کرائی ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ تو عام ہے۔

[۲۴۰] (۷۰) کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

**تشریح** امام کو کوئی عذر ہو جس سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھا رہا ہو اور مقتدی کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھا رہا ہو تو بیٹھنے والے امام کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا تقریباً کھڑا ہونے والے کے قریب قریب ہے۔ لیکن مقتدی بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھنے کا نہیں بلکہ کھڑا رہے گا۔

**بج** حدیث میں ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث کا کٹوا ہے دخلت علی عائشة فقلت الا تحدثنی عن مرض رسول الله ﷺ ... فجعل ابو بکر یصلی وهو قائم بصلوة النبی ﷺ والناس بصلوة ابی بکر والنبی قاعد (ب) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتر به ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی حدیث میں تصریح ہے وقام ابو بکر وکان ابو بکر یأتم بالنبی ﷺ والناس یأتمون بابی بکر قال ابن عباس واخذ رسول الله ﷺ من القراء ؤمن حیث کان بلغ ابو بکر (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی صلوة رسول الله ﷺ فی مرضه ص ۱۷۴ نمبر ۱۲۳۵ مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر الخ ص ۷۸ نمبر ۴۱۸) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ چنانچہ امام بخاری نے فیصلہ دیا ہے کہ ثم صلی بعد ذلك النبی ﷺ جالسا والناس خلفه قیام لم یأمرهم بالقعود وانما یؤخذ بالآخر فالآخر

حاشیہ : (الف) عمرو بن عاص فرماتے ہیں غزوہ سلاسل میں ایک ٹھنڈی رات میں احتلام والا ہو گیا تو میں ڈرا کہ اگر میں غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا تو میں نے تیمم کیا اور ساتھیوں کو صبح کی نماز پڑھائی (ب) راوی کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ کیا حضورؐ کے مرض کے بارے میں بیان نہیں کریں گے؟ تو ابو بکر نماز پڑھا رہے تھے۔ وہ حضورؐ کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابو بکر کی اقتدا کرتے تھے۔ اور حضورؐ بیٹھے ہوئے تھے (ج) ابو بکر کھڑے تھے اور ابو بکر حضورؐ کی اقتدا کرتے تھے اور لوگ ابو بکر کی۔ ابن عباسؓ نے کہا حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں ابو بکر پہنچے۔

[۲۴۱] (۷۱) ولا یصلی الذی یرکع و یسجد خلف المؤمنی [۲۴۲] (۷۲) ولا یصلی المفترض خلف المتفل.

من فعل النبی ﷺ (الف) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس سے بھی معلوم ہوا کہ بخاریؒ فرماتے ہیں مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ قیام فرض ہے بغیر عذر کے ساقط نہیں ہوتا۔

**فائدہ** بعض حضرات کی رائے ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة ام المؤمنین انها قالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتہ وهو شاک فصری جالسا وصری ورائہ قوم قیاما فاشار الیہم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولك الحمد واذا صلی جالسا فصلوا جلوسا اجمعون (ب) (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۹/ ابوداؤد شریف، باب الامام یصلی من قعود ص ۹۶ نمبر ۶۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ خود بخاریؒ فرماتے ہیں کہ پہلا عمل منسوخ ہے۔

[۲۴۱] (۷۱) جو آدمی رکوع اور سجدہ کرتا ہو وہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

**تشریح** جو آدمی عذر کی بنا پر اشارہ کر کے نماز پڑھتا ہو، رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو وہ معذور ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والا جو گویا تندرست ہے کا اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۶۷ میں گزر گئی ہے۔

[۲۴۲] (۷۲) فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

**مذہب** پہلے مسئلہ نمبر ۶۷ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے اس کو اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہئے۔ یا کم سے کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور فرض پڑھنے والا اعلیٰ ہے اور نفل پڑھنے والا ادنیٰ ہے اس لئے فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے (۲) اس حدیث سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فلا تختلفوا علیہ (ج) (مسلم شریف، باب اہتمام الماموم بالامام ص ۷۷ نمبر ۴۱۴) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔ اور یہاں اعلیٰ کا ادنیٰ درجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والی کی اقتدا کرنا جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) پھر حضورؐ نے اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی اور لوگ ان کے پیچھے کھڑے تھے۔ ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا۔ آپ کے فعل کا اخیر معاملہ لیا جائے گا (ب) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اپنے گھر میں بیمار تھے۔ پس بیٹھ کر نماز پڑھی اور ان کے پیچھے قوم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔ تو آپؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ پس جب فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔ پس جب وہ رکوع کرے تو رکوع کرو۔ جب سر اٹھائے تو تم سر اٹھاؤ۔ اور جب سمع اللہ منہ کہے تو بنا داک الحمد کہو۔ اور جب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو بیٹھ کر نماز پڑھو (ج) آپؐ نے فرمایا امام اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ اس کی اقتدا کی جائے۔ اس لئے اس کے خلاف نہ کرو۔

[۲۴۳] (۷۳) ولا یصلی فرضا خلف من یصلی فرضا آخر [۲۴۴] (۷۴) ویصلی المتنفل

**مذہب** ان کے نزدیک امامت کا مطلب ضامن ہونا نہیں ہے بلکہ ایک جگہ مل کر نماز پڑھ لینا ہے۔ اس لئے فرض اور نفل کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ان معاذ بن جبل کان یصلی مع رسول اللہ العشاء ثم یاتی قومہ فیصلی بہم تلک الصلوة (الف) (ابوداؤد شریف، باب امامۃ من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوة ص ۹۵ نمبر ۵۹۹) ان معاذ کا یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم ینصرف الی قومہ فیصلی بہم ہی لہ تطوع ولہم فریضة (دارقطنی، باب ذکر صلوة المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ حضورؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھ کر آتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ فرض پڑھ کر آتے تھے اور قوم کو جب پڑھاتے تو نفل کی نیت کر کے پڑھاتے تھے۔ اور خود قوم کی نماز فرض ہوتی تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ حضرت معاذ حضورؐ کے ساتھ فرض کی نیت کر کے عشا کی نماز پڑھتے تھے اور قوم کو نفل کی نیت کر کے پڑھاتے تھے۔ بلکہ ایسا بہت ممکن ہے کہ حضورؐ کے ساتھ برکت کے لئے نفل کی نیت کر کے پڑھتے ہوں اور قوم کو فرض کی نیت کر کے پڑھاتے ہوں۔

[۲۴۳] (۷۳) اور نہیں جائز ہے اقتدا کرنا اس کی جو نماز پڑھتا ہو فرض، اس کے پیچھے جو دوسرے فرض پڑھتا ہو۔

**تشریح** کوئی آدمی مثلاً ظہر کا فرض پڑھ رہا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا نہیں کر سکتا جو عصر کا فرض پڑھ رہا ہے۔

**مذہب** پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں کی نیت متحد ہونی چاہئے (۲) اسی طرح مسئلہ نمبر ۷۲ میں حدیث گزری فلا تختلفوا علیہ کہ امام اور مقتدی کے درمیان اختلاف نہیں ہونا چاہئے۔ نماز کا اتحاد ضروری ہے۔ اس لئے ایک فرض پڑھنے والا دوسرے فرض پڑھنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتا۔ تفصیلی دلائل گزر چکے ہیں۔

[۲۴۴] (۷۴) نماز پڑھ سکتا ہے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے پیچھے۔

**مذہب** (۱) فرض پڑھنے والا اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے اور نفل پڑھنے والا ادنیٰ درجہ کا، اس لئے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کر سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے عن جابر بن یزید انہ صلی مع رسول اللہ ﷺ وهو غلام شاب فلما صلی اذا رجلاں لم یصلیا فی ناحیة المسجد فدعا بہما فجعی بہما ترعد فرائضہما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا؟ قالوا قد صلینا فی رحالنا قال لا تفعلوا اذا صلی احدکم فی رحلہ ثم ادرک الامام ولم یصل فلیصل معہ فانہا لہ نافلۃ (ب) (ابوداؤد شریف، باب

حاشیہ : (الف) حضرت معاذ بن جبل حضورؐ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھتے پھر اپنی قوم کے پاس آتے پھر ان کو وہی نماز پڑھاتے (ب) جابر بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھی، حضرت جابرؓ جو ان تھے۔ جب نماز پوری ہو گئی تو وہ آدمی مسجد کے کنارے میں تھے۔ جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ دونوں کو بلایا۔ دونوں لائے گئے اس حال میں کہ دونوں کے موٹھے کانپ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے تم دونوں کو کس نے روکا؟ دونوں نے کہا کہ ہم نے اپنے کجاوے میں نماز پڑھ لی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا مت کرو۔ جب تم میں سے کوئی ایک کجاوے میں نماز پڑھ لے پھر امام کو پائے کہ انہوں نے نماز نہیں پڑھی ہے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ لے، یہ نفل ہو جائے گی۔



[۲۴۶] (۷۶) ویکره للمصلی ان یعث بثوبه او بجسده [۲۴۷] (۷۷) ولا یقلب الحصى

ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۵) عن سعید بن مسیب ان رسول الله ﷺ صلی بالناس وهو جنب فاعاد واعادوا (الف) (دارقطنی، باب صلوة الامام وهو جنب او محدث ج اول ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۴) اس اثر اور حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں گے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی پاک ہیں اس لئے ان کی نماز پوری ہوگئی۔ صرف امام کو نماز لوٹانا ہوگی۔ کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن النبی ﷺ ایما امام سہی فصلی بالقوم وهو جنب فقد مضت صلوتہم ثم لیغتسل هو ثم لیعد صلوتہ وان صلی بغير وضوء فمثل ذلک (ب) (دارقطنی، باب صلوة الامام وهو جنب او محدث ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی طہارت پر ہیں اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی اور امام کو نماز لوٹانا ہوگی (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔ لیکن امام مقتدیوں کا مکمل ذمہ دار نہیں ہے۔ اس لئے امام کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم نہیں آئیگا۔

### ﴿ مکروہات کا بیان ﴾

[۲۴۶] (۷۶) مکروہ ہے نماز پڑھنے والے کے لئے کہ وہ اپنے کپڑے یا اپنے جسم سے کھیلے۔

**حجہ** (۱) نماز میں خشوع و خضوع ہونا چاہئے۔ آیت میں ہے تو مو اللہ قانتین نماز میں عاجزی سے اور ادب سے اللہ کے سامنے کھڑے رہو۔ اس لئے جسم اور کپڑے سے کھیلنا مکروہ ہے (۲) حدیث میں بھی ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال امرت ان اسجد علی سبعة اعظم لا اکف شعرا ولا ثوبا (ج) (بخاری شریف، باب لا یکتف ثوبہ فی الصلوة ص ۱۱۳ نمبر ۸۱۶) مسلم شریف، باب اعشاء السجود والنہی عن کف الشعر والثوب ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے کو بلا وجہ بار بار سمیٹنا مکروہ ہے تو اس سے کھیلنا بھی مکروہ ہوگا (۳) حدیث میں ہے قال ابو ذر قال رسول الله ﷺ لا یزال الله عز وجل مقبلا علی العبد وهو فی صلوتہ ما لم یلتفت فاذا التفت انصرف عنه (د) (ابوداؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوة ص ۱۳۸ نمبر ۹۰۹) کھیلنے میں نماز سے دوسری طرف متوجہ ہونا ہوتا ہے اس لئے مکروہ ہے۔ اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوگی البتہ اچھا نہیں ہے۔

[۲۴۷] (۷۷) کنکری کو الٹ پلٹ نہ کرے مگر یہ کہ اس پر سجدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ایک مرتبہ کنکری کو برابر کر دے۔

**حجہ** (۱) کنکری کو بار بار ادھر ادھر کرنا کھیلنا ہے۔ جس کو مسئلہ نمبر ۷۳ میں منع کیا گیا ہے (۲) حدیث میں ہے عن معیقب قال سألت

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) بھی حکم دیا کہ وہ نماز لوٹائیں (الف) آپؐ نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھائی تو آپؐ نے بھی نماز لوٹائی اور لوگوں نے بھی نماز لوٹائی (ب) آپؐ سے روایت ہے کہ جو امام بھی بھول گیا اور قوم کو جنابت کی حالت میں نماز پڑھائی تو قوم کی نماز باگنی پھر امام کو غسل کرنا چاہئے پھر اپنی نماز لوٹانا چاہئے۔ اور اگر بغیر وضو کے نماز پڑھائی تو اس کا حکم بھی اسی کے مثل ہے (ج) آپؐ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات عضو پر سجدہ کروں اور نہ بال کو سمیٹوں نہ کپڑے کو سمیٹوں (د) آپؐ نے فرمایا کہ اللہ ہمیشہ متوجہ رہتے ہیں بندے پر جب تک وہ نماز میں ہوتے ہیں۔ اور ادھر ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ پھر جب ادھر ادھر توجہ کرتا ہے تو اللہ بھی رحمت کی توجہ پھر لیتے ہیں۔



الا ان لا يمكنه السجود عليه فيسويه مرة واحدة [۲۴۸] (۷۸) ولا يفرقع اصابعه ولا يتخصر [۲۴۹] (۷۹) ولا يسدل ثوبه [۲۵۰] (۸۰) ولا يعقص شعره.

رسول الله عن مسح الحصى في الصلوة فقال ان كنت لا بد فاعلا فمرة واحدة . وفي حديث آخر عن ابي ذر عن النبي ﷺ قال اذا قام احدكم الى الصلوة فلا يمسح الحصى فان الرحمة تواجهه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء في كراهية مسح الحصى في الصلوة ص ۸۷ نمبر ۳۷۹ ابوداؤد شریف، باب مسح في مسح الحصى في الصلوة ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۶/۹۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنکری کو بار بار ہٹانا مکروہ ہے۔ البتہ ضرورت پڑے اور کنکری پر سجدہ کرنا ناممکن ہو تو نماز میں ایک بار اس کو درست کر لے۔ [۲۴۸] (۷۸) نہ انگلیاں چٹخائے اور نہ کولھے پر ہاتھ رکھے۔

**تشریح** انگلیاں چٹخانا جس کی وجہ سے انگلیوں سے آواز نکلتی ہے نماز میں مکروہ ہے۔ اسی طرح نماز میں کولھے پر ہاتھ رکھنا یا کمر پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہے۔

**وجہ** عن علی ان رسول الله ﷺ قال لا تفقع اصابعك وانت في الصلوة (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ما يكره في الصلوة ص ۱۳۶، نمبر ۹۶۴ سنن للبيهقي، باب كراهية تفقيع الاصابع في الصلوة ج ثانی ص ۴۱۰، نمبر ۳۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں انگلیاں چٹخانا مکروہ ہے۔ کولھ پر یا کولھے پر ہاتھ رکھنا مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابي هريرة عن النبي ﷺ انه نهى ان يصلي الرجل مختصرا (ج) (مسلم شریف، باب كراهية الاختصار في الصلوة ص ۲۰۶ نمبر ۵۴۵ ابوداؤد شریف، باب اختصر والاقعاء ص ۱۳۷ نمبر ۹۰۳)

[۲۴۹] (۷۹) نہ کپڑا نکائے۔

**تشریح** کندھے پر کپڑا ڈال کر دونوں کناروں کو لٹکا ہوا چھوڑ دینا سدل ہے اور یہ مکروہ ہے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن ابي هريرة عن رسول الله ﷺ نهى عن السدل في الصلوة وان يغطي الرجل فاه (د) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء في السدل في الصلوة ص ۱۰۱ نمبر ۶۴۳ ترمذی شریف، باب ماجاء في كراهية السدل في الصلوة ص ۸۷ نمبر ۳۷۸) بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ایک ہی کپڑا جسم پر ہے اور اس طرح لٹکا ہوا ہو تو چونکہ ستر کھلنے کا خطرہ ہے اس لئے مکروہ ہے۔ اور اگر ازار یا قمیص ہے اور اس پر سدل کر دیا تو مکروہ نہیں (کما قال فی الترمذی فی الباب المذکور) ورنہ تو یہ بود کا طرز ہی تھا۔ اس کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے مکروہ ہے۔

[۲۵۰] (۸۰) اور بالوں کو نہ گوندھے۔

حاشیہ : (الف) میں نے حضورؐ سے نماز میں کنکری پونچھنے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اگر ضروری ہو تو ایک مرتبہ ٹھیک کر لو، دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایک نماز کے لئے کھڑا ہو تو کنکری نہ پونچھے۔ اس لئے کہ رحمت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے (ب) آپؐ نے فرمایا انگلیاں مت چٹخاؤ جب کہ تم نماز میں ہو (ج) آپؐ نے روکا کہ آدمی کولھ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھے (د) آپؐ نے روکا نماز میں کپڑا نکالنے سے اور یہ کہ آدمی اپنے منہ کو نماز میں ڈھانکے۔

[۲۵۱] (۸۱) ولا یکف ثوبه [۲۵۲] (۸۲) ولا یلتفت یمینا و شمالا [۲۵۳] (۸۳) ولا

**تشریح** عورتوں کی طرح بال گوندھ کر سر پر لپیٹ لے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ عورت کی مشابہت ہے۔

**ہجہ** حدیث میں ہے انه رأى ابا رافع مولى النبى ﷺ ... انى سمعت رسول الله ذلك كفل الشيطان يعنى مغرز صفره (الف) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یصلی عاقصا شعره ص ۱۰۱ نمبر ۶۳۶) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی طرح مرد کے لئے بال کا جوڑا بنا کر سر پر گھا کر باندھنا مکروہ ہے۔

[۲۵۱] (۸۱) کپڑا نہ سمیٹے۔

**تشریح** بار بار کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے۔

**ہجہ** حدیث میں ہے عن ابن عباس عن النبى ﷺ قال امرت ان اسجد على سبعة لا اكف شعرا ولا ثوبا (ب) (بخاری شریف، باب لا یکف ثوب فی الصلوٰۃ ص ۱۱۳ نمبر ۸۱۶) مسلم شریف، باب اعضاء السجود انھى عن كف الشعر والثوب وعقص الرأس فی الصلوٰۃ ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بار بار کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے۔

[۲۵۲] (۸۲) نماز میں دائیں بائیں جانب متوجہ نہ ہو۔

**تشریح** اگر صرف نظریں پھرائیں تو مکروہ ہے۔ اور چہرہ پھرایا تو مکروہ تحریمی ہے۔ اور سینہ بھی پھر گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

**ہجہ** حدیث میں ہے عن عائشة قالت سألت رسول الله ﷺ عن الالتفات فی الصلوٰۃ فقال هو اختلاس یختلسه الشيطان من صلوٰۃ العبد (ج) (بخاری شریف، باب الالتفات فی الصلوٰۃ ص ۱۰۲ نمبر ۵۱۵) ابوداؤد شریف، باب الالتفات فی الصلوٰۃ ص ۱۳۸ نمبر ۹۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا مکروہ ہے۔ البتہ بہت ضرورت کے موقع پر نظر پھیرنے کی گنجائش ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے قال سهل التفت ابو بکر فرأى النبى ﷺ وفى حديث آخر عن ابن عمر انه قال رأى رسول الله ﷺ نخامة فى قبلة المسجد وهو یصلی بین یدى الناس فحتها (د) (بخاری شریف، باب هل یلتفت لامرئیزل بہ ص ۱۰۲ نمبر ۵۳) ابوداؤد شریف، باب الرخصة (انظر فی الصلوٰۃ) ص ۱۳۹ نمبر ۹۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر نظریں پھرا کر دیکھنے کی کراہیت نہیں ہے۔ پھر بھی خشوع و خضوع میں خلل آسکتا ہے اس لئے بلا ضرورت نہیں دیکھنا چاہئے۔

[۲۵۳] (۸۳) کتے کی طرح نہ بیٹھے۔

حاشیہ : (الف) حضورؐ کے آزاد کردہ غلام ابورافع نے حسن بن علیؓ کو دیکھا کہ وہ مینڈھیا بنائے ہوئے تھے... فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے کہ یہ شیطان کا حصہ ہے یعنی بال گوندھ کر مینڈھیاں بنانا (ب) آپؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں اور بال کونہ سمیٹوں اور کپڑے کونہ سمیٹوں (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضورؐ سے نماز میں ادھر ادھر متوجہ ہونے کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ چھٹنا ہے کہ شیطان بندہ کی نماز سے جھپٹ لیتا ہے (د) حضورؐ کے مرض و وفات کے موقع پر ابو بکرؓ کے نماز پڑھانے کی ایسی حدیث اس میں سہل کی یہ عبارت ہے کہ ابو بکرؓ متوجہ ہوئے اور حضورؐ کو دیکھا۔ دوسری حدیث میں ابن عمرؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے مسجد کی قبلہ کی جانب رعت دیکھا اس حال میں کہ آپؐ لوگوں کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر آپؐ نے اس کو کھرچا۔

يقعی کاقعاء الکلب [۲۵۴] (۸۴) ولا یرد السلام بلسانه و یده.

**تشریح** سرین زمین پر رکھ دے اور دونوں گھٹنے سینے سے لگائے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دے۔ اس انداز سے کتا عموماً بیٹھتا ہے اس لئے نماز میں اس انداز سے بیٹھنا مکروہ ہے۔

**مذہب** عن سمرة بن جندب قال نهی رسول الله عن الاقعاء فی الصلوة (الف) (سنن للبیہقی، باب الاقعاء المکرؤہ فی الصلوة ج ۱ ص ۱۷۳، نمبر ۲۷۳۹) اس سے معلوم ہوا کہ کتے کی طرح بیٹھنا مکروہ ہے۔ حضرت ابو عبید نے یہ بھی، نمبر ۲۷۳۳ کے اسی باب میں یہی تفسیر کی ہے۔

**نوٹ** سجدوں کے درمیان دونوں ایڑیوں کو کھڑی کر کے اس پر سرین رکھ کر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمع طاؤسا یقول قلنا لابن عباس فی الاقعاء علی القدمین فقال هی السنة فقلنا له انا لنراه جفاء بالرجل فقال ابن عباس بل هی سنة نبیک ﷺ (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاقعاء علی العقبین ص ۲۰۲ نمبر ۵۳۶ سنن للبیہقی، باب القعود علی العقبین بین السجدتین ج ۲ ص ۱۷۱، نمبر ۲۷۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایڑیوں پر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔

**نکتہ** الاقعاء : کتے کی طرح بیٹھنا۔

[۲۵۴] (۸۴) سلام کا جواب زبان سے بھی نہ دے اور ہاتھ کے اشارے سے بھی نہ دے۔

**مذہب** حدیث میں دونوں طرف کے جواب دینے سے منع فرمایا ہے عن زید ابن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوة یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوة حتی نزلت و قوموا للہ فانتین فامرنا بالسکوت ونہینا عن الکلام (ج) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوة و تخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۴ نمبر ۵۳۹) باب انہی عن الکلام فی الصلوة ص ۱۳۴ رتزدی شریف، باب فی تخ الکلام فی الصلوة ص ۹۲، نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زبان سے کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ کہ بھول سے بھی کلام کلام کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر یا نماز کی اصلاح کے لئے کلام کرے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔ عن عبد اللہ قال صلی رسول اللہ ﷺ فزاد او نقص قال ابراہیم الوہم منی فقیل یا رسول اللہ انه ازید فی الصلوة شیء؟ فقال انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا انسی احدکم فلیسجد سجدتین وهو جالس ثم تحول رسول اللہ فیسجد سجدتین (ج) (مسلم شریف، فصل من صلی خسا او نحوہ فلیسجد سجدتین وکلام الناس للصلوة والذی

حاشیہ : (الف) آپؐ نے نماز میں کتے کی طرح بیٹھنے سے روکا (ب) حضرت طاؤسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباسؓ سے دونوں قدموں پر بیٹھنے کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا وہ نبی کی سنت ہے۔ میں نے کہا کہ ہم لوگ پاؤں پر بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بلکہ وہ تیرے نبی کی سنت ہے (ج) زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے۔ آدمی اپنے ساتھی سے بات کرتا اس حال میں کہ وہ نماز میں اس کے پہلو میں ہوتا یہاں تک کہ تو مواللہ قانتین آیت نازل ہوئی تو ہم کو چپ رہنے کا حکم دیا۔ اور بات کرنے سے روک دیا گیا (ج) عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے نماز پڑھائی تو زیادہ کر دیا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۶۵] (۸۵) ولا یتربع الا من عذر .

یظن انه لیس فیہا الا بطلھا ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲ ترمذی شریف، باب ماجاء فی سجدة السهو بعد السلام والکلام ص ۹۰ نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں اصلاح نماز کے لئے یا بھول کر آپ نے کلام کیا ہے پھر سجدة سہو کے نماز پوری کی ہے اس لئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر یا اصلاح نماز کے لئے کلام کیا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ خود ترمذی اور مسلم نے باب باندھ کر بتایا ہے کہ کلام کرنا اب منسوخ ہو چکا ہے چاہے جیسا بھی ہو۔ اشارے سے سلام کا جواب دینے کی ممانعت اس حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرۃ قال کنا اذا صلینا مع رسول اللہ ﷺ قلنا السلام علیکم ورحمة اللہ، السلام علیکم ورحمة اللہ و اشار بیدہ الی الجانین فقال رسول اللہ ﷺ علام تؤمون بایدیکم کاناہا اذناہ خیل شمس انما یکفی احدکم ای یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی اخیه من علی یمینہ و شمالہ (الف) (مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوة والنہی عن الاشارة بیدہ الخ ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۱/ ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوة ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے **فائدہ** بعض ائمہ کے نزدیک تھوڑے سے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن صہیب قال مرتت بر رسول اللہ ﷺ وهو یصلی فسلمت علیہ فرد الی اشارۃ وقال لا اعلم الا انہ قال اشارۃ باصبعہ (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاشارة فی الصلوة ص ۸۵ نمبر ۳۶۷/ ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوة ص ۱۴۰ نمبر ۹۲۵/ ابوداؤد شریف، باب الاشارة فی الصلوة ص ۱۴۳ نمبر ۹۴۳) مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوة نمبر ۵۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں ہاتھ کے اشارے سے سلام کا جواب دینا جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ پہلی احادیث کی وجہ سے منسوخ ہے۔ اس لئے مکروہ ہے۔ البتہ چونکہ نہ یہ کلام ہے اور نہ عمل کثیر ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۲۵۵] (۸۵) پالتی مار کر نہ بیٹھے مگر عذر سے۔

**مجا** نماز میں پالتی مار کر بیٹھنا سنت کے خلاف ہے۔ اس لئے یہ مکروہ ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت کیا کہ نماز میں انفراس سے بیٹھنا سنت ہے۔ حدیث میں ہے فقال ابو حمید الساعدی ... فاذا جلس فی الركعتین جلس علی رجلہ الیسری و نصب الیمنی فاذا جلس فی الركعة الآخرة قدم رجلہ الیسری و نصب الاخری وقعد علی مقعدتہ (ج) (بخاری شریف، باب سترہ حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) یا کم کیا، ابراہیم نے کہا کہ یہ ہم میری جانب سے ہے۔ تو آپؐ سے کہا گیا یا رسول اللہ کیا نماز میں زیادتی ہو گئی ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا میں تمہارے جیسا انسان ہوں۔ میں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ پس جب تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو سجدة سہو کرنا چاہئے بیٹھے بیٹھے۔ پھر حضورؐ پھرے اور دو سجدة کے (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھتے اور کہتے السلام علیکم ورحمة اللہ، السلام علیکم ورحمة اللہ اور دونوں جانب ہاتھ سے اشارہ کرتے تو آپؐ نے فرمایا اپنے ہاتھ سے کیوں اشارہ کرتے ہو۔ جیسے کے بھاگنے والے گھوڑے کی دم ہو۔ تم میں سے کسی کے لئے اتنا کافی ہے کہ اپنے ہاتھ کو ران پر رکھے پھر اپنے بھائی پر دائیں جانب اور بائیں جانب سلام کرے (ب) حضرت صہیبؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے قریب سے گزرا اس حال میں کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے آپؐ پر سلام کیا تو آپؐ نے مجھ کو اشارے سے جواب دیا۔ راوی کہتے ہیں میرا گمان یہ ہے کہ آپؐ نے انگلیوں سے اشارہ کیا (ج) ابو حمید ساعدی نے فرمایا... پس جب کہ دو رکعت میں بیٹھے تو بائیں پاؤں پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا کیا۔ پس جب کہ آخری رکعت میں بیٹھے تو بائیں پاؤں کو آگے کیا اور دوسرے پاؤں کو (باقی اگلے صفحہ پر)

[۲۵۶] (۸۶) ولا یأکل ولا یشرب [۲۵۷] (۸۷) فان سبقه الحدث انصرف وتوضأ وبنى علی صلوٰتہ ان لم یکن اماما۔

الجلوس فی التہجد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸ مسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوٰۃ وما یفتتح بہ ص ۱۹۴ نمبر ۳۹۸ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ افتراش بیٹھنا سنت ہے یا تورک بیٹھنا سنت ہے۔ اس لئے نماز میں پالتی مار کر بیٹھنا مکروہ ہے قال عبد اللہ (بن مسعود) لان اجلس علی رضفین خیر من ان اجلس فی الصلوٰۃ متربعا (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الاتقاء فی الصلوٰۃ ج ثانی ص ۱۹۶ نمبر ۳۰۵۲)

**نوٹ** کبھی کھبار حضورؐ اور صحابہ پالتی مار کر بیٹھتے تھے اس لئے یہ مکروہ تحریمی نہیں ہے۔ عذر ہو تو ایسا بھی بیٹھنا جائز ہے۔

[۲۶۶] (۸۶) اور نہ کھائے اور نہ پیئے۔

**وجہ** جب نماز میں ادھر ادھو متوجہ ہونے سے منع فرمایا ہے تو کھانا پینا بدرجہ اولیٰ مکروہ ہوگا۔ اور پینے کی مقدار سے زیادہ کھایا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۲۵۷] (۸۷) اگر خود بخود حدث ہو جائے تو واپس لوٹے گا اور وضو کرے گا اور پہلی نماز پر بنا کرے گا اگر امام نہ ہو۔

**تشریح** کسی کو خود بخود حدث ہو گیا ہو تو واپس جا کر وضو کرے گا اور واپس آ کر پہلی نماز پر بنا کرے گا۔ اگر پہلے مثلاً ظہر کی دو رکعت پڑھ چکا ہے تو وضو سے واپس آ کر دو رکعت اور پڑھ کر چار رکعت پوری کرے گا۔ لیکن اس کے لئے چار شرطیں ہیں (۱) اس درمیان دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو (۲) بات نہ کی ہو (۳) نماز ٹوٹنے کا اور کوئی کام نہ کیا ہو (۴) اور ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرا ہے۔ تو بنا کر سکتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام کر لیا تو شروع سے نماز پڑھے گا۔ اور یہ جو آیا گیا، قبلہ سے سینہ پھر ایہ معاف ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے اس لئے خلاف قیاس اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو حدث بار بار ہو سکتا ہے اسی میں بنا کر سکتا ہے۔ لیکن جو حدث کبھی کھبار ہوتا ہے جیسے احتلام ہوتا تو اس میں بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

**وجہ** عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ من اصابہ قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوٰتہ وهو فی ذلک لا یتکلم (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البنا علی الصلوٰۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بنا کر سکتا ہے۔ لیکن شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔ حدیث میں ہے عن علی بن طلحہ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا فساء احدکم فی الصلوٰۃ فلینصرف فلیتوضأ ولیعد الصلوٰۃ (ج) (ابوداؤد شریف، باب اذا حدث فی الصلوٰۃ ص ۱۵۱ نمبر ۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔

حاشیہ : (بچھلے صفحہ سے آگے) کو کھڑا کیا اور اپنے مقعد پر بیٹھے (الف) دو انگارے پر بیٹھوں یہ بہتر ہے کہ نماز میں پالتی مار کر بیٹھوں (ب) آپؐ نے فرمایا کسی کو کوئی تے ہوئی ہو یا کسیر پھوٹی ہو یا پانی کی تے ہوئی ہو یا ندی نگی ہو تو واپس لوٹنا چاہئے اور وضو کرنا چاہئے پھر اپنی نماز پر بنا کرنا چاہئے، بشرطیکہ اس نے اس درمیان بات نہ کی ہو (ج) آپؐ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں حدث کر دے تو پھر جانا چاہئے اور وضو کرے اور اپنی نماز کو لوٹائے۔

[۲۵۸] (۸۸) فان كان اماما استخلف وتوضأ وبني على صلوته مالم يتكلم والاستيناف افضل [۲۵۰] (۸۹) وان نام فاحتلم او جن او اغمى عليه او قهقهه استأنف الوضوء والصلوة [۲۶۰] (۹۰) وان تكلم في صلوته ساهيا او عامدا بطلت صلوته.

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حدث ہونے کی صورت میں شروع سے نماز پڑھے اور ان کی دلیل یہی ابو داؤد شریف والی حدیث ہے۔ ہمارے نزدیک دونوں احادیث جمع کرنے کے بعد ابو داؤد کی حدیث افضل ہونے پر محمول ہے۔

[۲۵۸] (۸۸) اور اگر امام ہے تو خلیفہ بنائے گا اور وضو کرے گا اور بنا کرے گا اپنی نماز پر جب تک بات نہ کی ہو اور شروع سے نماز پڑھنا بہتر ہے۔

**مج** امام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنا خلیفہ بنانا پڑے گا تاکہ خلیفہ مقتدیوں کو نماز پڑھائے۔ اور اصلی امام وضو کر کے نماز پر بنا کرے گا۔ خلیفہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے دخلت علی عائشة فقلت لها الا تحدثنی عن مرض رسول اللہ ﷺ... وکان ابو بکر یصلی وهو قائم بصلوة النبی ﷺ والناس یصلون بصلوة ابی بکر (الف) (مسلم شریف، باب اختلاف الامام اذا عرض له عذر ص ۷۷ نمبر ۳۱۸ بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیتؤتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر امام خلیفہ بنائے گا۔ کیونکہ ابو بکرؓ کی جگہ پر حضورؐ نے نماز پڑھائی۔

**نوٹ** جب تک بات نہ کرنے کی شرط حدیث میں گزر گئی اور اسی سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر کوئی حدث کیا ہو تو بنا نہیں کرے گا۔ شروع سے نماز پڑھے گا۔

[۲۵۹] (۸۹) اور اگر سگیا اور احتلام ہوا یا جنون ہوا یا بے ہوشی طاری ہوئی یا قہقہہ مار کر ہنسا تو وضو دوبارہ کرے گا اور نماز بھی دوبارہ پڑھے گا

**مج** یہ سب امور کبھی کبھار پیش آتے ہیں اس لئے حدیث کی بنا پر اس میں بنا نہیں کرے گا۔ کیونکہ حدیث میں ان چیزوں میں بنا کرنے کا جواز ہے جو بار بار پیش آتے ہوں لغت انی : بے ہوشی طاری ہونا۔

**نوٹ** سویا اور احتلام ہوا کی قید اس لئے لگائی کہ تھوڑا سویا اور احتلام ہوا تو شروع سے کرے گا اور اگر بہت سویا تو خود سونا بھی ناقض وضو ہے۔ [۲۶۰] (۹۰) اگر نماز میں بھول کر بات کی یا جان کر بات کی تو نماز باطل ہو جائے گی۔

**مج** حدیث میں ہے عن زید بن ارقم قال کنا نتکلم فی الصلوة، یکلم الرجل صاحبه وهو الی جنبه فی الصلوة حتی نزلت وقوموا للہ قانتین فامرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام (ب) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوة وفتح ما کان من

حاشیہ : (الف) میں حضرت عائشہؓ کے پاس آیا اور کہا حضورؐ کے مرض الوفا کے سلسلے میں آپ بیان کریں گے؟... ابو بکرؓ کھڑے ہو کر حضورؐ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اور لوگ ابو بکرؓ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے (ب) زید بن ارقمؓ فرماتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کرتے تھے۔ آدمی نماز میں اپنے بغل والے ساتھی سے بات کرتا تھا یہاں تک کہ قوموا للہ قانتین آیت نازل ہوئی تو ہم کو چپ رہنے کا حکم دیا اور بات کرنے سے روک دیا گیا۔

[۲۶۱] (۹۱) وان سبقه الحدث بعد ما قعد قدر التشهد توضأ وسلم [۲۶۲] (۹۲) وان تعمّد الحدث فی هذه الحالة او تکلم او عمل عملاً ینافی الصلوة تمت صلوته۔

اباحہ ص ۲۰۴ نمبر ۵۳۹ ابوداؤد شریف، باب النہی عن الکلام فی الصلوة ص ۴۴ نمبر ۹۴۹ ترمذی شریف، باب فی نسخ الکلام فی الصلوة ص ۹۲ نمبر ۴۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اور چونکہ نماز کی حالت نماز کو یاد کرنے کی حالت ہے اس لئے اس میں بھول کر کلام کرنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے عن معاویہ بن حکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ ﷺ... ثم قال ان هذه الصلوة لا یصلح فیہا شیء من کلام الناس انما هو التسبیح والتکبیر وقراءة القرآن (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوة نسخ ما کان من اباحہ ص ۲۰۳ نمبر ۵۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بولنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کلام کرنے سے اور امام مالکؒ کے نزدیک اصلاح نماز کے لئے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ **مذہب** ان کی دلیل ذوالیدین والی مشہور حدیث ہے۔ جو مسئلہ نمبر ۸۴ میں گزر گئی۔ اور اس کا جواب یہ ہے کہ اب کلام کرنا منسوخ ہو گیا جیسا کہ مسلم نے اور امام ترمذی نے خود اپنی کتاب میں نسخ الکلام اور تحریم الکلام باب باندھ کر بتایا کہ بعد میں ہر قسم کا کلام منسوخ ہو گیا۔ اس لئے اب بھول کر بھی کلام کرے گا تو چونکہ نماز یاد دلانے والی حالت ہے اس لئے وہ فاسد ہو جائے گی۔

[۲۶۱] (۹۱) اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

**مذہب** تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر بنا کرنا چاہئے اور سلام کرنا چاہئے۔

[۲۶۲] (۹۲) اور اگر جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہوگئی۔

**مذہب** تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر حدث کرنے سے اس کے ذمہ کوئی فرض باقی نہیں رہا تھا صرف سلام کرنا واجب باقی رہا تھا۔ اس لئے نماز ایک حیثیت سے پوری ہوگئی تھی لیکن سلام چھوڑا اس لئے اچھا نہیں کیا تھا اور بنا اس لئے نہیں کر سکتا کہ جان بوجھ کر قاطع اور مانع لے آیا اس لئے نماز پر بنا بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہی کہا جائے گا کہ نماز پوری ہوگئی لیکن واجب کی کمی کے ساتھ (۲) نماز پوری ہونے کی دلیل حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوة (ب) (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یرفع رأسه ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ رد دارقطنی، باب من احدث قبل التسليم فی آخر صلوة واحد حدث قبل التسليم الامام فقد تمت صلوة ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی

حاشیہ : (الف) ہم حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے... پھر آپؐ نے فرمایا یہ نماز صلاحیت نہیں رکھتی ہے اس میں لوگوں کے کلام کی۔ وہ صرف تسبیح تکبیر اور قرأت قرآن ہے (ب) آپؐ نے فرمایا اگر امام نماز پوری کر دے اور بیٹھ جائے پھر حدث کرے بات کرنے سے پہلے (یعنی سلام کرنے سے پہلے) تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔ اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں ان میں سے ہوں گے جنہوں نے نماز پوری کر لی۔ یعنی ان کی بھی نماز پوری ہوگئی۔

[۲۶۳] (۹۳) وان رأى المتييم الماء فى صلوته بطلت صلوته [۲۶۴] (۹۴) وان رآه بعد

مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی۔ بلکہ کوئی آدمی امام کے پیچھے ہو اور امام کے سلام کرنے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر حدث کر دیا تو اس کی آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور چراس پر سلام کا واجب باقی رہا۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا جلس الامام فى آخر ركعة ثم احدث رجل من خلفه قبل ان يسلم الامام فقد تمت صلوته (الف) (دارقطنی، باب من احدث قبل التسليم ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو چونکہ فرض باقی رہ گیا اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی عن النبی ﷺ قال مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء مفتاح الصلوة الطهور ص ۵ نمبر ۳۱۷۰) باب الامام يحدث بعد ما يرفع رأسه من آخر ركعة ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی وجہ سے جس طرح طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہیں اسی طرح ان کے یہاں سلام بھی فرض ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ دوسری آیتیں ہیں صرف یہ حدیث نہیں ہے۔

[۲۶۳] (۹۳) اگر تیمم کرنے والے نے نماز کے درمیان پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

**وجہ** (۱) تیمم کرنے سے پہلے اس نے جان کر حدث کیا تھا پھر تیمم کرنا حدث کے لئے چھپانے کی چیز بن گئی لیکن تشہد سے پہلے پانی پر قدرت ہوئی تو جان کر حدث کیا ہوا واپس آ گیا۔ کیونکہ خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی اور ابھی فرض باقی ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی شروع سے نماز پڑھے۔ (۲) اثر میں ہے عن الحسن انه قال فى متييم مر بماء غير محتاج الى الوضوء فجاوزه فحضرت الصلوة وليس معه ماء قال يعيد التيمم لان قدرته على الماء تنقض تيممه الاول (مصنف بن ابی شیبہ، ۲۳۲ فی تیمم مر بماء جاوزہ، ج اول، ص ۱۷۶، نمبر ۲۰۲۶) وضو کر کے بنا اس لئے نہیں کر سکتا ہے کہ (۱) تیمم سے پہلے جان کر حدث کیا تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ جان کر حدث کرے گا تو بنا نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ قاطع اور مانع درمیان میں آ گیا۔ بنا اس لئے بھی نہیں کر سکتا کہ یہ معاملہ کبھی کبھار پیش آتا ہے۔

[۲۶۴] (۹۴) اور اگر پانی دیکھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد (تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہوگئی)

**وجہ** (۱) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو فرائض اگرچہ پورے ہو چکے ہیں لیکن ابھی بھی تین کام باقی ہیں، درود شریف، دعا اور سلام تو گویا کہ نماز باقی ہے اس لئے درمیان نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا اور اصل کی بنا کمزور پر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا امام آخری رکعت میں بیٹھ جائے پھر امام کے سلام کرنے سے پہلے پیچھے والا کوئی آدمی حدث کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی (ب) آپؐ نے فرمایا نماز کا شروع پاکی ہے، اس کا تحریمہ باندھنا تکبیر کہنا ہے اور اس سے نکلنا سلام کرنا ہے۔



ما قعد قدر التشهد [۲۶۵] (۹۵) او کان ماسحا فانقضت مدة مسحه او خلع خفيه بعمل قليل او کان اميا فتعلم سورة او عريانا فوجد ثوبا.

نہیں ہو سکتی اس لئے نماز باطل ہو جائے گی اور شروع سے نماز پڑھنا ہوگا۔

**وجہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ فرائض تو سارے پورے ہو چکے ہیں اب صرف واجب یا سنن باقی ہیں۔ اور پہلے مسئلہ نمبر ۹۲ میں گزر چکا ہے کہ تشہد کے بعد حدث کر دے تو نماز پوری ہو جاتی ہے۔ تو یہاں گویا کہ تشہد کے بعد حدث کیا اس لئے نماز پوری ہو جائے گی (۲) مسئلہ نمبر ۹۲ کی حدیث کے علاوہ اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود کی حدیث ہے ان رسول اللہ ﷺ اخذ بيد عبد الله فعلمه التشهد في الصلوة فذكر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذالما قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد (الف) (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۳۶) اس حدیث نمبر ۹۷ میں فرمایا گیا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے یا پڑھنے کے بعد نماز پوری ہوگئی۔ اب چاہے تو بیٹھ رہے اور دعا پڑھیں اور سلام کرے اور چاہے تو کھڑا ہو جائے۔ اس لئے تشہد کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو اس سے پہلے نماز پوری ہو چکی ہے۔ اس لئے تشہد کے بعد پانی دیکھنے سے تیمم کرنے والے کی نماز پوری ہو جائے گی۔

**نوٹ** یہی قاعدہ اور اصول اور اختلاف اگلے گیارہ مسئلوں میں ہیں۔

**اصول** امام ابو حنیفہ: سلام کرنے سے پہلے نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ابھی نماز باقی ہے۔  
**اصول** صاحبین : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خلیفہ کے بجائے اہل پر قدرت ہوگئی تو چونکہ تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اس لئے نماز پوری ہوگئی کمی کے ساتھ۔

[۲۶۵] (۹۵) یا موزے پر مسح کرنے والا تھا اور موزے کی مدت ختم ہوگئی یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے یا امی تھا سورۃ سیکھ لی یا ننگا تھا اور کپڑے پالئے۔

**تشریح** موزے پر مسح کرنے والا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسح کی مدت ختم ہوگئی اور گویا کہ وضو ٹوٹ گیا یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے۔ کیونکہ عمل کثیر سے کھلے تو خود عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ موزہ کھلنے کی بات تو بعد کی ہے۔ اس لئے عمل قلیل سے کھلنے کی قید لگائی تا کہ یہ مسئلہ بن سکے کہ موزہ کھلنے کی وجہ سے اس کا وضو تشہد کے بعد ٹوٹ گیا۔ یا ایک آیت بھی یاد نہیں تھی کہ قرأت کی وجہ سے نماز ہو سکے۔ تشہد کے بعد اس نے تین آیتیں سیکھ لی اور اصل پر قدرت ہوگئی۔ یا ننگا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتنا کپڑا مل گیا جس سے نماز جائز ہو سکتی تھی۔ اس میں بھی اصل پر قدرت ہوگئی تو امام اعظم کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے نماز باطل ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہو جائے گی۔

حاشیہ : (الف) حضور نے عبد اللہ بن مسعود کا ہاتھ پکڑا اور ان کو نماز میں پڑھنے کا تشہد سکھایا۔ پھر اعش کی حدیث کی دعا کی طرح راوی نے ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا جب کہ تم یہ تشہد کر لو یا اس کو پوری کر لو تو تمہاری نماز پوری ہوگئی اگر کھڑا ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ اور اگر بیٹھ رہنا چاہو تو بیٹھ رہو (اور دعا پڑھو)

[۲۶۶] (۹۶) او مومیا فقدر علی الركوع والسجود او تذکر ان علیہ صلوٰۃ قبل هذه  
[۲۶۷] (۹۷) او احدث الامام القاری فاستخلف امیا [۲۶۸] (۹۸) او طلعت الشمس فی  
صلوة الفجر [۲۶۹] (۹۹) او دخل وقت العصر فی الجمعة.

**لغت** خلع : موزہ کھل گیا، امی : جو پڑھنا نہ جانتا ہو، ایک آیت بھی یاد نہ ہو، عریانا : ننگا۔

[۲۶۶] (۹۶) یا اشارہ کرنے والا تھا اور رکوع سجدہ پر قدرت ہو گئی یا یاد آگئی کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا تھی۔

**تشریح** آدمی صاحب ترتیب تھا اور اس پر پانچ نمازوں سے کم قضا تھی اور وقت میں گنجائش بھی تھی اور تشہد کے بعد اس کو یاد آ گیا کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا ہے تو گویا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہو جائے گی۔

**لغت** مومیا : جو اشارہ کر کے رکوع سجدہ کرتا ہو۔

[۲۶۷] (۹۷) یا قاری امام نے حدیث کیا اور امی کو خلیفہ بنایا۔

**تشریح** امام کو اتنی آیتیں یاد تھیں جس سے نماز جائز ہو سکے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس کو حدیث ہو اور امی کو خلیفہ بنایا تو چونکہ امی قرأت پر قادر نہیں ہے تو گویا کہ عاجز کو خلیفہ بنایا ہے اس لئے نماز فاسد ہوگی۔

**نوٹ** فخر الاسلام نے فرمایا کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے امی کو خلیفہ بنانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس وقت امی کو خلیفہ بنانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۲۶۸] (۹۸) یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو گیا۔

**تشریح** تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوا تو امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

**بخاری** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن صلوٰتین بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس (الف) (بخاری شریف، باب لا تحری الصلوٰۃ قبل غروب الشمس ص ۸۳ نمبر ۵۸۸ مسلم شریف، باب الاوقات التي نهى عن الصلوٰۃ فيها ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۵) (۲) ابو سعید الخدری يقول سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لا صلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوٰۃ بعد العصر حتی تغيب الشمس (ب) (بخاری شریف، باب لا تحری الصلوٰۃ قبل الغروب ص ۸۲ نمبر ۵۸۶ مسلم شریف، باب الاوقات التي نهى عن الصلوٰۃ فيها ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۷) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے اس لئے اگر تشہد کے بعد آفتاب نکل گیا تو امام اعظم کی رائے ہے کہ نماز فاسد ہو جائے گی۔

[۲۶۹] (۹۹) یا عصر کا وقت جمعہ میں داخل ہو گیا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے روکا دو نمازوں سے۔ فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے (ب) آپ کہا کرتے تھے نہیں نماز ہے صبح کے بعد یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور نہیں نماز ہے عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج غائب ہو جائے۔

[۲۷۰] (۱۰۰) او کان ماسحا علی الجبيرة فسقطت عن براء [۲۷۱] (۱۰۱) او كانت مستحاضة فبرأت بطلت صلوٰتہم فی قول ابی حنیفہ وقال ابو یوسف و محمد تمت صلوٰتہم فی هذا المسائل کلہا۔

**تشریح** جمعہ پڑھا رہا تھا۔ تشہد کی مقدار بیٹھا تھا کہ عصر کا وقت داخل ہو گیا۔

**مذہب** چونکہ عصر کا وقت داخل ہونے کی وجہ سے قضا ہو گئی۔ اس لئے قضا کی بنا دا پر ہوئی۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہو گئی۔ [۲۷۰] (۱۰۰) یا کچھی پر مسح کرنے والا تھا وہ ٹھیک ہو کر گر گئی۔

**تشریح** ایک آدمی نے زخم پر پٹی باندھی تھی اور وہ اسی پر مسح کر کے نماز پڑھا تھا۔ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد زخم مکمل ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی۔ چونکہ زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی ہے اس لئے وضو ٹوٹ گیا۔ کیونکہ وہ مسح جو نقل ہے اس کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہو گئی۔

**نفت** الجبيرة : زخم پر بندھی ہوئی پٹی، کچھی، براء : زخم اچھا ہونا۔

[۲۷۱] (۱۰۱) یا مستحاضة تھی اور اچھی ہو گئی تو امام ابو حنیفہ کے قول میں نماز باطل ہو جائے گی۔ اور صاحبین نے فرمایا ان تمام مسائل میں ان کی نماز پوری ہو جائے گی۔

**مذہب** دلیل گزر گئی ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی فرض باقی نہیں رہا صرف درود اور دعا سنت ہیں اور سلام واجب ہے جو باقی رہیں۔ اور احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی حدیث پیش آئے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اس لئے ان بارہ مسئلوں میں سب کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ سنن اور واجب ہی باقی ہیں لیکن نماز ابھی بحال ہے۔ اور نماز کے دوران اصل کے بجائے خلیفہ یا خلیفہ کے بجائے اصل پیش آیا جس کی وجہ سے ماقبل پر بنا نہیں کر سکتے۔ اس لئے نماز فاسد ہو گئی۔ امام ابو حنیفہ ان مسائل میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ ان مسائل میں اضعف کی بنا اقویٰ پر یا اقویٰ کی بنا اضعف پر ہے (۲) امام شافعی کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے ان کی بھی رعایت کی گئی ہے (۳) نماز کے اتمام کا حکم خلاف قیاس حدیث کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اس لئے جو حدیث بار بار پیش آتے ہیں اور حدیث میں بھی ان کی تصریح ہے تو ان کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس پر بنا کر لیا جائے یا نماز پوری ہو گئی۔ لیکن جو مسائل بار بار پیش نہیں آتے اور حدیث میں بھی ان کی تصریح نہیں ہے ان میں احتیاط کا تقاضا ہے کہ نماز فاسد کر دی جائے اور شروع سے دوبارہ نماز پڑھے۔ اور صاحبین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حدیث کی بنا پر جب نماز پوری ہو گئی تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔



## ﴿باب قضاء الفوائت﴾

[۲۷۲] (۱) ومن فاتته صلوة قضاها اذا ذكرها [۲۷۳] (۲) وقد مها على صلوة الوقت الا

## ﴿باب قضاء الفوائت﴾

**ضروری نوٹ** قضاء الفوائت : جو نماز فوت ہو جائے اور چھوٹ جائے اس کو فوائت کہتے ہیں۔ اور اس کے پڑھنے کو قضا کہتے ہیں۔ نماز قضا کرنا فرض ہے۔ کیونکہ نماز کو وقت پر پڑھنا فرض تھا جب وقت پر نہ پڑھ سکا تو اب قضا کرنا فرض ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال من نسی صلوة فليصل اذا ذكر لا كفارة لها، الا ذلك و اقم الصلوة لذكری (الف) ، آیت ۱۴ سورۃ طہ ۲۰ (بخاری شریف، باب من نسی صلوة فليصل اذا ذكر ص ۸۴ نمبر ۵۹۷۷ ابوداؤد شریف، باب فی من نام عن صلوة او نسیها ص ۷۰ نمبر ۴۳۵) اس حدیث اور آیت سے معلوم ہوا کہ فوت نماز پڑھنا فرض ہے۔

[۲۷۲] (۱) جس کی نماز فوت ہو گئی اس کو قضا کرے گا جب یاد آئے۔

**وجہ** نماز فرض تھی اس کو چھوڑ دی ہے اس لئے اس کو قضا کرنا فرض ہوگا۔ بلکہ جیسے ہی یاد آئے اس کو فوراً ادا کرے۔ کیونکہ اوپر کی حدیث بخاری میں ہے 'فليصل اذا ذكر لا كفارة لها الا ذلك' اس لئے یاد آتے ہی نماز قضا کرے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو۔ کیونکہ مکروہ وقت میں نماز قضا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

[۲۷۳] (۲) اور فائت نماز کو مقدم کرے وقتیہ نماز پر، مگر یہ کہ وقتیہ نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو مقدم کی جائے گی وقتیہ نماز کو فائت نماز پر پھر فائت نماز کی قضا کی جائے گی۔

**تشریح** تین شرطیں پائی جائیں تو فائت نماز وقتیہ سے پہلے پڑھی جائے گی (۱) وقت میں اتنی گنجائش ہو کہ فائت اور وقتیہ دونوں پڑھ سکیں۔ کیونکہ دونوں نمازیں پڑھنے کی گنجائش نہ ہو اور فائت پڑھنے لگ جائے گا تو وقتیہ بھی فوت ہو جائے گی تو فائدہ کیا ہوا (۲) یاد ہو کہ مجھ پر فائت نماز ہے۔ کیونکہ اگر فائت نماز یاد نہ ہو اور وقتیہ پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور ہے (۳) چھ نمازوں سے زیادہ قضا نہ ہوں۔ کیونکہ چھ نمازوں سے زیادہ قضا ہو تو ان چھ نمازوں کو قضا کرتے کرتے ہی وقتیہ نماز فوت ہو جائے گی۔ اور وقتیہ پڑھنے کا وقت نکل جائے گا۔ اس لئے یہ تین شرطیں ہوں تو فائت اور وقتیہ کے درمیان ترتیب واجب ہے ورنہ نہیں۔

**وجہ** (۱) اوپر کی حدیث بخاری کے الفاظ 'فليصل اذا ذكر' سے معلوم ہوا کہ فائت کا وقت یاد آتے ہی قضا واجب ہوا۔ اور وقتیہ کا وقت اس کے بعد ہوگا۔ اس لئے پہلے فائت ادا کی جائے گی بعد میں وقتیہ۔ حدیث کی اس تاکید سے ترتیب واجب ہوتی ہے (۲) عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال من نسی صلوة فلم يذكرها الا وهو مع الامام فليصل مع الامام فاذا فرغ من صلوته فليعد الصلوة التي نسی ثم ليعد الصلوة التي صلى مع الامام (ب) (سنن للبیہقی، باب من ذکر صلوة وهو فی اخری ج ثانی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جو نماز بھول گیا تو نماز پڑھنا چاہئے جب یاد آئے۔ نہیں کفارہ ہے مگر یہی۔ پھر راوی نے دلیل کے طور پر آیت اقم الصلوة لذكری پڑھی (ب) آپ نے فرمایا جو نماز بھول جائے۔ پس یاد آئے اس حال میں کہ وہ امام کے ساتھ ہے تو وہ نماز پوری کرنا چاہئے پھر قضا کرے وہ (باقی اگلے صفحہ پر)

ان يخاف فوت صلوة الوقت فيقدم صلوة الوقت على الفائتة ثم يقضيها [۲۷۴] (۳) ومن فاتته صلوات رتبها في القضاء كما وجبت في الاصل الا ان تزيد الفوائت على خمس

ص ۳۱۳، نمبر ۳۱۹۳) اس حدیث میں ہے کہ امام کے ساتھ بھی وقتی نماز پڑھی ہے تو فائتہ قضا کرے۔ ترتیب برقرار رکھنے کے لئے وقتی کو لوٹائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتی کے درمیان ترتیب واجب ہے (۳) فائتہ اور وقتی کے درمیان ترتیب برقرار رکھنے کی حدیث بخاری میں ہے عن جابر قال جعل عمر يوم الخندق يسب كفارهم وقال يا رسول الله! ما كدت اصى العصر حتى غربت الشمس قال فنزلنا بطحان فصلى رسول الله ﷺ بعد ما غربت الشمس ثم صلى المغرب (الف) (بخاری شریف، باب قضاء الصلوات الاول فالاول ص ۸۴ نمبر ۵۹۸/ترمذی شریف، باب ما جاء في الرجل تفوت الصلوات باتتحن يبدأ ص ۴۳ نمبر ۱۸۰۷۱۷۹) اس حدیث میں عصر کی فائتہ پہلے پڑھی پھر مغرب کی وقتی پڑھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتی کے درمیان ترتیب ضروری ہے۔ ورنہ تو مغرب کو مؤخر نہ کرتے۔

**تاکید** امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک فائتہ اور وقتی کے درمیان اسی طرح بہت سی فائتہ کے درمیان ترتیب سنت ہے۔ وہ بھی اوپر کی احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ اور ایک حدیث یہ بھی ہے جو سنت پر دلالت کرتی ہے عن علی بن طالب انه قال شغل رسول الله ﷺ يوم الاحزاب عن صلوة العصر حتى صلى ما بين المغرب والعشاء فقال شغلونا عن الصلوة الوسطى صلوة العصر ملا الله قبورهم وبيوتهم نار (ب) (سنن للبيهقي، باب من قال يترك الترتيب في قضاكهن وهو قول طاووس والحسن ثاني ص ۳۱۲، نمبر ۳۱۸۹) اس حدیث میں آپؐ نے عصر کی نماز مغرب کے بعد پڑھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ فائتہ اور وقتی کے درمیان ترتیب واجب نہیں سنت ہے۔

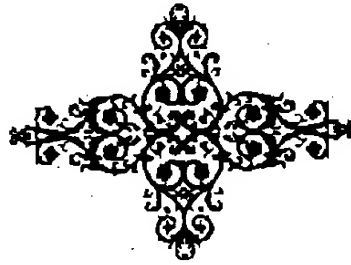
[۲۷۴] (۳) جس کی بہت سی نمازیں فوت ہو گئیں ان کو ترتیب وار قضا کرے گا۔ جس طرح اصل میں واجب ہوئی تھیں۔ مگر یہ کہ فوائت پانچ نمازوں سے زیادہ ہو جائیں تو ان میں ترتیب ساقط ہو جائے گی۔

**تشریح** جس طرح فائتہ اور وقتی میں ترتیب ضروری ہے اسی طرح بہت سے فوائت ہو جائیں تو ان کے درمیان میں بھی ترتیب ضروری ہے۔ مثلاً پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشاء پڑھے گا۔ جس ترتیب سے اصل میں وقتی نماز واجب ہوئی تھی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے قال عبد الله ان المشركين شغلوا رسول الله عن اربع صلوات يوم الخندق حتى ذهب من الليل ما شاء الله فامر بلالا فاذا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) نماز جو بھولا ہے۔ پھر لوٹائے وہ نماز جو امام کے ساتھ پڑھی ہے (الف) حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن ان کے کفار کو برا بھلا کہنے لگے۔ پھر کہا کہ میں نے اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ فرمایا ہم مقام بطحان میں اترے۔ پس ان لوگوں نے اور حضورؐ نے سورج کے غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ پھر مغرب کی نماز پڑھی (ب) حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ جنگ احزاب کے دن عصر کی نماز سے مشغول کر دیے گئے۔ یہاں تک کہ اس کو مغرب اور عشاء کے درمیان پڑھی۔ پھر آپؐ نے فرمایا مجھے صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ عصر سے روک دیا گیا۔ اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے۔

صلوات فیسقط الترتیب فیہا۔

ثم اقام فصلی الظهر ثم اقام فصلی العصر ثم اقام فصلی المغرب ثم اقام فصلی العشاء (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تقویۃ الصلوات بالتھن۔ بدأ ص ۴۳، نمبر ۱۷۹ انسائی شریف، باب کیف یقضى الفوائت من الصلوۃ، ص ۸۵، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ترتیب کے ساتھ نماز پڑھی گئی ہے۔ پہلے ظہر پھر عصر پھر مغرب پھر عشاء پڑھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب ضروری ہے۔ لیکن اگرچہ نمازیں قضا ہو جائیں تو چونکہ اب ان کو قضا کرتے کرتے وقفہ بھی فوت ہو جائے گی۔ اس لئے اب ترتیب ساقط ہو جائے گی۔ تاہم وقت ملے تو ترتیب برقرار رکھے۔



حاشیہ : (الف) عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ مشرکین نے حضور کو جنگ خندق کے دن چار نمازوں سے مشغول کر دیا۔ یہاں تک کہ جتنا اللہ چاہے رات چلی گئی۔ پس حضرت بلال کو حکم دیا، پس اذان دی، پھر اقامت کہی۔ پس ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی پس عصر کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی پس مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر اقامت کہی گئی پس عشاء کی نماز پڑھی۔

## ﴿باب الاوقات التي تکره فيها الصلوة﴾

[۲۷۵] (۱) لا يجوز الصلوة عند طلوع الشمس ولا عند غروبها الا عصر يومه ولا عند

## ﴿باب الاوقات التي تکره فيها الصلوة﴾

**ضروری نوٹ** جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کا بیان ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت عقبہ بن عامر الجہنی يقول ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا ان نصلي فيهن او ان نقبر فيهن موتانا حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيق الشمس للغروب حتى تغرب (الف) (مسلم شریف، باب الاوقات التي نهى عن الصلوة فيها ص ۲۷۶ نمبر ۸۳۱/۸۳۲ نسائی شریف، باب الساعات التي نهى عن الصلوة فيها ص ۶۵ نمبر ۵۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

**نوٹ** تین قسم کے مکروہات ہیں (۱) طلوع آفتاب، غروب آفتاب اور دوپہر کے وقت میں کراہیت شدید ہے۔ اس میں کوئی فرض یا نفل نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (۲) اور عصر کے فرض اور فجر کے فرض کے بعد کراہیت اس میں کم ہے۔ اس میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے البتہ فرائض اور واجبات پڑھ سکتا ہے (۳) فجر طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو سنتوں کے علاوہ کسی بھی نوافل کا پڑھنا مکروہ ہے۔ اس میں بھی کراہیت کم ہے۔ [۲۷۵] (۱) نہیں جائز ہے نماز سورج طلوع ہوتے وقت اور نہ اس کے غروب ہوتے وقت مگر اس دن کی عصر اور نہ ٹھیک دوپہر کے وقت۔

**ج** (۱) ان تین اوقات میں غیر مسلم سورج کی عبادت کرتے ہیں اس لئے ان تین اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا۔ قال عمر بن عنسة السلمی ... اخبرني عن الصلوة؟ قال رسول الله ﷺ صل صلاة الصبح ثم اقصر عن الصلوة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع فانها تطلع حين تطلع بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار ثم صل فان الصلوة مشهودة محضورة حتى يستقل الظل بالرمح ثم اقصر عن الصلوة فان حينئذ تسجر جهنم فاذا اقبل الفجر فصل فان الصلوة مشهودة محضورة حتى تصلي العصر ثم اقصر عن الصلوة حتى تغرب الشمس فانها تغرب بين قرني شيطان وحينئذ يسجد لها الكفار (ب) (مسلم شریف، باب الاوقات التي نهى عن الصلوة فيها ص ۲۷۶ نمبر ۸۳۲/۸۳۳ نسائی شریف، باب النهي عن الصلوة بعد العصر

حاشیہ : (الف) عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ تین اوقات میں حضور ہم کو نماز پڑھنے اور اس میں اپنے مردوں کو قبر میں داخل کرنے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے) سے روکا کرتے تھے۔ ایک جب سورج چمکتا ہوئے نکل رہا ہو جب تک کہ بلند نہ ہو جائے۔ دوم جس وقت کہ بالکل دوپہر ہو رہی ہو جب تک کہ ڈھل نہ جائے۔ اور سوم جب سورج ڈوبنے کے لئے مائل ہوا ہو جب تک کہ ڈوب نہ جائے (ب) آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھو پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے یا کہا کہ سورج بلند ہو جائے۔ اس لئے کہ جب طلوع ہوتا ہے تو شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ اور اس وقت کفار اس کو توجہ کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھتے رہو اس لئے کہ نماز حاضری گئی ہے (یعنی نماز سے اللہ کے سامنے حاضری نصیب ہوتی ہے یا فرشتے اس وقت حاضر ہوتے ہیں) یہاں تک کہ ایک نیزہ کے برابر سایہ کم ہو جائے۔ پھر نماز سے رک جاؤ۔ اس لئے کہ اس وقت جہنم گرم کی جاتی ہے۔ پس جب سایہ شروع ہو جائے تو نماز پڑھو۔ اس لئے کہ نماز حاضری گئی ہے۔ یہاں تک کہ عصر پڑھو۔ پھر نماز سے رک جاؤ یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔ اس لئے کہ سورج شیطان کی دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے۔ اور اس (باقی اگلے صفحہ پر)

## قیامها فی الظہیرۃ۔

۶۲ نمبر ۵۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز عصر پڑھنا مکروہ ہے (۲) اوپر کی ضروری نوٹ میں بھی مسلم کی حدیث گزری (۳) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ قال لا تتحروا بصلو تکم طلوع الشمس ولا غروبها (فانها تطلع بین قرنی الشیطان) (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۲) مسلم شریف، باب الاوقات الیٰ نبی عن الصلوۃ فیہا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۸ نسائی شریف، باب بھی عن الصلوۃ بعد العصر ص ۶۶ نمبر ۵۷۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ان تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے (۴) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ اذا بدا حاجب الشمس فأخروا الصلوۃ حتی تبرؤ اذا غاب حاجب الشمس فأخروا الصلوۃ حتی تغیب (ب) (مسلم شریف، باب الاوقات الیٰ نبی عن الصلوۃ فیہا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۹) **فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک بیت اللہ کے ارد گرد اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن جبیر بن مطعم ان النبی ﷺ قال یا بنی عبد مناف لا تمنعوا احدا طاف بهذا البيت وصلى اية ساعة شاء من ليل او نهار (ج) (نسائی شریف، باب اباحة الصلوۃ فی الساعات کلھا بکتہ ص ۶۸ نمبر ۵۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ میں اوقات مکروہ میں بھی نماز پڑھنا جائز ہے۔

اس دن کی عصر غروب آفتاب کے وقت پڑھنے کی وجہ یہ ہے (۱) عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرك من الصبح ركعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرك الصبح ومن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرك العصر (د) (بخاری شریف، باب من ادرك من الفجر ركعة ص ۸۲ نمبر ۵۷۹) مسلم شریف، باب من ادرك ركعة من الصلوۃ فقد ادرك تلك الصلوۃ ص ۲۲۱ نمبر ۶۰۸ / ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن ادرك ركعة من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج کے غروب ہونے سے پہلے عصر کی نماز مل گئی تو گویا کہ وہ نماز مل گئی۔ چونکہ عصر کا آخری وقت مکروہ ہے اور وہی وقت اس کی نماز کے لئے سبب بنا اس لئے سورج کے غروب ہونے کی کراہیت درمیان نماز میں آگئی پھر بھی نماز ہو جائے گی۔ اس حدیث کو حنفیہ کے نزدیک صرف عصر کی نماز پر محمول کرتے ہیں۔ اور فجر کا پورا وقت کامل ہے اس لئے اس کے درمیان میں سورج نکل گیا تو نماز فاسد ہوگی۔ گویا کہ اوقات مکروہ میں نماز پڑھنے کی ممانعت والی حدیث کو فجر کے وقت پر محمول کرتے ہیں۔

**فائدہ** دوسرے ائمہ کے نزدیک ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے لیکن پڑھ لیا تو فاسد نہیں ہوگی۔

التظہیرۃ : ٹھیک دوپہر۔

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) وقت کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں (الف) آپؐ نے فرمایا اپنی نماز کے لئے سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کا انتظار کرو۔ اس لئے کہ وہ شیطان کے دوستوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جب سورج کا کنارہ ظاہر ہو تو نماز کو مؤخر کرو۔ یہاں تک کہ وہ بالکل نکل جائے۔ اور جب سورج کا کنارہ ڈوبنے لگ جائے تو نماز کو مؤخر کرو یہاں تک کہ ڈوب جائے (ج) آپؐ نے فرمایا اے عبد مناف کے لوگو! اس بیت اللہ کے طواف اور نماز پڑھنے سے کسی کو مت روکو رات اور دن کی جس گھڑی میں چاہیں (د) آپؐ نے فرمایا جس نے صبح کی ایک رکعت پالی سورج طلوع ہونے سے پہلے تو گویا کہ صبح کی نماز پالی۔ اور جس نے عصر کی ایک رکعت پالی سورج کے غروب ہونے سے پہلے تو گویا کہ عصر کی نماز پالی۔



[۲۷۶] (۲) ولا یصلی علی جنازة ولا یسجد للتلاوة [۲۷۷] (۳) ویکره ان یتنفل بعد صلوٰۃ الفجر حتی تطلع الشمس وبعد صلوٰۃ العصر حتی تغرب الشمس.

[۲۷۶] (۲) اور ان اوقات مکروہ میں جنازہ پر نماز نہ پڑھے اور نہ سجدہ تلاوت کرے۔

**حجہ** (۱) نماز جنازہ نماز ہے اور اوقات مکروہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس لئے اوقات مکروہ میں نماز جنازہ بھی نہ پڑھے (۲) ضروری نوٹ میں مسلم شریف کی حدیث آئی تھی جس کا ایک ٹکڑا تھا او ان نقبر فیہن موتانا حین تطلع الشمس (الف) (مسلم شریف، باب الاوقات الیٰتی نہی عن الصلوٰۃ فیہا ص ۲۷۶ نمبر ۸۳۱) جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ ہم ان اوقات میں اپنے مردوں کو دفن نہ کریں۔ لیکن مردوں کو دفن کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے اس کا مطلب یہی ہوگا کہ جنازہ کی نماز ان اوقات میں نہ پڑھیں۔ اور سجدہ تلاوت میں بھی سجدہ کرنا نماز کا حصہ ہے اس لئے ان اوقات میں سجدہ تلاوت بھی نہ کرے۔ اثر میں ہے حدثنا ابو تمیمۃ الہجیمی قال لما بعثنا الרכب قال ابو داؤد یعنی المدینۃ قال کنت اقصر بعد صلوٰۃ الصبح فاسجد فیہا فنہانی ابن عمر فلم انتہ ثلاث مرات ثم عاد فقال انی صلیت خلف رسول اللہ ﷺ ومع ابی بکر و عمر و عثمان فلم یسجدوا حتی تطلع الشمس (ب) (ابوداؤد شریف، باب من یقرأ السجدة بعد الصبح ص ۲۰۷ نمبر ۱۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اوقات مکروہ میں سجدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

**نوٹ** اگر اسی اوقات مکروہ ہی میں جنازہ سامنے آیا یا اسی اوقات مکروہ ہی میں آیت سجدہ پڑھی تو چونکہ وقت مکروہ میں یہ اسبب پیش آیا تو مکروہ اوقات ان کے سبب بنے۔ اس لئے ایسی صورت میں ان مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور سجدہ تلاوت بھی کر سکتا ہے۔

**اصول** نماز جنازہ جلدی پڑھنے کی تاکید ہے تاکہ مردہ پھول پھٹ نہ جائے اس لئے اوقات مکروہ میں جنازہ آیا تو اس وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی بن ابی طالب ان رسول اللہ ﷺ قال لا تؤخروا الجنائز اذا حضرت (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الجنائز لا تؤخروا اذا حضرت ص ۲۱۲، نمبر ۱۴۸۶)

[۲۷۷] (۳) مکروہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

**تشریح** فجر کے فرض کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نفل نہ پڑھے اسی طرح عصر کے فرض کے بعد غروب آفتاب تک کوئی نفل نہ پڑھے۔

**حجہ** (۱) گویا کہ یہ فرض نماز ہی میں مشغول ہے اس کی فضیلت زیادہ ہوئی۔ اب نفل میں مشغول ہونا گویا کہ کم درجہ میں مشغول ہونا ہے اس لئے نفل نماز نہ پڑھے (۲) حدیث میں بھی نفل پڑھنے سے منع فرمایا ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ نہی عن الصلوٰۃ بعد الصبح

حاشیہ : (الف) یا ہم اپنے مردوں کو دفن کریں (یعنی نماز جنازہ پڑھیں) جس وقت سورج طلوع ہو (الف) ابو تمیمہ جعفی فرماتے ہیں کہ جب قافلہ مدینہ روانہ کیا تو میں صبح کی نماز کے بعد تلاوت کیا کرتا تھا تو حضرت عمرؓ نے تین مرتبہ مجھے روکا تاہم میں نہیں رکا تو فرمایا کہ میں حضورؐ اور ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی وہ لوگ سورج طلوع ہونے تک سجدہ نہیں کیا کرتے تھے۔

[۲۷۸] (۴) ولا بأس بان یصلی فی ہذین الوقتین الفوائت [۲۷۹] (۵) ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر۔

حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب (الف) (بخاری شریف، باب الصلوة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۱/مسلم شریف، باب الاوقات التي نبی عن الصلوة فیہا ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز فجر کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے تک اور نماز عصر کے بعد سے آفتاب غروب ہونے تک نفل نماز نہیں پڑھنا چاہئے مکر وہ ہے۔

[۲۷۸] (۴) اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں وقتوں میں فائتہ پڑھے اور سجدہ تلاوت کرے اور جنازہ کی نماز پڑھے۔

**وجہ** (۱) فائتہ نماز جو واجب ہے وہ نفل سے افضل ہے اس لئے فرض نماز میں تقدیری طور پر مشغول رہنا یہ کم درجہ ہے اور حقیقی طور پر مشغول رہنا یہ اعلیٰ درجہ ہے۔ اس لئے واجب میں حقیقی طور پر مشغول ہونا زیادہ بہتر ہوگا اور پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت واجب ہے اس لئے ان کو بھی فجر کے فرض کے بعد اور عصر کے فرض کے بعد ادا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں ہے عن ام سلمة صلی النبی ﷺ بعد العصر رکعتین وقال شغلنی ناس من عبد القیس عن الرکعتین بعد الظهر (ب) (بخاری شریف، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ص ۸۳ نمبر ۵۹۰/مسلم شریف، باب الاوقات التي نبی عن الصلوة فیہا ص ۲۷۷ نمبر ۸۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فائتہ نماز عصر اور فجر کے بعد پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ظہر کی جو سنت رہ گئی تھی وہ قضا کے طور پر آپؐ نے پڑھی تھی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک عصر کے فرض کے بعد سنت بھی پڑھ سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت رکعتان لم یکن رسول اللہ ﷺ یدعھما سرا ولا علانیة رکعتان قبل الصبح ورکعتان بعد العصر (ج) (بخاری شریف، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوھا ص ۸۳ نمبر ۵۹۲/مسلم شریف، باب الاوقات التي نبی عن الصلوة فیہا ص ۲۷۷ نمبر ۸۳۵/۱۹۳۵) اسی باب کی حدیث میں حضرت عائشہؓ سے یہ بھی مروی ہے ما کان النبی ﷺ یأتینی فی یوم بعد العصر الا صلی رکعتین (د) (بخاری شریف نمبر ۵۹۳/مسلم شریف نمبر ۸۳۵ ماقبل کا باب) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ محصر کے بعد مسلسل یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

[۲۷۹] (۵) مکر وہ ہے کہ نفل پڑھے فجر کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی دو سنتوں سے زیادہ۔

**تشریح** صبح صادق کے بعد فجر کی دو سنتیں پڑھے اور دو فرض پڑھے۔ اس سے زیادہ سنت پڑھنا مکروہ ہے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن حفصة قالت کان رسول اللہ ﷺ اذا طلع الفجر لا یصلی الا رکعتین خفیفین (ه) (مسلم شریف، باب استحباب رکعتی سیر الفجر ص ۲۵۰ نمبر ۷۲۳) اور ترمذی میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوة بعد

حاشیہ: (الف) آپؐ نے صبح کے بعد نماز سے روکا یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ غروب ہو جائے (ب) ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھی اور آپؐ نے فرمایا عبد القیس کے کچھ لوگوں نے ظہر کے بعد کی دو رکعتوں سے مشغول کر دیا (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دو رکعتیں حضورؐ نے کبھی بھی ان کو نہیں چھوڑا۔ نہ سر میں نہ اور نہ علانیہ میں، دو رکعتیں صبح کی فرض سے پہلے اور دو رکعتیں عصر کے بعد (د) کوئی دن ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ میرے پاس آئے ہوں اور عصر کے بعد دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں (ه) جب فجر طلوع ہوتی تو حضورؐ نہیں پڑھتے تھے مگر دو رکعتیں۔

[۲۸۰] (۶) ولا يتنفل قبل المغرب .

الفجر الا مسجدتین (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء لا صلوة بعد طلوع الفجر الا رکعتین ص ۹۶ نمبر ۴۱۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع فجر کے بعد صرف دو رکعتیں سنت پڑھنا چاہئے (۲) حضور کو نماز پر حرص کے باوجود دو رکعتوں کے علاوہ نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے بھی نہیں پڑھنا چاہئے۔

[۲۸۰] (۶) مغرب کے فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

بجہ مغرب کی اذان کے بعد فرض سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا ثابت ہے لیکن حنفیہ فرماتے ہیں کہ نہ پڑھے تو اچھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فرض پڑھنے میں تاخیر ہوگی اور حدیث جبرئیل میں گزرا کہ دونوں دنوں میں مغرب کی نماز جلدی پڑھی۔ اس لئے مغرب کا فرض جلدی پڑھنا چاہئے (۲) سنن ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال ما رأیت احدا علی عهد رسول اللہ یصلیہما (ب) (ابوداؤد شریف، باب الصلوة قبل المغرب ص ۱۸۹ نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے زمانے میں مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت سنتوں کا خاص رواج نہیں تھا (۳) حدثنا عبد اللہ بن بريدة عن ابیہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان عند کل اذانین رکعتین ما خلا صلوة المغرب (ج) (دارقطنی، باب الحث علی الركوع بین الاذانین ج اول ص ۲۷۲ نمبر ۱۰۲۸) اسے بھی معلوم ہوا کہ مغرب کے فرض سے پہلے سنت نہیں ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ المزنی قال قال رسول اللہ ﷺ صلوا قبل المغرب رکعتین ثم قال صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء خشية ان يتخذها الناس سنة (د) (ابوداؤد شریف، باب الصلوة قبل المغرب ص ۱۸۹ نمبر ۱۲۸۴ بخاری شریف، باب الصلوة قبل المغرب ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے فرض سے پہلے سنت ہے۔

نوٹ اس حدیث کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر کوئی سنت پڑھ لے تو مکروہ نہیں ہے۔ طریقہ حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ سنت نہیں ہے نفل ہے۔



حاشیہ : (الف) حضور نے فرمایا کہ فجر کے بعد نہیں ہے کوئی نماز مگر دو رکعتیں (ب) حضرت ابن عمرؓ سے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ حضور کے زمانے میں کسی کو نہیں دیکھا کہ ان دو رکعتوں کو پڑھتے ہوں (ج) آپ نے فرمایا ہر دو اذانوں یعنی اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں ہیں سوائے مغرب کے (د) آپ نے فرمایا مغرب سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھو۔ پھر کہا کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں نماز پڑھو چاہے۔ لمن شاء اس ڈر سے کہا کہ لوگ ان کو سنت نہ بنالیں۔

## ﴿باب النوافل﴾

[۲۸۱] (۱) السنة في الصلوة ان يصلي ركعتين بعد طلوع الفجر [۲۸۲] (۲) واربعاً قبل

## ﴿باب النوافل﴾

**ضروری نوٹ** النوافل سے مراد فرض کے علاوہ نماز ہے۔ یہاں نوافل میں سنت اور نوافل دونوں شامل ہیں۔ دلیل یہ حدیث ہے سالت عائشة عن صلوة رسول الله ﷺ عن تطوعه؟ فقالت كان يصلي في بيتي قبل الظهر اربعا ثم يخرج فيصلی بالناس ثم يدخل فيصلی ركعتين وكان يصلي بالناس المغرب ثم يدخل فيصلی ركعتين ويصلي بالناس العشاء ويدخل بيتي فيصلی ركعتين... وكان اذا طلع الفجر صلي ركعتين (الف) (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائماً وقاعداً ص ۲۵۲ نمبر ۳۰/۷ ابوداؤد شریف، ابواب التطوع وركعات السنة ص ۸۵ نمبر ۱۲۵۱/۲ ترمذی شریف، باب ما جاء في من صلى في يوم وليلة ثلثي عشرة ركعة من السنة ما له من الفضل ص ۹۴ نمبر ۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرض نماز سے پہلے اور فرض نماز کے بعد پورے دن اور رات میں سنت مؤکدہ ہیں اور وہ بارہ رکعتیں ہیں۔ ان کی تاکید آئی ہے۔

[۲۸۱] (۱) سنت نماز میں یہ ہے کہ دو رکعتیں طلوع فجر کے بعد پڑھے۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن عائشة قالت لم يكن النبي ﷺ على شيء من النوافل اشد تعاهداً منه على ركعتي الفجر (ب) (بخاری شریف، باب تعاهد ركعتي الفجر ص ۱۵۶ نمبر ۱۱۶۹/۱۱ مسلم شریف، باب استحباب ركعتي سنة الفجر ص ۲۵۰ نمبر ۱۶۸۶/۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت فجر سنت مؤکدہ ہے۔ کیونکہ آپؐ اس کی بہت تاکید فرماتے تھے۔

[۲۸۲] (۲) ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں سنت ہیں۔

**ترجمہ** عن عائشة ان النبي ﷺ كان لا يدع اربعا قبل الظهر وركعتين قبل الغداة (بخاری شریف نمبر ۱۱۸۲) دوسری حدیث میں ہے عن ابن عمر قال حفظت من النبي ﷺ عشر ركعات، ركعتين قبل الظهر وركعتين بعدها وركعتين بعد المغرب في بيته وركعتين بعد العشاء في بيته وركعتين قبل صلوة الصبح (ج) (بخاری شریف، باب ركعتين قبل الظهر ص ۱۵۷ نمبر ۱۱۸۰/۱ ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظهر وبعدها ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ظہر سے پہلے چار اور اس کے بعد دو

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہؓ سے حضورؐ کے نقل کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپؐ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے پھر نکلتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے۔ پھر گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھاتے پھر داخل ہوتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور عشا کی نماز لوگوں کو پڑھاتے اور میرے گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت نماز پڑھتے... جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعت پڑھتے (ب) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نوافل میں سے کسی پر اتنی تاکید نہیں فرماتے جتنی فجر کی دو رکعتوں پر فرماتے (ج) آپؐ چار رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت فجر سے پہلے نہیں چھوڑتے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں۔ دو رکعت ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو مغرب کے بعد ان کے گھر میں، دو عشا کے بعد ان کے گھر میں اور دو رکعتیں صبح کی نماز سے پہلے۔

الظهر ورکعتین بعدها [۲۸۳] (۳) واربعاً قبل العصر وان شاء رکعتین [۲۸۴] (۴)  
ورکعتین بعد المغرب [۲۸۵] (۵) واربعاً قبل العشاء وبعدها اربعاً وان شاء رکعتین.

رکعتیں سنت ہیں۔ اور ایک حدیث میں ظہر کے بعد بھی چار رکعت سنت کی حدیث ہے۔ قالت ام حبیبہ قال رسول اللہ ﷺ من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر واربع بعدها حرم علی النار (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظهر وبعدها ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹ ارتزندی شریف، باب آخر (باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظهر ص ۹۸ نمبر ۴۲) اس حدیث کی بنا پر اور اوپر کی حدیث کی بنا پر ظہر کے بعد چار رکعتیں سنت ہیں۔ اسی لئے یہ عمل ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ پھر دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھتے ہیں۔ [۲۸۳] (۳) عصر سے پہلے چار رکعت اور چاہے تو دو رکعتیں پڑھے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ رحمہ اللہ امرہ صلی قبل العصر اربعاً (ب) (ابوداؤد شریف، باب الصلوة قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۱ ارتزندی شریف، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عصر سے پہلے چار رکعت سنت ہیں۔ لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتیں سنت ہیں۔ حدیث میں ہے عن علی ان النبی ﷺ کان یصلی قبل العصر رکعتین (ج) (ابوداؤد شریف، باب الصلوة قبل العصر ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۷۱ ارتزندی شریف، باب ماجاء فی الاربع قبل العصر ص ۹۸ نمبر ۴۲) اس حدیث کی بنا پر صاحب کتاب نے فرمایا کہ عصر کی سنت دو رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ [۲۸۴] (۴) مغرب کے بعد دو رکعتیں ہیں۔

اس کی وجہ کئی حدیث میں اوپر گزر گئی ہے (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائماً ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۰)  
[۲۸۵] (۵) اور عشاء سے پہلے چار رکعت اور اس کے بعد چار رکعت اور چاہے تو دو رکعت سنت پڑھے۔

عشاء کے بعد دو رکعت کی تو کئی حدیثیں گزر گئی ہیں۔ اور عشاء کے بعد چار رکعت سنت پڑھنے کی حدیث یہ ہے عن عائشة قال سألتها عن صلوة رسول اللہ ﷺ فقالت ما صلی رسول اللہ ﷺ قط فدخل علی الاصلی اربع رکعات او ست رکعات (د) (ابوداؤد شریف، باب الصلوة بعد العشاء ص ۱۹۲ نمبر ۱۳۰۳ سنن للبیہقی، باب من جعل بعد العشاء اربع رکعات او اکثر ج غانی ص ۶۷۱، نمبر ۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد چار رکعت سنت ہے۔ اور ضروری نوٹ کے تحت لمبی حدیث گزری جس میں تھا کہ ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین (ه) (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائماً وقاعداً ص ۲۵۲، نمبر ۷۳۰، ابوداؤد شریف، ابواب التطوع ورکعات السنۃ ص ۱۸۵، نمبر ۱۲۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عشاء کے بعد دو رکعت سنت ہے۔ اس لئے دونوں

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے چار رکعتیں ظہر سے پہلے اور چار ان کے بعد پر محافظت کی وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا (ب) آپؐ نے فرمایا اللہ اس آدمی پر رحم کرے جس نے عصر سے پہلے چار رکعت پڑھی (ج) آپؐ عصر سے پہلے دو رکعت پڑھتے تھے (د) حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضورؐ نماز کی پڑھ کر میرے پاس آئے ہوں مگر یہ کہ انہوں نے چار رکعت نماز پڑھی یا چھ رکعت نماز پڑھی (ه) آپؐ عشاء کی نماز پڑھا کر میرے گھر میں داخل ہوتے۔ پس دو رکعت نماز پڑھتے۔

[۲۸۶] (۶) فان صلی باللیل صلی ثمانی رکعات [۲۸۷] (۷) ونوافل النهار ان شاء صلی رکعتین بتسلیمة واحدة وان شاء اربعا ویکره زیادة علی ذلك.

حدیثوں کی بنا پر خفیوں کا عمل یہ ہے کہ دو رکعت سنت کی نیت سے پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دو رکعت نفل کی نیت سے عشا کے بعد پڑھتے ہیں۔

چونکہ عشا کی پہلی چار رکعت پڑھنے کی دلیل حدیث مشہورہ میں نہیں ہے اس لئے عشا سے پہلے چار رکعت مندوب ہے۔ اور چونکہ منع نہیں فرمایا اور حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن مغفل قال قال النبی ﷺ بین کل اذانین صلوة بین کل اذانین صلوة ثم قال فی الثالثة لم شاء (الف) (بخاری شریف، باب بین کل اذانین صلوة ص ۸۷ باب الاذان نمبر ۶۲) اس اعتبار سے عشا کی اذان اور اقامت کے درمیان کچھ رکعتیں ہونی چاہئے۔ اسلئے عشا سے پہلے چار رکعت مندوب ہے، مستحب ہے۔

[۲۸۶] (۶) اگر رات میں نفل پڑھے تو ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتیں پڑھ سکتا ہے۔

■ اس لئے کہ حضور نے ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی ہے۔ اس لئے زیادہ سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ آٹھ رکعت نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔ عن عائشة قالت کان رسول اللہ یصلی من اللیل ثلاث عشرة رکعة یوتر من ذلك بنخمس لا یجلس فی شیء الا فی آخرها (ب) (مسلم شریف، باب صلوة اللیل و عدد رکعات النبی فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۷) اس حدیث میں ہے کہ تیرہ رکعتیں پڑھی اور پانچ رکعت وتر ہے اور صرف اخیر میں بیٹھے ہیں تو معلوم ہوا کہ آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ رات میں پڑھی ہے۔ اس لئے ایک سلام کے ساتھ رات میں آٹھ رکعت پڑھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ کا ثبوت نہیں اس لئے ایک سلام کے ساتھ اس سے زیادہ پڑھنا اچھا نہیں ہے۔

نوٹ: یہ سب اختلاف استحباب میں ہے۔

[۲۸۷] (۷) دن کے نفل چاہے تو ایک سلام کے ساتھ دو دو رکعتیں پڑھے اور چاہے تو چار پڑھے۔ اس سے زیادہ کرنا مکروہ ہے۔

■ ظہر اور فجر کی سنتوں کا ثبوت دو دو رکعت کا ہے۔ اس لئے دو دو رکعت بھی نفل پڑھ سکتا ہے۔ اور چار چار رکعت بھی ظہر اور عصر کی سنتیں ہیں۔ اس لئے چار رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ حدیث میں ہے قالت ام حبیبہ زوج النبی ﷺ قال رسول اللہ ﷺ من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر واربع بعدها حرم علی النار (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاربع قبل الظہر وبعدها ص ۱۸۷ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن کی سنت چار رکعتیں ہیں تو نفل بھی اسی کے مشابہ ہو کر چار رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اس سے زیادہ ایک سلام کے ساتھ ثبوت نہیں ہے اس لئے مکروہ ہوگا۔ لیکن کراہیت تنزیہی ہے۔

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ دو اذانوں کے درمیان نماز ہے (یعنی اذان اور اقامت کے درمیان) پھر تیسری مرتبہ فرمایا جو چاہے (ب) آپ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے۔ ان میں سے پانچ رکعتیں وتر کی پڑھتے۔ ان میں سے صرف اخیر میں بیٹھتے (ج) آپ نے فرمایا جو شخص ظہر سے پہلے چار رکعتوں پر اور اس کے بعد چار رکعتوں پر محافظت کرے وہ آگ پر حرام کر دیا جائے گا۔

[۲۸۸] (۸) فاما نوافل الیل فقال ابو حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ ان صلی ثمانی رکعات بتسلیمۃ واحدة جاز ویکره الزیادة علی ذلک [۲۸۹] (۹) وقال ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ تعالیٰ لا یزید باللیل علی رکعتین بتسلیمۃ واحدة [۲۹۰] (۱۰) والقراءة [۲۸۸] (۸) بہر حال رات کے نوافل تو ابو حنیفہؒ نے فرمایا اگر آٹھ رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھے تو جائز ہے اور اس سے زیادہ پڑھنا مکروہ ہے۔

**مذہب** اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں گزر گئی۔

[۲۸۹] (۹) اور صاحبینؒ نے فرمایا رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعت پڑ زیادہ نہ کرے۔

**تشریح** صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دن میں تو ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس کا ثبوت ہے۔ لیکن رات میں ایک سلام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

**مذہب** حدیث میں ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة اللیل مثنی مثنی (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ان صلوة اللیل مثنی مثنی ص ۹۸ نمبر ۴۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں نفل نماز دو رکعتیں ہیں۔ لیکن چونکہ دن کے بارے میں چار کا ثبوت ہے اس لئے دن میں تو چار کے قائل ہو گئے لیکن رات کے بارے میں فرمایا کہ دو رکعتیں ہی افضل ہیں۔

**فائدہ** امام شافعیؒ حدیث کی بنا پر فرماتے ہیں کہ رات اور دن دونوں میں دو رکعتیں پڑھنا افضل ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوة اللیل والنہار مثنی مثنی ان تشهد فی کل رکعتین (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی صلوة النہار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) (۲) حدیث میں ہے عن عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ یصلی فیما بین ان یفرغ من صلوة العشاء وہی یدعو الناس العتمة الی الفجر احدی عشر رکعت یسلم بین کل رکعتین (ج) (مسلم شریف، باب صلوة اللیل وعدد رکعات النبی ﷺ فی اللیل ص ۲۵۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ رات کی نماز دو رکعت پڑھنی چاہئے۔ اور دن کے بارے میں یہ حدیث ہے عن ام ہانی بنت ابی طالب ان رسول اللہ ﷺ یوم الفتح صلی سبحة الضحی ثمانی رکعات یسلم من کل رکعتین (د) (ابوداؤد شریف، باب صلوة الضحی ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کی نماز دو رکعتیں پڑھنی چاہئے۔ ان احادیث کی بنا پر شافعیؒ رات اور دن میں دو رکعت نفل پڑھنے کے قائل ہیں۔

### ﴿فصل فی القراءة﴾

[۲۹۰] (۱۰) قرأت واجب ہے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں اور اس کو اختیار ہے دوسری دو رکعتوں میں۔ اگر چاہے تو سورہ فاتحہ پڑھے اور اگر

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا رات کی نماز دو رکعتیں ہیں (ب) آپؐ نے فرمایا رات اور دن کی نماز میں دو رکعتیں ہیں (ج) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نماز پڑھتے تھے اس درمیان کہ فارغ ہوتے تھے نماز عشا سے جس کو لوگ عتمہ کہتے ہیں فجر تک میں گیارہ رکعتیں۔ ہر دو رکعت کے درمیان سلام کرتے تھے (د) آپؐ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی نماز آٹھ رکعتیں پڑھی۔ ہر دو رکعت پر سلام فرماتے تھے۔





وان شاء سبح [۲۹۱] (۱۱) والقراءة واجبة في جميع ركعات النفل وفي جميع الوتر [۲۹۲] (۱۲) ومن دخل في صلوٰۃ النفل ثم افسدها قضاها.

ہے (۲) اسی مسئلہ میں بخاری کی حدیث گزری جس میں تھا کہ حضور دوسری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے (۳) پیچھے حدیث گزری لا صلوة الا بفساحة الكتاب (بخاری شریف نمبر ۵۶۷۷ / مسلم شریف نمبر ۳۹۴) اس حدیث کی وجہ سے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔

[۲۹۱] (۱۱) قرأت واجب ہے نفل کی تمام رکعتوں میں اور وتر کی تمام رکعتوں میں۔

**حجہ** نفل کی ہر دو رکعت ایک شفعہ ہے اور شفعہ مستقل نماز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چار رکعت کی نیت باندھی تو دو رکعت ہی لازم ہوگی۔ چار رکعت لازم نہیں ہوگی۔ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے اس کا اشارہ حدیث میں ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال صلوٰۃ اللیل والنہار مثنی مثنی (ابوداؤد شریف، باب فی صلوٰۃ النہار ص ۱۹۰ نمبر ۱۲۹۵) اس لئے ہر شفعہ میں قرأت کرنا لازم ہے۔ اور ہر شفعہ کی ہر رکعت میں قرأت کرنا ضروری ہے (۲) وتر بھی من وجہ نفل ہے اس لئے اس کی تیسری رکعت میں قرأت کرے گا۔ احتیاطاً کا بھی تقاضا یہی ہے (۳) وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کرنے کا ثبوت حدیث میں ہے سألت عائشة بای شیء کان یوتر رسول اللہ؟ قالت کان یقرأ فی الاولی بسبح اسم ربک الاعلیٰ و فی الثانیة بقل یا ایہا الکافرون و فی الثالثة بقل ھو اللہ احد والمعوذین (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء ما یقرأ فی الوتر ص ۱۰۶ نمبر ۲۶۳۳ / ابوداؤد شریف، باب ما یقرأ فی الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۳۲۳) اس حدیث میں ہے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ ملانا واجب ہے۔ اور جب وتر کی تیسری رکعت میں قرأت کی جائے گی تو نفل کی تیسری رکعت میں بدرجہ اولیٰ قرأت کی جائے گی۔

[۲۹۲] (۱۲) جو نفل نماز میں داخل ہو پھر اس کو فاسد کر دے تو اس کو قضا کرے گا۔

**تشریح** اگر کسی نے نفل کی نیت باندھی اور تحریمہ کے بعد اس کو توڑ دیا تو دو رکعت کی قضا لازم ہوگی۔

**حجہ** نفل جب تک شروع نہ کرے وہ نفل ہے، تبرع ہے۔ لیکن شروع کرنے کے بعد وہ ایک قسم کی عملاً نذر کی طرح ہو جاتی ہے اور نذر کو پوری کرنا ضروری ہے۔ اس لئے نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو اس کو قضا کرنا واجب ہوگا۔ نذر پوری کرنے کی دلیل یہ آیت ہے۔ ثم لیقضوا تفنہم و لیوفوا نذورہم (ب) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا چاہئے۔ دوسری آیت میں ہے کہ عمل کو باطل نہیں کرنا چاہئے اس لئے نفل کی جب نیت باندھ لی تو وہ ایک عمل بن گیا۔ اس لئے اس کو باطل نہیں کیا جائے گا۔ اور توڑ دیا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔ آیت میں ہے یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (ج) (آیت ۳۳

حاشیہ: (الف) حضرت عائشہ سے میں نے پوچھا کہ حضور کن کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا پہلی رکعت میں سج اسم اور دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الناس اور قل اعوذ برب الفلق پڑھا کرتے تھے (ب) پھر بال وغیرہ کی گندگی ختم کرنا چاہئے اور اپنی نذر کو پوری کرنا چاہئے (ج) اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

[۲۹۳] (۱۳) فان صلی اربع رکعات وقعد فی الاولین ثم افسد الاخرین قضی رکعتین

[۲۹۴] (۱۴) ویصلی النافلة قاعدا مع القدرة علی القيام [۲۹۵] (۱۵) وان افتحها

سورہ محمد (۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال کو باطل نہیں کرنا چاہئے اور باطل کر دیا تو اس کی قضا کرے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے یہاں نفل شروع کرنے کے بعد توڑ دے تب بھی وہ نفل ہی رہتی ہے۔ اس کی قضا کرنا واجب نہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے ما علی المحسنین من سبیل واللہ غفور رحیم (الف) (آیت ۹۱ سورہ توبہ ۹) اس آیت میں ہے کہ احسان کرنے والے اور نفل کام کرنے والے پر کوئی راستہ نہیں ہے۔ یعنی واجب نہیں ہے۔ اس لئے نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دے تو قضا واجب نہیں ہے۔

[۲۹۳] (۱۳) اگر چار رکعت نماز پڑھی اور دو رکعت میں بیٹھ گیا پھر دوسری دو رکعت فاسد کر دی تو دو رکعت ہی قضا کرے۔

**تشریح** چار رکعت نفل نماز کی نیت باندھی۔ پھر دو رکعت پڑھ کر تشہد میں بیٹھا پھر دوسری دو رکعت کو فاسد کر دیا تو دوسری دو رکعت ہی قضا کرے۔ پہلی دو رکعت پوری ہوگئی۔

**حج** یہ مسئلہ دو اصول پر مبنی ہے۔ ایک یہ کہ ہر دو رکعت الگ الگ شفعہ ہے۔ ایک کے فساد سے دوسرے میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھ گیا تو وہ دونوں رکعتیں پوری ہو گئیں۔ اب صرف سلام باقی ہے۔ اس لئے دوسری دو رکعتوں کو فاسد کیا تو اس کو قضا کرے گا۔ البتہ پہلی دو رکعتیں پوری ہو گئیں۔ اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

**اصول** (۱) نفل میں دو رکعت الگ الگ شفعہ ہیں (۲) ایک کے فساد سے دوسرے پر اثر نہیں پڑے گا۔ حدیث صلوٰۃ اللیل والنہار مثنی مثنی (ابوداؤد شریف نمبر ۱۲۹۵) سے استدلال کر سکتے ہیں۔

[۲۹۴] (۱۴) نفل نماز بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے کھڑے ہونے پر قدرت کے باوجود۔

**تشریح** نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے کی قدرت ہے لیکن پھر بھی بیٹھ کر پڑھنا چاہتا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اس کو ثواب آدھا ملے گا۔ اور فرض نماز میں کھڑے ہونے کی قدرت ہو پھر بھی بیٹھ کر نماز پڑھ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ فرض نماز میں قیام فرض ہے۔

**حج** حدیث میں ہے عن عمران بن حصین قال سألت النبی ﷺ عن صلوٰۃ الرجل وهو قاعد فقال من صلی قائما فهو افضل ومن صلی قاعدا فله نصف اجر القائم ومن صلی قائما فله نصف اجر القاعد (ب) (بخاری شریف، باب صلوٰۃ القاعد ص ۱۵۰، ابواب تقصیر الصلوٰۃ نمبر ۱۱۶۱۱۶ برترمذی شریف، باب ما جاء ان صلوٰۃ القاعد علی النصف من صلوٰۃ القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز قدرت کے باوجود بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اس کو ثواب کھڑے ہونے والے سے آدھا ملے گا۔

[۲۹۵] (۱۵) اگر کھڑے ہو کر نفل شروع کی پھر بیٹھ گیا تو جائز ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے مگر عذر ہو تو

حاشیہ : (الف) محسنین پر کوئی الزام نہیں ہے (ب) میں نے حضور کو آدمی کی نماز کے بارے میں پوچھا جب کہ وہ بیٹھ کر پڑھے۔ آپؐ نے فرمایا جس نے کھڑے ہو کر پڑھی وہ افضل ہے۔ اور جس نے بیٹھ کر پڑھی اس کے لئے کھڑے ہونے والے کا آدھا ثواب ہے۔ اور جس نے سو کر نماز پڑھی اس کو بیٹھنے والے کا آدھا ثواب ہے۔

قائما ثم قعد جاز عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ و قال لا يجوز الا من عذر [۲۹۶] (۱۶) ومن كان خارج المصر يتنفل على دابته الى اى جهة توجهت يأمى ايماء.

**ج۱** (۱) وجہ امام ابوحنیفہ : پہلے گزر چکا ہے کہ نفل میں کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔ اس لئے جتنی دیر تک کھڑا رہا کھڑا رہا اور آگے کے کھڑے ہونے کو لازم نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ بیٹھ سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی جالسا فیکرأ وهو جالس فاذا بقی من قرأته نحو من ثلثین آية او اربعین آية قام فقرأها وهو قائم ثم رکع ثم سجد یفعل فی الركعة الثانية مثل ذلک (الف) (بخاری شریف، باب اذا صلی قاعدا ثم صح او وجد ختم ما بقی، ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۹ مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۳۱۷۷ رتذی شریف، باب من تطوع جالسا ص ۸۵ نمبر ۳۷۷۷) اس حدیث میں آپ نے بیٹھ کر بھی نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر بھی جس کا مطلب یہ ہے کہ کھڑے ہو کر شروع کیا تو بیٹھ کر پوری کر سکتا ہے۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر نفل شروع کیا تو گویا کہ اس نے اپنے اوپر کھڑے ہونے کو لازم کیا تو گویا کہ یہ عملاً نذر ہو گئی۔ اس لئے بغیر عذر کے بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہی۔ حدیث میں ہے۔ سالنا عائشة عن صلوة رسول اللہ ﷺ فقالت کان رسول اللہ یكثر الصلوة قائما وقاعدا فاذا افتتح الصلوة قائما رکع قائما واذا افتتح الصلوة قاعدا رکع قاعدا (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۰) اس حدیث میں ہے کہ کھڑے ہو کر نماز شروع کرے تو کھڑے ہو کر ہی رکوع سجدہ کرتے تھے۔ تاہم حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑا تھا اور بیٹھ کر نماز پڑھی تو جائز ہوگی۔ [۲۹۶] (۱۶) جو شہر سے باہر ہو وہ نفل پڑھ سکتا ہے سواری پر جس جانب بھی متوجہ ہو اشارہ کر کے۔

**تشریح** شہر سے باہر ہو تو نفل نماز سواری پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے۔ اور سواری قبلہ کی طرف متوجہ نہ ہو تو ظاہر ہے کہ قبلہ کی جانب رخ نہیں کر سکے گا اس لئے قبلہ کی خلاف جانب رخ کر کے بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ نیز سواری پر رکوع وسجدہ بھی پورے طور پر نہیں کر سکے گا تو اشارہ سے رکوع اور سجدہ کرے گا۔ اس کی بھی گنجائش ہے۔

**ج۱** (۱) نفل نماز ہر وقت پڑھ سکتا ہے اس کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس لئے یہ تمام سہولتیں شریعت نے دی ہے کہ خلاف قبلہ ہو، رکوع اور سجدہ کا اشارہ ہو۔ سواری پر ہو تب بھی نفل نماز پڑھ سکتا ہے۔ فرض کے لئے قدرت ہو تو سواری سے اترے گا (۲) حدیث میں ہے جابر بن عبد اللہ اخبرہ ان النبی ﷺ کان یصلی التطوع وهو راكب فی غیر القبلة (ب) (بخاری شریف، باب صلوة التطوع علی الدواب حیثما توجھت ص ۱۲۸ نمبر ۱۰۹۴ مسلم شریف، باب جواز صلوة النافلة علی الدابة فی السفر حیث توجھت ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کے رخ کے خلاف نفل نماز پڑھ لے تب بھی جائز ہوگی (۲) عامر بن ربیعہ اخبرہ قال رأیت النبی ﷺ وهو

حاشیہ : (الف) آپ بیٹھ کر نماز پڑھتے تو قرأت کرتے بیٹھے ہونے کی حالت میں، پس جب کہ قرأت میں سے تقریباتیں یا چالیس آیتیں باقی رہتی تو کھڑے ہوتے اور اس کو کھڑے ہونے کی حالت میں پڑھتے۔ پھر رکوع پھر سجدہ کرتے، دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کرتے (ب) آپ نفل نماز پڑھتے اس حال میں کہ سوار ہوتے قبلہ کے علاوہ کی جانب۔

على الراحلة يسبح يومى برأسه قبل الى اى وجه توجه ولم يكن رسول الله ﷺ يصنع ذلك فى الصلوة المكتوبة (الف) (بخارى شريف، باب ينزل للمكتوبة ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۹۷ مسلم شريف، باب جواز صلوة النافلة على الدابة فى السفر حيث توجهت ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفل نماز میں سواری پر رکوع سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور فرض نماز میں اتر کر نماز پڑھنا ہوگی۔

شہر سے باہر کی قید اس لئے لگائی کہ بعض حدیث میں ہے کہ آپؐ نے شہر سے باہر نفل کی نماز سواری پر پڑھی تو قبلہ کے خلاف رخ پر پڑھی ہے۔ اس لئے خفیہ نے قید لگائی کہ شہر سے باہر ایسا کر سکتا ہے۔ شہر میں سواری سے اتر کر نماز پڑھنی ہوگی۔ حدیث میں ہے کان عبد الله بن عمر يصلى فى السفر على راحلته اينما توجهت به يومى وذكر عبد الله ان النبى ﷺ كان يفعل (ب) (بخارى شريف، باب الايماء على الدابة ص ۱۴۸ ابواب تفسير الصلوة نمبر ۱۰۹۶ مسلم شريف، باب جواز صلوة النافلة على الدابة فى السفر ص ۲۴۴ نمبر ۷۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں قبلہ کے خلاف رخ پر نماز پڑھتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ شہر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اوپر کی بہت سے احادیث میں سفر کی قید اور شہر سے باہر کی قید نہیں ہے اس لئے شہر کے اندر سواری پر سوار ہو تو وہاں بھی خلاف قبلہ نماز پڑھ سکتا ہے۔



حاشیہ: (الف) میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ آپؐ سواری پر نفل پڑھ رہے تھے اور سر سے اس جانب اشارہ کر رہے تھے جس جانب متوجہ تھے۔ اور حضورؐ یہ فرض نماز میں نہیں کرتے (ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سفر میں سواری پر نماز پڑھتے جس طرف سواری متوجہ ہوتی اور اشارہ کرتے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ کر کرتے ہیں کہ حضورؐ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

## ﴿باب سجود السهو﴾

[۲۹۷] (۱) سجود السهو واجب فی الزیادة والنقصان بعد السلام یسجد سجدتین ثم

## ﴿باب سجود السهو﴾

**ضروری نوٹ** : سجود السهو : کوئی واجب بھول جائے یا واجب کی زیادتی ہو جائے یا فرض مکرر ادا ہو جائیں تو اس کو گویا کہ پورا کرنے کے لئے سجدہ سہو واجب ہے۔ سنت کے چھوڑنے سے سجدہ سہو نہیں ہے۔ فرض چھوٹ جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے عن عمران بن حصین قال سلم رسول اللہ ﷺ فی ثلاث رکعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسیط الیدین فقال اقصر الصلوٰۃ یا رسول اللہ فخرج مغضبا فصلی الركعة التی کان ترک ثم سلم ثم سجد سجدتی السهو ثم سلم (الف) (مسلم شریف، باب فصل من ترک الركعتین او نحوھا فلیتم ما بقی ویسجد سجدتین بعد التسلم، ص ۲۱۴، نمبر ۵۷۷/۱۲۹۴، بخاری شریف، باب هل یأخذ الام اذا شک بقول الناس، ص ۹۹، نمبر ۷۱۴/۷۱۴، ترمذی شریف، باب ما جاء فی الامام ینہض فی الركعتین ناسیا، ص ۸۳، نمبر ۳۶۳۶، ابوداؤد شریف، باب السهو فی السجدتین، ص ۱۵۳، نمبر ۱۰۱۸/۱۱۱۸، اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی واجب بھول جائے تو سلام کرے پھر سجدہ سہو کرے پھر سلام پھیرے۔

[۲۹۷] (۱) سجدہ سہو واجب ہے۔ واجبات کے زیادہ کر دینے میں یا کم کر دینے میں۔ سلام کے بعد دو سجدے کرے پھر تشهد پڑھے اور سلام کرے۔

**تشریح** نماز میں واجب کی کمی رہ جائے یا زیادتی ہو جائے یا خلاف ترتیب ہو جائے تو اس کو پورا کرنے کے لئے سجدہ سہو کرے گا۔ اور سلام پھیرے گا۔ حنفیہ کے نزدیک تشهد پڑھ کر دائیں جانب ایک سلام کرے پھر دو سجدہ سہو کرے پھر دوبارہ تشهد پڑھے، درود پڑھے، دعا پڑھے اور دوبارہ دونوں جانب سلام کرے۔

**حجۃ** (۱) اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت ہے کہ آپؐ نے کسی زیادتی میں سلام کیا ہے پھر سجدہ سہو کیا ہے اور پھر دوبارہ سلام کیا ہے۔ زیادہ ہونے پر سجدہ سہو کیا ہوا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ قال صلی النبی ﷺ الظهر خمسا فقالوا ازید فی الصلوٰۃ؟ قال وما ذاک قالوا صلیت خمسا قال فثنی رجلہ وسجد سجدتین (ب) (بخاری شریف، باب ما جاء فی القبلة ومن یرا لاعداء علی من سحی ص ۵۸، نمبر ۴۰۴، مسلم شریف، باب من صلی خمسا اذ نحوہ ص ۲۱۴، نمبر ۵۷۷) اس حدیث میں پانچ رکعت پڑھنے پر آپؐ نے سجدہ سہو کیا ہے جو زیادہ کرنے پر سجدہ سہو ہوا۔ کی پر سجدہ سہو کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن بحینۃ انه قال صلی لنا رسول اللہ ﷺ رکعتین

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے عصر کی تین رکعت میں سلام کر لیا۔ پھر کھڑے ہو گئے اور کمرے میں داخل ہوئے۔ پھر ایک آدمی کھڑا ہوا جسکے ہاتھ لیے تھے تو پوچھا یا رسول اللہ کی کیا نماز میں کمی ہو گئی؟ تو آپؐ غصہ میں نکلے اور وہ رکعت پڑھائی جو چھوٹ گئی تھی پھر سلام کیا پھر سجدہ سہو کیا پھر سلام کیا (ب) آپؐ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھائی تو لوگوں نے کہا کیا نماز میں زیادتی ہو گئی؟ تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپؐ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ راوی کہتے ہیں آپؐ نے پاؤں موڑا اور دو سجدے کئے۔

یتشهد ویسلم [۲۹۸] (۲) ویلزمہ سجود السہو اذا زاد فی صلوٰتہ فعلا من جنسہا لیس

ثم قام فلم يجلس فقام الناس معه فلما قضى صلوٰتہ وانتظرنا التسليم كبر فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم صلى الله عليه وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتين ولم يتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الامام تنهض فی الركعتین ناسیا، ص ۸۳، نمبر ۳۶۲ نسائی شریف، باب ما يفعل من قام من اثنتين ناسیا ولم يتشهد ص ۱۳۷ نمبر ۱۲۲۳) اس حدیث میں کمی ہونے پر سجدہ کیا، قعدہ اولیٰ نہ کرنے اور تشہد نہ پڑھنے پر سجدہ کیا۔ یہ بھی پتہ چلا کہ قعدہ اولے اور تشہد کا پڑھنا واجب ہے تو واجب کے چھوڑنے پر سجدہ سہو کیا۔ دو سلاموں کے درمیان دوبارہ تشہد پڑھے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عمران بن حصین ان النبی ﷺ بہم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم (ب) (ابوداؤد شریف، باب سجدتی السہو فیہما تشہد و تسلیم ص ۱۵۶ نمبر ۱۰۳۹ ترمذی شریف، باب ما جاء فی التشہد فی سجدتی السہو ص ۹۰ نمبر ۳۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں سلاموں کے درمیان تشہد دوبارہ پڑھے گا۔ اور تشہد پڑھے گا تو اخیر میں درود شریف اور دعا بھی پڑھے۔ پہلا سلام نماز پوری ہونے کے لئے ہے اور دوسرا سلام اس لئے ہے کہ سجدہ سہو نماز کے اندر ہو جائے تاکہ سجدہ سہو کے اندر کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اس کو سجدہ کے ذریعہ پوری کی جاسکے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے گا۔ ان کی دلیل اوپر دالی ابوداؤد کی حدیث ہے جس میں ہے۔ فسجد سجدتين وهو جالس قبل التسليم ثم سلم (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتين ولم يتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴) اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں کمی ہوئی ہو تو سلام سے پہلے سجدہ سہو کرے گا اور زیادتی ہوئی ہو تو سلام کے بعد سجدہ سہو کرے گا۔ انہوں نے دیکھا کہ سلام سے پہلے اور سلام کے بعد دونوں طرح سجدہ سہو ثابت ہے اس لئے انہوں نے یہ مسلک اختیار کیا۔

[۲۹۸] (۲) مصلیٰ کو سجدہ سہو لازم ہوگا اگر زیادہ کر دے نماز میں ایسا فعل جو نماز کی جنس سے ہو لیکن نماز میں سے نہ ہو یا کوئی فعل مسنون چھوڑ دے **تشریح** مثلاً رکوع یا سجدہ نماز کے فعل میں سے ہیں لیکن ایک ہی رکعت میں دو مرتبہ رکوع کر دے یا تین مرتبہ سجدہ کر دے تو دوسری مرتبہ کا رکوع یا تیسرا سجدہ نماز میں سے نہیں ہے اگرچہ نماز کی جنس سے ہیں۔ اس لئے سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اور فعل مسنون سے مراد فعل واجب ہے جو سنت نبویؐ سے ثابت ہے۔ کیونکہ سنت کو چھوڑ دیا تو نماز پوری ہو جائے گی اس کے لئے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن عبد الله قال صلينا مع رسول الله ﷺ فاما زاد او نقص قال ابراهيم وايم الله ما جاء ذاك الا من قبلی قال قلنا يا رسول الله ﷺ احدث فی الصلوٰۃ شیء؟ فقال لا قال فقلنا له الذی صنع فقال اذا زاد الرجل او نقص فلیسجد سجدتين قال ثم سجد سجدتين (ج) (مسلم شریف، باب من ترک الركعتین او نحوھا فلیتم ما بقی ویسجد سجدتين بعد

حاشیہ : (الف) فرمایا آپؐ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر کھڑے ہوئے اور نہیں بیٹھے تو لوگ بھی آپؐ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ پس جب آپؐ نے نماز پوری کی اور ہم نے سلام کا انتظار کیا تو آپؐ نے بکیر کہی اور دو سجدے کئے اس حال میں کہ آپؐ بیٹھے ہوئے تھے سلام سے پہلے۔ پھر آپؐ نے سلام پھیرا (ب) آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پس آپؐ بھول گئے پس آپؐ نے دو سجدے کئے پھر تشہد پڑھی پھر سلام کیا (ج) آپؐ نے فرمایا نماز میں زیادتی ہو جائے یا کمی ہو جائے، ابراہیم راوی نے کہا کہ خدا کی قسم یہ وہم میری جانب سے ہے، راوی نے فرمایا ہم نے کہا یا رسول اللہ نماز میں کوئی تبدیلی ہو گئی ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

منها او ترک فعلا مسنونا [۲۹۹] (۳) او ترک قراءة فاتحة الكتاب او القنوت او التشهد او تكبيرات العیدین او جهر الامام فیما یخافت او خافت فیما یجهر [۳۰۰] (۴) وسهو الامام یوجب علی المؤتم السجود فان لم یسجد الامام لم یسجد المؤتم

التسلیم ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲/۱۲۸ ابوداؤد شریف، باب من قال یتیم علی اکثر ظنہ ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۹ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں زیادتی ہو جائے یا کچھ واجب چھوٹ جائے تو سجدہ سہو کرے۔

[۲۹۹] (۳) یا سورۃ فاتحہ کی قرأت چھوڑ دی، یا دعائے قنوت چھوڑ دی یا تشہد چھوڑ دی، یا تکبیرات عیدین چھوڑ دی، یا امام نے قرأت جہری کر دی جس میں سری کرنا چاہئے، یا سری کر دی جس میں جہری کرنا چاہئے۔

**شرح** تشہد چھوڑ دی کا مطلب یہ ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا چھوڑ دیا، یا تشہد پڑھنا چھوڑ دیا تو چونکہ دونوں واجب ہیں اس لئے سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۱۳ میں ابوداؤد شریف کی حدیث (نمبر ۱۰۳۴) گزر گئی ہے 'قام فلم یجلس' کہ آپؐ دو رکعت کے بعد کھڑے ہو گئے اور قعدہ اولیٰ میں نہیں بیٹھے تو سجدہ سہو کیا۔ اسی پر باقی واجبات کو قیاس کر لیں۔ کوئی واجب بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قال صلی بنا علقمة الظھر خمساً... فاذا نسى احدکم فلیسجد سجدتین (الف) (مسلم شریف، باب من صلی خمساً او نحوہ الخ ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۲/۱۲۸) اس حدیث میں ہے کہ اگر بھول جاؤ تو سجدہ کرو۔ جہری قرأت میں سری کر دی اور سری قرأت میں جہری کر دی تو سجدہ سہو لازم ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عبد الرزاق عن الثوری قال اذا قمت فیما یجلس فیہ او جلست فیما یقام فیہ او جهرت فیما یخافت فیہ او خافت فیما یجهر فیہ ناسیا سجدت سجدتی السهو (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب اذا قام فیما یقعد فیہ او قعد فیما یتقام او سلم فی شئ من شئ ج عانی ص ۳۱۳، ابواب السهو نمبر ۳۴۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں سری قرأت کر دی اور سری نماز میں جہری قرأت کی تو سجدہ سہو کرے گا۔

**فائدہ** بعض ائمہ کے نزدیک سری کو جہری اور جہری کو سری کرنے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے عن قتادة كان النبي ﷺ يقرأ في الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة وسورة يسمعن الآيات احيانا (بخاری شریف، باب القراءة في العصر ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۲)

[۳۰۰] (۴) امام کے سہو سے مقتدی پر سجدہ واجب ہوگا۔ پس اگر امام سجدہ نہ کرے تو مقتدی بھی سجدہ نہ کرے۔

**وجہ** امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدہ سہو لازم ہوا اور اس نے سجدہ سہو کیا تو چاہے مقتدی پر سجدہ سہو لازم نہ ہوا ہو پھر بھی مقتدی پر سجدہ لازم

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) ہم نے آپؐ سے وہ بات کہی جو آپؐ نے کی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اگر آدمی زیادہ کر دے یا کمی کر دے تو دو سجدے کرنا چاہئے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر آپؐ نے دو سجدہ سہو کئے (الف) آپؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھول جائے تو دو سجدہ سہو کرنا چاہئے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اگر جہاں بیٹھنا ہو وہاں کھڑا ہو جائے یا تم بیٹھ گئے جس میں کھڑا ہونا تھا یا جہری قرأت کر دی جس میں سری قرأت کرنی تھی یا سری و رأت کر دی جس میں جہری قرأت کرنی تھی بھول کر دو سجدہ سہو کرے گا۔

[۳۰۱] (۵) فان سهی المؤتم لم يلزم الامام السجود [۳۰۲] (۶) ومن سهی عن القعدة الاولى ثم تذكر وهو الى حال القعود اقرب عاد فجلس وتشهد وان كان الى حال القيام

ہوگا (۲) اس کی دلیل حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن لجینۃ انہ قال صلی لنا رسول اللہ رکعتین ثم قام فلم یجلس فقام الناس معه فلما قضی صلوٰتہ وانتظرنا التسلیم کبر فسجد سجدتین وهو جالس قبل التسلیم ثم سلم صلی اللہ علیہ وسلم (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قام من ثنتين ولم یتشهد ص ۱۵۵ نمبر ۱۰۳۴ ارتزندی شریف، باب ماجاء فی الامام یتہض فی الرکعتین ناسیا ص ۸۳ نمبر ۳۶۵ مسلم شریف، باب اذ انی الجلس فی الرکعتین فلیسجد سجدتین قبل ای سلم ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۰) اس حدیث میں امام پر سجدہ سہو تھا تو مقتدیوں کو بھی اس کی اقتدا میں کرنا پڑا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام کی وجہ سے مقتدی پر بھی سجدہ سہو لازم ہوگا۔

[۳۰۱] (۵) پس اگر مقتدی بھول جائے تو امام کو سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدہ سہو لازم ہوگا۔

**مذہب** (۱) مقتدی تابع ہے اس لئے امام کے خلاف ہو کر سجدہ سہو نہیں کر سکتا اور نہ تابع کی وجہ سے اصل پر لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عمر عن النبی ﷺ قال لیس علی من خلف الامام سہو فان سہا الامام فعلیہ وعلی من خلفہ السہو وان سہا من خلف الامام فلیس علیہ سہو والامام کافیہ (ب) (دارقطنی، باب لیس علی المقتدی سہو وعلیہ سہو الامام ض اول ص ۳۶۵ نمبر ۱۳۹۸) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مقتدی کے سہو سے امام پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا اور امام کے سہو سے مقتدی پر لازم ہوگا (۳) اس قسم کا اثر مصنف عبدالرزاق، باب هل علی من خلف الامام سہو ج ثانی ص ۳۱۵ نمبر ۳۵۰۶ میں موجود ہے۔

[۳۰۲] (۶) جو قعدة اولی بھول جائے پھر یاد آئے اس حال میں کہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو لوٹ جائے اور بیٹھے اور تشهد پڑھے، اور اگر کھڑے ہونے کے زیادہ قریب ہو تو نہل ﷺ تے اور سجدہ سہو کرے۔

**تشریح** قعدة اولی واجب ہے لیکن اس کو بھول کر کھڑا ہو گیا تو اور کھڑے ہونے کے قریب ہو گیا تب یاد آیا تو اب دوبارہ نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو کر آگے والے اعمال کرے۔ کیونکہ اب بیٹھنے میں قیام کی تاخیر ہوگی۔ اور بیٹھنے کے قریب تھا کہ یاد آیا تو ابھی کھڑا نہیں ہوا ہے اس لئے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور سجدہ سہو بھی لازم نہیں ہوگا۔

**مذہب** حدیث میں ہے عن مغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قام الامام فی الرکعتین فان ذکر قبل ان یستوی قائما فلیجلس فان اسر وی قائما فلا یجلس ویسجد سجدتی السہو (ج) (ابوداؤد شریف، باب من نسی ان یتشهد وهو جالس

حاشیہ : (الف) آپ نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھائی پھر کھڑے ہوئے اور نہیں بیٹھے تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے پس جب آپ نے نماز پوری کی اور ہم نے سلام پھیرنے کا انتظار کیا تو آپ نے تکبیر کی اور دو سجدے کئے اس حال میں کہ بیٹھے ہوئے تھے سلام سے پہلے پھر سلام پھیرا (ب) آپ نے فرمایا جو امام کے پیچھے ہو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ پس اگر امام بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو ہے اور جو اس کے پیچھے ہیں اس پر بھی سجدہ سہو ہے۔ اور اگر جو امام کی پیچھے ہے وہ بھول گیا تو اس پر سجدہ سہو نہیں ہے۔ امام اس کو کافی ہے (ج) آپ نے فرمایا جب امام دو رکعت پڑھ کر کھڑا ہو جائے، پس اگر مکمل کھڑا ہونے سے پہلے یاد آ جائے تو بیٹھ جانا چاہئے۔ پس اگر مکمل کھڑا ہو چکا ہو تو نہ بیٹھے اور دو سجدہ سہو کرے۔



اقرب لم يعد ويسجد للسهو [۳۰۳] (۷) وان سهى عن القعدة الاخيرة فقام الى الخامسة رجع الى القعدة ما لم يسجد والغى الخامسة وسجد للسهو [۳۰۴] (۸) وان قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه وتحولت صلواته نفلا وكان عليه ان يضم اليها ركعة سادسة [۳۰۵] (۹) وان قعد في الرابعة ثم قام ولم يسلم يظنها القعدة الاولى عاد الى القعود مالم

ص ۲۵۵ نمبر ۱۰۳۶ اردار قطنی، باب الرجوع الى القعود قبل استتمام القيام ج اول ص ۳۶۷ نمبر ۱۲۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہونے کے قریب ہو تو نہ بیٹھے اور سجدہ سہو کرے۔

[۳۰۳] (۷) اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچویں رکعت کی طرف کھڑا ہو گیا تو قعدہ اخیرہ کی طرف لوٹے گا جب تک سجدہ نہ کیا ہو اور پانچویں رکعت کو لغو کرے اور سجدہ سہو کرے۔

**مجا** (۱) باب صفة الصلوة کے مسئلہ نمبر ۶ میں گزر گیا ہے کہ قعدہ اخیرہ فرض ہے اب اس کو چھوڑ کر پانچویں رکعت کی طرف گیا جو گویا کہ نفل ہوگی اس لئے جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کیا ہو اور اس کو مضبوط نہ کیا ہو اس کو چھوڑ کر قعدہ اخیرہ کی طرف آئے اور قعدہ اخیرہ کر کے سلام پھیرے اور سجدہ سہو کرے (۲) پانچویں رکعت کا سجدہ کر لیا تو اب جو قعدہ کرے گا وہ نفل نماز کا قعدہ ہوگا اور فرض نماز کا قعدہ اخیرہ چھوٹ گیا اور قاعدہ ہے کہ فرض چھوڑ دے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس لئے فرض فاسد ہو جائے گا اور نفل بن جائے گا۔ اس لئے اس نماز کو دوبارہ پڑھے (۳) اثر میں ہے عن حماد قال اذا صلى الرجل خمسا ولم يجلس في الرابعة فانه يزيد السادسة ثم يسلم ثم يستأنف صلواته (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يصلي الظهر او العصر ثم ساج ثاني ص ۳۰۳ نمبر ۳۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چھٹی رکعت ملا لے تاکہ چھ رکعتیں نفل بن جائیں اور فاسد شدہ فرض دوبارہ پڑھے۔

**اصول** فرض چھوڑنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

**نکتہ** الغی : لغو کر دے۔

[۳۰۴] (۸) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ سے مقید کر دیا تو اس کا فرض باطل ہو جائے گا۔ اور اس کی فرض نماز نفل میں تبدیل ہو جائے گی اور اس پر یہ ہے کہ پانچویں رکعت کے ساتھ چھٹی رکعت ملا لے۔

**تشریح** فرض نماز تہی اور قعدہ اخیرہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کر لیا اس لئے پانچویں رکعت جو نفل ہے فرض کے ساتھ مل گئی اور فرض کا قعدہ اخیرہ جو فرض تھا چھوٹ گیا اس لئے نماز فاسد ہونی چاہئے لیکن نفل میں بدل جائے گی۔ کیونکہ نفل کا قعدہ اخیرہ بعد میں کر سکتا ہے۔ اب اس کے لئے بہتر ہے کہ چھٹی رکعت ملا لے تاکہ چھ رکعتیں نفل ہو جائیں اور پانچویں رکعت جو حقیقت میں ایک نفل ہے جو نماز تیرہ ہے اس سے بچ جائے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر چکی ہے (مصنف عبد الرزاق، نمبر ۳۴۶)

[۳۰۵] (۹) اور اگر چوتھی رکعت میں بیٹھا پھر کھڑا ہوا اور سلام نہیں پھیرا، اس نے اس کو گمان کیا کہ یہ قعدہ اولیٰ ہے تو لوٹے گا قعدہ کی طرف

یسجد للخامسة وسلم وسجد للسهو [۳۰۶] (۱۰) وان قید الخامسة بسجدة ضم اليها ركعة اخرى وقد تمت صلوته والركعتان نافلة [۳۰۷] (۱۱) ومن شك في صلوته فلم

جب تک پانچویں رکعت کا سجدہ نہ کرے اور سلام کرے اور سجدہ سہو کرے۔

**مذہب** قعدہ اخیرہ کر چکا ہے اس لئے فرض تو مکمل ہو گیا ہے اب صرف سلام باقی ہے جو واجب ہے۔ اس لئے پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور سلام کر کے سجدہ سہو کرے پھر تشهد پڑھ کر سلام پھیرے۔ چونکہ پانچویں رکعت کے سجدہ سے پہلے ہے اس لئے ایک رکعت مکمل نہیں ہوئی اس لئے اس کو چھوڑ سکتا ہے۔ ادھر چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گی۔

[۳۰۶] (۱۰) اور اگر پانچویں رکعت کو سجدہ کے ساتھ مقید کر دیا تو اس کے ساتھ چھٹی رکعت ملائے گا اور اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور یہ دو رکعت نفل ہوں گی۔

**تشریح** چونکہ قعدہ اخیرہ کر چکا ہے اس لئے چار رکعت فرض پورے ہو جائیں گے۔ البتہ پانچویں رکعت نفل کی نماز بتیرا ہے جس سے منع کیا گیا ہے اس لئے چھٹی رکعت ملا لے تاکہ دو رکعت نفل ہو جائے (۲) اثر میں ہے عن قتادة في رجل صلى الظهر خمسا قال يزيد اليها ركعة فتكون صلوة الظهر وركعتين بعدها... تطوعا (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يصلي الظهر او العصر خمسا ج ثانی ص ۳۰۳ نمبر ۳۳۶) اس اثر میں گویا کہ چار رکعت پر بیٹھا ہے اس لئے چار رکعت ظہر پوری ہو گئی اور باقی دو رکعتیں نفل ہو جائیں گی۔

**اصول** فرائض پورے ہو گئے ہوں اس کے بعد نوافل کو ملایا تو فرض فاسد نہیں ہوگا۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ پانچویں رکعت ملا لی تو چار رکعت فرض مکمل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله قال صلى بنا رسول الله ﷺ خمسا فقلنا يا رسول الله ازيد في الصلوة؟ قال وما ذاك؟ قالوا صليت خمسا قال انما انا بشر مثلکم اذکر کما تذکرون وانسی کما تنسون ثم سجد سجدتي السهو (الف) (مسلم شریف، باب من صلى خمساً ونحوه فليسجد سجدتين ص ۲۱۳ نمبر ۵۷۷ ابوداؤد شریف، باب اذا صلى خمساً ص ۱۵۳ نمبر ۱۰۱۹) اس حدیث میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ آپؐ چوتھی رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ کر کے پانچویں رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تھے یا بغیر قعدہ اخیرہ کئے ہوئے کھڑے ہوئے تھے۔ اور آپؐ نے دو سجدہ سہو کر کے چار رکعت فرض پوری کی ہے۔ اس لئے قعدہ اخیرہ میں بیٹھے یا نہ بیٹھے ہر حال میں سجدہ سہو کرے گا تو چار رکعت فرض پورا ہو جائے گا۔

[۳۰۷] (۱۱) جس کو شک ہو گیا نماز میں، پس نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار رکعت اور یہ پہلی مرتبہ اس کو پیش آیا ہے تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

**مذہب** اثر میں ہے عن ابن عمر في الذي لا يدري ثلاثا صلى او اربعا قال يعيد حتى يحفظ (ب) (مصنف ابن أبي شيبة، ۲۳۹،

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہمیں پانچ رکعت نماز پڑھائی۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ کیا نماز میں زیادتی ہو گئی؟ آپؐ نے فرمایا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا آپؐ نے پانچ رکعت نماز پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا میں تمہاری طرح انسان ہوں۔ یاد کرتا ہوں جیسا تم یاد کرتے ہو اور بھولتا ہوں جیسا تم بھولتے ہو۔ پھر دو سجدہ سہو فرمائے (ب) حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو نہیں جانتا ہے کہ تین رکعت پڑھی یا چار۔ فرمایا نماز لوٹانے کا یہاں تک کہ یاد ہو جائے۔

یدر اصلی ثلاثا ام اربعا وذلك اول ما عرض له استأنف الصلوة [۳۰۸] (۱۲) فان كان يعرض له كثيرا بنى على غالب ظنه ان كان له ظن وان لم يكن له ظن بنى على اليقين.

باب من قال اذا شك فلم يدر كم صلى اعاد، ج اول، ص ۳۸۵، نمبر ۴۴۲) اس اثر کو ہم اس پر عمل کرتے ہیں کہ پہلی مرتبہ شک ہوا ہو تو شروع سے نماز پڑھے، اور بار بار شک ہوتا ہو تو ظن غالب پر عمل کرے اور یقین پر عمل کرے۔

**نکتہ** استأنف : شروع سے پڑھے۔

[۳۰۸] (۱۲) اور اگر اس کو بار بار شک پیش آتا ہو تو غالب گمان پر بنا کرے گا۔

**تشریح** مثلاً تین رکعت اور چار رکعت میں شک ہو اور غالب گمان ہو کہ چار رکعت پڑھی ہے تو غالب گمان چار رکعت پر عمل کرے گا اور سلام پھیر دے گا۔ اور کسی طرف ظن غالب نہ ہو تو تین رکعت یقینی ہے اس لئے تین کو بنیاد بنا کر ایک رکعت ملائے گا۔ تاکہ چار رکعت ہو جائے۔ اور سجدہ سہو بھی کرے گا۔

**مذہب** حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا شك احدكم في صلوته فلم يدر كم صلى؟ ثلاثا ام اربعا؟ فليطرح الشك وليبن على ما استيقن ثم يسجد سجدتين قبل ان يسلم (الف) (مسلم شریف، باب السهو في الصلوة والسجود ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۱۵/ الوداد و شریف، باب اذا شك في التثنية والثلاث ص ۱۵۴ نمبر ۱۰۲۴/ بمعناہ ترمذی شریف، باب فمن اشك في الزيادة والنقصان ص ۹۱ نمبر ۳۹۸) اس حدیث میں ہے کہ ظن غالب نہ ہو بلکہ دونوں طرف شک ہو تو یقین پر بنا کرے، دوسری حدیث میں ہے کہ ظن غالب پر عمل کر سکتا ہے قال عبد اللہ صلی رسول اللہ ... واذا شك احدكم في صلوته فليتحرر الصواب فليتم عليه ثم يسجد سجدتين۔ دوسری حدیث میں ہے فلينظر احري ذلك للصواب (ب) (مسلم شریف، باب من شك في صلوته فلم يدر كم صلى فليطرح الشك الخ ص ۲۱۱ نمبر ۵۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غور کرنا چاہئے کہ کتنی رکعت پڑھی ہے تاکہ جس طرف ظن غالب ہو اس پر عمل کیا جاسکے۔



حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک کو نماز میں شک ہوا اور نہیں جانتا ہو کہ تین پڑھی ہے یا چار رکعت تو شک کو چھوڑ دے اور یقین پر بنا کرے پھر سجدے کرے دو سجدے اس سے پہلے کہ سلام کرے (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ حضور نے نماز پڑھی... اور فرمایا اگر تم میں سے کسی ایک کو اپنی نماز میں شک ہو تو صحیح کی تحریر کرنی چاہئے اور اس پر نماز پوری کرنی چاہئے پھر دو سجدے کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ دیکھنا چاہئے کہ درستگی کے قریب کون سی بات ہے۔

﴿باب صلوة المريض﴾

[٣٠٩] (١) اذا تعذر على المريض القيام صلى قاعدا يركع ويسجد فان لم يستطع الركوع والسجود اومى ايماء وجعل السجود اخفض من الركوع [٣١٠] (٢) ولا يرفع

﴿ باب صلاة المريض ﴾

**ضروری نوٹ** مریض کو اللہ نے گنجائش دی ہے کہ معنی طاقت ہوتا کام کرے۔ اس سے زیادہ کا مکلف نہیں ہے۔ چنانچہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکتا ہو تو لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔ البتہ جب تک ہوش و حواس ہے اور اشارہ کر کے نماز پڑھ سکتا ہے تو نماز ساقط نہیں ہوگی۔ دلیل یہ آیت ہے لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج (الف) (آیت ۷۷ سورۃ الفتح ۲۸) اس آیت سے ثابت ہوا کہ قدرت کے مطابق آدمی کام کرتا رہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ وسعت سے زیادہ اللہ تعالیٰ مکلف نہیں بناتے۔

[۳۰۹] (۱) بیمار پر کھڑا ہونا معذور ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا، رکوع اور سجدہ کرے گا، پس اگر رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ کرے گا اور سجدہ زیادہ جھکائے گا رکوع سے۔

**تشریح:** جو آدمی کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ اور بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کرے گا۔ اور رکوع اور سجدہ بھی نہ کر سکتا ہو تو رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔ اور سجدہ کے لئے سر کو زیادہ جھکائے گا جب حدیث میں ہے عن عمران بن حصین قال کانت بی ہوا سیر فسألت رسول اللہ ﷺ عن الصلوة فقال صل قائما فان لم تستطع فقعدا فان لم تستطع فعلى جنب (ب) (بخاری شریف، باب اذا لم یطیق قاعدا صلی علی جب ص ۵۰ نمبر ۱۱۱۱۱ ارتزندی شریف، باب با جاء ان صلوة القاعد علی الصف من صلوة القائم ص ۸۵ نمبر ۳۷۲ راہو داؤد شریف، باب ہی صلوة القاعد ص ۱۴۳ نمبر ۹۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بیٹھ نہ سکتا ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ رکوع اور سجدہ کے لئے اشارہ کرے۔ اور سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ سر جھکائے اس کی دلیل یہ ہے قال علی کل حال مستلقیا ومنحرفا فاذا استقبل القبلة وکان لا یستطیع الا ذلک فیومی ايماء ویجعل سجوده اخفض من رکوعه (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب صلوة المریض ج ثانی ص ۷۵ نمبر ۴۱۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے لئے سر زیادہ جھکائے۔

**لغت:** اومی: اشارہ کرے۔

[۳۱۰] (۲) اور اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے جس پر سجدہ کرے۔

حاشیہ : (الف) اندھے پر کوئی حرج نہیں، لنگڑے پر کوئی حرج نہیں اور مریض پر کوئی حرج نہیں ہے (ب) عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ مجھے ہوا سیر کا مرض تھا میں نے حضورؐ سے نماز کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ پس اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو بیٹھ کر کے، پس اگر طاقت نہ رکھتے ہو تو پہلو کے بل نماز پڑھو (ج) حضرت قتادہؓ سے روایت ہے ہر حال میں کہ چت لیٹ کر کے یا قبلہ سے علاوہ کی حالت میں ہو، پس جب کہ قبلہ کا استقبال کرو اور نہ طاقت رکھتا ہو مگر اسی کی تو اشارہ کرے اشارہ کرنا۔ اور سجدہ کو زیادہ جھکائے رکوع سے۔

الی وجہہ شیئا یسجد علیہ [۳۱۱] (۳) فان لم یستطع القعود استلقی علی قفاه وجعل رجليه الی القبلة واومئ بالركوع والسجود [۳۱۲] (۴) وان اضطجع علی جنبه ووجہہ

**ج** اوپر اثر میں آیا کہ رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا اس لئے لکڑی وغیرہ کوئی چیز چہرے کی طرف نہ اٹھائے کہ اس پر سجدہ کرے۔ اس کو منع فرمایا گیا ہے۔ اثر میں ہے ان ابن عمر کان یقول اذا کان احدکم مریضا فلم یستطع سجودا علی الارض فلا یرفع الی وجہہ شیئا ولیجعل سجوده رکوعا ولیومئ برأسه (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب المریض ج ثانی ص ۴۷۵ نمبر ۴۱۳۷ سنن للبیہقی، باب الایماء بالركوع والسجود اذا عجز عنهما ج ثانی ص ۴۳۵، نمبر ۳۶۷۲، ابواب المریض) اس حدیث میں ہے اجعل سجودک اخفض من رکوعک۔ اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے بلکہ سر کے اشارہ سے نماز پڑھے۔ اور رکوع میں کم جھکائے اور سجدہ میں زیادہ جھکائے۔

[۳۱۱] (۳) اگر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو گدی کے بل چٹ لیٹے اور دونوں پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے۔

**تشریح** چٹ لیٹ کر پاؤں کو قبلہ کی طرف کرے گا تو اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ قبلہ رخ ہوگا۔ جو نمازی کے لئے صحت کی حالت میں فرض ہے۔ اگرچہ ایک کراہیت بھی ہے کہ پاؤں قبلہ کی طرف ہوں۔ حضرت مصنف نے قبلہ رخ کی وجہ سے اس طریق کو افضل قرار دیا ہے۔ اثر میں ہے عن ابن عمر قال یصلی المریض مستلقیا علی قفاه تلی قدماہ القبلة (ب) (سنن للبیہقی، باب روی فی کیفیت الصلوٰۃ علی الجنب اول الاستلقاء وفی نظر ج ثانی، ص ۴۳۶، نمبر ۳۶۷۹)

[۳۱۲] (۴) اور اگر پہلو کے بل لیٹا اور اس کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو اور اشارہ کرے تب بھی جائز ہے۔

**ج** مسئلہ نمبر ۱۸ میں بخاری کی حدیث گزری فان لم یستطع فعلی جنب کہ بیٹھنے کی قدرت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے

(۲) علی بن ابی طالب عن النبی ﷺ قال یصلی المریض قائما ان استطاع فان لم یستطع صلی قاعدا فان لم یستطع ان یسجد اوماً وجعل سجوده اخفض من رکوعه فان لم یستطع ان یصلی قاعدا صلی علی جنبه الایمن مستقبل القبلة فان لم یستطع ان یصلی علی جنبه الایمن صلی مستلقیا رجله مما یلی القبلة (ج) (سنن للبیہقی، باب ما روی فی کیفیت الصلوٰۃ علی الجنب اول الاستلقاء، ج ثانی، ص ۴۰۶، نمبر ۳۶۷۸، دارقطنی، باب صلوٰۃ المریض من رعف فی صلوٰۃ الخ، ج ثانی، ص ۳۱ نمبر ۱۶۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ اگر اس پر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تب چٹ لیٹ کر قبلہ کی طرف

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر کہا کرتے تھے تم میں سے کوئی ایک مریض ہو اور زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے چہرے کی طرف کوئی چیز نہ اٹھائے اور سجدہ کو رکوع کی طرح کرے اور سر سے اشارہ کرے (ب) آپ نے فرمایا پناہ گدی کے بل چٹ لیٹ کر نماز پڑھے گا۔ اس کے دونوں قدم قبلہ کی طرف ہوں گے۔

حاشیہ : (ج) آپ نے فرمایا مریض اگر طاقت رکھے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔ پس اگر طاقت نہ رکھے تو بیٹھ کر کے، پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو کہ سجدہ کرے تو اشارہ کرے گا۔ اور سجدہ کو رکوع سے زیادہ جھکائے گا۔ پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو کہ نماز پڑھے بیٹھ کر نماز پڑھے گا دائیں پہلو کے بل قبلہ کا استقبال کرتے ہوئے۔ پس اگر دائیں پہلو پر نماز نہ پڑھ سکتا ہو نماز پڑھے گا چٹ لیٹ کر، اس کا پاؤں قبلہ کی جانب ہو۔

الى القبلة واومئ جاز [۳۱۳] (۵) فان لم يستطع الايماء برأسه اخر الصلوة ولا يومئ بعينه ولا بقلبه ولا بحاجبيه [۳۱۴] (۶) فان قدر على القيام ولم يقدر على الركوع والسجود لم يلزمه القيام وجاز ان يصلي قاعدا يومئ ايماء [۳۱۵] (۷) فان صلى الصحيح بعض صلوته قائما ثم حدث به مرض اتمها قاعدا يركع ويسجد ويومئ ايماء ان

پاؤں کرے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک یہی ہے کہ دائیں پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے اور وہ نہ کر سکتا ہو تو لیٹ کر قبلہ رخ پاؤں کرے۔ ان کی دلیل یہی دونوں احادیث ہیں۔ لغت استقلى : چٹ لیٹا، قفا : گدی۔

[۳۱۳] (۵) پس اگر سر سے اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو نماز مؤخر ہو جائے گی، اور نہ اشارہ کرے اپنی آنکھوں سے اور نہ دل سے اور نہ بھوؤں سے **تشریح** اگر سر سے بھی اشارہ کرنے کی طاقت نہ ہو تو نماز مؤخر ہوگی۔ چونکہ عقل دماغ موجود ہے اس لئے شریعت کا خطاب اس پر موجود ہے اس لئے نماز لازم ہوگی۔ البتہ مؤخر کر کے نماز پڑھے گا۔

**وجہ** مسئلہ نمبر ۴ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ سر سے اشارہ کرے گا۔ اور سر سے اشارہ نہ کر سکے تو نماز مؤخر ہو جائے گی۔

**لغت** بحاجبہ : دونوں بھوؤں سے۔

[۳۱۴] (۶) اگر کھڑے ہونے پر قدرت رکھتا ہو لیکن رکوع اور سجدے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کو کھڑا ہونا لازم نہیں ہے۔ اور اس کے لئے جائز ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

**تشریح** ایک آدمی کھڑا ہو سکتا ہے لیکن پیٹھ میں درد کی وجہ سے رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو اس کے لئے کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔ وہ بیٹھ کر رکوع اور سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھے۔

**وجہ** اس کی وجہ یہ ہے کہ کھڑا ہونا اس لئے تھا تا کہ صحیح طور پر رکوع اور سجدہ کر سکے۔ لیکن جب رکوع اور سجدہ ہی نہیں کر سکا تو کھڑا ہونا جو فرض تھا اس سے ساقط ہو جائے گا۔ اب چاہے تو کھڑا ہو چاہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔

[۳۱۵] (۷) پس اگر تندرست آدمی نے بعض نماز کھڑے ہو کر پڑھی پھر اس کو مرض پیدا ہوا تو اس کو پوری کرے گا بیٹھ کر کے، رکوع کریگا اور سجدہ کریگا، اور اشارہ کرے گا اگر رکوع اور سجدے پر طاقت نہ رکھتا ہو۔ یا چٹ لیٹے گا اگر بیٹھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

**وجہ** مسئلہ نمبر ۱ میں بخاری کی حدیث گزر چکی ہے کہ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر نماز پڑھے۔ اور یہ بھی گزرا کہ رکوع اور سجدہ نہ کر سکتا ہو تو اشارہ سے نماز پڑھے گا (۲) آیت میں گزرا کہ مریض پر کوئی حرج نہیں ہے۔ جتنے پر قدرت ہوگی اتنا ہی کرے گا۔ اس لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں زیادہ بیمار ہو گیا اور بیٹھ گیا تو ادنیٰ کواعلیٰ پر بنا کیا اس لئے جائز ہے۔ اور رکوع سجدہ نہ کر سکا تو اشارہ سے نماز پڑھے گا۔

لم يستطع الركوع والسجود او مستلقيا ان لم يستطع القعود [۳۱۶] (۸) ومن صلى قاعدا يركع ويسجد لمرض ثم صح بنى على صلوته قائما [۳۱۷] (۹) فان صلى بعض صلوته بايماء ثم قدر على الركوع والسجود استأنف الصلوة [۳۱۸] (۱۰) ولمن اغمى

[۳۱۶] (۸) جس نے بیٹھ کر نماز پڑھی رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے مرض کی بنا پر پھر تندرست ہو گیا تو کھڑے ہو کر اپنی نماز پر بنا کرے گا۔  
**وجہ** (۱) بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے اس لئے اگر بیٹھا ہو رکوع و سجدہ کر رہا تھا اور کھڑے ہونے پر قدرت ہو گئی تو اسی پر بنا کرے گا اور باقی نماز کھڑے ہو کر پوری کرے گا (۲) کھڑے ہونے والے بیٹھنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں لیکن لیٹنے والے کی اقتدا نہیں کر سکتے اس سے بھی معلوم ہوا کہ بیٹھنا آدھا کھڑا ہونا ہے۔ اس لئے اسی پر بنا کرے گا۔ شروع نماز سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے (۳) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عائشة ان رسول الله كان يصلي جالسا فيقرأ وهو جالس فاذا بقى من قرأته قدر ما يكون ثلثين او اربعين آية قام فقرأ وهو قائم ثم ركع ثم سجد ثم يفعل في الثانية مثل ذلك (الف) (مسلم شریف، باب جواز النافلة قائما وقاعدا ص ۲۵۲ نمبر ۷۳۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہے پھر آخر میں کھڑے ہو کر اس پر بنا کیا ہے۔ یہ حدیث اگرچہ نوافل کے بارے میں ہے لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی صورت میں فرائض میں بھی بیٹھنے پر کھڑا ہونے کو بنا کر سکتا ہے۔  
 [۳۱۷] (۹) پس اگر بعض نماز اشارہ سے پڑھی پھر رکوع اور سجدہ پر قدرت ہو گئی تو نماز شروع سے پڑھے گا۔

**وجہ** اشارہ کرنا بہت ہی کمزور حالت ہے۔ اس پر اعلیٰ کی بنا نہیں کر سکتے (۲) یہی وجہ ہے کہ لیٹنے والے یا اشارہ کرنے والے کی اقتدا بیٹھنے والے یا کھڑے ہونے والے نہیں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ایک بہت اعلیٰ حالت ہے اور دوسری بہت ادنیٰ حالت ہے۔ اس لئے اشارہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا اور درمیان میں رکوع اور سجدہ پر قدرت ہو گئی تو اس پر بنا نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا (۳) اوپر کی حدیث سے ثابت ہوا کہ بیٹھنے پر کھڑے ہونے کو بنا آپؐ نے کیا ہے۔ لیکن اشارہ کرنے پر بنا کرنے کی حدیث نہیں ہے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اشارہ کرنے پر رکوع و سجدہ کرنے کو بنا نہ کیا جائے۔

[۳۱۸] (۱۰) جس پر پانچ نمازیں یا اس سے کم کی بیہوشی طاری ہوئی تو ان کو قضا کرے گا جب تندرست ہوگا۔ اور اگر فوت ہو گئی ہے بیہوشی کی وجہ سے پانچ نمازوں سے زیادہ تو قضا نہیں کرے گا۔

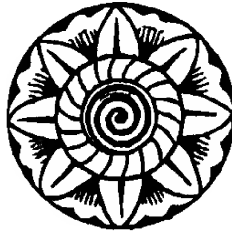
**تشریح** بیہوشی کی وجہ سے پانچ نمازیں یا اس سے کم قضا ہوئی ہو تو اس کو قضا کرے گا۔ اور اس سے زیادہ قضا ہو گئی ہو تو اس کو قضا نہیں کرے گا۔ معاف ہے۔

**وجہ** (۱) بیہوشی طاری ہوئی تو عقل گویا کہ ختم ہو گئی اس لئے شریعت کا خطاب اس سے اٹھ گیا۔ لیکن ایک دن ایک رات سے کم بیہوشی رہی تو وہ

حاشیہ : (الف) آپؐ نماز پڑھتے تھے بیٹھ کر تو قرات کرتے اس حال میں کہ بیٹھے ہوتے، پس جب کہ آپؐ کی قرات میں سے تیس یا چالیس آیتیں باقی رہتی تو کھڑے ہوتے پھر قرات کرتے کھڑے ہو کر، پھر رکوع کرتے پھر سجدہ کرتے، پھر ایسا ہی دوسری رکعت میں کرتے۔

علیه خمس صلوات فما دونها قضاها اذا صح وان فاتته بالاغماء اكثر من ذلك لم يقض

نہند کے درجہ میں ہے۔ اس لئے اس کی نماز قضا کرے گا۔ اور ایک دن ایک رات سے زیادہ بیہوشی رہی تو اس سے خطاب اٹھا ہوا ہے۔ اس لئے اب اس کی نماز قضا نہیں کرے گا (۲) اس طرح قضا کروائیں تو حرج لازم ہوگا تو جس طرح حائضہ سے نماز معاف ہے اسی طرح اس سے بھی نماز معاف ہوگی۔ (۳) آثار میں ہے عن عبد اللہ بن عمر عن نافع قال اغمی علی ابن عمر یوما وليلة فلم يقض ما فاتہ... وفی حدیث آخر... ان ابن عمر اغمی علیہ شہرا فلم يقض ما فاتہ وصلى یومہ الذی افاق فیہ (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب صلوٰۃ المریض علی الدابة و صلوٰۃ الغمی علیہ ج ثانی ص ۹۷ نمبر ۴۱۵۲/۴۱۵۳) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ ایک دن ایک رات کی نماز سے قضا ہوئی ہو تو قضا کرے گا اور زیادہ ہوئی ہو تو قضا نہیں کرے گا۔ معاف ہے ورنہ حرج لازم ہوگا۔



حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عمر پر ایک دن ایک رات بیہوشی طاری ہوئی تو جو نمازیں فوت ہوئی اس کی قضا نہیں کی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ ابن عمر پر ایک ماہ تک بیہوشی طاری ہوئی تو جو نمازیں فوت ہوئیں ان کی قضا نہیں کی۔ اور اس دن کی نماز پڑھی جس دن افاقہ ہوا۔



## ﴿باب سجود التلاوة﴾

[۳۱۹] (۱) فی القرآن اربعة عشر سجدة فی آخر الاعراف وفي الرعد وفي النحل وفي بنی اسرائیل ومريم والاولی فی الحج والفرقان والنمل والانشقاق والعلق [۳۲۰] (۲)

## ﴿باب سجود التلاوة﴾

**ضروری نوٹ** قرآن کریم میں چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے۔ ان کو سجدہ تلاوت کہتے ہیں۔ سجدہ تلاوت واجب ہونے کی یہ دلیل ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ سجد بالنجم وسجد معه المسلمون والمشركون والجن والانس (الف) (بخاری شریف، باب سجدة النجم ص ۳۶ نمبر ۱۰۷۱ مسلم شریف، باب سجود التلاوة ص ۲۱۵ نمبر ۵۷۶) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ آیت سجدہ پڑھنے سے سجدہ کرنا چاہئے۔ اور جو لوگ نے ان کو بھی سجدہ کرنا چاہئے۔

[۳۱۹] (۱) قرآن کریم میں چودہ آیتوں پر سجدے ہیں (۱) سورۃ اعراف کے اخیر میں (۲) الرعد (۳) النحل (۴) بنی اسرائیل (۵) مریم (۶) سورۃ حج میں پہلا سجدہ (۷) الفرقان (۸) النمل (۹) الم تنزیل (۱۰) ص (۱۱) حم السجدہ (۱۲) النجم (۱۳) الانشقاق (۱۴) العلق۔ یہ چودہ آیتیں ہیں جن کے پڑھنے سے پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک سورۃ حج میں جو پہلا سجدہ ہے اس کے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوتا ہے **وجہ** اس کی وجہ یہ اثر ہے عن سعید بن المسیب والحسن قالوا فی الحج سجدة واحدة الاولی منها (ب) (مصنف بن ابی شیبہ، باب ۲۱۵ من قال ہی واحدة وہی الاولی، ج اول، ص ۳۳ نمبر ۴۳۰۰) (۲) عن ابن عباس قال فی سورة الحج الاولی عزیمۃ والآخرۃ تعلیم وکان لا یسجد فیہا (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب کم فی القرآن من سجدة ص ۳۴۲ نمبر ۵۸۹۲) ان دونوں آثار سے معلوم ہوا کہ سورۃ حج میں پہلی آیت پر سجدہ ہے دوسری آیت تعلیم کے لئے ہے۔

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک دونوں جگہ سجدے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عقبۃ بن عامر حدثہ قال قلت لرسول اللہ ﷺ فی سورة الحج سجدة قال نعم ومن لم یسجد ہما فلا یقرأہما (د) (ابوداؤد شریف، باب کم سجدة فی القرآن ص ۲۰۶ نمبر ۱۴۰۲ باب تفریع ابواب السجود درترمذی شریف، باب فی السجدۃ فی الحج ص ۱۲۸ نمبر ۵۷۸) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سورۃ حج میں دو سجدے ہیں۔ اس اعتبار سے کل سجدے پندرہ ہو جائیں گے۔ یہی امام مالکؒ کا قول ہے۔

[۳۲۰] (۲) سجدہ واجب ہے ان جگہوں میں پڑھنے والے پر اور سننے والے پر چاہے قرآن سننے کا ارادہ کیا ہو یا ارادہ نہ کیا ہو۔

**تشریح** ان آیتوں کے پڑھنے سے پڑھنے والے اور سننے والے دونوں پر سجدہ واجب ہوتا ہے۔ چاہے سننے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

**وجہ** واجب ہونے کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس قال ص لیس من عزائم السجود وقد رأیت النبی ﷺ یسجد فیہا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے سجدہ کیا سورۃ النجم میں اور آپؐ کے ساتھ مسلمان، مشرکین، جنات اور انسان نے بھی سجدہ کیا (ب) سعید بن مسیب اور حسن نے فرمایا کہ سورۃ حج میں ایک سجدہ ہے۔ ان میں سے پہلا سجدہ (ج) ابن عباس نے فرمایا سورۃ حج میں پہلا سجدہ تاکید ہے اور دوسرا سجدہ تعلیم کے لئے ہے۔ اور اس میں سجدہ نہیں کیا کرتے تھے (د) میں نے حضورؐ سے کہا کہ سورۃ حج میں دو سجدے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ہاں! اور جس نے دو سجدے نہیں کئے تو گویا کہ ان کو پڑھا ہی نہیں۔

والسجود واجب فی هذه المواضع علی التالی والسامع سواء قصد سماع القرآن او لم

(الف) (بخاری شریف، باب سجدة ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۶۹ ابو داؤد شریف، باب السجود فی ص ۳۰۷ نمبر ۱۳۰۹ ترمذی شریف، باب ما جاء فی السجدة فی ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورہ ص میں سجدة تاکید کی نہیں ہے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ دوسری آیتوں کا سجدة تاکید ہے اور اسی کا نام وجوب ہے۔ اس لئے سجدة تلاوت واجب ہے۔ ایک اور حدیث سے اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ یقرأ السجدة ونحن عنده فیسجد ونسجد معه فنزدحم حتی مایجد احدنا لجہتہ موضعاً یسجد علیہ (ب) (بخاری شریف، باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدة ص ۱۳۶ نمبر ۷۶۱۷ باب ما جاء فی سجود القرآن مرسل شریف، باب سجود التلاوة ص ۲۱۵ نمبر ۵۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدة واجب ہے اور سننے والوں پر بھی واجب ہے۔ اسی لئے تو سننے کے بعد تمام لوگ سجدة کرتے تھے۔ یہاں تک کہ سجدة کے لئے جگہ باقی نہیں رہتی تھی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت سجدة سننے کا ارادہ نہ بھی رکھتا ہو تو بھی سننے سے سجدة واجب ہوگا۔ کیونکہ اس میں بہت سے لوگ وہ بھی ہوں گے جو سننے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں گے پھر بھی انہوں نے سجدة کیا (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے عن ابن عمر قال انما السجدة علی من سمعها، سعید بن جبیر قال من سمع السجدة فعلیہ ان یسجد (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۰۷، باب من قال السجدة علی من جلس لها من سمعہ، انا اول، ص ۳۶۷ نمبر ۴۲۳۲/۴۲۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو بھی آیت سجدة سنے گا اس پر سجدة کرنا واجب ہوگا چاہے سننے کا ارادہ کرے یا نہ کرے **فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک سجدة تلاوت سنت ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عمر بن الخطاب قرأ یوم الجمعة علی المنبر بسورة النحل حتی اذا جاء السجدة نزل فسجد وسجد الناس حتی اذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتی اذا جاء السجدة قال ایہا الناس انما نمر بالسجود فمن سجد فقد اصاب ومن لم یسجد فلا اثم علیہ ولم یسجد عمر (د) (بخاری شریف، باب من دعا الی ان الذعر وجل لم یوجب السجود ص ۱۳۷ نمبر ۷۷۱۷ ابو داؤد شریف، باب السجود فی ص ۳۰۷ نمبر ۱۳۱۰ ترمذی شریف، باب ما جاء من لم یسجد فی ص ۱۲۷ نمبر ۵۷۶) اس حدیث و اثر سے معلوم ہوا کہ سجدة تلاوت واجب نہیں ہے سنت ہے۔ سجدة کرے گا تو ثواب ملے گا اور نہیں کرے گا تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ بعض حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ سننے کے ارادے سے سننے تو سجدة کرے گا اور اگر بغیر ارادہ کے سن لیا تو اس پر ضروری نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے قال سلمان ما لهذا غدونا وقال عثمان انما السجدة علی من استمعها (ه) (بخاری شریف، باب من رأى ان الذعر وجل یوجب السجود ص ۱۳۶ نمبر ۱۰۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سننے کے حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کہ سورہ ص میں تاکید کی سجدة نہیں ہے پھر بھی حضور کو دیکھا کہ اس میں سجدة کیا کرتے تھے (ب) حضور آیت سجدة پڑھتے اور ہم ان کے پاس ہوتے تو آپ سجدة کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدة کرتے تو ہم لوگ بھیڑ کر دیتے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے بعض پیشانی رکھنے کی جگہ نہیں پاتے کہ اس پر سجدة کرے (ج) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جو آیت سجدة سننے اس پر یہ ہے کہ سجدة کرے (د) عمر ابن خطاب نے جمعہ کے دن منبر پر سورۃ النحل پڑھی یہاں تک کہ جب آیت سجدة آئی تو نیچے اترے اور سجدة کیا۔ اور لوگوں نے بھی سجدة کیا یہاں تک کہ جب اگلا جمعہ آیا تو اس کو پڑھایا یہاں تک کہ جب آیت سجدة آئی تو کہا اے لوگو! ہم سجدة پر گزرتے ہیں تو جس نے سجدة کیا اس نے ٹھیک کیا اور جس نے سجدة نہیں کیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے سجدة نہیں کیا (ه) حضرت سلمان نے فرمایا ہم اس سجدة کے لئے نہیں آتے ہیں، حضرت عثمان نے فرمایا جسداں پر ہے جو سجدة کو کان لگا کر سنے۔

يقصد [۳۲۱] (۳) فاذا تلا الامام آية السجدة سجدها و سجد الماموم معه [۳۲۲] (۴)  
 فان تلا الماموم لم يلزم الامام ولا الماموم السجود [۳۲۳] (۵) وان سمعوا وهم في  
 الصلوة آية سجدة من رجل ليس معهم في الصلوة لم يسجدوها في الصلوة فان سجدوها  
 في الصلوة لم تجز لهم ولم تفسد صلواتهم.

ارادے سے سنے تو سجدہ ضروری ہے ورنہ نہیں۔

[۳۲۱] (۳) پس اگر امام نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کا سجدہ کرے گا اور مقتدی بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے گا۔

**وجہ** (۱) پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے اس لئے امام پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا تو مقتدی پر بھی واجب ہو جائے گا (۲) اس کے لئے  
 دلیل یہ بھی ہے کہ مسئلہ نمبر ۲ میں ہے کان النبی ﷺ یقرأ السجدة ونحن عنده فیسجد ونسجد معه (الف) (بخاری شریف،  
 باب ازدحام الناس ص ۳۶ نمبر ۱۰۷۶) اس حدیث میں ہے کہ حضور سجدہ کرتے تھے اور ہم لوگ بھی ان کی اقتدا میں سجدہ کرتے تھے۔

[۳۲۲] (۴) پس اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو نہ امام کو لازم ہوگا اور نہ مقتدی کو سجدہ لازم ہوگا۔

**وجہ** مقتدی امام کے تابع ہے اس لئے اگر مقتدی نے آیت سجدہ پڑھی تو اس کی وجہ سے امام پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔ اور مقتدی امام کے خلاف  
 کر کے سجدہ نہیں کر سکتا ورنہ امام کی مخالفت لازم ہوگی اس لئے نہ امام پر سجدہ لازم ہوگا اور نہ مقتدی پر لازم ہوگا (۲) امام ابوحنیفہ کے اعتبار سے  
 مقتدی کو قرأت ہی نہیں کرنی چاہئے۔ اس نے جو قرأت کی ہے یہی خلاف قاعدہ کی ہے۔ اس لئے کسی پر سجدہ لازم نہیں ہوگا۔

[۳۲۳] (۵) اگر لوگ نماز میں ہوں اور انہوں نے آیت سجدہ ایسے آدمی سے سنی جو ان کے ساتھ نماز میں نہ ہو تو لوگ نماز میں اس کا سجدہ نہ  
 کرے، اور اگر نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو ان کو کافی نہ ہوگا، لیکن ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

**تشریح** کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک آدمی اس نماز میں نہیں تھا اس نے آیت سجدہ پڑھی اور نمازی لوگوں نے اس کو سنی تو نمازی لوگوں کو  
 چاہئے کہ ابھی اس کا سجدہ نہ کرے بلکہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کا سجدہ کرے۔ لیکن اگر انہوں نے نماز ہی میں سجدہ کر لیا تو نماز فاسد  
 نہیں ہوگی۔

**وجہ** یہ سجدہ نماز کے اعمال میں سے نہیں ہے۔ اس کا سبب نماز کے باہر سے آیا ہے۔ اس لئے اس کو نماز میں ادا نہیں کرنا چاہئے۔ نماز سے باہر  
 ادا کرنا چاہئے۔ تاہم کر دیا تو چونکہ خلاف نماز کا نہیں ہے اس لئے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے عن طائوس  
 فی الرجل سمع المسجدة وهو فی الصلوة قال لا یسجد (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۱۶ باب یسمع السجدة قرأت وهو فی الصلوة  
 من قال لا یسجد، ج اول، ص ۳۷، نمبر ۴۳۰) اس باب میں کئی اثر ہیں مصنف عبد الرزاق، باب اذا سمعت السجدة وانت تصلي ج ثالث ص

حاشیہ: (الف) آپ آیت سجدہ پڑھتے اور ہم ان کے پاس ہوتے تو وہ بھی سجدہ کرتے اور ہم بھی ان کے ساتھ سجدہ کرتے (ب) حضرت طاؤس سے اس آدمی کے  
 بارے میں روایت ہے جس نے آیت سجدہ سنی اس حال میں کہ وہ نماز میں ہے تو فرمایا کہ وہ ابھی سجدہ نہ کرے۔

[۳۲۴] (۶) ومن تلا آية سجدة خارج الصلوة ولم يسجد ها حتى دخل في الصلوة فتلاها وسجد لهما اجزائه السجدة عن التلاوتين [۳۲۵] (۷) فان تلاها في غير الصلوة فسجدها ثم دخل في الصلوة فتلاها سجدها ثانيا ولم تجزه السجدة الاولى [۳۲۶] (۸) ومن كرر تلاوة سجدة واحدة في مجلس واحد اجزائه سجدة واحدة.

(۳۵۱ نمبر ۵۹۴)

[۳۲۴] (۶) کسی نے نماز سے باہر سجدہ کی آیت پڑھی، اس کا ابھی سجدہ نہیں کیا کہ نماز شروع کر دی اور نماز میں دوبارہ اسی آیت کو پڑھی تو دونوں کے لئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہے بشرطیکہ مجلس نہ بدلی ہو۔

**وجہ** (۱) نماز کا سجدہ اعلیٰ ہے اس لئے ادنیٰ کے لئے کافی ہے۔ اور چونکہ مجلس ایک ہے اسلئے نماز والا ایک ہی سجدہ کافی ہوگا (۲) ایک ہی سجدہ کافی ہونے کے لئے یہ اثر ہے عن مجاہد قال اذا قرأت السجدة اجزأك ان تسجد بها مرة، عن ابراهيم في الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها قال لا تجزئها السجدة الاولى (الف) (مصنف بن ابی شیبہ ۲۰۳، باب الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها كيف يصنع ج اول ص ۳۶۵، نمبر ۴۲۰/۴۱۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھنے سے اگر مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

[۳۲۵] (۷) پس اگر آیت سجدہ تلاوت کی نماز سے باہر اور اس کا سجدہ کر لیا پھر نماز میں داخل ہوا پھر اسی آیت کی تلاوت کی تو دوسری مرتبہ اس کا سجدہ کرے، اور اس کے لئے پہلا سجدہ کافی نہیں ہوگا۔

**وجہ** نماز سے باہر والا سجدہ ادنیٰ ہے اور نماز کے اندر کا سجدہ اعلیٰ ہے۔ اس لئے ادنیٰ والا سجدہ اعلیٰ کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ اس لئے نماز سے باہر جو سجدہ کر چکا ہے وہ نماز کے اندر والے کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھنے کی وجہ سے دوبارہ سجدہ کرنا ہوگا۔

[۳۲۶] (۸) کسی نے ایک ہی آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں مکرر تلاوت کی تو اس کو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

**وجہ** قیاس کے اعتبار سے ہر آیت پڑھنے کے لئے الگ الگ سجدہ واجب ہونا چاہئے۔ لیکن حرج کے لئے داخل کر دیا جائے گا۔ لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ مجلس ایک ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ میں داخل ہوگا لیکن اعلیٰ ادنیٰ میں داخل نہیں ہوگا۔ اب اوپر کی صورت میں ایک ہی آیت کئی مرتبہ پڑھی ہے تو اگر مجلس ایک ہے تو داخل ہو کر ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔ اور مجلس بدل گئی تو کئی سجدے لازم ہونگے۔ (۲) اثر میں موجود ہے عن ابی عبد الرحمن انه كان يقرأ السجدة فيسجد ثم يعيد ها في مجلسه ذلك مرارا لا يسجد (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰۳، باب الرجل يقرأ السجدة ثم يعيد قرأتها كيف يصنع، ج اول ص ۳۶۶، نمبر ۴۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مجلس

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم سے فتویٰ ہے کہ آدمی آیت سجدہ پڑھے پھر اس کی قرأت کو لوٹائے۔ فرمایا اس کو پہلا ہی سجدہ کافی ہے (ب) ابو عبد الرحمن آیت سجدہ پڑھتے تھے اور سجدہ کرتے تھے۔ پھر اسی مجلس میں کئی مرتبہ لوٹاتے اور دوبارہ سجدہ نہیں کرتے۔

[۳۲۷] (۹) ومن اراد السجود کبر ولا یرفع یدیه و سجد ثم کبر و رفع رأسه ولا تشهد علیه ولا سلام۔

میں کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھا تو تداخل ہوگا اور ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔

[۳۲۷] (۹) جس نے سجدہ تلاوت کا ارادہ کیا تو تکبیر کہے اور ہاتھ نہ اٹھائے اور سجدہ کرے، پھر تکبیر کہے اور اپنے سر کو اٹھائے۔ اس پر تشہد نہ پڑھے اور نہ سلام کرے۔

■ اثر میں ہے عن عبد الله بن مسلم قال كان ابي اذا قرأ السجدة قال الله اكبر ثم سجد (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰۲، باب من قال اذا قرأت السجدة فکبر وسجد ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ میں جائے گا۔ تشہد نہیں پڑھے گا اس کے لئے یہ اثر دلیل ہے عن سعید بن جبیر انه كان يقرأ السجدة فيرفع رأسه ولا يسلم، قال كان الحسن يقرأ بسنا سجود القرآن ولا يسلم (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۰۱، باب من كان لا يسلم من السجدة ج اول ص ۳۶۴، نمبر ۴۱۸/۴۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سجدہ تلاوت میں تشہد اور سلام نہیں ہیں۔ صرف تکبیر کہہ کر سجدہ کرے پھر تکبیر کہہ کر سر اٹھائے بس اتنا ہی کافی ہے۔

■ سجدہ تلاوت نماز کا حصہ ہے اس لئے اس کے لئے وضو ضروری ہے۔ اس کے لئے اثر ہے عن ابراهيم قال اذا سمعه وهو على غير وضوء فليتوضأ ثم ليقرأ فليسجد (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲۰، باب في الرجل يسجد السجدة وهو على غير وضوء ج اول ص ۴۶۷)



حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مسلم کہتے ہیں کہ میرے والد جب آیت سجدہ پڑھتے تو کہتے اللہ اکبر پھر سجدہ کرتے (ب) سعید بن جبیر آیت سجدہ پڑھتے پھر سر اٹھاتے اور سلام نہیں کرتے، حسن ہمیں سجدہ قرآن پڑھاتے اور سلام نہیں کرتے (ج) ابراہیم نے کہا جب آیت سجدہ سنے اور وہ وضو پر نہ ہو تو وضو کرے پھر پڑھے پھر سجدہ کرے۔

## ﴿باب صلوة المسافر﴾

[۳۲۸] (۱) السفر الذي يتغير به الاحكام ان يقصد الانسان موصعا بينه وبين المقصد

## ﴿باب صلوة المسافر﴾

**ضروری نوٹ** آدمی سفر میں چلا جائے تو اس کو مسافر کہتے ہیں۔ سفر کی حالت میں آدمی آدھی نماز پڑھے اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمع ابن عمر يقول صحبت رسول الله فكان لا يزيد في السفر على ركعتين واما بكر وعمر وعثمان كذلك (الف) (بخاری شریف، باب من لم يتطوع في السفر بر الصلوات ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲ مسلم شریف، باب صلوة المسافرین وقصرها ص ۲۴۲ نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ اور صحابہ نے سفر میں دو رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھی۔

[۳۲۸] (۱) جس سفر سے احکام بدل جاتے ہیں یہ ہے کہ انسان ایسی جگہ کا ارادہ کرے کہ اس کے درمیان اور اس کے مقصد کے درمیان تین دن کا سفر ہو اونٹ کی چال سے یا قدم کی چال سے اور نہیں اعتبار ہے اس میں پانی میں چلنے کا۔

**تشریح** جس مقام سے جس مقام تک جانا ہے وہاں کا سفر تین دن کا راستہ ہو۔ درمیانی چال سے کہ صبح سے زوال تک چلے۔ اور اونٹ کی چال اور انسان کی پیدل چال کا اعتبار ہے۔ کیونکہ انسان عام طور پر اسی رفتار سے چلتا ہے۔ اس لئے شریعت نے اسی کی چال کا اعتبار کیا ہے۔ اس سے تیز رفتار کی چال کا اعتبار نہیں کیا۔ کیونکہ شریعت انسان کی عمومی حالت کا اعتبار کرتی ہے۔

**نوٹ** آدمی عموماً ایک دن میں اوسط چال سے صبح سے دوپہر تک میں سولہ (۱۶) میل چل سکتا ہے۔ اس اعتبار سے تین دن میں اڑتالیس (۲۸) میل ہوتے ہیں۔ اور خفیوں کے یہاں اڑتالیس میل اسی حساب سے مشہور ہے۔

**مذہب** تین دن کے سفر کا اعتبار اس حدیث سے ہے عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تسافر سفرا يكون ثلاثة ايام فصاعدا الا ومعها ابوها او ابنها او زوجها او اخوها او ذو محرم منها (ب) (مسلم شریف، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره ص ۴۳۴ ابواب الحج نمبر ۱۳۴۰ بخاری شریف، باب کم اقام النبی فی حجته ص ۱۴۷ ابواب تقصیر الصلوة نمبر ۱۰۸۸) اس حدیث میں جس مسافت کو سفر قرار دیا ہے وہ تین دن کی مسافت ہے۔ اس لئے تین دن کی مسافت پر نماز کے قصر کا حکم لگایا جائے گا (۲) موزے پر مسیح بھی تین دن کے سفر کو سفر قرار دینے کا اشارہ ملتا ہے۔ حدیث یہ ہے قال اتيت عائشة اسألها عن المسح على الخفين ... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر ويوما وليلة للمقيم (ج) (مسلم شریف، باب التوقيت في المسح على الخفين ص ۱۳۵ نمبر ۲۷۶ ابوداؤد شریف، باب التوقيت في المسح ص ۲۳ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے ساتھ راہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں کرتے۔ اور ابوبکر، عمر اور حضرت عثمانؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے (ب) آپؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ وہ سفر کرے ایسا سفر جو تین دن یا اس سے زیادہ کا ہو مگر اس کے ساتھ اس کا باپ، یا اس کا بیٹا یا اس کا شوہر یا اس کا بھائی یا اس کا ذی محرم ہو (ج) میں حضرت عائشہ کے پاس آیا مسیح علی الخفین کے بارے میں پوچھنے کے لئے... حضرت علیؓ نے فرمایا کہ حضورؐ نے تین دن تین راتیں مسافر کے لئے اور ایک دن اور ایک رات مقیم کے لئے متعین کیا۔

مسیرۃ ثلثة ايام بسیر الابل و مشی الاقدام ولا معتبر فی ذلک بالسیر فی الماء.

معلوم ہوتا کہ سفر کی مدت تین دن ہونی چاہئے۔ اسی کو سفر شرعی کہیں گے (۳) اس اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ابن عمر و ابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد و هو ستة عشر فرسخا (الف) (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوٰۃ ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۶) ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا ہے اس اعتبار سے سولہ فرسخ اڑتالیس میل ہوئے۔ اور انگریزی میل چھوٹا ہوتا ہے اس لئے وہ ساڑھے جون میل انگریزی ہوئے۔ ایک دن میں وسط چال کے ساتھ عموماً سولہ میل سفر طے کر پاتے ہیں۔ اس لئے تین دن میں اڑتالیس میل ہوئے۔  
**نوٹ** اصل تین دن کا سفر ہے۔ میل کو تین کرنا سہولت کے لئے ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک ایک دن ایک رات کی مسافت ہو تب بھی قصر کر سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ قول ہے سمی النبی ﷺ السفر یوما و لیلۃ سفرا و فیہ عن ابی ہریرۃ قال قال النبی ﷺ لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر یوم و لیلۃ لیس معها حرمة (ب) (بخاری شریف، باب فی کم تقصر الصلوٰۃ ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دن اور ایک رات کے سفر کو بھی سفر کہتے ہیں۔ اس لئے اس پر بھی قصر ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ دلائل کی روشنی میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔

**نکتہ** مقصد : جانے کی جگہ، قصد کرنے کی جگہ، مسیر : سیر سے مشرق ہے، سفر :

﴿ فرسخ، میل اور کیلومیٹر کا حساب ﴾

پچھلے زمانے میں عرب میں برد، فرسخ اور غلوہ رائج تھے، بعد میں میل شرعی آیا اور ابھی دنیا میں انگریزی میل اور کیلومیٹر کا حساب رائج ہے۔ اس لئے ان کی تفصیل یہ ہے۔

ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے۔ اور ایک فرسخ تین میل شرعی کا ہوتا۔ اور ایک شرعی میل چار ہزار ہاتھ یعنی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک برد بارہ شرعی میل کا ہوا۔ ایک برد چار فرسخ کا ہوتا ہے اس کا ذکر عبد اللہ بن عباسؓ کے اثر میں گزرا۔ کان ابن عمر و ابن عباس یقصران ویفطران فی اربعة برد و هو ستة عشر فرسخا (بخاری شریف، باب فی کم یقصر الصلوٰۃ ص ۱۴۷، نمبر ۱۰۸۶) اس اثر میں ہے کہ چار برد سولہ فرسخ کا ہوتا تھا۔ یعنی ایک برد چار فرسخ کا۔ اور چار برد سولہ فرسخ کا ہوا، جس پر عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس سفر کا حکم لگاتے تھے۔

اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ اور ایک میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ دو ہزار گز کا میل ہوا۔ اس کی دلیل درمختار کی یہ عبارت ہے۔ الفرسخ: ثلاثۃ امیال واللیل: اربعة آلاف ذراع (رد المحتار علی در المختار، باب صلوٰۃ المسافر، ج ثانی، ص ۷۲۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ اور ایک میل شرعی دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔ اب بارہ فرسخ کو تین میل سے ضرب دیں تو 48 میل شرعی ہوئے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس نماز قصر کرتے اور روزے کا افطار کرتے چار برد کے سفر میں جو سولہ فرسخ ہوتے (ب) حضورؐ نے سفر ایک دن ایک رات کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر سفر کرے کہ اس کے ساتھ محرم نہ ہو۔

(میل شرعی، میل انگریزی اور کیلومیٹر میں فرق)

میل انگریزی میل شرعی سے 1.1363 چھوٹا ہوتا ہے۔ کیونکہ میل انگریزی 1760 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلومیٹر شرعی میل سے 1.828 چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کیلومیٹر صرف 1093.69 گز کا ہوتا ہے۔ اور کیلومیٹر انگریزی میل سے 1.6092 فیصد چھوٹا ہوتا ہے۔ اس حساب سے 48 میل شرعی 54.545 میل انگریزی ہوگا۔ اور 87.782 کیلومیٹر ہوگا۔ جس پر قصر نماز کا حکم لگایا جاسکے گا۔ کلکیولیٹر سے حساب کر لیں۔

(برد، فرخ، کیلومیٹر اور میل کا حساب ایک نظر میں)

کون	کتنا	کتنا چھوٹا
ایک میل شرعی	2000 گز	
ایک میل انگریزی	1760 گز	1.1363
ایک کیلومیٹر	1093.69 گز	1.8288
ایک کیلومیٹر	انگریزی میل سے چھوٹا ہوتا ہے	1.6092
ایک فرخ	3	میل شرعی
ایک فرخ	3.409	میل انگریزی
ایک فرخ	5.486	کیلومیٹر
ایک برد	4	فرخ
ایک برد	12	میل شرعی
ایک برد	13.635	میل انگریزی
ایک برد	21.936	کیلومیٹر
16 فرخ	48	میل شرعی
16 فرخ	54.545	میل انگریزی
16 فرخ	87.782	کیلومیٹر



[۳۲۹] (۲) وفرض المسافر عندنا فی کل صلوٰۃ رباعیۃ رکعتان ولا يجوز له الزیادۃ

[۳۲۹] (۲) مسافر کا فرض ہمارے نزدیک ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے۔ اور ان دونوں پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

**وجہ (۱)** کئی احادیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اور صحابہ نے سفر میں چار رکعت والی نماز دو رکعت ہی پڑھی ہے۔ اس لئے سفر کی نماز دو رکعت ہی ہے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال ان الله فرض الصلوٰۃ علی لسان نبیکم علی المسافر رکعتین و علی المقیم اربعاً (الف) (مسلم شریف، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا ص ۲۳۱ نمبر ۶۸۷/۱ ابوداؤد شریف، باب صلوٰۃ المسافر ص ۷۶ نمبر ۱۱۹۸/۱ بخاری شریف نمبر ۱۱۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فرض نماز دو رکعت ہی ہے۔ اس لئے اس سے زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے (۳) سمعت انساً یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدينۃ الی مکة فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدينۃ قلت اقمتم بمکة شیئاً قال اقمنا بها عشراً (ب) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ سفر میں دو رکعت ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور نوٹ میں ایک حدیث گزری سمع ابن عمر یقول صحبت رسول الله فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین و ابا بکر و عمر و عثمان کذلک (ج) (بخاری شریف، باب من یتطوع فی السفر و بر الصلوات ص ۱۴۹ نمبر ۱۱۰۲) مسلم شریف میں ہے یا ابن اخی انی صحبت رسول الله ﷺ فی السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله و صحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله و صحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله ثم صحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضه الله وقد قال الله تعالی لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة (مسلم شریف، کتاب صلوٰۃ المسافرین وقصرہا ص ۲۳۲ نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے سفر میں دو رکعت ہی نماز ہوگی۔ اس سے زیادہ کرنا جائز نہیں ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک دو رکعت پڑھنا رخصت ہے یعنی اگر پڑھ لیا تو جائز ہے لیکن چار رکعت پڑھنا عزیمت اور افضل ہے۔ انکی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں صحابہ نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی ہے۔ مثلاً عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ بمنی رکعتین و ابا بکر و عمر و مع عثمان صدراً من امارتہ ثم اتمھا (د) (بخاری شریف، باب ماجاء فی التقصیر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۲) اس حدیث میں حضرت عثمانؓ نے سفر میں اتمام فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کرنا بھی جائز ہے۔ آیت میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے و اذا حضرت عثمانؓ نے سفر میں اتمام فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اتمام کرنا بھی جائز ہے۔ آیت میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے و اذا

حاشیہ : (الف) اللہ نے نماز فرض کی نبی کی زبان پر مسافر پر دو رکعت اور مقیم پر چار رکعت (ب) حضرت انسؓ سے سنا وہ کہا کرتے تھے ہم حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔ میں نے پوچھا کہ کیا مکہ میں کچھ ٹھہرے؟ حضرت انسؓ نے فرمایا ہم وہاں دس دن ٹھہرے (ج) حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے میں حضورؐ کے ساتھ رہا تو وہ سفر میں نہیں زیادہ کرتے تھے دو رکعت پر، اور ابوبکرؓ، عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے (د) حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ مثنیٰ میں نماز پڑھی دو رکعت اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کی شروع امارت کے زمانے میں بھی۔ پھر انہوں نے اتمام کیا یعنی مثنیٰ میں چار رکعت نماز پڑھی۔

عليهما [۳۳۰] (۳) فان صلى اربعا وقد قعد في الثانية مقدار التشهد اجزأته الركعتان عن فرضه وكانت الاخریان له نافلة [۳۳۱] (۴) وان لم يقعد في الثانية مقدار التشهد في الركعتين الاولین بطلت صلواته [۳۳۲] (۵) ومن خرج مسافرا صلى ركعتين اذا فارق

ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة (الف) (آیت ۱۰۱ سورة النساء) نماز میں قصر کرو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اتمام کرے تو بہتر ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ دوسری دو رکعت کو چھوڑ دے تو ان کے یہاں بھی اس کی قضا نہیں ہے اور نہ اس کے چھوڑنے پر گناہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسری دو رکعت سفر میں نفل کی طرح ہو جاتی ہے۔ اور نفل کو فرض کے ساتھ ملا کر پڑھنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے دوسری دو رکعت ملا کر نہیں پڑھی جائے گی۔

[۳۳۰] (۳) پس اگر مسافر نے چار رکعت پڑھ لی اور دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار بیٹھا تو اس کو دو رکعت فرض سے کافی ہوگی اور دوسری دو اس کے لئے نفل ہوگی۔

**تشریح** مسافر کو دوسری رکعت پڑھنی چاہئے تھی لیکن اس نے چار رکعت پڑھ لی تو گویا کہ دو رکعت فرض کے ساتھ دو رکعت نفل کو بھی ملا لیا، پس اگر دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھا ہے تو گویا کہ تمام فرائض پورے ہو گئے اور فرائض پورے ہونے کے بعد اس نے نوافل کو ملا لیا۔ اس لئے پہلی دو رکعتیں فرض ہوں گی اور دوسری دو رکعتیں نفل ہوں گی۔ اور کراہیت کے ساتھ نماز ہو جائے گی۔ کیوں کہ فرض کا سلام باقی تھا اور اس کی تاخیر کی ہے۔

**اصول** فرائض پورے ہونے کے بعد نوافل کو فرض کے ساتھ ملا لیا تو فرض کراہیت کے ساتھ ادا جائے گا۔

[۳۳۱] (۴) اور اگر دوسری رکعت میں نہیں بیٹھا تشہد کی مقدار پہلی دو رکعتوں کے بعد تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

**تشریح** دو رکعت کے بعد قعدہ اخیرہ جو مسافر پر فرض تھا کرنا چاہئے تھا اور اس نے نہیں کیا اور دوسری رکعتوں کو ملا دیا جو نفل ہیں تو پہلی دو رکعت فرض فاسد ہو کر نفل ہو جائے گی۔

**مذہب** (۱) کیونکہ قعدہ اخیرہ فرض تھا اس کو چھوڑ دیا اور نفل کو اس کے ساتھ ملا دیا (۲) اثر میں اس کا ثبوت موجود ہے ان ابن مسعود قال من صلى في السفر اربعا اعاد الصلوة (ب) (مصنف بن عبد الرزاق، باب من اتم في السفر ج ثانی ص ۵۶۲ نمبر ۴۳۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسافر نے چار رکعت نماز پڑھ لی تو نماز لوٹائے گا (اگر تشہد میں نہ بیٹھا تو)

[۳۳۲] (۵) جو مسافر بن کر نکلے تو اس وقت دو رکعت نماز پڑھنا شروع کرے گا جب شہر کے گھروں سے جدا ہو جائے۔

**تشریح** سفر کی نیت سے گھر سے نکل چکا ہے لیکن جب تک شہر اور فناء شہر میں ہے تو گویا کہ گھر میں ہے اس لئے ابھی قصر نہ کرے بلکہ جب شہر کے گھروں سے نکل کر جدا ہو جائے اور نماز پڑھنے کی ضرورت پڑے تو قصر کرے۔

حاشیہ : (الف) جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ نماز میں قصر کرو (ب) حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا جس نے سفر میں چار رکعت نماز پڑھی تو نماز کو لوٹائے۔

بیوت المصر [۳۳۳] (۶) ولا يزال علی حکم المسافر حتی ینوی الإقامة فی بلدة خمسة

**وجہ** حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صلیت الظهر مع رسول اللہ ﷺ بالمدينة اربعاً والعصر بذی الحلیفة رکعتین (الف) (بخاری شریف، باب یقصر اذا خرج من موضع ص ۱۴۸ نمبر ۱۰۸۹) اس حدیث میں جب تک مدینہ میں رہے اس وقت تک چار رکعت نماز پڑھی اور مدینہ سے باہر مقام ذوالحلیفہ چلے گئے تو چونکہ شہر سے نکل گئے تو دو رکعت نماز پڑھی (۲) اثر میں ہے ان علیاً لما خرج الی البصرة رأى خصاً فقال لولا هذا الخصر لصلینا رکعتین فقلت ما خصاً؟ قال بیت من قصب (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المسافر متی یقصر اذا خرج مسافراً ج ۳ ص ۵۲۹ نمبر ۴۳۱۹) کوفہ کے باہر بانس کے جھونپڑے تھے اس لئے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان جھونپڑوں سے آگے بڑھتے تو دو رکعت نماز پڑھتے لیکن ان جھونپڑوں کے پاس ہیں اس لئے چار رکعت نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ فنائے شہر میں ابھی موجود ہیں۔

[۳۳۳] (۶) ہمیشہ مسافرت کے حکم پر رہے گا۔ یہاں تک کہ کسی شہر میں پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے یا زیادہ کی۔ پس اس کو اتمام لازم ہوگا۔ اور اگر اس سے کم اقامت کی نیت کی تو اتمام نہیں کرے گا۔

**تشریح** کسی ایک شہر میں پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو وہ وطن اقامت ہو جائے گا اس لئے اب وہ دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز پڑھے گا اور اتمام کرے گا۔ اور اگر کسی شہر میں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کی تو وہ قصر ہی کرے گا اتمام نہیں کرے گا۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک پندرہ دن سے کم وطن اقامت نہیں ہے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن ابن عباس قال اقام النبی ﷺ تسعة عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وان زدنا اتممنا (ج) (بخاری شریف، باب ما جاء فی التقصیر کم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۰ اور ابوداؤد شریف، باب متی یتیم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ مکرمہ میں انیس روز رہے ہیں۔ ابوداؤد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اٹھارہ روز رہے ہیں۔ اور ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ روز رہے ہیں اور پھر بھی قصر کرتے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سترہ دن یا انیس دن سے کم اقامت کرے تو قصر کرے گا۔ اور بخاری شریف، مسلم شریف اور ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔ سمعت انساً یقول خرجنا مع النبی ﷺ من المدينة الی مكة فكان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا الی المدينة قلت اقمتم بمكة شیناً؟ قال اقمنا عشراً (د) (بخاری شریف، باب ما جاء فی التقصیر کم یقیم حتی یقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱)

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے ساتھ ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت پڑھی اور عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھی (ب) حضرت علیؓ جب بصرہ کی طرف نکلے تو بانس کا گھر دیکھا تو فرمایا اگر یہ بانس کا گھر نہ ہوتا تو میں دو رکعت نماز پڑھتا۔ میں نے کہا خص کیا چیز ہے؟ کہا بانس کا گھر (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ انیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے۔ پس اگر ہم سفر کریں اور انیس دن ٹھہریں تو قصر کریں اور اگر زیادہ کریں تو اتمام کریں (د) حضرت انسؓ نے فرمایا کہ ہم حضورؐ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو آپؐ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔ میں نے کہا کہ مکہ میں کچھ ٹھہرے؟ کہا کہ ہم دس دن ٹھہرے۔

عشر یوما فصاعدا فیلزمه الاتمام فان نوى الاقامة اقل من ذلك لم يتم [۳۳۴] (۷) ومن دخل ولم ينو ان یقیم فیہ خمسة عشر یوما وانما یقول غدا اخرج او بعد غد اخرج حتی

مسلم شریف، فصل الی منی یقصر اذا اقام ببلدہ ص ۲۴۳ نمبر ۶۹۳، ابوداؤد شریف، باب متى یتیم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۳۳ (۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس دن سے زائد کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔ لیکن خفیہ نے دونوں کے درمیان کو لیا ہے جو واسطہ ہے۔ یعنی پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ (۱) عن ابن عباس قال اقام رسول اللہ بمکہ عام الفتح خمس عشرة یقصر الصلوة (الف) (ابوداؤد شریف، باب متى یتیم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۳۳) ترمذی شریف، باب ما جاء فی کم تقصر الصلوة ص ۱۲۲ نمبر ۵۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پندرہ دن تک ٹھہرنے کی نیت کرے گا تو اتمام کرے گا (۲) اس کی تائید میں یہ اثر بھی ہے قال کان ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشرة سرح ظہرہ وصلی اربعاً (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۷۱ باب من قال اذا اجمع علی اقامة خمسة عشرة اتم ج ثانی ص ۲۱۱، نمبر ۸۲۱، مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوة ج ثانی ص ۵۳۴ نمبر ۴۳۴۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وطن اقامت بنے میں پندرہ دن کا اعتبار ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک اگر چار دن ٹھہرنے کا ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔

**مذہب** اوپر حدیث گزری کہ حضورؐ کے موقع پر مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے لیکن ایک ساتھ صرف مکہ میں تین دن ٹھہرے ہیں۔ پانچواں، چھٹا اور ساتواں ذی الحجہ کو اور باقی دن منی، مزدلفہ اور عرفات میں ٹھہرے ہیں۔ جس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر ایک ساتھ مکہ میں چار دن ٹھہرے تو اتمام کرے (۲) ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن المسیب قال اذا اقامت بارض اربعاً فصل اربعاً (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کم تقصر الصلوة ص ۱۲۲ نمبر ۵۴۸، مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یخرج فی وقت الصلوة ج ثانی ص ۵۳۴ نمبر ۴۳۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چار دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو چار رکعت نماز پڑھے گا۔

[۳۳۴] (۷) اگر کوئی شہر میں داخل ہوا اور اس میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہیں کی صرف کہتا رہا کہ کل نکلونگا یا پرسوں نکلونگا یہاں تک کہ اسی پر کئی سال باقی رہا تو دو رکعت نماز پڑھے گا۔

**مذہب** (۱) جب تک کہ کسی ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہ کرے اس وقت تک قصر کرتا رہے گا۔ اگر یہ کہے کہ آج جاؤں گا یا کل جاؤں گا۔ اس طرح کرتے کرتے کئی سال ٹھہر گیا تب بھی وہ مسافر ہی ہے۔ قصر کرتا رہے گا (۲) اس کا ثبوت مسئلہ نمبر ۶ کے اثر میں ہے قال ابن عمر اذا اجمع علی اقامة خمس عشر سرح ظہرہ وصلی اربعاً (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۴۳) اس میں کہا گیا ہے کہ پندرہ رہنے کا پختہ ارادہ کرے تو اتمام کرے گا۔ اور اگر پختہ ارادہ نہ کرے تو قصر کرے گا (۳) حضورؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ تشریف لائے

حاشیہ: (الف) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ مکہ میں فتح مکہ کے دن پندرہ دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے (ب) حضرت ابن عمرؓ کہا کرتے تھے جب کہ پندرہ دن کے ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے اور اپنی پیٹھ کو ہلکا کر دے تو چار رکعت نماز پڑھے (ج) ابن مسیب نے فرمایا اگر کسی زمین میں چار روز ٹھہرے تو چار چار رکعت نماز پڑھے (د) ابن عمرؓ فرماتے تھے جب پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ کرے اور پیٹھ ہلکی کرے تو چار رکعت نماز پڑھے۔

بقی علی ذلك سنین صلی رکعتین [۳۳۵] (۸) واذا دخل العسكر ارض الحرب فنوا  
الاقامة خمسة عشر يوما لم يتموا الصلوة [۳۳۶] (۹) واذا دخل المسافر فی صلوة  
المقیم مع بقاء الوقت اتم الصلوة [۳۳۷] (۱۰) وان دخل معه فی فائتة لم تجز صلوته

اور پندرہ دن ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا اس لئے انیس دن تک رہے اور قصر ہی کرتے رہیں (۴) عن جابر بن عبد اللہ قال اقام  
رسول اللہ ﷺ بتبوك عشرين يوما يقصر الصلوة (الف) (ابوداؤد شریف، باب اذا اقام بارض العدو يقصر ص ۸۱ نمبر  
۱۲۳۵) فی حدیث آخر ان ابن عمر اقام بأذر بیجان ستة اشهر يقصر الصلوة وكان يقول اذا ازمنت اقامة فاتم (ب)  
(مصنف عبدالرزاق، باب الرجل يخرج فی وقت الصلوة ج ۲ ص ۵۳۲ نمبر ۴۳۳۹) اس اثر سے پتہ چلا کہ جب تک پختہ ارادہ نہ ہو پندرہ  
دن ٹھہرنے کا قصر کرتا رہے گا۔ کیونکہ صحابہ آذر بیجان میں چھ ماہ ٹھہرے رہے اور ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تو قصر کرتے رہے۔

[۳۳۵] (۸) جب لشکر کے لوگ دارالحرب کی زمین میں داخل ہوں اور پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی تب بھی اتمام نہیں کریں گے۔  
■ وجہ دارالحرب میں لشکر ہے تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت شکست ہوگی اور بھاگنا پڑے گا۔ اس لئے پندرہ دن کی نیت بھی کی ہے تو پختہ ارادہ  
نہیں ہو سکتا اس لئے پندرہ دن کی نیت کا اعتبار نہیں رہا۔ اس لئے وہ قصر ہی کرتا رہے گا (۲) مسئلہ نمبر ۷ میں ابوداؤد شریف نمبر ۱۲۳۵ کی حدیث  
گزری جس میں حضور تبوک میں تھے اور قصر کرتے رہے۔ حضرت ابن عمر آذر بیجان دارالحرب میں چھ ماہ تھے اور قصر کرتے رہے۔  
[۳۳۶] (۹) مسافر مقیم کی نماز میں داخل ہو وقت کے باقی رہنے کے ساتھ تو نماز پوری پڑھے گا۔

■ وجہ (۱) چونکہ وقت سبب ہے اور وہ باقی ہے اس لئے مسافر کی نماز مقیم امام کی وجہ سے تبدیل ہو کر چار رکعت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کی اقتدا  
میں امام کی مخالفت نہیں کر سکتا اور پہلے سلام نہیں پھیر سکتا ہے۔ اس لئے اگر وقت باقی ہو اور مقیم امام کی اقتدا کر لے تو چار رکعت پڑھے گا  
(۲) اس کے لئے اثر موجود ہے ان عبد اللہ بن عمر کان یصلی وراء الامام بمنی اربعاً فاذا صلی لنفسه صلی رکعتین  
(ج) (موطا امام مالک، باب صلوة المسافر اذا کان اماماً وکان وراء الامام ص ۱۳۳ مصنف عبدالرزاق، باب المسافر یدخل فی صلوة التیمین ج  
ثانی نمبر ۴۳۸۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت کے اندر مقیم کی اقتدا میں مسافر کی نماز چار رکعت ہو جاتی ہے۔

[۳۳۷] (۱۰) اور اگر مسافر مقیم کی اقتدا میں فائتہ نماز میں داخل ہوا تو مسافر کی نماز مقیم کے پیچھے جائز نہیں ہے۔

■ تشریح وقت ختم ہو چکا ہے اور نماز فوت ہو چکی ہے۔ اس کی قضا کرتے وقت مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اقتدا ہی جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مسافر پر  
اب دو رکعت ہی لازم ہے۔ اس کی تبدیلی ہو کر عصر، ظہر اور عشا کی نماز چار رکعت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اب مقیم امام کی اقتدا میں نماز نہیں  
پڑھے گا۔ کیونکہ یا تو دو رکعت پر سلام پھیرے گا اس صورت میں امام کی مخالفت لازم آئے گی، یا چار رکعت پڑھے گا تو فرض کے ساتھ دو رکعت

حاشیہ: (الف) حضور تبوک میں بیس دن ٹھہرے نماز کو قصر کرتے رہے (اس لئے کہ ٹھہرنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا) (ب) حضرت ابن عمر آذر بیجان میں چھ ماہ تک  
ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ اور کہا کرتے تھے جب اقامت کا پختہ ارادہ کرو تو اتمام کرو (ج) عبد اللہ ابن عمر مئی میں امام کے پیچھے چار رکعت پڑھتے۔ پس جب  
اپنے طور پر پڑھتے تو دو رکعت پڑھتے۔

خلفه [۳۳۸] (۱۱) واذا صلى المسافر بالمقيمين صلى ركعتين وسلم ثم اتم المقيمون صلواتهم ويستحب له اذا سلم ان يقول لهم اتموا صلواتكم فانا قوم سفر [۳۳۹] (۱۲) واذا دخل المسافر مصره اتم الصلوة وان لم ينو الإقامة فيه.

**مزید نقل** ملائے گا جو جائز نہیں۔ کیونکہ اس پر فرض دو رکعت ہی لازمی طور پر ہے۔ جو چار رکعت میں تبدیل نہیں ہوگی۔

**اصول** وقت گزرنے کے بعد مسافر کی نماز کی رکعتوں میں تبدیل نہیں ہوگی۔

**نوٹ** اوپر کے مسئلہ میں وقت کے اندر تبدیل ہوئی تھی۔

[۳۳۸] (۱۱) اگر مسافر امام مقيم نماز پڑھائے تو دو رکعت نماز پڑھے اور سلام پھیر دے، پھر مقيم اپنی نماز پوری کرے۔ اور امام کے لئے مستحب ہے کہ جب سلام پھیرے تو مقتدیوں سے یوں کہے 'تم لوگ اپنی نماز پوری کر لو کیونکہ ہم مسافر لوگ ہیں'۔

**حجہ** مسافر پر دو رکعت ہی نماز ہے۔ اس لئے وہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں گے۔ اور مقتدی مقيم ہے اس لئے اس پر چار رکعت ہیں۔ اس لئے وہ باقی دو رکعت بعد میں پوری کریں گے۔ مقتدی بعض مرتبہ بھول جاتے ہیں اس لئے وہ سلام پھیر دیتے ہیں۔ اس لئے امام اپنی مسافرت کا اعلان کر دیں گے تو ان کو یاد آجائے گا۔ اس لئے مستحب ہے کہ کہے 'ہم مسافر لوگ ہیں آپ اپنی اپنی نمازیں پوری کر لیں' (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عمران بن حصین قال غزوت مع رسول الله ﷺ وشهدت معه الفتح فاقام بمكة ثمانی عشرة ليلة يصلي الا ركعتين ويقول يا اهل البلد صلوا اربعا فانا قوم سفر (الف) (ابوداؤد شریف، باب متى يتم المسافر ص ۱۸۰ نمبر ۱۲۲۹ / مصنف عبدالرزاق، باب مسافر امام مقيمین ج ثانی ص ۵۴۰ نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دو رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گا اور کہے گا میں مسافر ہوں مقيم اپنی اپنی نماز پوری کر لیں۔

[۳۳۹] (۱۲) مسافر اپنے شہر میں داخل ہو گیا تو نماز پوری پڑھے گا اگرچہ اس میں اقامت کی نیت نہ کی ہو۔

**تشریح** مثلاً مسافر اپنے وطن اصلی میں واپس آیا اور چند دن کے بعد ہی پھر سفر پر جانا ہے تب بھی شہر یا فنائے شہر میں داخل ہوتے ہی پوری نماز پڑھے گا۔ کیونکہ فوراً وہ مقيم ہو گیا۔

**حجہ** حدیث میں ہے سمعت انساً يقول خرجنا مع النبي ﷺ من المدينة الى مكة فكان يصلي ركعتين ركعتين حتى رجعنا الى المدينة (ب) (بخاری شریف، باب ما جاء في التقصير وكما تقصم حتى تقصر ص ۱۴۷ نمبر ۱۰۸۱ / مسلم شریف، فصل الى متى يقصر اذا اقام ببلده ص ۲۴۳ نمبر ۶۹۳) اس حدیث میں ہے کہ مدینہ داخل ہوئے تو چار رکعت نماز پڑھی (چاہے وہاں اقامت کی نیت کرے یا نہ کرے)

حاشیہ : (الف) عمران بن حصین فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ غزوہ کیا۔ اور میں ان کے ساتھ فتح مکہ میں موجود تھا۔ تو مکہ میں اٹھارہ دن ٹھہرے۔ نہیں نماز پڑھتے تھے مگر دو رکعت اور فرماتے اے شہر والو تم لوگ چار رکعتیں پڑھ لو، ہم مسافر ہیں (ب) حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ مدینہ سے مکہ کے لئے نکلے تو دو رکعت نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ مدینہ واپس آئے۔

[۳۴۰] (۱۳) ومن كان له وطن فاتقل عنه واستوطن غيره ثم سافر فدخل وطنه الاول لم يتم الصلوة [۳۴۱] (۱۴) واذا نوى المسافر ان يقيم بمكة و منى خمسة عشر يوما لم يتم الصلوة [۳۴۲] (۱۵) والجمع بين الصلوتين للمسافر يجوز فعلا ولا يجوز وقتا

[۳۴۰] (۱۳) جس کا وطن ہو اور اس سے منتقل ہو گیا اور دوسری جگہ کو وطن بنایا پھر سفر کیا اور پہلے وطن میں داخل ہوا تو نماز پوری نہیں پڑھے گا۔  
**حجہ (۱)** پہلا وطن اب وطن نہیں رہا وہ اجنبی شہر بن گیا کیونکہ پہلے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ کو وطن بنالیا ہے اس لئے پہلے وطن میں داخل ہوگا تو پوری نماز پڑھے گا (۲) حدیث میں ہے کہ حضور جب مکہ سے ہجرت کر گئے تو جب دوبارہ مکہ آئے تو قصر نماز پڑھی۔ حدیث مسئلہ نمبر ۱۲ میں گزر گئی۔

**اصول** دوسری جگہ وطن اصلی بنانے سے پہلا وطن اصلی باطل ہو جائے گا۔

[۳۴۱] (۱۴) اگر مسافر نے مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی پھر بھی نماز پوری نہیں پڑھے گا۔

**حجہ (۱)** ایک شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے اور رات گزارنے کی نیت کی ہو تب اتمام کرے گا۔ یہاں دو جگہ یعنی مکہ اور منی میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے کسی ایک جگہ پر پندرہ دن مکمل نہیں ہوئے اس لئے اتمام نہیں کرے گا (۲) اثر میں موجود ہے کان ابن عمر اذا قدم مكة فاراد ان يقيم خمس عشرة ليلة سرح ظهوه فاتم الصلوة (الف) (مصنف بن عبد الرزاق، باب الرجل يخرج في وقت الصلوة ص ۵۳۴ نمبر ۴۳۳) اس اثر میں صرف مکہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہے تب اتمام کیا ہے (۳) عن ابن عمر انه كان يقيم بمكة فاذا خرج الى منى قصر (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۷۳۷ باب فی اهل مكة يقصرون الى منى ج ثانی ص ۲۰۸، نمبر ۸۱۸۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ دو جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اتمام نہیں کرے گا قصر ہی کرتا رہے گا۔ کیونکہ ایک جگہ پندرہ دن نہیں ہوئے۔ اس حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے عن عبد الله بن عمر قال صليت مع النبي ﷺ بمنى ركعتين وابى بكر وعمر ومع عثمان صدرا من امارته ثم اتمها (ج) (بخاری شریف، باب الصلوة بمنى ص ۱۰۸۲، مسلم شریف نمبر ۶۹۴)

[۳۴۲] (۱۵) مسافر کے لئے دو نمازوں کے درمیان جمع کرنا جائز ہے فعلا اور جائز نہیں ہے وقت کے اعتبار سے۔

**تشریح** ظہر کو مؤخر کرے اور اس کو اخیر وقت میں پڑھے اور عصر کو مقدم کرے اور اس کو عصر کے اول وقت میں پڑھے، اس کو جمع صوری کہتے ہیں۔ مصنف نے اسی کو فعلا جمع کہا ہے جو جائز ہے۔ اور حدیث سے ثابت ہے۔ اور عصر کو ظہر کے وقت میں یا ظہر کو عصر کے وقت میں جمع وقتی اور حقیقی کر کے پڑھنا یہ جمع وقتی ہے جو حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

**حجہ (۱)** آیت میں ہے ان الصلوة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا (د) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں تاکید کی گئی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر جب مکہ آتے اور پندرہ راتیں ٹھہرنے کا ارادہ کرتے تو اپنی پیٹھ ہلکی کرتے اور نماز پوری پڑھتے (ب) حضرت ابن عمر مکہ میں ٹھہرتے۔ پس جب منی کے لئے نکلے تو قصر کرتے (ج) میں نے حضور کے ساتھ منی میں دو رکعت نماز پڑھی، اور ابو بکر، عمر اور عثمان کے ساتھ بھی ان کی شروع خلافت میں، پھر انہوں نے اتمام کرنا شروع کیا (کیونکہ مکہ میں شادی کر کے مقیم ہو گئے تھے) (د) یقیناً نماز مؤمنین پر فرض ہے وقت کے ساتھ۔

[۳۴۳] (۱۶) وتجوز الصلوٰۃ فی سفینۃ قاعدا علی کل حال عند ابی حنیفہ و عندهما لا

ہے کہ نماز وقت متعین کے ساتھ مونثین پر فرض کی گئی ہے۔ اس لئے وقت سے مقدم یا مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حضرت امام اعظم کی نظر اسی آیت کی طرف گئی ہے اور احتیاط کی طرف گئے ہیں (۲) حدیث سے جمع صوری کی تائید ہوتی ہے عن انس عن النبی ﷺ اذا عجل علیہ السفر يؤخر الظهر الى اول وقت العصر فيجمع بينهما ويؤخر المغرب حتى يجمع بينها وبين العشاء حين يغيب الشفق (الف) (مسلم شریف، باب جواز الجمع بين الصلوتين في السفر ص ۲۴۵ نمبر ۷۰۴/۱۶۲۷) بخاری شریف میں ہے عن انس بن مالک قال قال رسول الله ﷺ اذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر الى وقت العصر ثم نزل فجمع بينهما فاذا زاغت الشمس قبل ان يرتحل صلى الظهر ثم ركب (ب) (بخاری شریف، باب اذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب ص ۱۵۰ نمبر ۱۱۱۲) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ ظہر کو عصر کے وقت کے قریب مؤخر کر کے پڑھتے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظہر کو اپنے ہی وقت میں پڑھی۔ البتہ سفر کی وجہ سے اول وقت کی فضیلت چھوڑ کر مؤخر کر کے پڑھی اور اس کے بعد عصر کو اسی کے وقت میں اول وقت میں پڑھی۔ یہی جمع صوری ہے۔ اسی بخاری کی حدیث میں ہے کہ ظہر کو اول وقت میں پڑھی تو صرف ظہر پڑھ کر آپ سوار ہو گئے اور عصر کو نہیں پڑھی تاکہ جمع حقیقی نہ ہو (۳) حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل بھی جمع صوری کا رہا جس کی تفصیل ابوداؤد شریف، باب الجمع بین الصلوتين ص ۱۷۸ نمبر ۱۲۱۲ پر موجود ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اور دوسرے ائمہ سفر میں جمع حقیقی کے قائل ہیں۔ ان کی دلیل اوپر کی احادیث جمع حقیقی پر محمول کرتے ہیں (۲) اور حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ يجمع بين صلوٰۃ الظهر والعصر اذا كان على ظهر سیر ويجمع بين المغرب والعشاء (ج) (بخاری شریف، باب الجمع في السفر بين المغرب والعشاء ص ۱۱۰ نمبر ۱۱۰۷) مسلم شریف، باب جواز الجمع بين الصلوتين في السفر ص ۲۴۵ نمبر ۷۰۴/۱۶۲۷ ابوداؤد شریف، باب الجمع بين الصلوتين ص ۱۷۸ نمبر ۱۲۰۸) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کو ایک ساتھ اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ سفر میں پڑھنا جائز ہے۔

[۳۴۳] (۱۶) جائز ہے نماز کشتی میں بیٹھ کر ہر حال میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے مگر عذر کی بنا پر۔

**تشریح** امام ابوحنیفہؒ کے زمانے میں کشتی اتنی اچھی نہیں ہوتی تھی۔ تیز حرکت کی وجہ سے مسافر کے سر میں چکر رہتا تھا۔ اس لئے گویا کہ ہر وقت سر چکرانے کا ڈر ہے۔ اس لئے انہوں نے فرمایا کہ عذر نہ بھی ہو تب بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے صلی بنا انس بن مالک فی السفینۃ قعودا علی بساط وقصر الصلوٰۃ (د) (مصنف عبدالرزاق، باب هل یصلی الرجل وهو یسوق دابة ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ سے روایت ہے کہ جب سفر کی جلدی ہوتی تو ظہر کو عصر کے اول وقت تک مؤخر کرتے پھر دونوں کو جمع کرتے، اور مغرب کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ اس کے درمیان اور عشاء کے درمیان جمع کرتے جب شفق غائب ہو جاتا (ب) آپؐ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر کرتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے پھر اترتے اور دونوں کو جمع کرتے۔ اور اگر سفر کرنے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو ظہر کی نماز پڑھتے پھر سوار ہوتے (ج) حضورؐ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کرتے جب سفر پر ہوتے۔ اور مغرب اور عشاء کے درمیان جمع کرتے۔ (د) انس بن مالک نے ہم کو کشتی میں چٹائی پر بیٹھ کر نماز پڑھائی اور نماز قصر کی۔



تجوز الا بعدر [۳۴۴] (۱۷) ومن فاتته صلوٰۃ فی السفر قضاها ہی الحضر رکعتین و من فاتته صلوٰۃ فی الحضر قضاها فی السفر اربعاً [۳۴۵] (۱۸) والعاصی والمطیع فی السفر فی الرخصة سواء.

۵۸۰ نمبر ۴۵۲ مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴۲ باب من قال صلی فی السفینۃ جالساً ثانی ص ۶۹، نمبر ۶۵۵۹ اس اثر سے معلوم ہوا کہ عذر نہ بھی ہو تب بھی کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

**فائدہ** صاحبین کے نزدیک عذر ہو تب ہی بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ ورنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابراہیم قال تصلی فی السفینۃ قائماً فان لم تستطع فقاعدا تتبع القبلة حیث مالت (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الصلوٰۃ فی السفینۃ ج ثانی ص ۵۸۱ نمبر ۴۵۲ مصنف ابن ابی شیبہ ۵۴۲ من قال صلی فیہا قائماً ج ثانی ص ۶۹، نمبر ۶۵۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آدمی کو عذر نہ ہو تو کشتی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا چاہئے۔ اور سر چکرانے کا خوف ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے۔ آج کل کشتی اور جہاز میں سر کا چکر نہیں ہوتا اس لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا۔ تاکہ قیام جو فرض ہے فوت نہ ہو۔

[۳۴۴] (۱۷) جس کی نماز فوت ہوگئی سفر میں قضا کرے گا اس کو حضر میں دو رکعت، اور جس کی فوت ہو جائے نماز حضر میں قضا کرے گا اس کو چار رکعت **تشریح** سفر میں قضا ہوئی تھی تو وہ دو رکعت ہی تھی اس لئے اس کو اقامت کی حالت میں اور حضر میں قضا کرے گا تو وہی رکعت قضا کرے گا۔ اور حضر کی نماز چار رکعت واجب ہوئی تھی اس لئے سفر کی حالت میں ان کو قضا کرے گا تو چار رکعت ہی قضا کرے گا۔

**وجہ** وقت کے بعد رکعت میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔ اس لئے جیسی لازم ہوئی تھی ویسی ہی ادا کرنا ہوگا (۲) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے عن الثوری قال من نسی صلوٰۃ فی الحضر فذکر فی السفر صلی اربعاً وان نسی صلوٰۃ فی السفر ذکر فی الحضر صلی رکعتین (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب من نسی صلوٰۃ الحضر ج ثانی ص ۵۴۳ نمبر ۴۳۸۸) اس اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ حضر کی نماز سفر میں چار رکعت اور سفر کی نماز حضر میں دو رکعت نماز پڑھی جائے گی۔

[۳۴۵] (۱۸) نافرمان اور فرمان بردار سفر میں رخصت کے سلسلے میں برابر ہیں۔

**تشریح** جو رخصت اور سہولت فرمان بردار کو ملے گی وہی رخصت اور سہولت نافرمان کو بھی ملے گی۔

**وجہ** احادیث میں سہولت کے بارے میں فرمان بردار اور نافرمان کا فرق نہیں ہے۔ اس لئے دونوں کو برابر سہولت ملے گی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک نافرمان مسافر کو سہولت نہیں ملے گی۔ مثلاً چوری کرنے جا رہا ہے تو اس کو دو رکعت نماز پڑھنے اور روزہ افطار کرنے کی سہولت نہیں ہوگی۔

**وجہ** ان کے یہاں معصیت نعمت کا سبب نہیں بن سکتی ہے۔ اور چونکہ سفر معصیت کا ہے اس لئے سہولت کا سبب نہیں بنے گا۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابراہیم نے فرمایا نماز پڑھے کشتی میں کھڑے ہو کر۔ پس اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر جدھر کشتی گھومے ویسے ہی قبلہ کی طرف متوجہ ہوتا جائے (ب) حضرت ثوری نے فرمایا جو حضر میں نماز بھول جائے اور سفر میں یاد آئے تو چار رکعت نماز پڑھے۔ اور اگر سفر میں نماز بھول جائے اور حضر میں یاد آئے تو دو رکعت نماز پڑھے۔

## ﴿باب صلوة الجمعة﴾

[۳۴۶] (۱) لا تصح الجمعة الا في مصر جامع او في مصلی المصر ولا تجوز في القرى

## ﴿باب صلوة الجمعة﴾

**ضروری نوٹ** جمہاں شہر پر واجب ہے اور پہلی مرتبہ اس کو مدینہ میں قائم کیا تھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یا ایہا الذین آمنوا اذا نودى للصلاة يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع (الف) (آیت ۹ سورۃ الجمعة ۶۲) اس آیت سے جمعہ کا ثبوت ہوتا ہے۔

[۳۴۶] (۱) جمعہ صحیح نہیں ہے مگر شہر کی جامع مسجد میں یا شہر کی عید گاہ میں۔ اور نہیں جائز ہے گاؤں میں۔

**تشریح** جمعہ جمعیت سے مشتق ہے اس لئے اس کے لئے یہ شرط یہ ہے شہر کی جامع مسجد ہو یا فناء شہر ہو۔ مصلی سے عید گاہ یا فناء شہر مراد ہے۔ مصر جامع کا دوسرا ترجمہ ہے بڑے شہر میں، گاؤں میں نہیں۔ اور حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

**مذہب** (۱) حضرت علی سے اثر ہے عن علی قال لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع، وکان يعد الامصار البصرة والكوفة والمدينة والبحرين (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب القرى الصغار ج ۳ ص ۱۶۷ نمبر ۵۱۷۷/ مصنف ابن ابی شیبہ ۳۳۱ من قال لا جمعة ولا تشريق الا في مصر جامع، ج ۱ ص ۴۳۹، نمبر ۵۰۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑے شہر میں جمعہ جائز ہے (۲) اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ مدینہ کے قرب وجوار میں بہت سے گاؤں تھے جس کو عوامی کہتے ہیں وہاں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ وہاں کے لوگ مدینہ آتے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھتے تھے۔ اور اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو عوامی میں کیوں جمعہ نہیں پڑھتے تھے۔ کیوں دھوپ اور گرمی میں مشقت برداشت کر کے لوگ مدینہ طیبہ آتے۔ حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت کان الناس ینتابون الجمعة من منازلهم والعوالمی فیأتون فی الغبار فیصبهم الغبار والعرق (ج) (بخاری شریف، باب من این توتی الجمعة علی من تجب ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۲/ ابوداؤد شریف، باب من تجب علیہ الجمعة ص ۱۵۸ نمبر ۱۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عوامی کے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا تھا۔ صرف مدینہ جیسے شہر میں جمعہ ہوتا تھا (۳) مدینہ طیبہ کے بعد پہلی مرتبہ جو اُٹی جیسے قلعہ میں نماز جمعہ ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبد القیس بجواثی من البحرين (د) (بخاری شریف، باب الجمعة فی القرى والمدن ص ۱۲۲ نمبر ۸۹۲/ ابوداؤد شریف، باب الجمعة فی القرى ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس اثر میں ہے کہ مسجد عبد القیس میں مدینہ کے بعد پہلی مرتبہ جمعہ ہوا ہے جو بحرین میں تھی۔ اگر گاؤں میں جمعہ جائز ہوتا تو بحرین کے فتح سے پہلے کتنے گاؤں

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خیر و بد فروخت چھوڑ دو (ب) حضرت علی نے فرمایا جمعہ اور تشریق نہیں ہے مگر جامع شہر میں (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگ جمعہ پڑھنے اپنے گھروں سے اور عوامی سے باری باری آتے تو وہ غبار میں آتے تو ان کو غبار اور پسینہ لگتا (د) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ مسجد رسول کے جمعہ کے بعد سب سے پہلے جو جمعہ پڑھا گیا وہ جو اُٹی کی مسجد عبد القیس میں پڑھا گیا جو بحرین میں تھی۔

[۳۴۷] (۲) ولا تجوز اقامتها الا للسلطان او لمن امره السلطان.

فتح ہو گئے تھے ان میں جمعہ کیوں نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں جمعہ جائز ہے گاؤں میں جائز نہیں ہے۔

**نوٹ** جوائی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک قلعہ کا نام ہے اور وہاں شہر تھا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں چالیس آدمی نماز پڑھنے والے ہوں۔ ان کی دلیل ابوداؤد کی یہ حدیث

ہے عن ابن عباس قال ان اول جمعة جمعت في الاسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة

لجمعة جمعت بجواثي قرية من قرى البحرين قال عثمان قرية من قرى عبد القيس (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجمعة

فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۸) اس حدیث میں ہے کہ جوائی بحرین کے گاؤں کا نام ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ شہر کو بھی قری کہتے ہیں۔

جیسے مکہ مکرمہ کو قرآن نے قریہ کہا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ام عبد الله الدوسية قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول

الجمعة واجبة على اهل كل قرية وان لم يكونوا الا ثلاثة وابعهم امامهم (ب) (دارقطنی، باب الجمعة علی اهل القرية ج ثانی

ص ۱۵۷ نمبر ۸۷۸) اس حدیث میں ہے کہ گاؤں میں جمعہ واجب ہے (۲) عن ابی امامة ان النبی ﷺ قال علی الخميس جمعة

لیس فیما دون ذلك (دارقطنی، ذکر العدد فی الجمعة ج ثانی ص ۲ نمبر ۱۵۶۲ / ابوداؤد شریف، باب الجمعة فی القری ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶۹)

مصر جامع کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف اس اثر میں ہے قلت لعلطاء ما القرية الجامعة قال ذات الجماعة والامير والقصاص

والدور المجتمع غير المفترقة الآخذ بعضها ببعض كهیئة جدہ (ج) (مصنف عبدالرزاق ج ثالث ص ۱۶۸ نمبر ۵۱۷۹)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ بڑی بستی اس کو کہتے ہیں جس میں امیر ہو، قصاص اور حدود نافذ کئے جاتے ہوں اور گھر قریب قریب ہوں، خیمہ زنوں

کی طرح درود اور گھر نہ ہوں۔ شہر کی دوسری تعریف یہ ہے سمعت عمر بن دینار يقول اذا كان المسجد يجمع فيه الصلوة

فلتصل فيه الجمعة (د) (مصنف عبدالرزاق، باب القرى الصغار ج ثالث ص ۷۰ نمبر ۵۱۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ اگر تمام آدمی جمع ہو کر

ایک مسجد میں نماز پڑھتے ہوں تو اس میں جمعہ جائز ہے۔

**نوٹ** آج کل بڑی بستی میں جمعہ جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔

[۳۴۷] (۲) اور نہیں جائز ہے جمعہ قائم کرنا مگر بادشاہ کے لئے یا جس کو بادشاہ نے حکم دیا ہو۔

**وجہ** چونکہ جمعہ میں بہت لوگ ہوتے ہیں، ان کو سنبھالنا سب کا کام نہیں ہے اس لئے بادشاہ یا بادشاہ کا مامور جمعہ قائم کرے گا (۲) اثر میں اس کا

ثبوت ہے سأل عبد الله بن عمر بن خطاب عن القرى التي بين مكة والمدينة ماترى في الجمعة قال نعم اذا كان

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلا جمعہ جو اسلام میں پڑھا گیا مدینہ میں مسجد رسول کے جمعہ کے بعد وہ جوائی میں تھا جو بحرین کے

گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے۔ اور حضرت عثمان نے فرمایا کہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے (ب) حضورؐ فرماتے تھے کہ جمعہ واجب ہے ہر گاؤں

والوں پر، اگرچہ نہ ہوں مگر تین آدمی اور جو تھا ان کا امام (ج) میں نے عطاء سے پوچھا کہ قریہ جامعہ کیا ہے؟ فرمایا جماعت والے ہوں، وہاں امیر ہو، قصاص جاری

کرتے ہوں، قریب قریب گھر ہوں متفرق نہ ہوں، بعض گھر بعض کے ساتھ ملے ہوئے ہوں جدہ شہر کی طرح (د) عمر بن دینار کہا کرتے تھے ایسی مسجد جس میں

جماعت کی نماز ہوتی ہو اس میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں۔

[۳۲۸] (۳) ومن شرائطها الوقت فتصح في وقت الظهر ولا تصح بعده [۳۲۹] (۴) ومن شرائطها الخطبة قبل الصلوة يخطب الامام خطبتين يفصل بينهما بقعدة.

عليهم امير فليجمع (الف) (سنن للبيهقي، باب العدد الذين اذا كانوا في قرية وجبت عليهم الجمعة، ج ثالث، ص ۲۵۴، نمبر ۵۶۱۳) عن عمر بن العزيز ... قال لهم حين فرغ من صلواته ان الامام يجمع حيث كان (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الامام يجمع حيث كان ج ثالث ص ۱۶۱ نمبر ۵۱۴۷ / مصنف ابن ابی شيبه، ۳۹۰ باب الامام يكون مسافرا فيمر بالموضع ج ثاني ص ۴۷۶، نمبر ۱۵۳۹۹) بخاری میں یہ جملہ ہے حدثنا ابو خلدہ صلی بنا امیر الجمعة (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر يوم الجمعة ص ۱۲۴ نمبر ۹۰۶) ان آثار سے معلوم ہوا کہ امیر اور بادشاہ جمعہ قائم کرے۔

**نوٹ** جہاں امیر اور بادشاہ نہیں ہے وہاں مسلمان جمع ہو کر جس کو امیر چن لے وہ قائم کرائے گا۔

[۳۲۸] (۳) جمعہ کی شرط میں سے وقت ہونا ہے۔ اس لئے صحیح ہے ظہر کے وقت میں، اور نہیں صحیح ہے وقت کے بعد۔

**تشریح** ظہر کے وقت میں جمعہ صحیح ہے۔ اس کے بعد صحیح نہیں ہے۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس (ج) (بخاری شریف، باب وقت الجمعة اذا زالت الشمس ص ۱۲۳ نمبر ۹۰۴ / مسلم شریف، باب في وقت صلاة الجمعة ص ۲۸۳ نمبر ۸۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور یہ وقت ظہر کا ہے اس لئے ظہر کے وقت میں پڑھا جائے گا۔ ظہر کا وقت نکل جائے تو پھر جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی قضا پڑھے گا۔ اثر میں ہے كان الحجاج يؤخر الجمعة فكننت انا اصلي وابراهيم وسعيد بن جبير فصليا الظهر ثم نتحدث وهو يخطب ثم نصلي معهم ثم نجعلها نافلة (د) (مصنف ابن ابی شيبه، ۱۳۸۷ الجمعة يؤخرها الا امام حتى يذهب وقتها، ج اول، ص ۴۷۴، نمبر ۵۴۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے تو اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی نماز قضا پڑھے گا۔

[۳۲۹] (۴) جمعہ کی شرائط میں سے نماز سے پہلے خطبہ ہے، امام خطبہ دے گا دو خطبے، دونوں کے درمیان فصل کرے گا بیٹھ کر۔

**حجہ** (۱) ظہر کی نماز چار رکعتیں ہیں اور جمعہ کی نماز دو رکعتیں ہیں اس لئے دو رکعت کے بدلے میں دو خطبے ہیں۔ اس لئے خطبہ جمعہ کی شرط ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال كان النبي ﷺ يخطب قائمًا ثم يقعد ثم يقوم كما يفعلون الآن (ه) (بخاری

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن عمر سے پوچھا گیا ان گاؤں کے بارے میں جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ہیں کہ جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ فرمایا ہاں! اگر ان پر امیر ہوں تو جمعہ قائم کرے (ب) جب نماز سے فارغ ہوئے تو عمر بن عبدالعزیز نے ان لوگوں سے کہا امام جمعہ قائم کر سکتے ہیں جہاں بھی ہوں (ج) حضور جمعہ پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا تھا (د) حجاج بن یوسف جمعہ کو مؤخر کرتا تو میں، ابراہیم اور سعید بن جبیر تھا تو ان دونوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تھی پھر ہم بات کرتے رہے۔ اس حال میں کہ حجاج خطبہ دے رہا تھا۔ پھر ہم نے اس کے ساتھ نماز پڑھی اور اس کو ہم نے نفل کر لیا (ه) حضور کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے جیسا آج لوگ کرتے ہیں۔

[۳۵۰] (۵) ویخطب قائما علی الطهارة فان اقتصر علی ذکر الله تعالی جاز عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقال لا بد من ذکر طویل یسمہ خطبة [۳۵۱] (۶) فان خطب قاعدا او

شریف، باب الخطبة قائم ص ۱۲۵ نمبر ۹۲۰ مسلم شریف، فصل یخطب الخطبتین قائم ص ۲۸۳ کتاب الجمعة نمبر ۸۶۱ ابوداؤد شریف، باب الخطبة قائم ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۴ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دو خطبے دیں گے اور دونوں کے درمیان امام بیٹھیں گے۔ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی نماز پر بڑھے گا اس کا ثبوت اس اثر میں ہے عن مصعب بن عمیر قال وبلغنا انه لا جمعة الا بخطبة فمن لم یخطب صلی اربعاً (الف) (سنن للبیہقی، باب وجوب الخطبة وانما اذا لم یخطب صلی ظہر اربعاً، ج ثالث، ص ۲۷۸، نمبر ۵۷۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ نہیں پڑھا تو ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

[۳۵۰] (۵) خطبہ دے گا کھڑے ہو کر طہارت پر، پس اگر صرف ذکر اللہ پراکتفا کیا تو ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا لمبا ذکر ضروری ہے جس کو خطبہ کہہ سکے۔

**ج** خطبہ کھڑے ہو کر دینے کی دلیل اوپر گزر گئی ہے۔ یہ حدیث بھی ہے عن جابر بن سمرة ان رسول الله کان یخطب قائما ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائما ممن حدثک انه کان یخطب جالسا فقد کذب (ب) (ابوداؤد شریف، باب الخطبة قائم ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۳) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے۔ خطبہ کے لئے غسل بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں غسل کی تاکید ہے تاہم وضو ضروری ہے۔ کیونکہ خطبہ دو رکعت نماز کے بدلے میں ہے اور اس کے بعد فوراً نماز پڑھنا ہے اس لئے خطبہ کے لئے وضو ضروری ہے۔ ابوحنیفہ کے نزدیک مختصر سا خطبہ بھی کافی ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا شعيب بن رزيق الطائفي . . . فقام (رسول الله ﷺ) متو کنا علی عصا او قوس فحمد الله واثني عليه کلمات خفیفات طیبات مبارکات (ج) (ابوداؤد شریف، باب الرجل یخطب علی قوس ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کا خطبہ بہت مختصر ہوتا تھا (۲) اثر میں ہے۔ عن الشعبي قال یخطب یوم الجمعة ما قل او کثر (د) (مصنف عبدالرزاق، باب وجوب الخطبة ج ثالث ص ۲۲۲ نمبر ۵۴۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کم خطبہ ہو تب بھی کافی ہو جائے گا۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ اتنا لمبا خطبہ ہو جس کو خطبہ کہہ سکیں۔ اس لئے کہ حضورؐ نے عموماً اتنا لمبا خطبہ دیا ہے جس کو خطبہ کہہ سکتے ہیں۔

[۳۵۱] (۶) پس اگر بیٹھ کر خطبہ دیا یا بغیر طہورت کے دیا تو جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

**ج** کچھلی احادیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا چاہئے لیکن بیٹھ کر خطبہ دے دیا تو خطبہ ہو جائے گا لیکن بغیر عذر کے ایسا کرنا مکروہ

حاشیہ : (الف) مصعب بن عمیر فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ جمعہ نہیں ہے مگر خطبہ کے ساتھ۔ پس اگر خطبہ نہیں دیا تو چار رکعت ظہر پڑھے (ب) آپؐ خطبہ دیتے کھڑے ہو کر پھر بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے، پس کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تو جس نے بیان کیا کہ آپؐ بیٹھ کر خطبہ دیتے تھے وہ جھوٹ بولا (ج) آپؐ گدڑی پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے یا کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے۔ پھر اللہ کی تعریف کی اور چند ہلکے، اچھے اور مبارک کلمے کہے (د) آپؐ جمعہ کے دن تھوڑا اور زیادہ خطبہ دیا کرتے۔

على غير طهارة جاز ويكره [۳۵۲] (۷) ومن شرائطها الجماعة واقلهم عند ابي حنيفة  
ثلاثة سوى الامام وقالوا اثنان سوى الامام [۳۵۳] (۸) ويجهر الامام بقرائته في الركعتين  
وليس فيهما قراءة سورة بعينها [۳۵۴] (۹) ولا تجب الجمعة على مسافر ولا امرأة ولا

ہے اس لئے کہ اصل خطبہ ذکر ہے اور وہ ہو گیا چاہے کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر ہو۔ بیٹھ کر خطبہ دینے کا ثبوت اثر میں ہے فلما كان معاوية  
استأذن الناس في الجلوس في احدى الخطبتين وقال اني قد كبرت وقد اردت اجلس احدى الخطبتين فجلس في  
الخطبة الاولى (الف) (مصحف عبدالرزاق، باب الخطبة قائما ج ۳ ص ۱۸۸ نمبر ۵۲۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر خطبہ بیٹھ کر دے  
تو خطبہ ہو جائے گا۔

اسی طرح چونکہ خطبہ حقیقت میں نماز نہیں ہے بلکہ ذکر ہے اس لئے بغیر وضو کے خطبہ دے دیا تو خطبہ ہو جائے گا۔ البتہ مکروہ ہوگا۔ کیونکہ ذکر بغیر  
وضو کے جائز ہے۔ پہلے احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

[۳۵۲] (۷) جمعہ کے شرائط میں سے جماعت ہے اور کم سے کم ابوحنیفہ کے نزدیک تین آدمی ہوں امام کے علاوہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ دو  
آدمی ہوں امام کے علاوہ۔

چ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ حدیث ہے عن ام عبد الله الدوسية قالت سمعت رسول الله ﷺ يقول الجمعة واجبة على  
اهل كل قرية وان لم يكونوا الا ثلاثة وابعثهم امامهم (ب) (دارقطني، باب الجمعة علی اہل قریة ج ۲ ص ۱۵۷ نمبر ۱۵۷۸) اس  
حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے علاوہ تین آدمی ہوں تب جمعہ ہوگا۔

فائدہ صاحبین نے دو آدمی اس لئے کہا کہ دو آدمی بھی جماعت ہوتے ہیں اور تیسرا امام ہے اس لئے جماعت تو ہوگی۔

[۳۵۳] (۸) امام دونوں رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ البتہ اس میں کسی متعین سورۃ کا پڑھنا ضروری نہیں۔

چ حدیث میں ہے قال استخلف مروان ابا هريرة على المدينة ... قال ابو هريرة اني سمعت رسول الله يقرأ بهما  
يوم الجمعة يعني سورة الجمعة واذا جئتكم المنافقون (ج) (مسلم شریف، فصل فی قراءۃ سورۃ الجمعۃ... فی صلوة الجمعۃ ص ۲۸۷  
نمبر ۸۷۷/۱ ابوداؤد شریف، باب ما یقرأ فی الجمعۃ، ص ۱۶۷، نمبر ۱۱۲۳) اس حدیث میں ہے کہ میں نے جمعہ کی نماز میں ان دونوں سورتوں کو سنا  
جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کی دونوں رکعتوں میں قرأت آپؐ جہری کرتے تھے۔ البتہ جن سورتوں کو حضورؐ نے پڑھا انہیں سورتوں کا جمعہ کی نماز  
میں پڑھنا ضروری نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

[۳۵۴] (۹) جمعہ واجب نہیں ہے مسافر پر، نہ عورت پر، نہ مرلیض پر، نہ بچے پر، نہ غلام پر، نہ اندھے پر۔

حاشیہ : (الف) جب حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے دو خطبوں میں سے ایک میں بیٹھنے کے بارے میں اجازت مانگی اور کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میں نے ارادہ  
کیا ہے کہ دو خطبوں میں سے ایک میں بیٹھوں، تو پہلے خطبہ میں بیٹھے (ب) حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ جمعہ واجب ہے ہر گاؤں والوں پر چاہے نہ ہو وہاں مگر تین آدمی اور  
چوتھا ان کا امام (ج) ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ حضورؐ سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کو جمعہ کے دن پڑھا کرتے تھے۔

مريض ولا صبی ولا عبد ولا اعمی [۳۵۵] (۱۰) فان حضروا و صلوا مع الناس اجزاهم  
عن فرض الوقت [۳۵۶] (۱۱) ويجوز للعبد والمسافر والمريض ان يؤموا فی الجمعة  
[۳۵۷] (۱۲) ومن صلى الظهر فی منزله یام الجمعة قبل صلوة الامام ولا عذر له کره له

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی جماعة الا اربعة  
عبد مملوک او امرأة او صبی او مريض (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجمعة للمملوک والمرأة ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶) دارقطنی میں او  
مسافر کا لفظ بھی ہے (دارقطنی، باب من تجب علیہ الجمعة ج ثانی ص ۳ نمبر ۱۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذکورہ لوگوں پر جمعہ واجب نہیں  
ہے۔ کیونکہ جمعہ کے لئے بعض مرتبہ دور جانا پڑتا ہے جس کے لئے مذکورہ لوگوں کو جانے میں حرج ہوتا ہے۔ ناپینا کو بھی جانے میں حرج ہے اس  
لئے اس پر بھی جمعہ واجب نہیں ہے۔

[۳۵۵] (۱۰) اگر یہ لوگ حاضر ہوئے اور لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی تو ان کو وقتی فرض سے کافی ہو جائے گا۔

**تشریح** ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر ان لوگوں نے جمعہ پڑھ لیا تو ظہران سے ساقط ہو جائے گی۔

**ترجمہ** کیونکہ جمعہ اگرچہ واجب نہیں ہے لیکن ظہر اور جمعہ میں سے ایک ان پر واجب ہے۔ اس لئے اگر جمعہ پڑھ لیا تو ظہر کے بدلے میں ادا ہو  
جائے گا۔ یہ اثر ان کی دلیل ہے عن الحسن قال ان جمعن مع الامام اجزأهن من صلوة الامام (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ  
۳۳۰، المرأة تشهد الجمعة تجزئها صلوة الامام، ص ۴۳۶، نمبر ۱۵۵۶) عن الزهري قال سألت عن المسافر يمر بقريّة فينزل فيها  
يوم الجمعة قال اذا سمع الاذان فليشهد الجمعة (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب من تجب علیہ الجمعة ص ۷۴ نمبر ۵۲۰۵  
۵۱۷۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یولوگ جمعہ میں حاضر ہو جائے تو ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۳۵۶] (۱۱) غلام، مسافر اور مریض کے لئے جائز ہے کہ وہ جمعہ میں امامت کرے۔

**ترجمہ** یہ لوگ عاقل بالغ ہیں اور امامت کے قابل ہیں۔ البتہ ان لوگوں کی سہولت کے لئے ان لوگوں پر جمعہ واجب نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن مشقت  
برداشت کر کے جمعہ میں آگئے اور جمعہ کی امامت بھی کر لی تو امامت صحیح ہو جائے گی۔ البتہ عورت اور بچہ عام نمازوں میں امامت کے قابل  
نہیں ہیں اس لئے جمعہ کی بھی امامت نہیں کر سکتے۔

[۳۵۷] (۱۲) اگر کسی نے جمعہ کے دن امام کی نماز سے پہلے گھر میں ظہر کی نماز پڑھ لی حالانکہ اس کو کوئی عذر نہیں تھا تو یہ اس کے لئے مکروہ  
ہے۔ لیکن ظہر کی نماز جائز ہو جائے گی۔

**ترجمہ** مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة حق واجب علی کل مسلم فی

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر واجب ہے جماعت میں مگر چار آدمی پر غلام، عورت، بچہ اور بیمار پر (ب) حسن نے فرمایا اگر عورتیں امام کے ساتھ  
جمعہ پڑھ لیں تو ان کو کافی ہو جائے گا امام کی نماز کے ساتھ (ج) زہری سے منقول ہے کہ میں نے مسافر کے بارے میں پوچھا جو کسی گاؤں سے گزرے اور اس میں  
جمعہ کے دن اترے تو فرمایا جب مسافر اذان سنے تو جمعہ میں حاضر ہو جائے۔

ذلک وجازت صلوتہ [۳۵۸] (۱۳) فان بدا له ان يحضر الجمعة فتوجه اليها بطلت  
صلوة الظهر عند ابی حنیفة رحمہ اللہ بالسعی اليها وقال ابو يوسف و محمد لا تبطل  
حتى يدخل مع الامام [۳۵۹] (۱۴) ويكره ان يصلى المعذور الظهر بجماعة يوم الجمعة

جماعة (الف) (ابوداؤد شریف، باب الجمعة للمملوك والمرأة ص ۱۶۰ نمبر ۱۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ ہر مسلمان پر بشرط مذکورہ واجب ہے۔ اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام کی نماز سے پہلے پڑھی تو مکروہ ہے (۲) دوسری حدیث ہے عن ابی الجعد الضمری و كانت له صحبة ان رسول الله ﷺ قال من ترك ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه (ب) (ابوداؤد شریف، باب التشديد في ترك الجمعة ص ۱۵۸ نمبر ۱۰۵۲) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ کوئی تین جمعہ بغیر عذر کے چھوڑ دے تو اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔ اس لئے بغیر عذر کے ظہر کی نماز امام سے پہلے پڑھ لی تو مکروہ ہے (۳) فاسعوا الى ذكر الله میں فاسعوا امر و وجوب کے لئے ہے۔ اور انہوں نے بغیر عذر کے امر کو چھوڑا اس لئے مکروہ ہے۔ البتہ چونکہ اصل میں ظہر ہی ہے اس لئے ظہر کی ادائیگی ہو جائے گی۔

[۳۵۸] (۱۳) پس اگر اس کا خیال ہوا کہ جمعہ میں حاضر ہو جائے۔ پس اکی طرف متوجہ ہوا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جمعہ کی طرف سعی کرتے ہی ظہر کی نماز باطل ہو جائے گی۔ اور صاحبین نے فرمایا نہیں باطل ہوگی یہاں تک کہ امام کے ساتھ داخل ہو جائے۔

**تشریح** ایک شخص نے امام کی نماز سے پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی پھر جمعہ کا خیال ہوا کہ تو جمعہ کے لئے چل پڑا۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ گھر سے نکلتے ہی ظہر باطل ہو جائے گی۔ اس لئے اگر جمعہ میں شریک ہو گیا تو جمعہ پڑھے گا اور شریک نہ ہو سکا تو دوبارہ ظہر پڑھنا ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ اگر امام کے ساتھ جمعہ کی نماز میں شریک ہوا تب ظہر کی نماز باطل ہوگی اور اگر نہ ہو سکا تو ظہر کی نماز صحیح رہے گی۔ اور دوبارہ ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

**مج** صاحبین فرماتے ہیں کہ اس پر اصل جمعہ تھا اور اس پر مکمل طور پر قادر ہو گیا اس لئے اصل پر قدرت کے وقت فرع باطل ہو جائے گی۔ اور اگر اصل پر قدرت نہیں ہوئی تو فرع بحال رہے گی۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی طرف سعی کرنا گویا کہ جمعہ پالینا ہے۔ اس لئے گویا کہ اصل پر قدرت ہو گئی اس لئے ظہر باطل ہوگی۔

**نوٹ** یہ مسئلہ الگ الگ اصول پر مبنی ہے۔ باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آیت فاسعوا الى ذكر الله کی وجہ سے اس پر جمعہ کی طرف سعی کرنا واجب تھا اور وہ نہیں کیا اس لئے جب سعی کیا تو ظہر باطل ہو کر نفل ہو گیا۔

[۳۵۹] (۱۴) مکروہ ہے کہ معذور آدمی ظہر کی نماز جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ پڑھے۔ ایسے ہی قیدی لوگ جماعت کے ساتھ پڑھے۔

**مج** معذور آدمی جماعت کے ساتھ ظہر پڑھے گا تو جمعہ کی جماعت میں کمی واقع ہوگی۔ کیونکہ غلام، مسافر، عورت، بچے، مریض اور نابینا کو بھی کوشش کر کے جمعہ میں جانا چاہئے۔ اس لئے یہ معذور لوگ شہر میں ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ نہ پڑھے۔ البتہ دیہات والوں پر جمعہ واجب

حاشیہ : (الف) جمع حق واجب ہے ہر مسلمان پر جماعت میں (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے تین جمعہ سستی سے چھوڑ دیئے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتے ہیں۔



و كذلك اهل السجن [۳۶۰] (۱۵) ومن ادرك الامام يوم الجمعة صلى معه ما ادرك  
وبنى عليها الجمعة [۳۶۱] (۱۶) وان ادركه في التشهد او في سجود السهو بنى عليها

نہیں ہے اور نہ وہاں کوئی جمعہ کی جماعت ہے اس لئے وہ لوگ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں (۲) اثر میں ہے عن الحسن انه كان  
يكوه اذا لم يدرك قوم الجمعة ان يصلوا الجماعة (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب القوم يأتون المسجد يوم الجمعة بعد انصراف  
الناس، ج ثالث ص ۳۳۲ نمبر ۵۴۵) اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے قال على لا جماعة يوم الجمعة الا مع الامام (ب)  
(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۴ فی القوم تجتمعون يوم الجمعة اذا لم يشهدوها، ج ثاني، ص ۴۶۶، نمبر ۵۳۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن  
معدورین کو جماعت کے ساتھ ظہر نہیں پڑھنا چاہئے۔

**فائدہ** کچھ حضرات کے یہاں کراہیت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ فذكر زرو التيمسي في يوم جمعة ثم صلوا الجمعة  
اربعا في مكانهم وكانوا خائفين (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۷۴ فی القوم تجتمعون يوم الجمعة اذا لم يشهدوها ج ثاني ص ۴۶۶، نمبر ۵۳۹)  
مصنف عبدالرزاق، باب القوم يأتون المسجد يوم الجمعة بعد انصراف الناس، ج ثالث، ص ۳۳۱، نمبر ۵۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ  
معدورین جماعت کے ساتھ ظہر پڑھتے تو اتنی کراہیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے حق میں جمعہ ساقط ہے۔

**نکتہ** جن : قیدی

[۳۶۰] (۱۵) جس نے امام کو جمعہ کے دن پایا تو ان کے ساتھ نماز پڑھے گا جتنا پایا اور اس پر جمعہ کا بنا کرے گا۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا سمعتم الاقامة فامشوا الى الصلوة وعليكم السكينة  
والوقار ولا تسرعوا فما ادرکتهم فصلوا وما فاتکم فاتموا (ج) (بخاری شریف، باب لا یسعی الی الصلوة ولیاتھا بالسکینۃ  
والوقار، ص ۸۸، نمبر ۶۳۶) اس حدیث میں ہے وما فاتکم فاتموا کہ جو فوت ہو جائے تو اس کو پورا کرو یعنی پہلی نماز پر بنا کر لو۔ تو جمعہ کی نماز  
میں بھی یہی ہوگا۔ امام کے ساتھ جتنا پایا وہ ٹھیک ہے اور جتنا باقی رہا اس کو جمعہ ہی کے طور پر پورا کرے گا (۲) حدیث میں ہے عن ابی  
هريرة ان رسول الله قال من ادرك من الجمعة ركعة فليضف اليها اخرى (د) (دارقطنی باب فیمن یدرك من الجمعة ركعة او  
لم یدركها ج ثاني ص ۸ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ جتنی پائے وہ ٹھیک ہے باقی اسی پر بنا کر کے پوری کرے گا۔

[۳۶۱] (۱۶) اگر امام کو تشہد میں پایا یا سجدہ سہو میں پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اور امام محمد نے فرمایا  
کہ اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت کا اکثر پایا تو اس پر جمعہ کا بنا کرے گا اور اگر امام کے ساتھ کم پایا تو اس پر ظہر کا بنا کرے گا۔

**ترجمہ** شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ سلام پھیرنے سے پہلے امام کے ساتھ مل گیا تو امام کی اتباع میں جمعہ ہی پڑھے گا ظہر نہیں پڑھے گا۔ اور

حاشیہ : (الف) حضرت حسن سے منقول ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ جب قوم جمعہ نہ پڑھتے تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھے (ب) حضرت علیؑ نے فرمایا جماعت  
نہیں ہے جمعہ کے دن مگر امام کے ساتھ (ج) آپؐ نے فرمایا جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلے آؤ اور تم پر سکونت اور وقار ہو۔ اور تیزی سے مت چلو، جو پاؤ اس  
کو پڑھو اور جو فوت ہو جائے اس کو پورا کرے (د) آپؐ نے فرمایا جو جمعہ میں ایک رکعت پائے اس کے ساتھ دوسری ملائے۔

الجمعة عند ابی حنیفة و ابی یوسف و قال محمد ان ادرك معه اكثر الركعة الثانية بنی علیها الجمعة و ان ادرك معه اقلها بنی علیها الظهر [۳۶۲] (۷۱) و اذا خرج الامام يوم

امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ دوسری رکعت کا اکثر حصہ امام کے ساتھ ملا ہے تب تو جمعہ پڑھے گا اور اگر اکثر نہیں ملا ہے تو چونکہ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے اور اکثر حصہ میں جماعت نہیں ملے اس لئے اب جمعہ نہیں پڑھے گا بلکہ ظہر کی چار رکعت پڑھے گا۔

❦ شیخین کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۵۱ والی بخاری کی حدیث ہے کہ جتنا ملا وہ امام کے ساتھ پڑھو اور جتنا فوت ہو گیا اس کو اسی پر بنا کر لو، تو امام کے ساتھ سلام سے پہلے ملا تو اتنا امام کے ساتھ پڑھے گا اور باقی کا اسی پر بنا کرے گا۔ چاہے دوسری رکعت کا اکثر ملا ہو یا اقل ملا ہو (۲) سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ ملا ہو اس کی اتباع میں وہی نماز پڑھنی چاہئے جو انہوں نے پڑھی ہے یعنی جمعہ (۳) ایک حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من ادرك الامام جالسا قبل ان يسلم فقد ادرك الصلوة (الف) (دارقطنی، باب من یدرك من الجمعة رکعة اولم یدرکھا ج ثانی ص ۱۰ نمبر ۱۵۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے بھی امام کے ساتھ مل جائے تو گویا کہ اس نے جمعہ پالیا۔ اس لئے اب دو رکعت جمعہ ہی پڑھے گا۔

❦ امام محمد کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۵۱ کی دارقطنی کی حدیث ہے جس میں کہا گیا کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پائی وہ دوسری رکعت جمعہ کی ملائے۔ تو اکثر رکعت ایک رکعت کے قائم مقام ہے اس لئے اکثر رکعت پائی تو جمعہ پڑھے گا ورنہ ظہر پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من ادرك ركعة من الصلوة فقد ادرك الصلوة (ب) (ابوداؤد شریف، باب من ادرك من الجمعة رکعة ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۲۱) اس حدیث میں ایک رکعت پانے کا تذکرہ ہے تب ہی جمعہ پڑھے گا۔

[۳۶۲] (۷۱) جب امام جمعہ کے دن خطبہ کے لئے نکلے تو لوگ نماز اور کلام کو چھوڑ دیں یہاں تک کہ امام اپنے خطبہ سے فارغ ہو جائے اور صاحبین نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بات کرے جب تک امام خطبہ نہ شروع کرے۔

❦ منبر پر خطبہ کے لئے امام چڑھ جائے تو لوگ باتیں کرنا ہی بند کر دیں اور نماز پڑھنا بھی بند کر دیں۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ امام خطبہ شروع کر دیں تب بات کرنا اور نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس سے پہلے بات کر لی تو حرج کی بات نہیں ہے تاہم نہیں کرنی چاہئے۔ کلام کی ممانعت کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابا ہریرۃ اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والا امام يخطب فقد لغوت (ج) (بخاری شریف، باب الانصات يوم الجمعة والا امام مخطب ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۴) مسلم شریف، فصل فی عدم ثواب من تكلم والا امام مخطب ص ۲۸۱ کتاب الجمعة نمبر ۸۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا ساتھی بات کر رہا ہو تو اس کو چپ رہو کہنا بھی غلط ہے۔ اس کو اشارہ سے چپ رہنے کے لئے کہنا چاہئے۔ اور الامام مخطب کے لفظ سے صاحبین نے استدلال کیا ہے کہ امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت کلام کرنا مکروہ ہے اس لئے پہلے بات کرنے کی گنجائش ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک منبر پر بیٹھنا بھی خطبہ کا حصہ ہے اس لئے منبر پر بیٹھتے ہی حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے امام کو بیٹھے ہوئے پایا سلام سے پہلے تو گویا کہ نماز پالیا (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے نماز میں سے ایک رکعت پائی تو گویا کہ نماز پالی (ج) آپؐ نے فرمایا جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے کہا چپ رہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو یہ بھی لغو بات ہے۔

## الجمعة ترک الناس الصلوة والكلام حتى يفرغ من خطبته وقال لا بأس بان يتكلم ما لم

کلام کی ممانعت ہو جائے گی۔

**نوٹ** خود امام کو بولنے کی ضرورت ہو تو وہ مروئی وغیرہ کے لئے بول سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال لما استوی رسول الله ﷺ يوم الجمعة قال اجلسوا فسمع ذلك ابن مسعود فجلس على باب المسجد فرآه رسول الله ﷺ فقال تعال يا عبد الله بن مسعود (الف) (ابوداؤد شریف، باب الامام یکلم الرجل فی خطبته ص ۱۶۳ نمبر ۱۰۹۱) اس حدیث میں آپؐ نے خطبہ کے دوران عبد اللہ بن مسعود سے بات کی ہے اور آگے آنے کے لئے کہا ہے۔ اس لئے ضرورت کے موقع پر امام بات کر سکتے ہیں۔

خطبہ کے وقت نماز نہ پڑھنے کی دلیل (۱) یہ آیت ہے اذ قرء القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (ب) (آیت ۲۰ سورة الاعراف ۷) اس آیت میں قرآن پڑھتے وقت چپ رہنے اور کان لگا کر سننے کے لئے کہا ہے اور خطبہ میں قرآن پڑھا جائے گا، اب لوگ نماز پڑھیں گے تو وہ خود قرآن پڑھیں گے اور چپ نہیں رہیں گے اس لئے نماز پڑھنے کی بھی ممانعت ہوگی (۲) عن ابن عباس وابن عمر انهما كانا يكرهان الصلوة والكلام يوم الجمعة بعد خروج الامام (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۶۰ فی الکلام اذا اُصعد الامام المنبر وخطب ج ثانی ص ۲۵، نمبر ۵۲۹۷ (۳) سألت قتادة عن الرجل يأتي والامام تخطب يوم الجمعة ولم يكن صلى ايصلى؟ فقال اما انا فكنت جالسا (د) (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل يجي والامام يخطب، ج ثالث، ص ۲۳۵، نمبر ۵۵۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کے وقت دو رکعت مختصر نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے سمع جابر قال دخل رجل يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال اصليت؟ قال لا اقال ثم فصل ركعتين (ه) (بخاری شریف، باب من جاء والامام يخطب صلی رکعتین خفیفین ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۱) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح حدیث ہے سمعت جابر بن عبد الله ان النبي ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين (و) (مسلم شریف، فصل من دخل المسجد والامام يخطب فليصل ركعتين ص ۲۸۷ نمبر ۲۰۲۲/۸۷۷) ابوداؤد شریف، باب اذا دخل والامام يخطب ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام خطبہ دے رہا ہو اور ابھی تک تحیۃ المسجد یا سنت جمعہ نہ پڑھی ہو تو دو رکعت پڑھ لینے کی گنجائش ہے۔ تاہم ہمیشہ ایسی عادت

حاشیہ : (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھ گئے تو آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ تو یہ بات عبد اللہ بن مسعود نے سنی تو وہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ گئے تو حضورؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا عبد اللہ بن مسعود ادر آؤ (ب) (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ تم رحم کے جاؤ گے) (ج) عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے لئے نکلنے کے بعد نماز اور کلام مکروہ سمجھا کرتے تھے (د) میں نے حضرت قتادہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو جمعہ کے دن امام کے خطبہ کے وقت آیا ہو اور ابھی نماز نہ پڑھی ہو۔ کیا وہ نماز پڑھے؟ فرمایا بہر حال میں تو بیٹھ جاؤں گا (یعنی نماز نہیں پڑھوں گا) (ه) ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور حضورؐ خطبہ دے رہے تھے تو آپؐ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ انہوں نے کہا نہیں، آپؐ نے کہا کھڑے ہو اور دو رکعت نماز پڑھو (و) آپؐ خطبہ دے رہے تھے اور فرمایا تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ کے لئے نکل چکا ہو تو دو رکعت نماز پڑھنی چاہئے۔

يبدأ بالخطبة. [۳۶۳] (۱۸) واذا اذن المؤذنون يوم الجمعة الاذان الاول ترك الناس البيع والشراء وتوجهوا الى الجمعة [۳۶۴] (۱۹) فاذا صعد الامام المنبر جلس واذن المؤذنون بين يدي المنبر ثم يخطب الامام.

نہیں بنا لینی چاہئے۔

[۳۶۳] (۱۸) جب مؤذن جمعہ کے دن پہلی اذان دے تو لوگ خرید و فروخت چھوڑ دے اور جمعہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

**ج** خود آیت میں ہے اذا نودی للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع (الف) (آیت ۱۹ سورۃ الحج ۶۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ اذان دی جائے تو خرید و فروخت چھوڑ کر جمعہ کی طرف چل پڑنا چاہئے۔ البتہ حضور کے زمانے میں دوسری اذان ہوتی تھی اور حضرت عثمان نے دیکھا کہ لوگوں کی بھیڑ زیادہ ہے تو ایک اذان کا اضافہ کر دیا جس کو پہلی اذان کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے عن السائب بن يزيد قال كان النداء يوم الجمعة اوله اذا جلس الامام على المنبر على عهد النبي ﷺ وابى بكر وعمر فلما كان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء قال ابو عبد الله الزوراء موضع بالسرق بالمدينة (ب) (بخاری شریف، باب الاذان يوم الجمعة ص ۱۲۴ نمبر ۹۱۲/ ابوداؤد شریف، باب النداء يوم الجمعة ص ۱۶۲ نمبر ۱۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلی اذان حضرت عثمان نے اضافہ کیا ہے۔ اور اس وقت بھی جمعہ کے لئے اذان دی جاتی ہے اس لئے اب اسی وقت جمعہ کے لئے سعی کرنا ہوگا۔ اس کی تائید میں یہ اثر ہے قال لی مسلم بن يسار اذا علمت ان النهار قد انتصفت يوم الجمعة فلا تتباعدوا شيئا (ج) (مصنف بن ابی شیبہ، ۳۷۲، الساعة التي يكره فيها الشراء والبيع ج ثانی ص ۴۶۵، نمبر ۵۳۸۳ (۲) قلت للزهري متى يحرم البيع والشراء يوم الجمعة فقال كان الاذان عند خروج الامام فاحدث امير المؤمنين عثمان التأذينة الثالثة فاذن على الزوراء ليجتمع الناس فارى ان يترك الشراء والبيع عند التأذينة (د) (مصنف بن ابی شیبہ، ۳۷۲، الساعة التي يكره فيها الشراء والبيع ج ثانی ص ۵۳۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اذان اول کے پاس پاس ہی خرید و فروخت چھوڑ دینا چاہئے۔ کیونکہ وہی ندا ہے۔

[۳۶۴] (۱۹) جب امام منبر پر چڑھ جائے تو منبر پر بیٹھے اور مؤذن منبر کے سامنے اذان دے پھر امام خطبہ دے۔

**ج** اس سب کی دلیل یہ حدیث ہے عن سائب بن يزيد قال كان يؤذن بين يدي رسول الله ﷺ اذا جلس على المنبر

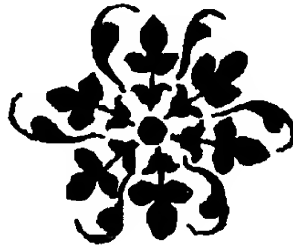
حاشیہ : (الف) جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ دوڑا بیچ چھوڑ دو (ب) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن پہلی اذان تھی جب امام منبر پر بیٹھے تھے۔ حضور، ابوبکر اور عمر کے زمانے میں۔ پس جب عثمان کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو مقام زوراء پر تیسری اذان کی زیادتی کی۔ ابو عبد اللہ فرماتے ہیں کہ زوراء مدینہ میں ایک بازار کا نام ہے (ج) مسلم بن یسار نے کہا کہ جب جان لو کہ جمعہ کے دن دوپہر ہو گئی تو خرید و فروخت چھوڑ دو (د) میں نے زہری سے پوچھا جمعہ کے دن خرید و فروخت کب حرام ہوتے ہیں؟ تو فرمایا اذان امام کے نکلنے وقت ہوتی تھی تو حضرت عثمان نے تیسری اذان شروع کی تو مقام زوراء پر اذان دلوائی تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ اذان کے وقت خرید و فروخت چھوڑ دے۔

[۳۶۵] (۲۰) واذا فرغ من خطبته اقاموا الصلوة.

يوم الجمعة على باب المسجد وابي بكر و عمر (الف) (ابوداؤد شریف، باب النداء يوم الجمعة ص ۱۶۲ نمبر ۱۰۸۸ / بخاری شریف، باب التأذین عند الخطبة ص ۱۲۴ نمبر ۹۱۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام منبر پر بیٹھے گا اس وقت اس کے سامنے اذان ثانی دی جائے گی۔ اس کے بعد امام خطبہ دے گا۔

[۳۶۵] (۲۰) جب امام خطبہ سے فارغ ہو سکے تو لوگ جمعہ کی نماز کھڑی کریں گے۔

﴿ج﴾ پہلے خطبہ دے پھر نماز کھڑی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال رأيت رسول الله ﷺ ينزل من المنبر فيعرض له الرجل في الحاجة فيقوم معه حتى يقضى حاجته ثم يقوم فيصلي (ب) (ابوداؤد شریف، باب الامام يتكلم بعد ما ينزل من المنبر ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے بعد نماز جمعہ قائم کرے گا۔



حاشیہ : (الف) سابع بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور کے سامنے اذان دی جاتی تھی جب آپ جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتے مسجد کے دروازے پر اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کے زمانے میں بھی (ب) میں نے حضور کو دیکھا کہ منبر سے اترتے تو آپ کے لئے کوئی آدمی ضرورت پیش کرتا تو آپ اس کے ساتھ کھڑے ہوتے یہاں تک کہ آپ ان کی ضرورت پوری کرتے پھر کھڑے ہوتے اور نماز پڑھتے۔

## ﴿باب صلوة العیدین﴾

[۳۶۶] (۱) يستحب يوم الفطر ان يطعم الانسان شيئاً قبل الخروج الى المصلى [۳۶۷]

## ﴿باب صلوة العیدین﴾

**ضروری نوٹ** عید کی نماز واجب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ عید مناتے تھے۔ بعد میں اسلام میں بھی اس کو برقرار رکھا۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے ولتکملوا العدة ولتکبروا الله على ما هداكم ولعلکم تشکرون (الف) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) تفسیر طبری میں ہے کہ اس آیت میں عید الفطر میں تکبیر کہنے کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ اسی آیت کے شروع میں روزے کا تذکرہ ہے۔ جس سے عید الفطر کا ثبوت ہوتا ہے۔ اور فصل لربک وانحر (ب) (آیت ۲ سورۃ الکوثر ۱۰۸) اس آیت میں تذکرہ ہے کہ پہلے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھو پھر جانور کی قربانی کرو۔ اس لئے دونوں آیتوں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ثبوت ہوتا ہے۔

نماز عیدین کے وجوب کی دلیل اس حدیث کی دلالت ہے عن ابی سعید الخدری قال کان النبی ﷺ ینخرج یوم الفطر والاضحیٰ الى المصلى فاول شیء یدأ به الصلوة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم (ج) (بخاری شریف، باب الخروج الى المصلى بغیر منبر ص ۱۳۱ نمبر ۹۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا کرتے تھے کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے نکلا کرتے تھے، یہ استمرار اور ہیئگی وجوب پر دلالت کرتی ہے۔ آپ نے کبھی عیدین کی نماز نہیں چھوڑی یہ وجوب کی دلیل ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ وجوب کا درجہ نہیں ہے اس لئے ان کے یہاں نماز عیدین سنت مؤکدہ ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن البراء بن عازب قال قال النبی ﷺ ان اول ما یدأ فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فننحر فمن فعل ذلک اصاب سنتنا (د) (بخاری شریف، باب الخطبة بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۵) اس حدیث میں اصاب سنتنا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عیدین کی نماز سنت ہے۔

[۳۶۶] (۱) عید الفطر کے دن مستحب یہ ہے کہ انسان عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے کچھ کھائے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال کان رسول الله ﷺ لا یغدو یوم الفطر حتی یأکل تمرات. وفی حدیث آخر ویأکلهم وترا (ه) (بخاری شریف، باب الاکل یوم الفطر قبل الخروج ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ عید گاہ جانے سے

حاشیہ : (الف) تاکہ رمضان کے دن پورے کرو اور جو تم کو ہدایت دی اس پر اللہ کی تکبیر کرو اور شاید کہ تم شکر یہ ادا کرو (ب) اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو (ج) حضورؐ نکلا کرتے تھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف، تو سب سے پہلی چیز جو شروع کرتے وہ نماز عید ہوتی، پھر وہاں سے ہٹ کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تو آپؐ ان کو نصیحت کرتے، وصیت کرتے اور حکم دیتے (د) آپؐ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو شروع کریں گے اس دن وہ نماز پڑھیں گے، پھر واپس لوٹیں گے، پس قربانی کریں گے۔ پس جس نے یہ کیا اس نے ہماری سنت کو پایا (ه) آپؐ عید الفطر کے دن عید گاہ نہیں جاتے یہاں تک کہ چند کھجور کھاتے، دوسری حدیث میں ہے کہ طاق کھجور کھاتے۔

(۲) ویغتسل ویتطیب ویلبس احسن ثیابہ [۳۶۸] (۳) ویتوجه الی المصلی ولا یکبر فی طریق المصلی عند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ویکبر فی طریق المصلی عند ابی یوسف و

پہلے عید الفطر میں کچھ ٹیٹھی چیز کھانا چاہئے۔ اور عید الاضحیٰ میں نماز کے بعد کھانا مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن بربسۃ عن ابیہ قال کان رسول اللہ لا ینخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یأکل یوم النحر حتی یدبح (سنن للبیہقی، باب ترک الاکل یوم النحر حتی یرجع ج ۳، ص ۴۰۱، نمبر ۶۱۵۹)

[۳۶۷] (۲) غسل کرے اور خوشبو لگائے اور اچھے کپڑے پہنے۔

**تشریح** یہ سب کام عید کے دن کرنا مستحب ہے۔ غسل کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر انہ کان یغتسل فی العیدین اغتسالا من الجنابة (الف) (سنن للبیہقی، باب الاغتسال للاعیاد ج ۱، ص ۴۴۷، نمبر ۱۳۲۸، مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۶۶ فی الغسل یوم العیدین ج ۳، ص ۵۵۰، نمبر ۵۷۷) چونکہ عید بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہے اس لئے جو چیزیں جمعہ میں سنت ہوں گی وہی کام عیدین میں سنت ہوں گے۔ اور جمعہ میں یہ کام سنت ہیں حدیث یہ ہیں عن ابی سعید الخدری وابی ہریرۃ قالا قال رسول اللہ ﷺ من اغتسل یوم الجمعة ولبس من احسن ثیابہ ومس من طیب ان کان عنده ثم اتی الجمعة (ب) (ابوداؤد شریف، باب الغسل للجمعة ص ۵۶، نمبر ۳۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔ اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو ملے اور عیدین بھی جمعہ کی طرح اجتماع ہیں اس لئے ان میں بھی یہ کام کرنا سنت ہوگا (۳) عید کے دن اچھے کپڑے پہننے کی حدیث موجود ہے ان عبد اللہ بن عمر قال اخذ عمر جبة من استبرق تباع فی السوق فاخذھا فاتی بها رسول اللہ فقال یا رسول اللہ ابتع هذه تجمل بها للعید والوفود (ج) (بخاری شریف، باب ما جاء فی العیدین والتجمل فیہما ص ۳۰، نمبر ۹۴۸) اس حدیث میں ہے تجمل بها للعید والوفود جس سے معلوم ہوا کہ عید کے لئے اچھے کپڑے پہننا اور خوبصورت بننا سنت ہے۔

[۳۶۸] (۳) اور عید کی طرف متوجہ ہو۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک راستہ میں تکبیر نہ کہے اور صاحبین کے نزدیک تکبیر کہے گا عید گاہ کے راستہ میں زور سے۔

**تشریح** امام ابوحنیفہ کے نزدیک عید الفطر میں راستہ میں تکبیر زور سے نہیں پڑھے گا بلکہ آہستہ پڑھے گا اور عید الاضحیٰ کے وقت راستہ میں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

**حجہ** اس کی وجہ یہ ہے کہ تکبیر ایک قسم کی دعا ہے اور دعا کو آہستہ پڑھنا چاہئے اس لئے عید الفطر میں تکبیر آہستہ پڑھے گا۔ ان کا استدلال اس اثر سے ہے عن شعبۃ قال کنت اقود ابن عباس یوم العید فیسمع الناس یکبرون فقال ما شأن الناس قلت یکبرون قال

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر عیدین کے دن جنابت کی طرح غسل کرتے (ب) آپؐ نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا، اور اس کے اچھے کپڑوں میں سے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو پھر جمعہ میں آیا (ج) عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے ریشم کا جبہ لیا جو بازار میں بک رہا تھا تو اس کو لیکر حضورؐ کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ آپ اس کو خرید لیں اس سے عید اور وفود کے وقت زینت حاصل کریں گے۔

محمد [۳۶۹] (۴) ولا يتنفل في المصلى قبل صلوة العيد ويتنفل بعدها [۳۷۰] (۵) فاذا حلت الصلوة بارتفاع الشمس دخل وقتها الى الزوال فاذا زالت الشمس خرج وقتها

یکبرون؟ قال یکبر الامام؟ قلت لا قال امحانین الناس (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۱۳ فی التکبیر اذا خرج الی العید ثانی ص ۲۸۸، نمبر ۵۶۲۹) اس اثر میں حضرت ابن عباس نے زور سے تکبیر کہنے سے انکار کیا ہے۔ البتہ عید الاضحیٰ میں زور سے تکبیر بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اس لئے وہاں زور سے تکبیر پڑھے گا۔

**فائدہ** صاحبین کے نزدیک دونوں میں تکبیر زور سے پڑھے گا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عبد اللہ بن عمر اخبرہ ان رسول اللہ ﷺ کان یکبر يوم الفطر من حين يخرج من بيته حتى يأتي المصلى (الف) (دارقطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۸) متردک للحاکم، کتاب صلوة العیدین، ج اول، ص ۴۳۸، نمبر ۱۱۰۵ (۲) عن ابن عمر انه كان يخرج لعیدین من المسجد فیکبر حتى یأتی المصلى ویکبر حتى یأتی الامام (ب) (دارقطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۳ نمبر ۱۶۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں کے راستے میں تکبیر زور سے کہی جائے گی۔

[۳۶۹] (۴) عید گاہ میں نماز عید سے پہلے نفل نہیں پڑھی جائے گی۔ اور نفل پڑھی جائے گی نماز عید کے بعد۔

**ترجمہ** نفل میں مشغول ہوگا تو عید کی نماز پڑھنے میں دیر ہوگی۔ حالانکہ اس کو سب سے پہلے کرنا ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج يوم الفطر فصلى ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها ومع بلال (ج) (بخاری شریف، باب الصلوة قبل العید وبعدها ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹/ ابوداؤد شریف، باب الصلوة بعد صلوة العید ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے پہلے اور بعد میں بھی نماز نفل نہیں پڑھنا چاہئے۔ لیکن دوسرے اثر میں ہے عن ابن عباس کرہ الصلوة قبل العید (د) (بخاری شریف، باب الصلوة قبل العید وبعدها ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عید سے پہلے تو نفل مکروہ ہے بعد میں نہیں۔

[۳۷۰] (۵) پس جب نماز حلال ہو جائے سورج کے بلند ہونے سے تو نماز عید کا وقت داخل ہو جائے گا زوال تک، پس جب سورج زائل ہو گیا تو اس کا وقت نفل گیا۔

**تشریح** نماز عید کا وقت سورج تھوڑا اوپر اٹھنے کے بعد سے زوال تک ہے۔

**ترجمہ** قال خرج عبد الله بن بسر صاحب رسول الله ﷺ مع الناس في يوم عيد الفطر او اضحى فانكر ابطاء الامام فقال انا كنا قد فرغنا ساعتنا هذه وذلك حين التسبيح (ه) (ابوداؤد شریف، باب وقت الخروج الی العید ص ۱۶۸ نمبر ۱۱۳۵) اس

حاشیہ : (الف) آپ تکبیر کہتے عید الفطر کے دن جس وقت گھر سے نکلتے یہاں تک کہ عید گاہ آتے (ب) عبد اللہ بن عمر عیدین کے لئے مسجد سے نکلتے تو تکبیر کہتے یہاں تک کہ عید گاہ آتے اور تکبیر کہتے رہتے امام کے آنے تک (ج) آپ عید الفطر کے دن نفل پس دو رکعت نماز پڑھی، اس سے پہلے بھی نہیں پڑھی اور اس کے بعد بھی نہیں پڑھی، اور آپ کے ساتھ حضرت بلالؓ تھے (د) ابن عباس عید سے پہلے نماز ناپسند فرماتے تھے (ه) عبد اللہ بن بسر نے لوگوں کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھی تو امام کے دیر کرنے کا انکار کیا پھر فرمایا ہم اس گھڑی فارغ ہو جایا کرتے تھے اور یہ نماز اشراق کا وقت تھا۔



[۳۷۱] (۶) ویصلی الامام بالناس رکعتین [۳۷۲] (۷) یکبر فی الاولى تکبیرۃ الاحرام

حدیث سے معلوم ہوا کہ تسبیح یعنی نماز اشراق کے وقت آپ ﷺ نماز عید سے فارغ ہو جایا کرتے تھے۔ اس لئے یہی وقت نماز عید کا ہوگا (۲) پہلے ضروری نوٹ میں ایک حدیث بخاری کی گزری جس میں یہ لفظ تھا عن البراء بن عازب قال قال سمعت النبی ﷺ یخطب فقال ان اول ما ندأ به فی یومنا هذا ان نصلی ثم نرجع فنسحر (الف) (بخاری شریف، باب سنۃ العیدین لا ابل الاسلام ص ۱۲۱ نمبر ۹۵۱) جس سے معلوم ہوا کہ اس دن سورج نکلنے کے بعد پہلی چیز نماز عید پڑھنا ہے۔ اس لئے سورج بلند ہونے کے بعد عید کی نماز کا وقت ہوگا۔ اور زوال کے بعد وقت ختم ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمومة له من اصحاب النبی ﷺ ان رکبا جاء والی النبی ﷺ یشہدون انہم روا الہلال بالامس فامرہم ای یفطروا واذا اصبحوا ان یغدوا الی مصلاہم (ب) (ابوداؤد شریف، باب اذالم یخرج الامام للعید من یومہ یخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵) اس حدیث میں زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی دی ہے تو اس دن نماز نہیں پڑھی بلکہ اگلے دن صبح کو نماز عید پڑھنے کے لئے کہا جو اس بات کی دلیل ہے کہ زوال کے بعد عید کا وقت نہیں رہتا۔

[۳۷۱] (۶) امام لوگوں کو نماز پڑھائے گا دو رکعت۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ خرج یوم الفطر فصلی رکعتین لم یصل قبلہا ولا بعدها (ج) (بخاری شریف، باب الصلوٰۃ قبل العید وبعدها ص ۱۳۵ نمبر ۹۸۹) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے عید کی نماز صرف دو رکعت پڑھائی۔ اس لئے عید کی نماز صرف دو رکعت ہوگی۔

[۳۷۲] (۷) تکبیر کہے گا پہلی رکعت میں تکبیر احرام اور اس کے بعد تین تکبیریں پھر سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا پھر تکبیر کہے اور رکوع میں جائے۔

**ترجمہ** تکبیر احرام کے بعد عیدین میں تین تکبیر زوائد ہیں۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کے ساتھ سورۃ ملائے گا پھر تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائے گا۔

**ترجمہ** تین تکبیر زوائد کی دلیل یہ حدیث ہے سأل ابو موسی الاشعری وحذیفۃ بن الیمان کیف کان رسول اللہ یکبر فی الاضحی والفطر؟ فقال ابو موسی کان یکبر اربعا تکبیرۃ علی الجنائز فقال حذیفۃ صدق (د) (ابوداؤد شریف، باب التکبیر فی العیدین ص ۱۷۰ نمبر ۱۱۵۳ سنن للبیہقی، باب ذکر الخمر الذی روی فی التکبیر اربعاً ثالث ص ۲۸۹ مصنف عبدالرزاق، باب التکبیر

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا سب سے پہلی چیز جو شروع کریں گے اس دن وہ یہ کہ نماز پڑھیں گے، پھر واپس ہو گئے اور قربانی کریں گے (ب) راوی کے چچا نے خبر دی کہ کچھ سوار حضور کے پاس آئے اور گواہی دی کہ انہوں نے کل گذشتہ رات چاند دیکھا ہے تو آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ افطار کریں اور جب صبح ہو تو عید گاہ آئیں (ج) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور عید الفطر کے دن نکلے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے پہلے بھی نماز نہیں پڑھی اور بعد میں بھی نہیں پڑھی (د) حضرت موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ حضور تکبیر کہا کرتے تھے عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں چار جیسے جنازہ پڑھتے ہیں۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا ج کہہا۔

وثلثا بعدها ثم یقرأ فاتحة الكتاب وسورة معها ثم یکبر تکبیرة یرکع بها [۳۷۳] (۸) ثم یدئ فی الرکعة الثانية بالقراءة فاذا فرغ من القراءة کبر ثلث تکبیرات وکبر تکبیرة رابعة یرکع بها [۳۷۴] (۹) ویرفع یدیه فی تکبیرات العیدین.

فی الصلوة یوم العید ج ثالث ص ۲۹۳ نمبر ۵۶۸۶) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز میں پہلی رکعت میں تکبیر احرام کے بعد تین تکبیر کہی جائے گی۔ تو تکبیر احرام کے ساتھ چار تکبیریں ہو گئیں۔ اس طرح دوسری رکعت میں قرأت کے بعد تین تکبیر زائد کہی جائے گی تو تکبیر رکوع کے ساتھ چار تکبیریں ہو جائیں گی۔ اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی اس کی دلیل یہ اثر ہے فاسندوا امرهم الی ابن مسعود فقال تکبیر اربعاً قبل القراءة ثم تقرأ فاذا فرغت کبرت فرکعت ثم تقوم فی الثانية فتقرأ فاذا فرغت کبرت اربعاً (الف) (سنن للبیہقی، باب ذکر التیمم الذی روی فی التیمم اربعاً ج ثالث ص ۴۰۸، نمبر ۶۱۸۳) اس اثر میں موجود ہے کہ دوسری رکعت میں قرأت کے بعد چار تکبیر کہی جائے گی۔ تین تکبیر زائد کہی اور ایک تکبیر رکوع کی ہوگی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک پہلی رکعت میں سات تکبیر اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیر کہی جائے گی اور دونوں میں قرأت کے پہلے تکبیر کہی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال نبی اللہ التکبیر فی الفطر سبع فی الاولى وخمس فی الآخرة والقراءة بعدهما کلیتہم (ب) (ابوداؤد شریف، باب التیمم فی العیدین ص ۷۰ نمبر ۱۱۵۱۱ ارادار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۶ نمبر ۱۷۱) ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہی جائے گی۔ اور قرأت سے پہلے کہی جائے گی۔ یہ اختلاف استحباب کا ہے۔

[۳۷۳] (۸) پھر شروع کرے گا دوسری رکعت میں قرأت کے ساتھ، پس جب فارغ ہو جائے قرأت سے تو تکبیر کہے تین تکبیریں اور چوتھی تکبیر کہے اور اس کے ساتھ رکوع میں جائے۔

**ترجمہ** پوری تفصیل اور دلیل گزر گئی ہے۔

[۳۷۴] (۹) دونوں ہاتھ عیدین کی تکبیر میں اٹھائے گا۔

**ترجمہ** ان عمر بن الخطاب کان یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الجنائزۃ والعیدین وهذا منقطع (ج) (سنن للبیہقی، باب رفع الیدین فی تکبیر العید ج ثالث ص ۴۱۲، نمبر ۶۱۸۹ مصنف عبدالرزاق، باب التیمم بالیدین ج ثالث ص ۲۹۷ نمبر ۵۶۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر زائد کہتے وقت ہاتھ بھی کانوں تک اٹھائے گا۔

حاشیہ : (الف) راوی اپنی سند حضرت عبداللہ ابن مسعود تک لے گئے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار تکبیر کہی جائے گی قرأت سے پہلے پھر قرأت کی جائے گی پس جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو تکبیر کہیں اور رکوع کریں۔ پھر دوسری رکعت میں کھڑے ہوں پس قرأت کرین پس جب قرأت سے فارغ ہو جائیں تو چار تکبیر کہیں (ب) آپؐ نے فرمایا تکبیر عید الفطر میں سات ہیں پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، اور قرأت دونوں ہی کے بعد ہے (ج) حضرت عمر ابن خطابؓ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے ہر تکبیر کے ساتھ جنازہ میں اور عیدین میں، یہ حدیث منقطع ہے۔

[۳۷۵] (۱۰) ثم یخطب بعد الصلوة خطبتین یعلم الناس فیہما صدقة الفطر واحکامہا [۳۷۶] (۱۱) ومن فاتتہ صلوۃ العید مع الامام لم یقضہا [۳۷۷] (۱۲) فان غم الہلال عن الناس وشہدوا عند الامام برؤیة الہلال بعد الزوال صلی العید من الغد [۳۷۸] (۱۳)

[۳۷۵] (۱۰) پھر نماز کے بعد خطبہ دیں گے دو خطبے، ان میں لوگوں کو صدقہ فطر اور اس کے احکام سکھائیں گے۔

**تشریح** جس طرح جمعہ میں دو خطبے دیئے جاتے ہیں اسی طرح عیدین میں بھی دو خطبے دیئے جائیں گے۔ اور عید الاضحیٰ کا موقع ہوگا تو قربانی کے مسائل سکھائے جائیں گے۔ نماز کے بعد خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال کان النبی ﷺ وابو بکر و عمر یصلون الیعدین قبل الخطبۃ (الف) (بخاری شریف، باب الخطبۃ بعد العید ص ۱۳۱ نمبر ۹۶۳) اس سے معلوم ہوا کہ خطبہ نماز کے بعد دیا جائے گا، بخاری شریف، حدیث نمبر ۹۷۵ میں نماز کے بعد خطبہ کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ عبارت یہ ہے۔ سمعت ابن عباس قال خرجت مع النبی ﷺ یوم فطر او اضحی فصلی العید ثم خطب ثم اتی النساء فوعظهن (بخاری شریف، باب خروج الصبیان الی المصلی ص ۱۳۲، نمبر ۹۷۵) اس حدیث میں خطبے کا تذکرہ ہے، اور یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد خطبہ دیا۔

[۳۷۶] (۱۱) جس کی عید کی نماز فوت ہو جائے امام کے ساتھ اس کو قضا نہیں کرے گا۔

**حجہ** (۱) نماز عید اجتماعیت کے ساتھ مشروع ہے اور جس کی نماز عید امام کے ساتھ چھوٹ گئی تو اب اجتماعیت نہیں ہوگی اس لئے اب نماز عید کو قضا نہیں کرے گا۔ البتہ دو رکعت نفل کے طور پر پڑھنا چاہئے تو پڑھ سکتا ہے۔ دلیل یہ قول ہے قال عطاء اذا فاتتہ العید صلی رکعتین (ب) (بخاری شریف، باب اذا فاتتہ العید صلی رکعتین ص ۱۳۴ نمبر ۹۸۷) (۲) قال عبد اللہ من فاتتہ العید فلیصل اربعاً (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۴۲۹ الرجل تقوۃ الصلوۃ فی العید کم یصلی ج ثانی ص ۸۷، نمبر ۸۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کی نماز عید فوت ہو جائے وہ نفل طور پر چار رکعت پڑھے۔

[۳۷۷] (۱۲) پس اگر لوگوں کو چاند نظر نہ آئے اور امام کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی زوال کے بعد دی تو عید کی نماز اگلی صبح کو پڑھے گا۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن ابی عمیر بن انس عن عمومۃ لہ من اصحاب النبی ﷺ ان رکبا جاءوا الی النبی ﷺ یشہدون انہم روا الہلال بالامس فامرہم ان یفطروا واذا أصبحوا ان یغدوا الی مصلاہم (د) (ابوداؤد شریف، باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ یمخرج من الغد ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۵۷ سنن للبیہقی، باب الشہود یشہدون علی رؤیۃ الہلال آخر النہار ج ثالث ص ۴۳۲، نمبر ۶۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد چاند دیکھنے کی گواہی آئے تو اگلے دن نماز عید پڑھی جائے گی۔

[۳۷۸] (۱۳) پس اگر کوئی عذر پیش آجائے کہ لوگوں کو دوسرے دن بھی نماز سے روک دے تو اس کے بعد نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔

**حاشیہ** : (الف) حضور، ابو بکر اور عمر عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے (ب) حضرت عطاء نے فرمایا اگر عید فوت ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھے (ج) حضرت عبد اللہ نے فرمایا جس کی عید فوت ہو جائے تو وہ چار رکعت نماز پڑھے (د) ابو عمیر بن انس فرماتے ہیں کہ کچھ سوار حضور کے پاس آئے۔ انہوں نے کل چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ انظار کرے اور جب صبح کرے تو عید گاہ کی طرف آئے۔

فان حدث عذر منع الناس من الصلوة فی اليوم الثانی لم یصلجها بعده [۳۷۹] (۱۴) ویتحب فی يوم الاضحی ان یغتسل یتطیب ویؤخر الاکل حتی یفرغ من الصلوة [۳۸۰] (۱۵) ویتوجه الی مصلى وهو یکبر [۳۸۱] (۱۶) ویصلی الضحی رکعتین کصلوة الفطر ویخطب بعدها خطبتین یعلم الناس فیها الاضحیة وتکبیرات التشریق

**تشریح** دوسرے دن بھی کسی عذر کی وجہ سے نماز عید نہیں پڑھ سکا تو اب تیسرے دن نماز عید نہیں پڑھی جائے گی۔

**ترجمہ** جمعہ کی نماز کی طرح عید کی بھی قضا نہیں ہونی چاہئے لیکن حدیث مذکور کی وجہ سے خلاف قیاس دوسرے دن قضا کروایا۔ لیکن تیسرے دن قضا کرنے کی حدیث نہیں ہے اس لئے تیسرے دن قضا نہیں کرے گا۔

[۳۷۹] (۱۴) عید الاضحیٰ کے دن مستحب ہے کہ غسل کرے، خوشبو لگائے اور کھانا مؤخر کرے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہو جائے۔

**ترجمہ** عید الاضحیٰ عید الفطر کی طرح ہے۔ اس لئے اس میں بھی غسل کرے گا اور خوشبو لگائے گا۔ ان دونوں کی دلیل مسئلہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے۔ اور کھانا نماز کے بعد کھانا مستحب ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا عبد اللہ بن بريدة عن ابیه ان النبی ﷺ کان لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم وکان لا یأکل یوم النحر شیئا حتی یرجع فیأکل من اضحیته (الف) (دارقطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۱۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی کے موقع پر نماز عید کے بعد کھائے گا (۲) یوں بھی روز کھاتا رہا ہے تو آج تھوڑی دیر کے لئے نہ کھائے تاکہ عبادت ہو جائے۔

[۳۸۰] (۱۵) عید گاہ کی طرف متوجہ ہوگا تکبیر کہتے ہوئے۔

**تشریح** زور سے تکبیر کہتے ہوئے عید گاہ جائے گا۔

**ترجمہ** حدیث مسئلہ نمبر ۳ میں گزر گئی۔ اثر بھی ہے۔ عن ابن عمرؓ انه کان غدا یام الاضحی ویوم الفطر یجهر بالتکبیر حتی یاتی المصلی ثم یکبر حتی یاتی الامام (دارقطنی، کتاب العیدین، ج ثانی، ص ۳۴، نمبر ۱۷۰۰)

[۳۸۱] (۱۶) عید الاضحیٰ کی نماز پڑھے گا دو رکعت عید الفطر کی نماز کی طرح اور اس کے بعد خطبہ دے گا دو خطبے اس میں لوگوں کو قربانی کے احکام اور تکبیر تشریق سکھائیں گے۔

**تشریح** عید الاضحیٰ کی نماز عید الفطر کی نماز کی طرح ہے۔ اور اس میں عید الفطر کی طرح دو خطبے دیئے جاتے ہیں۔ البتہ اس کے خطبے میں قربانی کے احکام اور تکبیر تشریق کے احکام سکھائے جائیں گے۔ کیونکہ خطبہ احکام سکھانے کے لئے مروج ہے اور یہ موقع قربانی اور تکبیر تشریق کا ہے۔ اس لئے یہی احکام سکھائے جائیں گے (۲) بخاری شریف، باب الاکل یوم النحر ص ۱۳۰ نمبر ۹۵۴ میں آپؐ نے عید الاضحیٰ کے خطبہ کے موقع پر قربانی کے احکامات بیان فرمائے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپ عید الفطر میں نہیں نکلتے یہاں تک کہ کھالیتے اور یوم النحر میں نہیں کھاتے کچھ، یہاں تک کہ واپس لوٹنے اور قربانی کے گوشت میں سے کھاتے۔

[۳۸۲] (۱۷) فان حدث عذر منع الناس من الصلوة يوم الاضحى صلاها من الغد و بعد الغد ولا يصليها بعد ذلك [۳۸۳] (۱۸) وتكبير التشريق اوله عقيب صلوة الفجر من يوم عرفة و آخره عقيب صلوة العصر يوم النحر عند ابی حنيفة [۳۸۴] (۱۹) وقال ابو يوسف و محمد الى صلوة العصر من آخر ايام التشريق [۳۸۵] (۲۰) والتكبير عقيب

[۳۸۲] (۱۷) پس اگر کوئی عذر پیش آجائے کہ لوگوں کو عید الاضحیٰ کی نماز سے روک دے تو نماز پڑھے گا کل اور پرسوں اور نہیں پڑھے گا اس کے بعد **تشریح** عید الاضحیٰ کی نماز دسویں تاریخ کو پڑھی جائے گی لیکن کوئی عذر پیش آجائے تو گیارہویں کو پڑھے اور اس پر بھی کوئی عذر پیش آجائے تو بارہویں کو پڑھے۔ البتہ تیرہویں کو نہیں پڑھ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قربانی تین دن مشروع ہے اور یہ عید قربانی کی ہے اس لئے بارہویں تک قربانی مشروع ہے تو بارہویں تک عید کی نماز بھی عذر کی وجہ سے پڑھ سکتا ہے۔

[۳۸۳] (۱۸) تکبیر تشریق اس کی ابتدا یوم عرفہ کی فجر کی نماز کے بعد سے یوم الآخر کے عصر کی نماز کے بعد تک ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔ **تشریح** تکبیر تشریق ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر کی نماز کے بعد شروع کرے گا اور ذی الحجہ کی عصر کی نماز کے بعد تک یعنی کل آٹھ نمازوں تک کہے گا۔

**وجہ** ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی وائل عن عبد الله انه كان يكبر من صلوة الفجر يوم عرفة الى صلوة العصر من يوم النحر (الف) مصنف بن ابی شیبہ ۴۱۴ تکبیر من ای یوم صوالی ای ساعۃ ج اول، ص ۲۸۸ نمبر ۳۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یوم الآخر یعنی دسویں ذی الحجہ کی عصر تک تکبیر تشریق کہی جائے گی۔

[۳۸۴] (۱۹) اور صاحبین نے فرمایا (یوم عرفہ کی فجر سے) آخری ایام تشریق کی عصر کی نماز تک۔

**تشریح** نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر کے بعد تک تکبیر تشریق صاحبین کے نزدیک کہی جائے گی۔

**وجہ** ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ يكبر في صلوة الفجر يوم عرفة الى صلوة العصر من آخر ايام التشريق حين يسلم من المكتوبات (ب) (دار قطنی، کتاب العیدین ج ثانی ص ۳۷ نمبر ۱۷۱۹ سنن للبیہقی، باب من استحب ان یجتدی بالتکبیر خلف صلوة الصبح من یوم عرفۃ ج ثالث ص ۴۴۰، نمبر ۶۲۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں کی صبح سے تیرہویں کی عصر تک تکبیر تشریق ہر فرض نماز کے بعد کہی جائے گی۔ آج کل اسی پر فتویٰ ہے۔

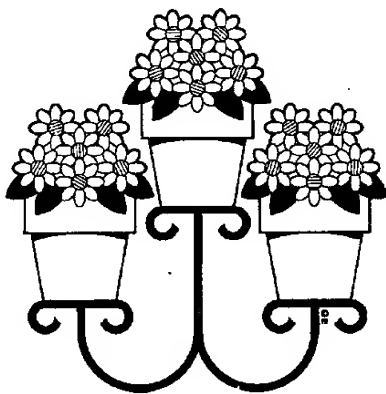
**اغت** عقیب : بعد میں

[۳۸۵] (۲۰) تکبیر فرض نماز کے بعد اس طرح ہے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن مسعود تکبیر تشریق کہتے تو یں تاریخ کی فجر کے بعد سے دسویں تاریخ کی عصر تک (ب) آپؐ بھی کہتے تھے نویں تاریخ کی فجر کے بعد سے آخری ایام تشریق کی عصر تک جس وقت فرض نماز کا سلام پھیرتے (نوٹ) آخری ایام تشریق تیرہویں ذی الحجہ تک ہے۔

الصلوات المفروضات الله اكبر الله اكبر لا اله الا الله والله اكبر الله اكبر والله الحمد.

فرض نماز کے بعد تکبیر کہنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۹ کی حدیث ہے حین یسلم من المكتوبات (دارقطنی نمبر ۱۷۱۹)



## ﴿باب صلوة الکسوف﴾

[۳۸۶] (۱) اذا انكسفت الشمس صلى الامام بالناس ركعتين كهيئة النافلة في كل ركعة ركوع واحد.

## ﴿باب صلوة الکسوف﴾

**ضروری نوٹ** سورج گرہن کو کسوف کہتے ہیں۔ اس وقت نماز سنت ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی بکرۃ قال کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس فقام رسول اللہ یجر رداءہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس فقال النبی ﷺ ان الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد فاذا رأیتموها فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم (الف) (بخاری شریف، باب الصلوة فی کسوف الشمس ص ۱۱۴ ابواب الکسوف نمبر ۱۰۴۱ ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵، اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج گرہن کے وقت نماز پڑھنی چاہئے۔

[۳۸۶] (۱) جب سورج گرہن ہو جائے تو امام لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائے گا نفل کی طرح ہر رکعت میں ایک رکوع۔  
**تشریح** سورج گرہن ہو جائے تو امام جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے گا۔ اور جس طرح عام نفل پڑھتے ہیں کہ ہر ایک رکعت میں ایک رکوع کرتے ہیں اور قرأت آہستہ کرتے ہیں۔ اسی طرح نماز کسوف بھی پڑھائیں گے۔

**وجہ** اوپر کی حدیث میں تھا کہ دو رکعت نماز پڑھائے گا۔ اور اس میں دو رکوع کا ذکر نہیں تھا اس لئے ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے (۲) عن قبیصة الهلالی قال کسفت الشمس علی عهد رسول اللہ فخرج فرعا یجر ثوبہ وانا معہ یومئذ بالمدينة فصلی رکعتین فاطال فیہما القيام ثم انصرف وانجلت فقال انما هذه الآيات یخوف اللہ عز وجل بها فاذا رأیتموها فصلوا اکا حدث صلوة صلیتموها من المکتوبة (ب) (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع رکعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۵ سنن للبیہقی باب من صلی فی الخوف رکعتین ج ثالث ص ۴۶۴ نمبر ۶۳۳) اس حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز میں جس طرح ایک رکوع کے ساتھ نماز پڑھی اسی طرح نماز سورج گرہن کی پڑھی جائیگی۔ احداث صلوة من المکتوبة سے فجر کی نماز مراد ہے۔ نیز اس حدیث میں دو مرتبہ رکوع کرنے کا تذکرہ نہیں ہے (۳) سمرۃ بن جندب کی لمبی حدیث ہے۔ جس کا کثر اس طرح ہے فصلی فقام بنا کاطول ما قام بنا فی صلوة قط لا نسمع له صوتا قال ثم سجد بنا

حاشیہ: (الف) ابی بکرہ فرماتے ہیں کہ ہم حضورؐ کے پاس تھے کہ سورج گرہن ہوا۔ تو حضورؐ اپنی چادر کھینچتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوئے تو ہم لوگ بھی داخل ہوئے تو ہمیں آپؐ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ یہاں تک کہ سورج کھل گیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کے مرنے سے گرہن نہیں ہوتے۔ اور جب کہ تم ایسی حالت دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو یہاں تک کہ کھل جائے جو ہو رہا ہے (ب) قبیصہ ہلائی فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں سورج گرہن ہوا تو آپؐ گھبرا کر نکلے کپڑا کھینچتے ہوئے اور میں آپؐ کے ساتھ اس دن مدینہ میں تھا۔ تو دو رکعت نماز پڑھائی اور ان دونوں میں لمبا قیام کیا۔ پھر واپس لوٹے اور سورج کھل گیا۔ پھر فرمایا یہ نشانیاں ہیں، اللہ عز وجل اس سے ڈراتے ہیں۔ پس جب اس کو دیکھو تو نماز پڑھو ابھی جوئی فرض نماز پڑھ چکے ہو یعنی فجر کی نماز کی طرح۔

[۳۸۷] (۲) ويطول القراءة فيهما ويخفى عند أبي حنيفة وقال ابو يوسف و محمد

كما طول ما سجد بنا في صلوة قط لا نسمع له صوتا ثم فعل في الركعة الاخرى مثل ذلك (الف) (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع ركعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے کہ ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کئے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج گرہن کی نماز میں ایک رکعت میں دو رکوع نہیں کریں گے۔ بلکہ ایک رکوع ہی کیا جائے گا (۴) صرف یہی ایک نماز ہے جس میں دو رکوع کا تذکرہ ہے باقی نمازوں میں ایک رکوع ہے۔ اس لئے امام ابو حنیفہ اس طرف گئے ہیں جس میں ایک رکوع کا تذکرہ ہے۔ البتہ کوئی دو رکوع کرے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ نماز صحیح ہوگی۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ سورج گرہن کی ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشة زوج النبی ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ صلى يوم خسفت الشمس فقام فكبر فقرأ قراءة طويلة ثم ركع ركوعا طويلا ثم رفع رأسه فقال سمع الله لمن حمده وقام كما هو ثم قرأ قراءة طويلة وهي ادنى من القراءة الاولى ثم ركع ركوعا طويلا وهي ادنى من الركعة الاولى ثم سجد سجودا طويلا ثم فعل في الركعة الآخرة مثل ذلك ثم سلم وقد تجلت الشمس (ب) (بخاری شریف، باب هل يقول كسفت الشمس اذ حفت ص ۱۳۲ نمبر ۱۰۴۷ مسلم شریف، کتاب الکسوف ص ۲۹۵ نمبر ۹۰۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہوں۔

[۳۸۷] (۲) دونوں رکعتوں میں قرأت لمبی کی جائے گی اور آہستہ کی جائے گی امام ابو حنیفہ کے نزدیک، اور کہا صاحبین نے کہ زور سے پڑھی جائے گی **پج** (۱) مسئلہ نمبر ایک میں ابوداؤد شریف کی حدیث گزری جس میں یہ الفاظ تھے فقام بنا كاطول ما قام بنا في صلوة قط لا نسمع له صوتا (ج) (ابوداؤد شریف، باب من قال اربع ركعات ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۴) اس حدیث میں راوی فرماتے ہیں کہ قیام کی حالت میں بھی آپ کی آواز ہم نہیں سنتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرأت سری کر رہے تھے (۲) اس ابوداؤد شریف کی دوسری حدیث ہے عن عائشة قالت كسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فخرج رسول الله ﷺ بالناس فقام فحزرت قرأته فرأيت انه قرأ سورة البقرة (د) (ابوداؤد شریف، باب القراءة في صلوة الكسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۷) اس حدیث میں ہے کہ میں نے اندازہ لگایا کہ آپ کی قرأت سورہ بقرہ اتنی لمبی تھی۔ اندازہ لگانے کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ نے قرأت زور سے نہیں کی۔ ورنہ تو صاف کہتے کہ

(ج) پس آپ نے نماز پڑھائی تو ہم کو اتنی لمبی دیر تک لیکر کھڑے ہوئے کہ کبھی بھی اتنی دیر تک لیکر کھڑے نہیں ہوئے۔ آپ کی کوئی آواز ہم نہیں سنتے تھے۔ پھر ہم کو اتنا لمبارکوع کرا دیا کہ کسی نماز میں اتنا لمبارکوع نہیں کرا دیا۔ ہم آپ کی کوئی آواز نہیں سنتے تھے۔ فرمایا پھر ہم کو اتنا لمبارکوع کرا دیا کہ اتنا لمبارکوع کسی نماز میں کبھی نہیں کرا دیا۔ ہم آپ کی کوئی آواز نہیں سنتے تھے۔ پھر دوسری رکعت میں ایسا ہی کیا (ب) آپ نے نماز پڑھی اس دن جب سورج گرہن ہوا۔ پس کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی اور لمبی قرأت کی، پھر لمبارکوع کیا، پھر سر اٹھایا پھر کہا سمع اللہ لمن حمدہ پھر کھڑے ہوئے جیسے تھے پھر لمبی قرأت کی وہ پہلی قرأت سے کم تھی پھر لمبارکوع کیا وہ پہلی رکوع سے کم تھا پھر لمبارکوع کیا پھر دوسری رکعت میں بھی ایسا ہی کیا پھر سلام پھیرا اور سورج کھل چکا تھا (ج) ہم کو بہت لمبی دیر تک لیکر کھڑے ہوئے کسی بھی نماز میں اتنی دیر تک لیکر کھڑے نہیں ہوئے۔ ہم آپ کی آواز نہیں سن رہے تھے (د) حضرت عائشہ نے فرمایا سورج حضور کے زمانے میں گرہن ہوا تو حضور ﷺ نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی، پس کھڑے ہوئے تو میں نے آپ کی قرأت کا اندازہ لگایا تو دیکھا کہ آپ نے سورہ بقرہ کے مطابق پڑھی ہے۔



یجهر [۳۸۸] (۳) ثم يدعوبعدها حتى تنجلي الشمس [۳۸۹] (۴) ویصلی بالناس الامام الذی یصلی بهم الجمعة فان لم یحضر الامام صلیہا الناس فرادی [۳۹۰] (۵) ولیس فی خسوف القمر جماعة وانما یصلی کل واحد بنفسه [۳۹۱] (۶) ولیس فی الکسوف

آپؐ نے سورہ بقرہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ کسوف میں قرأت سری تھی۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ قرأت زور سے پڑھی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة قالت جهر النبی ﷺ فی صلوٰۃ الخسوف بقراءتہ (بخاری شریف، باب الجھر بالقراءۃ فی الکسوف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۵ ابوداؤد شریف، باب القراءة فی صلوٰۃ الکسوف ص ۱۷۵ نمبر ۱۱۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے قرأت جہری کی تھی۔ اس لئے سورج گرہن کی نماز میں جہری قرأت سنت ہے۔

[۳۸۸] (۳) پھر دعا کریں گے یہاں تک کہ سورج کھل جائے۔

**تشریح** سورج گرہن کی نماز لمبی پڑھی جائے گی۔ لیکن لمبی نماز پڑھنے کے بعد بھی گرہن ختم نہ ہو تو دعا کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ ..... فقال ان الشمس والقمر آیتان من آیت اللہ وانہما لا یخسفان لموت احد فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف ما بکم (الف) (بخاری شریف، باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں ہے کہ نماز پڑھو اور اس وقت تک دعا کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے۔

[۳۸۹] (۴) لوگوں کو وہ امام نماز پڑھائے جو لوگوں کو جمعہ پڑھاتے ہیں، پس اگر امام حاضر نہ ہو تو لوگ تنہا نماز پڑھیں گے۔

**وجہ** امام نہیں ہونگے تو لوگ انتشار پھیلانیں گے اور شور کریں گے اس لئے امام ہو تو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائے اور امام نہ ہو تو پھر الگ الگ نماز پڑھے (۲) سورج گرہن کے وقت حضورؐ نے نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز پڑھائیں گے۔

[۳۹۰] (۵) اور چاند گرہن میں جماعت نہیں ہے۔ صرف ہر آدمی الگ الگ نماز پڑھے گا۔

**وجہ** چاند گرہن رات میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے اور زیادہ اندھیرا ہو جائے گا۔ اس لئے اگر چاند گرہن میں جماعت کا التزام کرے تو لوگوں کو پریشانی ہوگی۔ اور انتشار ہوگا۔ اس لئے چاند گرہن کے موقع پر لوگ تنہا نماز پڑھیں گے (۲) ضروری نوٹ میں حدیث بخاری گزری فاذا کان ذلک فصلوا وادعوا حتی یکشف بکم (بخاری شریف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۴۰) اس میں یہ ترغیب دی کہ اس قسم کی اللہ کی آیتیں ظاہر ہوں تو خود بخود نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اس لئے چاند گرہن میں لاگ الگ الگ نماز پڑھیں گے۔

[۳۹۱] (۶) اور نماز کسوف میں خطبہ نہیں ہے۔

حاشیہ (الف) آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے نشانیاں ہیں۔ وہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے، پس جب ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرتے رہو یہاں تک کہ یہ کھل جائیں۔

## خطبہ.

**تشریح** حضورؐ نے نماز کسوف کے بعد خطبہ دیا ہے لیکن وہ ایک رسم کو دور کرنے کے لئے تھا کہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی کے مرنے یا زندہ ہونے پر سورج گرہن ہوتا ہے اور اس دن آپؐ کا صاحبزادہ حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا۔ اس لئے آپؐ نے اس کی نفی کے لئے خطبہ دیا لیکن نماز عید اور نماز جمعہ کی طرح باضابطہ خطبہ دینا ضروری نہیں ہے۔ خطبہ کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ ایسے آیۃ من آیات اللہ کے وقت نماز پڑھنا دعا کرنا اور اپنے گناہوں کا استغفار کرنا اصل ہے۔ اس کی طرف خود راوی اشارہ فرما رہے ہیں عن ابی بکرۃ ... فقال (ﷺ) ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ وانہما لا یخسفان لموت احد و اذا کان ذلک فصلوا و ادعوا حتی ینکشف ما بکم و ذلک ان ابنا للنبی ﷺ مات یقال لہ ابراہیم فقال الناس فی ذلک (الف) (بخاری شریف، باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۶۳) اس حدیث میں نماز کے بعد فقال: سے اخیر تک خطبہ دیا ہے۔ لیکن راوی خود فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اس بنا پر تھا کہ آپؐ کے صاحبزادے ابراہیم کا اس دن انتقال ہوا تھا۔ اس لئے لوگوں کے اعتقادات کو ختم کرنے کے لئے خطبہ دیا تھا۔ ورنہ اصل تو فصلوا و ادعوا ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ فاذا رأیتم شیتا من ذلک فافزعوا الی ذکر اللہ ودعائه واستغفاره (ب) (بخاری شریف، باب الذکر فی الکسوف ص ۱۴۵ نمبر ۱۰۵۹) کہ ان آیات کے وقت گھبرا کر اللہ کے ذکر اور استغفار کی طرف جاؤ۔ کبھی لوگوں کو یہ سب مسائل سمجھانے کی ضرورت پڑے تو سمجھا دیں۔ باضابطہ خطبہ ضروری نہیں کہ اس کے بغیر نماز کسوف نہیں ہوگی۔



حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا سورج اور چاند اللہ کی آیتوں میں سے نشانیاں ہیں۔ وہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن نہیں ہوتے۔ پس جب یہ ہو تو نماز پڑھو اور دعا کرتے رہو۔ یہاں تک کہ یہ کھل جائیں۔ اور یہ اس بنا پر کہا کہ حضورؐ کے صاحبزادے جبرائیلؑ کہتے تھے کہ انتقال ہوا تھا۔ تو لوگ اس کے بارے میں بہت سی بات کہتے تھے (ب) پس ان نشانیوں میں کوئی چیز دیکھو تو گھبرا کر دوڑو اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار کی طرف۔

## ﴿باب صلوة الاستسقاء﴾

[۳۹۲] (۱) قال ابو حنیفہ لیس فی الاستسقاء صلوة مسنونة بالجماعة فان صلی الناس وحدانا جاز وانما الاستسقاء الدعاء والاستغفار [۳۹۳] (۲) وقال ابو یوسف و محمد

## ﴿باب صلوة الاستسقاء﴾

**ضروری نوٹ** استسقاء کے معنی ہیں بارش طلب کرنا، ملک میں قحط سالی ہو جائے اور بارش نہ ہو تو استسقاء کیا جاسکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز پڑھنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ صرف دعا سے بھی استسقاء ہو سکتا ہے اور نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک نماز استسقاء مسنون ہے۔ دونوں کی دلیلیں نیچے آ رہی ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے فقلت استغفروا ربکم ان کان غفارا ۵ یسل السماء علیکم مدرارا ۵ (ب) (آیت ۱۰/۱۱ سورہ نوح ۱۷) اس آیت میں ہے کہ اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کرو تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر خوب بارش برسائے۔ اور چونکہ نماز استسقاء میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنا ہے اس لئے اس آیت سے استسقاء ثابت ہوتا ہے۔

[۳۹۲] (۱) امام ابو حنیفہ نے فرمایا استسقاء میں جماعت کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ پس اگر تنہا تنہا نماز پڑھے تو جائز ہے، استسقاء صرف دعا اور استغفار کا نام ہے۔

**تشریح** آپؐ نے کبھی نماز استسقاء پڑھی ہے اور کبھی صرف جمعہ کے خطبہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ اس لئے استسقاء دونوں طرح جائز ہے۔ صرف نماز ہی پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

**مجہ** آیت اوپر گزری جس میں یہ حکم ہے کہ اپنے گناہوں سے توبہ اور استغفار کرو تو بارش خوب ہوگی۔ جس سے معلوم ہوا کہ گناہوں سے توبہ کر کے بارش مانگنا استسقاء ہے (۲) حدیث میں ہے کہ استسقاء کے لئے جمعہ کے خطبہ کے وقت اپنے ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہے۔ اسی سے بارش ہوگی عن انس بن مالک ان رجلا دخل المسجد يوم الجمعة و رسول الله ﷺ قائما یخطب ... فرفع رسول الله یدیه قال اللهم اغننا (الف) (بخاری شریف، باب الاستسقاء فی خطبہ الجمعة غیر مستقبل القبلة ص ۳۸ نمبر ۱۰۱۴/۱۰۱۵ مسلم شریف، کتاب الاستسقاء ص ۱۹۳ نمبر ۸۹۷/۸۹۸ ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الاستسقاء ص ۷۳ نمبر ۱۱۷۵، اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے اس کے لئے مستقل نماز نہیں پڑھی صرف دعا پر اکتفا کیا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک نماز ضروری نہیں، صرف دعا اور استغفار سے بھی استسقاء ہو جائے گا۔ اور نماز پڑھ لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔

[۳۹۳] (۲) امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا امام دو رکعت نماز پڑھائیں گے۔ اور اس میں قرأت زور سے پڑھیں گے۔

**مجہ** ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عباد بن تمیم عن عمہ قال خرج النبی ﷺ یتسقی فتوجه الی القبلة یدعو و حول

حاشیہ : (الف) میں نے کہا اپنے رب سے استغفار کرو، وہ بہت معاف کرنے والے ہیں۔ تم پر مسلسل بارش برسائے گا (ج) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہوا اور حضور کھڑے خطبہ دے رہے تھے... آپؐ نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اللهم اغننا۔

رحمهما اللہ تعالیٰ یصلی الامام رکعتین یجهر فیہما بالقراءة [۳۹۴] (۳) ثم یخطب  
و یتقبل القبلة بالدعاء ویقلب الامام ردائه ولا یقلب القوم اردیتهم [۳۹۵] (۴) ولا  
یحضر اهل الذمة للاستسقاء.

رداء ۵ ثم صلی رکعتین یجهر فیہما بالقراءة (الف) (بخاری شریف، باب الحجر بالقراءة فی الاستسقاء ص ۱۳۹ نمبر ۱۰۲۴) ارسل  
شریف، کتاب صلوۃ الاستسقاء ص ۲۹۳ نمبر ۸۹۴/۱ ابوداؤد شریف، ابواب صلوۃ الاستسقاء ص ۱۷۱ نمبر ۱۱۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام دو  
رکعت نماز پڑھائیں گے۔ اور قرأت جہری کریں گے اور چادر کو بھی نیک فالی کے لئے پلٹیں گے کہ یا اللہ جس طرح چادر پلٹ رہا ہوں اس  
طرح میری حالت کو بھی پلٹ دے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے وقت قبلہ کی طرف استقبال کرے۔

[۳۹۴] (۳) پھر امام خطبہ دے اور دعا کرتے ہوئے قبلہ کا استقبال کرے اور امام اپنی چادر کو پلٹے اور قوم اپنی اپنی چادر نہ پلٹے۔

باقی باتوں کے دلائل گزر گئے۔ خطبہ دینے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت شکا الناس الی رسول اللہ ﷺ فحوط  
المطر فامر بمنبر فوضع له فی المصلی... فقعد علی المنبر فکبر وحمد اللہ عزوجل الخ (ب) (ابوداؤد شریف، باب  
رفع الیدین فی الاستسقاء ص ۷۲ نمبر ۱۱۷۳) اس حدیث میں اس کا تذکرہ ہے کہ آپ کے لئے منبر رکھا گیا اور اس پر آپ بیٹھ گئے اور تکبیر و تحمید  
کی جس میں خطبہ کا اشارہ ہے۔ البتہ ایسا خطبہ نہیں دیا جو عیدین اور جمعہ میں دیا جاتا ہے۔ اسی لئے بعض حدیث میں ہے کہ اس طرح کا خطبہ  
نہیں دیا کرتے تھے (۲) عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ یتسقی فخطب الناس فلما اراد ان یدعو اقبل  
بوجهہ الی القبلة حول رداء ۵ (دارقطنی، کتاب الاستسقاء ج ثانی ص ۵۴ نمبر ۱۷۸۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ نماز استسقاء میں  
خطبہ دینا چاہئے۔ اور لوگوں کو اسغفار اور توبہ کے بارے میں سمجھانا چاہئے۔

[۳۹۵] (۴) استسقاء میں ذمی حاضر نہ ہوں۔

ذمی کافر ہیں۔ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اس لئے پانی مانگنے کے موقع پر مغضوب آدمیوں کو حاضر نہیں کرنا چاہئے۔



حاشیہ : (الف) حضور پانی مانگنے کے لئے نکلے، پس قبلہ کی طرف متوجہ ہوئے دعا کرے ہوئے اور اپنے چادر کو پلٹا۔ پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ ان دونوں میں زور سے  
قرأت پڑھی (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضور کے سامنے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ پس منبر لانے کا حکم دیا گیا۔ پس آپ کے لئے عید گاہ میں  
منبر رکھا گیا... آپ اس پر تشریف فرما ہوئے پھر تکبیر کی، اللہ کی تعریف کی (پھر آگے لہا خطبہ دینے کا ذکر ہے)

## ﴿باب قیام شهر رمضان﴾

[۳۹۶] (۱) يستحب ان يجتمع الناس في شهر رمضان بعد العشاء فيصلی بهم امامهم

## ﴿باب قیام شهر رمضان﴾

**ضروری نوٹ** قیام رمضان سے مراد یہاں تہجد نہیں ہے بلکہ تراویح ہے۔ مسلم شریف میں 'باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح' باب باندھا ہے کہ قیام رمضان وہ تراویح ہے۔

[۳۹۶] (۱) مستحب یہ ہے کہ لوگ رمضان کے مہینہ میں عشا کے بعد جمع ہوں اور امام ان کو پانچ ترویجہ پڑھائے۔ اور ہر ترویجہ میں دو سلام ہوں **شرح** ہر ترویجہ میں دو مرتبہ سلام پھیریں گے۔ دو رکعت اور دو رکعت چار رکعتیں ہوں گی۔ تو گویا کہ ہر ترویجہ میں چار رکعتیں ہوئیں تو پانچ ترویجہ میں بیس رکعتیں ہوئیں۔

**نوٹ** تراویح پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) ان عائشة اخبرته ان رسول الله ﷺ خرج ليلة من جوف الليل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلاته فاصبح الناس فتحدثوا فاجتمع اكثر منهم فصلی فصلوا معه فاصبح الناس فتحدثوا فكثر اهل المسجد من الليلة الثالثة فخرج رسول الله فصلی بصلوته فلما كانت الليلة الرابعة عجز المسجد عن اهلته حتى خرج لصلوة الصبح فلما قضی الفجر اقبل على الناس فتشهد ثم قال اما بعد ! فانه لم يخف على مكانكم لكني خشيت ان تفرض عليكم فتعجزوا عنها فتوفي رسول الله والامر على ذلك (الف) (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۲ / مسلم شریف، باب الترغیب فی قیام رمضان وهو التراویح ص ۲۵۹ نمبر ۷۶۱ / ۸۴۷ / ابوداؤد شریف، کتاب تفریع ابواب شهر رمضان باب فی قیام شهر رمضان ص ۲۰۲ نمبر ۱۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور تراویح کے لئے رمضان میں تین راتیں کھڑے ہوئے تھے اور لوگوں کو تراویح پڑھانی تھی۔ البتہ ہمیشہ اس لئے نہیں پڑھائی کہ کہیں فرض نہ ہو جائے۔

بیس رکعت تراویح کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال كان النبی ﷺ یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعۃ بعشرین رکعة والوتر (ب) (سنن للبیہقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان ج ثانی ص ۶۸۹، نمبر ۳۶۱۵) (۲) ان عمر بن خطاب امر رجلا یصلی بهم عشرين رکعة (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۶۷۷ کم۔ یصلی فی رمضان من رکعة، ج ثانی، ص

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ نے خبر دی کہ حضور ایک رات درمیان رات میں نکلے تو مسجد میں نماز پڑھائی اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی، صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے تو دوسری رات اس سے زیادہ جمع ہو گئے تو آپ نے نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ صبح ہوئی تو لوگ باتیں کرنے لگے۔ تو مسجد والے تیسری رات زیادہ ہو گئے تو حضور نکلے اور ان کو نماز پڑھائی تو لوگوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس جب چوتھی رات ہوئی تو مسجد نمازیوں سے ناکافی ہو گئی۔ یہاں تک کہ آپ صبح کی نماز کے لئے نکلے۔ پس جب فجر کی نماز پڑھی تو لوگوں پر متوجہ ہوئے۔ آپ نے تشہد پڑھی پھر فرمایا اما بعد ! تمہارے حرکات مجھ پر پوشیدہ نہیں تھے لیکن میں ڈرتا ہوں کہ تم پر تراویح فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔ پھر حضور کا انتقال ہوا اور معاملہ ایسا ہی تھا (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضور رمضان کے مہینہ میں بغیر جماعت کے بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے (ج) حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعتیں پڑھائے۔

## خمس ترویحات فی کل ترویحة تسلیمتان. [۳۹۷] (۲) ویجلس بین کل ترویحتین

۱۶۵، نمبر ۶۸۱، مصنف عبدالرزاق، باب قیام رمضان ج رابع ص ۲۶۰ نمبر ۷۳۰ (۷۷) اس حدیث اور عمل صحابہ سے معلوم ہوا کہ تراویح کی نماز بیس رکعتیں ہیں۔

**نوٹ** حضرت عائشہ کی حدیث میں ہے کہ رمضان اور غیر رمضان میں آپ نے گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی اور اس حدیث کو امام بخاری وغیرہ نے باب قیام رمضان میں لایا ہے۔ یہ حدیث تراویح کی بیس رکعتوں کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیام اللیل سے مراد اس حدیث میں تہجد کی نماز ہے۔ کیونکہ (۱) اس حدیث کو مسلم شریف میں اور بخاری شریف میں تہجد اور وتر کے باب میں بھی نقل کیا ہے (۲) اس حدیث میں تذکرہ ہے کہ آپ چار رکعتیں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے جن کے حسن کا کیا کہنا۔ اور تراویح کی نماز ایک ساتھ چار رکعت نہیں ہوتی۔ بلکہ دو دو رکعت کر کے ہوتی ہے۔ اس لئے وہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث کا کلمہ اس طرح ہے یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنہن و طولہن ثم یصلی اربعاً فلا تسأل عن حسنہن و طولہن ثم یصلی ثلثاً (الف) (بخاری شریف، باب فضل من قام رمضان ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۱۳ مسلم شریف، نمبر ۷۳۸) اس حدیث میں ذکر ہے کہ آپ چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے تھے اور پھر چار رکعت ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ اور چار رکعت ایک ساتھ تراویح کی نہیں پڑھتے اس لئے یہ تہجد کے بارے میں ہے (۳) سنن للبیہقی نے دونوں روایتوں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ پہلے گیارہ رکعت تہجد پڑھتے ہوں گے۔ پھر بیس رکعت تراویح پڑھتے ہوں گے۔ ان کا جملہ اس طرح ہے ویمکن الجمع بین الروایتین فانہم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث (ب) (سنن للبیہقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ج ثانی ص ۶۹۹، نمبر ۳۶۱۸)

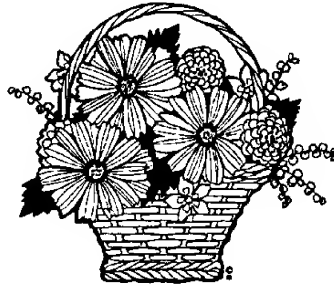
[۳۹۷] (۲) ہر دو ترویجہ کے درمیان بیٹھے گا ترویجہ کی مقدار پھر لوگوں کو وتر پڑھائے گا۔ اور وتر رمضان کے علاوہ میں جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی جائے گی۔

**ج** دو ترویجہ کے درمیان بیٹھے کے لئے اثر یہ ہے کان عمر بن خطاب یروحنا فی رمضان یعنی بین الترویحتین قدر ما یذهب الرجل من المسجد الی سلع (ج) (سنن للبیہقی، باب ما روی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان ص ۷۰۰، نمبر ۴۶۲۲) اس عمل سے معلوم ہوا کہ دو ترویجہ کے درمیان تھوڑا آرام بھی کرنا چاہئے تاکہ لوگ پریشان نہ ہو جائیں۔ اور رمضان میں نماز وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی۔ اس کے لئے اثر یہ ہے مسئلہ نمبر ایک میں بیہقی کی حدیث گزر چکی ہے کہ وتر بھی تراویح کے ساتھ پڑھا کرتے تھے (۲) یہ اثر ہے عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامرهم منهم رجلاً یصلی بالناس عشرين رکعة قال وکان علی

حاشیہ : (الف) آپ چار رکعت نماز پڑھتے تو اس کے حسن اور لمبائی کو مت پوچھو، پھر چار رکعت پڑھتے تو مت پوچھو اس کے حسن اور لمبائی کو، پھر تین رکعت پڑھتے (ب) ممکن ہے دونوں روایتوں کے درمیان اس طرح جمع کرنا کہ وہ لوگ گیارہ رکعت پڑھتے پھر کھڑے ہوتے اور بیس رکعت پڑھتے اور تین رکعت وتر پڑھتے (ج) عمر بن خطاب ہم کو رمضان میں آرام دیتے یعنی دو ترویجہ کے درمیان اتنی مقدار کہ آدمی مسجد سے مقام سلع جاسکے۔

مقدار ترویحة ثم یوتر بهم ولا یصلی الوتر بجماعة فی غیر شهر رمضان.

یوترهم (الف) (سنن للبیہقی، باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شهر رمضان ص ۶۹۹، نمبر ۴۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمضان میں وتر جماعت کے ساتھ پڑھائی جائے گی۔ اور دنوں میں لوگ اپنے اپنے طور پر وتر پڑھیں گے۔



(الف) حضرت علیؑ نے قراء کو بلایا رمضان میں اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت نماز پڑھائے۔ فرمایا کہ حضرت علیؑ ان کو وتر پڑھایا کرتے

تھے۔

## ﴿باب صلوة الخوف﴾

[۳۹۸] (۱) اذا اشتد الخوف جعل الامام الناس طائفتين طائفة الى وجه العدو و طائفة خلفه فيصلی بهذه الطائفة ركعة و سجدتين فاذا رفع رأسه من السجدة الثانية مضت هذه

## ﴿باب صلوة الخوف﴾

**سرورنی نوٹ** نماز خوف کی صورت یہ ہے کہ تمام آدمی ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہتے ہوں تو امام دو جماعتیں بنادیں گے۔ اور ہر ایک جماعت کو آدمی آدمی نماز پڑھائیں گے۔ لیکن اگر دو امام ہوں تو ہر ایک جماعت الگ الگ امام کے پیچھے پوری پوری نماز پڑھیں گے۔ پھر آدمی آدمی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ جب تک حضور حیات رہے تو ہر ایک آدمی اپنی آخری نماز آپ کے پیچھے پڑھنا چاہتا تھا اس لئے آپ کی حیات میں نماز خوف تھی۔ لیکن آپ کے بعد اب اس طرح نماز پڑھنا منسوخ ہے۔ اب دو الگ الگ امام ہوں گے اور دونوں جماعتیں الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھیں گی۔ ان کا استدلال اس آیت سے ہے جو صلوة خوف کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ واذا كنت فيهم قاومت لهم الصلوة فلتقم طائفة منهم معك وليأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فليكونوا من ورائكم ولتات طائفة اخرى لم يصلوا فليصلوا معك وليأخذوا حذرهم واسلحتهم (الف) (آیت ۱۰۲ سورۃ النساء ۴) اس آیت میں حضور کو خطاب ہے کہ آپ موجود ہوں تو لوگوں کو نماز خوف پڑھائیں۔ جس کا مطلب یہ نکل سکتا ہے کہ آپ کے بعد نماز خوف اس طرح نہیں پڑھی جائے گی۔

**فائدہ** جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے لوگوں کو نماز خوف پڑھائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں بھی صلوة خوف جائز ہے عن ابی العالیة قال صلی بنا ابو موسیٰ الاشعری باصبهان صلوة الخوف (ب) (سنن للبیہقی، باب الدلیل علی ثبوت صلوة الخوف وانھا لم تنسخ ج ثالث ص ۳۵۸، نمبر ۶۰۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بعد میں بھی نماز خوف پڑھائی جاسکتی ہے۔

**نوٹ** اوپر کی آیت اور یہ حدیث صلوة خوف کے جواز کی دلیل ہے۔

[۳۹۸] (۱) جب خوف سخت ہو جائے تو امام لوگوں کو دو جماعت بنائے گا۔ ایک جماعت دشمن کے مقابلہ میں اور دوسری جماعت امام کے پیچھے۔ پس امام پہلی جماعت کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے گا، پس جب کہ دوسرے سجدہ سے سر اٹھائے پہلی جماعت چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر، اور دوسری جماعت آئے گی تو اس کو امام نماز پڑھائے گا ایک رکعت اور دو سجدے۔ اور امام تشہد پڑھے گا اور سلام پھیرے گا لیکن دوسری جماعت سلام نہیں پھیرے گی بلکہ چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔ اور پہلی جماعت آئے گی اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے اکیسے نماز پڑھے گی بغیر قرأت کے (کیونکہ وہ لاحق ہے اور لاحق پر قرأت نہیں ہے اس لئے وہ قرأت نہیں کرے گی) اور تشہد پڑھے گی اور سلام پھیرے گی

حاشیہ : (الف) جب آپ لوگوں میں موجود ہوں تو آپ ان کے لئے نماز قائم کیجئے۔ تو ایک جماعت ان میں سے آپ کے ساتھ کھڑی ہونی چاہئے اور ان کو اپنے ہتھیار لینے چاہئے۔ پس جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت آئے۔ جس نے نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور اپنا بچاؤ اختیار کریں اور ہتھیار لیں (ب) ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ابو موسیٰ اشعری نے اصفہان میں نماز خوف پڑھائی۔



الطائفة الى وجه العدو وجاءت تلك الطائفة فيصلی بهم الامام ركعة و سجدتين و تشهد و سلم و لم یسلموا و ذهبوا الى وجه العدو و جاءت الطائفة الاولى فصلوا و حدانا ركعة و سجدتين بغير قراءة و تشهد و اسلموا و مضوا الى وجه العدو و جاءت الطائفة الاخری

گی اور چلی جائے گی دشمن کے مقابلہ پر۔ اور دوسری جماعت آئے اور وہ ایک رکعت اور دو سجدے نماز پڑھیں قرأت کے ساتھ (اس لئے کہ یہ مسبوق ہیں اور مسبوق اپنی نماز پوری کرتے وقت قرأت کریں گے) اور تشہد پڑھیں اور سلام پھیر دیں۔ پس اگر امام مقیم ہو تو پہلی جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائے گا اور دوسری جماعت کو دو رکعت۔

**منہج** صلوة خوف کا جواز اس حدیث سے بھی ہوتا ہے۔ ان عبد اللہ بن عمر قال غزوت مع رسول اللہ ﷺ قبل نجد فوازيبا العدو فصاففنا لهم فقام رسول الله يصلي لنا فقامت طائفة معه و اقبلت طائفة على العدو وفر كع رسول الله ﷺ بمن معه و سجد سجدتين ثم انصرفوا مكان الطائفة التي لم تصل فجاءوا وفر كع رسول الله بهم ركعة و سجد سجدتين ثم سلم فقام كل واحد منهم فر كع لنفسه ركعة و سجد سجدتين (الف) (بخاری شریف، ابواب صلوة الخوف ص ۱۲۸ نمبر ۹۴۲) ابوداؤد شریف، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ثم يسلم ص ۱۸۴، ابواب صلوة الخوف نمبر ۱۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز خوف میں دو جماعتیں بنائے گا اور امام ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا۔ اور باقی ایک رکعت خود اپنے اپنے نور پر پڑھیں گے۔

نماز خوف پڑھنے کا جو طریقہ اوپر ذکر ہوا یہ حنفیہ کے یہاں مستحب ہے۔ اگر اس کے خلاف اور طریقے جو حدیث میں منقول ہیں ان کے مطابق نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ اس طریقہ کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہیں (۱) امام ابو حنیفہ کی نظر آیت کے اس جملہ کی طرف گئی ہے فاذا سجدوا فيلبيكونوا من ورائكم ولتأت طائفة اخرى لم يصلوا (ب) (آیت ۱۰۲ سورة النساء) اس آیت میں ہے کہ پہلی جماعت ایک رکعت کا سجدہ کر لے تو اس کو پیچھے چلے جانا چاہئے جس میں اشارہ ہے کہ دوسری رکعت اس کو فوراً نہیں پڑھنی چاہئے وہ بعد میں پوری کرے گی (۲) قاعدہ کے اعتبار سے حنفیہ کی بتائی ہوئی صورت میں پہلی جماعت نماز سے پہلے فارغ ہوگی اور دوسری جماعت بعد میں فارغ ہوگی اور قاعدہ کا تقاضا بھی یہی ہے (۳) اس صورت میں امام کو مقتدیوں کا انتظار کرنا پڑتا نہیں ہے اور اگر پہلی جماعت دوسری رکعت فوراً پوری کرے تو امام کو اتنی دیر تک دوسری جماعت کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔ اور یہ امامت کے عہدے کے خلاف ہے۔ اس لئے پہلی جماعت

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کے ساتھ غزوہ کیا جبکہ ایک جانب تو ہم نے دشمن کا سامنا کیا تو ان کے لئے صف بنائی تو حضور کھڑے ہو کر ہمیں نماز پڑھانے لگے تو ایک جماعت ان کے ساتھ کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہوئی تو حضور نے ایک رکعت اور دو سجدے ان لوگوں کو پڑھائے جو ان کے ساتھ تھے۔ پھر وہ لوگ پھر اس جماعت کی جگہ پر گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی۔ پھر وہ لوگ آئے اور حضور نے ان کو ایک رکعت اور دو سجدے پڑھائے۔ پھر حضور نے سلام پھیرا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑے ہوئے اور اپنی اپنی ایک رکعت اور دو سجدے پورے کئے (ب) پس جب کہ پہلی جماعت سجدہ کر لے تو ان کو پیچھے ہو جانا چاہئے اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی۔

وصلوا رکعة وسجدتين بقراءة وتشهدوا وسلموا فان كان مقيما صلى بالطائفة الاولى ركعتين وبالثانية ركعتين [۳۹۹] (۲) ويصلى بالطائفة الاولى ركعتين من المغرب وبالثانية ركعة [۴۰۰] (۳) ولا يقاتلون في حال الصلوة فان فعلوا ذلك بطلت صلواتهم

ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے پھر دوسری جماعت ایک رکعت پڑھ کر دشمن کے سامنے جائے اور پہلی جماعت آکر دوسری رکعت پوری کرے۔ اس کے پورا کرنے کے بعد وہ دشمن کے سامنے جائے اور دوسری جماعت بعد میں اپنی پہلی رکعت پوری کرے (۳) محمد قال اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهيم في صلوة الخوف قال اذا صلى الامام باصحابه فلتقم طائفة منهم مع الامام وطائفة بازاء العدو فيصلی الامام بالطائفة الذين معه ركعة ثم تنصرف الطائفة الذين صلوا مع الامام من غير ان يتكلموا حتى يقوموا مقام اصحابهم وتأتی الطائفة الاخری فيصلون مع الامام الركعة الاخری ثم ينصرفون من غير ان يتكلموا حتى يقوموا في مقام اصحابهم وتأتی الطائفة الاولى حتى يصلوا ركعة وحدانا ثم ينصرفون فيقومون مقام اصحابهم وتأتی الطائفة الاخری حتى يقضوا الركعة التي بقيت عليهم وحدانا (الف) (كتاب الآثار لا امام محمد، باب صلوة الخوف ص ۳۹، نمبر ۱۹۴) اس اثر سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

**نکتہ** امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ابوداؤد شریف کی حدیث کی وجہ سے یہ ہے کہ پہلی جماعت امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کے بعد دوسری رکعت اسی وقت پوری کر لے اور سلام پھیر دے۔ پھر دشمن کے سامنے جائے اور امام اتنی دیر دوسری جماعت کا انتظار کریں گے۔ پھر دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ ایک پڑھ کر امام سلام پھیریں گے اور دوسری جماعت دوسری رکعت پوری کر کے سلام پھیرے گی (ابو داؤد، باب صلوة الخوف ص ۸۱ نمبر ۱۲۴۰ میں یہ حدیث موجود ہے)

[۳۹۹] (۲) اور نماز پڑھائے گا پہلی جماعت کو مغرب کی دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت۔

**وجہ** تین رکعت کا آدھا نہیں ہوتا اس لئے پہلی جماعت کو امام صاحب دو رکعتیں نماز پڑھائیں گے۔ اور دوسری جماعت کو ایک رکعت نماز پڑھائیں گے۔

[۴۰۰] (۳) اور نماز کی حالت میں قتل نہیں کریں گے۔ پس اگر قتل کیا تو ان کی نماز باطل ہو جائے گی۔

**وجہ** (۱) قتل کرنا عمل کثیر ہے اس لئے قتل کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور دوبارہ نماز پڑھنا ہوگی (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے

حاشیہ : (الف) امام محمد نے فرمایا کہ مجھ کو ابو حنیفہ نے حماد سے اور وہ ابراہیم سے خبر دی نماز خوف کے بارے میں کہا جب امام اپنے ساتھی کو نماز پڑھائے تو ان میں سے ایک جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہو۔ اور ایک جماعت دشمن کے مقابلہ پر۔ تو امام نماز پڑھائے گا اس جماعت کو جو اس کے ساتھ ہے ایک رکعت، پھر وہ جماعت جس نے امام کے ساتھ نماز پڑھی پھر جائے گی بغیر کلام کئے ہوئے یہاں تک کہ اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑی ہو جائے اور دوسری جماعت آئے اور امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے۔ پھر واپس لوٹ جائے بغیر کلام کئے ہوئے یہاں تک کہ اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑی ہو جائے۔ اور پہلی جماعت آئے یہاں تک کہ وہ ایک رکعت علیحدہ علیحدہ ہو کر نماز پڑھے۔ پھر واپس لوٹیں اپنے ساتھی کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں۔ اور دوسری جماعت آئے وہ رکعت پوری کرے جو اس پر باقی ہے علیحدہ علیحدہ ہو کر۔

[۴۰۱] (۴) وان اشتد الخوف صلوا رکبانا وحدانا يومئذ بالركوع والسجود الى اى

قال جاء عمر يوم الخندق فجعل يسب كفار قريش ويقول يا رسول الله ما صليت العصر حتى كادت الشمس ان تغيب فقال النبي ﷺ وانا والله ما صليتها بعد قال فنزل الى بطحان فتوضأ وصلى العصر بعد ما غابت الشمس ثم صلى المغرب بعدها (الف) (بخاری شریف، بالصلوة عند مناهضة الحصون ولقاء العدوس ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس حدیث میں ہے کہ قتال چل رہا تھا اس لئے نماز نہیں پڑھی۔ اسی طرح نماز پڑھ رہا ہو اور قتال شروع ہو گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (۳) قال انس بن مالک حضرت عند مناهضة حصن تستر عند اصابة الفجر واشتد اشتغال القتال فلم يقدروا على الصلوة فلم نصل الا بعد ارتفاع النهار (ب) (بخاری شریف، باب الصلوة عند مناهضة الحصون ولقاء العدوس ۱۲۹ نمبر ۹۴۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنگ اور قتال کے وقت نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ بلکہ نماز مؤخر کر دی جائے گی۔

[۴۰۱] (۴) اگر خوف زیادہ سخت ہو تو نماز پڑھو سوار ہو کر اکیلا اکیلا، اشارہ کرے گا رکوع کا اور سجدے کا جس جانب چاہے اگر قبلہ کی جانب توجہ کرنے کی قدرت نہ ہو۔

**تشریح** اگر خوف زیادہ ہو اور سواری سے اتر کر نماز پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو سواری ہی پر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ جس طرح نوافل نماز سواری پر پڑھ رہا ہو تو رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور قبلہ کی جانب توجہ نہ کر سکتا ہو تو جس جانب ممکن ہو اسی طرف متوجہ ہو کر نماز پڑھے۔

**وجہ** نفل نماز میں قیام ساقط ہو جاتا ہے اور رکوع اور سجدوں کا اشارہ کرتا ہے اسی طرح یہاں بھی خوف کی مجبوری کی وجہ سے قیام ساقط ہوگا اور رکوع اور سجدے کا اشارہ کرے گا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ مریض اور معذور لوگوں سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ بھی معذور ہے اس لئے ان سے بھی خوف کی وجہ سے قبلہ کی طرف توجہ کرنا ساقط ہو جائے گا (۲) اس کی دلیل یہ آیت بھی ہے فان خفتم فرجالا او رکبانا (ج) (آیت ۲۳۹ سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ خوف ہو تو سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور اس کے مطابق تمام رعایتیں مل جائیں گی (۳) عن ابن سيرين انه كان يقول في صلوة المسايعة يومى ايماء حيث كان وجهه (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۶۶ فی الاصلوة عند المسايعة، ج ثانی، ص ۲۱۵، نمبر ۸۲۶) اس اثر میں موجود ہے کہ جس جانب چہرہ متوجہ ہو اسی جانب اشارہ کر کے نماز پڑھے گا۔ قبلہ کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور باضابطہ رکوع اور سجدہ کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ وہ شدت خوف کی وجہ سے مجبور

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ جنگ خندق کے دن آئے۔ پس کفار قریش کو گالی دینے لگے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ قریب ہے کہ سورج ڈوب جائے۔ تو آپؐ نے فرمایا میں نے بھی خدا کی قسم نماز نہیں پڑھی ہے۔ پس آپؐ مقام بطحان میں اترے اور وضو کیا اور سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی، پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی (ب) انسؓ نے فرمایا میں تستر کے قلعہ کی لڑائی کے وقت فجر روشن ہوتے وقت حاضر ہوا اور قتال کا اشتغال سخت ہو گیا تو لوگ نماز پڑھنے پر قہر نہیں رکھتے تھے۔ تو ہم نے نماز نہیں پڑھی مگر دن بلند ہونے کے بعد (ج) پس اگر تم کو دشمن کا خوف ہو تو پیدل یا سواری پر نماز پڑھو (د) ابن سیرین سے منقول ہے کہ مقابلہ کے وقت نماز میں اشارہ کرے گا جس طرف اس کا چہرہ متوجہ ہو۔

جہہ شائوا اذا لم یقدروا علی التوجہ الی القبلة.

ہے۔

لفٹ رکبانا : سوار ہو کر، یومون : اشارہ کرتے ہوئے۔



## ﴿باب الجنائز﴾

[۴۰۲] (۱) اذا احتضر الرجل وجه الى القبلة على شقه الايمن [۴۰۳] (۲) ولقن الشهادتين [۴۰۴] (۳) واذا مات شدوا لحييه وغضوا عينيه.

## ﴿باب الجنائز﴾

**ضروری نوٹ** جنازہ جمع ہے جنازہ کی۔ جیم کے فتح کے ساتھ۔ میت کو جنازہ کہتے ہیں۔ نماز جنازہ کا ثبوت اس آیت سے ہوتا ہے لا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره (الف) (آیت ۸۴ سورۃ التوبۃ) اس آیت میں منافق کی نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مومن کی نماز جنازہ پڑھنا چاہئے۔ چنانچہ نماز جنازہ پڑھنی فرض کفایہ ہے۔

[۴۰۲] (۱) جب آدمی پر موت کا وقت آجائے تو اس کو دائیں جانب قبلہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔

**مذہب** قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر سونا مستحب اور سنت ہے اس لئے موت کے وقت بھی قبلہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے (۲) حدیث میں ہے عن ابی قتادۃ عن ابیہ ... فقالوا توفی و اوصی بثلثة لک یا رسول اللہ و اوصی ای یوجہہ الی القبلة لما احتضر فقال رسول اللہ اصاب الفطرة (ب) (سنن للبیہقی، باب ما یستحب من توجیہ نحو القبلة ج ثالث ص ۵۳۹، نمبر ۶۶۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کو قبلہ کی جانب متوجہ کر دینا چاہئے۔

[۴۰۳] (۲) شہادتین کی تلقین کرے۔

**شرح** موت کے وقت حاضرین مجلس کو چاہئے کہ دھیمی آواز میں کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھے۔ تاکہ میت کو بھی پڑھنے کی توفیق ہو جائے اور ایمان پر خاتمہ ہو۔ حدیث میں اس کی ترغیب ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ لقنوا موتا کم لا الہ الا اللہ (ج) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی تلقین المحتضر لا الہ الا اللہ ص ۳۰۰ نمبر ۹۱ را بوداؤد شریف، باب فی التلقین ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۳۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو تلقین کرنا چاہئے۔ البتہ اس کو پڑھنے کے لئے نہیں کہنا چاہئے کیونکہ انکار کر دیا تو کفر پر خاتمہ ہوگا۔

[۴۰۴] (۳) اگر انتقال ہو جائے تو اس کی ڈاڑھی باندھ دی جائے اور اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں۔

**مذہب** انتقال کے وقت منہ کھلا رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے دیکھنے والوں کو کراہیت ہوتی ہے اس لئے ڈاڑھی کو سر کے ساتھ لگا کر باندھ دیا جائے گا تو منہ کھلا ہوا نہیں رہے گا اور بدنما معلوم نہیں ہوگا اس لئے ڈاڑھی باندھ دی جائے گی۔ اسی طرح موت کے وقت آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں جو بدنما معلوم ہوتی ہیں اس لئے آنکھیں بھی فوراً بند کر دی جائیں۔ حدیث میں ہے۔ عن ام سلمۃ قالت دخل رسول اللہ علی ابی

حاشیہ : (الف) اگر منافق میں سے کوئی مر گیا ہو ان میں سے کسی ایک پر آپ نماز نہ پڑھیں کبھی بھی اور آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں (ب) قتادہ اپنے باپ سے نقل کہتے ہیں ... لوگوں نے کہا کہ براء ابن معرور کا انتقال ہوا اور انہوں نے آپ کے لئے اے اللہ کے رسول تہائی مال کی وصیت کی، انہوں نے وصیت کی کہ موت کے وقت ان کا چہرہ قبلہ کی طرف کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا فطرت کے مناسب بات کہی (ج) آپ نے فرمایا اپنے مردوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو

[۴۰۵] (۴) فاذا ارادوا غسله وضعوه على سرير وجعلوا على عورته خرقة ونزعوا

ثيابه [۴۰۶] (۵) ووضوه ولا يمضمض ولا يستنشق [۴۰۷] (۶) ثم يفيضون الماء عليه

سلمة وقد شق بصره فاغمضه ثم قال ان الروح اذا قبض تبعه البصر (الف) (مسلم شریف، فصل فی القول الخیر عند الخضر ص ۳۰۰ کتاب الجنائز نمبر ۹۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت میت کی آنکھی بند کر دینی چاہئے۔

[۴۰۵] (۴) جب میت کے غسل کا ارادہ کرے تو اس کو تخت پر رکھے اور اس کے ستر عورت پر چھوٹا سا کپڑا رکھ دے اور اس کا کپڑا کھول دے۔

**بخ** غسل کے وقت تخت پر اس لئے رکھے گا تاکہ پانی نیچے گر جائے اور غسل دینے میں آسانی ہو۔ اور اس کے ستر پر چھوٹا سا کپڑا اس لئے رکھے گا تاکہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔ البتہ غسل دینے میں پریشانی ہوگی اور کپڑا ابھیگ جائے گا اس لئے دیگر تمام کپڑے کھول دیئے جائیں گے

(۲) احمدیث میں ہے کہ مردوں کا ستر غلیظ نہیں دیکھنا چاہئے عن علی ان النبی ﷺ قال لا تبرز فخذک ولا تنظر الی فخذ حتی ولا میت (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی ستر المیت عند غسلہ ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۰) جس سے معلوم ہوا کہ غسل دیتے وقت میت

کا ستر نہیں دیکھنا چاہئے (۳) اثر میں ہے عن ایوب قال رأیتہ یغسل میتا فالقی علی فرجه خرقة و علی وجهه خرقة اخرى ووضاه وضوء الصلوة ثم بدأ بمیامنه (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب غسل المیت ج ثالث ص ۳۹۸ نمبر ۶۰۸۱ مصنف ابن ابی شیبہ

۱۰، فی المیت یغسل من قال یستر ولا یجرد، ج ۲ ص ۴۲۸، نمبر ۱۰۸۸۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے ستر پر چھوٹا کپڑا رکھنا چاہئے تاکہ اس کا ستر نظر نہ آئے۔

[۴۰۶] (۵) اور میت کو وضو کرائے لیکن کلی نہ کرائے اور نہ ناک میں پانی ڈالے۔

**بخ** (۱) کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے لیکن میت کے منہ اور ناک سے پانی نکالنا مشکل ہوگا اس لئے روئی کو پانی سے بھگو کر منہ اور ناک میں ڈال دیا جائے تاکہ ایک طرح کی کلی اور ناک میں پانی ڈالنا ہو جائے۔ حیات کی طرح باضابطہ پانی نہ ڈالا جائے۔ زندگی میں بھی

ناک میں پانی ڈالنا اور کلی کرنا سنت تھا، موت کے وقت اس کا طریقہ تھوڑا بدل جائے گا (۲) اثر میں ہے۔ عن سعید بن جبیر قال یوضأ المیت وضوءه لصلوة الا انه لا یمضمض ولا یمستشق (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۲، اما اول ما یبدأ به من غسل المیت، ج ثانی، ص

۴۲۹، نمبر ۱۰۸۹۷)

[۴۰۷] (۶) پھر میت پر پانی بہائے۔

**تشریح** غسل دینے کے لئے میت پر طاق مرتبہ پانی بہائے تاکہ ہر عضو صہل جائے۔

**بخ** حدیث میں ہے عن ام عطیة قالت دخل علينا رسول الله ﷺ حين توفيت ابنته فقال اغسلنها ثلاثا او خمسا او

حاشیہ : (الف) حضور اُمی سلمہ پر داخل ہوئے اور ان کی نگاہ کلی ہوئی تھی تو آپ نے اس کو بند کر دیا۔ پھر فرمایا روح جب مقبوض ہوتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے دیکھتی رہتی ہے (ب) آپ نے فرمایا اپنی ران کو نہ کھولو اور نہ کسی زندہ یا مردہ کی ران کو دیکھو (ج) میں نے راوی کو دیکھا کہ مردے کو غسل دے رہے تھے تو اس کی شرمگاہ پر کپڑے کا ٹکڑا ڈالا اور اس کے چہرے پر دوسرا ٹکڑا ڈالا اور نماز کے وضو کی طرح وضو کرایا اور اس کی دائیں جانب سے شروع کی۔

[۴۰۸] (۷) و یجمر سریرہ و ترا [۴۰۹] (۸) و یغلی الماء بالسدر او بالحرص فان لم یکن فالماء القراح [۴۱۰] (۹) و یغسل رأسه و لحيته بالخطمی۔

اکثر من ذلك ان رأیتن ذلك بماء وسدر واجعلن فی الآخرة کافورا او شینا من کافور (نمبر ۱۲۵۳) و فی حدیث اخری قال ابدان بمیامنها و مواضع الوضوء منها (الف) (بخاری شریف، باب غسل المیت و وضوء بالماء و السدر ص ۱۶۷) (نمبر ۱۲۵۴) اس حدیث سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔ غسل طاق مرتبہ دے، غسل میں بیری کے پتے استعمال کرے، اخیر میں میت پر کافور ڈالے تاکہ خوشبو مہکتی رہے اور جلدی کیڑے نہ لگے، غسل دائیں جانب سے شروع کرے۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میت پر پورا پانی بہائے جس سے ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

[۴۰۸] (۷) تحت کو دھونی دے طاق مرتبہ۔

تحت کو دھونی دینے سے تحت پر خوشبو ہوگی تاکہ میت کی بدبو محسوس نہ ہو۔ اسی طرح کپڑے پر بھی طاق مرتبہ دھونی دے تاکہ خوشبو رہے (۲) اثر میں موجود ہے عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت لاهلها اجمرو ثیابی اذا انا مت ثم کفونی ثم حنطونی ولا تذروا علی کفنی حنطا (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المیت لا یتج بالجمرة ج ثالث ص ۴۱۷) (نمبر ۶۱۵۲) مصنف ابن ابی شیبہ (نمبر ۱۱۰۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے کپڑے کو لبان کی دھونی دینی چاہئے۔ اور اس کے تحت کو بھی دھونی دینی چاہئے۔ البتہ دھونی لیکر میت کے پیچھے نہیں جانا چاہئے۔ کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور لوگ اس کو بت پرستی کے مشابہ سمجھیں گے۔

[۴۰۹] (۸) پانی کو جوش دیا جائے بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے، پس اگر یہ نہ ہوں تو خالص پانی سے۔

بیری کے پتے یا اشنان گھاس سے صفائی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں میں سے ایک کو ڈال کر پانی کو جوش دیا جائے اور اس پانی سے میت کو غسل دیا جائے۔ اور اگر وہ نہ ملیں تو خالص پانی سے میت کو غسل دیا جائے (۲) اس کے لئے بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۱۲۵۳) مسلم شریف، باب فی غسل المیت ص ۳۰۴ (نمبر ۹۳۹) مسئلہ نمبر ۶ میں بماء و سدر گزر چکی ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ بیری کے پتے ڈال کر جوش دیا جائے۔

[۴۱۰] (۹) میت کا سر اور اس کی ڈاڑھی خطمی سے دھوئی جائے۔

اثر میں ہے عن الاسود قال قلت لعائشة یغسل رأس المیت بخطمی فقالت لا تعنوا میتکم (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲، فی المیت اذا لم یوجد له سدر یغسل بغیرہ خطمی او اشنان، ج ثانی ص ۱۳۵، نمبر ۱۰۹۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سر کو خطمی سے دھونا

حاشیہ : (الف) ام عطیہ فرماتی ہیں کہ جس وقت حضور کی بیٹی کا انتقال ہوا تو آپ نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ غسل دو یا اس سے زیادہ اگر تم مناسب سمجھو پانی سے اور بیری کے پتے سے۔ اور اخیر میں کافور ڈالو یا کافور میں سے کچھ ڈالو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کرو اور اس کی وضو کی جگہ سے شروع کرو (ب) اسماء بنت ابی بکر نے اپنے گھر والوں سے کہا جب میں مر جاؤں تو میرے کپڑے کو دھونی دینا پھر مجھ کو کنن دینا پھر مجھ کو حوط دینا اور میرے کنن پر حوط نہ چھڑکنا (ج) میں نے عائشہ سے پوچھا کیا میت کا سر خطمی سے دھویا جائے؟ تو فرمایا میت پر تخت نہ کرنا (جس کا مطلب یہ ہے کہ خطمی اس پر عمل کر سکتے ہو)

[۴۱۱] (۱۰) ثم یضع علی شقه الایسر فیغسل بالماء والسدر حتی یری ان الماء قد وصل الی ما یلی التحت منه ثم یضع علی شقه الایمن فیغسل بالماء حتی یری ان الماء قد وصل الی ما یلی التحت منه [۴۱۲] (۱۱) ثم یجلسه ویسند الیه ویمسح بطنه مسحاً

مستحب ہے اور بہتر ہے تاکہ صفائی ہو اور خوشبو بھی ہو۔ اور اگر ان چیزوں سے نہیں دھویا تو بھی غسل ہو جائے گا۔

[۴۱۱] (۱۰) پھر بائیں پہلو پر لٹایا جائے گا اور پانی اور بیری کے پتے سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک، پھر لٹایا جائے گا دائیں پہلو پر، پس پانی سے دھویا جائے گا یہاں تک کہ دیکھ لے کہ پانی پہنچ چکا ہے میت کے نیچے تک۔

**حجہ** (۱) میت کو پہلے بائیں پہلو پر اس لئے لٹایا جائے کہ دایاں پہلو اوپر ہو جائے گا۔ اور دائیں پہلو کو پہلے غسل دیا جائے گا۔ اور مستحب یہی ہے کہ دائیں جانب سے شروع کرے۔ حدیث میں ہے عن ام عطیة قالت قال رسول الله و فی غسل ابنته ابدان بمیامنها ومواضع الوضوء منها (الف) (بخاری شریف، باب ید ایمیمن المیت ص ۱۶ نمبر ۱۲۵۵ ابوداؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی دائیں جانب سے شروع کیا جائے، اسی طرح جب بعد میں دائیں پہلو پر لٹایا جائے گا تو بائیں پہلو بعد میں غسل دیا جائے گا۔ اور نیچے تک پانی پہنچنے کی شرط اس لئے ہے کہ مکمل غسل ہو جائے، کوئی جگہ خشک نہ رہ جائے۔

**نکتہ** توضیح : پہلو کے بل لٹایا جائے۔

[۴۱۲] (۱۱) پھر میت کو بٹھائے گا اور اپنی طرف سہارا دیگا اور اس کے پیٹ کو تھوڑا سا پوچھے گا، پس اگر اس سے کوئی چیز نکلے تو اس کو دھوئے گا اور اس کے غسل کو نہیں لوٹائے گا۔

**حجہ** میت کو اپنی طرف سہارا دے کر اس لئے بٹھائے گا تاکہ اگر پیٹ سے کچھ نکلنا ہو تو نکل جائے، پھر ہلکے انداز میں پیٹ کو پوچھنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ پیشاب پاخانہ کچھ نکلنا ہو تو ابھی نکل جائے بعد میں کپڑے گندے نہ کریں (۲) اثر میں ہے عن ابراہیم قال یعصر بطن المیت عصراً رقیقاً فی الاولی والثانی (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۷، فی عصر بطن المیت، ج ثانی ص ۳۵۲، نمبر ۱۰۹۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے پیٹ کو تھوڑا سا پوچھا جائے گا۔ اور غسل دینے کے بعد کوئی نجاست نکلے تو دوبارہ غسل کو لوٹایا نہ جائے۔ کیونکہ فاسل کو مشقت ہوگی اور مردہ خراب ہونے کا ڈر ہے (۲) اس کے لئے اثر ہے قلت لحمد المیت اذا خرج منه الشیء بعد ما یفرغ منه قال یغسل ذلک المكان (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶، فی المیت ینزع منه الشیء بعد غسله ج ثانی، ص ۳۵۲، نمبر ۱۰۹۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ غسل کے بعد کچھ نجاست نکلے تو صرف اس جگہ کو دھویا جائے گا۔ غسل کو نہیں لوٹایا جائے گا۔

**نکتہ** غسل کے درمیان نجاست نکلے تو بہتر یہ ہے کہ غسل دوبارہ دیدے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا اپنی لڑکی کے غسل کے بارے میں دائیں جانب سے شروع کرنا اور اس کی وضو کی جگہ سے شروع کرنا (ب) حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ میت کے پیٹ کو آہستہ سے پوچھا جائے گا پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ (ج) میں حضرت حمادؓ سے پوچھا غسل سے فارغ ہونے کے بعد میت سے کچھ نکلے۔ تو انہوں نے فرمایا صرف وہ جگہ دھوئی جائے گی۔



رفیقا فان خرج منه شيء غسله ولا يعيد غسله [۴۱۳] (۱۲) ثم ينشفه بثوب ويدرج في اكفانه [۴۱۴] (۱۳) ويجعل الحنوط على رأسه ولحيته والكافور على مساجده [۴۱۵] (۱۴) والسنة ان يكفن الرجل في ثلاثة اثواب ازار و قميص و لفافة فان

[۴۱۳] (۱۲) پھر کپڑے سے میت کا پانی خشک کیا جائے گا اور اس کو کفن میں لپیٹ دیا جائے گا۔

**مذہب** کپڑے سے غسل کا پانی اس لئے خشک کیا جائے تاکہ کفن گیلیا نہ ہو جائے، اور کفن میں لپیٹنے کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[۴۱۴] (۱۳) حنوط لگایا جائے گا میت کے سر پر، اور اس کی ڈاڑھی پر اور کافور لگایا جائے گا اس کے بعدے کی جگہ پر۔

**تشریح** کئی چیزوں کو ملا کر حنوط ایک قسم کی خوشبو بناتے ہیں۔ جس کو مردوں پر ملتے ہیں۔ غسل کے بعد اس کو ڈاڑھی اور سر پر ملنا مستحب ہے، اور بعدے کی جگہ مثلاً چہرہ، دونوں ہتھیلی، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں جو بعدے کے وقت زمین پر نکلتے ہیں ان پر ملا جائے تاکہ یہ جگہیں چکنی رہیں اور خوشبودار بھی رہیں۔ اثر میں ہے عن ابن مسعود قال يوضع الكافور على موضع سجود الميت، عن ابراهيم في حنوط الميت قال يبدأ بمساجده (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۳۳، فی الحنوط کیف يضع به و این یجعل ج ثانی ص ۴۶۰، نمبر ۱۱۰۲۱/۱۱۰۲۳ اس اثر سے معلوم ہوا کہ کافور اور حنوط میت کے بعدے کی جگہ پر ملے جائیں گے (۲) حدیث میں گزر چکا ہے کہ واجعلن فی الآخرة فورا (بخاری شریف، نمبر ۱۲۵۴) کہ اخیر میں میت کو کافور لگاؤ۔

﴿ کفن کا بیان ﴾

[۴۱۵] (۱۴) سنت یہ ہے کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دیا جائے گا (۱) ازار (۲) قمیص (۳) اور چادر، پس اگر دو کپڑوں پر اکٹفا کرے تب بھی جائز ہے۔

**مذہب** (۱) مرد عموماً زندگی میں تین کپڑے پہنتا ہے اس لئے تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ان رسول الله ﷺ کفن فی ثلاثة اثواب يمانية بيض سحولية من كرسف ليس فيهن قميص ولا عمامة (ب) (بخاری شریف، باب الثياب البيض للكفن ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۲/۱۲۶۳) اور داؤد شریف، باب فی الکفن ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۳۱۵۱/۳۱۵۲ مسلم شریف، باب الجنائز ص ۳۰۵ نمبر ۹۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کو تین کپڑوں میں کفن دینا سنت ہے۔ قمیص کے لئے یہ حدیث ہے ان عبد الله بن ابي لما توفي جاء ابنه الى النبي ﷺ فقال اعطني قميصك اكفنه فيه (ج) (بخاری شریف، باب الکفن فی قمیص الذی یکف ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ایسا کپڑا بھی کفن میں دیا جائے گا جس کو قمیص کہتے ہیں۔ لیکن اس میں آستین نہیں ہوگی اور نہ دامن اور کلی ہوگی۔ بلکہ درمیان میں پھاڑ کر سرگھسانے کا بنا دیا جائے گا۔ اور اس کو سیا بھی نہیں جائے گا۔ اس طرح تین کپڑے پورے کر دیئے

حاشیہ : (الف) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ کافور میت کے بعدے کی جگہ پر رکھا جائے گا، حضرت ابراہیم سے میت کے حنوط کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس کے بعدے کی جگہ سے شروع کیا جائے گا، یعنی پہلے بعدے کی جگہ پر لگایا جائے گا (ب) حضور تین یمنی، سفید حویلیہ کپڑے میں کفن دیئے گئے جو موت کے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا (ج) عبد اللہ بن ابی بن سلول جب مرا تو اس کا بیٹا حضورؐ کے پاس آئے اور کہا آپ اپنا قمیص عنایت فرمائیے اس میں اس کو کفن دوں گا۔

اقتصروا على ثوبين جاز [۴۱۶] (۱۵) واذا ارادوا لف اللفافة عليه ابتدأوا بالجانب الايسر فالقوه عليه ثم بالايمن فان خافوا ان ينتشر الكفن عنه عقدوه [۴۱۷] (۱۶) وتكفن المرأة في خمسة اثواب ازار و قميص و خمار و خرقة تربط بها ثدياها و لفافة فان

جائیں گے (۲) عن عبد الرحمن بن عمر و بن العاص انه قال الميت يقمص ويوزر ويلف بالثوب الثالث فان لم يكن الا ثوب واحد كفن فيه (الف) (مؤطا امام مالک، ماجاء في كفن الميت ص ۲۰۶)

کپڑے میسر نہ ہو تو دو کپڑوں میں کفن دے۔ اور اگر وہ بھی میسر نہ ہو تو جتنا کپڑا ہوا تنے میں ہی کفن دیدے۔ دو کپڑوں میں کفن دینے کی حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال بينما رجل واقف بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فاو قصته قال النبي ﷺ اغسلوه بماء و سدر و كفنوه في ثوبين و لا تحنطوه و لا تخمروا رأسه فانه يبعث يوم القيامة ملبيا (ب) (بخاری شریف، باب الكفن فی ثوبین ص ۱۶۹ نمبر ۱۲۶۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم آدمی کو صرف دو کپڑے دیئے گئے۔ اس لئے کفن میں دو کپڑے بھی کافی ہیں۔

**نکتہ** ازار : لنگی (یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جو سر کے پاس سے پاؤں تک ہوتا ہے) قمیص : یہ کپڑا آدمی کے قد سے دو گنا ہوتا ہے اور درمیان میں پھاڑ کر اس میں سر گھسا دیتے ہیں اور گردن سے پاؤں تک ہوتا ہے۔ اللفافة : یہ کپڑا لمبی چادر کی طرح ہوتا ہے اور تمام کفن سے اوپر لپیٹا جاتا ہے۔

[۴۱۶] (۱۵) جب میت پر لفافہ ڈالنے کا ارادہ کرے تو بائیں جانب سے شروع کرے تو لفافہ اس پر ڈال دے، پھر دائیں جانب سے ڈالے، پس اگر خوف ہو کہ کفن کھل جائے گا تو اس پر گرہ لگا دے۔

**تشریح** کفن دیتے وقت پہلے تخت پر چادر لفافہ پھیلائے گا۔ اس کے اوپر ازار، اور ازار کے اوپر قمیص پھیلائے گا۔ پھر میت کو قمیص پر رکھ کر سر کو قمیص کی چیر میں گھسا دے۔ اور قمیص کا اوپر کا حصہ میت پر ڈال دے، اور پھر قمیص پر ازار لپیٹے اور پھر لفافہ لپیٹے۔ پہلے بائیں طرف کو لپیٹے اور پھر دائیں طرف کو لپیٹے تاکہ دایاں کنارہ اوپر ہو جائے اور اخیر میں لپیٹا جائے۔ دائیں طرف سے کرنے کی اہمیت پہلے گزر چکی ہے۔

[۴۱۷] (۱۶) عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے گا (۱) ازار (۲) قمیص (۳) اوڑھنی (۴) کپڑے کا ٹکڑا جس سے اس کے پستان باندھے جائے (۵) اور چادر، پس اگر تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔

**مذہب** عورت زندگی میں انہیں کپڑوں کو استعمال کرتی ہے کہ ازار، قمیص اور چادر کے ساتھ اوڑھنی اور پستان بندا استعمال کرتی ہے۔ اس لئے کفن

حاشیہ : (الف) عمرو بن عاص نے فرمایا میت کو پہلے قمیص پہنایا جائے گا، پھر ازار پہنائی جائے گی پھر تیسرے کپڑے سے لپیٹا جائے گا۔ پس اگر کپڑے نہ ہوں تو ایک ہی کپڑے میں کفن دیا جائے گا (ب) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عرفہ میں وقوف کر رہا تھا کہ اپنے کجاوے سے گر گیا۔ اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ آپؐ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کے پتے سے غسل دو اور دو کپڑوں میں کفن دو۔ اور وضو مت لگاؤ۔ اور اس کے سر کو مت ڈھانکو۔ اس لئے کہ وہ قیامت کے دن تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا۔

اقتصروا على ثلاثة اثواب جاز [۴۱۸] (۱۷) ويكون الخمار فوق القميص تحت اللقافة

[۴۱۹] (۱۸) ويجعل شعرها على صدرها ولا يسرح شعر الميت ولا لحيته

میں بھی اتنے ہی کپڑے دیئے جائیں (۲) حدیث میں ہے عن رجل من بنی عروہ بن مسعود ... فكان اول ما اعطانا رسول اللہ ﷺ الحقاء ثم الدرع ثم الخمار ثم الملحفة ثم ادرجت بعد فی الثوب الا خر قالت ورسول اللہ جالس عند الباب معه كفنها يناولها ثوبا ثوبا (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی کفن المرأة ج ثانی ص ۹۴ نمبر ۳۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے پانچ کپڑے ہیں (۲) اثر میں ہے عن عمر قال تكفن المرأة في خمسة اثواب في المنطق وفي الدرع وفي الخمار وفي اللقافة والخرقة التي تشد عليها (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹، ما قالوا فی کفن المرأة، ج ثانی، ص ۲۶۵، نمبر ۱۱۰۸) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے کفن کے لئے پانچ کپڑے ہیں۔ تین کپڑے پر اکتفا کرنے کی دلیل یہ اثر ہے — محمد انہ کان يقول تكفن المرأة التي حاضت في خمسة اثواب او ثلاثة (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۹، ما قالوا فی کفن المرأة، ج ثانی، ص ۲۶۵، نمبر ۱۱۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین کپڑوں پر اکتفا کرے تو جائز ہے۔ پستان بند سے پستان، پیٹ اور ران تینوں کو ڈھانپنا جائے گا۔ اور قمیص کے اوپر پلیٹا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن سيرين قال توضع الخرقة على بطنها و تعصب بها فخذيتها (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰، فی الخرقۃ این توضیح فی المرأة ج ثانی ص ۲۶۵، نمبر ۱۱۰۹)

[۴۱۸] (۱۷) اور اوڑھنی قمیص کے اوپر ہو اور چادر کے نیچے ہو وجہ زندگی میں جب اوڑھنی سر پر ڈال کر تھی تو قمیص کے اوپر لٹکتی تھی۔ اور چادر کے اندر ہوا کرتی تھی۔ موت کے بعد بھی اسی کیفیت سے کفن دیا جائے گا۔ اس کے لئے یہ اثر ہے سألت ام الحميد ابنة سيرين هل رأيت حفصة اذا غسلت كيف تصنع بخمار المرأة؟ قالت نعم كانت تخمرها كما تخمر الحية ثم يفضل من الخمار قدر ذراع فتفرشه في مؤخرها ثم تعطف تلك الفضلة فتغطي بها وجهها (ه) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۳، فی المرأة كيف تخمر ج ثانی، ص ۲۶۶، نمبر ۱۱۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کی طرح اوڑھنی ڈالی جائے گی۔

[۴۱۹] (۱۸) عورت کے بال کو اس کے سینے پر ڈال دیا جائے گا۔ اور میت کے بال اور اس کی ڈاڑھی میں کنگی نہیں کی جائے گی۔

عن ام عطية ... فصفونا شعرها ثلاثة قرون والقيناها خلفها (و) (بخاری شریف، باب یلتقی شعر المرأة خلفها، ص ۱۶۸)

حاشیہ : (الف) عروہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ... سب سے پہلے جو ہم کو حضورؐ نے کفن دیا وہ ازار تھی۔ پھر قمیص پھر اوڑھنی، پھر چادر، پھر پلیٹ دی گئی دوسرے کپڑے میں۔ فرمایا حضورؐ دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس اس کی بیٹی کا کفن تھا وہ ایک ایک کپڑا دے رہے تھے (ب) حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت کو پانچ کپڑوں میں کفن دیا جائے ازار، قمیص، اوڑھنی، چادر اور ایک کٹڑے میں جو عورت پر باندھا جائے (ج) محمدؐ کہا کرتے تھے کہ عورت جو بالغ ہو چکی ہو اس کو کفن دیا جائے گا پانچ کپڑوں میں یا تین کپڑوں میں (د) ابن سیرین فرماتے ہیں کہ کپڑے کا ٹکڑا رکھا جائے گا عورت کے پیٹ پر اور اس سے اس کی ران لپیٹی جائے گی۔ (ه) کیا تم نے دیکھا تھا جب حضرت حفصہؓ کو غسل دیا جا رہا تھا تو عورت کی اوڑھنی کے ساتھ کیا کیا؟ کہا ہاں! اوڑھنی ڈالی گئی جیسے زندوں پر اوڑھنی ڈالی گئی۔ پھر اوڑھنی میں سے ایک ہاتھ کی مقدار بچ گیا تو اس کو نیچے بچھا دیا گیا۔ پھر اس باقی حصے کو پلیٹ دیا گیا اور اس سے اس کا چہرہ ڈھانک دیا گیا (و) ام عطیہ سے روایت ہے کہ ... ہم نے آپؐ کی بیٹی کے بالوں کے تین جوڑے بنائے اور اس کو اس کے پیچھے ڈال دیا۔

[۴۲۰] (۱۹) ولا یقص ظفره ولا یعقص شعره [۴۲۱] (۲۰) وتجمر الاکفان قبل ان یدرج فیها وترا فنادا فرغوا منه صلوا علیہ [۴۲۲] (۲۱) واولی الناس بالامامة علیہ

نمبر ۱۲۶۳/۱ ابوداؤد شریف، باب کیف غسل المیت ج ثانی ص ۹۲ نمبر ۳۱۴۴ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے بال کو تین حصے کر کے اس کے پیچھے ڈال دے۔ بال میں کنگی اس لئے نہیں کی جائے گی کہ یہ انتہائی زینت کی چیز ہے اور میت اب بکھرنے کے لئے تیار ہے۔ اس لئے بال میں نہ کنگی کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے ان عائشة رأت امرأة یکدون رأسها فقلت علام لتتصون میتکم (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب شعر المیت واطفاره ج ثالث ص ۴۳۲ نمبر ۶۲۳۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کو کنگی کر کے بال سنوارنے کی اب ضرورت نہیں رہی۔

[۴۲۰] (۱۹) میت کے ناخن نہیں کاٹے جائیں گے اور نہ اس کے بال کاٹے جائیں گے۔

**ج** ناخن اور بال کاٹنا یہ بھی زینت میں سے ہے جس کی اب اس کو ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے بال اور ناخن نہیں کاٹے جائیں گے۔ البتہ بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہوں کہ دیکھنے میں بدنما معلوم ہوتے ہوں تو کاٹے بھی جاسکتے ہیں (۲) اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ ایک اثر تو حضرت عائشہ کا مسئلہ نمبر ۱۸ میں گزر چکا ہے نمبر ۶۲۳۲ (۳) سنن حماد عن تقلیم اطفار المیت قال ارأیت ان کان اقلف اتختته وقال الحسن ان کان فاحشا اخذ منه (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب شعر المیت واطفاره ج ثالث ص ۴۳۲ نمبر ۶۲۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زینت کے طور پر تو کاٹے نہیں جائیں گے لیکن بہت زیادہ بدنما معلوم ہوتے ہوں تو کاٹے بھی جاسکتے ہیں۔

**اسول** میت کو بہت زیادہ زینت نہیں کرائی جائے گی۔

[۴۲۱] (۲۰) کفن میں لپٹنے سے پہلے طاق مرتبہ دھونی دی جائے گی۔ پس جب اس سے فارغ ہو تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

**تشریح** جن کپڑوں میں کفن دینا ہے میت کو اس میں لپٹنے سے پہلے اس کو لبان سے تین مرتبہ دھونی دے تاکہ کپڑا خوشبودار رہے۔ اور جلدی کپڑے نہ لگے۔

**مذہب** اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اجمرتم المیت فاوتروا وروی اجمروا کفن المیت ثلاثا (ج) (سنن للبیہقی، باب الحوط للمیت ج ثالث ص ۵۶۸، نمبر ۶۷۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ کفن کو دھونی دینا چاہئے۔

[۴۲۲] (۲۱) میت پر نماز پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار بادشاہ ہے۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو گاؤں کے امام کو آگے بڑھانا بہتر ہے پھر ولی کو۔

حاشیہ: (الف) حضرت عائشہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ میت کے سر کو کنگھی کر رہی ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اپنے میت کے بال کو کیوں سنوارتے ہو؟ (ب) حماد کو میت کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا تمہاری کیا رائے ہے کہ اگر وہ بغیر ختنہ کے ہو تو ختنہ کرو گے؟ (مطلب یہ ہے کہ ختنہ نہیں کرو گے تو ناخن بھی نہ کاٹو) حسن نے فرمایا اگر بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہو تو کاٹنا چاہئے (ج) آپ نے فرمایا اگر تم میت کو دھونی دو تو طاق مرتبہ دو۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ میت کے کفن کو تین مرتبہ دھونی دو۔

السلطان ان حضر فان لم يحضر فيستحب تقديم امام الحي ثم الولي.

**ج۱** بادشاہ موجود ہو پھر بھی دوسرا آدمی نماز پڑھائے تو اس میں بادشاہ کی توہین ہے۔ اس لئے بادشاہ کو نماز پڑھانے کا زیادہ حق ہے۔ وہ نہ ہو تو گاؤں کا امام، کیونکہ کمزنگی میں اس کو اپنی نماز کا امام مانا ہے تو موت کے بعد بھی اپنی نماز کے لئے اسی پر راضی ہوگا۔ اور وہ بھی نہ ہو تو اس کا ولی نماز جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ اور ولی میں بھی وراثت میں ولی عصبہ کی ترتیب ہوگی۔ البتہ ولی اگر کسی اور کو نماز پڑھانے کی اجازت دے تو دے سکتا ہے (۲) عن عمران بن حصین قال قال لنا رسول الله ﷺ ان احاكم النجاشی قد مات فقوموا فصلوا عليه فقمنا فصفنا كما يصف على الميت و صلينا عليه كما يصلي على الميت (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی صلوٰۃ النبی ﷺ علی النجاشی ص ۲۰۱ نمبر ۱۰۳۹ بخاری شریف، باب الصلوٰۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد ص ۷۷ نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضورؐ سب کے امیر تھے اس لئے آپؐ نے نجاشی پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس لئے آپؐ سب سے زیادہ حقدار تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اس میں امر کا صیغہ فقوموا فصلوا علیہ کا لفظ ہے (۲) والی اور امیر نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے سمعت ابا حازم يقول انی لشاهد يوم مات الحسن بن علی فرأيت الحسين ابن علی يقول لسعيد بن العاص ويطعن فی عنقه تقدم فلولا انها سنة ما قدمت وکان بینهم شیء (ب) (سنن للبیہقی، باب من قال الوالی احق بالصلوٰۃ علی میت من الوالی ج رابع ص ۴۶، نمبر ۶۸۹۴) اس اثر میں حضرت حسینؑ حضرت حسنؑ کے ولی تھے۔ لیکن سعید بن عاص کو نماز جنازہ کے لئے آگے بڑھایا۔ کیونکہ وہ اس وقت والی اور امیر تھے۔ اور حضرت حسینؑ نے فرمایا یہ سنت ہے اس لئے والی اور امیر نماز پڑھانے کا ولی سے زیادہ حقدار ہیں۔ اور گاؤں کا امام اس کے بعد حقدار ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن علی قال الامام احق من صلی جنازة، ذهبت مع ابراهيم الى جنازة وهو وليها فارسل الى امام الحي فصلی عليها (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۷۳، ما قالوا فی تقدم الامام علی الجنائز ج ثانی ص ۴۸۳، نمبر ۱۱۳۰۵/۱۱۳۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مسجد کا امام نماز کا حقدار ہے۔ اس کے بعد ولی نماز جنازہ کا زیادہ حقدار ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے عن عمر انه قال الولی احق بالصلوٰۃ علیها (نمبر ۶۳۷۳) ولی اثر آخر عن الحسن قال اولی الناس بالصلوٰۃ علی المرأة الاب ثم الزوج ثم الابن ثم الاخ (د) (مصنف عبدالرزاق، باب من احق بالصلوٰۃ علی الميت ص ۴۷۲ نمبر ۶۳۷۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام گاؤں کے بعد ولی زیادہ حقدار ہے اور ولی میں ترتیب یہ ہے کہ باپ پھر شوہر پھر بیٹا

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہم سے فرمایا تمہارے نجاشی بھائی کا انتقال ہو گیا ہے تو کھڑے ہو اور اس پر نماز پڑھو۔ تو ہم کھڑے ہوئے اور صرف بنائی جیسے میت پر صرف بناتے ہیں۔ اور ہم نے اس پر نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھتے ہیں (ب) میں نے ابو حازم سے کہتے ہوئے سنا کہ میں حاضر تھا جس دن حسن بن علی کا انتقال ہوا۔ میں نے حسین بن علی کو دیکھا کہ وہ سعد بن عاص کو کہہ رہے ہیں اور ان کی گردن میں کچوکے بھی لگا رہے ہیں کہ نماز کے لئے آگے بڑھو۔ اگر یہ سنت نہ ہوتی تو میں آپ کو جنازہ نماز کے لئے آگے نہ بڑھاتا۔ اور حسین اور حضرت سعید میں کچھ اختلاف تھا (ج) حضرت علیؑ نے فرمایا کہ امام جنازہ پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ میں ابراہیم کے ساتھ جنازہ کے پاس گیا اور وہ اس جنازہ کے ولی تھے تو انہوں نے گاؤں کے امام کے پاس خبر بھیجی اور انہوں نے اس پر نماز پڑھائی (د) حضرت عمرؓ نے فرمایا ولی جنازہ پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار ہے۔ دوسرے اثر میں ہے کہ حسن نے فرمایا عورت پر نماز پڑھانے کا زیادہ حقدار باپ ہے، پھر شوہر پھر بیٹا پھر بھائی۔

[۴۲۳] (۲۲) فان صلى عليه غير الولي والسلطان اعاد الولي وان صلى عليه الولي لم يجز ان يصلى احد بعده [۴۲۴] (۲۳) فان دفن ولم يصل عليه صلى على قبره الى ثلثة

پھر بھائی نماز پڑھانے کا حقدار ہے۔

[۴۲۳] (۲۲) اگر میت پر ولی اور بادشاہ کے علاوہ نے نماز پڑھی تو ولی دوبارہ نماز لوٹا سکتا ہے۔ اور اگر اس پر ولی نے نماز پڑھ لی تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے بعد کوئی اس پر نماز پڑھے۔

**تشریح** امام اور ولی نماز پڑھانے کے حقدار تھے اس لئے اگر انہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی اور دوسروں نے پڑھ لی تو اگر ولی دوبارہ نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اور اگر ولی نے پڑھ لی تو اب کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے کہ وہ اب نماز پڑھے۔

**وجہ** (۱) حضورؐ کی لوگ نماز پڑھتے رہے۔ آخر میں امیر المؤمنین حضرت ابو بکرؓ نے نماز پڑھی۔ اب اس کے بعد کوئی بھی آدمی حضورؐ کی نماز جنازہ نہیں پڑھ رہا ہے۔ حالانکہ آپؐ قبر میں زندہ ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ولی اور امیر کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے۔ امیر اور ولی نے نماز نہ پڑھی ہوں تو نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریر ؓ ان اسود رجلا و امرأۃ کان یقیم المسجد فمات ولم یعلم النبی ﷺ بموته فذکرہ ذات یوم فقال ما فعل ذلک الانسان قالوا مات یا رسول اللہ قال افلا اذنتمونی فقالوا انہ کان کذا کذا قصتہ قال وفحقروا شانہ قال فدلونی علی قبرہ قال فاتی قبرہ فصلی علیہ (الف) (بخاری شریف، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن ص ۸۷ نمبر ۱۳۳۷/۱۳۳۸ ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی القبر ج ثانی ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ سب کے امیر تھے اور اس کالی عورت پر نماز نہیں پڑھی تھی تو آپؐ نے نماز کو دوبارہ پڑھی۔

[۴۲۴] (۲۳) پس اگر دفن کر دیا اور اس پر نماز نہیں پڑھی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی تین دن تک اور نہیں پڑھی جائے گی اس کے بعد۔

**تشریح** جب تک میت پھول نہ گئی ہو اس وقت تک اس پر نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ اور عموماً میت تین دن میں پھول پھٹ جاتی ہے۔ اس لئے تین دن کے بعد نماز جنازہ نہ پڑھے۔ قبر پر نماز جنازہ پڑھنے کی دلیل مسئلہ نمبر ۲۲ کی حدیث بخاری ہے کہ کالی عورت پر دفن کے بعد آپؐ نے نماز پڑھی۔ تین دن کی دلیل یہ اثر ہے توفی عاصم بن عمر و ابن عمر غائب فقدم بعد ذلک قال ایوب احسبہ قال بثلاث قال فقال ارونی قبر اخي فاروہ فصلی علیہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۲، فی المیت۔ یصلی علیہ بعد دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۴، نمبر ۱۱۹۳/۱۱۹۴ سنن للبیہقی، باب الصلوۃ علی القبر بعد ما یدفن المیت ج رابع ص ۸۱، نمبر ۷۰۲۵/۷۰۰۳) اس اثر میں تین دن کا اشارہ ہے۔ اسی سے ہمارا استدلال ہے۔

حاشیہ : (الف) ایک کالامرد یا عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ ان کا انتقال ہوا اور حضورؐ کو اس کی موت کی خبر نہیں ہوئی تو ایک دن اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس انسان کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ انتقال ہو گیا یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ لوگوں نے بتایا وہ ایسے ایسے تھے۔ گویا کہ اس کی شان کو حقیر سمجھا تو آپؐ نے فرمایا اس کی قبر بتاؤ۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپؐ اس کی قبر پر آئے اور اس پر نماز پڑھی (ب) عاصم بن عمر کا انتقال ہوا اور حضرت ابن عمرؓ غائب تھے۔ اس کے بعد وہ آئے۔ ایوب فرماتے ہیں کہ تین دن کے بعد آئے۔ فرمایا میرے بھائی کی قبر بتاؤ تو ان کو قبر دکھائی تو ابن عمرؓ نے اس پر نماز پڑھی۔

ایام ولا یصلی بعد ذلك [۴۲۵] (۲۴) و یقوم المصلی بحذاء صدر الميت [۴۲۶]

(۲۵) والصلوة ان یکبر تکبیرة یحمد الله تعالی عقیبها ثم یکبر تکبیرة و یصلی علی

**فائدہ** بعض لوگوں نے فرمایا کہ ایک ماہ تک نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے ان البراء بن معرور توفی فی صفر قبل قبل قدوم رسول اللہ ﷺ المدینة بشهر فلما قدم صلی علیہ (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۲، فی المیت یصلی علیہ بعد ما دفن من فعلہ ج ثالث ص ۴۳، نمبر ۱۱۹۳۲ سنن للبیہقی، نمبر ۷۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک ماہ بعد نماز جنازہ قبر پر پڑھی۔ اور اس کے بعد اس لئے نہیں پڑھی جائے کہ کتنے رسول اور صحابہ اب تک گزرے، کسی پر بھی ابھی نماز نہیں پڑھی جاتی ہے۔ اگر بعد میں بھی پڑھنا جائز ہوتا تو لوگ ضرور پڑھتے۔ چنانچہ اس کی ممانعت کے لئے اثر موجود ہے۔ عن ابراہیم قال لا یصلی علی المیت مرتین (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶۳، من کان لا یری الصلوة علیہا اذ اوفت وقد صلی علیہا ج ثالث ص ۴۵، نمبر ۱۱۹۴۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ نماز پڑھی گئی ہو اور ولی پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔ اسی پر امام ابوحنیفہ کا عمل ہے۔

﴿ نماز جنازہ کا بیان ﴾

[۴۲۵] (۲۴) نماز پڑھانے والا میت کے سینے کے پاس کھڑا ہوگا۔

**ترجمہ** سینہ کے پاس کھڑے ہونے کی دلیل یہ اثر ہے عن عطاء قال اذا صلی الرجل علی الجنائزۃ قام عند الصدر ((ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۰۲، فی المرأة این یقام منھ فی الصلوة والرجل علی الجنائزۃ این یقام منھ ج ثالث ص ۶، نمبر ۱۱۵۵۱ مصنف عبدالرزاق، باب این یقوم الامام من الجنائزۃ ج ثالث ص ۶۹ نمبر ۶۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میت کے سینہ کے پاس کھڑا ہونا چاہئے (۲) اس لئے بھی کہ سینہ میں نور ایمان ہے تو وہاں کھڑے ہو کر گویا کہ نور ایمان کی گواہی دیتا ہے۔

**فائدہ** امام اعظم کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت کے درمیان امام کھڑا ہو۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا سمرة بن جندب قال صلیت وراء النبی ﷺ علی امرأة ماتت فی نفاسها فقام علیہا وسطھا (د) (بخاری شریف، باب این یقوم من المرأة والرجل ص ۷۷ نمبر ۱۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے درمیان کھڑا ہوتا کہ عورت کے لئے امام ستر ہو جائے۔

[۴۲۶] (۲۵) اور نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی تکبیر کہے اس کے بعد اللہ کی حمد بیان کرے (یعنی ثنا پڑھے) پھر تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری تکبیر کہے اور اس میں اپنے لئے اور میت کے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا پڑھے، پھر چوتھی تکبیر کہے اور سلام پھیر دے۔

**تشریح** نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہی جاتی ہیں۔ پہلی کے بعد ثنا پڑھے، دوسری کے بعد نبی ﷺ پر درود شریف پڑھے، تیسری کے بعد دعائے

حاشیہ : (الف) براء بن معرور کا صفر میں انتقال ہوا حضورؐ کے مدینہ آنے سے ایک مہینہ پہلے۔ پس جب وہ آئے تو ان پر نماز پڑھی (ب) حضرت ابراہیمؑ فرماتے ہیں کہ میت پر درود مرتبہ نماز نہ پڑھی جائے (ج) عطاء نے فرمایا جب آدمی جنازہ پر نماز پڑھے تو سینہ کے پاس کھڑا ہو (د) سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کے پیچھے ایک عورت پر نماز پڑھی جس کا نفاس میں انتقال ہوا تھا۔ تو آپ عورت کے درمیان کھڑے ہوئے۔

النبي عليه السلام ثم يكبر تكبيرة ثالثة يدعو فيها لنفسه وللميت وللمسلمين ثم يكبر تكبيرة رابعة ويسلم.

جنازہ پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

چار تکبیر کہنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیہ وخرج بہم الی المصلی فصف بہم وکبر علیہ اربع تکبیرات (الف) (بخاری شریف، باب التکبیر علی الجنائزۃ اربعاً ص ۷۸ نمبر ۱۳۳۳) ابوداؤد شریف، باب الصلوۃ علی المسلم یموت فی بلاد المشرک ص ۱۰۱ نمبر ۳۲۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیر کہی جائے گی۔ ہر تکبیر کے بعد کیا پڑھے گا اس کی تفصیل اس اثر میں ہے سأل ابا ہریرۃ کیف تصلی علی الجنائزۃ فقال ابو ہریرۃ انما لعمر اللہ اخبرک اتباعہا من اهلہا فاذا وضعت کبرت وحمدت اللہ و صلیت علی نبیہ ثم اقول اللہم عبدک وابن عبدک الخ (ب) (موطا امام مالک، باب ما یقول المصلی علی الجنائزۃ ص ۲۰۹) اس اثر میں ہے کہ پہلی تکبیر کے بعد ثناء، دوسری تکبیر کے بعد ردود اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھے۔ اگر سورۃ فاتحہ ثناء کے طور پر پڑھے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ البتہ قرأت کے طور پر پڑھے تو حنفیہ کے نزدیک ٹھیک نہیں ہے۔

نماز جنازہ ایک قسم کی دعا ہے۔ اس لئے اس میں قرأت نہیں ہوگی (۲) اثر میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ ان عبد اللہ بن عمر کان لا یقرأ فی الصلوۃ علی الجنائزۃ (ج) (موطا امام مالک، باب ما یقول المصلی علی الجنائزۃ ص ۲۰۱ مصنف عبدالرزاق، باب القراءة والدعاء فی الصلوۃ علی میت ص ۲۹۱ نمبر ۶۴۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی جائے گی۔

فائدہ امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن طلحۃ بن عبد اللہ بن عوف قال صلیت خلف ابن عباس علی جنازۃ فقرا بفاتحة الكتاب وقال لیتعلموا انها السنۃ (د) (بخاری شریف، باب قراءة فاتحة الكتاب علی الجنائزۃ ص ۷۸ نمبر ۱۳۳۵) ابوداؤد شریف، باب ما یقرأ علی الجنائزۃ ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۱۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے۔

حنفیہ کے نزدیک عموماً بڑوں کے لئے یہ دعا پڑھتے ہیں۔ عن ابی ہریرۃ قال صلی رسول اللہ ﷺ علی جنازۃ فقال اللہم اغفر لحینا ومیتنا الخ (ه) (ابوداؤد شریف، باب الدعاء للمیت ج ثانی ص ۱۰۰ نمبر ۳۲۰۴) ابن رزمی شریف، باب ما یقول فی الصلوۃ علی میت، ص

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے نجاشی کی موت کی خبر اس دن دی جس دن وہ انتقال کر گئے اور لوگوں کو لیکر عید گاہ کی طرف گئے پس لوگوں کے ساتھ صف بنائی اور ان پر چار تکبیریں کہی (ب) حضرت ابو ہریرہ سے پوچھا کہ جنازہ پر نماز کیسے پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم میں تم کو خبر دوں گا اور اہل جنازہ کے پیچھے میں چلوں گا۔ پس جب جنازہ رکھو تو تکبیر کہتا ہوں، ثناء پڑھتا ہوں، نبی پر ردود پڑھتا ہوں اور کہتا ہوں اللہم عبدک وابن عبدک الخ پوری دعا پڑھتا ہوں (ج) عبد اللہ بن عمر جنازہ کی نماز میں قرأت نہیں کیا کرتے تھے (د) میں نے حضرت ابن عباسؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ تم جان لو کہ یہ سنت ہے (ه) حضورؐ نے جنازہ پر نماز پڑھی۔ پس کہا اللہم اغفر لحینا ومیتنا الخ۔



[۴۲۷] (۲۶) ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعة [۴۲۸] (۲۷) فاذا حملوه علی

(۱۹۸ نمبر ۱۰۲۴)

[۴۲۷] (۲۶) اور نہ نماز پڑھے میت پر جماعت والی مسجد میں۔

**وجہ** (۱) میت مسجد میں رکھی جائے تو ممکن ہے کہ مسجد کے تکوینت ہونے کا خطرہ ہو۔ اس لئے مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ پڑھ لیا تو ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلا شیء لہ (الف) (ابوداؤد شریف، باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۱ سنن للبیہقی، باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد رابع ص ۸۶ نمبر ۷۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز پڑھنے سے ثواب نہیں ملے گا (۳) خود مدینہ طیبہ میں نماز جنازہ کے لئے الگ جگہ تھی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے یہاں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشۃ لما توفی سعد بن ابی وقاص ... فبلغن ان الناس عابوا ذلك و قالوا ما كانت الجنائز یدخل بها المسجد فبلغ عائشۃ فقالت ما اسرع الناس الی ان یعبوا ما لا علم لہم بہ ، عابوا علینا ان یمروا بجنازۃ فی المسجد وما صلی رسول اللہ علی سہیل بن بیضاء الا فی جوف المسجد (ب) (مسلم شریف، ابواب الجنائز، فصل فی جواز الصلوٰۃ علی میت فی المسجد ص ۳۱۳ نمبر ۹۷۳ ابوداؤد شریف، باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ فی المسجد ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے۔

**نوٹ** لیکن حدیث کے انداز ہی سے پتہ چلتا ہے کہ عام صحابہ نے مسجد میں میت لانے سے کراہیت کا اظہار فرمایا تھا۔ اور یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔

[۴۲۸] (۲۷) پس جب میت کو چار پائی پراٹھائے تو اس کے چاروں پایوں کو پکڑے اور اس کو تیزی سے لیکر چلے لیکن دوڑے نہیں۔

**تشریح** میت کو کفن و کبر چار پائی پر لٹائے اور چار پائی کے چاروں پایوں کو پکڑ کر قبرستان کی طرف چلے۔ لیکن اس انداز سے کہ تیزی کے ساتھ قبرستان کی طرف جائے لیکن دوڑے نہیں۔ کیونکہ یہ میت کی شان کے خلاف ہے۔ اور میت کے گرنے کا خطرہ ہے۔

**وجہ** جلدی کرنے کے لئے یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اسرعوا بالجنازۃ فان تک صالحۃ فخیبر تقدمونہا وان تک سوی ذلک فشر تضعونہ عن رقابکم (ج) (بخاری شریف، باب السرعۃ بالجنازۃ ص ۷۶ نمبر ۱۳۱۵)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے جنازہ پر نماز مسجد میں پڑھی اس کے لئے کچھ نہیں ہے (ب) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب سعد بن وقاص وفات پائے ... حضرت عائشہ کو خبر پہنچی کہ لوگ اس پر عیب لگا رہے ہیں اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ جنازہ ایسا نہیں ہے کہ اس کو مسجد میں داخل کیا جائے۔ یہ خبر حضرت عائشہ کو پہنچی تو حضرت عائشہ نے فرمایا کتنی جلدی لوگ عیب لگاتے ہیں ایسی چیز کا جس کا ان کو علم نہیں ہے۔ وہ ہم پر عیب لگاتے ہیں کہ جنازہ مسجد میں گزرے۔ حالانکہ حضورؐ نے سہل بن بیضاء پر مسجد کے اندر ہی نماز پڑھی ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا جنازہ کو جلدی لے جاؤ اگر وہ نیک ہے تو اچھی چیز ہے جس کو تم آگے کر رہے ہو۔ اور اگر اس کے علاوہ ہے تو بری چیز ہے جس کو تم اپنی گردن سے رکھ دو۔

سریرہ اخذوا بقوائمه الاربع ویمشون به مسرعین دون الخب [۴۲۹] (۲۸) فاذا بلغوا الى قبره کره للناس ان یجلسوا قبل ان یوضع من اعناق الرجال [۴۳۰] (۲۹) ویحفر

وفی ابی داؤد عن ابن مسعود قال سألنا نبینا ﷺ عن المشی مع الجنائز فقال مادون الخب (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاسراع بالجنائز ج ثانی ص ۹۷ نمبر ۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنازہ کو تیزی سے قبرستان کی طرف لے جانا چاہئے۔ لیکن دوڑنا نہیں چاہئے۔ اور چاروں پائے پکڑنے کے لئے یہ اثر ہے قال عبد اللہ بن مسعود من اتبع جنازة فلیحمل بجوانب السریر کلها فانہ من السنة (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی شھود الجنائز ص ۲۱۱، نمبر ۱۴۷۸) اور اثر میں ہے رأیت ابن عمر فی جنازة فحملوا بجوانب السریر الاربع فبدأ بالمیامن ثم تنحی عنها (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۶۸، بای جوانب السریر ۱۱۲۷، ج ثانی، ص ۳۸۰، نمبر ۱۱۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چاروں پایوں کو پکڑنا چاہئے۔ اور میت کی دائیں جانب سے پکڑنا شروع کرنا چاہئے۔

نکتہ الخب : دوڑنا۔

[۴۲۹] (۲۸) پس جب قبر تک پہنچ جائے تو لوگوں کے لئے مکروہ ہے کہ بیٹھے مردوں کے گردنوں سے رکھنے سے پہلے۔

تشریح ابھی میت کو اٹھانے والوں نے اپنے کندھے سے زمین پر رکھا نہیں ہے اس سے پہلے عام لوگ بیٹھ جائیں یہ مکروہ ہے۔

مذہب (۱) یہ میت کی شان کے خلاف ہے (۲) اٹھانے والوں کو ضرورت پڑ سکتی ہے کہ چار پائی کو پکڑے۔ اس لئے میت کو رکھنے سے پہلے عام لوگوں کو نہیں بیٹھنا چاہئے۔ البتہ مجبوری ہو تو بیٹھ سکتا ہے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی ہریر ؓ انہ لم یکن یقعہ حتی یوضع السریر، و عن ابی سعید قال اذا کنتم فی جنازة فلا تجلسوا حتی یوضع السریر (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ۹۹، فی الرجل یكون مع الجنائز من قال لا تجلس حتی یوضع ج ثالث، ص ۳، نمبر ۱۱۵۱/۱۱۵۱) اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے رکھنے سے پہلے نہیں بیٹھنا چاہئے۔

[۴۳۰] (۲۹) قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔

تشریح قبر دو طرح سے کھودی جاتی ہے۔ ایک لحد یعنی سیدھی کھود کر پھر دائیں جانب کنارہ کھود کر میت کو رکھنے کی جگہ بنائی جائے اور اس میں میت کو رکھ کر کنارہ پر کچی اینٹ رکھ دی جائے۔ اور دوسری شکل شق کی ہے یعنی سیدھی کھودی جائے اور گہرا کر کے اس میں میت کو رکھا جائے اور اوپر سے لکڑی ڈال کر پاٹ دی جائے۔ دونوں قسم جائز ہے۔ اور مٹی حالت دیکھ کر قبر کھودی جاتی ہے۔ البتہ لحد زیادہ بہتر ہے اور اس میں خرچ

حاشیہ : (الف) میں نے حضور کو جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا دوڑنے سے تھوڑا کم (لے کر چلو) (ب) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا جو جنازہ کے پیچھے چلے تو چار پائی کے چاروں جانب اٹھا لے اس لئے کہ وہ سنت ہے (ج) حضرت ابن عمر کو جنازہ میں دیکھا کہ وہ چار پائی کے چاروں جانب اٹھاتے تھے اور دائیں جانب سے شروع کرتے پھر اس سے الگ ہو جاتے (د) ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ وہ نہیں بیٹھتے تھے یہاں تک کہ چار پائی رکھی جائے۔ اور ابو سعید سے منقول ہے کہ فرمایا کہ جب تم جنازہ میں ہو تو موت بیٹھو جب تک کہ چار پائی نہ رکھی جائے۔

القبر ویلحد [۴۳۱] (۳۰) ویدخل المیت مما یلی القبلة [۴۳۲] (۳۱) فاذا وضع فی لحدہ قال الذی یضعہ بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ [۴۳۳] (۳۲) ویوجہہ الی

بھی کم ہے۔ لحد مسنون ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے ان سعد بن وقاص قال فی مرضہ الذی ہلک فیہ الحدوا لی لحدنا وانصبوا علی اللین نصبا کما صنع برسول اللہ ﷺ (الف) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد زیادہ بہتر ہے اور سنت ہے (۲) ترمذی میں ہے عن ابن عباس قال النبی ﷺ اللحد لنا والشق لغيرنا (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی قول النبی اللحد لنا والشق لغيرنا، ص ۳۰۳، نمبر ۱۰۴۵ ابوداؤد شریف، باب فی اللحد ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۰۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ لحد مسنون ہے۔

[۴۳۱] (۳۰) میت کو قبلہ کی جانب سے داخل کیا جائے۔

**تشریح** میت کو قبر میں داخل کرنے کی دو شکلیں ہیں (۱) یہ کہ میت کو قبر کے قبلہ کی جانب رکھی جائے اور وہاں سے قبر میں داخل کرے۔ یہی خفیہ کے یہاں مستحب ہے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ میت کو قبر کی پاتانے کی طرف رکھی جائے اور وہاں سے سر کا کر قبر میں داخل کیا جائے۔

**مجا** عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج لى سراج فاخذہ من قبل القبلة (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الدفن باللیل ص ۲۰۴ نمبر ۱۰۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں داخل کیا جائے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک پاتانے کی جانب سے میت کو ڈالا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی اسحاق قال اوصی الحارث ان یصلی علیہ عبد اللہ بن یزید فصلی علیہ ثم ادخلہ القبر من قبل رجلی القبر وقال هذا من السنة (د) (ابوداؤد شریف، باب کیف یدخل لمیت قبرہ ص ۲۰۲ نمبر ۳۲۱۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پاؤں کی جانب سے داخل کیا جائے۔

[۴۳۲] (۳۱) پس جب قبر میں رکھے تو رکھے والا کہے بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ۔

**مجا** عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا ادخل المیت القبر قال مرة بسم اللہ وباللہ و علی ملۃ رسول اللہ وقال مرة وباسم اللہ و علی سنہ رسول اللہ ﷺ (ه) (ترمذی شریف، باب ماجاء ما یقول اذا دخل المیت قبرہ، ص ۲۰۲ نمبر ۱۰۴۶ ابوداؤد شریف، باب فی الدعاء للمیت اذا وضع فی قبرہ ج ثانی ص ۱۰۲ نمبر ۳۲۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر میں رکھنے والا بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ پڑھے۔

[۴۳۳] (۳۲) اور میت کا چہرہ قبلہ کی طرف پھیر دے۔

حاشیہ : (الف) سعد بن وقاص نے فرمایا اس مرض میں جس میں ان کا انتقال ہوا، میرے لئے لحد بناؤ اور میری لحد پر کچی اینٹ رکھ دینا جیسا کہ حضورؐ کے ساتھ کیا گیا (ب) آپؐ نے فرمایا لحد ہمارے لئے ہے اور شق ہمارے علاوہ کے لئے ہے (ج) حضورؐ قبر میں رات میں داخل ہوئے۔ آپؐ کے لئے چراغ جلایا گیا تو میت کو قبلہ کی جانب سے لیا (د) حضرت حارث نے وصیت کی کہ ان پر عبد اللہ بن زید نماز پڑھائے۔ پس ان پر نماز پڑھائی پھر قبر میں تہ کے پاؤں کی جانب سے داخل کیا اور فرمایا یہ سنت ہے (ه) آپؐ جب میت کو قبر میں داخل فرماتے تو کبھی بسم اللہ و علی ملۃ رسول اللہ پڑھتے اور کبھی بسم اللہ و باللہ و علی سہ رسول اللہ پڑھتے۔

القبلة [۴۳۴] (۳۳) ويحل العقدة [۴۳۵] (۳۴) ويسوى اللبن على اللحد [۴۳۶] (۳۵)  
ويكره الآجر والخشب ولا بأس بالقصب.

**ترجمہ** زندگی میں قبلہ کی طرف نماز پڑھتا رہا اب موت کے بعد بھی قبلہ ہی کی طرف چہرہ ہو (۲) ان رجلا سألہ فقال یا رسول اللہ ﷺ ما الكبائر؟ قال هن تسع فذكر معناه وزاد وعقوق الوالدين المسلمين واستحلال البيت الحرام قبلتكم احياء و امواتا (الف) (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی التثبید فی اکل مال الیتیم ج ثانی ص ۴۱ نمبر ۲۸۷ سنن للبیہقی، باب ماجاء فی استقبال القبلة بالموتی ج ثالث ص ۵۷ نمبر ۶۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کو بھی قبلہ کی طرف لٹایا جائے۔ [۴۳۴] (۳۳) گرہ کھول دے۔

**تشریح** کفن دیتے وقت کھلنے کا خطرہ ہو تو گرہ لگانے کے لئے کہا تھا۔ اب قبر میں میت کو لٹانے کے بعد کفن کے گرہ کھول دے۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن ابراهيم قال اذا ادخل الميت القبر حل عنه العقد كلها (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۰، ماقالوا فی حل العقد عن لمیت ج ثالث ص ۱۷، نمبر ۱۱۶۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کفن کی گرہ کھول دی جائے۔ [۴۳۵] (۳۴) اور لحد میں کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے۔

**تشریح** لحد کے دائیں کنارے میں میت کو رکھ دی جاتی ہے اس لئے لحد کے منہ پر کچی اینٹ برابر کر کے ڈالی جائے جس سے لحد کا منہ بند ہو جائے۔

**ترجمہ** اس کی دلیل یہ حدیث ہے ان سعد بن ابی وقاص قال فی مرضه الذی هلك فيه الحدوا الحدوا وانصبوا علی لبنا نصبا کما صنع بر رسول اللہ ﷺ (ج) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی استحباب اللحد ص ۳۱۱ نمبر ۹۶۶) عن علی ابن حسین انهم علی قبر رسول اللہ ﷺ نصبوا اللبن نصبا (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۹، فی اللبن یغصب علی القبر او یبني بناء ج ثالث ص ۲۳، نمبر ۱۱۷۲۹) اس اثر سے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ لحد میں کچی اینٹ ڈالی جائے۔

[۴۳۶] (۳۵) مکروہ ہے کچی اینٹ اور تختے، اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے بانس ڈالنے میں۔

**تشریح** قبر بوسیدہ ہونے اور ویران ہونے کے لئے ہے۔ اس لئے اس پر ایسی چیزیں بنانا جو دیر پا ہو اور آگ سے بچی ہو وہ مکروہ ہے۔ اس لئے کچی اینٹیں دینا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہے اور دیر پا ہوتی ہے۔ اسی طرح مضبوط قسم کا تختہ دینا مکروہ ہے کیونکہ وہ دیر پا رہتا ہے۔ البتہ بانس چونکہ دیر پا نہیں ہے اس لئے وہ جائز ہے۔

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ کبار کیا ہیں؟ کہا وہ تو ہیں۔ پس اوپر کے معنی کو ذکر کیا اور زیادہ کیا مسلمان والدین کی نافرمانی اور بیت حرام کو حلال کرنا جو تمہارے زندوں اور مردوں کا قبلہ ہے (ب) ابراہیم نے فرمایا جب میت قبر میں داخل کر دیا جائے تو اس کے تمام گرہ کھول دیئے جائیں (ج) سعد بن وقاص نے اس مرض میں کہا جس میں وہ ہلاک ہوئے میرے لئے لحد بنانا اور میرے اوپر کچی اینٹ ڈالنا جیسا کہ حضور کے ساتھ کیا گیا ہے (د) حسین نے فرمایا کہ حضور کی قبر پر کچی اینٹ ڈالی گئی ہے۔

[۴۳۷] (۳۶) ثم يهال التراب عليه ويسنم القبر ولا يسطح [۴۳۸] (۳۷) ومن استهل

**وجہ** حدیث میں ہے عن جابر قال نهى رسول الله ﷺ ان يحصص القبر وان يقعد عليه وان يبنى عليه (الف) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی النہی عن تجصیص القبور ص ۳۱۲ نمبر ۹۷۰ ابوداؤد شریف، باب فی البناء علی القبر ج ۱ ص ۱۰۴ نمبر ۳۲۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قبر پر کچی اینٹ اور تختہ نہ دیا جائے۔ عن ابراہیم قال كانوا يستحبون اللبن ويكرهون الآجر ويستحبون القصب ويكرهون الخشب (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۷، فی تجصیص القبر والآجر يجعل له ج ۳ ص ۲۷، نمبر ۱۱۷۶۹) اس اثر سے بھی مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔

**نکتہ** الآجر : کچی اینٹ، خشب : لکڑی، القصب : بانس۔

[۴۳۷] (۳۶) پھر قبر میں مٹی ڈال دی جائے اور قبر کو ہان نما بنائی جائے۔

**تشریح** جس طرح اونٹ کی کوہان ہوتی ہے اسی انداز کی قبر کی شکل بنائی جائے۔ لیکن قبر بہت اونچی نہ کی جائے۔ البتہ چوکور بنا کر زمین کی سطح کے قریب نہ کی جائے کوہان نما اونچی رہے۔

**وجہ** عن سفیان التمار قال دخلت البيت الذي فيه قبر النبي ﷺ فرأيت قبر النبي ﷺ وقبر ابی بکر و عمر مسنمة (ج) (بخاری شریف، باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ وابوبکر وعمر ص ۱۸۶ نمبر ۱۳۹۰ / مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۰، ما قالوا فی القبر یسنم ص ۲۳، نمبر ۳۳۳۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قبر کو ہان نما بنائی جائے۔ قبر اونچی نہ ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے قال لسی علی الا بعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالا الا طمسته ولا قبرامشرفا الا سويته (د) (مسلم شریف، کتاب الجنائز، فصل فی طمس التمثال وتسوية القبر المشرّف ص ۳۱۲ نمبر ۹۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بہت ابھری ہوئی قبر کو نیچی کی جائے۔

**نکتہ** یھال : مٹی ڈالی جائے، یسنم : کوہان نما بنائی جائے۔ یسطح : چوکور، زمین کی سطح سے مٹی ہوئی۔

[۴۳۸] (۳۷) ولادت کے بعد جو رو یا ہو تو اس کا نام رکھا جائے گا اور غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ اور اگر نہیں رو یا تو ایک ٹکڑے میں پلیٹ دیا جائے گا اور دفن کر دیا جائے گا اور اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

**وجہ** اصل قاعدہ یہ ہے کہ زندہ پیدا ہوا ہو اور بعد میں مرا ہو تو اس پر میت کے سارے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر مردہ پیدا ہوا ہو تو وہ گوشت کے ٹوٹھڑے کی طرح ہے اس پر میت کے احکام جاری نہیں ہونگے رونا زندگی کی علامت ہے، اسی طرح کوئی اور علامت سے زندگی کا پتہ چل جائے تو اس پر میت کے احکام جاری ہونگے ورنہ نہیں۔ اگر زندگی کا پتہ چلا تو اس بچے کا نام رکھا جائے گا۔ اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز

حاشیہ : (الف) حضور نے منع کیا ہے کہ قبر پر چونا اور گچ ڈالا جائے اور اس پر بیٹھا جائے اور اس پر تعمیر کی جائے (ب) ابراہیم سے روایت ہے کہ وہ قبر پر کچی اینٹ ڈالنا مستحب سمجھتے تھے اور کچی اینٹ ڈالنا مکروہ سمجھتے تھے۔ اور بانس ڈالنا مستحب سمجھتے تھے اور تختہ ڈالنا مکروہ سمجھتے تھے (ج) سفیان فرماتے ہیں کہ میں اس گھر میں داخل ہوا جس میں حضور کی قبر ہے تو حضور، ابوبکر اور عمر کی قبروں کو دیکھا کہ وہ کوہان نما ہیں (د) مجھ سے حضرت علیؑ نے فرمایا، کیا تم کو نہ سمجھو جس پر مجھ کو رسول اللہ نے بھیجا، یہ کہ کسی صورت کو نہ دیکھوں مگر اس کو مٹا دوں۔ اور نہ اونچی قبر کو دیکھوں مگر اس کو زمین کے برابر کر دوں۔

بعد الولادة سمي و غسل و صلى عليه وان لم يستهل ادرج في خرقه ودفن ولم يصل عليه.

بھی پڑھی جائے گی۔ دلیل یہ حدیث ہے عن المغيرة بن شعبة انه ذكر ان رسول الله قال الراكب خلف الجنائز والمشي حيث شاء منها والطفل يصلی عليه (الف) (نسائی شریف، باب الصلوة علی الاطفال ص ۲۱۴، نمبر ۱۹۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کا انتقال ہو جائے تو اس پر نماز پڑھی جائے گی۔ اور طفل اسی وقت کہتے ہیں جب کہ اس میں زندگی ہو ورنہ تو وہ گوشت کا ٹوٹھرا ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ اذا استهل الصبي صلى عليه وورث (ب) (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی الصلوة علی الطفل، ص ۲۱۵، نمبر ۱۵۰۸، مصنف عبد الرزاق، باب الصلوة علی الصغیر والسقط ومیراثه ص ۵۳۰، نمبر ۶۵۹۵، سنن للبیہقی، باب السقط ینسل ویکفن ویصلی علیہ ان استحل او عرفت له الحیاة ج ۱ ص ۱۳، نمبر ۶۷۸۳) اس اثر سے اوپر کے مسئلے کی تائید ہوتی ہے۔



حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا سوار جنازہ کے پیچھے رہے اور پیدل چلنے والا جدھر چاہے چلے، اور بچے پر نماز پڑھی جائے گی (ب) رسول اللہ نے فرمایا جب بچہ روئے تو اس پر نماز پڑھی جائے اور وہ وارث ہوگا۔

## ﴿باب الشهيد﴾

[۴۳۹] (۱) الشهيد من قتله المشركون او وجد في المعركة وبه اثر الجراحة او قتله المسلمون ظلما ولم يجب بقتله دية [۴۴۰] (۲) فيكفن ويصلى عليه ولا يغسل

## ﴿باب الشهيد﴾

**ضروری نوٹ** اس شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا جو شہدائے احد کی طرح ہو۔ یعنی کافروں نے ظلماً قتل کیا ہو اور زخم لگنے کے بعد دنیا سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ہو اور انتقال ہو گیا ہو۔ اور اس کے قتل کی وجہ سے دیت، قصاص یا کوئی معاوضہ بھی نہ لیا جاسکا ہو تاکہ مکمل مظلوم ہو کر مرے۔ ایسا شہید کامل شہید ہے۔ اس کے یہ احکام ہیں جو آگے آرہے ہیں۔

[۴۳۹] (۱) شہید (کامل) وہ ہے (۱) جس کو مشرکین نے قتل کیا ہو (۲) یا میدان جنگ میں پایا گیا ہو اور اس پر زخم کا اثر ہو (۳) یا مسلمان نے ظلماً قتل کیا ہو اور اس کے قتل کی وجہ سے کوئی دیت لازم نہ ہوئی ہو۔

**تشریح** یہاں شہید کی تین تعریفیں ہیں یا تین قسمیں ہیں جو کامل شہید شمار کئے جاتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ مشرک نے اس کو قتل کیا ہو۔ دوسری شکل یہ ہے کہ مشرک نے مکمل قتل تو نہ کیا ہو لیکن میدان جنگ میں زخمی پایا گیا ہو پھر دنیا سے فائدہ اٹھائے بغیر انتقال ہو گیا ہو۔ میدان جنگ میں پایا جانا دلیل ہے کہ اس کو کفار نے قتل کیا ہے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ قتل تو مسلمان نے ہی کیا ہے لیکن قتل اس انداز سے کیا ہے کہ اس کی وجہ سے دیت اور مال لازم نہیں آتا ہے بلکہ قصاص لازم آتا ہے۔ اگر دیت اور مال لازم آتا تو دیت لینے کی وجہ سے ظلم میں کمی واقع ہو گئی اس لئے مکمل مظلوم نہیں رہا اور نہ مکمل شہید ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔ لیکن اگر دیت لازم نہیں ہوئی ہو تو مال نہ لینے کی وجہ سے مکمل مظلوم ہوا۔ اس لئے اب وہ شہدائے احد کے درجہ میں ہوا اس لئے اس کو غسل نہیں جایگا۔

[۴۴۰] (۲) پس کفن دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی اور غسل نہیں دیا جائے گا۔

**وجہ** کفن دیا جائے گا اور غسل نہیں دیا جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال النبی ﷺ ادفنوهم فی دمانهم یعنی یوم احد ولم يغسلهم (الف) بخاری شریف، باب من لم یغسل الشہید ص ۹۷ نمبر ۱۳۳۶ ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۵ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اسی کے کپڑے کے ساتھ کفن دیکر دفن کیا جائے۔ اور جو زیادہ ہو اس کو نکال لیا جائے۔ اور جو کم ہو اس کا اضافہ کیا جائے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال امر رسول اللہ ﷺ بقتلی احد ان یسزع عنهم الحديد والجلود وان یدفنوا بدمانهم و ثیابهم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفن کے لائق جو کپڑے یا چیزیں نہ ہوں ان کو نکال دیجئے جائیں اور جو کپڑے کفن کے لائق ہوں وہ ان

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا شہیدوں کو اس کے خون میں دفن کرو یعنی جنگ احد کے دن اور ان کو غسل نہیں دیا (ب) آپؐ نے احد کے مقتولین کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے لوہے کا سامان اور چمڑے کا سامان نکال دو، اور ان کے خون اور ان کے کپڑوں میں دفن کرو۔

[۴۴۱] (۳) واذا استشهد الجنب غسل عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وکذلک الصبی وقال

کے ساتھ ہی رکھے جائیں۔ اور کفن میں جو کمی رہ جائے اس کو پوری کی جائے۔

شہید پر نماز پڑھی جائے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال اتی بہم رسول اللہ ﷺ یوم احد فجعل یصلی علی عشرة عشرة و حمزة هو کما هو یرفعون وهو کما هو موضوع (الف) (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی الصلوة علی الشہداء و نفهم ص ۲۱۶، نمبر ۱۵۱۳ سنن للبیہقی، باب من زعم ان النبی ﷺ علی شہداء احد ج رابع ص ۱۸، نمبر ۶۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہداء احد پر آپ نے نماز پڑھی (۲) نماز ترقی درجات کے لئے اور استغفار کے لئے ہے۔ اور یہ بچوں اور نبی کے لئے بھی جائز ہے۔ اس لئے شہید کے لئے بھی کیا جائے (۳) خود بخاری میں اس حدیث میں موجود ہے۔ عن عقبہ بن عامر ان النبی ﷺ خرج یوما فصلی علی اهل احد صلواتہ علی المیت ثم انصرف الی المنبر (ب) (بخاری شریف، باب الصلوة علی الشہید ص ۱۷۹، نمبر ۱۳۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ مصنف عبدالرزاق، باب الصلوة علی الشہید و غسلہ ج ثالث ص ۵۴۲، نمبر ۶۶۳۶، ۶۶۳۷ میں شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں تفصیل موجود ہے۔ فلیراجع!

**نکات** امام شافعیؒ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد اللہ ... وامر بدفنہم فی دمائہم ولم یغسل ولم یصل علیہم (ج) (بخاری شریف، باب الصلوة علی الشہید ص ۱۷۹، نمبر ۱۳۴۳، ابوداؤد و شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱، نمبر ۳۱۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شہید پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

**نوٹ** ہمارا عمل پہلی احادیث پر ہے۔

[۴۴۱] (۳) جنبی اگر شہید ہو جائے تو غسل دیا جائے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔ ایسے بچے کو بھی اور صاحبین نے فرمایا دونوں کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ **بخاری** امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس لئے غسل دیا جائے گا کہ اگرچہ وہ شہید ہے لیکن غسل جنابت واجب ہے اس لئے غسل جنابت دیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت حظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا تھا۔ ان کی بیوی نے بتایا کہ وہ جنبی تھے۔ حدیث میں ہے حدثنی یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ ... حنظلہ بن ابی عامر قال فقال رسول اللہ ان صاحبکم تغسلہ الملائکۃ فاسئلوا صاحبہ فقال خرج وهو جنب لما سمع الهانعة فقال رسول اللہ ﷺ لذلك غسلته الملائکۃ (د) سنن للبیہقی، باب الجنب یتشہد فی المعرکۃ ج رابع ص ۲۲، نمبر ۶۸۱۴، کتاب الجنائز) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت حظلہ جنبی تھے اور فرشتوں نے ان کو غسل دیا اس لئے حنفیہ کے

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا شہداء احد کو حضور کے پاس لائے گئے تو ان پر دس آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھتے اور حضرت حمزہؓ رکھے ہی رہتے اور باقی شہداء اٹھائے جاتے اور حمزہؓ رکھے ہی رہتے (ب) آپ ایک دن نکلے اور شہداء احد پر نماز پڑھی جیسے میت پر نماز پڑھتے ہیں پھر آپ منبر کے پاس آئے (ج) جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ... حضور نے شہداء احد کو ان کے خون میں دفن کرنے کا حکم دیا اور نہ غسل کیا اور نہ ان پر نماز پڑھی (د) آپ نے فرمایا تمہارے ساتھی حضرت حظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔ اس لئے ان کی بیوی سے پوچھو۔ تو ان کی بیوی نے کہا وہ نکلے ہیں اس حال میں کہ وہ جنبی تھے جب اعلان سنا۔ آپ نے فرمایا اسی لئے ان کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔



ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ لا یغسلان [۴۴۲] (۴) ولا یغسل عن الشہید دمہ ولا ینزع عنه ثیابہ و ینزع عنه الفرو والحشو والخف والسلاح [۴۴۳] (۵) ومن ارتث غسل

نزدیک جنبی شہید کو غسل دیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک غسل نہیں دیا جائے گا۔ ان کی دلیل اوپر کی وہ تمام احادیث ہے جن میں ہے کہ شہیدوں کو غسل نہ دیا جائے۔ بچے چونکہ گناہوں سے معصوم ہیں جس طرح شہید معصوم ہونگے، اس لئے شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔ اسی پر قیاس کر کے بچے کو بھی صاحبین کے نزدیک غسل نہیں جائے گا۔

[۴۴۲] (۴) شہید سے اس کا خون نہیں دھویا جائے گا، اور اس سے اس کے کپڑے نہیں نکالے جائیں گے، اور پوتین اور زائد کپڑے اور موزے اور ہتھیار نکال دیئے جائیں گے۔

**شرح** شہید کے ساتھ جو کپڑے ہیں اس کو ان کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے گا۔ البتہ جو چیزیں کفن کے لائق نہیں ہیں جیسے چمڑے کا پوتین، صدری اور کوٹ، چمڑے کے موزے اور ہتھیار ان کو الگ کر دیا جائے گا۔ اور اگر کفن میں کی رہ جائے تو تین کپڑے کفن کے پورے کئے جائیں گے۔

**ترجمہ** عن ابن عباس قال امر رسول اللہ ﷺ بقتلی احد ان ینزع عنهم الحديد والجلود وان یدفنوا بدمائهم و ثیابهم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الشہید یغسل ج ثانی ص ۹۱ نمبر ۳۱۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زائد چیزیں نکال دی جائیں گی۔ اور شہید کے کپڑوں کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔

**لفظ** الفرو: چمڑے کا لباس، الحشو: ایسا لباس جس میں روئی بھری ہو، کوٹ وغیرہ، السلاح: ہتھیار [۴۴۳] (۵) جس نے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا اور ارتثات کی شکلیں یہ ہیں زخم لگنے کے بعد کھائے، پیئے یا دوا کرائے یا زندہ باقی رہے یہاں تک کہ اس پر ایک نماز کا وقت گزر جائے اس حال میں کہ اس کو ہوش ہو یا میدان جنگ سے زندہ منتقل کیا جائے۔

**شرح** اصل قاعدہ یہ ہے کہ زخم لگنے کے بعد کچھ دیر تک ہوش کی حالت میں زندہ رہا ہو اور دنیا سے فائدہ اٹھایا تو وہ شہید کامل نہیں رہا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا چاہے اخروی اعتبار سے وہ شہید ہو۔ اب ہوش کے عالم میں تھا اور زخم لگنے کے بعد اس پر نماز کا ایک وقت گزر گیا تو گویا کہ وہ نماز اس کے ذمہ قرض ہو گئی اس لئے یہ بھی دنیا سے فائدہ اٹھانا ہوا اس لئے اس کو غسل دیا جائے گا۔ ارتثات والے کو غسل دیا جائے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے عن عمر بن میمون فی قصة قتل عمر حین طعنه قال فطار العلیج بالسکین ذات طرفین لا یمر علی احد یمینا ولا شمالا الا طعنه وفي ذلك دلالة علی انه قتل بمحدد ثم غسل وكفن وصلى علیه (الف) (سنن للبیہقی،

حاشیہ: (الف) حضور نے شہدائے احد کے بارے میں حکم دیا کہ ان سے ہتھیار اور چمڑے کے لباس کھول دیئے جائیں۔ اور یہ کہ ان کے خون اور کپڑوں کے ساتھ دفن کئے جائیں (ب) عمر بن میمون سے حضرت عمرؓ کے قتل کے سلسلے میں منقول ہے کہ جس وقت ان کو نیزہ مارا، کہ موٹا کا فرد دھاری چھری لیکر اڑائیں بائیں جانب کسی پر بھی نہیں گزرا مگر اس کو نیزہ مارتا چلا گیا۔ اس میں دلالت ہے کہ حضرت عمرؓ تیز دھار والی چیز سے قتل کئے گئے ہیں۔ پھر غسل دیئے گئے ہیں، کفن دیئے گئے ہیں اور ان پر نماز پڑھی گئی۔

والارتثا ان یأکل او یشرب او یداولی او یریقی حیا حتی یمضی علیہ وقت صلوة وهو یعقل وینقل من المعركة حیا [۴۴۴] (۶) ومن قتل فی حد او قصاص غسل و صلی علیہ [۴۴۵] (۷) ومن قتل من البغاة او قطاع الطريق لم یصل علیہ.

باب الرثا الخ ج رابع ص ۲۵، نمبر ۶۸۲) اس اثر میں حضرت عمر کو زخم لگنے کے بعد انہوں نے کھایا پیا ہے، اس لئے ان کو غسل دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ زخم لگنے کے بعد جس نے دنیا سے فائدہ اٹھایا اس کو غسل دیا جائے گا۔

[۴۴۴] (۶) جو حد قصاص میں قتل کیا گیا اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز پڑھی جائے گی۔

**بج** غسل تو اس لئے دیا جائے گا کہ وہ شہید نہیں ہے بلکہ عام میت کی طرح ہے۔ اور نماز اس لئے پڑھی جائے گی کہ یہ مؤمن ہے (۲) حضرت ماعز اسلمی جو حد میں قتل ہوئے تھے ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی تھی (ابوداؤد و شریف، باب الصلوة علی من قتلہ الحدود ج ثانی ص ۹۸ نمبر ۳۱۸۶) (۳) حمیدہ کی عورت زنا کی حد میں رجم کی گئی تو آپؐ نے اس پر نماز جنازہ پڑھی عن عبد اللہ بن بریدۃ عن ابیہ فی قصة الغامدیۃ النبی رجمت فی الزنا قال النبی ﷺ فوالذی نفسی بیدہ لقد تابت توبۃ لو تابها صاحب مکس لغفر لہ ثم امر لہا فصلی علیہا و دفنت (الف) (سنن للبیہقی، باب الصلوة علی من قتلہ الحدود ج رابع ص ۲۵، نمبر ۶۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد میں قتل ہونے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

[۴۴۵] (۷) اگر باغیوں میں سے قتل کیا گیا ہو یا ڈاکوؤں سے قتل کیا گیا ہو تو اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

**بج** تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ ایسا کرنے سے نماز جنازہ سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے عن جابر بن سمرة قال اتی النبی ﷺ برجل قتل نفسه بمشاقص فلم یصل علیہ (ب) (سنن للبیہقی، باب الصلوة علی من قتل نفسه غیر مستحل القتھاج رابع ص ۲۹، نمبر ۶۸۳) اس حدیث میں اپنے کو قتل کرنے والے پر حضورؐ نے نماز نہیں پڑھی تو اسی طرح ڈاکوؤں اور باغیوں پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

**نوٹ** چونکہ میت مؤمن ہے اس لئے اور لوگ نماز پڑھ لیں۔



حاشیہ : (الف) غامدیہ کے سلسلے میں روایت ہے جو زنا کے سلسلے میں رجم کی گئی۔ آپؐ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے ایسی توبہ کی کہ اگر چنگی وصول کرنے والا ایسی توبہ کرے تو اللہ اس کو معاف کر دے۔ پھر حکم دیا گیا اور اس پر نماز پڑھی گئی اور دفن کی گئی (ب) حضورؐ کے سامنے ایسا آدمی لایا گیا کہ اس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا تھا تو آپؐ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔

## ﴿ باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ ﴾

[۴۴۶] (۱) الصلوٰۃ فی الکعبۃ جائزۃ فرضها ونفلها [۴۴۷] (۲) فان صلی الامام فیها بجماعۃ فجعل بعضهم ظهره الی ظهر الامام جاز [۴۴۸] (۳) ومن جعل منهم وجهه الی وجه الامام طاز ویکره [۴۴۹] (۴) ومن جعل منهم ظهره الی وجه الامام لم تجز صلوٰۃ

## ﴿ باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ ﴾

**ضروری نوٹ** بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیت اللہ کا کچھ نہ کچھ حصہ سامنے ہوگا جو قبلہ ہو جائے گا۔ اور قبلہ بننے کے لئے اتنا کافی ہے۔ باقی دلائل آگے آرہے ہیں۔

[۴۴۶] (۱) کعبہ میں نماز جائز ہے، فرض بھی اور نفل بھی۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن ابن عمر قال دخل النبی ﷺ البیت واسامۃ بن زید و عثمان بن طلحہ و بلال فاطال ثم خرج و کنت اول الناس دخل علی اثره فسالت بلالا این صلی فقال بین العمودین المقدمین (الف) (بخاری شریف، باب الصلوٰۃ بین السواری فی غیر جماعۃ، کتاب الصلوٰۃ، ص ۲ نمبر ۵۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا جائز ہے۔ [۴۴۷] (۲) اگر امام نے بیت اللہ میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور بعض نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کی تو نماز جائز ہو جائے گی۔

**حجہ** مقتدی نے اپنی پیٹھ امام کی پیٹھ کی طرف کر لی تو مقتدی امام کے آگے نہیں ہوا بلکہ امام کی پیچھے ہی رہا، اور مقتدی کے سامنے بھی قبلہ موجود ہے اس لئے نماز ہو جائے گی۔

[۴۴۸] (۳) اور جس مقتدی نے اپنا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف کیا تو بھی نماز جائز ہوگی لیکن مکروہ ہوگی۔

**حجہ** اس صورت میں بھی امام کے چہرے کی طرف مقتدی کی پیٹھ نہیں ہوئی اس لئے نماز جائز ہو جائے گی۔ لیکن امام کے چہرہ کی طرف چہرہ کرنا اچھا نہیں ہے اس لئے مکروہ ہے۔

[۴۴۹] (۴) مقتدی میں سے جس نے اپنی پیٹھ امام کے چہرہ کی طرف کی اس کی نماز جائز نہیں ہوگی۔

**حجہ** امام کے چہرہ کی طرف مقتدی کی پیٹھ ہوگئی تو مقتدی امام کے بالکل آگے ہو گیا اور پہلے قاعدہ گزر گیا ہے کہ مقتدی امام کے آگے ہو جائے تو مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔ یہ مسئلہ قاعدہ پر مستتب ہے۔

**نوٹ** اوپر کی چار شکلیں بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنے کی ہے۔

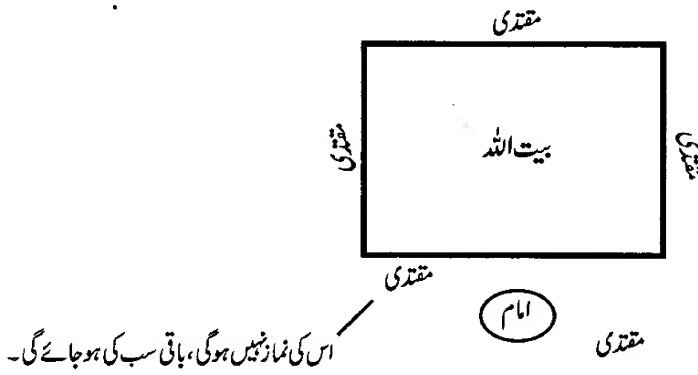
حاشیہ : (الف) آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ اور بلال داخل ہوئے پھر نکلے۔ تو میں سب سے پہلے ان کے پیچھے داخل ہوا اور حضرت بلال سے پوچھا کہ کہاں نماز پڑھی تو فرمایا کہ اگلے دو ستونوں کے درمیان۔

[۴۵۰] (۵) واذا صلى الامام فى المسجد الحرام تحلق الناس حول الكعبة و صلوا بصلوة الامام فمن كان منهم اقرب الى الكعبة من الامام جازت صلوته اذا لم يكن فى جانب الامام [۴۵۱] (۶) ومن صلى على ظهر الكعبة جازت صلوته.

[۴۵۰] (۵) اگر مسجد حرام میں نماز پڑھائے اور سب لوگ کعبہ کے ارد گرد حلقہ بنائے اور امام کے ساتھ نماز پڑھے تو جو ان میں سے کعبہ سے زیادہ قریب ہو امام سے بھی تو اس کی نماز جائز ہے جب کہ امام کی جانب نہ ہو۔

**نفس** امام کی جانب جو لوگ ہو اور امام سے بھی زیادہ بیت اللہ کے قریب ہو جائے تو امام کی جانب امام سے بھی آگے ہو جائے میں گے اس لئے اس آدمی کی نماز جائز نہیں ہوگی۔ اور جو لوگ امام کی جانب نہیں ہیں دوسری جانب ہیں وہ لوگ اگر کعبہ کے زیادہ قریب ہو گئے تو چونکہ وہ امام کی جانب نہیں ہیں اس لئے امام سے آگے نہیں ہوئے اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی۔

**اسول** امام سے آگے مقتدی ہو جائے تو اس کی نماز جائز نہیں ہوگی ورنہ ہو جائے گی۔ نقشہ اس طرح ہے۔  
(بیت اللہ کے ارد گرد نماز پڑھنے کا نقشہ)



[۴۵۱] (۶) جس نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔

**نفس** بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اس کی شان اور عظمت کے خلاف ہے۔ لیکن اگر پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ بیت اللہ کی محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی جو قبلہ ہو جائے گی۔ قبلہ ہونے کے لئے بیت اللہ کی دیوار سامنے ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی فضا سامنے ہونا ضروری ہے۔ جیسے کوئی ہوائی جہاز میں نماز پڑھے تو جہاز کی بلندی کی وجہ سے بیت اللہ کی دیوار اس کے سامنے نہیں ہوگی۔ صرف بیت اللہ کے محاذات کی فضا اس کے سامنے ہوگی اور نماز ہو جائے گی۔ بیت اللہ کے اوپر نماز پڑھنا مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان النبی ﷺ نہی ان یصلی فی سبعة مواطن فی المزیلة والمجزرة والمقبرة وقارة الطريق وفى الحمام

ومعاطن الابل و فوق ظهر بیت الله (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ ما یصلی الیہ وفیہ، کتاب الصلوٰۃ ص ۸۱ نمبر ۳۳۶ ر ابن ماجہ شریف، باب المواضع التي تکره فیها الصلوٰۃ ص ۱۰۶، نمبر ۷۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاہم نماز پڑھے گا تو نماز ہو جائے گی۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک نماز ہوگی ہی نہیں۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے کہ بیت اللہ پر نماز مکروہ ہے۔ تو گویا کہ ہوگی ہی نہیں۔



حاشیہ : (الف) حضورؐ نے روکا اس بات سے کہ سات جگہ نماز پڑھے (۱) کوڑا ڈالنے کی جگہ (۲) اونٹ ذبح کرنے کی جگہ میں (۳) قبرستان (۴) راستہ میں (۵) غسل خانہ میں (۶) اونٹ کے پیٹنے کی جگہ (۷) بیت اللہ کی چھت پر۔

## ﴿ کتاب الزکوۃ ﴾

[۴۵۲] (۱) الزکوۃ واجبة على الحر المسلم البالغ العاقل اذا ملك نصابا ملكا تاما و

## ﴿ کتاب الزکوۃ ﴾

**ضروری نوٹ** زکوۃ کو نماز کے بعد لائے کیوں کہ تقریباً اسی آیتوں میں نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر ہے۔ اس لئے نماز کے اباحت ختم ہونے کے بعد زکوۃ کا تذکرہ لائے۔ زکوۃ کے معنی پاکی ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال پاک ہوتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔ یا زکوۃ کے معنی بڑھنا ہیں اور چونکہ زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت بہت سی آیتوں میں ہے۔ مثلاً یقیمون الصلوۃ و یؤتون الزکوۃ و یطیعون اللہ و رسولہ (الف) (آیت ۷۷ سورۃ توبہ) اسی آیت سے زکوۃ دینا فرض ثابت ہوتا ہے۔

[۴۵۲] (۱) زکوۃ واجب ہے ہر وہ آزاد پر جو مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو جب کہ نصاب کا پورا مالک ہو، اور اس پر سال گزر گیا ہو، اسی لئے بچے پر، مجنوں پر اور مکاتب پر زکوۃ نہیں ہے۔

**تشریح** زکوۃ عبادت مالیہ ہے۔ اس لئے کافر پر زکوۃ واجب نہیں اس سے جو کچھ لیا جائے گا وہ ٹکس لیا جائے گا۔ چنانچہ زکوۃ واجب ہونے کے کچھ شرطیں ہیں (۱) آزاد ہو، اس لئے غلام اور مکاتب پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مال اس کے مولیٰ کا ہے۔ غلام کا نہیں ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے عن جابر قال قال رسول اللہ لیس فی مال المکاتب زکوۃ حتی یعفق (ب) (دارقطنی ۱۰، باب لیس فی مال الکاتب زکوۃ حتی یعفق ج ثانی ص ۹۳ نمبر ۱۹۴۱ سنن للبیہقی، باب من قال لیس فی مال العبد زکوۃ ج رابع ص ۱۸۲، نمبر ۳۳۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ آزاد نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مال کا پورا مالک بننا ضروری ہے اور غلام کا مال نہیں ہے اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ اس کے مولیٰ کا مال ہے۔ دوسری شرط مسلمان ہونا ہے اس کی وجہ گزر چکی۔ تیسری شرط بالغ ہونا ہے۔ چنانچہ بچے کے مال میں زکوۃ نہیں ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی عن النبی ﷺ قال رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یتقیظ وعن الصبی حتی یحتلم وعن المجنون حتی یعقل (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یرق او یصیب حداج ثانی ص ۲۵۶ کتاب الحدود، نمبر ۴۴۰۳ ابن ماجہ شریف، باب طلاق المقتوہ والصغیر والنائم، کتاب الطلاق ص ۱۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچے کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں ہے تو زکوۃ بھی اس کے مال میں واجب نہیں ہوگی۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجنون وہ آدمی ہے جس کی عقل بالکل ختم ہوگئی ہو اس پر بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۲) چنانچہ اثر میں ہے عن ابراہیم قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یحتلم (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۳، من قال لیس فی مال الیتیم زکوۃ حتی یبلغ ج ثانی، ص ۹۷، نمبر ۱۰۱۲۶) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ کذا قال ابن مسعود فی مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۱۲۵۔

حاشیہ : (الف) نماز قائم کرو اور زکوۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو (ب) آپ نے فرمایا مکاتب کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ وہ آزاد ہو جائے (ج) آپ نے فرمایا تین آدمیوں سے قلم اٹھایا گیا ہے یعنی کچھ واجب نہیں ہے سونے والے سے یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، اور بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور مجنوں سے یہاں تک کہ عقل مند ہو جائے (د) ابراہیم کا قول ہے: فرمایا یتیم کے مال میں زکوۃ نہیں ہے یہاں تک کہ بالغ ہو جائے۔

حال عليه الحول وليس على صبي ولا مجنون ولا مكاتب زكوة.

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ بچے کے مال میں زکوة ہے۔

**وجہ** اس لئے کہ یہ وجوب مالیہ ہے اور مال میں جس طرح نکیس وجب ہوتا ہے اسی طرح زکوة بھی واجب ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن عمر بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان النبی ﷺ خطب الناس فقال الا من ولی یتیم لہ مال فلیتجر فیہ ولا یتزرکہ حتی تاكلہ الصدقة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوة مال الیتیم ص ۱۳۹ نمبر ۶۴۱/۲ دار قطنی نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یتیم کے مال میں زکوة ہے اور یتیم اس کو کہتے ہیں جو نابالغ ہو اس لئے اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کے مال میں زکوة ہے (۲) اثر میں ہے ان عمر بن خطاب قال ابتغوا بالموال الیتیمی لا تاكلها الصدقة (ب) (دار قطنی ۱۱، باب وجوب الزکوة فی مال الصبی والیتیم ج ۲ ص ۹۵ نمبر ۱۹۵۴ سنن للبیہقی، نمبر ۷۳۴۰) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ بچے کے مال میں زکوة ہے۔ زکوة واجب ہونے کے لئے چوتھی شرط عقل کی ہے۔ اس کے بارے میں حدیث گزر چکی۔ پانچویں شرط ہے نصاب کا مکمل مالک ہو۔ کیونکہ تھوڑے سے مال کا مالک ہوگا اور اس میں زکوة دے گا تو آج زکوة دے گا اور کل لوگوں سے زکوة مانگے گا۔ اس لئے شرط لگائی کہ نصاب کا مالک ہو۔ اور نصاب یہ ہے کہ سال بھر کھا پی کر دوسو درہم بچے، یا بیس مثقال سونا بچے تو اس میں چالیسواں حصہ زکوة ہے یعنی چالیس درہم میں ایک درہم لازم ہوگا۔ اور اونٹ، گائے، بکری اور کاشتکاروں کا نصاب الگ الگ ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ دلیل اس حدیث میں ہے۔ سمعت ابی سعید الخدری یقول قال رسول اللہ ﷺ لیس فیما دون خمس ذود صدقة و لیس فیما دون خمس اواق صدقة و لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة (ج) (ابوداؤد شریف، باب ماتجب فی الزکوة ص ۲۲۴ نمبر ۱۵۵۸/۱۵ بخاری شریف، باب زکوة الورق ص ۱۹۴ کتاب الزکوة نمبر ۱۲۴۷) ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم ہوئے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوة واجب نہیں ہے۔ اسی طرح پانچ اونٹ سے کم میں زکوة واجب نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ وسق سے کم غلہ پیدا ہو تو زکوة یعنی عشر نہیں ہے۔ البتہ دوسری حدیث کی وجہ سے حنفیہ کا اس بارے میں اختلاف ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

**نوٹ** ملک تام کی قید اس لئے لگائی کہ مکاتب چیز کا مالک ہوتا ہے لیکن اس کی ملکیت اس پر تام نہیں ہے اس لئے اس پر زکوة واجب نہیں ہے۔ زکوة واجب ہونے کے لئے چھٹی شرط یہ ہے کہ اس مال پر سال گزرے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی عن النبی ﷺ ببعض اول الحدیث قال فاذا کانت لک مائتا درہم و حال علیہ الحول ففیہا خمسة دراهم و لیس علیک شیء یعنی فی الذہب حتی یکون لک عشرون دینارا فاذا کانت لک عشرون دینارا و حال علیہ الحول ففیہا نصف دینارا فما زاد فبحساب ذلک (د) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوة السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۵۷۳، نمبر ۱۵۷۳) عن ابن عمر قال قال

حاشیہ : (الف) آپ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا سن لو! جو یتیم کی گھمبائی کرے اور یتیم کا مال ہو تو اس میں تجارت کرنی چاہئے۔ اور اس کو اس طرح نہ چھوڑ دو کہ صدقہ اس کو کھاجائے (ب) حضرت عمر نے فرمایا یتیم کے مال کے ذریعہ تجارت تلاش کرو تا کہ صدقہ اس کو کھانا جائے (ج) آپ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ یعنی زکوة نہیں ہے، اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوة نہیں، اور پانچ وسق غلے سے کم میں صدقہ نہیں ہے (د) آپ کی بعض حدیث کا ٹکڑا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۴۵۳] (۲) ومن كان عليه دين محيط بماله فلا زكوة عليه [۴۵۴] (۳) وان كان ماله اكثر من الدين زكى الفاضل اذا بلغ نصابا [۴۵۵] (۴) وليس في دور السكنى و ثياب

رسول الله ﷺ لا زكوة في مال امرئ حتى يحول عليه الحول (الف) (دارقطني اباب وجوب الزكوة بالحوال ج ثانی ص ۶۷ نمبر ۱۸۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوة مال نصاب پر سال گزرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

[۴۵۳] (۲) جس پر ایسا قرض ہو کہ اس کے مال کو گھیرے ہوئے ہو تو اس پر زکوة نہیں ہے۔

**تشریح** مثلاً ایک آدمی کے پاس پانچ سو روپے موجود ہیں لیکن اس پر پانچ سو قرض بھی ہے تو اگر قرض ادا کرے گا تو کچھ نہیں بچے گا اس لئے گویا کہ اس کے پاس مال نصاب ہی نہیں ہے اس لئے اس پر زکوة واجب نہیں ہوگی۔

**ترجمہ** اثر میں ہے ان عثمان بن عفان کان يقول هذا شهر زكوتكم فمن كان عليه دين فليؤد دينه حتى تحصل اموالكم فتؤدون منها الزكوة (ب) (موطأ امام مالک، الزکوة فی الدین ص ۲۸۴ سنن للبیہقی، باب الدین مع الصدقة ج رابع ص ۲۳۹، نمبر ۷۶۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرض ادا کر کے جو باقی بچے اگر وہ نصاب تک پہنچے اور اس پر سال گزر جائے تو اس باقی ماندہ مال میں زکوة ہے ورنہ نہیں۔

[۴۵۴] (۳) اور اگر اس کا مال قرض سے زیادہ ہو تو زیادہ مال کی زکوة واجب ہوگی اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے۔

**ترجمہ** اثر میں ہے عن ابن عباس و ابن عمر فی الرجل يستقرض فينفق على ثمرته و على اهله قال قال ابن عمر يبدأ بما استقرض فيقضيه و يزكى ما بقى، قال قال ابن عباس يقضى ما انفق على الثمرة ثم يزكى ما بقى (ج) (سنن للبیہقی، باب الدین مع الصدقة ج رابع ص ۲۳۹، نمبر ۷۶۰۸، کتاب الزکوة) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پہلے قرض ادا کرے گا پھر جو بچے گا اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں زکوة واجب ہوگی۔

[۴۵۵] (۴) زکوة واجب نہیں ہے رہنے کے گھر میں، بدن کے کپڑے میں، گھر کے سامان میں، سواری کے جانور میں، خدمت کے غلام میں اور استعمال کے ہتھیار میں۔

**تشریح** وہ چیزیں جو انسانی زندگی میں ضرورت کے لئے ہیں اور روزمرہ کے استعمال میں آتی ہیں ان میں زکوة واجب نہیں ہوگی۔ بلکہ ضرورت

حاشیہ : (پچھلے صفحے سے آگے) یہ ہے کہ جب تمہارے پاس دو سو روپے ہو جائیں اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہیں۔ اور سونے میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ بیس دینار ہو جائیں۔ پس جب کہ بیس دینار ہو جائیں اور سال گزر جائے تو اس میں آدھا دینار ہے۔ اور جو زیادہ ہو وہ اسی حساب سے ہے (الف) آپ نے فرمایا کسی انسان کے مال میں زکوة نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے (ب) حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے کہ یہ تمہاری زکوة کا مہینہ ہے۔ تو جس پر قرض ہو تو وہ اپنا قرض ادا کر دے یہاں تک کہ تمہارا مال خالص ہو جائے اور اس سے تم زکوة ادا کر سکو (ج) حضرت ابن عمرؓ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جو قرض لے لے اور اپنے پھل یا اہل پر خرچ کر دے تو ابن عمرؓ نے فرمایا جو قرض لیا ہے اس سے شروع کرے اور اس کو ادا کرے پھر جو باقی رہے اس کی زکوة دے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو پھل پر خرچ کیا اس کو ادا کرے پھر جو باقی رہے اس کی زکوة دے۔



البدن واثاث المنازل ودواب الركوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوۃ [۳۵۶]  
(۵) ولا يجوز اداء الزکوۃ الا بنیته مقارنة للاداء او مقارنة لعزل مقدار الواجب.

اصلیہ سے خارج ہوگی یا اوپر کی چیزیں تجارت کے لئے اور بیچنے خریدنے کے لئے ہوں تو ان کی قیمت میں زکوۃ واجب ہوگی۔

**بیج (۱)** حاجت اصلیہ کی چیزوں میں شریعت زکوۃ واجب نہیں کرتی ہے (۲) حدیث میں ہے سمع ابا ہریرۃ عن النبی ﷺ قال خیر الصدقة ما كان عن ظهر غنی وابدأ بمن تعول (بخاری شریف، باب لاصدقة الا عن ظهر غنی ص ۱۹۲ نمبر ۱۳۲۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت سے زیادہ ہونے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی (۳۰) عن ابی ہریرۃ ان رسول الله ﷺ قال ليس على المسلم في عبده ولا في فرسه صدقة (الف) (مسلم شریف، کتاب الزکوۃ، ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدمت کے غلام اور سواری کے گھوڑے میں زکوۃ نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں لوگوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ انہیں پر اوپر کی تمام ضروریات کی چیزوں کو قیاس کر لیں (۲) حدیث میں ہے عن علی قال زهيرا حسبه عن النبی ﷺ ... وفي البقر في كل ثلاثين تبیع والاربعين مستنة وليس على العوامل شيء (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۲) (۳) عن عمر ابن شعيب عن ابيه عن جده عن النبی ﷺ قال ليس في الابل العوامل صدقة (ج) (دارقطنی ۶ باب ليس في العوامل صدقة ج ثانی ص ۸۸ نمبر ۱۹۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ وہ جانور جو روزمرہ کے کام آتے ہیں اور ضرورت کی چیز ہے مثلاً ہل جوتا اور سواری کرنا اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

**اصول** حاجت اصلیہ کی چیزوں میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

**نکتہ** دورا لسنی : وہ گھر جس میں آدمی بسیرا کرتا ہو، اثاث : گھر کا سامان، فرنیچر۔

[۳۵۶] (۵) زکوۃ کی ادائیگی جائز نہیں ہے مگر ایسی نیت کے ساتھ جو ادائیگی کے ساتھ ملے ہوئی ہو یا مقدار واجب کو الگ کرتے وقت ملی ہوئی ہو۔ **تشریح** جس وقت زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دے رہا ہو اس وقت زکوۃ دینے کی نیت ہونی چاہئے تب زکوۃ ادا ہوگی۔ اگر اس وقت مثلاً قرض دینے کی نیت ہے اور بعد میں زکوۃ کی نیت کر لی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا اس وقت کچھ نیت نہیں تھی روپیہ دینے کے بعد زکوۃ دینے کی نیت کی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ یا جس وقت حساب کر کے جتنا روپیہ زکوۃ دیا ہے اس کو اپنے مال سے الگ کیا اس وقت زکوۃ کی نیت ہو تب بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اس صورت میں چاہے زکوۃ فقیر کے ہاتھ میں دیتے وقت زکوۃ کی نیت نہیں کی ہو۔ کیونکہ جس وقت اس مال کو اپنے مال سے الگ کر رہا تھا اس وقت زکوۃ کی نیت کر چکا تھا اور وہی مال اس وقت دے رہا ہے اس لئے پہلی نیت ہی کافی ہو جائے گی۔

**بیج** پہلے گزر چکا ہے کہ عبادات اصلیہ اس وقت ادا ہوگی جب عبادات کی نیت کی ہو۔ اور زکوۃ عبادت ہے اس لئے اس کی ادائیگی کے وقت

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑے میں صدقہ نہیں ہے (ب) حضرت علی سے روایت ہے کہ زہیر نے فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ حضورؐ سے منقول ہے... کہ ہر تیس گانے میں ایک سال کا بچھڑا اور چالیس میں دو سال کا بچھڑا، اور کام کرنے والے جانوروں پر کچھ نہیں ہے (ج) حضورؐ نے فرمایا کام کرنے والے اونٹوں میں صدقہ نہیں ہے۔

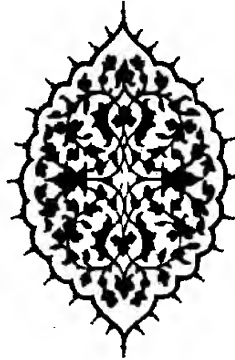
[۴۵۷] (۶) ومن تصدق بجميع ماله ولا ينوى الزکوۃ سقط فرضها عنه.

بھی نیت ہونی چاہئے (۲) حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات ارنح (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ ص ۲ نمبر ۱) اس حدیث کی وجہ سے تمام عبادات اصلہ کی ادائیگی کے لئے عبادت کے ساتھ ہی نیت کرنا ضروری ہے۔

[۴۵۷] (۶) جس نے اپنے تمام مال کو صدقہ کر دیا اور زکوۃ کی نیت نہیں کی تو اس کا فرض ساقط ہو جائے گا۔

**تشریح** تمام مال کو صدقہ کی نیت سے دیدیا لیکن اس میں زکوۃ کی نیت نہیں کی تو جتنا مال زکوۃ میں دینا تھا اس کی ادائیگی ہو گئی اور فرض ساقط ہو گیا۔

**یہ** تمام مال کے صدقہ نافلہ میں فرض داخل ہو گیا اس لئے الگ سے نیت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔



## ﴿باب زکوۃ الابل﴾

[۴۵۸] (۱) ليس في اقل من خمس ذود من الابل صدقة فاذا بلغت خمسا سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة الى تسع فاذا كانت عشرا ففيها شاتان الى اربع عشرة فاذا كانت خمس عشرة ففيها ثلث شياة الى تسع عشرة فاذا كانت عشرين ففيها اربع شياة الى اربع وعشرين فاذا بلغت خمسا وعشرين ففيها بنت مخاض الى خمس وثلثين فاذا

## ﴿باب زکوۃ الابل﴾

**ضروری نوٹ** عرب میں چونکہ اونٹ زیادہ تھے اس لئے مصنف اونٹ کی زکوۃ کے احکام پہلے لارہے ہیں۔ اور سونا چاندی کم تھے اس لئے ان کے احکام بعد میں لارہے ہیں۔

**نوٹ** جانوروں میں زکوۃ اس وقت ہوگی جب کہ وہ سال کا اکثر حصہ چر کر زندگی گزارتے ہوں اور گھر پر کم کھاتے ہوں۔ لیکن اگر جانور کو گھر پر کھلا کر پالا جاتا ہو اور تجارت کے بھی نہ ہوں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ حدیث میں ہے بھز بن حکیم یحدث عن ابیہ عن جدہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فی کل ابل سائمة من کل اربعین ابنۃ لبون (الف) (نسائی شریف، باب سقوط الزکوۃ عن الابل اذا كانت رسلا اهلها وجموعهم ص ۳۳۸ نمبر ۲۴۵۱/ ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور ہو تو اس میں زکوۃ واجب ہے۔ کام کا ہو یا علوفہ ہو تو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ ابوداؤد میں یہ عبارت ہے۔ وفی سائمة الغنم فذکر نحو حدیث سفیان (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۷ نمبر ۱۵۷۷ بخاری شریف نمبر ۱۴۵۴) یہ جملہ من ثمامہ بن عبد اللہ بن انس کی حدیث کے درمیان ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ چرنے والے جانور میں زکوۃ ہے علوفہ میں نہیں۔

**نکت** العلوفہ : وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ گھر پر کھا کر پلتا ہو۔

[۴۵۸] (۱) پانچ اونٹ سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ چرنے والے پانچ اونٹ تک پہنچ جائے اور ان پر سال گزار جائے تو اس میں ایک بکری ہے نو اونٹ تک۔ پس جب دس اونٹ ہو جائے تو اس میں دو بکریاں ہیں چودہ اونٹ تک۔ پس جبکہ پندرہ اونٹ ہو جائیں تو ان میں تین بکریاں ہیں انیس اونٹ تک۔ پس جبکہ بیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں چار بکریاں ہیں چوبیس اونٹ تک۔ پس جب کہ پچیس اونٹ ہو جائیں تو ان میں ایک بنت مخاض ہے پینتیس اونٹ تک۔ پس جب کہ پینتیس اونٹ تک تو ان میں ایک بنت لبون ہے پینتالیس تک۔ پس جب کہ چھیالیس پہنچ جائیں تو ان میں ایک حقہ ہے ساٹھ تک۔ پس جب کہ اکٹھ ہو جائیں تو اس میں ایک جزء ہے پچھتر تک پس جب کہ چھتر اونٹ ہو جائیں تو ان میں دو بنت لبون ہیں نوے اونٹ تک۔ پس جب کہ اکانوے ہو جائیں تو ان میں دو حقے ہیں ایک سو بیس تک۔ پھر

حاشیہ : (الف) آپ فرمایا کرتے تھے کہ چرنے والے اونٹوں میں ہر چالیس میں سے ایک بنت لبون ہوگا (ب) چرنے والی بکری میں، پھر حضرت سفیان کی حدیث کی طرح ذکر کیا۔

بلغت ستا و ثلثین ففيها بنت لبون الى خمس واربعين فاذا بلغت ستا واربعين ففيها حقة الى ستين فاذا بلغت احدى و ستين ففيها جذعه الى خمس و سبعين فاذا بلغت ستا و سبعين ففيها بنتا لبون الى تسعين واذا كانت احدى و تسعين ففيها حقتان الى مائة و عشرين ثم تستأنف الفريضة.

فرض شروع سے شروع ہوگا۔

اس حساب کا ثبوت اس حدیث میں موجود ہے عن سالم عن ابيه ان رسول الله ﷺ كتب كتاب الصدقة فلم يخرجہ الى عماله حتى قبض فقرنه بسيفه فلما قبض عمل به ابو بكر حتى قبض و عمر حتى قبض و كان فيه في خمس من الابل شاة وفي عشر شاتان و في خمس عشرة ثلث شياه و في عشرين اربع شياه و في خمس و عشرين بنت مخاض الى خمس و ثلثين فاذا زادت ففيها بنت لبون الى خمس و اربعين فاذا زادت ففيها حقة الى ستين فاذا زادت ففيها جذعة الى خمس و سبعين فاذا زادت ففيها بنتا لبون الى تسعين فاذا زادت ففيها حقتان الى عشرين و مائة فاذا زادت على عشرين و مائة ففي كل خمسين حقة وفي كل اربعين ابنة لبون (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء في زکوة الابل والغنم ص ۱۳۵ نمبر ۶۲۱ / ابوداؤد شریف، باب فی زکوة السائمة ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۷۰ / بخاری شریف، باب شکوة الغنم ص ۱۹۵ نمبر ۱۳۵۴) اس حدیث سے اوپر کا پورا حساب ثابت ہوتا ہے کہ کتنے اونٹ میں کتنے جانور دیئے جائیں گے۔ اور کب بکری دیجائے گی اور کب اونٹ کا بچہ دیا جائے گا۔

**انت** سائمة : چر کر زندگی گزارنے والا جانور۔ بنت مخاض : مخاض کہتے ہیں اس اونٹنی کو جو حاملہ ہو، تو بنت مخاض کے معنی ہوئے حاملہ اونٹنی کی بچی، یہ اس بچے کو کہتے ہیں جس پر ایک سال گزر کر دوسرا سال چڑھ چکا ہو۔ بنت لبون : دودھ دینے والی اونٹنی کا بچہ، یعنی وہ بچہ جس پر دو سال گزر کر تیسرا سال چڑھ چکا ہو۔ ہتھ : وہ بچہ جس پر سوار ہونے کا حق ہو گیا ہو، یعنی تین سال گزر کر چوتھے سال میں قدم رکھا ہو۔ جذعة : جس کے اگلے دونوں دانت نکل گئے ہوں، یعنی چار سال گزر کر پانچویں سال میں قدم رکھا ہو۔ ایسے بچے کا دانت نکل کر دوسرا نیا دانت نکل آتا ہے اور بالغ ہو جاتا ہے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے زکوة کے لئے خط لکھوایا اس کو عمال کے لئے ابھی نہیں نکالا تھا کہ آپؐ کا انتقال ہو گیا۔ اس لئے اس خط کو تلوار کے ساتھ رکھ دیا پس جب آپؐ کا انتقال ہوا تو اس خط پر حضرت ابو بکر نے عمل کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اور حضرت عمرؓ نے بھی عمل کیا یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس خط میں یہ بات تھی کہ پانچ اونٹ میں ایک بکری، اور دس میں دو بکریاں، اور پندرہ میں تین بکریاں، اور بیس میں چار بکریاں، اور پچیس میں ایک بنت مخاض پینتیس تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں بنت لبون ہے پینتالیس تک، پس چھیالیس میں ایک حقہ اونٹ ہے ساٹھ تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں ایک جذعہ ہے مئکتز تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں دو بنت لبون ہے نوے تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے تو اس میں دو حقے ہیں ایک سو بیس اونٹ تک، پس جب کہ زیادہ ہو جائے ایک سو بیس پر تو ہر پچاس میں ایک حقہ اور ہر چالیس میں ایک بنت لبون ہے

[۴۵۹] (۲) فیکون فی الخمس شاة مع الحقتین و فی العشر شاتان و فی خمس عشرة ثلث شياه و فی عشرين اربع شياه و فی خمس و عشرين بنت مخاض الی مائة و خمسين فیکون فیها ثلث حقا [۴۶۰] (۳) ثم تستانف الفریضة ففی الخمس شاة و فی العشر شاتان و فی خمس عشرة ثلث شياه و فی عشرين اربع شياه و فی خمس و عشرين بنت

[۴۵۹] (۲) پس ہوگا پانچ اونٹ میں ایک بکری دو حقہ کے ساتھ اور دس اونٹ میں دو بکریاں اور پندرہ اونٹ میں تین بکریاں اور بیس اونٹ میں چار بکریاں اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض ایک سو پچیس تک، پس ایک سو پچاس اونٹ میں تین حقے ہوں گے۔ پھر فرض شروع سے کیا جائے گا۔

**تشریح** ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری لازم ہوگی۔ اور پچیس اونٹ میں اونٹنی کا بچہ لازم ہوگا جس کو بنت مخاض کہتے ہیں یعنی ایک سال گزر کر دوسرے سال میں قدم رکھا ہو۔ اب اوپر کا ایک سو بیس اور پچیس مل کر ایک سو بیس تالیس ہوئے۔ لیکن جوں ہی دونوں ملا کر ڈیڑھ سو ہوں گے تو تین حقے لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ شروع میں چھیالیس پر ایک حقہ لازم ہوا تھا۔ اور اکانوے میں دو حقے تھے تو گویا کہ ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا۔ اس اعتبار سے ایک سو پچاس تین مرتبہ پچاس ہوئے تو تین حقے لازم ہوں گے۔

**جواب** اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے جو اوپر گزری۔ اس کا آخری جملہ ہے ففی کل خمسین حقہ و فی کل اربعین ابنۃ لبون (حوالہ بالا) اور ابوداؤد شریف میں ہے فاذا كانت خمسین ومائة ففیها ثلاث حقا ... فاذا كانت مائتین ففیها اربع حقا او خمس بنت لبون (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمتہ ص ۲۷ نمبر ۱۵۷، حدیث حدیثا محمد بن العلاء انا ابن المبارک کا ٹکڑا ہے) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ لازم ہوگا اور ایک سو پچاس میں تین حقے اور دو سو اونٹ میں چار حقے لازم ہوں گے۔ اور ایک سو بیس کے بعد ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن علی قال اذا زادت علی عشرين ومائة يستقبل بها الفریضة (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ الامن قال اذا زادت علی عشرين ومائة استقبل بها الفریضة ج ثانی، ص ۳۶۱، نمبر ۹۹۱) اس استقبل بها الفریضة سے معلوم ہوا کہ ایک سو بیس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس اونٹ میں ایک بنت مخاض لازم ہوگا۔

[۴۶۰] (۳) پھر فرض شروع سے کیا جائے گا، پس پانچ اونٹ میں ایک بکری، دس میں دو بکریاں اور پندرہ میں تین بکریاں اور بیس میں چار بکریاں اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون پس جبکہ پہنچ جائے ایک سو چھیانوے تو اس میں چار حقے ہیں دو سو اونٹ تک۔ **تشریح** ایک سو پچاس اونٹ کے بعد پھر شروع سے حساب کیا جائے گا یعنی ہر پانچ اونٹ میں ایک بکری اور پچیس میں ایک بنت مخاض

حاشیہ : (الف) پس جب کہ ایک سو پچاس ہو تو اس میں تین حقے ہیں۔ پس جب کہ دو سو ہوں تو اس میں چار حقے یا پانچ بنت لبون ہوں گے (ب) حضرت علیؑ سے منقول ہے فرمایا جب ایک سو بیس اونٹ پر زیادہ ہو جائے تو حساب شروع سے کیا جائے گا۔

مخاض و فی ست و ثلثین بنت لبون فاذا بلغت مائة و ستا و تسعين ففيها اربع حقاك الى مائتين [۴۶۱] (۴) ثم تستأنف الفريضة ابدا كما تستأنف في الخمسين التي بعد المائة والخمسين [۴۶۲] (۵) والبخت والعرب سوا.

اور چھتیس میں ایک بنت لبون۔ پس ایک سو پچاس اور چھتیس مل کر ایک سو چھاسی ہوئے، تو گویا کہ ایک سو چھاسی میں تین حقے اور ایک بنت لبون لازم ہوتے ہیں اور ایک سو چھانوے میں چار حقے لازم ہوں گے۔ اور دو سو تک چار حقے ہی لازم ہوتے رہیں گے۔ دلیل اوپر گزر گئی ہے۔

[۴۶۱] (۴) پھر فرض شروع کیا جائے گا جیسا کہ ایک سو پچاس کے بعد پچاس میں شروع کیا گیا تھا۔  
**تشریح** جس طرح ایک سو پچاس کے بعد جو پچاس تھا اس میں ہر پانچ میں ایک بکری لازم ہوئی تھی اور پچیس میں ایک بنت مخاض اور چھتیس میں ایک بنت لبون اور پچاس میں ایک حقہ لازم ہوا تھا اسی طرح دو سو اونٹ کے بعد جو پچاس ہے اس میں کیا جائے گا۔  
**تذکرہ** امام مالکؒ کے نزدیک ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس اونٹ میں ایک حقہ ہے۔ اور اس کے درمیان میں کچھ نہیں ہے۔ ان کی دلیل مسئلہ نمبر ایک کی حدیث ہے جس کے اخیر میں تھا فاذا زادت علی عشرين و مائة ففي كل اربعين بنت لبون و فی كل خمسين حقۃ (الف) (ابوداؤد و شریف، باب فی زکوۃ السائمۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث میں تصریح ہے کہ ایک سو بیس کے بعد ہر چالیس اونٹ میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ لازم ہوگا۔ اور چونکہ درمیان میں جو پانچ یا دس یا پندرہ یا بیس اونٹ ہیں اس کی زکوۃ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے اس لئے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔  
[۴۶۲] (۵) سختی اور عربی اونٹ برابر ہیں۔  
**تشریح** دونوں چونکہ اونٹ ہی ہیں اس لئے دونوں کا مسئلہ ایک ہی ہے۔

(اونٹ کی زکوۃ کے نصاب کا نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے)

## ﴿ اونٹ کی زکوۃ کا نصاب ﴾

اونٹ	زکوۃ	اونٹ	زکوۃ	اونٹ	زکوۃ	اب مجموعہ اس طرح ہوگا
۵	ایک بکری	۵	ایک بکری	۱۲۵	۲ حقہ اور ایک بکری	
۱۰	۲ بکریاں	۱۰	۲ بکریاں	۱۳۰	۲ حقہ اور ۲ بکریاں	
۱۵	۳ بکریاں	۱۵	۳ بکریاں	۱۳۵	۲ حقہ اور ۳ بکریاں	
۲۰	۴ بکریاں	۲۰	۴ بکریاں	۱۴۰	۲ حقہ اور ۴ بکریاں	
۲۵	ایک بنت مخاض	۲۵	ایک بنت مخاض	۱۴۵	۲ حقہ اور ایک بنت مخاض	
۳۶	ایک بنت لبون	۳۰	ایک حقہ	۱۵۰	۳ حقہ	
۴۶	ایک حقہ	شروع سے				
۶۱	ایک جذعہ	۵	ایک بکری	۱۵۵	۳ حقہ اور ایک بکری	
۷۶	۲ بنت لبون	۱۰	۲ بکریاں	۱۶۰	۳ حقہ اور ۲ بکریاں	
۹۱	۲ حقہ	۱۵	۳ بکریاں	۱۶۵	۳ حقہ اور ۳ بکریاں	
۱۲۰	۲ حقہ	۲۰	۴ بکریاں	۱۷۰	۳ حقہ اور ۴ بکریاں	
شروع سے		۲۵	ایک بنت مخاض	۱۷۵	۳ حقہ اور ایک بنت مخاض	
		۳۶	ایک بنت لبون	۱۸۶	۳ حقہ اور ایک بنت لبون	
		۴۶	ایک حقہ	۱۹۶	۴ حقہ	
		۵۰	ایک حقہ	۲۰۰	۴ حقہ	



## ﴿باب صدقة البقر﴾

[۴۶۳] (۱) ليس في اقل من ثلثين من البقر صدقة فاذا كانت ثلثين سائمة وحال عليها الحول ففيها تبع او تبعة وفي اربعين مسن او مسنة [۴۶۴] (۲) فاذا زادت على

## ﴿باب صدقة البقر﴾

**ضروری نوٹ** اونٹ کے احکام کے بعد گائے کے احکام لائے۔ کیونکہ جسامت کے اعتبار سے اونٹ کے بعد اس کا درجہ ہے۔ اس کا ثبوت احادیث سے ہے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

[۴۶۳] (۱) تیس گایوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ تیس چرنے والی گائیں ہو جائیں اور ان پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے۔ اور چالیس گایوں میں ایک مسن یا مسنہ ہے۔

**مذہب** اس کا ثبوت اس حدیث میں ہے عن عبد الله بن مسعود عن النبي ﷺ قال في ثلثين من البقر تبع او تبعة وفي كل اربعين مسنة (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء في زکوٰۃ البقر ص ۳۶ نمبر ۶۲۲) ابوداؤد شریف میں ہے عن ابی وائل عن معاذ ان النبي ﷺ لما وجه الى اليمن امره ان ياخذ من البقر من كل ثلثين تبعا او تبعة ومن كل اربعين مسنة (ابوداؤد شریف، باب في زکوٰۃ السائمة ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تیس گایوں میں ایک بچھڑا ہے یا بچھڑی ہے۔ جو ایک سال کا ہوتا ہے۔ اور چالیس گایوں میں ایک مسنہ ہے جو دو سال کا ہوتا ہے۔ باقی دلائل پہلے گزر گئے۔

**نکتہ** تبع : ایک سال پورا کر کے دوسرے سال میں قدم رکھا ہو ایسا بچھڑا یا بچھڑی، مسنہ : دو سال پورے ہو کر تیسرے سال میں قدم رکھا ہو ایسا بچھڑا یا بچھڑی۔

[۴۶۴] (۲) پس جب کہ زیادہ ہو جائے چالیس پر تو واجب ہے زیادتی میں اس کے حساب سے ساٹھ تک ابوحنیفہ کے نزدیک پس ایک گائے میں مسنہ کا ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں مسنہ کا دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ۔

**تشریح** چالیس سے اوپر ساٹھ تک نہ دوسری تیس گائے بنتی ہے اور نہ چالیس گائے بنتی ہے، ساٹھ میں جا کر دو تیس بنتی ہے اس لئے چالیس سے لیکر ساٹھ تک میں امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر گائے میں ایک مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اب جتنی گائے ہوتی جائے ہر گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا جائے گا۔ چنانچہ ایک گائے میں ایک چالیسواں حصہ اور دو گائے میں دو چالیسواں حصہ اور تین گائے میں تین چالیسواں حصہ لازم ہونگے۔

**مذہب** اثر میں ہے عن مكحول قال ما زاد فبالحساب (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵۱ الزیادۃ فی الفریضۃ ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ چالیس گائے سے جو زیادہ ہو اس کو اس کے حساب سے کیا جائے گا۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا تیس گایوں میں ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے اور ہر چالیس میں ایک مسنہ ہے (ب) حضرت مکحول سے منقول ہیں کہ چالیس سے جو زیادہ ہو تو اس کے حساب سے ہوگا۔



الاربعین وجب فی الزیادة بقدر ذلك الى ستین عند ابی حنیفة رحمہ اللہ ففی الواحدة ربع عشر مسنة و فی الاثنین نصف عشر مسنة و فی الثلاثة ثلاثة ارباع عشر مسنة [۴۶۵] (۳) وقال ابو یوسف و محمد لا شیء فی الزیادة حتی تبلغ ستین فیکون فیها تبيعان او تبيعتان [۴۶۶] (۴) و فی سبعین مسنة و تبيع [۴۶۷] (۵) و فی ثمانین مستنان [۴۶۸] (۶) و فی تسعین ثلاثة اتبعة.

**نفت** ربع عشر : دسویں حصہ کی چوتھائی یعنی چالیسواں حصہ، نصف عشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ، جس کو میں نے دو چالیسواں حصہ کہا، دو چالیسواں حصہ ملا کر بیسواں حصہ بن جاتا ہے۔ ثلثة ارباع : تین چالیسواں حصہ۔ [۴۶۵] (۳) حضرت امام ابو یوسف اور محمد نے فرمایا زیادتی میں کوئی چیز نہیں ہے یہاں تک کہ ساٹھ تک پہنچ جائے، پس ساٹھ میں دو پچھڑے یاد دو پچھڑیاں ہیں۔

**تشریح** ساٹھ دو مرتبہ تیس تیس ہو جاتے ہیں اور ایک تیس میں پچھڑا ہے اس لئے دو مرتبہ تیس میں دو پچھڑے لازم ہونگے۔

**جہ** عن ابن عباس قال لما بعث رسول الله معاذاً الى اليمن قيل له بما امرت قال امرت ان اخذ من البقر من كل ثلاثين تبيعا او تبيعة ومن كل اربعين مسنة قيل له امرت في الاوقاص بشيء؟ قال لا وسأسال النبي ﷺ فسأله فقال لا وهو ما بين السنين يعني لا تأخذ من ذلك شيئا (الف) (دارقطني باب ليس في الكسر شيء ج ثاني ص ۸۰ نمبر ۱۸۸) مصنف ابن ابی شیبہ، ۵ فی الزیادة فی الفريضة، ج ثانی، ص ۳۶۴، نمبر ۹۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قص میں کوئی زکوۃ نہیں ہے اور چالیس سے لیکر ساٹھ تک قص ہے اس لئے اس میں بھی کچھ لازم نہیں ہوگا۔

**نفت** وقص : دو عمروں کے درمیان یا دو عددوں کے درمیان جو عدد ہو اس کو اوقاص کہتے ہیں۔

[۴۶۶] (۴) اور ستر میں ایک مسنة اور ایک تبيعة ہوں گے۔

**جہ** اس لئے کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ستر ہے۔

[۴۶۷] (۵) اور اسی (۸۰) میں دو مسنة ہوں گے۔

**جہ** اسی میں دو مرتبہ چالیس چالیس ہوتے ہیں اور چالیس میں ایک مسنة ہے اس لئے اسی میں دو مسنة ہوں گے۔

[۴۶۸] (۶) اور نوے میں تین پچھڑے ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا تو حضرت معاذ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس چیز کا حکم دیا گیا؟ فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ گائے میں سے ہر تیس میں ایک پچھڑا یا ایک پچھڑی اور چالیس میں سے ایک مسنة لوں۔ پوچھا گیا کہ اوقاص میں سے کسی چیز کا حکم دیا گیا ہے؟ تو حضرت معاذ نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا اوقاص میں کچھ لازم نہیں ہے۔ اوقاص کہتے ہیں دو عمروں کے درمیان جو جانور ہو یعنی اوقاص میں کچھ مت لو۔

[۴۶۹] (۷) وفي مائة تبيعان و مسنة [۴۷۰] (۸) وعلى هذا يتغير الفرض في كل عشرة من تبيع الى مسنة [۴۷۱] (۹) والجواميس والبقر سواء.

**ترجمہ** نوے میں تین مرتبہ تیس تیس ہوتے ہیں اور تیس میں ایک بچھڑا ہے اس لئے نوے میں تین بچھڑے لازم ہوں گے۔

[۴۶۹] (۷) اور ایک سو گائے میں دو بچھڑے اور ایک منہ لازم ہوں گے۔

**ترجمہ** ایک سو دو مرتبہ تیس تیس ہوتے ہیں یعنی ساٹھ اور ایک مرتبہ چالیس ہوتا ہے۔ مجموعہ سو ہوا اس لئے دو بچھڑے اور ایک منہ لازم ہوں گے۔

[۴۷۰] (۸) اسی طرح حساب بدلتا رہے گا ہر دس میں بچھڑا سے منہ کی طرف۔

**تشریح** تیس اور چالیس کے درمیان دس عدد کا فرق ہے اس لئے ہر دس عدد بڑھنے پر منہ لازم ہوتا تھا تو بچھڑا لازم ہو جائے گا۔ اور بچھڑا لازم ہوتا تھا تو منہ لازم ہو جائے گا۔ اس طرح ہر دس میں بچھڑا سے منہ اور منہ سے بچھڑا کی طرف تبدیل ہوتا رہے گا۔

**نوٹ** تبيع : بچھڑا کو کہتے ہیں۔

[۴۷۱] (۹) مسئلہ میں بھینس اور گائے برابر ہیں۔

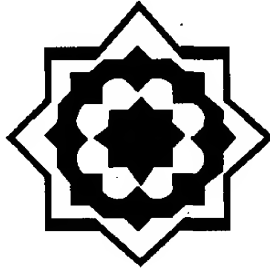
**تشریح** جو حساب گائے کی زکوۃ کے بارے میں پیش کیا وہی حساب بھینس کی زکوۃ کے سلسلے میں ہے۔ کیونکہ دونوں کی جنس قریب قریب ہی ہے۔

﴿ گائے اور بھینس کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

گائے	کتنی زکوۃ	منہ یا تبيع	گائے	کتنی زکوۃ	منہ	یا تبيع
30	1	تبيع	60	2	تبيع	
40	1	منہ	70	1	منہ	ایک تبيع
41	1.025	منہ	80	2	منہ	
42	1.050	منہ	90	3	تبيع	
43	1.075	منہ	100	2	تبيع	ایک منہ
44	1.1	منہ	110	2	منہ	ایک تبيع
45	1.125	منہ	120	3	منہ	
46	1.15	منہ	130	3	تبيع	ایک منہ

اسی پر قیاس کرتے جائیں۔

**نوٹ** ایک گائے میں مسنہ کا چالیسواں حصہ لازم ہوتا ہے اس لئے 40 کو ایک میں تقسیم دیں تو 0.025 نکلے گا۔ اسی 0.025 کو ایک گائے دو گائے جو چالیس سے زیادہ ہو ضرب دیتے جائیں تو حساب نکلتا جائے گا جو اوپر درج ہے۔ یہ حساب کلکیولیٹر سے کیا ہے۔



### ﴿ باب صدقة الغنم ﴾

[۴۷۲] (۱) ليس في اقل من اربعين شاة صدقة فاذا كانت اربعين شاة سائمة وحال عليها الحول ففيها شاة الى مائة وعشرين فاذا زادت واحدة ففيها شاتان الى مائتين فاذا زادت واحدة ففيها ثلث شياة فاذا بلغت اربع مائة ففيها اربع شاة ثم في كل مائة شاة.

### ﴿ باب صدقة الغنم ﴾

**ضروری نوٹ** بکری کی زکوۃ کے سلسلہ میں یہ باب ہے۔ اس لئے حدیث آگے آرہی ہے۔

[۴۷۲] (۱) چالیس بکری سے کم میں کوئی زکوۃ نہیں ہے۔ پس جب کہ چالیس چرنے والی بکری ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں ایک بکری ہے ایک سو بیس بکری تک۔ پس جب کہ اس میں ایک زیادہ ہو جائے (یعنی ایک سو اکیس ہو جائے) تو اس میں دو بکریاں ہیں دو سو تک۔ پس جب کہ زیادہ ہو جائے اس میں ایک بکری (یعنی دو سو ایک ہو جائے) تو اس میں تین بکریاں ہیں۔ پس جب کہ پہنچ جائے چار سو تو اس میں چار بکریاں ہیں۔ پھر ہر ایک سو میں ایک بکری زکوۃ ہے۔

**تشریح** چالیس سے ایک سو بیس کے درمیان بکریوں میں ایک بکری زکوۃ کی ہے پھر ایک سو اکیس سے دو سو تک میں دو بکریاں ہیں۔ اور دو سو ایک سے تین سو نواے تک تین بکریاں ہیں۔ اور چار سو بکریوں میں چار بکریاں زکوۃ ہیں۔ پھر ہر اک سو میں ایک بکری زکوۃ لازم ہوگی۔

**مجا** حدیث میں ہے ان انسا حدثه ان ابا بکر كتب له هذا الكتاب لما وجهه الى البحرين بسم الله الرحمن الرحيم هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله على المسلمين والتي امر الله به رسوله ... وفي صدقة الغنم في سائماتها اذا كانت اربعين الى عشرين و مائة: شاة، فاذا زادت على عشرين و مائة الى مائتين شاتان، فاذا زادت على مائتين الى ثلث مائة ففيها ثلاث، فاذا زادت على ثلث مائة ففي كل مائة شاة، فاذا كانت سائمة الرجل ناقصة من اربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة الا ان يشاء ربها (الف) (بخاری شریف، باب زکوۃ الغنم ص ۱۹۵/۱۹۶ نمبر ۱۳۵۴/۱۳۵۵ ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمة ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۶۷) اس حدیث سے اوپر کے حساب کی تائید ہوتی ہے۔ البتہ حدیث میں ہے کہ دو سو ایک سے تین سو تک تین بکریاں ہوں گی اور تین سو کے بعد ہر سو میں ایک بکری لازم ہوگی۔ اور متن میں تھا کہ چار سو کے بعد ہر سو میں ایک بکری لازم ہوگی۔ اس

حاشیہ: (الف) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے یہ خط لکھا جب امیر کوہِ بحرین کی طرف روانہ کیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ صدقہ کا حساب ہے جس کو حضورؐ نے فرض کیا مسلمانوں پر اور جس کا اللہ اور اس کے رسولؐ نے حکم دیا۔ چرنے والی بکریوں کی زکوۃ میں یہ ہے کہ جب کہ چالیس بکریوں سے ایک سو بیس تک ہو تو ایک بکری، پس جب کہ زیادہ ہو ایک سو بیس بکری پر (یعنی ایک سو اکیس ہو جائے) تو دو سو بکری تک میں دو بکریاں ہیں۔ پس جب زیادہ ہو جائے دو سو پر (یعنی دو سو ایک بکری ہو) تو تین سو تک میں تین بکریاں ہیں۔ پس جب زیادہ ہو تین سو تو ہر ایک سو میں ایک بکری ہے۔ پس جب کہ آدھ کی چرنے والی بکریوں میں سے چالیس میں ایک بھی کم ہو تو اس میں زکوۃ نہیں ہے۔ مگر یہ کہ بکری کا مالک دینا چاہے۔

[۴۷۳] (۲) والضان والمعز سواء.

تھوڑے سے اختلاف کے بعد مسئلہ ایک جیسا ہی ہو جاتا ہے۔

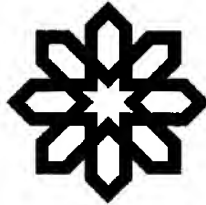
[۴۷۳] (۲) بھیڑ اور بکری کا مسئلہ برابر ہے۔

بجہ بھیڑ اور بکری تقریباً ایک جنس شمار کئے جاتے ہیں اس لئے دونوں کی زکوۃ کا حساب ایک ہی جیسا ہے۔

لغت الضان : بھیڑ، المعز : بکری

﴿ بکریوں کی زکوۃ ایک نظر میں ﴾

بکریاں	زکوۃ
40	ایک بکری
121	دو بکریاں
201	تین بکریاں
400	چار بکریاں
500	پانچ بکریاں



## ﴿باب زکوة الخیل﴾

[۴۷۴] (۱) اذا كانت الخیل سائمة ذکورا و اناثا و حال علیها الحول فصاحبها بالخیار ان شاء اعطی عن کل فرس دینار او ان شاء قومها فاعطی عن کل مائتی درهم خمسة دراهم [۴۷۵] (۲) و لیس فی ذکورها منفردة زکوة عند ابی حنیفة [۴۷۶] (۳) وقال ابو

## ﴿باب زکوة الخیل﴾

**ضروری نوٹ** گھوڑے کے سلسلہ میں کئی قسم کی احادیث ہیں۔ اس لئے علماء میں اختلاف ہے کہ گھوڑے میں زکوة واجب ہے یا نہیں۔ یہ بات طے ہے کہ جہاد کے گھوڑے میں اور خدمت کے گھوڑے میں زکوة نہیں ہے۔ اور تجارت کے گھوڑے میں اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم لازم ہے۔ البتہ جو گھوڑے نسل بڑھانے کے لئے ہیں ان ہی میں اختلاف ہے کہ زکوة واجب ہے یا نہیں؟ اور ہر ایک امام کا مسئلہ اور اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

[۴۷۴] (۱) جب کہ گھوڑے چرنے والے ہوں اور نر اور مادہ دونوں ہوں اور ان پر سال گزر چکا ہو تو اس کے مالک کو اختیار ہے (۱) چاہے تو ہر گھوڑے کے بدلہ میں ایک دینار دے (۲) اور چاہے تو اس کی قیمت لگائے اور ہر دوسو درہم کے بدلے پانچ درہم دے۔

**تشریح** چونکہ یہ گھوڑے جہاد کے نہیں ہیں اور روزمرہ کام آنے والے بھی نہیں ہیں بلکہ چرنے والے ہیں اور نسل بڑھانے کے لئے ہیں اس لئے اس کی زکوة دینے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ہر گھوڑے کے بدلے ایک دینار دیدے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ گھوڑے کی قیمت لگائے اور جتنی اس کی قیمت ہو اس کے ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوة دیدے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ فی الخیل السائمة فی کل فرس دینار تؤدیہ (الف) (دارقطنی ۱۸، باب زکوة مال التجارة و سقوطها عن الخیل و الرقیق ج ثانی ص ۱۰۹ نمبر ۲۰۰ سنن للبیہقی، باب من راکی فی الخیل صدقہ ج رابع، کتاب الزکوة ص ۲۰۲، نمبر ۷۱۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ چرنے والے گھوڑے کے ہر گھوڑے کے بدلے میں ایک دینار زکوة دے۔ اور چونکہ دوسو درہم میں پانچ درہم زکوة لازم ہے اس لئے مالک کو اختیار ہے کہ قیمت لگا کر ہر دوسو درہم میں پانچ درہم دیدیا کرے۔

[۴۷۵] (۲) امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف مذکر گھوڑے میں زکوة واجب نہیں ہے۔

**تشریح** صرف مذکر گھوڑے ہوں تو والد اور تاسل نہیں ہوگا اور نسل نہیں بڑھے گی اس لئے اس میں زکوة واجب نہیں۔ اور مذکر اور مؤنث دونوں ہوں تو نسل بڑھے گی تب زکوة واجب ہوگی۔

[۴۷۶] (۳) صاحبین فرماتے ہیں کہ گھوڑے میں زکوة نہیں ہے۔

**تشریح** نسل بڑھانے والے گھوڑوں میں زکوة نہیں ہے۔ البتہ اگر تجارت کے لئے گھوڑے ہوں تو اس کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا چرنے والے گھوڑے میں ہر گھوڑے میں ایک دینار ادا کیا جائے گا۔

یوسف و محمد لا زکوۃ فی الخیل [۴۷۷] (۴) ولا شیء فی البغال والحمیر الا ان تكون للتجارة [۴۷۸] (۵) وليس فی الفصلاں ولا الحملاں والعجائیل زکوۃ عند ابی حنیفة و محمد الا ان یكون معها کبار .

درہم لازم ہوں گے۔ کیونکہ اب یہ تجارت کا مال ہو گیا اور تجارت کے مال میں زکوۃ ہے

**وجہ** ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ ﷺ لیس علی المسلم فی فرسہ و غلامہ صدقة (الف) (بخاری شریف، باب لیس علی المسلم فی فرسہ صدقة ص ۱۹۷ نمبر ۱۳۶۳ ابوداؤد شریف، باب صدقة الرقیق ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے گھوڑوں میں زکوۃ نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جہاد کے گھوڑے اور روزانہ کام آنے والے گھوڑے کے بارے میں ہے۔

[۴۷۷] (۴) خچر میں اور گدھے میں زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ تجارت کے لئے ہو۔

**تشریح** گدھے اور خچر تجارت کے لئے ہوں تب تو وہ مال تجارت ہو گئے اس لئے مال تجارت کے اعتبار سے ان کی قیمت میں ہر دوسو درہم میں پانچ درہم زکوۃ ہے۔ لیکن اگر تجارت کے لئے نہ ہوں بلکہ نسل بڑھانے کے لئے ہوں تو اس میں زکوۃ نہیں ہے وجہ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی ہریرہ یقول قال رسول اللہ ﷺ ... قبل یا رسول اللہ ﷺ قال ما انزل علی فی الحمیر شیء الا هذه الآیة الفاذة الجامعة فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرة شر ایرہ (ب) (مسلم شریف، باب اثم مانع الزکوۃ ص ۳۱۹ نمبر ۹۸۷ مصنف بن عبد الرزاق، باب الحمیر ج رابع ص ۳۱ نمبر ۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گدھے میں زکوۃ نہیں ہے اور خچر بھی گدھے کی ایک قسم ہے اس لئے اس میں بھی زکوۃ نہیں ہے۔

[۴۷۸] (۵) اونٹنی کے بچے، بکری کے بچے اور گائے کے بچے میں امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک زکوۃ نہیں ہے مگر یہ کہ ان کے ساتھ بڑے ہوں **تشریح** ان بچوں کے ساتھ بڑے ہوں تو بچوں کو بڑوں کے تابع کر کے زکوۃ واجب ہوگی۔ لیکن اگر بڑے نہ ہوں تو نسل بڑھانے کا امکان نہیں ہے بلکہ بچے بڑے ہوں گے لیکن تعداد کی زیادتی نہیں ہوگی اس لئے اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

**وجہ** ان کی دلیل یہ اثر ہے عن الحسن قال لا یعتد بالسخلۃ ولا توخذ فی الصدقة (ج) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲۴ السخلۃ تحب علی صاحب الغنم ج ثانی ص ۳۶۷ نمبر ۹۹۸۲ سنن للبیہقی، باب یعد علیہم بالسخال التي تحت ج رابع ص ۱۷۲ نمبر ۷۳۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے چھوٹے زکوۃ میں شمار نہیں ہوں گے۔ اور اسی پر قیاس کر کے اونٹنی کے بچے اور گائے کے بچے پر بھی زکوۃ نہیں ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ بڑے نہ ہوں۔

حاشیہ : (الف) مسلمان پر اس کے گھوڑے اور اس کے غلام میں زکوۃ نہیں ہے (ب) آپؐ نے فرمایا... پوچھا گیا یا رسول اللہ گدھے میں کیا حکم ہے؟ آپؐ نے فرمایا مجھ پر گدھے کی زکوۃ کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے مگر یہ جامع آیت ہے۔ جو ذرہ برابر خیر کا عمل کرے گا اس کو وہ دیکھے گا اور جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ اس کو دیکھے گا (ج) حسن سے منقول ہے فرمایا بکری کے چھوٹے بچے کو شمار نہ کیا جائے اور نہ اس کو زکوۃ میں لیا جائے۔

[۴۷۹] (۶) وقال ابو يوسف تجب فيها واحدة منها [۴۸۰] (۷) ومن وجب عليه مسن فلم يوجد اخذ المصدق اعلى منها ورد الفضل او اخذ دونها واخذ الفضل.

**نفت :** الفصلان : تفصیل کی جمع ہے اونٹنی کے بچے۔ الحملان : حمل کی جمع ہے بکری کے بچے۔ العجائل : عجول کی جمع ہے گائے کے بچے۔

[۴۷۹] (۶) امام ابو یوسف نے فرمایا ان میں ایک بچہ لازم ہوگا۔

**تشریح :** یعنی اگر تیس گائے کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا اس سے کم میں نہیں۔ کیونکہ اگر تیس عدد سے کم بڑی گائیں ہوں تب بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی تو چھوٹے بچے تیس سے کم ہوں تو کیسے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اسی طرح چالیس بکری کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا۔ کیونکہ بڑی بکری کا نصاب یہی ہے۔ اور اگر بکری کے چالیس بچوں سے کم ہوں تو زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی۔ اسی طرح پچیس اونٹنی کے بچے ہوں تو ان میں ایک بچہ لازم ہوگا اس سے کم ہو تو لازم نہیں ہوگا۔

**حاشیہ :** ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عطاء قال قلت له يعتد بالصغار اولاد الشاة؟ قال نعم (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۴۳ السخلة تحب علی صاحب الغنم۔ ج ثانی، ص ۳۶۸، نمبر ۹۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بکری کے بچوں کا بھی شمار ہوگا اور اس کی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ [۴۸۰] (۷) کسی پر مسنہ واجب تھا اور مالک کے پاس مسنہ نہیں ہے تو زکوٰۃ لینے والا اس سے اعلیٰ درجہ کا جانور لے اور جو زیادہ لیا اس کے روپے واپس کرے۔ یا مسنہ سے ادنیٰ لے لے اور جو زیادہ ہوا مالک سے وہ لے لے۔

**تشریح :** مثلاً ایک سال کی اونٹنی کا بچہ بنت مخاض لازم تھا لیکن مالک کے پاس بنت مخاض نہیں تھا البتہ دو سال کا بچہ بنت لبون تھا جس کی قیمت عموماً بنت مخاض سے بیس درہم زیادہ یا دو بکریاں زیادہ ہوتی تھی تو زکوٰۃ لینے والا مالک سے بنت لبون لے لے اور بنت مخاض سے جو زیادہ بیس درہم آئے اس کو مالک کی طرف واپس کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بنت مخاض سے ادنیٰ مالک لے لے اور بنت مخاض اور اس ادنیٰ کے درمیان جو قیمت کا فرق ہے مثلاً بیس درہم یا دو بکریاں وہ بھی مالک سے وصول کرے تاکہ زکوٰۃ برابر سراب ہو جائے۔ اور اس طرح قیمت سے زکوٰۃ وصول کرنا جائز ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابا بکر کتب له النبی امر الله رسولہ ومن بلغت صدقته بنت مخاض وليست عنده وعنده بنت لبون فانها تقبل منه ويعطيه المصدق عشرين درهما او شاتين فان لم يكن عنده بنت مخاض على وجهها وعنده ابن لبون فانه يقبل منه وليس معه شيء (ب) (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوٰۃ ص ۱۹۳/۱۹۵ نمبر ۱۴۳۸/۱۴۳۹ ابوداؤد شریف، باب زکوٰۃ السائمة ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶، پہلی حدیث میں ہے بخاری شریف، باب من بلغت عنده صدقة حاشیہ : (الف) حضرت عطاء نے فرمایا میں نے پوچھا کیا بکری کے چھوٹے بچوں کو شمار کیا جائے گا؟ فرمایا ہاں! (ب) حضرت ابو بکرؓ نے وہ لکھا جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا تھا کہ جس کی زکوٰۃ بنت مخاض کو پہنچی ہو اور اس کے پاس بنت مخاض نہ ہو بلکہ اس کے پاس بنت لبون ہو تو وہ قبول کر لیا جائے گا اور زکوٰۃ لینے والا مالک کو بیس درہم واپس دے گا یا دو بکریاں دے گا۔ اور اگر اس کے پاس بنت مخاض اس طرح کا نہ ہو بلکہ ابن لبون ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا اور اس کے ساتھ کچھ نہیں ہوگا۔





[۴۸۳] (۱۰) ولا يأخذ المصدق خيار المال ولا رذالته و يأخذ الوسط [۴۸۴] (۱۱)

ومن كان له نصابا فاستفاد في اثناء الحول من جنسه ضمه الى ماله وزكاه به.

کو گھر میں کھلا کر پالا جاتا ہو۔

[۴۸۳] (۱۰) زکوۃ لینے والا نہ اعلیٰ درجہ کا مال لے گا اور نہ گھنیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لیگا۔

**وجہ (۱)** یہ شریعت کا انصاف ہے کہ نہ اعلیٰ درجے کا مال لے اور نہ گھنیا درجے کا بلکہ اوسط درجے کا مال لے (۲) ان انسا حدثہ ان ابا بکر کتب لہ الی امر اللہ رسولہ ﷺ ولا یخرج فی الصدقة ہرمۃ ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق (الف) (بخاری شریف، باب لا یؤخذ فی الصدقة ہرمۃ ولا ذات عوار ولا تیس الا ماشاء المصدق ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۵/۱۱۰۵۵۵ شریف، باب زکوۃ السائئۃ ص ۲۲۶ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعلیٰ اور ادنیٰ مال نہیں لیا جائے گا۔ بلکہ اوسط جانور لیا جائے گا (۲) عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ لما بعث معاذ علی الیمن ... وتوق کرائم اموال الناس (ب) (بخاری شریف، باب لا تؤخذ کرائم اموال الناس فی الصدقة ص ۱۹۶ نمبر ۱۴۵۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ زکوۃ لینے والا اچھا اور اعلیٰ درجہ کا مال نہ لے۔

[۴۸۴] (۱۱) جس کے پاس نصاب کا مال ہو پھر سال کے درمیان میں اسی نصاب کی جنس سے فائدہ حاصل کیا تو اس کو مال کے ساتھ ملائے گا اور اس کی زکوۃ دے گا۔

**تشریح** مثلاً چالیس گائے موجود ہیں جو گائے کا نصاب ہے اور درمیان سال میں گائے کے بیس بچھڑے ہوئے اب چالیس گایوں کی زکوۃ نصاب میں دینا تھی لیکن بیس بچھڑوں پر سال پورا نہیں ہوتا صرف چھ ماہ ہوتے ہیں تو ان بیس بچھڑوں کو بھی چالیس گایوں کے ساتھ ملا کر رمضان میں ساتھ گایوں کی زکوۃ دے۔ چاہے بیس بچھڑوں پر سال نہ گزرا ہو۔

**وجہ** یہ بیس بچھڑے درمیان سال میں مال مستفاد ہیں۔ اور اس کی جنس بھی وہی ہے جو مال نصاب پہلے سے ہے یعنی گائے اس لئے دونوں کی زکوۃ رمضان میں ادا کرے (۲) اثر میں موجود ہے عن الزہری انہ کان یقول اذا استفاد الرجل ما لا فاراد ان ینفقہ قبل مسجیء شہر زکوۃ فلیز کہ ثم لینفقہ وان کان لا یرید ان ینفق فلیز کہ مع ماله (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۹۹ من قال یرکبہ اذا استفادہ ج ثانی ص ۳۸۷، نمبر ۱۰۲۲/۱۰۲۲۲۲ مصنف عبدالرزاق، باب وجوب الصدقة فی الحول ج رابع ص ۳۲ نمبر ۶۸۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مال مستفاد میں مال نصاب کے ساتھ زکوۃ واجب ہے۔

**نوٹ** اگر نصاب کے علاوہ کوئی مال درمیان میں مستفاد ہوا تو اس پر سال گزرنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے لکھا جس کا اللہ نے اس کے رسول کو حکم دیا ہے کہ زکوۃ میں بوڑھا اور اندھانہ نکالے اور نہ ساڑھ کو نکالے مگر جو زکوۃ لینے والے چاہے (ب) حضور نے جب حضرت معاذ کو یمن روانہ فرمایا تو فرمایا... لوگوں کے اعلیٰ مال سے بچتے رہو (ج) حضرت زہری فرمایا کرتے تھے کہ آدمی مال کا استفادہ کرے پھر ارادہ کرے کہ زکوۃ کا مہینہ آنے سے پہلے خرچ کرے تو اس کی زکوۃ دے پھر خرچ کرے اور اگر خرچ کرنا نہیں چاہتا ہے تو اپنے مال کے ساتھ مستفاد کی بھی زکوۃ دے۔

[۴۸۵] (۱۲) والسائمة هي التي تكتفي بالرعي في اكثر الحول فان علفها نصف الحول او اكثر فلا زكوة فيها [۴۸۶] (۱۳) والزكوة عند ابي حنيفة وابي يوسف في النصاب

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب تک مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ من استفاد مالا فلا زكوة عليه حتى يحول عليه الحول (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء لا زكوة على الممل المستفاد حتى حال عليه الحول ص ۱۳۷ نمبر ۶۳۱ رد القطنی ۱، باب وجوب الزکوٰۃ بالحول ج ثانی ص ۷۷ نمبر ۱۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک خود مال مستفاد پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

[۴۸۵] (۱۲) سائمة، چرنے والے جانور ان کو کہتے ہیں کہ وہ سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر اکتفا کرے، پس اگر جانور کو آدھا سال یا زیادہ چارہ کھلایا تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

**تشریح** اوپر جو آیا کہ سائمة جانور میں زکوٰۃ ہے تو اب سائمة جانور کی تشریح فرماتے ہیں۔ سائمة جانور یعنی چرنے والے جانور اس کو کہیں گے جو سال کے آدھے یا آدھے سے زیادہ مہینوں میں گھاس چر کر زندگی گزارتا ہو۔ لیکن اگر سال کے آدھے یا آدھے سے زیادہ مہینوں میں گھرا چارہ کھا کر زندگی گزارتے ہوں تو اس کو علوفہ کہتے ہیں۔ اور علوفہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ اور یہ دلیل بھی ہے حدثنی ثمامة ابن عبد الله بن انس ان انسا حدثه ... فاذا كانت سائمة الرجل ناقصة من اربعين شاة واحدة فليس فيها صدقة (بخاری شریف، باب زکوٰۃ الغنم ص ۱۹۵، نمبر ۱۳۵۴ ابوداؤد شریف نمبر ۱۵۷) اس حدیث میں سائمة کا لفظ ہے اس لئے سائمة میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

**لغت** الرعي : گھاس چرنا۔ علف : گھرا چارہ کھانا۔

[۴۸۶] (۱۳) زكوة امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک نصاب میں ہے غنوں میں ہے اور امام محمد اور زفر نے فرمایا دونوں میں واجب ہے۔ **تشریح** مثلاً دو سو درہم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اور کسی کے پاس دو سو تیس درہم ہیں تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ دو سو درہم ہی پر پانچ درہم واجب ہوئی، باقی تیس درہم غنوں پر زیادہ ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی وہ معاف ہے۔ چنانچہ سال گزرنے کے بعد تیس درہم ہلاک ہو جائے تو دو سو درہم پر پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہوئی تھی اس میں کچھ کم نہیں ہوگی پانچ درہم ہی دینا ہوگی۔ اور امام محمد اور امام زفر کے نزدیک غنوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے تو گویا کہ دو سو تیس درہم پر پانچ درہم واجب ہوئی اس لئے تیس درہم ہلاک ہو گئے تو اس حساب سے پانچ درہم زکوٰۃ میں پینسٹھ (۶۵) پیسے کی کمی آئے گی۔ اور چار درہم پینتیس (۳۵) پیسے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

**مجمع** امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حين وجهه الى اليمن ان لا تأخذ من الكسر شيئا اذا كانت الورق مائتي درهم فخذ منها خمسة دراهم ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ اربعين درهما واذا بلغ

(ج) آپ نے فرمایا کسی نے مال کا استفادہ کیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے یہاں تک کہ اس پر سال گزر جائے۔

دون العفو وقال محمد وزفر تجب فيهما [۳۸۷] (۱۴) واذا هلك المال بعد وجوب الزکوۃ سقطت [۳۸۸] (۱۵) وان قدم الزکوۃ على الحول وهو مالک للنصاب جاز.

اربعین درہما فخذ منه درہما (الف) (دارقطنی ۳ باب لیس فی الکسر شیء ص ۸۰ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے پتہ چلا کہ دوسودرہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو زکوۃ میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔

**فائدہ** امام محمد کی دلیل یہ ہے کہ اصل نصاب اور غنودوں اللہ کی نعمت ہیں اس لئے زکوۃ دونوں پر لازم ہوئی۔ اس لئے جب عفو ہلاک ہوا تو زکوۃ کا کچھ حصہ اس کے حساب سے ساقط ہوا۔

**مذہب** حدیث میں ہے۔ فاذا كانت مائتي دراهم ففيها خمسة دراهم فما زاد فعلى حساب ذلك (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمتہ، نمبر ۱۵۷۲ مصنف ابن ابی شیبہ، ۵، فی الزیادۃ فی الفریضۃ، ج ثانی، ص ۳۶۲، نمبر ۹۹۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ ہو زکوۃ میں اس کا بھی حساب ہوگا۔

[۳۸۷] (۱۴) زکوۃ واجب ہونے کے بعد اگر مال ہلاک ہو جائے تو زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

**شرح** نصاب پر سال گزر گیا جس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوئی اور ادا کرنے کی بھی قدرت ہوئی لیکن آجکل کرتار ہا اور اس درمیان مال ہلاک ہو گیا تو حنفیہ کے تشدید زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر جان کر مال کو ہلاک کر دیا تو زکوۃ واجب رہے گی۔

**مذہب** زکوۃ کا محل مال تھا اور اب محل ہی باقی نہیں رہا تو زکوۃ کس پر لازم کریں۔ جیسے جنایت کرنے والا غلام مر جائے تو مولیٰ اب کس کو سپرد کرے گا۔ مولیٰ سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مال کی ہلاکت کے بعد زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر آدھا مال ہلاک ہوا تو آدھی زکوۃ ساقط ہوگی۔ اس کی ایک مثال یہ قول بھی ہے عن عطا فی الرجل اذا اخرج زکوۃ ماله فضاغت انها تجزی عنه (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۸۹، ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ ماله فضاغت ج ثانی، ص ۴۰۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ کا مال نکال چکا ہو پھر ضائع ہو گیا ہو تو وہ کافی ہوگا تو پورا مال ہی ہلاک ہو گیا ہو تو بدرجہ اولیٰ زکوۃ ساقط ہو جائے گی۔

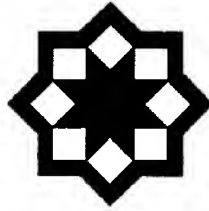
**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ زکوۃ واجب ہو چکی تھی اس لئے مال ہلاک ہونے کے بعد بھی واجب ہی رہے گی۔ جس طرح صدقہ فطر واجب ہونے کے بعد مال ہلاک ہو جائے پھر بھی صدقہ الفطر واجب ہی رہتا ہے۔

**مذہب** عن مغیرۃ عن اصحابہ قالوا: اذا اخرج زکوۃ ماله فضاغت فلیزک مرة اخرى (مصنف ابن ابی شیبہ، ۸۹، ما قالوا فی الرجل اخرج زکوۃ ماله فضاغت، ج ثانی، ص ۴۰۸، نمبر ۱۰۴۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوبارہ ادا کرے۔ [۳۸۸] (۱۵) اگر سال مکمل ہونے سے پہلے زکوۃ دیدی اور حال یہ ہے کہ وہ نصاب کا مالک ہے تو جائز ہے۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ نے جب حضرت معاذ کو یمن کی طرف متوجہ کیا تو آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ کسر میں کچھ نہ لے۔ جب چاندی دوسودرہم ہو جائے تو اس میں پانچ درہم لو۔ اور جو زیادہ ہو جائے اس میں کچھ نہ لو۔ یہاں تک کہ چالیس درہم کو پہنچ جائے۔ اور جب چالیس درہم پہنچ جائے تو اس سے ایک درہم لو (ب) حضرت عطا سے منقول ہے کہ کوئی آدمی اپنے مال کی زکوۃ نکالے پھر زکوۃ ضائع ہو جائے تو اس سے کافی ہو جائے گی۔

**تشریح** ایک آدمی نصاب کا مالک ہے لیکن اس نصاب پر سال نہیں گزرا ہے اور وہ ابھی زکوۃ ادا کر دینا چاہتا ہے تو جائز ہے۔ اکوۃ ادا ہو جائیگی۔

**ترجمہ** مال نصاب اصل سبب ہے اور وہ پایا گیا تو گویا کہ سبب پایا گیا اس لئے زکوۃ کی ادائیگی ہو جائیگی (۲) حدیث میں ہے عن علی ان العباس سأل النبی ﷺ فی تعجیل الصدقة قبل ان تحل فرخص له فی ذلك (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی تعجیل الزکوۃ ص ۲۳۶ نمبر ۱۶۲۴ ترمذی شریف، باب ما جاء فی تعجیل الزکوۃ ص ۱۴۶ نمبر ۸۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سال گزرنے سے پہلے زکوۃ ادا کر سکتا ہے کیونکہ حضرت عباسؓ کو اس کی اجازت دی تھی۔



## ﴿باب زکوة الفضة﴾

[۴۸۹] (۱) ليس فيما دون مائتي درهم صدقة فاذا كانت مائتي درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم [۴۹۰] (۲) ولا شيء في الزيادة حتى تبلغ اربعين درهما فيكون فيها درهم ثم في كل اربعين درهما درهم عند ابي حنيفة.

## ﴿باب زکوة الفضة﴾

**تشریح نوٹ** فضة کے معنی چاندی کے ہیں۔ یہاں فضة سے مراد درہم، چاندی کا زیور اور چاندی کا برتن مراد ہے۔ حنفیہ کے نزدیک ان ساری چیزوں میں زکوة ہے۔ دلیل یہ حدیث ہے ان امرأة اتت رسول الله ومعها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال اتعطين زكوة هذا؟ قالت لا قال ايسرك ان يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار؟ قال فخلعهما والفتهما الى النبي ﷺ وقالت هما لله ورسوله (الف) (ابوداؤد شریف، باب الكنز ما هو زکوة الخلی ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زیور کی بھی زکوة لازم ہے۔

[۴۸۹] (۱) دوسو درہم سے کم میں زکوة نہیں ہے، پس جب کہ دوسو درہم ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں پانچ درہم ہے۔

**ترجہ** حدیث میں موجود ہے کہ دوسو درہم سے کم میں زکوة نہیں ہے۔ سمعت ابا سعید الخدری قال قال رسول الله ليس فيما دون خمس زود صدقة من الابل و ليس فيما دون خمس اواق صدقة (ب) (بخاری شریف، باب زکوة الورق ص ۱۹۴ نمبر ۱۸۴۷ ابوداؤد شریف، نمبر ۱۵۷۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم سے کم میں زکوة نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے تو پانچ اوقیہ دوسو درہم کے ہوں گے۔

[۴۹۰] (۲) پھر دوسو درہم سے زیادہ میں کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ چالیس درہم ہو جائے، پس چالیس درہم میں ایک درہم ہے۔ پھر ہر چالیس درہم میں ایک درہم ہے امام ابو حنیفہ کے نزدیک۔

**تشریح** امام ابو حنیفہ کے نزدیک دوسو درہم کے بعد اس وقت تک کچھ لازم نہیں ہوگا جب تک کہ چالیس درہم نہ ہو جائے، البتہ چالیس درہم ہو جائے تو پھر اس میں ایک درہم لازم ہوگا۔

**ترجہ** ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن معاذ ان رسول الله ﷺ امره حين وجهه الى اليمن ان لا تأخذ من الكسر شيئا اذا كانت الورق مائتي درهم فخذ منها خمسة دراهم، ولا تأخذ مما زاد شيئا حتى تبلغ اربعين درهما، واذا بلغ اربعين

حاشیہ : (الف) ایک عورت آئی رسول اللہ کے پاس اور اس کے ساتھ ایک بچی تھی اور اس کی بچی کے ہاتھ پر سونے کے دو موٹے موٹے نگن تھے تو آپ نے فرمایا کیا اس کی زکوة ادا کرتی ہو؟ کہنے لگی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا یہ تم کو اچھا لگے گا کہ اللہ اس کی وجہ سے دو آگ کے نگن پہنائے۔ راوی فرماتے ہیں کہ اس عورت نے دونوں نگنوں کو کھولا اور حضور کے سامنے ڈال دیا اور کہنے لگی یہ نگن اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں (الف) آپ نے فرمایا پانچ اونٹ سے کم میں زکوة نہیں ہے اور پانچ اوقیہ چاندی سے کم میں زکوة نہیں ہے۔

[۴۹۱] (۳) وقال ابو يوسف و محمد مازاد على المائتين فزكوته بحسابه [۴۹۲] (۴)

وان كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة [۴۹۳] (۵) واذا كان الغالب

درهما فخذ منها درهما (الف) (دارقطني ۳، باب ليس في الكسري شيء من ۸۰، ۱۸۸۶ سنن للبيهقي، باب ذكر الخمر الذي روي في وقص الورق ج رابع ص ۲۲۸، ۵۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسو درہم کے بعد جب تک چالیس درہم نہ ہو جائے تو اس کسر میں کچھ لازم نہیں ہے۔ البتہ چالیس درہم ہو جائے تو اس میں ایک درہم ہے۔ ابوداؤد میں ہے۔ عن علی... ہاتو اربع العشور من کل اربعین درهما درہم (ابوداؤد شریف ص ۲۲۷، ۱۵۷۲)

[۴۹۱] (۳) اور صاحبین نے فرمایا کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

مثلاً دوسو درہم سے ایک درہم زیادہ ہو گیا تو ایک درہم میں ایک درہم کا چالیسواں حصہ لازم ہوگا۔ اور دس درہم میں ایک درہم کی چوتھائی لازم ہوگی۔

ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عاصم بن حمزة وعن الحارث الاعور عن علی رضی اللہ عنہ قال زهیر احسبه عن النبی ﷺ قال ہاتو ربع العشور من کل اربعین درهما درہم وليس علیکم شیء حتی تتم مائتی درہم فاذا كانت مائتی درہم ففيها خمسة دراهم فما زاد فعلى حساب ذلک (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوٰۃ السائمة ص ۲۲۷، ۱۵۷۲/ سنن للبیہقی، باب وجوب ربع العشر فی نصابها ونیما زاد علیہ وان قلت الزیادة ج رابع ص ۲۲۷، ۵۲۳) اس حدیث میں ہے کہ دوسو درہم سے جو کچھ زیادہ ہو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے لازم ہوگی۔ اس لئے ہر روپیہ میں اس کے حساب سے چالیسواں حصہ لازم ہوگی۔ کلکیو لیٹر سے چالیسواں حصہ 0.025 ہوگا۔

[۴۹۲] (۴) اگر غالب چاندی ہے تو وہ چاندی کے حکم میں ہے۔

درہم اور دنانیر بنانے کے لئے خالص چاندی کام نہیں آتی بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ڈالنا پڑتا ہے تاکہ سخت ہو جائے اور درہم یا دنانیر ڈھال سکے اس لئے اصل معیار یہ رکھا گیا ہے کہ زیادہ چاندی یا سونا ہو تو وہ مکمل چاندی اور سونے کے حکم میں ہیں۔ اور اگر زیادہ کھوٹ ہو تو وہ سامان کے حکم میں ہے۔

الورق : چاندی سکے۔

[۴۹۳] (۵) اور اگر چاندی یا سونے پر غالب کھوٹ ہے تو وہ سامان کے حکم میں ہیں۔ ان میں یہ اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی قیمت نصاب تک

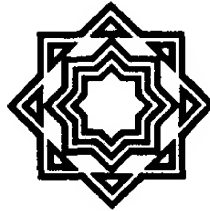
حاشیہ : (الف) جب حضرت معاذ گوین کی طرف بھیجا تو آپ نے فرمایا کہ کسر میں کچھ نہ لینا، جب چاندی دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم لو، اور جو زیادہ ہو جائے ان میں سے کچھ مت لو۔ یہاں تک کہ چالیس درہم پہنچ جائے، اور جب چالیس درہم پہنچ جائے تو ان میں ایک درہم لو (ب) آپ نے فرمایا لاؤ چالیسواں حصہ، ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم، اور تم پر کچھ نہیں ہے یہاں تک کہ دوسو درہم پورے ہو جائیں۔ پس جب کہ دوسو درہم ہوں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔ اور جو زیادہ ہو تو اس کی زکوٰۃ اس کے حساب سے ہوگی۔

علیه الغش فهو فی حکم العروض و يعتبر ان تبلغ قيمتها نصابا.

پہنچ جائے۔

**شرح** کھوٹ غالب ہے لیکن اس میں سے چاندی نکالی جائے تو اندازہ ہے کہ دوسو درہم تک کی چاندی نکلے گی اور نصاب تک پہنچ جائے گی تو اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔ کیونکہ اگرچہ کھوٹ غالب ہونے کی وجہ سے سامان کے حکم میں ہے لیکن اندر کی چاندی نکالی جائے تو وہ نصاب تک پہنچ رہی ہے تو حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے زکوۃ واجب کریں گے۔

**نوٹ** سونے اور چاندی میں تجارت کی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بغیر اس کے بھی ان میں زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ کیونکہ شریعت نے بغیر تجارت کی نیت کے بھی ان کو مال نامی بڑھنے والا مال قرار دیا ہے۔





## ﴿ باب زکوۃ الذهب ﴾

[۴۹۴] (۱) ليس فيما دون عشرين مثقالا من الذهب صدقة فاذا كانت عشرين مثقالا و حال عليها الحول ففيها نصف مثقال [۴۹۵] (۲) ثم في كل اربعة مثاقيل قيراطان وليس فيما دون اربعة مثاقيل صدقة عند ابي حنيفة وقالوا ما زاد على العشرين فزكوته بحسابها [۴۹۶] (۳) وفي تبر الذهب والفضة وحليهما والآنية منهما زکوۃ.

## ﴿ باب زکوۃ الذهب ﴾

[۴۹۴] (۱) بیس مثقال سونے سے کم میں زکوۃ نہیں ہے، پس جب کہ بیس مثقال ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں آدھا مثقال زکوۃ ہے **شرح** حدیث میں ہے عن عاصم بن ضمرہ و السحارث الاور عن علی عن النبی ﷺ ... وليس عليك شيء يعني في الذهب حتى تكون لك عشرون دينار فاذا كانت لك عشرون دينار او حال عليها الحول ففيها نصف دينار فما زاد فبحساب ذلك (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی زکوۃ السائمتہ ص ۲۲۸ نمبر ۱۵۷ سنن للبیہقی، باب نصاب الذهب و قدر الواجب فیہ، ج رابع، ص ۲۳۲، نمبر ۷۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیس مثقال سونا ہو تو اس میں سے آدھا مثقال واجب ہوگا جو چالیسواں حصہ ہوا۔

[۴۹۵] (۲) پھر ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوۃ ہے اور چار مثقال سے کم میں زکوۃ نہیں ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا بیس مثقال پر جو کچھ زیادہ ہو تو اس کی زکوۃ اس کے حساب سے ہے۔ **تشریح** اوپر گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک بیس مثقال کے بعد جب تک چار مثقال سونا نہ ہو جائے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ چار مثقال میں دو قیراط سونا لازم ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک بیس مثقال سونے سے جتنا بھی زیادہ ہوگا اس میں اسی حساب سے زکوۃ واجب ہوتی چلی جائے گی۔ دونوں کے دلائل باب زکوۃ الفضة میں گزر چکے ہیں۔

[۴۹۶] (۳) سونے اور چاندی کے ڈلے، ان دونوں کے زیور اور ان دونوں کے برتن میں زکوۃ واجب ہے۔

**تشریح** سونا اور چاندی کسی حال میں ہو، چاہے درہم اور دنانیر کی شکل میں ہو، ڈلے کی شکل میں ہو یا برتن اور زیور کی شکل میں ہو ہر حال میں حنفیہ کے نزدیک زکوۃ واجب ہے۔ اس کی دلیل باب زکوۃ الفضة کے شروع میں گزر چکی ہے۔

**نائدہ** امام شافعی کے ایک قول میں زیور میں زکوۃ نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشۃ زوج النبی ﷺ تلی بنات اخيها يتامى في حجرها لهن الحلبى فلا تخرج منه الزکوۃ (الف) (سنن للبیہقی باب من قال لا زکوۃ فی الحلی ج رابع ص

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا... اور تم پر کچھ نہیں ہے یعنی سونے میں یہاں تک کہ تمہارے لئے بیس دینار ہو جائے، پس جب کہ تمہارے لئے بیس دینار ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں آدھا دینار ہے۔ پس جو زیادہ ہو تو اس کے حساب سے ہوگا (ب) حضرت عائشہؓ اپنے بھائی کی بیٹیوں کی (باقی اگلے صفحہ پر)

## ﴿باب زکوۃ العروض﴾

[۴۹۷] (۱) الزکوۃ واجبة فی عروض التجارة کائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق او الذهب [۴۹۸] (۲) یقومها بما هو انفع للفقراء والمساکین منها [۴۹۹] (۳) واذا کان النصاب کاملا فی طرفی الحول فنقصانه فیما بین ذلك لا یسقط الزکوۃ

۲۳۲، نمبر ۷۵۳۵

## ﴿باب زکوۃ العروض﴾

[۴۹۷] (۱) زکوۃ واجب ہے تجارت کے سامان میں جو سامان بھی ہو، جب کہ پہنچ جائے چاندی یا سونے کے نصاب کو۔  
**شرح** تجارت کا کوئی بھی سامان ہو اس کی قیمت لگائی جائے گی، چاہے سونے سے اس کی قیمت لگائے یا چاندی سے اس کی قیمت لگائے۔  
 اگر یہ قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کے برابر ہو جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

**مجا** حدیث میں ہے عن سمرة بن جندب قال اما بعد ! فان رسول الله ﷺ كان يأمرنا ان نخرج الصدقة من الذي نعد للبيع (الف) (ابوداؤد شریف، باب العروض اذا كانت للتجارة ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۲) کو فی دار قطنی عن سمرة بن جندب ... وکان يأمرنا ان نخرج من الرقيق الذي يعد للبيع (ب) (دار قطنی ۸، باب زکوۃ مال التجارة وسقوطها عن الخيل والرقيق ج ۳ ص ۱۱۱ نمبر ۲۰۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال تجارت میں زکوۃ واجب ہے لیکن جو سامان تجارت کے لئے نہ ہو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔

[۴۹۸] (۲) سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی اس چیز سے جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو۔  
**شرح** سونا یا چاندی جو فقراء اور مساکین کے لئے زیادہ نفع بخش ہو اس سے سامان تجارت کی قیمت لگائی جائے گی۔ اور وہ قیمت نصاب تک پہنچ جائے تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔

**مجا** کسی چیز کی قیمت لگا کر زکوۃ دینے کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔ (بخاری شریف، باب العروض فی الزکوۃ ص ۱۹۴ نمبر ۱۴۳۸ / ابوداؤد شریف، باب زکوۃ السائمة ص ۲۲۵ نمبر ۱۵۶۲ / ۱۵۷۱)

[۴۹۹] (۳) اگر نصاب سال کے دونوں کناووں میں کامل ہو تو سال کے درمیان نقصان ہونا زکوۃ ساقط نہیں کرتا۔  
**شرح** مثلاً رمضان میں کسی مال کا مکمل نصاب ہے اور محرم میں نصاب سے کم ہو گیا پھر رمضان میں نصاب مکمل ہو گیا تو زکوۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر درمیان سال میں مکمل ہی نصاب کا مال ختم ہو گیا تو چونکہ بالکل جڑ سے مال نہیں رہا اس لئے اب جب سے نصاب ہوگا اس وقت سے زکوۃ کا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) بھرائی کرتی تھی جو یتیم تھیں اور ان کی گود میں تھیں۔ ان کے پاس زیورات تھے تو حضرت عائشہؓ اس کی زکوۃ نہیں نکالتی تھی (الف) آپؐ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم زکوۃ اس چیز کی نکالیں جو بیچ کے لئے تیار کی گئی ہو (ب) سرہ بن جندب فرماتے ہیں... آپؐ نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس غلام کی زکوۃ نکالیں جو بیچ کے لئے تیار کیا گیا ہو یعنی تجارت کے لئے۔

[۵۰۰] (۴) ویضم قيمة العروض الى الذهب والفضة وكذلك يضم الذهب الى الفضة بالقيمة حتى يتم النصاب عند ابی حنیفة [۵۰۱] (۵) وقال لا يضم الذهب الى الفضة بالقيمة ویضم بالاجزاء.

مہینہ شروع ہوگا۔

■ شروع میں نصاب ہونا زکوٰۃ کے انعقاد کے لئے ہے اور اخیر میں نصاب ہونا زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ہے، اور درمیان میں کی بیشی ہوتی رہتی ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

[۵۰۰] (۴) سامان تجارت کی قیمت سونے کی طرف اور چاندی کی طرف ملائی جائے گی، ایسے ہی سونے کو چاندی کی طرف قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تا کہ نصاب پورا ہو جائے ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

■ سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے کے دو طریقے ہیں تا کہ نصاب مکمل ہو جائے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ سونے کی قیمت لگا کر یا چاندی کی قیمت لگا کر سونے کے ساتھ ملایا جائے۔ اور دوسری شکل یہ ہے کہ وزن کے اعتبار سے ملایا جائے۔ مثلاً ایک آدمی کے پاس ایک سو درہم ہے اور نو مشقال سونا ہے تو درہم کا نصاب آدھا ہے لیکن سونے کا نصاب آدھا یعنی دس مشقال سے ایک مشقال کم ہے لیکن نو مشقال کی قیمت ایک سو درہم دے رہا ہے تو قیمت کے اعتبار سے ایک سو درہم اور نو مشقال سونے کی قیمت ایک سو درہم دونوں ملا کر دو سو درہم ہو جاتے ہیں اور نصاب پورا ہو جاتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اور زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چاہے وزن کے اعتبار سے نصاب پورا نہ ہوتا ہو۔

■ سامان تجارت کی بھی قیمت لگائی جائے گی اور اس کو سونے یا نقد چاندی کے ساتھ ملا کر نصاب پورا ہو جائے تو زکوٰۃ واجب کریں گے۔ [۵۰۱] (۵) صاحبین فرماتے ہیں کہ سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ اور وزن کے ساتھ ملایا جائے گا۔

■ اوپر کی مثال میں ایک سو درہم ہے اور نو مشقال سونا ہے تو وزن کے اعتبار سے سونا آدھے نصاب سے کم ہے چاہے اس کی قیمت ایک سو درہم ہو اس لئے سونا چاندی ملا کر نصاب پورا نہیں ہوا اس لئے زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اجزاء اور وزن کے اعتبار سے دونوں کو ملا کر بھی نصاب پورا نہیں ہوا، ہاں! اگر سونا دس مشقال ہوتا تو آدھا نصاب اس کا ہوا اور آدھا نصاب چاندی کا ایک سو درہم ہے۔

■ الاجزاء : جزء کی جمع ہے، جزء کے اعتبار سے، جس کا میں نے ترجمہ کیا ہے وزن کے اعتبار سے۔



## ﴿باب زکوۃ الزروع والثمار﴾

[۵۰۲] (۱) قال ابو حنیفہ رحمہ اللہ فی قليل ما اخرجته الارض وکثیرہ العشر واجب سواء سقی سیحا او سقته السماء الا الحطب والقصب والحشیش [۵۰۳] (۲) وقال ابو

## ﴿باب زکوۃ الزروع والثمار﴾

**شرح** غلہ اور پھل میں زکوۃ ہے۔ اس کی دلیل اور مقدار کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[۵۰۲] (۱) امام ابو حنیفہ نے فرمایا، زمینیں تھوڑا غلہ نکالے یا زیادہ اس میں عشر واجب ہے چاہے پانی سے سیراب کی گئی ہو یا اس کو آسمان نے سیراب کیا ہو، مگر جلانے کی لکڑی اور بانس اور گھاس۔

**شرح** زمین سے جتنے غلے یا پھل نکلتے ہیں حنفیہ کے نزدیک اس تمام میں عشر واجب ہے۔ چاہے اس کی مقدار پانچ وسق پہنچے یا نہ پہنچے۔ اور چاہے وہ سال بھر تک رہ سکتا ہو یا نہ رہ سکتا ہو۔ البتہ ایسی چیز جو قابل التفات نہیں سمجھی جاتی اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ جیسے جلانے کی لکڑی، زکٹ اور گھاس کہ ان چیزوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور نہ لوگ ان کو قصد و ارادہ کر کے بوتے ہوں۔ بلکہ خورد و ہیں۔ اور اگر یہ چیزیں باضابطہ بوئیں اور قابل حیثیت ہوں تو پھر اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔

**تہ** عن سالم بن عبد اللہ بن ابیہ عن النبی ﷺ قال فیما سقت السماء والعیون او کان عشر یا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر (الف) (بخاری شریف، باب العشر فیما سقی من ماء السماء والماء جاری ص ۲۰۱ نمبر ۱۳۸۳، مسلم شریف، کتاب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱، ابوداؤد شریف، باب صدقۃ الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶) اس حدیث میں کوئی قید نہیں ہے نہ پانچ وسق کی قید ہے اور نہ سال بھر رہنے کی قید ہے، بلکہ مطلق یہ ہے کہ آسمان کی بارش اور نہروں کی سیرابی سے جو کچھ پیدا ہوا ہو اس میں عشر ہے (۲) کتب عمر بن عبد العزیز ان یوخذ مما انتبت الارض من قليل او کثیر العشر (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الخضر ج ۴ ص ۱۲۱ نمبر ۱۹۶، مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۰ کل شیء اخرجت الارض زکوۃ، ج ثانی، ص ۳۷۱، نمبر ۱۰۰۲۸) اس اثر میں ہے کہ جو کچھ بھی زمین پیدا کرے اس میں عشر ہے۔

**تہ** سیحا : بارش سے۔ الحطب : جلانے کی لکڑی۔ القصب : بانس، زکٹ۔ الحشیش : گھاس۔

[۵۰۳] (۲) صاحبین نے فرمایا عشر واجب نہیں ہے مگر پھل میں جو باقی رہتا ہو جب کہ پانچ وسق پہنچ جائے۔

**شرح** سبزی وغیرہ جو زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں ان میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔ اسی طرح جب تک کہ غلے کی مقدار پانچ وسق نہ ہو جائے تو اس میں عشر نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن معاذ انه کتب الی النبی ﷺ یسالہ عن الخضر ووات

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بارش اور چشمے جس چیز کو سیراب کرے یا سیرابی زمین ہو تو ان میں عشر ہے، اور پانی اونٹنی کے ذریعہ پلایا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہے (ب) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا کہ جو کچھ زمین اگائے تھوڑا ہو یا زیادہ اس سے عشر لیا جائے گا۔

یوسف و محمد رحمہما اللہ لا یجب العشر الا فیما له ثمرۃ باقیۃ اذا بلغت خمسۃ اوسق [۵۰۴] (۳) والوسق ستون صاعا بصاع النبی علیہ السلام۔

ہی البقول فقال لیس فیہا شیء (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی زکوۃ الخضر وات ص ۳۸ نمبر ۶۳۸ سنن للبیہقی، باب الصدقۃ فیما یزرعہ الآدمیون ج رابع ص ۲۱۶، نمبر ۷۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ اور پانچ وثق ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لیس فیما اقل من خمسۃ اوسق صدقۃ (ب) (بخاری شریف، باب لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ ص ۲۰۱ نمبر ۱۴۸۴ مسل شریف، باب الزکوۃ ص ۳۱۶ نمبر ۹۷۹۷ را بوداؤد شریف، باب ماتجب فیہ الزکوۃ ص ۲۲۳ نمبر ۱۵۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے۔ یہ حدیث کئی مرتبہ پہلے گزر چکی ہے۔ [۵۰۴] (۳) وسق ساٹھ صاع ہے حضور کے صاع سے۔

**تشریح** ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوا تو پانچ وسق کے تین سو (300) صاع ہوئے۔ صاع سے وزن کا طریقہ یہ ہے کہ ایک برتن میں جو یا گیہوں یا ماش ڈال دیں جو ایک صاع کی مقدار ہو اس کو صاع کہتے ہیں۔ جیسے آج کل دودھ وغیرہ برتن میں ناپ کر دیتے ہیں۔ لیکن اب اس زمانے میں یہ ساری چیزیں کیلو سے وزن کرنے لگے ہیں۔ چونکہ گیہوں، جو اور ماش مختلف قسم کے بھاری ہوتے ہیں اس لئے وزن کے اعتبار سے ہر غلہ الگ الگ وزن کا ہوگا۔ تاہم ایک صاع جو 3.538 کیلو کا ہوتا ہے۔ اور گیہوں 4.498 کیلو اور ماش 4.9726 کیلو ہوتا ہے۔ یعنی چار کیلو نو سو بہتر گرام ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تین سو صاع جو 1061.40 کیلو ہوگا۔ یعنی دس کونٹل، اکٹھ کیلو اور چالیس گرام ہوگا۔ اور تمام کا لیٹر 2.94 ہوتا ہے۔

**حجہ** عن ابی سعید قال الوسق ستون صاعا (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۸ فی الوسق کم ہو؟، ج ثانی، ص ۳۷۰، نمبر ۱۰۰۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

﴿جدید اور قدیم اوزان کی تفصیل﴾

پرانے زمانے میں عرب میں سونا اور چاندی ناپنے کے لئے مثقال، استار اور قیراط رائج تھے۔ اور غلوں کو ناپنے کے لئے برتن رائج تھا جس میں ڈال کر لوگ غلہ ناپتے تھے۔ اس کو رطل، مد، صاع اور وسق کہتے تھے۔ آج کل کی طرح غلوں کو وزن کر کے نہیں ناپتے تھے۔ اس لئے جب سے ان غلوں کو کیلو گرام سے وزن کرنے لگے ہیں رطل، مد، صاع اور وسق کو کیلو سے موازنہ کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے۔ تاہم علماء کے اقوال کی روشنی میں عرب کے پرانے اوزان کو ہندوستانی نئے اوزان میں منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ عوام کو سہولت ہو۔

(درہم کا وزن)

ہندوستان میں سونا اور چاندی کے وزن کے لئے رتی، ماشہ اور تولہ چلتے تھے اس لئے ان کا حساب اس طرح ہے۔

حاشیہ : (الف) حضرت معاویہ نے حضور کو لکھا اور سبزیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس میں کچھ نہیں ہے (ب) آپ نے فرمایا پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں ہے

8 رتی = ایک ماشہ اور 12 ماشہ = ایک تولہ، یعنی 96 رتی کا ایک تولہ ہوتا ہے۔

ایک درہم کا وزن ایک مثقال سے تھوڑا کم ہے۔ دس درہم ملائیں تو سات مثقال ہوتا ہے۔ اس کو وزن سبچہ کہتے ہیں۔ کلکیو لیٹر میں اس طرح لکھتے ہیں (0.70 مثقال) چونکہ 200 درہم میں زکوٰۃ لازم ہے اس لئے 200 کو 0.70 سے ضرب دیں تو 140 مثقال ہوتے ہیں۔ یعنی 140 مثقال چاندی ہو تو زکوٰۃ لازم ہوگی۔

ایک درہم کا وزن 25.20 رتی ہوتا ہے یا 3.15 ماشہ یا 0.26 تولہ یا 3.061 گرام ہوتا ہے۔

200 درہم جو نصاب زکوٰۃ ہے اس کا وزن 5040 رتی ہوتا ہے یا 630 ماشہ یا 52.50 تولہ یا 612.36 گرام ہوتا ہے۔

قیراط کے اعتبار سے ایک درہم کا وزن 14 قیراط ہوتا ہے۔ اور 200 درہم کا وزن 2800 قیراط ہوگا۔

(دینار کا وزن)

ایک دینار ایک مثقال کا ہوتا ہے اس لئے ایک دینار 36 رتی کا ہوگا یا 4.50 ماشہ یا 0.375 تولہ یا 4.374 گرام وزن کا ہوگا۔

20 مثقال یعنی 20 دینار سونے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس کا وزن 720 رتی یا 90 ماشہ یا 7.50 تولہ یا 87.48 گرام ہوگا۔

قیراط کے اعتبار سے ایک دینار کا وزن 20 قیراط ہوتا ہے۔ اور 20 دینار کا وزن 400 قیراط ہوتا ہے۔

**نوٹ** 1000 گرام کا ایک کیلو گرام ہوتا ہے۔

(صاع کا وزن)

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک صاع 8 رطل کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ رطل چھوٹا ہے، یہ 20 استار کا ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک 5.33 یعنی پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے، لیکن یہ رطل بڑا ہے یعنی 30 استار کا ایک رطل ہے۔ اس لئے دونوں کو استار سے ضرب دیں تو حاصل 160 استار ہوتے ہیں۔ اس لئے دونوں رطلوں کے صائب میں کوئی فرق نہیں ہے۔

**ترجمہ** در مختار میں عبارت یوں ہے۔ فقال الطرفان : ثمانية ارطال بالعراقی وقال الثانی خمسة ارطال وثلاث، وقيل لاختلاف لان الثانی قدره برطل المدينة، لانه ثلاثون استار والعراقی عشرون. واذا قابلت ثمانية بالعراقی بخمسة وثلاث بالمدينة وجدتهما سواء (رد المحتار علی الدر المختار، مطلب فی تحریر الصاع والمد والسن والرطل، ج ۳ ص ۳۷۳) اس عبارت میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا عراقی رطل بیس استار کا ہے اور صاحبینؒ کا مدنی رطل تیس استار کا ہے۔ اس لئے دونوں کا حاصل ایک قسم کا صاع ہے۔

**نوٹ** رطل عراقی 442.25 گرام اور رطل مدنی 663.41 گرام کا ہوتا ہے۔

ساتھ صاع کا ایک وسق ہوتا ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک پانچ وسق میں عشر یعنی دسواں حصہ لازم ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ پانچ وسق میں 30 صاع اور بیسواں حصہ ہو تو 15 صاع لازم ہوگا۔

احسن الفتاویٰ میں ہے کہ ایک صاع 3.538 کیلو اور آدھا صاع 1.769 کیلو ہوگا یعنی ایک کیلو اور 769 گرام ہوگا۔ یہی آدھا صاع صدقۃ الفطر میں لازم ہوتا ہے۔ اس کو لیٹر سے ناپیں تو 2.94 لیٹر ہوگا۔

ایک دق یعنی 60 صاع 212.28 کیلو ہوگا۔ اور پانچ دق یعنی 300 صاع 1061.40 کیلو ہوگا۔ جس کو دس کوئٹل اکٹھ کیلو اور چالیس گرام کہتے ہیں۔ (احسن الفتاویٰ، ج ۱، ص ۴۱۶)

البتہ در مختار میں لکھا ہے کہ ایک صاع 1040 درہم کا ہوتا ہے۔ عبارت یہ ہے۔ الصاع المعتبر ما یسع الفا واربعمین درهما من ماش و عدس (رد المحتار علی الدر المختار، باب صدقۃ الفطر، ج ۳، ص ۳۷۷) اس سے معلوم ہوا کہ ایک صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم ہے۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ اس لئے ایک صاع کا وزن  $3.061 \times 1040 = 3183.44$  گرام ہوا۔ اور آدھا صاع 1.591 کیلو ہوا۔ یعنی آدھا صاع ایک کیلو پانچ سوا کیانوے گرام ہوئے۔

نوٹ احتیاط کے لئے میں نے احسن الفتاویٰ کا حساب لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

﴿ نصاب اور اوزان ایک نظر میں ﴾

(فارمولہ)

کتنے	برابر	کتنے کے
8 رتی	=	ایک اشہ
12 ماشہ	=	ایک تولہ
11.664 گرام	=	ایک تولہ
0.218 گرام	=	ایک قیراط
4.374 گرام	=	ایک مثقال
442.25 گرام	=	ایک رطل
3538 گرام	=	ایک صاع
1769 گرام	=	آدھا صاع
1000 گرام	=	ایک کیلو
3.061 گرام	=	ایک درہم
612.36 گرام	=	نصاب چاندی
4.374 گرام	=	ایک دینار
87.48 گرام	=	نصاب سونا

( چاندی کا نصاب )

درہم	مشقال	قیراط	تولہ	گرام	کتفی زکوۃ ہوگی
1 درہم	0.7	14	0.262	3.061	-----
200 درہم	140	2800	52.50	612.36	15.309 گرام

( سونے کا نصاب )

دینار	مشقال	قیراط	تولہ	گرام	کتفی زکوۃ ہوگی
1 دینار	1 مشقال	20	0.375	4.375	-----
20 دینار	20 مشقال	400	7.50	87.48	2.189 گرام

( رتی اور ماش کا حساب )

درہم	رتی	ماش	تولہ	گرام	کتفی زکوۃ ہوگی
1 درہم	25.20	3.15	0.262	3.061	
200 درہم	5040	630	52.50	612.36	1.312 تولہ
1 دینار	36	4.50	0.375	4.374	
20 دینار	720	90	7.50	87.48	0.187 تولہ

کسی نصاب کو بھی چالیس سے تقسیم کریں تو کتنا گرام یا کتنا تولہ زکوۃ لازم ہوگی وہ نکل آئے گا۔

( صاع کا نصاب )

صاع	رطل	دوق	کیلو	لیٹر	کتنا واجب ہوگا
1 صاع	8	-----	3.538	5.88	صدقۃ الفطر
آدھا صاع	4	-----	1.769	2.94	1.769 کیلو
60 صاع	-----	1 دوق	212.28	352.80	عشر
300 صاع	-----	5 دوق	1061.40	1764	106.14 کیلو

یعنی پانچ دوق، دس کوئٹل اسٹھ کیلو چالیس گرام ہوگا۔ جس میں عشر ایک سو چھ کیلو اور چودہ گرام لازم ہوگا۔

یہ حساب احسن الفتاویٰ، ج ۴، ص ۴۱۶، باب صدقۃ الفطر سے لیا گیا ہے۔ پوری دنیا میں کیلو اور گرام کا رواج ہے اس لئے تمام



[۵۰۵] (۴) وليس في الخضروات عندهما عشر [۵۰۶] (۵) وما سقى بغرب او دالية او سانية ففيه نصف العشر على القولين [۵۰۷] (۶) وقال ابو يوسف فيما لا يسق كالزعفران والقطن يجب فيه العشر اذا بلغت قيمته قيمة خمسة اوسق من ادنى ما يدخل تحت الوسق.

حسابات کو اسی پر سیٹ کیا ہوں۔

**نوٹ** اگر آٹھ رطل کا ایک صاع ہو تو رطل چھوٹا ہوگا اور 442.25 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور اگر پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہو تو کا صاع ہو تو رطل بڑا ہوگا اور 663.37 گرام کا رطل ہوگا۔ اور دونوں رطلوں کا مجموعی صاع 3.538 کیلو ہوگا۔ [۵۰۵] (۴) سبزیوں میں صاحبین کے نزدیک عشر نہیں ہے۔

**مجا** اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے (۲) عن علی قال ليس في الخضرو صدقه البقل ، والتفاح والقشء (الف) (مصنف عبد الرزاق، باب الخضرج رابع ص ۱۲۰ نمبر ۱۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔ [۵۰۶] (۵) جس زمین کو بڑے ڈول، رہٹ اور اونٹنی کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے دونوں قولوں پر۔

**تشریح** جو زمین قدرتی پانی مثلاً بارش، نہر اور چشموں کے ذریعہ سیراب نہ ہوئی ہو بلکہ زیادہ تر اس کو ذاتی آلات کے ذریعہ سیراب کیا ہو مثلاً بڑے ڈول یا رہٹ یا اونٹنی یا مٹین کے ذریعہ سیراب کیا ہو تو اس زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ یعنی بیس کیلو میں ایک کیلو غلہ لازم ہوگا۔

**مجا** چونکہ اس میں مشقت اور خرچ زیادہ ہوا ہے اس لئے شریعت نے عشر کم کر کے آدھا کر دیا (۲) عن عبد الله عن ابيه عن النبی ﷺ قال فيما سقت السماء والعيون او كان عثر یا العشر وما سقى بالنضح نصف العشر (ب) (بخاری شریف، باب العشر فيما سقى من ماء السماء والماء الجاري ص ۲۰۱ نمبر ۱۳۸۳) ابو داؤد شریف، باب صدقة الزرع ص ۲۳۲ نمبر ۱۵۹۶، مسلم شریف، کتاب الزکوۃ، باب ما في العشر ونصف العشر ص ۳۱۶ نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مٹین وغیرہ سے زمین کو سیراب کیا ہو تو بیسواں حصہ لازم ہوگا۔ یہ مسئلہ بالاتفاق ہے۔

**لغت** نصف العشر : دسویں حصہ کا آدھا یعنی بیسواں حصہ۔

[۵۰۷] (۶) امام ابو یوسف نے فرمایا ان چیزوں میں جو وسق میں نہ آتی ہوں جیسے زعفران اور روئی کہ ان میں عشر واجب ہوگا جب کہ اس کی قیمت ادنیٰ درجہ کے غلہ کے وسق کی قیمت پہنچ جائے جو وسق میں داخل ہوتا ہو۔

حاشیہ : (الف) حضرت علیؑ نے فرمایا سبزی میں زکوۃ نہیں ہے۔ یعنی سبزی، سیب گلابی میں (ب) آپؐ نے فرمایا آسمان یا چشمہ سیراب کرے یا سیرابی زمین ہو تو اس میں عشر ہے۔ اور جو اونٹنی کے ذریعہ سیراب کی گئی ہو اس میں بیسواں حصہ ہے۔

[۵۰۸] (۷) وقال محمد يجب العشر اذا بلغ الخارج خمسة امثال من اعلى ما يقدر به نوعه فاعتبر في القطن خمسة احمال وفي الزعفران خمسة امناء [۵۰۹] (۸) وفي العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر قل او اكثر.

**تشریح** ادنی درجہ کا غلہ جیسے جوار، باجرہ، جٹکی قیمت بہت کم ہوتی ہے اور یہ وقت کے ذریعہ ناپے جاتے ہیں۔ اب زعفران اور روئی جو وزن میں نہیں ناپے جاتے کیونکہ زعفران بہت کم پیدا ہوتا ہے اور قیمتی ہوتا ہے۔ پوری کھیت میں دو چار کیلو ہی ہوگا۔ پانچ وزن، دس کوئٹل تو ہوگا ہی نہیں، اسی طرح روئی کی گانٹھ بناتے ہیں وزن میں نہیں کرتے۔ لیکن پیدا شدہ زعفران کی قیمت پانچ وزن جوار یا باجرے کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اب زعفران پر عشر لازم ہوگا۔ اسی طرح پیدا شدہ روئی کی قیمت پانچ وزن جوار یا باجرے کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اب روئی میں عشر لازم ہوگا۔

**ترجمہ** امام ابو یوسفؒ نے معنی اور قیمت کا اعتبار کیا ہے کہ ادنی درجہ کے غلہ کی قیمت کے برابر ہو جائے تو گویا کہ معنوی اعتبار سے پانچ وزن ہو گیا۔ اور اتنا ہی کافی سمجھا گیا۔

[۵۰۸] (۷) امام محمد نے فرمایا جب نکلنے والا غلہ پانچ مثل پہنچ جائے اعلیٰ پیمانہ سے جس کے ذریعہ سے اس قسم کا غلہ ناپا جاتا ہے تو اعتبار کیا جائے گا روئی میں پانچ گانٹھ کا اور زعفران میں پانچ من کا۔

**تشریح** امام محمد کی رائے یہ ہے کہ وہ غلہ جو وزن میں نہیں ناپا جاتا ہو تو یہ دیکھا جائے کہ اس کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ کیا ہے۔ اس بڑے سے بڑے پیمانے سے پانچ پیمانہ وہ غلہ ہو جائے تو گویا کہ پانچ وزن کی طرح ہو گیا۔ اس لئے اب اس میں عشر لازم ہوگا۔ مثلاً زعفران کے ناپنے کا بڑے سے بڑا پیمانہ من ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ اس لئے پانچ کیلو زعفران ہو جائے تو گویا کہ پانچ وزن کی طرح ہو گیا۔ اس لئے اب اس میں عشر واجب ہے۔ یا روئی کو گانٹھ سے ناپتے ہیں اس کا بڑا پیمانہ وہی ہے اس لئے پانچ گانٹھ روئی ہو جائے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

**امام محمد نے ایسے غلے کے بڑے پیمانے کا اعتبار کیا۔**

**نکتہ** احمال : حمل کی جمع ہے بوجھ، گانٹھ۔ امناء : جمع ہے من کی، ایک وزن ہے جو 795.86 گرام کا ہوتا ہے۔ رد المحتار میں ہے۔ والسن بالدرہم مائتان وستون درہما (رد المحتار علی الدر المختار، باصدقہ الفطر، مطلب فی تحریر الصاع والمد وامن والرطل، ج ثالث، نمبر ۳۷۳) اس عبارت میں دو سو ساٹھ درہم کا ایک من بتایا۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ اس لئے 260 درہم کو 3.061 سے ضرب دیں تو 795.86 گرام من کا وزن ہوگا۔

[۵۰۹] (۸) اور شہد میں عشر ہے جب کہ عشری زمین سے حاصل کیا جائے، کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو۔

**تشریح** امام ابو حنیفہ کے نزدیک کم شہد ہو یا زیادہ شہد ہو ہر حال میں اس میں عشر ہوگا جب کہ عشری زمین سے شہد حاصل کیا جائے، چاہے وہ دس

[۵۱۰] (۹) وقال ابو يوسف لا شيء فيه حتى تبلغ عشرة ازقاق [۵۱۱] (۱۰) وقال

محمد خمسة افراق والفرق ستة وثلثون رطلا بالعراقي [۵۱۲] (۱۱) وليس في الخارج

مشك هون ياكم هو۔

**بجہ** قال جاء هلال احد بنى متعان الى رسول الله بعشور نحل له وكان سألہ ان يحمی واديا يقال له سبلۃ فحمی رسول الله ذلك الوادی فلما ولی عمر ابن الخطاب كتب سفیان بن وهب الى عمر بن خطاب يسألہ عن ذلك فكتب عمر ان ادى اليك ما كان يودى الى رسول الله من عشور نحلہ فاحم له سبلہ والا فانما هو ذباب غيث ياكله من يشاء (الف) (ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰ سنن للبیہقی، باب ماورد فی العسل ج رابع ص ۲۱۲، نمبر ۷۴۶۰) اس حدیث میں شہد کی زکوۃ دینے کا تذکرہ ہے اور مطلق ہے۔ اس میں دس مشک شہد ہونے کی قید نہیں ہے۔ اس لئے جتنا بھی شہد حاصل ہو اس میں دسواں حصہ لازم ہوگا۔

**اسول** شہد کے بارے میں بھی وہی اصول ہے جو اوپر غلوں کے بارے میں گزرا کہ کم و بیش تمام میں عشر ہے۔

[۵۱۰] (۹) امام ابو یوسفؒ نے فرمایا یہاں تک کہ دس مشک پہنچ جائے۔

**تشریح** یعنی دس مشک یا اس سے زیادہ شہد وصول ہوگا تو اس میں عشر لازم ہوگا اور اس سے کم ہوا تو اس میں عشر نہیں ہے۔

**بجہ** ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ فی العسل فی کل عشرة ازقاق زق (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی زکوۃ العسل ص ۱۳۷ نمبر ۶۲۹/ابوداؤد شریف، باب زکوۃ العسل ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس مشک ہو تب ایک مشک لازم ہوگا۔

**اغت** ازقاق : زق کی جمع ہے مشک۔

[۵۱۱] (۱۰) امام محمد نے فرمایا یہاں تک کہ شہد پانچ فرق کو پہنچے اور ایک فرق چھتیس رطل کا ہوگا عراقی رطل کے ساتھ۔

**تشریح** امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کم سے کم پانچ فرق نکلے تو اس میں عشر لازم ہے اور اگر اس سے کم وصول ہو تو عشر لازم نہیں۔ اور ایک فرق چھتیس (63) رطل کا ہوتا ہے۔ اب اگر ایک رطل 442.25 گرام کا لیں تو ایک فرق 15.921 کیلو کا ہوگا۔ اور پانچ فرق 79.605 کیلو کے ہوں گے۔ اور اگر ایک رطل 663.41 گرام کا لیں تو ایک فرق 23.882 کیلو کا ہوگا۔ اور پانچ فرق 119.413 کیلو کے ہوں گے۔

حاشیہ : (الف) منی متعان کا ایک آدمی ہلال حضورؐ کے پاس دئے شہد کا عشر لے کر اور یہ سوال کیا کہ ایک وادی جس کا نام سبلہ ہے اس کو ان کے لئے محفوظ کر دیا جائے۔ تو حضورؐ نے اس وادی کو ہلال کے لئے محفوظ کر دیا۔ پس جب عمر بن خطاب امیر المؤمنین بنے تو سفیان بن وهب نے ان کو اس بارے میں پوچھنے کے لئے خط لکھا تو حضرت عمر نے جواب دیا کہ شہد کا جتنا عشر حضورؐ کو ادا کیا کرتے تھے اتنا ہی ادا کریں۔ اور حضرت ہلال کے لئے سبلہ وادی محفوظ کر دیں۔ ورنہ تو وہ بارش کا گھاس ہے جو چاہے اس کو کھائے (ب) آپؐ نے فرمایا شہد کے بارے میں کہ ہر دس مشک میں ایک مشک ہے۔

## من ارض الخراج عشر.

صاع کے وزن میں اختلاف ہے۔ آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے جو حنفیہ کے نزدیک مروج ہے۔ اور پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے جو دوسرے ائمہ کے نزدیک مروج ہے۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ شہد کو ناپنے کا زیادہ سے زیادہ بڑا پیمانہ فرق ہے۔ اس لئے پانچ فرق ہو جائے تو عشر لازم ہوگا۔ امام محمد اپنے پرانے اصول پر گئے ہیں کہ جس چیز کو وسق سے نہیں ناپتے ہیں اس میں یہ دیکھیں کہ ان کو ناپنے کا بڑا پیمانہ کیا ہے؟ اگر اس بڑے پیمانے سے پانچ پیمانے ہو جائیں تو اس پر عشر لازم ہوگا۔ اور شہد کو ناپنے کا بڑا پیمانہ فرق ہے، اس لئے پانچ فرق ہوگا تو عشر لازم ہوگا۔ [۵۱۲] (۱۱) اور خراجی زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔

خراجی زمین میں خراج لازم ہوتا ہے۔ اب اس پر عشر لازم کریں تو مؤنت دوگنی ہو جائے گی اور شریعت ایک زمین پر دو مرتبہ خراج یا عشر وصول نہیں کرتی۔ اس لئے زمین کی پیداوار میں عشر لازم نہیں ہے۔ صرف خراج لازم ہوگا۔



## ﴿باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لا يجوز﴾

[۵۱۳] (۱) قال الله تعالى انما الصدقات للفقراء والمساكين والآية فهذه ثمانية اصناف [۵۱۴] (۲) فقد سقط منها المؤلفة قلوبهم لان الله تعالى اعز الاسلام واغنى عنهم [۵۱۵] (۳) والفقير من له ادنى شيء [۵۱۶] (۴) والمساكين من لا شيء له [۵۱۷] (۵)

## ﴿باب من يجوز دفع الصدقة اليه ومن لا يجوز﴾

**ضروری نوٹ** کن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے جس سے زکوۃ کی ادائیگی ہوگی اس کی پوری تفصیل ہے۔

[۵۱۳] (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا انما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفي الرقاب والغارمین وفي سبیل اللہ وابن السبیل فريضة من اللہ واللہ علیم حکیم (الف) (آیت ۶۰ سورۃ التوبۃ ۹) اس آیت میں آٹھ قسم کے آدمیوں کو مستحق زکوۃ قرار دیا ہے۔

[۵۱۴] (۲) ان میں سے مؤلفۃ قلوب ساقط ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دی اور مؤلفۃ قلوب سے اسلام کو بے نیاز کر دیا **تشریح** مؤلفۃ قلوب اس کو کہتے ہیں کہ کافر کو زکوۃ کا روپیہ دے کر اس کو دین اسلام کی طرف مائل کیا جائے۔ شروع اسلام میں یہ جائز تھا لیکن بعد میں یہ قسم منسوخ ہو گئی۔ اس لئے کہ اب اسلام کو اللہ نے عزت دیدی۔ اب مؤلفۃ قلوب کو زکوۃ دینا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

**مجموعہ** یہ اثر ہے عن عامر قال انما كانت المؤلفة قلوبهم على عهد رسول الله ﷺ فلما ولي ابو بكر انقطعت (ب) (مصنف ابن ابی حنیہ ۱۴۵، فی المؤلفۃ قلوبہم یوجدون الیوم او ذہبوا ج ثانی ص ۴۳۵، نمبر ۱۰۷۵۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ابو بکرؓ کے زمانے میں مؤلفۃ قلوب کا حق ساقط ہو گیا۔

[۵۱۵] (۳) فقیر اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس کوئی چیز نہ ہو۔

**تشریح** کسی کے پاس کچھ مال ہو لیکن نصاب کے برابر نہ ہو تو اس کو فقیر کہتے ہیں۔

**نوٹ** اس کے خلاف بھی فقیر کی تفسیر ہے کہ جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کو فقیر کہتے ہیں۔

[۵۱۶] (۴) اور مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو۔

**تشریح** جس کے پاس کچھ مال نہ ہو اس کو مسکین کہتے ہیں۔

[۵۱۷] (۵) اور عامل کو امام دے گا اگر عمل کیا ہو اس کے عمل کے مطابق۔

حاشیہ : (الف) زکوۃ صرف (۱) فقراء (۲) مساکین (۳) زکوۃ پر کام کرنے والے (۴) مؤلفۃ قلوب (۵) مکاتب غلام کی گردن چھڑانے (۶) مقرض (۷) جو اللہ کے راستے میں جہاد میں ہو (۸) اور مسافر کے لئے ہے۔ یہ فرض ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ جانے والا حکمت والا ہے (ب) حضرت عامر نے فرمایا مؤلفۃ قلوب حضورؐ کے زمانے میں تھا۔ پس جب حضرت ابو بکرؓ والی بنے تو مؤلفۃ قلوب ساقط ہو گئے۔

والعامل يدفع اليه الامام ان عمل بقدر عمله [۵۱۸] (۶) وفي الرقاب ان يعان المكاتبون

**تشریح** جتنا کام کیا ہو اس کے مطابق حاکم کام کرنے والے کو اس کے کام کے مطابق زکوۃ میں سے رقم دے گا۔ اور اس سے بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

**فائدہ** آل رسول اور آل رسول کے آزاد کردہ غلام کو زکوۃ کے روپے سے مزدوری دینا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ زکوۃ اور صدقہ انسانوں کا میل ہے اور یہ آل رسول اور اس کے آزاد کردہ غلام کے لئے مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ آزاد کردہ غلام بھی آل رسول کی قوم میں داخل ہے۔

**ترجمہ** اس کی دلیل یہ حدیث ہے حدثنا بهز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ قال کان رسول اللہ اذا اتی بشیء سأل اصدقہ ہی ام ہدیۃ؟ فان قالوا صدقۃ لم يأکل وان قالوا ہدیۃ اکل (الف) ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی واهل بیتہ وموالیہ ص ۱۳۱ نمبر ۶۵۶/ بمعناہ ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔ اور زکوۃ کے مال سے اجرت لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور آل محمد کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ کے مال سے مزدوری لینے کی کراہیت اس حدیث سے معلوم ہوئی عن ابی رافع ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقۃ فقال لابی رافع اصحبنی کیما تصیب منها فقال لا حتی اتی رسول اللہ ﷺ فاسأله فانطلق الی النبی ﷺ فسأله فقال ان الصدقۃ لا تحل لنا وان مولی القوم من انفسہم (ب) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ واهل بیتہ وموالیہ ص ۱۳۲ نمبر ۶۵۷/ ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار بھی اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اور ان کو بھی زکوۃ کے مال میں سے مزدوری نہیں لینی چاہئے۔ یہ تقویٰ کا تقاضا ہے۔ لیکن لے لے تو جائز ہے۔ اس لئے کہ آپ کے آل نے زکوۃ کے مال میں سے مزدوری لی ہے۔ ابوداؤد کی حدیث نمبر ۱۶۵۳ میں ہے۔ عن کویب مولی ابن عباس عن ابن عباس قال : بعثنی ابی الی النبی ﷺ فیابل اعطاھا ایاہ من الصدقۃ (ابوداؤد شریف، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ص ۲۴۰ نمبر ۱۶۵۳) اس حدیث میں ہے کہ صدقہ کا اونٹ ابن عباس کو دیا۔

[۵۱۸] (۶) اور گردن چھڑانے کا مطلب یہ ہے کہ مکاتب غلام کو اس کی گردن چھڑانے میں مدد کی جائے۔

**تشریح** مکاتب غلام پر مال کتابت واجب ہو تو مال کتابت ادا کرنے کے لئے مکاتب کو زکوۃ کا مال دیا جائے تاکہ وہ مال کتابت ادا کرے۔ کیونکہ یہ بھی غریب ہے اور اسی طرح یہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔

**نکتہ** فک رقاب : مکاتب کی گردن چھڑانا۔

حاشیہ : (الف) حضور کے پاس جب صدقہ لیکر آتے تو آپ پوچھتے یہ صدقہ ہے یا ہدیہ ہے؟ اگر کہتے یہ صدقہ ہے تو نہیں کھاتے اور اگر کہتے یہ ہدیہ ہے تو اس کو کھاتے (ب) بنی مخزوم کے ایک آدمی کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تو انہوں نے اور ارفع سے کہا کہ تم میرے ساتھ ہو جاؤ تاکہ تم کو بھی کچھ ملے۔ فرمایا نہیں! یہاں تک کہ میں حضور کے پاس جاؤں اور سوال کروں تو وہ حضور کے پاس گئے اور پوچھا تو فرمایا کہ صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اور تو تم کا آزاد کردہ غلام بھی قوم میں سے ہے۔

فی فک رقابہم [۵۱۹] (۷) والغارم من لزمہ دین [۵۲۰] (۸) وفی سبیل اللہ منقطع الغزاة [۵۲۱] (۹) وابن السبیل من کان لہ مال فی وطنہ وهو فی مکان آخر لا شیء لہ فیہ فہذہ جہات الزکوۃ [۵۲۲] (۱۰) وللمالک ان یدفع الی کل واحد منهم ولہ ان یقتصر علی صنف واحد [۵۲۳] (۱۱) ولا یجوز ان یدفع الزکوۃ الی ذمی ولا یبنی بہا مسجد

[۵۱۹] (۷) غارم، مقروض وہ ہے جس پر دین لازم ہو گیا ہو۔

**تشریح** جس پر قرض لازم ہوا ہو اور اتنے روپے اس کے پاس نہ ہو جس سے قرض ادا کر کے نصاب کے مطابق بچے، تو چونکہ وہ غریب ہے اس لئے وہ بھی مستحق زکوۃ ہے۔

[۵۲۰] (۸) اور اللہ کے راستے میں، کا مطلب یہ ہے کہ غازیوں سے پیچھے رہ گیا ہو۔

**تشریح** غازیوں اور مجاہدوں کے پیچھے جو لوگ رہ گئے ہوں ان کو منقطع الغزاة کہتے ہیں۔ اور ان کو بھی زکوۃ کا مال دیکر امداد کرنا جائز ہے۔

[۵۲۱] (۹) ابن السبیل، جس کا مال اس کے وطن میں ہو اور وہ دوسری جگہ میں ہو اور وہاں اس کے لئے کچھ نہ ہو۔

**تشریح** ابن السبیل : راستے کا بیٹا یعنی مسافر، جس کے گھر میں مال نصاب ہو لیکن اس کے پاس ابھی کچھ نہ ہو تو اس کو زکوۃ کا مال دیا جاسکتا ہے۔ تاکہ وہ گھرتک پہنچ جائے۔

[۵۲۲] (۱۰) مالک کے لئے جائز ہے کہ زکوۃ کے ہر صنف والوں کو دے۔ اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ ایک قسم پر اکتفا کرے۔

**تشریح** آیت میں آٹھ قسموں کو زکوۃ دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ لیکن اگر ایک قسم کو تمام زکوۃ دیدے تب بھی زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔

**نہ** اس اثر میں ہے عن حذیفۃ قال اذا اعطاھا فی صنف واحد من الاصناف الثمانية التي سمي الله تعالى اجزاءہ (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۵، ما قالوا فی الرجل اذا وضع الصدقة فی صنف واحد ج ثانی ص ۴۰۵، نمبر ۱۰۴۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک قسم کو بھی زکوۃ دی دیا تو کافی ہو جائیگا۔

**فائدہ** امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آیت میں جمع کا صیغہ ہے اس لئے کم از کم تین آدمی ہونے چاہئے۔ اور ہر قسموں کو انما کے ذریعہ گھیرا ہے اس لئے تمام قسموں کو زکوۃ دے، اور ہر قسم کے تین تین آدمیوں کو دے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن نے ان قسموں کو بیان کیا کہ یہ سب مصرف ہیں۔ چاہے کبھی کو دیں چاہے کسی ایک کو بقدر ضرورت دیں۔ البتہ ضرورت سے زائد کسی ایک کو اتنا دیں کہ وہ مالدار بن جائیں یہ مکروہ ہے۔

[۵۲۳] (۱۱) نہیں جائز ہے کہ زکوۃ ذمی کو دے، اور نہ اس سے مسجد بنائے، اور نہ اس سے میت کو کفن دے، اور نہ اس سے غلام خریدے جس کو آزاد کیا جائے۔

**مذہب** (۱) زکوۃ کا کسی غریب مسلمان کو مالک بنانا ضروری ہے۔ کسی کافر کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کسی غریب کو یا

حاشیہ : (الف) حضرت حذیفہؓ سے منقول ہیں کہ اگر آٹھ قسموں میں سے ایک قسم کو دے دیا جس کا اللہ نے نام لیا ہے تو اس کو کافی ہو جائے گا۔

ولا یکفن بها میت ولا یشتري بها رقبة يعتق [۵۲۴] (۱۲) ولا تدفع الی غنی.

مستحق زکوٰۃ کو مالک نہیں بنایا تو زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مذکورہ صورتوں میں کسی غریب کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے اس لئے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ مثلاً مسجد بنانے میں کسی غریب کو مالک بنانا نہیں پایا گیا۔ اسی طرح میت کو کفن دینے میں میت کو مالک بنانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرنے کے بعد اس کو مالک بنانا کیسے ہوگا؟ اسی طرح غلام کو خریدنے میں غلام کو مالک بنانا نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے مالک کو مالک بنانا ہوتا ہے۔ اور مالک مالدار ہے اس لئے غلام خرید کر آزاد کرنے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ بن جبل ... ان الله قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فتدفع على فقرائهم (الف) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد في الفقراء حيث كانوا ص ۲۰۲/۲۰۳ نمبر ۱۳۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمان مالداروں سے لیکر اسی کے یعنی مسلمان غریب پر تقسیم کی جائے گی۔ اس لئے غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے (۳) اس اثر سے اوپر کے سارے مسئلوں کی تائید ہوتی ہے۔ عن الثوری قال الرجل لا يعطى زكوة ماله من يحبس على النفقة من ذوى ارحامه ولا يعطيها في كفن ميت ولا دين ميت ولا بناء مسجد ولا شراء مصحف ولا يحج بها ولا يحج بها ولا تعطىها مكاتبك ولا تتباع بها نسمة تحررها ولا تعطىها في اليهود والنصارى ولا تستأجر عليها منها يحملها ليحملها من مكان الى مكان (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب لمن الزكوة ج رابع ص ۱۱۳ نمبر ۷۱۷/۷۱۸ مصنف ابن ابی شیبہ، ۷۱۷ ما قالوا في الصدقة يعطى منها اهل الذمة ج ثاني، ص ۴۰۲/۴۰۳ نمبر ۱۰۴۱) اس حدیث سے اوپر کے تمام مسئلوں کی تائید ہوتی ہے (۴) آیت میں انما کے حصر کے ساتھ آٹھ قسموں کا تذکرہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں آٹھ قسموں کو زکوٰۃ دینے سے ادائیگی ہوگی۔

**احول** مسلمان غریب کو مالک بنانا ضروری ہے۔

**نوٹ** ذی کفصل صدقہ دینا جائز ہے۔

**ج** عن اسماء قالت قدمت على امي راغبة في عهد قريش وهي راغمة مشركة فقلت يا رسول الله ان امي قدمت على وهي راغمة مشركة افاصلها؟ قال نعم فصلى امك (ج) (ابوداؤد شریف، باب الصدقة علی اهل الذمة ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۶۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشرک کے ساتھ صلہ رحمی کرنا نفلی صدقہ دینا جائز ہے۔

[۵۲۴] (۱۲) زکوٰۃ کسی مالدار کو نہ دی جائے۔

حاشیہ : (الف) اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی (ب) حضرت ثوری سے منقول ہے کہ کوئی آدمی اپنے ذوی الارحام کے نفقہ کا ذمہ دار ہو اس پر اپنی زکوٰۃ خرچ نہ کرے۔ اور نہ دے میت کے کفن میں۔ اور نہ میت کے قرض میں۔ اور نہ مسجد کے بنانے میں۔ اور نہ قرآن کے خریدنے میں۔ اور نہ اس سے حج کیا جائے اور اس کو اپنے مکاتب کو دیں۔ اور نہ اس سے کوئی غلام خریدے جس کو آزاد کرے۔ اور نہ یہود اور نصاریٰ کو دے۔ اور نہ زکوٰۃ ہی سے اجرت پر کسی کو لیا جائے جو اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے (ج) حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں آئی اس حال میں کہ عہد قریش کو چاہتی تھی اور غضبناک تھی کہ مشرک تھی۔ میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میری ماں میرے پاس آئی ہے اس حال میں کہ وہ غضبناک ہے، مشرک ہے۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔



[۵۲۵] (۱۳) ولا یدفع المزکی زکوٰتہ الی ابيه وجده وان علا ولا الی ولده وولد ولده وان سفل ولا الی امه وجداته وان علت ولا الی امرأته [۵۲۶] (۱۴) ولا تدفع المرأة الی زوجها عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ وقالوا تدفع الیہ.

**مذہب** حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول اللہ لا تحل الصدقة لغنی الا فی سبیل اللہ او ابن السبیل او جار فقیر یتصدق علیہ فیہدی لک او یدعوک (الف) (ابوداؤد شریف، باب من یجوز لہ اخذ الصدقة وهو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مالدار کے لئے عام حالات میں زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مجاہد ہو یا مسافر ہو۔

[۵۲۵] (۱۳) زکوٰۃ دینے والا زکوٰۃ نہ دے اپنے باپ کو، اپنے دادا کو اگرچہ اوپر تک ہو، اپنی اولاد کو نہ اولاد کی اولاد کو اگرچہ نیچے تک ہو، نہ اپنی ماں کو نہ اپنی دادی کو اگرچہ اوپر تک ہو، اور نہ اپنی بیوی کو۔

**مذہب** (۱) ان لوگوں کے ساتھ اتنا گہرا رابطہ ہوتا ہے کہ ان کا نان و نفقہ بھی اپنے ہی ذمہ ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کو دینا گویا کہ زکوٰۃ کا مال اپنے ہی پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کا مال ان لوگوں کو دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ جن لوگوں کی کفالت کرتا ہو اور اصول و فروع میں سے ہوں ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی عن ابن عباس قال لا بأس ان تجعل زکوٰۃ فی ذوی قرابتک ما لم یکنوا فی عیالک (ب) (مصنف ابی ابی حنیفہ ۹۶ ما قالوا فی الرجل یدفع زکوٰۃ الی قرابتہ ج ۲ ص ۴۱۲، نمبر ۱۰۵۳۱ مصنف عبدالرزاق، باب لمن الزکوٰۃ ج ۴ ص ۱۱۲ نمبر ۱۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو قریب کے رشتہ دار ہوں اور اس کی قدرتی طور پر کفالت بھی کرتا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی نوٹ باپ، دادا، ماں، دادی اصول ہیں اور بیٹا، پوتا فروع ہیں۔

[۵۲۶] (۱۴) اور زکوٰۃ نہ دے عورت اپنے شوہر کو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا کہ شوہر کو دے۔

**مذہب** (۱) امام اعظم کی دلیل اوپر کے مسئلہ نمبر ۱۳ کا اثر ہے کہ جو کفالت میں ہو ان کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اور بیوی شوہر کی کفالت میں ہے اس لئے زکوٰۃ اس پر ہی لوٹ آئے گی۔ اس لئے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) شوہر کو دینے سے نان و نفقہ کے طور پر مال خود بیوی پر لوٹ آئے گا۔ اور بعد میں خود بیوی اس مال سے کھائے گی۔ اس لئے گویا کہ اپنی ہی جیب میں زکوٰۃ کا رکھنا ہوا۔ اس لئے شوہر کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز نہیں۔ البتہ نقلی صدقہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بیوی اپنی زکوٰۃ شوہر کو دے سکتی ہے۔

**مذہب** (۱) شوہر بیوی کے عیال میں نہیں ہے۔ یعنی بیوی پر شوہر کا نان و نفقہ لازم نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدری ... قالت یا نبی اللہ انک امرت الیوم بالصدقة وکان عندی حلی لی فاردت ان اتصدق بہ فزعم ابن مسعود انه

حاشیہ: (الف) آپ نے فرمایا زکوٰۃ حلال نہیں ہے مالدار کے لئے مگر اللہ کے راستے میں ہو یا مسافر ہو یا فقیر بڑی ہو اس پر صدقہ کیا جائے تو وہ آپ کو بدیدہ یا آپ کو کھلائے پلائے تو حلال ہے (ب) ابن عباس نے فرمایا ہاں جب کہ وہ رشتہ دار اس کے عیال میں نہ ہوں۔

[۵۲۷] (۱۵) ولا يدفع الی مکاتبہ ولا مملوکہ [۵۲۸] (۱۶) ولا مملوک غنی ولا ولد

وولده احق من تصدقت به علیہم فقال رسول اللہ صدق ابن مسعود زوجک وولدک احق من تصدقت به علیہم (الف) (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۷ نمبر ۱۳۶۲) اس حدیث میں آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی سے فرمایا کہ تمہاری اولاد اور تمہارا شوہر تمہارے صدقے کا زیادہ حقدار ہے یعنی زکوۃ کا، اس لئے بیوی شوہر کو زکوۃ دے تو جائز ہے۔ امام اعظم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ صدقہ نافلہ کے بارے میں ہے جو ہم بھی جائز کہتے ہیں۔

[۵۲۷] (۱۵) اور زکوۃ نہ دے اپنے مکاتب غلام کو اور اپنے مملوک کو۔

**وجہ (۱)** مکاتب نے جب تک مال کتابت ادا کیا نہ ہو وہ غلام ہی باقی رہتا ہے۔ اور غلام کا سارا مال بلکہ اس کی جان بھی مولیٰ کی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے مکاتب اور اپنے غلام کو زکوۃ کا مال دینا گویا کہ خود کے پاس رکھ لینا ہے۔ اس لئے اپنے مولیٰ اور اپنے مملوک کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی (۲) پہلے ایک اثر گزر چکا ہے جس میں یہ تھا عن الثوری قال ولا تعطیہا مکاتبک (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب لمن اؤت زکوۃ ج رابع ص ۱۱۳ نمبر ۷۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو اس لئے کہ وہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے اپنے غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہوگا۔

[۵۲۸] (۱۶) اور مالدار کے مملوک کو اور مالدار کی اولاد کو زکوۃ نہ دے جب کہ وہ چھوٹے ہوں۔

**وجہ** پیچھے گزر چکا ہے کہ مملوک کا مال مولیٰ کا مال ہوتا ہے۔ اس لئے مالدار کے مملوک کو زکوۃ دی تو وہ مالدار مولیٰ کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی اور مالدار کو زکوۃ دینا جائز نہیں اس لئے مالدار کے مملوک کو بھی زکوۃ دینا جائز نہیں۔ ہاں غریب آدمی کا مملوک ہو تو اس کو دینا جائز ہے۔ کیونکہ وہ غریب مولیٰ کے ہاتھ میں پہنچے گی۔ اسی طرح مالدار آدمی کا چھوٹا بچہ مالدار کی کفالت میں ہوتا ہے اور گویا کہ باپ ہی اس کے مال کا مالک ہوتا ہے اس لئے مالدار کے بچے کے ہاتھ میں زکوۃ دینا گویا کہ مالدار کے ہاتھ میں مال دینا ہے۔ اس لئے مالدار کے چھوٹے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے (۲) چھوٹا بچہ باپ کی مالدار کی وجہ سے مالدار شمار کیا جاتا ہے اس لئے بھی مالدار کے بچے کو زکوۃ دینا جائز نہیں ہے۔ مالدار کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة (۱) لغاز فی سبیل اللہ (۲) او لعامل علیہا (۳) او لغارم (۴) او لرجل اشتراها بماله (۵) او لرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فاهدها المسکین للغنی (ابوداؤد شریف، باب من یجوز له اخذ الصدقة وهو غنی ص ۲۳۸ نمبر ۱۶۳۴/۱۶۳۵)۔

**نوٹ** بڑے بچے باپ کے تحت نہیں ہوتے اس لئے اگر باپ مالدار ہو اور اس کا بڑا بچہ غریب ہو تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں۔ اس لئے کہ

حاشیہ : (الف) ابوسعید خدری سے روایت ہے... کہ عبداللہ بن مسعود کی بیوی کہنے لگی اے اللہ کے نبی! آپ نے آج صدقے کا حکم دیا۔ اور میرے پاس کچھ زبورات ہیں تو میں چاہتی ہوں کہ اس کو صدقہ کروں۔ عبداللہ بن مسعود کا گمان ہے کہ وہ اور ان کی اولاد زیادہ حقدار ہے کہ میں ان پر صدقہ کروں۔ آپ نے فرمایا عبد اللہ بن مسعود صحیح کہتے ہیں۔ تمہارا شوہر اور تمہاری اولاد زیادہ حقدار ہیں آپ ان پر صدقہ کریں (ب) حضرت ثوری نے فرمایا اپنے مکاتب کو زکوۃ مت دو۔

غنی اذا كان صغيرا [۵۲۹] (۱۷) ولا يدفع الى بني هاشم وهم آل علی و آل عباس و آل جعفر و آل عقیل و آل الحارث بن عبد المطلب و موالیہم [۵۳۰] (۱۸) وقال ابو حنیفہ و

غریب کے ہاتھ میں زکوۃ دی۔

**اصول** چھوٹا بچہ باپ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔

[۵۲۹] (۱۷) اور زکوۃ نہ دے بنی ہاشم کو اور وہ آل علیؑ، آل عباسؑ، آل جعفرؑ، آل عقیل اور آل حارث بن عبد المطلب ہیں اور ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

**وجہ** پہلے حدیث میں گزر چکا ہے کہ آل ہاشم اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ لوگوں کا میل ہے اور میل آل رسول کے لئے کھانا اچھا نہیں ہے (۲) عن عبد اللہ بن نوفل الهاشمی ... ثم قال رسول الله لنا ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ ﷺ و علی آلہ و ہم بنو ہاشم و بنو عبد المطلب دون غیرہم ص ۳۳۵ نمبر ۷۲۱۰۷۲ ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ و اہل بیۃ و موالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محمد ﷺ اور آل محمد ﷺ جس کا تذکرہ اوپر ہوا ان کے لئے زکوۃ جائز نہیں ہے۔

اور ان کے آزاد کردہ غلام کے لئے ناجائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی رافع ان رسول الله ﷺ بعث رجلا من بنی مخزوم علی الصدقة ... فقال ان الصدقة لا تحل لنا وان موالی القوم من انفسهم (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی ﷺ و اہل بیۃ و موالیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۷) اس سے معلوم ہوا کہ آزاد کردہ غلام کا شمار اسی قوم میں ہوتا ہے۔ اس لئے بنو ہاشم کے آزاد کردہ غلام کے لئے زکوۃ جائز نہیں۔

**نوٹ** اس زمانے میں حالت ابتر ہو گئی ہے اور کوئی راستہ نہیں ہو تو بنو ہاشم کو زکوۃ دینے کی گنجائش بعض مفتیان کرام نے دی ہے۔ آزاد کردہ غلام باندی کو صدقہ دینے کی یہ حدیث ہے عن انس ان النبی ﷺ اتی ملحم تصدق به علی بريرة فقال هو علیها صدقة وهو لنا هدية (بخاری شریف، باب اذا تحولت الصدقة ص ۲۰۲ نمبر ۱۴۹۵)

**نوٹ** آل علی : علیؑ کے خاندان کے لوگ۔ موالی : جمع ہے مولیٰ کی آزاد کردہ غلام۔

[۵۳۰] (۱۸) امام ابو حنیفہ اور امام محمد نے فرمایا اگر زکوۃ ایک آدمی کو دے یہ گمان کرتے ہوئے کہ وہ فقیر ہے پھر ظاہر ہوا کہ وہ مالدار ہے، یا بائشی ہے، یا کافر ہے، یا اندھیرے میں فقیر کو دیا پھر ظاہر ہوا کہ وہ اس کا باپ ہے، یا اس کا بیٹھا ہے تو اس پر زکوۃ کا لوٹانا نہیں ہے۔

**تشریح** کسی نے فقیر گمان کرتے ہوئے دیا کہ یہ مستحق ہے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مستحق نہیں ہے پھر بھی اگر تحقیق کے بعد دیا تھا اور بعد میں خطا ظاہر ہو گئی تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ حنفیہ کے نزدیک دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے ہم سے کہا یہ صدقات لوگوں کے میل ہیں وہ محمد اور آل محمد کے لئے حلال نہیں ہے (الف) آپؐ نے بنی مخزوم کے ایک آدمی کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا۔ تو آپؐ نے فرمایا صدقہ ہمارے لئے حلال نہیں ہے اور یہ کہ قوم کا آزاد کردہ غلام قوم ہی میں سے شمار ہوتا ہے۔

محمد رحمہما اللہ تعالیٰ اذا دفع الزکوۃ الی رجل یظنہ فقیرا ثم بان انه غنی او هاشمی او کافر او دفع فی ظلمة الی فقیر ثم بان انه ابوه او ابنه فلا اعاده علیہ [۵۳۱] (۱۹) وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وعلیہ الاعادة [۵۳۲] (۲۰) ولو دفع الی شخص ثم علم انه عبده او مکاتبہ لم یجز فی قولہم جمیعاً۔

**ترجمہ** ان معن بن یزید حدثہ ... وکان ابی یزید اخرج دنائبر یتصدق بها فوضعها عند رجل فی المسجد فجئت فاختذتها فاتیته بها فقال واللہ ما ایاک ارددت فخاصمتہ الی رسول اللہ فقال لک مانویت یا یزید ولک ما اخذت یا معن (الف) (بخاری شریف، باب اذا تصدق علی ابنہ وھولاء یشرع ۱۹۱ نمبر ۱۳۲۲) اس حدیث میں باپ کی زکوۃ بھول سے بیٹے کو پہنچ گئی پھر بھی آپؐ نے باپ سے فرمایا کہ تم نے جو نیت کی ہے اس کی ادائیگی ہو جائے گی (۲) عن الحسن فی الرجل یعطی زکوۃ الی فقیر ثم یتبین لہ انه غنی قال اجزی عنہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۹۵ ماقالوا فی الرجل یعطی زکوۃ لغنی وھولاء یعلم ج ثانی ص ۴۱۳، نمبر ۱۰۵۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے غریب سمجھ کر مالدار کو زکوۃ دے تو زکوۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔ [۵۳۱] (۱۹) امام ابو یوسف نے فرمایا اس پر زکوۃ کو لوٹانا ہے۔

**ترجمہ** یعنی بھول کر غیر مستحق کو دی دی اور بعد میں ظاہر ہوا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوئی، دوبارہ ادا کرنی ہوگی۔  
**ترجمہ** (۱) غریب کو مالک بنانا ضروری تھا اور وہ نہیں ہوا اور مستحق تک زکوۃ نہیں پہنچی اس لئے زکوۃ دوبارہ ادا کرنی ہوگی (۲) عن ابراہیم فی الرجل یعطی زکوۃ الی غنی وھو لا یعلم قال لا یجزیہ (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۹۵ ماقالوا فی الرجل یعطی زکوۃ لغنی وھولاء یعلم ج ثانی ص ۴۱۳، نمبر ۱۰۵۴۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زکوۃ بھول کر غیر مستحق کو دیدی تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔  
**اسول** زکوۃ مستحق کو نہ پہنچے چاہے بھول کر بھی ہو تو زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

[۵۳۲] (۲۰) اور اگر زکوۃ کسی شخص کو دی پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کا غلام ہے یا اس کا مکاتب ہے تو بالاتفاق جائز نہیں ہوگی۔  
**ترجمہ** اپنے غلام یا مکاتب کے ہاتھ میں زکوۃ گئی تو گویا کہ اپنے ہی ہاتھ میں رہی کیونکہ غلام کی ملکیت خود اپنی ملکیت ہے۔ اس لئے گویا کہ ایک جیب سے نکال کر دوسری جیب میں رکھی۔ اس لئے زکوۃ کی ادائیگی بالاتفاق نہیں ہوگی۔  
**اسول** غلام کی ملکیت خود مولیٰ کی ملکیت ہے۔

**حاشیہ** : (الف) معن بن یزید نے بیان کیا... میرے باپ یزید نے کچھ دنائبر صدقہ کے لئے نکالے اور اس کو مسجد میں ایک آدمی کے پاس رکھا تو میں گیا اور اس زکوۃ کو لے لیا۔ اس کو لیکر آیا تو باپ نے کہا خدا کی قسم تم کو دینے کی نیت نہیں تھی۔ تو میں والد صاحب کو حضورؐ کے پاس لے گیا۔ تو آپؐ نے فرمایا اے یزید تم نے جو نیت کی وہ مل گئی اور اے معن تم نے جو لیا وہ ٹھیک ہے (ب) ایک آدمی کے بارے میں حضرت حسنؓ سے پوچھا کہ اس کو فقیر سمجھ کر زکوۃ دی پھر پتہ چلا کہ وہ مالدار ہے تو فرمایا کہ کافی ہو جائے گا (ج) حضرت ابراہیمؒ سے پوچھا گیا ایک آدمی کے بارے میں کہ زکوۃ مالدار کو دیدے اور وہ جانتا نہیں ہے، حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ اس کو کافی نہیں ہوگی۔

[۵۳۳] (۲۱) ولا يجوز دفع الزکوۃ الى من يملك نصابا من اى مال كان [۵۳۴] (۲۲) ويجوز دفعها الى من يملك اقل من ذلك وان كان صحيحا مكتسبا [۵۳۵] (۲۳) ويكره نقل الزکوۃ من بلد الى بلد آخر.

[۵۳۳] (۲۱) زکوۃ کا دینا جائز نہیں ہے اس آدمی کو جو نصاب کا مالک ہو چاہے جس مال کا ہو۔

**تشریح** اپنی حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور کوئی بھی مال نصاب زکوۃ کے برابر ہو تو اس کو زکوۃ دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

**وجہ** کیونکہ وہ غنی اور مالدار ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ غنی کو دینے سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ عن عطاء بن یسار ان رسول اللہ ﷺ قال لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة (ابوداؤد شریف نمبر ۱۶۳۴/۱۶۳۵)

[۵۳۴] (۲۲) اور جائز ہے زکوۃ دینا ایسے آدمی کو جو نصاب سے کم کا مالک ہو چاہے وہ تندرست ہو اور کمانے والا ہو۔

**تشریح** جو آدمی نصاب سے کم کا مالک ہو وہ شریعت کی نگاہ میں غنی نہیں ہے بلکہ وہ فقیر ہے اس لئے اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔ چاہے وہ تندرست ہو اور کما کر کھا سکتا ہو۔ کیونکہ فی الحال وہ فقیر ہے اور فقیر کے لئے زکوۃ جائز ہے۔

**وجہ** سمعت حمادا يقول من لم يكن عنده مال يبلغ فيه الزکوۃ اعطى من الزکوۃ (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۱ من قال لا تحل له الصدقة اذا ملك خمسين درهما ج ثانی، ص ۴۰۴، نمبر ۱۰۴۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو نصاب کا مالک نہ ہو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

**نوٹ** البتہ ایک آدمی کو اتنا روپیہ دے کہ وہ خود صاحب نصاب ہو جائے ایسا کرنا مکروہ ہے۔

**وجہ** اثر میں ہے عن عامر قال اعط من الزکوۃ ما دون ان يحل على من تعطيه الزکوۃ (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۰ ما قالوا في الزکوۃ قدر ما يعطى من حاج ثانی ص ۴۰۳، نمبر ۱۰۴۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک آدمی کو اتنی زکوۃ نہ دے کہ خود اس پر زکوۃ واجب ہو جائے۔

**نوٹ** مکتباً : کسب سے اسم فاعل ہے، کام کرنے والا۔

[۵۳۵] (۲۳) مکروہ ہے زکوۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا۔

**وجہ** (۱) حدیث میں ہے کہ مالداروں سے زکوۃ لو اور انہیں لوگوں کے غریباً پر تقسیم کر دو۔ اس لئے زکوۃ کو پہلے اسی شہر کے غریباً پر تقسیم کی جائے گی۔ وہاں سے بچے تب دوسرے شہر کے غریباً کو دیں۔ البتہ اگر دوسرے شہر کے غریباً اس شہر سے زیادہ محتاج ہوں تو اس شہر کو چھوڑ کر دوسرے شہر کے غریباً پر زکوۃ تقسیم کی جاسکتی ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله لمعاذ بن جبل حين بعثه الى اليمن ... قد افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم فتد على فقرائهم (ج) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقة من الاغنياء وترد في الفقراء حيث كانوا ص ۲۰۲، نمبر ۱۲۹۶) اس حدیث میں ہے کہ اس شہر کے مالداروں سے لیں اور انہیں کے غریباً پر تقسیم کر دیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت حماد نے فرمایا جس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس میں زکوۃ واجب ہو تو اس کو زکوۃ کے مال سے دیا جائے گا (ب) حضرت عامر نے فرمایا کہ زکوۃ کی رقم اتنی کم دو کہ جس کو زکوۃ دی اس پر زکوۃ واجب نہ ہو جائے (ج) آپ نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا... ان لوگوں پر زکوۃ فرض کی گئی ہے۔ ان کے مالداروں سے لی جائے اور انہیں کے فقراء پر تقسیم کر دی جائے۔

[۵۳۶] (۲۴) وانما یفرق صدقة کل قوم فیہم الا ان یتحتاج ان ینقلہا الانسان الی قرابته او الی قوم ہم احوج الیہ من اهل بلده.

جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے شہر کی طرف زکوۃ منتقل کرنا مکروہ ہے۔

[۵۳۶] (۲۴) ہر قوم کا صدقہ اسی میں تقسیم کیا جائے۔ مگر یہ کہ محتاج ہو کہ انسان اپنے رشتہ داروں کی طرف منتقل کرے، یا ایسی قوم کی طرف منتقل کرے جو اس شہر کے لوگوں سے زیادہ محتاج ہو۔

**تشریح** بہتر تو یہی ہے کہ جس شہر کے مالداروں سے زکوۃ لی اسی شہر کے غریبوں پر تقسیم کر دی جائے۔ لیکن اگر دوسرے شہر میں ان کے رشتہ دار ہیں تو دوسرے شہر میں رشتہ داروں کی طرف زکوۃ منتقل کر سکتے ہیں۔ یا دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج ہیں تو پھر وہاں منتقل کی جاسکتی ہے۔ وقال النبی ﷺ لہ اجر ان اجر القرابة واجر الصدقة (الف) (بخاری شریف، باب الزکوۃ علی الاقارب ص ۱۹۶ نمبر ۱۳۶۱ ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصدقة علی ذی القرابیہ ص ۱۴۲ نمبر ۶۵۸)

**نوٹ** دوسرے شہر کے لوگ زیادہ محتاج نہ بھی ہوں اور دے دے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ وہ لوگ فقراء ہیں اور مصرف ہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔



## ﴿باب صدقة الفطر﴾

[۵۳۷] (۱) صدقة الفطر واجبة على الحر المسلم اذا كان مالكا لمقدار النصاب فاضلا

## ﴿باب صدقة الفطر﴾

**ضروری نوٹ** عید کے دن جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ چونکہ پورے رمضان روزے رکھ کر وہ افطار کا دن ہوتا ہے اس لئے اس کو صدقۃ الفطر کہتے ہیں۔ اس کی دلیل آگے آئے گی۔

[۵۳۷] (۱) صدقۃ الفطر واجب ہے ہر آزاد، مسلمان پر جب کہ نصاب کی مقدار کا مالک ہو اور اپنے رہنے کے مکان اور اپنے کپڑے اور اپنے سامان گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلام سے زیادہ ہو۔

**تشریح** حاجت اصلیه سے زیادہ ہو تب ہی صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔ اور اوپر کی ساری چیزیں حاجت اصلیه کی ہیں۔ مثلاً رہنے کے لئے ایک مکان، روزانہ پہننے کے کپڑے، گھر کا فرنیچر، جہاد کے لئے گھوڑے، ہتھیار اور خدمت کے غلام یہ چیزیں انسان کے لئے ضروریات زندگی میں سے ہیں۔ اس لئے ان چیزوں سے فارغ ہو کر اور سال بھر تک کھانے پینے سے فارغ ہو کر مقدار نصاب کے برابر مال کا مالک ہو تب صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے۔

**مجاہد** غنی کی دلیل پہلے گزر چکی ہے توخذ من اغنیائهم وتورد علی فقرائهم (الف) (بخاری شریف، باب اخذ الصدقة من الاغنیاء وتورد فی الفقراء حاکم کا نوٹ ص ۲۰۳ نمبر ۱۳۹۶) حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ یا صدقۃ مالداروں سے لیا جائے گا۔ اور مالدار اس کو کہتے ہیں کہ حاجت اصلیه سے مقدار نصاب مال زیادہ ہو۔ حدیث میں ہے وقال النبی ﷺ لا صدقة الا عن ظهر غنی (بخاری شریف، باب تاویل قوله من بعد وصية يوصي بها او دين، کتاب الوصایا ص ۳۸۴ نمبر ۲۷۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجت اصلیه سے فارغ ہونے کے بعد زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر ادا کرے (۲) حاجت اصلیه کی تفصیل کا پتہ اس اثر سے ہوتا ہے عن سعید بن جبیر قال يعطى من الزكاة من له الدار والخادم والفرس (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۷۵ من لہ دار و خادم یعطى من الزكاة ج ثانی ص ۴۰۲، نمبر ۱۰۴۱۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جس کے پاس رہنے کا گھر ہو اور خدمت کا غلام ہو اور جہاد کا گھوڑا ہو وہ غنی نہیں ہے۔ اگر وہ محتاج ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ سب چیزیں حاجت اصلیه میں داخل ہیں۔

**فائدہ** امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی ایک دن رات کے کھانے سے زیادہ مال رکھے وہ صدقۃ الفطر ادا کرے۔

**مجاہد** ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن ابی صعیر عن ابيه قال قال رسول الله ادوا صدقة الفطر صاعا من بر او قمح عن كل رأس صغير او كبير حر او عبد ذكر او انثى اما غنيكم فيزكيه الله واما فقيركم فيرد الله عليه اكثر بما اعطاه (ج) (دارقطنی، کتاب زکوٰۃ الفطر، ج ثانی ص ۱۲۸، ۱۲۹ نمبر ۲۰۸۸ سنن للبیہقی، باب من قال بوجوبها علی الغنی والفقیر ج رابع ص ۱۲۸)

حاشیہ : (الف) ان کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے گی اور ان کے فقراء پر تقسیم کی جائے گی (ب) سعید بن جبیر نے فرمایا کہ زکوٰۃ دی جائے گی جس کو گھر ہو، خادم ہو اور گھوڑا ہو (ج) آپؐ نے فرمایا صدقۃ الفطر ادا کر ایک صاع گہوں سے چھوٹے، بڑے، آزاد ہو یا غلام، مذکر اور مؤنث کی جانب سے، بہر (باقی اگلے صفحہ پر)

عن مسکنه و ثیابه و اثاثه و فرسه و سلاحه و عبيده للخدمة [۵۳۸] (۲) يخرج ذلك عن نفسه و عن اولاده الصغار و عبيده للخدمة [۵۳۹] (۳) ولا يودی عن زوجته ولا عن اولاد

۲۷۶، نمبر ۶۹۵/۷ ابوداؤد شریف، باب من روى نصف صاع من قمح من ۲۳۵ نمبر ۱۶۱۹ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیر پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے فیرد اللہ علیہ اکثر مما اعطاه اس نے جتنا دیا ہے اس سے زیادہ اس پر واپس ہوگا۔ صدقۃ الفطر واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال فرض رسول اللہ ﷺ زکوة الفطر صاعا من تمر او صاعا من شعیر علی العبد والحر والذكر والانثی والصغیر والكبیر من المسلمین وامر بها ان تودی قبل خروج الناس الى الصلوة (الف) (بخاری شریف، باب فرض صدقۃ الفطر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۳/۱۵۰۴ مسلم شریف، باب زکوة الفطر ص ۳۱۷ نمبر ۹۸۴) اس حدیث میں فرض کے لفظ سے حنفیہ صدقۃ الفطر دینا واجب قرار دیتے ہیں۔

**فت** مسکن : رہنے کی جگہ، رہنے کا مکان۔ اثاثہ : گھر کا سامان، گھر کا فرنیچر۔ سلاح : ہتھیار۔

[۵۳۸] (۲) صدقۃ الفطر نکالے گا اپنی ذات کی جانب سے اور اپنی چھوٹی اولاد کی جانب سے اور خدمت کے غلام کی جانب سے۔

**شرح** آدمی اپنی ذات کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا اور جس کی کفالت کرتا ہے اور مکمل ذمہ دار ہے ان کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے گا۔ مثلاً چھوٹی اولاد، خدمت کے غلام۔ آدمی ان لوگوں کی کفالت کرتا ہے اس لئے ان لوگوں کی جانب سے آدمی صدقۃ الفطر نکالے گا۔

**ترجمہ** (۱) اوپر مسئلہ نمبر ایک میں بخاری شریف کی حدیث گزر گئی جس میں علی العبد اور الصغیر کے الفاظ موجود ہیں (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال امر رسول اللہ بصدقۃ الفطر عن الصغیر والكبیر والحر والعبد ممن تمونون (ب) (دارقطنی، کتاب زکوة الفطر ج ۲ ص ۱۲۳ نمبر ۲۰۵۹ سنن للبیہقی، باب اخراج زکوة الفطر عن نفسه وغیره، ج ۲ ص ۲۷۲، نمبر ۶۸۸/۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی جس آدمی کی کفالت کرتا ہے اس کا صدقۃ الفطر بھی خود ادا کرے گا۔ تمونون کے معنی ہیں جس کی تم کفالت کرتے ہو۔

[۵۳۹] (۳) اپنی بیوی کی جانب سے اور بڑی اولاد کی جانب سے ادا نہیں کرے گا چاہے وہ اسی کی کفالت میں ہو۔

**ترجمہ** بیوی کا نان و نفقہ اگرچہ شوہر کے ذمہ ہوتا ہے لیکن یہ شوہر کے گھر میں احتساب کی وجہ سے شوہر پر نفقہ لازم ہے۔ کفالت کی وجہ سے نہیں ہے اسی لئے بیوی کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے اور شوہر کی ملکیت الگ شمار کی جاتی ہے۔ اس لئے شوہر پر بیوی کا صدقۃ الفطر لازم نہیں ہے۔ اسی طرح بڑے لڑکے کی ملکیت باپ سے الگ ہو جاتی ہے اور وہ خود ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ چاہے کسی محتاج کی وجہ سے لڑکے کا نفقہ باپ پر لازم ہو۔ اس لئے بڑے لڑکے کا صدقۃ الفطر باپ پر لازم نہیں۔

حاشیہ : (پچھلے صفحے سے آگے) حال تمہارا مالدار تو اللہ اس کو پاک کرے گا۔ اور بہر حال تمہارا فقیر تو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ اس پر لوٹائے گا جو اس نے دیا (الف) فرض کیا حضور نے صدقۃ الفطر میں ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، غلام پر اور آزاد پر، مذکر پر اور مؤنث پر، چھوٹے پر اور بڑے پر مسلمانوں میں سے، اور اس کا حکم دیا کرتے تھے کہ نکالے نماز کی طرف لوگوں کے نکلنے سے پہلے (ب) آپ نے حکم دیا صدقۃ الفطر نکالنے کا چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام کی جانب سے جسکی کفالت کرتا



الكبار وان كانوا في عياله [۵۴۰] (۴) ولا يخرج عن مكاتبه [۵۴۱] (۵) ولا عن ممالیکه للتجارة [۵۴۲] (۶) والعبد بین الشریکین لا فطرة علی واحد منهما [۵۴۳] (۷) ویودی

**نوٹ** اگر باپ نے یا شوہر نے لڑکے اور بیوی کی طرف سے صدقۃ الفطر ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں کے درمیان وسعت ہوتی ہے۔ بیوی اور بڑا لڑکا اگر صاحب نصاب ہیں تو خود ادا کریں گے۔

[۵۴۰] (۴) اپنے مکاتب غلام کی جانب سے صدقۃ الفطر نہیں نکالے گا۔

**مذہب** (۱) مولیٰ مکاتب غلام کی کفالت نہیں کرتا بلکہ مکاتب خود کفیل ہوتا ہے اس لئے مکاتب مالدار ہو تو خود مکاتب پر صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابن عمر انه كان يودی زکوة الفطر عن کل مملوک له فی ارضه و غیر ارضه وعن کل انسان یعولہ من صغیرا و کبیر وعن رقیق امرأته وکان له مکاتب بالمدينة فکان لا یودی عنه (الف) (سنن للبیہقی، باب من قال لا یودی عن مکاتب ج رابع ص ۲۷۲، نمبر ۶۸۶ مصنف ابن ابی شیبہ، ۷۳، ما قالوا فی المکاتب یعطی عنه سیدہ ام لاج ثانی ص ۴۰۰، نمبر ۱۰۳۸۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر مکاتب کا صدقۃ الفطر خود ادا نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی مونت میں نہیں تھا۔

[۵۴۱] (۵) نہ تجارت کے غلاموں کی جانب سے صدقۃ الفطر نکالے۔

**مذہب** تجارت کے غلام کی قیمت میں زکوۃ ہے اس لئے اس کے لئے صدقۃ الفطر دینے کی ضرورت نہیں، ورنہ دو مرتبہ اس کی زکوۃ نکالنی ہو جائے گی۔

[۵۴۲] (۶) اور جو غلام دوشریکوں کے درمیان میں ہو ان دونوں میں سے کسی پر صدقۃ الفطر نہیں ہے۔

**مذہب** (۱) دونوں شریکوں میں سے کوئی بھی پورا پورا مالک نہیں ہے اور نہ پوری پوری کفالت کر رہے ہیں بلکہ دونوں کی کفالت اور مونت آدھی آدھی ہے۔ اس لئے کسی شریک پر صدقۃ الفطر واجب نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابی ہریرۃ قال لیس فی المملوک زکوۃ الا مملوک تملکہ (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۱۸، فی المملوک کیون بن رجبین علیہ صدقۃ الفطر ج ثانی ص ۴۲۳، نمبر ۱۰۶۵۱) اس اثر میں الا مملوک تملکہ کا مطلب یہی ہے کہ تم مملوک کے مکمل مالک ہو تو زکوۃ یعنی صدقۃ الفطر واجب ہے، اور مکمل مالک نہیں ہو بلکہ شرکت میں مملوک ہے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں ہے۔

[۵۴۳] (۷) مسلمان مولا صدقۃ الفطر ادا کرے گا اپنے کافر غلام کی جانب سے۔

**مذہب** (۱) حنفیہ کے نزدیک غلام کا صدقۃ مولیٰ پر واجب ہوتا ہے اور مولیٰ چونکہ مسلمان ہے اس لئے اس پر واجب ہوگا (۲) بخاری میں دوسری

حاشیہ: (الف) حضرت ابن عمر صدقۃ الفطر ادا کرتے تھے ہر مملوک کی جانب سے جو اس کی زمین میں ہو اور دوسری زمین میں ہو۔ اور ہر انسان کی جانب سے جن کی وہ کفالت کرتے تھے، چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور اپنی بیوی کے غلام کی جانب سے۔ اور ان کا مکاتب غلام مدینہ طیبہ میں تھا تو ان کی جانب سے ادا نہیں کرتے تھے۔ (ب) حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا مملوک میں صدقۃ نہیں ہے مگر وہ مملوک جس کے تم پورے مالک ہو۔

المسلم الفطرة عن عبده الکافر [۵۴۴] (۸) والفطرة نصف صاع من بر او صاع من تمر او زبيب او شعیر.

حدیث مطلق ہے اس میں من المسلمین کی قید نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ مملوک مسلمان ہو یا کافر دونوں صورتوں میں اس کا صدقۃ الفطر نکالنا واجب ہوگا عن ابن عمر قال فرض رسول اللہ ﷺ صدقة الفطر صاعا من شعیر او صاعا من تمر علی الصغیر والكبیر والحر والمملوک (الف) (بخاری شریف، باب صدقة الفطر علی الصغیر والكبیر ص ۲۰۵ نمبر ۱۵۱۲) اس حدیث میں والمملوک مطلق ہے۔ یعنی کافر اور مسلمان دونوں قسم کے غلاموں پر صدقۃ الفطر واجب ہے (۳) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صدقة الفطر عن کل صغیر وکبیر ذکر و انثی یہودی او نصرانی حر او مملوک نصف صاع من بر (ب) (دار قطنی، کتاب زکوة الفطر ج ۲ ص ۱۳۱ نمبر ۲۱۰) اس حدیث میں ہے کہ یہودی ہو یا نصرانی ہو اس مملوک کا صدقۃ الفطر واجب ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک کافر غلام کا صدقۃ الفطر اس کے مولیٰ پر واجب نہیں ہے۔

**مجا** ان کے یہاں خود غلام پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اور غلام کا کافر ہے اور کافر صدقۃ کا اہل نہیں ہے۔ کیونکہ صدقۃ تو عبادت ہے اس لئے ان کے یہاں کافر غلام کا صدقۃ الفطر مولیٰ پر واجب نہیں ہے (۲) پہلے مسئلہ میں بخاری شریف کی حدیث گزری جس میں ذکر او انثی من المسلمین کی قید ہے (بخاری شریف، باب صدقة الفطر علی العبد وغیرہ من المسلمین ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۴) اس لئے مسلمان غلام کا واجب ہوگا غیر مسلم کا نہیں ہوگا۔

[۵۴۴] (۸) صدقۃ الفطر آدھا صاع ہے گیہوں سے یا ایک صاع ہے کھجور سے یا کشمش سے یا جو سے۔

**تشریح** صدقۃ الفطر گیہوں سے آدھا صاع دینا ہوگا، اور کھجور سے ایک صاع اور کشمش سے ایک صاع اور جو سے ایک صاع دینا ہوگا۔

**بجا** (۱) عن عبد اللہ بن عمر قال امر النبی ﷺ بزکوة الطفر صاعا من تمر او صاعا من شعیر قال عبد اللہ فجعل الناس عدله مدین من حنطة (ج) (بخاری شریف، باب صدقة الفطر صاع من تمر ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے کھجور اور جو ایک صاع دینے کا حکم دیا اور لوگوں نے آدھا صاع گیہوں کو ایک صاع کھجور کے برابر قرار دیا۔ اور حضورؐ نے اس کو قبول کیا اس لئے آدھا صاع گیہوں دینا کافی ہے (۲) عن ابی صغیر قال قال رسول اللہ صاع من بر او قمح علی کل اثنين صغیر او کبیر (د) (ابوداؤد شریف، باب من روی نصف صاع من قمح ص ۳۳۵ نمبر ۱۶۱۹) اس حدیث سے اور اوپر بخاری شریف کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آدھا صاع گیہوں صدقۃ الفطر میں دینا کافی ہے۔ کیونکہ ایک صاع دو آدمیوں کی جانب سے ہوا تو آدھا صاع ایک

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرض کیا صدقۃ الفطر ایک صاع جو میں سے یا ایک صاع کھجور میں سے چھوٹے پر اور بڑے پر، آزاد پر اور مملوک پر (ب) آپؐ نے فرمایا صدقۃ الفطر ہے ہر چھوٹے بڑے اور مذکر و مؤنث اور یہودی اور نصرانی اور آزاد اور مملوک کی جانب سے آدھا صاع گیہوں (ج) آپؐ نے صدقۃ الفطر کا حکم دیا ایک صاع کھجور، ایک صاع جو تو لوگوں نے دو دو گیہوں کو اس کے برابر قرار دیا۔ نوٹ دو آدھا صاع ہوتا ہے (د) آپؐ نے فرمایا ایک صاع گیہوں دو آدمیوں پر ہے چھوٹے ہو یا بڑے۔

[۵۴۵] (۹) والصاع عند ابی حنیفہ و محمد ثمانية ارطال بالعراقی و قال ابو یوسف

آدمی کی جانب سے ہوگا۔

[۵۴۵] (۹) اور صاع امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل کا ہے عراقی رطل کے ساتھ اور امام ابو یوسف نے فرمایا پانچ رطل اور ایک تہائی رطل۔

**بج** اس کی کچھ تفصیل کتاب الزکوۃ میں گزر چکی ہے۔ چار مد کا ایک صاع ہوتا ہے یہ بالاتفاق ہے۔ البتہ کتنے رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اس میں اختلاف ہو گیا۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک آٹھ رطل کا ایک صاع ہوتا ہے اور امام ابو یوسف اور امام شافعی کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہوتا ہے (۲) آٹھ رطل کا صاع ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس بن مالک ان النبی ﷺ كان يتوضأ برطلين ويغتسل بالصاع ثمانية ارطال (الف) (دارقطنی، کتاب زکوۃ الفطر ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۲۱۱۹ و ۲۱۲۰ سنن للبیہقی، باب ما دل علی ان صاع النبی کان عیارۃ خمسۃ ارطال و ثلث ج رابع ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صاع آٹھ رطل کا ہونا چاہئے **فائدہ** امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کی دلیل یہ حدیث ہے حدیثی ابی عن امہ انها ادت بهذا الصاع الی رسول اللہ قال مالک انا حرزت هذه فوجدتها خمسة ارطال و ثلث (ب) (دارقطنی، کتاب زکوۃ الفطر ص ۳۲ نمبر ۲۱۰۵ سنن للبیہقی، باب ما دل علی ان صاع النبی ﷺ کان عیارۃ خمسۃ ارطال و ثلث ص ۲۸۷، نمبر ۷۷۲۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کا صاع پانچ رطل اور ایک تہائی رطل تھا۔ اسی پر جمہور ائمہ کا عمل ہے۔

**نوٹ** امام ابوحنیفہ کے نزدیک اگرچہ آٹھ رطل کا صاع ہے لیکن ان کا رطل چھوٹا ہے اور صرف 20 استار کا صاع ہے جو 442.25 گرام کا ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک پانچ رطل اور تہائی رطل کا صاع ہے لیکن ان کا رطل بڑا ہے۔ 30 استار کا صاع ہے جو 663.413 گرام کا ایک رطل ہوگا۔ اور دونوں کا صاع 160 استار کا ہوگا اور 3538 گرام ہوگا۔ دلیل یہ عبارت ہے۔ فقال لطر فان ثمانية ارطال بالعراقی، وقال الثانی خمسة ارطال و ثلث و قيل لا خلاف لان الثانی قدره برطل المدينة لانه ثلاثون استارا والعراقی عشرون، و اذا قابلت ثمانية بالعراقی بخمسة و ثلث بالمدينة و جدتهما سواء (رد المحتار علی الدر المختار، باب صدقة الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دونوں رطلوں کا حاصل ایک ہی ہے یعنی 3538 گرام کا صاع ہے۔ اور آدھا صاع گیبوں 1.769 گرام صدقة الفطر ہوگا۔ یعنی ایک کیلوسات سو اہتر گرام، اور صاع کا برتن 2.94 لیٹر کا ہوگا۔

یہ حساب احسن الفتاویٰ، باب صدقة الفطر، ج رابع، ص ۴۱۶ سے لیا گیا ہے۔ البتہ در مختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صاع کا وزن اس سے بھی چھوٹا ہے۔ کیونکہ اس میں ہے کہ ایک صاع کا وزن 1040 درہم ہے۔ اور ایک درہم کا وزن 3.061 گرام ہے۔ تو ایک صاع کا وزن  $3.061 \times 1040$  گرام برابر 3183.44 گرام ہوگا۔

حاشیہ : (الف) انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے تھے دو رطل سے اور غسل کرتے تھے ایک صاع سے جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے (ب) حضرت مالک نے اپنی ماں سے نقل کیا کہ انہوں نے اس صاع سے حضور کو صدقہ ادا کیا۔ حضرت مالک نے فرمایا میں نے اس کو پاتا تو اس کو پانچ رطل اور تہائی رطل پایا۔

خمسة ارطال و ثلث رطل [۵۴۶] (۱۰) و وجوب الفطرة يتعلق بطلوع الفجر الثاني من يوم الفطر [۵۴۷] (۱۱) فمن مات قبل ذلك لم تجب فطرته [۵۴۸] (۱۲) ومن اسلم او ولد بعد طلوع الفجر لم تجب فطرته.

**ترجمہ** یہ عبارت ہے۔ الصاع المعبر مایسع الفا واربعين درهما من ماش او عدس (رد المحتار علی الدر المختار، باب صدقة الفطر، ج ثالث، ص ۳۷۴) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ایک صاع 1040 درہم کے وزن کا ہے جس کا گرام 3183.44 ہوگا۔ اور آدھا صاع 1591.72 گرام کا ہوگا۔ احتیاط کے لئے 1.769 کا وزن لینا بہتر ہے۔ پوری تفصیل باب زکوۃ الزرع والثمار مسئلہ نمبر ۳ پر دیکھیں۔ [۵۴۶] (۱۰) صدقة الفطر کا وجوب متعلق ہے عید الفطر کے دن صبح صادق کے طلوع ہونے سے۔

**ترجمہ** روزہ صبح صادق کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور رمضان کے بعد یہ پہلا دن ہے جب کہ افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا، اور صدقة الفطر کی نسبت افطار کی طرف ہے اس لئے جس وقت سے حقیقت میں افطار شروع ہوا یعنی صبح صادق کا وقت وہ وقت صدقة الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔ اس لئے عید کے دن صبح صادق کا وقت صدقة الفطر کے وجوب کا سبب بنے گا۔ امام ابو حنیفہ کا استدلال اس حدیث کے اشارے سے ہے۔ عن ابن عمر قال فرض رسول الله ﷺ زکوۃ الفطر صاعا من تمر ... و امر بها ان تؤدى قبل خروج الناس الى الصلوة (بخاری شریف، باب فرض صدقة الفطر، ص ۲۰۴، نمبر ۱۵۰۳) اس حدیث میں عید کی نماز سے پہلے صدقة الفطر نکالنے کا حکم دیا۔ جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس سے قریب کا وقت یعنی صبح صادق اس کے نکالنے کا سبب ہے۔

**ترجمہ** امام شافعی کے نزدیک عید کے دن سے پہلے جو رات ہے اس کی مغرب کا وقت صدقة الفطر واجب ہونے کا سبب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسی مغرب کے وقت ہی سے افطار شروع ہو گیا ہے اس لئے مغرب کا وقت ہی سبب بنے گا۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ مغرب کے وقت تو ہمیشہ ہی افطار کا تھا اس لئے صبح صادق کا وقت صدقة الفطر واجب ہونے کا سبب بنے گا۔

**نکتہ** الفجر الثاني : سے مراد صبح صادق ہے۔ کیونکہ الفجر الاول صبح کاذب ہے۔

[۵۴۷] (۱۱) جو آدمی صبح صادق سے پہلے مر گیا اس کا صدقة الفطر واجب نہیں ہوگا۔

**ترجمہ** صبح صادق صدقة الفطر واجب ہونے کا سبب تھا اور وہ سبب واقع ہونے سے پہلے مر گیا اس لئے صدقة الفطر واجب نہیں ہوگا۔

[۵۴۸] (۱۲) اور جو اسلام لایا، یا بچہ پیدا ہوا یا صبح صادق طلوع ہونے کے بعد تو اس کا صدقة الفطر واجب نہیں ہوگا۔

**ترجمہ** جو صبح صادق طلوع ہونے کے بعد مسلمان ہوا تو وہ صبح صادق کے وقت مسلمان ہی نہیں تھا۔ اس پر سبب واقع نہیں ہوا۔ اسی طرح صبح صادق کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس بچے پر سبب واقع نہیں ہوا اس لئے اس پر بھی صدقة الفطر واجب نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ سبب کے بعد یہ لوگ وجود میں آئے۔

**اسول** سبب نہ پایا جائے تو حکم لازم نہیں ہوگا۔

[۵۴۹] (۱۳) والمستحب ان يخرج الناس الفطرة يوم الفطر قبل الخروج الى المصلى فان قدموها قبل يوم الفطر جاز [۵۵۰] (۱۴) وان اخروها عن يوم الفطر لم تسقط وكان عليهم اخراجها.

[۵۴۹] (۱۳) اور مستحب ہے کہ آدمی صدقۃ الفطر عید کے دن عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے نکالے۔ پس اگر عید الفطر کے دن سے پہلے نکالے تو جائز ہے۔

**ترجمہ** (۱) عن ابن عمر ان النبی ﷺ امر بزکوۃ الفطر قبل خروج الناس الى الصلوة (الف) (بخاری شریف، باب الصدقة قبل العید ص ۲۰۴ نمبر ۱۵۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید گاہ کی طرف نکلنے سے پہلے عید کے دن صدقۃ الفطر نکالے، اس سے بھی پہلے نکالے تو جائز ہے کیونکہ صدقۃ الفطر کا سبب اصلی مالداري ہے اور وہ موجود ہے اس لئے اگر صبح صادق سے پہلے ادا کر دیا تو ادائیگی ہو جائے گی۔ جیسے زکوۃ جلدی دے تو ادا ہو جاتی ہے۔ (۲) اثر میں ہے فکان ابن عمر یودیہا قبل ذلک بالیوم والیومین (ب) (ابوداؤد شریف، باب متی تودی ص ۲۳۴ نمبر ۱۶۱۰) اس اثر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر صدقۃ الفطر عید کے ایک دن یا دو دن قبل ہی نکال دیتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سبب تو عید الفطر کے صبح صادق کا وقت ہے لیکن اگر دو چار روز قبل ہی نکال دے تو ادائیگی ہو جائے گی۔

[۵۵۰] (۱۴) اور اگر صدقۃ الفطر کو عید الفطر کے دن سے مؤخر کیا تو وہ ساقط نہیں ہوگا اور ان پر اس کا نکالنا ضروری ہوگا۔

**تشریح** اگر عید الفطر کے دن تک صدقۃ الفطر نہیں نکالا تو واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوگا۔ جیسے نماز واجب ہونے کے بعد ساقط نہیں ہوتی ہے۔ اور بعد میں بھی اس کا نکالنا واجب ہوگا۔ اور چونکہ ایک صاع یا آدھا صاع گے ہوں ہی دینا پڑے گا اس لئے بوجھ بھی کوئی زیادہ نہیں ہے۔



حاشیہ : (الف) آپؐ نے صدقۃ الفطر نکالنے کا حکم دیا نماز کی طرف لوگوں کے نکلنے سے پہلے (ب) ابن عمر صدقۃ الفطر ادا کیا کرتے تھے عید الفطر سے ایک دن یا دو دن پہلے۔

## ﴿ کتاب الصوم ﴾

[۵۵۱] (۱) الصوم ضربان واجب و نفل فالواجب ضربان ما يتعلق بزمان بعينه كصوم رمضان والنذر المعین [۵۵۲] (۲) فيجوز صومه بنية من الليل فان لم ينو حتى اصبح

## ﴿ کتاب الصوم ﴾

**ضروری نوٹ** صوم کے معنی رکنا ہے۔ روزہ میں کھانے، پینے اور جماع سے رکنا ہے اس لئے اس کو صوم کہتے ہیں۔ روزہ فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (الف) (آیت ۱۸۳ سورۃ البقرۃ ۲) اور حدیث میں ہے ان اعرابیا جاء الی رسول اللہ ﷺ ... فقال اخبرنی ماذا فرض اللہ علی من الصیام فقال شهر رمضان الا ان تطوع شینا (ب) (بخاری شریف، کتاب الصوم، باب وجوب صوم رمضان ص ۲۵۴ نمبر ۱۸۹۱) اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے فرض ہیں۔

[۵۵۱] (۱) روزے کی دو قسمیں ہیں واجب اور نفل، پس واجب کی دو قسمیں ہیں، ان میں سے ایک جو تعلق رکھتی ہے متعین زمانے کے ساتھ جیسے رمضان کے روزے اور نذر معین۔

**تشریح** روزے کی چھ قسمیں ہیں (۱) رمضان کے روزے (۲) نذر معین کا روزہ (۳) قضاء رمضان (۴) نذر غیر معین (۵) کفارات کے روزے (۶) نفل روزے۔ ان چھ قسموں میں سے پہلی دو قسمیں رمضان کے روزے اور نذر معین وقت متعین کے ساتھ ہیں اور باقی چار قسمیں وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے۔ کسی دن بھی رکھ سکتے ہیں۔

[۵۵۲] (۲) وقت متعین کا روزہ رات کی نیت کے ساتھ جائز ہے، پس اگر نیت نہ کی ہو یہاں تک کہ صبح ہو گئی تو اس کو کافی ہوگی وی نیت جو رات اور زوال کے درمیان کی گئی ہے۔

**تشریح** اگر رات کو نیت نہ کی ہو تو زوال سے پہلے نیت کر لی تو وہ نیت بھی رمضان کے روزے کے لئے اور نذر معین کے ادا ہونے کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ رمضان کا مہینہ ہونے کی وجہ سے یہ طے ہے کہ ایک مسلمان کو روزہ رکھنا ہے اور صبح سے زوال تک کھایا پیا بھی نہیں ہے اس لئے اکثر دن میں نیت کر لی تو روزہ ادا ہو جائے گا۔ اور زوال سے پہلے نیت کر لی تو آدھا دن سے زیادہ نیت پائی گئی لہذا کثر حکم الکھل کے قاعدہ کے اعتبار سے کافی ہو جائے گی۔ یہی حال نذر معین کا ہے کہ پہلے سے روزہ رکھنے کے لئے دن متعین ہے اس لئے یہی گمان ہے کہ اپنے وعدے کے مطابق روزہ رکھے گا۔

**نوٹ** روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اس لئے صبح صادق سے آدھا دن سے زیادہ کا اعتبار کرنا ہوگا۔

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا ہے، شاید کہ تم تقویٰ اختیار کرو (ب) دیہاتی نے کہا مجھ کو خبر دیجئے اللہ نے مجھ پر روزے میں کیا فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا رمضان کے روزے۔ مگر یہ کہ تم نفل روزے رکھنا چاہو۔

اجزأته النية ما بينه وبين الزوال [۵۵۳] (۳) والضرب الثاني ما ثبت في الذمة كقضاء رمضان والنذر المطلق والكفارات فلا يجوز صومه الا بنية من الليل وكذلك صوم الظهار. [۵۵۴] (۴) والنفل كله يجوز بنية قبل الزوال.

**نقد** النذر المعین : کوئی آدمی نذر مانے کہ مثلاً جمعہ کے دن روزہ رکھوں گا تو چونکہ جمعہ کا دن روزہ رکھنے کے لئے متعین کیا اس لئے یہ نذر معین ہوئی، نذر واجب ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم لیقضوا نفثهم ولیوفوا نذرهم (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر مانی ہو تو اس کو پوری کرنا چاہئے۔ روزہ متعین ہے، دن کو بھی نیت کر لے تو جائز ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن حفصة زوج النبی ﷺ ان رسول اللہ قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الدیۃ فی الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۴ ترمذی شریف، باب ما جاء لا صیام لمن لم یعزم من اللیل ص ۱۴۵ نمبر ۷۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات سے روزے کی نیت کرنی چاہئے (۲) دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ متعین روزہ اور نفل روزہ کی نیت زوال سے پہلے بھی کرے گا تو روزہ درست ہو جائے گا عن سلمة بن اکوع ان النبی ﷺ بعث رجلا ینادی فی الناس یوم عاشوراء ان من اکل فلیتم او فلیصم ومن لم یأکل فلا یأکل (ج) (بخاری شریف، باب اذا نوى بالتحار صوما ۲۵۷ نمبر ۱۹۲۴ ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فیہ (ای فی الدیۃ) ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۵) اس حدیث میں جس نے دو پہر تک کھایا نہیں تھا اس کو نیت کر کے روزہ رکھنے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوا کہ دو پہر سے پہلے روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ حدیث میں یہ حکم سنت روزے کا ہے لیکن متعین روزے کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

[۵۵۳] (۳) دوسری قسم وہ روزہ ہے جو ذمہ میں ثابت ہو جیسے رمضان کی قضا اور نذر مطلق اور کفارات کے روزے، پس جائز نہیں ہے اس کے روزے مگر رات کی نیت کے ساتھ، اور ایسے ہی کفارہ ظہار کے روزے۔

**تشریح** وہ روزے جو وقت کے ساتھ متعین نہیں ہیں اور نفل بھی نہیں ہیں ان روزوں کی نیت رات سے ہی کرنی ہوگی، تب روزے درست ہوں گے۔

**حجہ** چونکہ یہ روزے مطلق وقت کے ساتھ ہیں، کسی وقت کے ساتھ متعین نہیں ہے اس لئے رات ہی سے نیت کر کے واجب روزہ متعین کرنا ہوگا۔ اور رات ہی سے نیت کرنی ہوگی۔

**حجہ** اوپر ابوداؤد کی حدیث ہے۔ ان رسول اللہ ﷺ قال من لم یجمع الصیام قبل الفجر فلا صیام له (ابوداؤد شریف، نمبر ۲۴۵۴ ترمذی شریف، نمبر ۷۳۰)

[۵۵۴] (۴) اور نفل کل کے کل جائز ہے زوال کے پہلے کی نیت سے۔

حاشیہ : (الف) پھر اپنی پراگندگی کو دور کرو اور اپنی نذر پوری کرو (ب) آپؐ نے فرمایا جو آدمی فجر سے پہلے روزے کا پختہ ارادہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں ہوا (ج) آپؐ نے ایک آدمی کو عاشورہ کے دن لوگوں میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ جس نے کھانا کھایا وہ روزہ پورا کرے یا روزہ رکھے۔ فرمایا اور جس نے کھانا نہیں کھایا تو اب نہ کھائے یعنی روزہ رکھے۔

[۵۵۵] (۵) وينبغي للناس ان يلتمسوا الهلال في اليوم التاسع والعشرين من شعبان فان راوه صاموا وان غم عليهم اكملوا عدة شعبان ثلثين يوما ثم صاموا [۵۵۶] (۶) ومن رأى

**تشریح** زوال سے پہلے پہلے نیت کرے تب بھی نفل روزہ جائز ہے۔

**مجموعہ** (۱) نفل روزہ چونکہ ذمے میں نہیں ہے۔ اس لئے اگر صبح سے ابھی تک کھایا پیانا ہو اور زوال سے پہلے روزے کی نیت کر لے تو چونکہ آدھا دن سے زیادہ روزہ کی نیت ہوئی اس لئے روزہ درست ہو جائے گا (۲) عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان النبی ﷺ اذا دخل علی قال هل عندکم طعام فاذا قلنا لا قال انی صائم (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فی ص ۳۴۰ نمبر ۲۳۵۵) مسلم شریف، باب جواز صوم النافلة بیدئ من النہار قبل الزوال ص ۳۶۲ نمبر ۱۱۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دن میں کھانے کا انتظام نہیں ہوا تو آپؐ نے روزہ کی نیت کر لی جس سے معلوم ہوا کہ نفل روزے کی نیت زوال سے پہلے پہلے کر لینے سے روزہ درست ہو جاتا ہے۔

رویت ہلال کا مسئلہ

[۵۵۵] (۵) انسان کے لئے مناسب ہے کہ چاند کو انیسویں شعبان کو تلاش کرے، پس اگر چاند دیکھ لیا تو سب روزہ رکھیں اور اگر لوگوں پر پوشیدہ رہا تو شعبان کے تیس دن پورے کریں اور پھر روزہ رکھیں۔

**تشریح** شعبان کی انیسویں تاریخ کو چاند تلاش کرنا چاہئے۔ اگر نظر آجائے تو روزہ رکھے اور نظر نہ آئے تو شعبان کی تیس پوری کر کے روزہ رکھے۔

**مجموعہ** حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمران رسول اللہ ﷺ قال الشهر تسع و عشرون ليلة فلا تصوموا حتی تروہ فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین (ب) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ اذا رايتم الهلال فصوموا واذراہتموه فافطروا، ص ۲۵۶، نمبر ۱۹۰۷) مسلم شریف، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال ص ۳۴۷ نمبر ۱۰۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھنا چاہئے اور انیس کو چاند نظر نہ آئے تو تیس پورے کرے۔

**نوٹ** مراکش کو چھوڑ کر عرب کے تقریباً سارے ملک وجود قمر پر یعنی نیومون کے فوراً بعد پر کیلنڈر بناتے ہیں جو چاند نظر آنے سے ایک دن مقدم ہوتا ہے۔ اس پر نہ چاند نظر آئے گا اور نہ آسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے۔ برصغیر کے علماء محقق رویت بصری کرتے ہیں اور صحیح تاریخ پر ہمیشہ اعلان کرتے ہیں۔ اللہ ان کو جزائے خیر سے نوازے۔

**نکتہ** غم علیکم : چاند چھپ جائے، چاند نظر نہ آئے۔

[۵۵۶] (۶) کسی نے رمضان کا چاند اکیلے دیکھا تو روزہ رکھے اگرچہ امام نے اس کی گواہی قبول نہ کی ہو۔

**تشریح** ایک اکیلے آدمی نے رمضان کا چاند دیکھا اور قاضی نے کسی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی تو وہ آدمی خود روزہ رکھ لے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب آپؐ ہمارے پاس تشریف لاتے تو پوچھتے کیا تمہارے پاس کھانا ہے؟ پس جب ہم کہتے نہیں تو فرماتے میں اب روزہ دار ہوں (ب) آپؐ نے فرمایا مہینہ انیس راتوں کا ہوتا ہے تو مت روزہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو، پس اگر تم پر چاند چھپ جائے تو تیس دن پورے کرو۔



هلال رمضان وحده صام وان لم يقبل الامام شهادته [۵۵۷] (۷) واذا كان في السماء علة قبل الامام شهادة الواحد العدل في روية الهلال رجلا كان او امرأة، حرا كان او

**مذہب** چونکہ وہ آدمی چاند دیکھ چکا ہے اس لئے اس کے حق میں رمضان ہے اس لئے وہ خود روزہ رکھے۔ حدیث میں گزرا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور اس نے چاند دیکھا ہے اس لئے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔

**نوٹ** اگر اس نے روزہ نہیں رکھا تو قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔ کیونکہ قاضی کے انکار کرنے کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا اور کفارہ شبہ سے ساقط ہو جاتا ہے۔

**اصول** خود کسی بات پر یقین کرتا ہو تو اس کو کرنا چاہئے، لیکن دوسروں پر لازم نہیں کر سکتا جب تک کہ قضاء قاضی یا شہادت ملزم نہ ہو۔ [۵۵۷] (۷) اگر آسمان میں کوئی علت ہو تو چاند دیکھنے کے بارے میں امام ایک عادل آدمی کی گواہی قبول کریں گے۔ چاہے وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام۔

**تشریح** آسمان میں علت کا مطلب یہ ہے کہ افق پر غبار ہو، کبر ہو یا بادل ہو تو ممکن ہے کہ کسی کو چاند نظر آ جائے اور کسی کو نظر نہ آئے اس لئے ایک آدمی کی گواہی بھی قبول ہوگی۔

**مذہب** چاند دیکھنے کا معاملہ امر دینی ہے۔ معاملات نہیں ہے اس لئے ایک آدمی کی گواہی بھی قابل قبول ہے۔ اور تکمیل شہادت یعنی دو گواہی کی ضرورت نہیں (۲) حدیث میں ہے عن ربیع بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشهدا عند النبی ﷺ بالله لا هلا الهلال امس عشية فامر رسول الله ﷺ الناس ان يفطروا (الف) (ابوداؤد شریف، باب شهادة رجلین علی روية هلال شوال ص ۳۲۶ نمبر ۲۳۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الفطر کے چاند کے لئے دو گواہ ضروری ہیں، دارقطنی میں ہے قالوا وکان رسول الله ﷺ لا یجیز شهادة الافطار الا بشهادة رجلین (ب) (دارقطنی، کتاب الصوم ج ۲ ص ۲۱۹ نمبر ۲۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آسمان پر علت ہو تو عید کے لئے دو گواہوں سے عید کا فیصلہ کریں گے اس سے کم کا نہیں۔ کیوں کہ اس پر فرض روزہ چھوڑنے کا مدار ہے۔ اور لوگوں کا فائدہ ہے اس لئے یہ معاملات کی طرح ہو گیا اور معاملات میں دو آدمیوں کی گواہی کی ضرورت ہے۔ اس لئے عید اور بقرہ عید کے چاند کے لئے دو گواہوں کی ضرورت ہے۔ اور رمضان کا روزہ شروع کرنے کے لئے ایک گواہ کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ امر دینی ہے اور امر دینی کے ثبوت کے لئے ایک گواہ کافی ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال جاء اعرابی الى النبی ﷺ فقال انی رايت الهلال قال الحسن فی حدیثه یعنی رمضان فقال اتشهد ان لا اله الا الله؟ قال نعم قال اتشهد ان محمدا رسول الله قال نعم قال یا بلال اذن فی الناس فلیصوموا غدا (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی شهادة الواحد علی روية هلال رمضان ص ۳۲۷ نمبر ۲۳۴۰/ترتذی شریف، باب ماجاء فی الصوم بالشهادة ص ۱۳۸)

حاشیہ : (الف) لوگوں نے رمضان کے آخری دن میں اختلاف کیا، پس دودہا پہنچ آئے اور حضور کے سامنے گواہی دی خدا کی قسم کل شام کو چاند دونوں نے دیکھا ہے۔ پس حضور نے لوگوں کو حکم دیا کہ افطار کریں (ب) آپ افطار کی گواہی جائز نہیں قرار دیتے تھے مگر دو آدمی کی گواہی سے (ج) ایک دیہاتی (باقی اگلے صفحہ پر)

عبدال[۵۵۸] (۸) فان لم یکن فی السماء علة لم تقبل الشهادة حتی یراه جمع کثیر یقع العلم بخبرهم [۵۵۹] (۹) ووقت الصوم من حین طلوع الفجر الثانی الی غروب

نمبر ۶۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے ثبوت کے لئے ایک آدمی کی گواہی کافی ہے۔

[۵۵۸] (۸) اور اگر آسمان میں علت نہ ہو تو گواہی قبول نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ ایک بڑی جماعت دیکھے جس کی خبر سے علم یقینی واقع ہو۔ اگر آسمان پر بادل، غبار، کبر، دھواں وغیرہ نہیں ہے اور چاند نظر آنے کے قابل ہو گیا ہے تو ہر ڈھونڈنے والے کو نظر آئے گا اور کافی آدمی اس کو دیکھیں گے۔ لیکن اس کے باوجود ایک دو آدمیوں نے دیکھنے کا دعویٰ کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اور محال عادی ہے اس لئے ایک دو آدمیوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اتنے آدمی دیکھیں کہ اس کی خبر سے علم یقینی ہو اور جھوٹ پر محمول نہ کیا جاسکے۔ اثر میں ہے قلت لعطاء ارایت لو ان رجلا رای هلال رمضان قبل الناس بلیلة یصوم قبلهم ویفطر قبلهم؟ قال لا الا ان راه الناس اخشی یكون شبه علیه (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب کم یجوز من الشھو علی رویة الهلال ج رابع ص ۱۶ نمبر ۷۳۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رویت عامہ ہو تب قبول کیا جائے گا۔

تجربہ زمانے کا تجربہ یہ ہے کہ جب چاند دیکھنے کے قابل ہو جاتا ہے اور مطلع صاف ہو تو ہر آدمی کو نظر آتا ہے۔ لیکن دکنے کے قابل نہ ہو تو کسی کو نظر نہیں آتا۔ ایسے موقع پر ایک دو گواہی گزرتی ہے اور وہ جھوٹی گواہی ہوتی ہے۔ اس وقت چاند آسمان پر ہلال ہی بنائیں ہوتا۔ چاند نیومون سے اٹھا رہے گھٹنے کے بعد دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ جو لوگ اس سے قبل دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

نوٹ عرب کے علماء نے ایک گواہی اور دو گواہی پر چاند ہونے کا فیصلہ دیا اور رویت عامہ کا اعتبار نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں کیلنڈر ایک دن مقدم اور دیرھ دن مقدم تاریخ پر بنائی گئی۔ اور اس پر ایک دو گواہی لیکر رویت کا اعلان کرتے ہیں۔ اور ساڑھے ستائیس پر یا اٹھائیس پر گواہی لیتے ہیں۔ اور اعلان رویت کر لیتے ہیں ان کا کبھی بھی حقیقت میں انتیس اور تیس پورے نہیں ہوتے۔ صرف مقدم کیلنڈر کا انتیس اور تیس پورا کرتے ہیں جو قطعاً جائز نہیں ہے۔ اور ایک روز فرض روزہ ضائع کرتے ہیں۔ العیاذ واللہ! اس لئے مطلع صاف ہو تو رویت عامہ پر رویت کا فیصلہ کرنا چاہئے۔

[۵۵۹] (۹) روزہ کا وقت صبح صادق طلوع ہونے کی وقت سے سورج غروب ہونے تک ہے۔

مشرق صبح صادق کے وقت سے لیکر غروب آفتاب تک روزہ کا وقت ہے۔

بخاری آیت میں ہے وکلوا واشربوا حتی تبین لکم النخیط الابيض من النخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی

حاشیہ: (پچھلے صفحہ سے آگے) حضور کے پاس آیا اور کہا میں نے چاند دیکھا ہے۔ حضرت اپنی حدیث میں کہتے ہیں یعنی رمضان کا چاند دیکھا ہے تو آپ نے پوچھا لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ کہاں ہاں! آپ نے پوچھا محمد رسول اللہ کی گواہی دیتے ہو؟ کہا ہاں! آپ نے فرمایا اے ہلال لوگوں میں اعلان کر دو کہ کل روزہ رکھیں (الف) میں نے حضرت عطا سے پوچھا اگر کوئی آدمی لوگوں سے ایک رات پہلے رمضان کا چاند دیکھے تو آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا اس کے پہلے روزہ رکھے اور اس کے پہلے افطار کرے؟ حضرت عطاء نے فرمایا نہیں، مگر یہ کہ لوگ دیکھیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کو شبہ ہوا ہو۔

الشمس [۵۶۰] (۱۰) والصوم هو الامساك عن الاكل والشرب والجماع نهارا مع النية [۵۶۱] (۱۱) فان اكل الصائم او شرب او جامع ناسيا لم يفطر [۵۵۲] (۱۲) وان

اللیل (الف) (آیت ۱۸۷ سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ صبح صادق کے پہلے پہلے تک کھاتا رہے گا اور صبح صادق کے وقت سے روزہ شروع ہوگا اور غروب آفتاب تک رہے گا۔ حیط البیاض سے مراد صبح صادق ہے۔ حدیث میں ہے سمرۃ بن جندب یقول سمعت محمدا ﷺ یقول لا یغرن احدکم نداء بلال من السحور ولا هذا البیاض حتی یستطیر (ب) (مسلم شریف، باب ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر ص ۳۵۰ نمبر ۱۰۹۴ بخاری شریف نمبر ۱۹۱۷ ابوداؤد شریف، باب وقت السحور ص ۳۴۱ نمبر ۲۳۳۶) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صبح صادق سے روزہ شروع ہوگا۔ عن عمر ابن خطاب قال قال رسول الله اذا اقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم (ج) (بخاری شریف، باب متى یحل فطر الصائم ص ۲۶۲ نمبر ۱۹۵۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد روزہ افطار کرے۔

﴿جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا ان کا بیان﴾

[۵۶۰] (۱۰) روزہ وہ دن میں نیت کے ساتھ کھانے اور پینے اور جماع سے رکتا ہے۔

**شرح** کھانے، پینے اور جماع سے دن میں روزے کی نیت سے رکا رہے تو اس کو روزہ کہتے ہیں۔ ہر جز کی تفصیل اور دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

[۵۶۱] (۱۱) پس اگر روزہ دار نے کھانا کھایا یا پیا یا جماع کیا بھول کر تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

**وجہ** بھول کر کھانے۔ پینے اور جماع کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ بھول کر نا وغیرہ معاف ہے۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال اذا فاکل او شرب فلیتم صومه فانما اطعمه الله وسقاه (د) (بخاری شریف، باب الصائم اذا اکل او شرب ناسیا ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۳ ابوداؤد شریف، باب من اکل ناسیا ص ۳۳۳ نمبر ۲۳۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھول سے کھایا یا پیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا اس کو پورا کرے (۲) عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال من افطر فی شهر رمضان ناسیا فلا قضاء علیہ ولا کفارة ولیتم صومه (۵) (دارقطنی ۳ کتاب الصوم، ج ثانی ص ۱۵۸ نمبر ۲۲۲۳) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ بھول سے کھایا یا پیا تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور نہ اس کی قضا کرنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ کفارہ دینے کی ضرورت ہے۔

[۵۶۲] (۱۲) اگر سو گیا اور احتلام ہوا (۲) یا عورت کی طرف دیکھا اور انزال ہوا (۳) یا تیل لگایا (۴) یا پچھنا لگایا (۵) یا سرمہ لگایا (۶) یا بوسہ

حاشیہ : (الف) کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ سفید دھاگا کالے دھاگے سے ظاہر ہو جائے فجر میں سے (یعنی صبح صادق ہو جائے) پھر روزے کو رات تک پورا کرو (ب) حضور کو کہتے سناتم لوگوں کو بلال کی اذان بھری کھانے سے دھوکا نہ دے اور نہ یہ سفیدی جب تک کہ یہ پھیل نہ جائے (ج) آپ نے فرمایا جب رات اس طرف سے آئے اور دن یہاں سے چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار افطار کرے (د) آپ نے فرمایا جب بھول جائے اور کھالے پانی لے لے تو اپنا روزہ پورا کرے اس لئے کہ اللہ نے اس کو کھلایا ہے اور اس کو پلایا ہے (۵) آپ سے منقول ہے جس نے رمضان کے مہینہ میں بھول کر افطار کیا تو اس پر نہ (باقی اگلے صفحہ پر)

نام فاحتلم او نظر الی امرأته فانزل او ادهن او احتجم واکتحل او قبل لم یفطر [۵۶۳] (۱۳) فان انزل بقبلة او لمس فعلیه القضاء ولا کفارة علیه۔

لیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

**وجہ (۱)** روزہ ٹوٹتا ہے کسی چیز کے پیٹ کے اندر یا دماغ کے اندر جانے سے یا جماع کرنے سے، اوپر کی صورتوں میں نہ جماع کرنا پایا گیا اور نہ پیٹ میں یا دماغ میں کوئی چیز گئی ہے اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اثر میں ہے (۲) قال ابن عباس و عكرمة الصوم مما دخل ولبس مما خرج (الف) (بخاری شریف، باب الحجامة والقی للصائم ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز داخل ہونے سے روزہ ٹوٹتا ہے کسی چیز کے نکلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ جماع میں منی نکلنے سے پھر بھی اس لئے ٹوٹتا ہے کہ اس میں لذت کاملہ ہوتی ہے۔ جس کے ٹوٹنے کے بارے میں حدیث ہے (۳) احتلام ہونے سے نہ ٹوٹنے کے بارے میں یہ حدیث ہے عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال قال رسول الله لا یفطر من قاء ولا من احتلم ولا من احتجم (ب) (ابوداؤد شریف، فی الصائم یتکلم بخارانی شہر رمضان ص ۳۳۰ نمبر ۲۳۷۶ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الصائم یدرہ القی ص ۱۵۲ نمبر ۱۹۷۸/ بخاری شریف، باب الحجامة والقی للصائم، نمبر ۱۹۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احتلام ہونے، خود سے تھونے اور پچھنا لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور اسی پر دوسرے مسلوں کو قیاس کر لیں (۴) سرمہ لگانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کی یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ربما اکتحل النبی ﷺ وهو صائم (ج) (سنن للبیہقی، باب الصائم یتکحل ج رابع ص ۴۳۷، نمبر ۸۲۵۹) عن انس بن مالک انه کان یتکحل وهو صائم (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الکحل عند النوم، کتاب الصائم ص ۳۳۰ نمبر ۲۳۷۸ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الکحل للصائم ص ۱۵۳ نمبر ۷۲۶) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ سرمہ لگانے سے دماغ کے اندر کوئی چیز نہیں جاتی ہے۔ بوسہ لینے سے اگر انزال نہیں ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اس کی یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ان کان رسول الله لیقبل بعض ازواجه وهو صائم ثم ضحکت (ه) (بخاری شریف، باب القبلة للصائم ص ۲۵۸ نمبر ۱۹۲۸/ ابوداؤد شریف، باب القبلة للصائم ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف بوسہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

**نکتہ** ادهن : دھن سے مشتق ہے تیل لگایا، اجم : حجامت سے مشتق ہے پچھنا لگوا یا، اکتحل : کحل سے مشتق ہے سرمہ لگایا، قبل : قبل : باب تفعلیل سے بوسہ لیا۔

[۵۶۳] (۱۳) پس اگر بوسہ لینے سے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس پر قضا ہے۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔

حاشیہ (پچھلے صفحہ سے آگے) قضا ہے اور نہ کفارہ ہے۔ یعنی روزہ صحیح رہا۔ چاہئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے (الف) روزہ داخل ہونے سے ٹوٹتا ہے نہ کہ کسی چیز کے نکلنے سے (ب) آپؐ نے فرمایا روزہ نہیں ٹوٹے گا جس نے تھونے سے، اور نہ جس نے احتلام کیا اور نہ جس نے پچھنا لگوا یا (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ کبھی آپؐ سرمہ لگاتے اس حال میں کہ آپؐ روزہ دار ہوتے (د) انس بن مالک سرمہ لگاتے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے (ه) آپؐ اپنی بعض بیوی کا بوسہ لیتے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہوتے۔ پھر وہ ہنس پڑی۔

[۵۶۴] (۱۴) ولا بأس بالقبلة اذا امن على نفسه [۵۶۵] (۱۵) ويكره ان لم

يامن[٥٢٦](١٦) وان ذرعه القيى لم يفطر وان استقاء عامدا ملاً فمه فعليه القضاء

**مذہب** چونکہ مکمل جماع صورت اور معنی نہیں پایا گیا اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ کفارہ شہادت سے ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن جماع کی شکل پائی گئی اور منی نکالنے میں اس کو دخل ہے اس لئے قضا لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے عن الحسن فی الرجل یقبل نہاراً فی رمضان ... وقال قتادة ان خرج منه الدافع فليس عليه الا ان يصوم يوماً (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الرفث والممس ووصائم ج رابع ص ۱۹۲ نمبر ۸۳۵) (۲) عن ميمونة مولاة النبي ﷺ ان النبي ﷺ سئل عن صائم قبل فقال افطر (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۶۰ من کره القبله للصائم ولم يرخص فيها ج ثانی ص، ۳۱۷، نمبر ۹۴۲۶/۶۹۹۴۲۶ قالوا فی الصائم یفطر حين یعنی ص ۳۲۲، نمبر ۹۴۷) ان اثر اور حدیث سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینے سے انزال ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

[۵۶۴] (۱۴) بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اگر اپنی ذات یرقابو ہو۔

پہلے مسئلہ نمبر ۱۲ میں حدیث اور وجہ گزر گئی ہے۔

[۵۶۵] (۱۵) بوسہ لینا مکروہ ہے اگر نفس پر اعتماد نہ ہو۔

**وجہ (۱)** اگر جوان ہے اور نفس پر اعتماد نہیں ہے تو روزہ کی حالت میں بوسہ لینا مکروہ ہے۔ کیونکہ خطرہ ہے کہ کہیں جماع میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اور کفارہ اور قضا نہ کرنا پڑے اس لئے نفس پر قابو نہ ہو تو اس کے لئے بوسہ لینا مکروہ ہے (۲) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رجلاً سأل النبی ﷺ عن المباشرة للصائم فرخص له واتاه اخر فنهأ فاذا الذی رخص له شیخ والذی نهأ شاب (ج) (ابوداؤد شریف، باب کراہیۃ للشاب ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸) حدیث میں جوان کو روکنے کی وجہ یہی تھی کہ اس کو نفس پر قابو نہیں ہے۔ اس لئے مکروہ ہوگا۔

[۵۶۶] (۱۶) اگر کسی کو خود بخود قے آگئی تو روزہ نہیں ٹوٹا اور اگر قے جان بوجھ کر کی منہ بھر کر تو اس پر قضا ہے۔

**مذہب** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال من ذرعه القیئ فلیس علیہ قضاء ومن استقاء عمدا فلیقض (د) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من استقاء عمدا ص ۵۳ نمبر ۷۲۰/۱ ابوداؤد شریف، باب الصائم لیسقی عاذا ص ۳۳۱ نمبر ۲۳۸۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود بخود قے ہوئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ کوئی چیز نکلی ہے داخل نہیں ہوئی ہے۔ لیکن جان کرتے باہر نکالی اور کی تو چونکہ ان کو قے کرنے میں دخل ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

حاشیہ : (الف) حسن سے آدمی کے بارے میں پوچھا جو رمضان میں دن میں بوسہ لیتا ہو... حضرت قتادہ نے فرمایا اگر اس سے کوئی والا پانی نکل گیا تو اس پر کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ ایک دن روزہ رکھے (ب) آپ نے روزہ دار کے بارے میں پوچھا کہ وہ باسہ لے لے تو فرمایا کہ روزہ ٹوٹ گیا (ج) ایک آدمی نے حضورؐ سے روزہ دار کے لئے مباشرت کے بارے میں سوال کیا تو آپؐ نے اس کو مباشرت کی اجازت دی، اور دوسرا اجازت کے لئے آیا تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا۔ پس جس کو اجازت دی وہ بوڑھا تھا اور جس کو روکا وہ جوان تھا (د) آپؐ نے فرمایا جس کو قے آگئی ہو اس پر قضا نہیں ہے اور جس نے قے کی جان کر تو وہ قضا کرے۔

[۵۶۷] (۱۷) ومن ابتلع الحصة او الحديد او النواة افطر وقضى [۵۶۸] (۱۸) ومن جامع عامدا في احد السبيلين او اكل او شرب ما يتغذى به او يتداوى به فعيله القضاء

**فائدہ** امام محمد فرماتے ہیں کہ حدیث میں مطلق قے کرنے سے روزہ ٹوٹنے کا حکم ہے اس لئے تھوڑی قے بھی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔  
**نوٹ** کفارہ لازم اس لئے نہیں ہوگا کہ باضابطہ کھانا کھانا نہیں پایا گیا۔

[۵۶۷] (۱۷) کسی نے کنکری نگلی یا لوہا یا گھٹلی نگلی تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا کرے۔

**ترجمہ** اگرچہ یہ چیزیں کھانے کی نہیں ہیں لیکن صورت کھانا ہے اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن حقیقت میں یہ چیزیں کھانے کی نہیں ہے اس لئے مکمل کھانا نہیں پایا گیا اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں یہ الفاظ ہیں۔ عن ابراہیم انه رخص فی مضغ العلك للصائم ما لم يدخله حلقه (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۱ من رخص فی مضغ العلك للصائم ج ثانی ص ۲۹۷، نمبر ۹۱۷) اس اثر میں ہے کہ علك چبائے اور حلق میں نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے جس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ اگر حلق میں گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور علك دانت صاف کرنے کے لئے چبانے کی چیز ہے۔ عام طور پر غذا یا دوا کے طور پر کھانے کی چیز نہیں ہے۔ اور اسی پر ان تمام چیزوں کو قیاس کیا جائے جو عام طور پر غذا یا دوا کے طور پر کھانے کی چیز نہیں ہے۔

**لفظ** الحصة : کنکری۔ النواة : گھٹلی۔

[۵۶۸] (۱۸) کسی نے جماع کیا جان بوجھ کر دو راستوں میں سے ایک میں یا کھایا یا پیالیسی چیز جس سے غذا حاصل کی جاتی ہو یا اس سے دوا کی جاتی ہو تو اس پر قضا ہے اور کفارہ ہے۔

**تشریح** شرمگاہ میں یا پاخانہ کے راستہ میں روزے کی حالت میں جان بوجھ کر جماع کیا تو قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوں گے۔

**ترجمہ** ان دونوں مقامات پر شہوت کاملہ ہوتی ہے۔ اس لئے روزہ بھی ٹوٹے گا اور کفارہ بھی لازم ہوگا (۲) حدیث میں ہے ان ابا ہریرہ قال بینما نحن جلوس عند النبی ﷺ اذ جاءه رجل فقال يا رسول الله هلكت قال مالک قال وقعت علی امرأتی وانا صائم فقال رسول الله ﷺ هل تجد رغبة تعتقها قال لا قال فهل تستطيع ان تصوم شهرين متتابعين قال لا قال فهل تجد اطعام ستين مسکینا قال لا قال فمکت الخ (ب) (بخاری شریف، باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن لشیء خصدق علیہ فلیکفر ص ۲۵۹ نمبر ۱۹۳۶ ابوداؤد شریف، کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان ص ۳۳۲ نمبر ۲۳۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزے میں جماع کر کے روزہ توڑے تو اس پر کفارہ لازم ہے (۳) اور اسی پر کھانے پینے کو قیاس کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بھی جان بوجھ کر روزہ

حاشیہ : (الف) ابراہیم سے منقول ہے کہ انہوں نے روزہ دار کو علك چبانے کے بارے میں رخصت دی جب تک کہ وہ حلق میں داخل نہ ہو جائے (ب) اس درمیان کے ہم حضور کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! میں ہلاک ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ کہا میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس غلام ہے جس کو آزاد کر سکو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم طاقت رکھتے ہو کہ دو ماہ مسلسل روزے رکھو؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا کھانا ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ؟ انہوں نے کہا نہیں۔

## والکفارۃ [۵۶۹] (۱۹) والکفارۃ مثل کفارۃ الظہار [۵۷۰] (۲۰) ومن جامع فیما دون

توڑنا پایا گیا (۴) اس بارے میں مطلق حدیث ہے کہ کسی بھی طرح افطار کرے تو کفارہ لازم ہے۔ حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان رجلا افطر فی رمضان فامرہ رسول اللہ ﷺ ان يعتق رقبة او یصوم شهرین متتابعین او یطعم ستین سکینا الخ (الف) (ابوداؤد شریف، کفارۃ من اتی اہلہ فی رمضان ص ۳۳۲ نمبر ۲۳۹۲) دارقطنی، باب القبلة للصائم ج ثانی ص ۷۰ نمبر ۲۲۸۳ (۲۲۸۳) اس حدیث میں ہے کہ کسی بھی طرح رمضان کا روزہ توڑا ہو چاہے کھاپی کر اس پر کفارہ لازم ہے۔ دارقطنی کی حدیث نمبر ۲۲۸۳ میں ان رجلا اکل فی رمضان فامرہ النبی ﷺ ان يعتق رقبة الخ کی عبارت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کھانے سے بھی کفارہ لازم ہوگا۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف جماع سے توڑا ہو تو کفارہ لازم ہوگا۔ اور کھاپی کر توڑا ہو تو کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ صرف قضا لازم ہوگی۔  
**مذہب** پہلی حدیث میں جماع کر کے توڑنے پر کفارہ لازم کیا گیا ہے۔ اور دوسری حدیث میں بھی اسی کا جز ہے اس لئے کھانے پینے سے توڑنے کو جماع پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

**فائدہ** امام ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ ہے کہ پاخانہ کے مقام میں جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا کیونکہ اس میں اتنی شہوت پوری نہیں ہوتی جتنی شرمگاہ میں ہوتی ہے (۲) اور جس طرح اس میں جماع کرنے سے حد لازم نہیں ہوتی اسی طرح کفارہ بھی لازم نہیں ہوگا۔  
[۵۶۹] (۱۹) اور روزہ توڑنے کا کفارہ ظہار کے کفارہ کی طرح ہے۔

**تشریح** کفارۃ ظہار غلام آزاد کرنا ہے، وہ نہ ہو تو ساٹھ روز مسلسل روزے رکھنا ہے، اور وہ نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکین کو کھانا کھانا ہے۔ رمضان کا روزہ توڑنے میں بھی یہی کفارہ لازم ہوگا۔

**مذہب** مسئلہ نمبر ۱۸ میں بخاری شریف کی حدیث گزری جس میں کفارہ کی یہ تفصیل موجود تھی۔ اسی سے کفارہ کی تفصیل لازم ہے۔ اور کفارۃ ظہار کی تفصیل سورہ بحدلتہ ۵۸ یت نمبر ۳ اور ۴ میں ہے۔

[۵۷۰] (۲۰) جس نے جماع کیا فرج کے علاوہ میں اور انزال ہوا تو اس پر قضا ہے کفارہ نہیں ہے۔

**مذہب** یہاں فرج سے مراد شرمگاہ اور پاخانہ کے راستے کے علاوہ ہے۔ اس لئے ان دونوں کے علاوہ جگہ مثلاً ران وغیرہ میں جماع کیا اور انزال ہوا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان مقامات پر شہوت کاملہ نہیں ہے۔ حدیث میں ہے عن میمونۃ مولاۃ النبی ﷺ ان النبی ﷺ سئل عن صائم قبل فقال افطر (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۶۰ من کرہ القبلة للصائم ولم یرخص فیہا ج ثانی ص ۳۱۷ نمبر ۹۴۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینے سے روزہ ٹوٹ جائے گا تو غیر فرج میں جماع کرے اور انزال ہو جائے تو بدرجہ اولی روزہ ٹوٹے گا۔ کیونکہ یہ تو اعلیٰ درجہ کی حرکت ہوئی (۲) اثر میں ہے ان ابن مسعود قال فی القبلة للصائم قولا

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے رمضان کے مہینہ میں روزہ توڑا تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ غلام آزاد کرے، یا دو ماہ مسلسل روزے رکھے یا ساٹھ مسکین کو کھانا کھائے۔ (ب) آپؐ سے پوچھا گیا روزہ دار کے بارے میں کہ بوسہ لے لے تو کھاروزہ ٹوٹ گیا۔

الفرج فانزل عليه القضاء ولا كفارة عليه [۵۷۱] (۲۱) وليس في افساد الصوم في غير

رمضان كفارة [۵۷۲] (۲۲) ومن احتقن او استعط او اقطر في اذنه او داوى جائفة او آمة

شديدا يعنى يصوم يوما مكانه وهذا عندنا فيه اذا قبل فانزل (الف) (سنن للبيهقي، باب وجوب القضاء على من قبل فانزل ج رابع ص، ۳۹۵، نمبر ۸۱۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فرج کے علاوہ میں جماع کرنے سے منی نکل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ [۵۷۱] (۲۱) رمضان کے علاوہ کے روزے توڑنے میں کفارہ نہیں ہے۔

**مجا** (۱) رمضان کا روزہ فرض ہے اس کے علاوہ کا روزہ فرض نہیں ہے۔ اور نہ اس کی اتنی اہمیت ہے۔ اس لئے رمضان کے علاوہ کا روزہ توڑ دے تو صرف قضا لازم ہوگی۔ کفارہ لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں جو کفارہ کا ذکر ہے وہ رمضان کے روزے توڑنے میں ہے دوسرے روزے میں نہیں۔ اس لئے دوسرے روزے کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔ اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ غیر رمضان میں روزہ توڑنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا صرف قضا لازم ہوگی اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ... فقال رسول الله ﷺ لا عليكما صوما مكانه يوما آخر (ابوداؤد شریف، باب من رای علیہ القضاء ص ۳۴۰ نمبر ۲۳۵۷ رتزدی شریف، باب ما جاء فی ایجاب القضاء علیہ، ص ۱۵۵، نمبر ۷۳۵) اس حدیث میں نفلی روزہ توڑنے پر صرف قضا لازم کی گئی ہے۔

[۵۷۳] (۲۲) جس نے حقنہ لیا یا ناک میں دوا ڈالی یا کان میں قطرہ چکایا یا پیٹ کے زخم کی دوا کی یا دماغ کے زخم کی تردوا کی اور وہ پیٹ تک پہنچ گئی یا دماغ تک پہنچ گئی تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

**مجا** کوئی بھی کھانے پینے کی چیز یا دوا کی چیز دماغ تک یا آنت تک پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اوپر کی صورتوں میں منقذ اور سوراخ کے ذریعہ دوا یا پانی آنت اور دماغ تک پہنچ رہے ہیں اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا (۲) اثر میں ہے قال ابن عباس و عكرمة الصوم مما دخل وليس مما خرج (بخاری شریف، باب الحجامة والقي للصلائم ص ۲۶۰ نمبر ۱۹۳۸ سنن للبيهقي، باب الافطار بالطعام وبغير الطعام اذا ازدرده عاذا بالسعوط والاحتقان وغير ذلك مما يدخل جوفه باختياره ج رابع ص ۲۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز داخل ہو جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور داخل ہونے کا مطلب پیٹ میں یا دماغ میں داخل ہونا ہے جو اصل ہیں۔ حقنہ کے بارے میں اثر موجود ہے عن الثوري قال يفطر الذي يحتقن بالخمير ولا يضرب الحد (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب الحقن في رمضان والرجل يصيب ابله ج رابع ص ۱۹۹ نمبر ۷۳۷) عن عطاء كره ان يستدخل الانسان شينا في رمضان بالنهار فان فعل فليبدل يوما ولا يفطر ذلك اليوم (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب الحقن في رمضان والرجل يصيب ابله ص ۱۹۹ نمبر ۷۳۷) اس

حاشیہ: (الف) حضرت عبداللہ ابن مسعود نے روزہ دار کے لئے بوسہ لینے کے بارے میں سخت بات کہی۔ یعنی اس کی جگہ ایک روزہ رکھے گا اور یہ ہمارے نزدیک اس وقت ہے جب بوسہ لے اور انزال ہو جائے (ب) حضرت ثوری سے منقول ہے کہ فرمایا روزہ ٹوٹ جائے گا اس کا جس نے شراب کے ذریعہ حقنہ لگوا لیا لیکن حد نہیں لگائی جائے گی (ج) حضرت عطاء سے منقول ہے کہ مکروہ ہے کہ انسان کوئی چیز رمضان کے دن میں داخل کرے۔ پس اگر کیا تو ایک دن بدل لے یعنی دوسرے دن روزہ رکھے اور اس دن افطار نہ کرے۔



بدواء رطب فوصل الى جوفه او دماغه افطر [۵۷۳] (۲۳) وان اقطر في احليله لم يفطر عند ابی حنفة و محمد وقال ابو يوسف يفطر [۵۷۴] (۲۴) ومن ذاق شينا بفمه لم يفطر ويكره له ذلك.

اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز بدن میں داخل کرنے سے دوسرے دن روزہ تضار کھے۔ البتہ اس دن بھی روزہ پورا کرے چھوڑے نہیں۔

**نفت** احقن : پاخانہ کے راستے سے دوا پیٹ میں ڈالنا۔ آمت : دماغ کا گہرا زخم جو دماغ کے اندر تک پہنچ رہا ہو۔ رطب : تر۔ ترددوا کی قید اس لئے لگائی کہ ترددوا زخم کی رطوبت کے ساتھ مل کر پیٹ یا دماغ تک پہنچ جاتی ہے۔ جب کہ خشک دوا زخم کی رطوبت کو اور مزید خشک کر دیتی ہے اس لئے وہ آنت تک نہیں پہنچ پاتی۔ اس لئے خشک کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

**فائدہ** صاحبین کے نزدیک ترددوا لگانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ آنت تک پہنچنا اور دماغ تک پہنچنا کوئی یقینی نہیں ہے۔

**اصول** دوا یا غذا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

[۵۷۳] (۲۳) اگر پیشاب گاہ میں قطرہ ڈالا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اور امام ابو یوسف نے فرمایا روزہ ٹوٹ جائے گا۔

**مذہب** امام ابو حنیفہ کا نظریہ یہ ہے کہ پیشاب گاہ کے سوراخ کا منفذ آنت تک نہیں ہے۔ بلکہ درمیان میں مثانہ حائل ہے اس سے مترشح ہو کر پیشاب آتا ہے۔ اس لئے کوئی دوا یا پانی پیشاب گاہ کے سوراخ میں ڈالے تو وہ آنت تک نہیں پہنچے گی۔ اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

**فائدہ** امام ابو یوسف کا نظریہ یہ ہے کہ پیشاب گاہ کا سوراخ براہ راست آنت تک پہنچتا ہے۔ اسی لئے آنت میں گیا ہوا پانی پیشاب کے راستے سے نکلتا ہے۔ اس لئے جو پانی یا دوا پیشاب گاہ کے سوراخ میں ڈالے گا وہ آنت تک پہنچ جائے گی۔ اس لئے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

**نوٹ** اس مسئلہ کا دارو مدار ڈاکٹری تحقیق پر ہے اور ڈاکٹری تحقیق یہ ہے کہ پیشاب گاہ کا سوراخ براہ راست آنت تک نہیں ہے اس لئے طرفین کے مسلک کے موافق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

**نفت** احلیل : پیشاب گاہ کا سوراخ۔

[۵۷۴] (۲۴) اگر کسی نے منہ سے کچھ چکھ لیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن یہ مکروہ ہے۔

**مذہب** صرف منہ سے چکھنے سے پیٹ میں کوئی چیز نہیں گئی اس لئے روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن ممکن ہے کہ کبھی کوئی چیز پیٹ میں چلی جائے اور روزہ ٹوٹ جائے اس لئے بغیر ضرورت کے ایسا کرنا مکروہ ہے (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس قال لا بأس ان يتطاعم المصائم بالشيء یعنی المرقۃ ونحوها (الف) (سنن للبیہقی، باب الصائم یذوق شیاناً رابع ص ۴۳۵، نمبر ۸۲۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شور بہ وغیرہ چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ پیٹ میں کوئی چیز نہ جائے۔

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ روزہ دار کوئی چیز چکھے یعنی شور بہ وغیرہ۔

[۵۷۵] (۲۵) ویکره للمرأة ان تمضغ لصبیها الطعام اذا كان لها منه بد [۵۷۶] (۲۶) ومضغ العلك لا يفطر الصائم ویکره [۵۷۷] (۲۷) ومن كان مریضا فی رمضان فخاف

[۵۷۵] (۲۵) عورت کے لئے مکروہ ہے کہ اپنے بچے کے لئے کھانا چبائے جب کہ اس کے لئے کوئی راستہ موجود ہو۔

**تشریح** اگر بچے کے کھانے کو چبانے کی ضرورت نہیں ہے تو اس کو چبانا مکروہ ہے۔ اور اگر اشد ضرورت پڑ جائے تو چبا سکتی ہے بشرطیکہ پیٹ میں کھانا نہ جائے۔

**مذہب** اثر میں ہے عن ابراہیم قال لا بأس ان تمضغ المرأة لصبیها وهي صائمة مالم تدخل حلقها (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۵۰ فی الصائمۃ تمضغ لصبیها ج ۳ ص ۳۰۶، نمبر ۹۲۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ضرورت پڑے تو عورت اپنے بچے کے لئے کھانا چبا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کے حلق میں کھانا نہ پہنچے۔

**نکتہ** مضغ : چبانا۔

[۵۷۶] (۲۶) علك کے چبانے سے روزہ دار کا روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن مکروہ ہے۔

**مذہب** علك دانت صاف کرنے کے لئے عورتیں چباتی ہیں۔ اس لئے اگر صرف دانت صاف کرنے کے لئے چبا کر پھینک دیا اور حلق میں اس کا دانہ نہیں گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ پیٹ میں کوئی چیز نہیں گئی لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے (۲) اثر میں ہے عن ابراہیم انه رخص فی مضغ العلك للصائم مالم یدخله حلقه (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۱ من رخص فی مضغ العلك للصائم، ج ۱ جلد ثانی، ص ۲۹۷، نمبر ۹۱۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ علك چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا بشرطیکہ کوئی چیز حلق میں نہ جائے۔

**نکتہ** العلك : چبانے کا گوگرد۔

[۵۷۷] (۲۷) جور رمضان میں بیمار ہو، پس خوف کرتا ہو کہ اگر وہ روزہ رکھے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو افطار کرے اور قضا کرے، **تشریح** بیمار کو روزہ رکھنے سے بیماری بڑھنے کا خطرہ ہو تو روزہ توڑ سکتا ہے اور بعد میں قضا کرے۔

**مذہب** یہ آیت ہے فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (ج) (آیت ۱۸۵ سورۃ البقرۃ ۲) آیت سے معلوم ہوا کہ مرض ہو یا سفر ہو تو روزہ توڑے گا اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا کرے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک جان جانے کا یا عضو جانے کا خطرہ ہو تب افطار کرنے کی اجازت ہوگی۔

**حاشیہ** : (الف) حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ عورت اپنے بچے کے لئے چبائے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہو۔ جب تک کہ اس کے حلق میں کوئی چیز داخل نہ ہو جائے (ب) حضرت ابراہیمؑ سے منقول ہے کہ روزہ دار کے لئے علك چبانے میں رخصت دی۔ بشرطیکہ اس کے حلق میں کچھ داخل نہ ہو جائے (ج) جس کو رمضان کا مہینہ ملے اس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دن گنیں۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں۔ اللہ تمہارے ساتھ بھی نہیں چاہتے۔

ان صام ازداد مرضه افطر وقضى [۵۷۸] (۲۸) وان كان مسافرا لا يستنصر بالصوم  
فصومه افضل وان افطر وقضى جاز [۵۷۹] (۲۹) وان مات المريض او المسافر وهما

[۵۷۸] (۲۸) اگر مسافر ہے اور روزہ اس کو نقصان نہیں دیتا ہے تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر روزہ توڑ دیا اور قضا کیا تو بھی جائز ہے  
(۱) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال خرج رسول الله ﷺ من المدينة الى مكة فصام حتى بلغ عسفان ثم دعا  
بماء فرفعه الى يده ليره الناس فافطر حتى قدم مكة وذلك في رمضان فكان ابن عباس يقول قد صام رسول الله  
وافطر ممن شاء صام ومن شاء افطر (الف) (بخاری شریف، باب من افطر في السفر ليراه الناس ص ۲۶۱ نمبر ۱۹۳۸، مسلم شریف، باب  
جواز الصوم والافطار في شهر رمضان للمساقر ص ۱۱۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشقت نہ بھی ہو تب بھی مسافر کے لئے گنجائش ہے کہ افطار  
کرے یا روزہ رکھے (۲) سفر میں عموماً مشقت ہوتی ہے اس لئے سفر کو مشقت کے درجہ میں رکھ دیا اس لئے مسافر کو روزہ رکھنے میں مشقت نہ  
بھی ہو تب بھی افطار کر سکتا ہے۔ اور مشقت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے کیونکہ رمضان کی فضیلت بہت بڑی چیز ہے جو بعد میں نہیں ملے گی (۲)  
بعد میں تہا روزہ قضا کرنے میں پریشانی ہوتی ہے اس لئے بہتر ہے کہ ابھی سب کے ساتھ ادا کر لے۔ حدیث میں ہے عن ابی درداء قال  
خرجنا مع رسول الله ﷺ في شهر رمضان في حر شديد حتى كان احدنا ليضع يده على رأسه من شدة الحر وما  
فيينا صائم الا رسول الله ﷺ وعبد الله بن رواحة (ب) (مسلم شریف، باب جواز الصوم والافطار في شهر رمضان للمساقر ص ۳۵۷  
نمبر ۱۱۲۲، ابوداؤد شریف، باب في اختيار الصيام ص ۳۳۴ نمبر ۲۴۰۹) اس حدیث میں سخت گرمی کے باوجود حضورؐ اور عبد اللہ بن رواحہ نے روزہ  
رکھا۔ اسی لئے کہ رمضان میں مشقت شدیدہ نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔

**نوٹ** مشقت شدیدہ ہو تو افطار کرنا بہتر ہے۔ حدیث میں ہے عن جابر بن عبد الله عن النبي ﷺ راى رجلا يظلل عليه  
والزحام عليه فقال ليس من البر الصيام في السفر (ج) (ابوداؤد شریف، باب اختيار الفطر ص ۳۳۴ نمبر ۲۴۰۷، مسلم شریف، باب  
جواز الصوم في شهر رمضان للمساقر ص ۳۵۶ نمبر ۱۱۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مشقت شدیدہ میں افطار کرنا افضل ہے۔

**غٹ** يستنصر : ضرر سے مشرق ہے نقصان دینا۔

[۵۷۹] (۲۹) اگر مریض اور مسافر مر گئے اور دونوں اپنی اپنی حالت پر تھے تو ان دونوں کو قضا لازم نہیں ہے۔

**تشریح** مریض کا مثلاً دس روز رمضان کے روزے چھوٹے تھے اور ابھی مرض کی ہی حالت میں تھا، اس کو اس روزے کی قضا کرنے کا موقع

حاشیہ : (الف) آپؐ مدینہ سے مکہ کی طرف نکلے۔ پس روزہ رکھا یہاں تک کہ مقام عسفان پہنچے پھر پانی منگوا یا اور اس کو اپنے ہاتھ کی طرف اٹھایا تاکہ لوگ دیکھ لیں  
اور آپؐ نے روزہ توڑا۔ یہاں تک کہ مکہ تشریف لائے اور یہ رمضان کے مہینہ میں تھا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے سفر میں روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا۔ پس  
جو چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے افطار کرے (ب) ہم حضورؐ کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں سخت گرمی میں نکلے۔ یہاں تک کہ ہم میں سے ایک سخت گرمی کی وجہ سے  
اپنے ہاتھ کو اپنے سر پر رکھتا تھا۔ ہم میں سے کوئی روزہ دار نہیں تھا سوائے رسول اللہ ﷺ اور عبد اللہ بن رواحہ کے (ج) آپؐ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس پر سایہ کیا جا  
رہا تھا اور اس پر بھیڑ تھی تو آپؐ نے فرمایا سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں نہیں ہے (یعنی مشقت شدیدہ ہو تو)

وهما علی حالهما لم یلزمهما القضاء [۵۸۰] (۳۰) وان صح المريض او اقام المسافر ثم ماتا لزمهما القضاء بقدر الصحة والاقامة [۵۸۱] (۳۱) وقضاء رمضان ان شاء فرقه وان

نہیں ملا اور انتقال ہو گیا تو اس دس روزے کا کفارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

**ترجیح** کیونکہ رمضان میں اس کے لئے روزہ رکھنا معاف تھا۔ اور بعد میں اس کو موقع ہی نہیں ملا کہ قضا کر سکے اس لئے اس دس روزے کی قضا کرنا لازم نہیں۔ اور اب موت کے بعد قضا تو نہیں کر سکے گا تو اس کے بدلے ورشہ پر فدیہ دینا بھی لازم نہیں ہوگا۔ یہی حال مسافر کا ہے کہ سفر میں کچھ روزے چھوٹے تھے اور ابھی سفر کی حالت میں تھا کہ انتقال ہو گیا تو چھوٹے ہوئے دنوں کا فدیہ ورشہ پر دینا لازم نہیں ہوگا۔

**اصول** قضا کا وقت نہ ملے تو قضا کرنا لازم نہیں ہے۔

[۵۸۰] (۳۰) اگر مریض تندرست ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے پھر دونوں مرجائے تو دونوں کی صحت کی مقدار اور اقامت کی مقدار قضا لازم ہوگی۔

**تشریح** مثلاً مرض کی حالت میں دس روز رمضان کے روزے چھوٹے تھے۔ اب وہ پانچ روز صحت یاب ہوا اور روزہ قضا کر سکتا تھا لیکن قضا نہیں کیا اور انتقال ہو گیا تو پانچ روز کی قضا لازم ہے۔ لیکن موت کے بعد قضا نہیں کر سکتا تو ورشہ پر ان پانچ روزوں کا فدیہ دینا لازم ہوگا۔ یہی حال مسافر کا ہے۔

**ترجیح** آیت میں ہے ومن كان مريضاً او على سفر فعدة من ايام اخر (الف) (آیت ۱۸۵ سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھ سکے تو جب فرصت ہو تو روزہ رکھے۔ اور اس کو فرصت ہو چکی تھی، تندرستی آچکی تھی اس لئے روزہ رکھنا چاہئے تھا۔ اور نہیں رکھا تو قضا لازم ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن عبادة بن نسي قال قال النبي ﷺ من مرض في رمضان فلم يزل مريضاً حتى مات لم يطعم عنه وان صح فلم يقضه حتى مات اطعم منه (ب) (مصنف عبد الرزاق، باب المريض في رمضان وقضاءه ج رابع ص ۲۳۷ نمبر ۶۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی قضا کرنا چاہئے۔ اور نہ کر سکا تو ورشہ اس کا فدیہ دیں گے۔ کیونکہ قضا کا وقت ملا تھا۔

[۵۸۱] (۳۱) قضا رمضان چاہے تو الگ الگ کر کے رکھے چاہے تو مسلسل رکھے۔

**تشریح** مثلاً دس روز رمضان کے روزے قضا ہوئے تھے تو یہ بھی جائز ہے کہ مسلسل دس روز روزے رکھ کر پورے کرے اور یہ بھی جائز ہے کہ دو روز رکھے پھر کچھ دنوں کے بعد چار روزے رکھے اور تفریق کر کے دس روز پورے کرے۔

**ترجیح** عن ابن عمر ان النبي ﷺ قال في قضاء رمضان ان شاء فرق وان شاء تابع (ج) (دارقطني، باب القبلة للصائم ص

حاشیہ : (الف) جو مریض ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر گنیں (ب) آپ نے فرمایا جو رمضان میں بیمار ہوا اور ہمیشہ بیمار ہی رہا یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا تو اس کی جانب سے کھانا نہیں کھلانے گا۔ اور اگر تندرست ہوا اور ادائیں کیا یہاں تک کہ مر گیا تو اس کی جانب سے کھانا کھلانے گا (ج) آپ نے قضاے رمضان کے بارے میں فرمایا اگر چاہے تو الگ الگ قضا کرے اور چاہے تو مسلسل قضا کرے۔

شاء تابعه [۵۸۲] (۳۲) وان اخره حتى دخل رمضان آخر صام رمضان الثاني وقضى الاول بعده ولا فدية عليه [۵۸۳] (۳۳) والحامل والمرضع اذا خافتا على ولديهما

۷۴ نمبر ۲۳۰۵/۲۳۰۸ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تفریق کر کے اور مسلسل رکھ کر قضا کرنا دونوں کی گنجائش ہے۔ البتہ مسلسل روزہ رکھ کر جلدی فرض سے سبکدوش ہونا زیادہ بہتر ہے۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ من كان عليه صوم من رمضان فليسرده ولا يقطعه (الف) (دارقطنی ۴ باب القبلة للصائم ج ثانی ص ۱۷۱ نمبر ۲۲۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منقطع نہ کرے بلکہ مسلسل روزہ رکھ کر جلدی اس کو پورا کرے۔

[۵۸۲] (۳۲) رمضان کی قضا کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو دوسرے رمضان کا روزہ رکھے گا اور پہلے رمضان کی قضا بعد میں کرے گا اور اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔

**ترجمہ** ایک آدمی پر رمضان کے کچھ روزے قضا تھے لیکن سستی سے اس کو مؤخر کرتا رہا یہاں تک کہ دوسرے سال کا رمضان آگیا تو دوسرے سال کے رمضان کے روزے ابھی ادا کرے گا اور پہلے سال کی قضا اس رمضان کے بعد کرے گا۔

**ترجمہ** (۱) پہلے سال کے روزے قضا ہو ہی گئے ہیں۔ اب دوسرے سال کو مؤخر کرتے ہیں تو یہ بھی قضا ہو جائیں گے۔ اس لئے دوسرے سال کے روزے کو اپنے وقت پر ادا کرے اور پہلے سال کے روزے کی قضا کو بعد میں قضا کرے (۲) اثر میں ہے عن ابی ہریرۃ قال ان انسانا مرض فی رمضان ثم صح فلم يقضه حتى ادرکه شهر رمضان اخر فليصم الذي احدث ثم يقضى الآخر ويطعم مع كل يوم مسكينا (ب) (مصنف عبدالرزاق، باب المريض فی رمضان وقضاہ ج رابع ص ۲۳۴ نمبر ۶۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دوسرے رمضان کے روزے پہلے ادا کرے گا اور پہلے رمضان کے روزے بعد میں قضا کرے گا۔ اور فدیہ اس لئے لازم نہیں ہوگا کہ قضا ہونے کے بعد کبھی بھی قضا کرے وہ قضا ہی ہے اس لئے اس پر کوئی فدیہ نہیں ہے۔ اثر میں ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھلانے کا جو تذکرہ ہے بطور استحباب کے ہے۔ بطور فدیہ اور وجوب کے نہیں ہے۔

[۵۸۳] (۳۳) حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت اگر اپنے بچوں پر خوف کرے تو افطار کرے اور قضا کرے اور ان دونوں پر فدیہ نہیں ہے **ترجمہ** چونکہ یہ دونوں عورتیں بعد میں قضا کر سکتی ہیں اس لئے ان دونوں پر فدیہ نہیں ہے۔ تاخیر کے ساتھ روزے قضا ہی کریں گی۔ اور شیخ فانی کو اب تندرست ہونے کی امید نہیں ہے اس لئے وہ فدیہ دیں گے۔ البتہ چونکہ بچہ ضائع ہو جانے کا خوف ہے اس لئے یہ عورتیں بیمار اور مسافر کے درجے میں ہوئیں اس لئے ابھی افطار کریں گی اور بعد میں قضا کریں گی (۲) حدیث میں ہے عن انس بن مالک رجل من بنی

حاشیہ: (الف) آپؐ نے فرمایا جس پر رمضان کے روزے ہوں تو اس کو مسلسل رکھے اور درمیان میں منقطع نہ کرے (ب) حضرت ابو ہریرہ سے منقول ہے کہ انسان رمضان میں بیمار ہو جائے پھر تندرست ہو۔ پس قضا نہیں کیا یہاں تک کہ دوسرا رمضان آگیا تو روزہ رکھے اس کا جو ابھی آیا پھر پہلے رمضان کا بعد میں قضا کرے۔ اور ہر دن کے بدلے مسکین کو کھانا کھلائے۔

افطرتا وقضتا ولا فدية عليهما [۵۸۴] (۳۴) والشيخ الفاني الذي لا يقدر على الصيام

عبد الله بن كعب ... احدثك عن الصوم او الصيام ان الله وضع عن المسافر شرط الصلوة وعن الحامل او المرضع الصوم او الصيام قالها النبي ﷺ كليهما او احدهما (الف) (ترمذي شريف، باب ما جاء في الرخصة في الافطار للحمل والمرضع ص ۱۵۲ نمبر ۱۵۷ ابوداؤد شريف، باب من قال صمى ميثقة للشيخ والجملي ص ۳۲۴ نمبر ۲۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر روزہ نہیں ہے۔ اور بعد میں قضا کرے گی اور فدیہ نہیں دے گی۔ اس کی وجہ یہ اثر ہے عن ابن عباس قال تفتطر الحامل والمرضع في رمضان وتقضيان صياما ولا تطعمان (ب) (مصنف ابن عبد الرزاق، باب الحامل والمرضع ج الرابع ص ۲۱۸ نمبر ۵۶۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وہ فدیہ نہیں دیگی بلکہ قضا کرے گی (۲) چونکہ وہ بعد میں قضا کرنے کی طاقت رکھتی ہے اس لئے قضا ہی کرے گی۔ فدیہ تو اس وقت ہوتا ہے جب زندگی بھر اس کو قضا نہ کر سکے۔ جیسے شیخ فانی زندگی بھر روزہ کو قضا نہیں کر سکتا۔

فانما امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ فدیہ دیگی اور قضا نہیں کرے گی۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن سعید بن جبیر قال تفتطر الحامل التي في شهرها والمرضع التي تخاف على ولدها تفتطران وتطعمان كل واحدة منهما كل يوم مسكينا ولا قضاء عليهما (ج) (مصنف عبد الرزاق، باب الحامل والمرضع ج الرابع ص ۲۱۶ نمبر ۵۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حاملہ اور مرضعہ عورت ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور قضا نہیں کرے گی۔ انکی دلیل یہ آیت بھی ہے وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين (د) (آیت ۱۸۴ سورة البقرة) آیت سے معلوم ہوا کہ جو طاقت نہ رکھتے ہوں وہ فدیہ دیں گے۔ اس آیت میں شیخ فانی داخل ہیں۔ لیکن ابن عباس کے قول کے مطابق حاملہ اور مرضعہ بھی داخل ہیں۔ عن ابن عباس وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين قال كانت رخصة للشيخ الكبير والمرأة الكبيرة وهما يطيقان الصيام ان يفتطرا ويطعما مكان كل يوم مسكينا والحبلى والمرضع اذا خافتا (ه) (ابوداؤد شريف، باب من قال صمى ميثقة للشيخ والجملي ص ۳۲۴ نمبر ۲۳۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جملہ اور مرضعہ بھی ہر دن کے روزے کے بدلے فدیہ دیں گی۔

[۵۸۴] (۳۴) اور شیخ فانی جو روزے پر قدرت نہ رکھتا ہوا افطار کرے گا۔ اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا جیسا کہ کفارات میں کھاتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن کعب فرماتے ہیں... میں تم سے حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپؐ نے صوم فرمایا یا صیام فرمایا کہ اللہ نے مسافر سے نماز کا آدھا حصہ ساقط فرمایا اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے روزہ ساقط فرمایا۔ حضورؐ نے صوم یا صیام دونوں کہا یا دونوں میں سے ایک کہا (ب) ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاملہ اور مرضعہ رمضان میں افطار کرے گی اور روزے کی قضا کرے گی اور کھلائے گی نہیں (ج) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حاملہ جو رمضان کے مہینہ میں ہو اور دودھ پلانے والی جو اپنے بچے پر خوف کرتی ہو اور دونوں میں سے ہر ایک ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گی اور دونوں پر قضا نہیں ہے (د) جو لوگ روزہ کی طاقت نہیں رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کا فدیہ دے (ه) حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آیت وعلى الملذین يطيقونه طعام مسکین، فرمایا بہت بوڑھے کے لئے اور بڑی عورت کے لئے رخصت تھی کہ وہ طاقت رکھتے ہوں روزے کی پھر بھی افطار کرے اور ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر خوف کرتی ہوں تو ان کا بھی یہ حال ہے۔

يفطر ويطعم لكل يوم مسکينا كما يطعم في الکفارات [۵۸۵] (۳۵) ومن مات وعليه قضاء رمضان فاوصى به اطعم عنه وليه لكل يوم مسکينا نصف صاع من بر او صاعا من تمر او شعير [۵۸۶] (۳۶) ومن دخل في صوم التطوع ثم افسده قضاؤه.

بج (۱) اور پر آیت گزر گئی جس میں تھا کہ جو طاقت نہ رکھتا ہو وہ ہر روز کے بدلے میں کفارہ ایک مسکین کا کھانا دے۔ اثر میں ہے عن ابن عباس انه كان يقرأها وعلى الذين يطيقونه ويقول هو الشيخ الكبير الذي لا يستطيع الصيام فيفطر ويطعم عن كل يوم مسکينا نصف صاع من حنطة (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الشيخ الكبير رابع ص ۲۲۱ نمبر ۵۷۷ بخاری شریف، باب قوله تعالى ايا ما معدودات فن كان منكم مريضا الخ ج ۲ ص ۶۴ کتاب التفسير، نمبر ۴۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شیخ فانی قضا نہیں کرے گا۔ اور ہر دن کے بدلے آدھا صاع گیہوں مسکین کو فدیہ دے گا۔

[۵۸۵] (۳۵) جو مر گیا اور اس پر رمضان کی قضا ہو پس اس نے اس کی وصیت کی تو اس کی جانب سے اس کا ولی کھلائے گا ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو،

شرح کوئی مر گیا اور اس پر رمضان کا روزہ قضا تھا اور اس نے اس کی ادائیگی کی وصیت بھی کی تو ولی اس کی قضا میں ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے جس کی مقدار آدھا صاع گیہوں ہوگی۔

بج (۱) عن ابن عمر عن النبي ﷺ قال من مات وعليه صيام شهر فليطعم عنه مكان كل يوم مسکينا (ترمذی شریف، باب ما جاء في الکفارة ص ۱۵۲ نمبر ۷۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میت کی جانب سے ہر دن کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ولی اس کی جانب سے روزہ رکھ کر قضا کرے گا۔

بج اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة ان النبي ﷺ قال من مات وعليه صيام صام عنه وليه (ب) (ابوداؤد شریف، باب فین مات وعليه صيام ص ۳۳۲ نمبر ۲۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی میت کی جانب سے روزے رکھے گا۔  
نوٹ اگر میت نے وصیت کی تب ولی پر فدیہ دینا واجب ہے۔ اگر وصیت نہیں کی تو ولی پر فدیہ دینا واجب نہیں ہے۔

[۵۸۶] (۳۶) جو نفلی روزے میں داخل ہوا پھر اس کو توڑ دیا تو قضا کرے گا۔

بج (۱) نفل شروع کرنے سے پہلے پہلے نقل رہتا ہے۔ شروع کرنے کے بعد وہ نذر نفلی ہو جاتا ہے۔ اور نذر کو پورا کرنا واجب ہے اس لئے وہ واجب ہو جاتا ہے (۲) حدیث میں ہے عن عائشة قالت اهدی لی ولحفصة طعام وکنا صائمات فافطرنَا ثم دخل رسول الله فقلنا له يا رسول الله انا اهدیت لنا هدية فاشتھيناها فافطرنَا فقال رسول الله لا علیكما صوما مکانہ یوما آخر

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباسؓ 'وعلى الذين يطيقونه' آیت پڑھتے اور فرماتے کہ بہت بوڑھے جو روزے کی طاقت نہ رکھتے ہوں افطار کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو آدھا صاع گیہوں کھانے دے (ب) آپؐ نے فرمایا جو مر جائے اور اس پر روزہ ہو تو اس کا ولی اس کی جانب سے روزہ رکھے۔

[۵۸۷] (۳۷) واذا بلغ الصبی او اسلم الکافر فی رمضان امسکا بقیة یومهما وصاما بعده

(الف) (ابوداؤد شریف، باب من رای علیہ القضاء، کتاب الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۷ رترمدی شریف، باب ماجاء فی ایجاب القضاء علیہ، کتاب الصوم ص ۱۵۵ نمبر ۷۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑ دے تو اس کے بدلے میں روزہ رکھے کیونکہ گویا کہ نذر نفلی کو توڑا۔ حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا روزہ رکھو۔

**نوٹ** اسی پر نفلی نماز کو بھی قیاس کیا جائے گا کہ وہ بھی توڑ دے تو قضا کرنا لازم ہوگا۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ نفلی روزہ یا نفلی عبادت توڑ دے تو اس کی قضا لازم نہیں ہے۔

**مذہب** (۱) یہ تبرع ہے اور تبرع میں لزوم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے نفلی روزہ یا نفلی عبادت توڑ دے تو قضا لازم نہیں۔ البتہ قضا کرے تو بہتر ہے (۲)

حدیث میں ہے عن ام ہانی قالت لما کان یوم الفتح ... فقالت یا رسول اللہ لقد افطرت وکنت صائمة لقال لہا اکنت تقضین شیئا قالت لا قال فلا یضربک ان کان تطوعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصة فی ای فی الصوم ص ۳۴۰ نمبر ۲۴۵۶ رترمدی شریف، باب ماجاء فی افطار الصائم المخطوع ص ۱۵۵ نمبر ۷۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ ہو تو توڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے (۲) دارقطنی میں ہے۔ عن ام ہانی قالت قال رسول اللہ ﷺ ... ان کان قضاء من رمضان فصومی یوما مکانہ وان کان تطوعا فان شئت فاقضیہ وان شئت فلا تقضیہ (ج) (دارقطنی ۳ باب، ج ثانی، کتاب الصوم ص ۱۵۴ نمبر ۲۴۰۶ سنن الترمذی، باب التحیر فی القضاء ان کان صومہ تطوعا ج رابع ص ۲۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی روزہ توڑنے کے بعد چاہے تو قضا کرے چاہے تو نہ کرے۔

[۵۸۷] (۳۷) رمضان میں بچہ بالغ ہو جائے یا کافر مسلمان ہو جائے تو دن کا باقی حصہ رکھے اور اس کے بعد والے دن کی قضا کریں اور جودن گزر چکے ہیں اس کی قضا نہ کریں۔

**شرح** جس دن بالغ ہوا یا جس دن مسلمان ہوا اس دن سے روزہ ان پر فرض ہوا اس لئے اس کے بعد والے دن کی قضا کریں گے۔ اور جس وقت بالغ یا مسلمان ہوا اس وقت سے لیکر دن کے باقی حصے میں کھانا نہ کھائے اور نہ پانی پیئے تاکہ رمضان کا احترام باقی رہے۔ اور اس دن سے پہلے جودن گزر گئے اس کا روزہ ان پر فرض نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ بالغ نہیں ہوا تھا یا مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس لئے گزرے ہوئے دنوں کی قضا ان پر لازم نہیں ہے۔

**مذہب** حدیث میں ہے عن سلمة بن اکوع قال امر النبی ﷺ رجلا من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ مجھے اور حفصہ کو کھانا ہدیہ دیا گیا اور ہم روزہ دار تھے تو ہم نے افطار کر لیا۔ پھر حضور ﷺ داخل ہوئے تو ہم نے ان سے کہا کہ یا رسول اللہ ہم کو ہدیہ دیا گیا اور ہم کو خواہش ہوئی تو ہم نے افطار کر لیا۔ آپ نے فرمایا تم دونوں اس کی جگہ پر دوسرے دن روزہ رکھ لینا (ب) حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ جب فتح مکہ کا دن ہوا ... فرمایا اے اللہ کے رسول میں نے افطار کر لیا اور میں روزہ دار تھی تو فرمایا کیا تم قضا کر رہی تھی؟ کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تم کو کچھ نقصان نہیں اگر نفلی روزہ ہے (ج) آپ نے فرمایا ... اگر رمضان کی قضا ہے تو اس کی جگہ ایک دن روزہ رکھو اور اگر نفلی روزہ ہے تو اگر چاہے تو تو اس کی قضا کریں اور اگر چاہے تو قضا نہ کریں۔



ولم یقضیا ما مضی [۵۸۸] (۳۸) ومن اغمی علیہ فی رمضان لم یقض الیوم الذی حدث  
فیہ الاغماء وقضی ما بعدہ۔

بقیہ یومہ ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء (الف) (بخاری شریف، باب صیام یوم عاشوراء ص ۲۶۸/۲۶۹ نمبر ۲۰۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دن میں مسلمان ہوا اور روزے کا دن ہو تو اگر کھانا کھا چکا ہو تو روزے کے احترام میں دن کے باقی حصے میں کھانا نہیں کھانا چاہئے (۲) حدیث میں ہے عطیہ بن ربیعۃ الثقفی قال قدم وفدنا من ثقیف علی النبی ﷺ فضرب لہم قبة واسلموا فی النصف من رمضان فامرہم رسول اللہ فصاموا منہ ما استقبلوا منہ ولم یأمرہم بقضاء ما فاتہم (ب) (سنن للبیہقی، باب الرجل یسلم فی خلال شہر رمضان ج رابع ص ۴۳۸، نمبر ۸۳۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آگے کی قضا کرے یا ماضی کی نہیں۔ اور جس دن بالغ ہوا اس کے شروع دن میں بالغ نہیں تھا اس لئے اس دن کا روزہ اس پر فرض نہیں ہوا۔

**نکتہ** ولم یقضیا ما مضی : کا مطلب یہ ہے کہ بالغ ہونے یا مسلمان ہونے سے پہلے کے دن کی قضا نہ کرے۔

[۵۸۸] (۳۸) اور جس پر رمضان میں بیہوش طاری ہوئی تو اس دن کی قضا نہیں کرے گا جس دن بیہوشی پیدا ہوئی ہے اور اس دن کے بعد کی قضا کرے گا۔

**مذہب** ایک مسلمان سے یہی امید ہے کہ جس دن یا رات میں بیہوش طاری ہوئی اس دن اس کے روزہ رکھنے کی نیت تھی اس لئے گویا کہ وہ روزہ کی نیت کے ساتھ کھانے پینے سے رکا رہا اس لئے اس دن کا روزہ ہو گیا۔ اور کئی دنوں تک بیہوش رہا تو باقی دنوں میں روزہ کی نیت نہیں پائی گئی اس لئے بغیر نیت کے کھانے پینے سے رکا رہا تو اس سے روزہ ادا نہیں ہوگا۔

**نوٹ** بیہوشی کے عالم میں لوگوں نے کچھ کھلایا پلایا تو مریض نے جان کر اپنے ارادہ سے نہیں کھایا ہے بلکہ گویا کہ بھول کر کھایا ہے اور بھول کر کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لئے بیہوشی کے عالم میں لوگوں کے کھلانے سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اس دن کا روزہ ادا ہو جائے گا۔ نیت کرنے کی حدیث انما الاعمال بالنیات پہلے گزر چکی ہے۔ (۲) اثر میں ہے عن نافع قال کان ابن عمر یصوم تطوعا فیغشی علیہ فلا یفطر، قال الشیخ هذا یدل علی ان الاغماء خلال الصوم لا یفسدہ (ج) (سنن للبیہقی، باب من اغمی علیہ فی ایام من اشہر رمضان ج رابع ص ۳۹۶، نمبر ۸۱۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بیہوشی سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ جیسے سونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے۔ اور بعد کے دنوں کی قضا اس لئے کرنا ہوگی کہ اس کو عقل ہے البتہ عقل گویا کہ سو گئی ہے تو جیسے سونے والوں پر رمضان کا روزہ فرض رہتا ہے اسی طرح بیہوشی والے پر بھی روزہ فرض رہے گا۔ لیکن چونکہ بیہوشی کی وجہ سے باقی دنوں میں نیت نہیں کرے گا اس لئے اس کی قضا کرنی ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا جو قبیلہ اسلم کا تھا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھایا تو باقی دن روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھایا ہے تو روزہ رکھے اس لئے کہ آج عاشورہ کا دن ہے (ب) میرا وفد قبیلہ ثقیف سے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے ان کے لئے قہ بنوایا۔ وہ لوگ نصف رمضان میں مسلمان ہوئے۔ آپ نے ان کو حکم دیا کہ جتنا رمضان آگے ہے اس کے روزے رکھو اور جو نیت ہو گیا اس کے قضا کرنے کا ان کو حکم نہیں دیا (الف) حضرت ابن عمرؓ نے روزہ رکھتے۔ پس ان پر بیہوش طاری ہوتی تو روزہ نہیں توڑتے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روزے کے درمیان بیہوشی روزے کو نہیں توڑتی ہے۔

[۵۸۹] (۳۹) واذا افاق المجنون فی بعض رمضان قضی ما مضی منه و صام ما بقى [۵۹۰] (۴۰) واذا حاضت المرأة او نفست افطرت وقضت اذا طهرت

[۵۸۹] (۳۹) اگر بعض رمضان میں مجنون کو افاقہ ہوا تو قضا کرے گا جو گزر گیا، اور جو باقی ہے اس کا روزہ رکھے گا۔

**تشریح** مثلاً گیارہ رمضان کو جنونیت سے افاقہ ہوا اور عقل آگئی تو بارہ رمضان سے روزے رکھے گا اور پچھلے گیارہ رمضان تک بعد میں قضا کرے گا۔

**مذہب** پورا رمضان روزے فرض ہونے کا سبب پایا گیا اس لئے پچھلے روزے بھی ادا کرے گا۔

**نوٹ** اگر پورا رمضان مجنون رہا تو اب کچھ بھی روزے قضا نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں رمضان گویا کہ پایا ہی نہیں گیا اور سبب متحقق نہیں ہوا۔ اس لئے وہ کچھ بھی قضا نہیں کرے گا (۲) پورے رمضان کے قضا کروانے میں حرج ہے اس لئے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اور کچھ میں مجنون رہا اور کچھ میں افاقہ ہوا تو کچھ روزہ ہی قضا کرنے پڑیں گے اس لئے زیادہ حرج نہیں ہے۔ (۳) اس کے لئے ابوداؤد کی اگلی حدیث ہے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ جتنے دن تک مجنون رہا اس کی قضا واجب نہیں ہوگی۔

**مذہب** (۱) کیونکہ جنونیت کی وجہ سے وہ مخاطب ہی نہیں رہا اس لئے ان دنوں میں وہ بچے کی طرح ہو گیا اس لئے اس پر جنونیت کے عالم کی قضا واجب نہیں (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس قال مر علی بمجنونۃ بنی فلان قد زنت وهی ترجم فقال علی لعمر یا امیر المؤمنین امرت برجم فلانة قال نعم قال اما تذكر قول رسول الله رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتى يستيقظ وعن الصبي حتى يحتلم وعن المجنون حتى يفيق قال نعم فامر بها فخلی عنها (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المجنون یسرق او یشرب حداج ثانی ص ۲۵۶ نمبر ۴۴۰ سنن للبیہقی، باب الصبی لایزمد فرض الصوم حتی یبلغ ولا المجنون حتی یفیک ج رابع ص ۴۴۸، نمبر ۸۳۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مجنون پر جنونیت کے زمانے کے روزے فرض نہیں ہے۔

[۵۹۰] (۴۰) اگر عورت حائضہ ہو جائے یا نفسہ ہو جائے تو روزہ توڑ دے گی اور جب پاک ہوگی تو قضا کرے گی۔

**مذہب** (۱) حیض اور نفاس کی حالت میں عورت روزے کے قابل نہیں رہتی ہے اس لئے روزہ رکھی ہوئی ہو تب بھی روزہ توڑ دے گی اور بعد میں قضا کرے گی۔ حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال النبی ﷺ ایس اذا حاضت لم فصل ولم تقسم؟ فذلک من نقصان دینہا (ب) (بخاری شریف، باب الحائض تترك الصوم والصلوة ص ۲۶۱ نمبر ۱۹۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت نہ

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت علیؑ کے سامنے بنی فلاں کی ایک مجنونہ گزری جس نے زنا کیا تھا۔ اس حال میں کہ اس پر رحم کا حکم لگا تھا۔ تو حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا اے امیر المؤمنین آپ نے فلاں پر رحم کا حکم لگایا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! حضرت علیؑ نے فرمایا حضور کا قول یاد نہیں ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھایا گیا ہے۔ سونے والے سے جب تک کہ بیدار نہ ہو جائے۔ اور بچے سے جب تک کہ بالغ نہ ہو جائے۔ اور مجنون سے جب تک کہ افاقہ نہ ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں! اور مجنونہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا۔ (ب) آپؐ نے فرمایا کیا حائضہ نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے یا اس کے دین کا نقصان ہے۔

[۵۹۱] (۴۱) واذا قدم المسافر او طهرت الحائض في بعض النهار امسكا عن الطعام والشراب بقية يومهما [۵۹۲] (۴۲) ومن تسحر وهو يظن ان الفجر لم يطلع او افطر وهو يرى ان الشمس قد غربت ثم تبين ان الفجر كان قد طلع او ان الشمس لم تغرب قضى

روزہ رکھے گی اور نہ نماز پڑھے گی۔ اور قضا کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت كنا نحيض عند رسول الله ﷺ ثم نطهر فيأمرنا بقضاء الصيام ولا يأمرنا بقضاء الصلوة (ترمذی شریف، باب ما جاء في قضاء الحائض الصيام دون الصلوة ص ۲۳ نمبر ۷۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ قضا کرنے کا حکم دیا جائے گا اور نماز قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

[۵۹۱] (۴۱) مسافر گھر آئے یا حائضہ عورت پاک ہو دن کے بعض حصہ میں تو دونوں باقی دن کھانے پینے سے رک جائیں۔  
**تشریح** مثلاً حائضہ عورت دو پہر کو پاک ہوئی یا مسافر دو پہر کو گھر آیا تو اب دو پہر سے شام تک رمضان کے احترام میں کھانا پینا نہیں کھانا چاہئے۔ تاکہ رمضان کا احترام باقی رہے۔ چونکہ دن کے شروع حصے میں روزہ کا اہل نہیں ہے اس لئے روزہ تو نہیں رکھ سکتی البتہ جب حائضہ پاک ہو کر اہل ہوئی تو اس وقت سے کھانا پینا نہیں کھائے گی۔

**بخاری** عن سلمة بن اكوع قال امر النبي ﷺ رجلا من اسلم ان اذن في الناس ان من كان اكل فليصم بقية يومه ومن لم يكن اكل فليصم فان اليوم يوم عاشوراء (الف) (بخاری شریف، باب صيام يوم عاشوراء ص ۲۶۹ نمبر ۲۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسے لوگ جو درمیان دن میں روزے کے اہل ہوئے ہوں وہ روزے کے احترام میں باقی دن کھانا نہ کھائے۔

[۵۹۲] (۴۲) جس نے سحری کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی ہے یا افطار کر لیا اور یہ سمجھتے ہوئے کہ سورج غروب ہو چکا ہے۔ پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی یا سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا تو اس دن کی قضا کرے گا۔ اور اس پر کفارہ نہیں ہے۔

**تشریح** سحری کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہے حالانکہ فجر طلوع ہو چکی تھی۔ اسی طرح افطار کی یہ گمان کرتے ہوئے کہ آفتاب غروب ہو چکا ہے حالانکہ ابھی آفتاب غروب نہیں ہوا تھا تو چونکہ دن میں کھانا کھایا ہے اس لئے روزہ تو نہیں ہوا۔ لیکن چونکہ بھول کر کھانا کھایا ہے اس لئے صرف قضا کرنا ہوگا کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ بھول سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

**بخاری** عن اسماء بنت ابی بکر قالت افطرتنا علی عهد النبي ﷺ فی يوم غیم ثم طلعت الشمس قیل لهشام فامروا بالقضاء؟ قال بد من قضاء (ب) (بخاری شریف، باب اذا افطرت في رمضان ثم طلعت الشمس ص ۲۶۳ نمبر ۱۹۵۹) اور ابو داؤد شریف، الفطر قبل غروب الشمس ص ۳۲۹ نمبر ۲۳۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج غروب ہونے سے پہلے افطار کر لیا تو اس دن کی قضا کرے گا۔ البتہ بھول سے کیا ہے اس لئے کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسی پر صبح صادق طلوع ہونے کے بعد سحری کرنے کے مسئلہ کو قیاس کر لیں (۲) اثر

حاشیہ : (الف) آپ نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے کھانا کھایا وہ باقی دن روزہ رکھے۔ اور جس نے کھانا نہیں کھایا وہ روزہ پورا کرے اس لئے کہ یہ دن عاشورہ کا دن ہے۔ (ب) اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں کہ ہم نے حضور کے زمانے میں بادل کے دن افطار کر لیا پھر سورج نکل آیا تو ہشام سے پوچھا کیا ان سب کو قضا کرنے کا حکم دیا گیا؟

ذلک الیوم ولا کفارة علیہ [۵۹۳] (۴۳) ومن رای هلال الفطر وحده لم یفطر [۵۹۴] (۴۴) واذا كانت بالسما علة لم یقبل الامام فی هلال الفطر الا شهادة رجلین او رجل و

میں ہے فقال عمر ... من كان الفطر فان قضاء يوم یسیر (الف) (مصنف عبدالرزاق، باب الافطار فی یوم مغیم ج رابع ص ۱۷۸ نمبر ۷۳۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایک دن کی قضا کرنا آسان ہے اور کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

**فت** تحر : سحری کر لی۔

[۵۹۳] (۴۳) کسی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

**شرح** ایک آدمی نے تنہا عید الفطر کا چاند دیکھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا بلکہ روزہ رکھے گا اور بعد میں سب کے ساتھ عید کرے گا۔

**ج** (۱) یہاں روزہ توڑنے میں ایک روز کی عبادت کا نقصان ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ روزہ رکھے اور سب کے ساتھ عید کرے (۲) ہو سکتا ہے کہ چاند دیکھنے کا وہم ہوا ہو اور قاضی نے اس کی گواہی نہ مانی تو یہ وہم اور مضبوط ہو گیا کہ شاید اس نے چاند نہیں دیکھا ہے اس لئے دیکھنے والے کو بھی روزہ رکھ لینا چاہئے (۳) حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ ان النبی ﷺ قال الصوم یوم تصومون والفطر یوم تفتطرون والاضحی یوم تضحون (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان الفطر یوم تفتطرون والاضحی یوم تضحون ص ۱۵۰ نمبر ۶۹۷ ترمذی شریف، باب ما جاء فی الفطر والاضحی متی یکون ص ۱۶۵ نمبر ۸۰۲ ابوداؤد شریف، باب اذا اخطأ القوم الہلال نمبر ۲۳۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب کے ساتھ عید اور بقرہ عید کرنی چاہئے۔

**اسول** عید الفطر اور بقرہ عید میں اجتماعیت مطلوب ہے۔

**فت** بشرطیکہ جان بوجھ کر ساڑھے ستائیس پر یا اٹھائیس پر گواہی نہ لیتے ہوں جو عرب ممالک کر رہے ہیں۔ مقدم کیلنڈر پر چھوٹی گواہی لیکر اعلان کرنے والوں کا ساتھ دینا صحیح نہیں ہے۔

[۵۹۴] (۴۴) اگر آسمان میں علت ہو تو امام عید الفطر کے چاند میں نہیں قبول کرے گا مگر دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی

**ج** عید الفطر کے موقع پر جلدی اعلان کرتے ہیں تو ایک روزے کا توڑنا لازم آئے گا اور اس میں بندوں کا نفع ہے اس لئے یہ معاملات کی طرح ہو گیا اور معاملات میں دو مرد کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہے۔ اسی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی رویت میں دو مرد یا دو عورتیں اور ایک مرد کی گواہی قابل قبول ہوگی (۲) اس کے لئے حدیث میں موجود ہے عن ربیع بن حراش عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال اختلف الناس فی آخر یوم من رمضان فقدم اعرابیان فشهدا عند النبی ﷺ بالله لا ہلا الہلال امس عشية فامر رسول الله الناس ان یفطروا (ج) (ابوداؤد شریف، باب شهادة رجلین علی رویت ہلال شوال ص ۳۲۷ نمبر

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا... جس نے افطار کیا تو ایک دن کی قضا کرنا آسان ہے (یعنی ایک دن کی قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں) (ب) آپؐ نے فرمایا روزہ اس دن صحیح ہوگا جس دن تم سب رکھو اور عید الفطر اس دن ہوگی جس دن تم سب کرو اور قربانی اس دن صحیح ہوگی جس دن سب قربانی کرو (ج) رمضان کے آخری دنوں میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ پس حضورؐ کے پاس دو دیہاتی آکر گواہی دی کہ انہوں نے کل شام چاند دیکھا ہے تو حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں۔

امراتین [۵۹۵] (۴۵) وان لم تكن بالسما علة لم يقبل الا شهادة جماعة يقع العلم بنخبرهم۔

(۲۳۳۹) اور دارقطنی میں ہے قال (ابن عمر و ابن عباس) وكان رسول الله لا يجيز شهادة الافطار الا بشهادة رجلين (دارقطنی، کتاب الصوم ج ثانی ص ۱۳۷ نمبر ۲۱۲۹) ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے لئے آسمان میں علت یعنی دھواں، کھر، غبار اور بادل وغیرہ ہوتو دو گواہوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اس سے کم کی نہیں۔

[۵۹۵] (۴۵) اور اگر آسمان میں علت نہ ہوتو نہیں قبول کی جائے گی مگر ایک جماعت کی گواہی کہ ان کی خبر سے علم یقینی واقع ہو۔

بجہ آسمان صاف ہو اور چاند دیکھنے کے قابل ہو گیا ہو تو ہر دیکھنے والے کو چاند نظر آتا ہے اس کے باوجود ایک دو آدمی چاند دیکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو غالب گمان یہ ہے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس لئے ایک جماعت کی رویت قبول کی جائے گی۔ جس کے دیکھنے سے علم یقینی حاصل ہو۔ اور بڑی جماعت کی ایک تعریف یہ ہے کہ ہر محلے کے ایک دو آدمی چاند دیکھ لیں۔ درمختار میں یہ عبارت ہے۔ عن ابی یوسف : خمسون رجلا القسامة قبل اکثر اهل المحلة وقيل من كل مسجد واخذوا اثنان (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، مطلب ما قاله السبکی من الاعتماد علی قول الحساب مردود، ج ثالث، ص ۴۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ ہر محلے کے ایک دو آدمی دیکھ لے تو اس کو رویت عامہ کہتے ہیں۔ تجربہ بھی یہی ہے کہ چاند نظر آنے کے قابل ہوتا ہے تو ہر آدمی کو نظر آتا ہے (۲) اثر میں اس کا اشارہ ہے۔ قلت لعطاء ارأیت لو ان رجلا رأى هلال رمضان قبل الناس بليلة ایصوم قبلهم ویفطر قبلهم؟ قال : لا الا ان اراه الناس، اخشی ان یکون شبهه علیه (مصنف عبدالرزاق، باب کم یجوز الشھود علی رویة البهلال، ج رابع، ص ۱۶۷، نمبر ۳۳۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رویت عامہ ہو۔



## ﴿ باب الاعتکاف ﴾

[۵۹۶] (۱) الاعتکاف مستحب وهو البث في المسجد مع الصوم ونية الاعتکاف

## ﴿ باب الاعتکاف ﴾

**ضروری نوٹ** الاعتکاف : علف سے مشتق ہے کسی جگہ ٹھہرنا اور لازم پکڑنا، اعتکاف سنت ہے اس کی دلیل آگے آرہی ہے۔

**نوٹ** اعتکا کی چار قسمیں ہیں (۱) سنت مؤکدہ کفایہ۔ اکیس رمضان سے تیس رمضان تک جو اعتکاف کرتے ہیں اس کو سنت مؤکدہ کفایہ کہتے ہیں (۲) نذر، کوئی آدمی اعتکاف کرنے کی نذر مانے تو وہ نذر کا اعتکاف ہے (۳) ایک دن رات کا نفلی اعتکاف کرنا (۴) چند منٹ یا چند گھنٹے کا اعتکاف کرنا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے ولا تباشروهن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوها (الف) (آیت ۸۷ سورۃ البقرۃ ۲)

[۵۹۶] (۱) اعتکاف سنت ہے، اور وہ مسجد میں ٹھہرنا ہے روزے کے ساتھ اور اعتکاف کی نیت کے ساتھ۔

**تشریح** مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ اس کے لئے تین شرطیں ہیں (۱) روزہ ہو (۲) اعتکاف کی نیت ہو (۳) اور مسجد میں ٹھہرنا ہو۔ تب اعتکاف ہوگا۔

**حجہ** اعتکاف سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ ان النبی ﷺ کان یعتکف العشر الاواخر من رمضان حتی توفاه اللہ ثم اعتکف ازواجه من بعده (ب) (بخاری شریف، باب الاعتکاف فی العشر الاواخر ص ۲۷۱ نمبر ۲۰۲۶ / مسلم شریف، کتاب الاعتکاف ص ۳۷۱ نمبر ۲۷۸۴ / ۱۱۷۲) مسلسل اعتکاف کرنا سنت ہونے کی دلیل ہے۔ اور کفایہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کچھ لوگوں نے اعتکاف کر لیا تو محلہ کے باقی لوگوں سے ساقط ہو جائے گا۔ اور تینوں شرطوں کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشة انها قالت السنة علی المعتکف ان لا یعود مریضاً ولا یشہد جنازة ولا یمس امرأة ولا یبشرها ولا یمس لحاجة الا لما لا بد منه ولا اعتکاف الا بصوم ولا اعتکاف الا فی مسجد جامع (ج) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۲۲ نمبر ۲۳۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے اور اعتکاف کے لئے مسجد ہو (۲) دارقطنی میں ہے عن عائشة ان النبی ﷺ قال لا اعتکاف الا بصیام (د) دارقطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۲۳۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری ہے۔

حاشیہ : (الف) مسجد میں اعتکاف کی حالت میں اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت مت کرو۔ یہ اللہ کے حدود ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ (ب) آپ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ نے وفات دیدی۔ پھر آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا (ج) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ معتکف پرست یہ ہے کہ (۱) مریض کی عیادت نہ کرے (۲) جنازے میں حاضر نہ ہو (۳) بیوی کو نہ چھوئے (۴) بیوی سے مباشرت نہ کرے (۵) ضرورت کے لئے نہ نکلے مگر جو ضروری ہے (۶) اور نہیں اعتکاف ہے مگر روزے کے ساتھ (۷) اور نہیں اعتکاف ہے مگر جامع مسجد میں۔ (د) آپ نے فرمایا نہیں اعتکاف ہے مگر روزے کے ساتھ۔

[۵۹۷] (۲) ويحرم على المعتكف الوطى واللمس والقبلة [۵۹۸] (۳) وان انزل بالقبلة او لمس فسد اعتكافه وعليه القضاء.

**فائدہ** امام محمد نے فرمایا کہ چند منہوں بھی نفلی اعتکاف ہو سکتا ہے۔ اس اعتکاف کے لئے روزے کی شرط نہیں ہوگی۔ اس اثر سے اس کا ثبوت ہے عن یعلیٰ بن امیہ انه کان یقول لصاحبه انطلق بنا الی المسجد فنعتكف فیہ ساعة (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۷ ما قالوا فی المعتکف ۱۱۱۱) ثانی ص ۳۳۶، نمبر ۹۶۵۲) اس اثر میں ایک گھنٹہ کے اعتکاف کے لئے کہا گیا ہے۔ اور مسجد کے سلسلہ میں یہ حدیث ہے عن حذیفہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول کل مسجد له مؤذن وامام فالاعتکاف فیہ یصلح (الف) (دارقطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۷۹ نمبر ۲۳۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایسی مسجد میں جس میں پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اس میں اعتکاف جائز ہے (۲) چونکہ جماعت کے ساتھ معتکف کو نماز پڑھنی ہوگی اس لئے جس مسجد میں پنج وقتہ نماز نہ ہوتی ہو وہاں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں دقت ہوگی۔ اس لئے پنج وقتہ جماعت والی مسجد میں اعتکاف کرے۔ البتہ اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف جمعہ کے لئے جامع مسجد جاسکتا ہے۔ اور نیت کی شرط اس لئے ہے کہ اعتکاف عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت کے نہیں ہوتی۔ چنانچہ اگر کوئی آدمی بغیر نیت کے مسجد میں ٹھہرا رہے تو اس کا اعتکاف نہیں ہوگا۔

[۵۹۷] (۲) اعتکاف کرنے والے پر وطی کرنا، عورت کو شہوت سے چھونا اور بوسہ لینا حرام ہے۔

**مسئلہ** نمبر ایک میں حضرت عائشہ کی حدیث گزری جس میں تھا ولا یمس امرؤ ولا یتباشرها (ب) (ابوداؤد شریف، المعتکف یعود المریض ص ۳۴۲ نمبر ۲۳۷۳/دارقطنی، باب الاعتکاف ج ثانی ص ۱۸۱ نمبر ۲۳۳۸/۲۳۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں دن یا رات میں عورت کو نہ شہوت سے چھوئے نہ بوسہ دے اور نہ وطی کرے (۳) آیت ولا یتباشر وھن وانتم عاکفون فی المساجد (ج) (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرہ ۲) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اعتکاف کی حالت میں عورت کو شہوت سے چھو یا نہ جائے۔

[۵۹۸] (۳) اور اگر بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا اور اس پر قضا لازم ہوگی۔

**ترجمہ** بوسہ لینے یا چھونے سے انزال ہو گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور بغیر روزہ کے اعتکاف نہیں ہوتا اس لئے اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور نفلی اعتکاف کر لینے کے بعد نذر نفلی ہو گیا۔ اس لئے کم از کم ایک دن رات کا اعتکاف لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس قال اذا وقع المعتکف علی امرأته استأنف اعتکافه (د) (مصنف عبدالرزاق، باب وقوع علی امرأتہ ج رابع ص ۳۶۳ نمبر ۸۰۸۱/مصنف ابن ابی شیبہ ۹۲ ما قالوا فی المعتکف بیجامع ما علیہ فی ذلک ج ثانی ص ۳۳۸، نمبر ۹۶۸۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ شہوت سے عورت کو چھونے سے اور انزال ہونے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ اور فاسد ہوگا تو اس کی قضا لازم ہوگی۔ اس حدیث سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ عن

حاشیہ : (الف) پ نے فرمایا ہر وہ مسجد جس کے لئے مؤذن ہو اور امام ہو تو وہ اعتکاف کے قابل ہے (ب) معتکف عورت کو شہوت سے نہ چھوئے اور نہ اس سے مباشرت کرے (ج) عورت سے مباشرت نہ کر دے جب کہ تم مسجد میں اعتکاف کئے ہوئے ہوں (د) ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عورت سے جماع کیا تو شروع سے اعتکاف کرے۔

[۵۹۹] (۴) ولا یخرج المعتکف من المسجد الا لحاجة الانسان او للجمعة [۶۰۰]

(۵) ولا بأس بان یبیع و یتاع فی المسجد من غیر ان یحضر السلعة.

عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ ... ثم اخر الاعتکاف الی العشر الاول یعنی من شوال (الف) (ابوداؤد شریف، باب الاعتکاف ص ۳۴۱ نمبر ۲۳۶۴) آپ نے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو اس کی قضا شوال میں کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کی قضا ہے۔ حدیث میں ہے کہ نفلی روزہ توڑ دے تو اس کی قضا لازم ہوگی اسی طرح نفلی اعتکاف پور دے۔

[۵۹۹] (۴) اور معتکف مسجد سے نہیں نکلے گا مگر انسانی ضرورت کے لئے یا جمعہ کے لئے۔

**شرح** ضرورت چاہے شرعی ہو یا طبعی دونوں کے لئے معتکف نکلے گا طبعی ضرورتوں میں کھانا، پینا، پیشاب، پاخانہ، جنابت کا غسل اور وضو کرنا وغیرہ ہے۔ اور شرعی ضرورت میں مثلاً جمعہ کے لئے جامع مسجد کے لئے نکلنا ہے۔ ان ضرورتوں کے لئے بقدر ضرورت نکل سکتا ہے۔ اور ضرورت پوری ہونے کے بعد فوراً مسجد واپس ہو جائے۔

**م** ان عائشة زوج النبی ﷺ قالت ... وکان لا یدخل البیت الا لحاجة اذا کان معتکفا (ب) (بخاری شریف، باب المعتکف لا یدخل البیت الا لحاجة ص ۲۷۲ نمبر ۲۰۲۹ رتزدی شریف، باب المعتکف یخرج لحاجة ام لاص ۱۶۵ نمبر ۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتکف ضرورت انسانی کے لئے نکل سکتا ہے۔ اس سے اعتکاف نہیں ٹوٹے گا۔

**نوٹ** امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ بغیر ضرورت کے ایک گھنٹہ مسجد سے باہر رہے گا تو اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ آدھا دن سے زیادہ بغیر ضرورت کے باہر رہے تو اعتکاف ٹوٹے گا۔ کیونکہ اکثر کاکل حکم ہوتا ہے۔

[۶۰۰] (۵) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ مسجد میں بیچے یا خریدے بغیر اس کے کہ سامان بیچ حاضر کرے۔

**شرح** خرید و فروخت کا سامان حاضر کئے بغیر معتکف کا بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ البتہ اچھا نہیں ہے۔

**م** (۱) بعض مرتبہ معاشیت کے ٹھیک رکھنے کے لئے آدمی کو خرید و فروخت کرنے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اس لئے اس کی گنجائش ہے۔ البتہ مسجد میں سامان کا حاضر کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے توحش ہوگا (۲) قلت لعتاء ... فاتی مجاورہ یتاع فیہ ویبیع؟ قال لا بأس بذلك (ج) (مصنف عبدالرزاق، باب المعتکف وابتیاع وطلب الدنیاء رابع ص ۳۶۳ نمبر ۸۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معتکف کے لئے خریدنے بیچنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اچھا نہیں ہے۔ اس کی وجہ عن عطاء قال لا یبیع المعتکف ولا یتاع (د) (مصنف عبدالرزاق، باب المعتکف وابتیاع وطلب الدنیاء رابع ص ۳۶۱ نمبر ۸۰۶۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں خرید و فروخت کرنا اچھا نہیں ہے۔

**نکتہ** یتاع : خریدے۔ سلعة : بیچنے کا سامان۔

حاشیہ : (الف) پھر اعتکاف کو عشر اول تک مؤخر کیا یعنی شوال کے عشر اول تک مؤخر کیا (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا... آپ گھر میں داخل نہیں ہوتے مگر ضرورت کی بنا پر جبکہ معتکف ہوتے (ج) میں نے عطا سے پوچھا... کیا معتکف مسجد میں خرید سکتا ہے؟ اور بیچ سکتا ہے؟ حضرت عطاء نے فرمایا اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (د) حضرت عطاء نے فرمایا معتکف نہ بیچے اور نہ خریدے۔



[۶۰۱] (۶) ولا يتكلم الا بخير ويكره له الصمت [۶۰۲] (۷) فان جامع المعتكف ليلا او نهارا، ناسيا او عامدا بطل اعتكافه [۶۰۳] (۸) ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه عند ابي حنيفة وقال لا يفسد حتى يكون اكثر من نصف يوم.

[۶۰۱] (۶) اور معتكف نہ بات کرے مگر خیر کی اور مکروہ ہے اس کے لئے چپ رہنا۔

**شرح** مستقل چپ رہنا اسلام میں عبادت نہیں ہے اس لئے عبادت کے طور پر چپ رہنا مکروہ ہے۔ خیر کی بات کرنی چاہئے۔

**بخ** حدیث میں ہے عن صفیة قالت کان رسول اللہ ﷺ معتكفا فأتیته ازوره لیلا فحدثته ثم قمت الخ (الف) (ابو داؤد شریف، المعتكف یدخل البيت لحاجته ص ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۷، ۳۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ معتكف بات کر سکتا ہے۔ اس لئے خیر کی بات کرے۔

[۶۰۲] (۷) اگر معتكف نے رات یا دن کو بھول کر یا جان کر جماع کر لیا تو اس کا اعتكاف باطل ہو جائے گا۔

**شرح** رات میں بھی معتكف ہے۔ اس لئے رات میں بھی جماع کرے گا تو اعتكاف باطل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اعتكاف یاد دلانے والی چیز ہے اس لئے اس حال میں بھول معاف نہیں ہے۔ اور بھول کر بھی اعتكاف میں جماع کرے گا تو اعتكاف فاسد ہو جائے گا۔

**بخ** ولا تباشروهن وانتم عاكفون فی المساجد اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعتكاف کی حالت میں مباشرت کرنے سے اعتكاف ٹوٹ جائے گا۔ اثر میں ہے عن ابن عباس قال اذا جامع المعتكف ابطل اعتكافه واستأنف ((ب)) (مصنف ابن ابی شیبہ ۹۲ ما قالوا فی المعتكف یجامع ما علیہ فی ذلک ج ۲ ص ۳۳۸، نمبر ۹۶۸) اس اثر میں بھول کر اور جان کر کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے بھول کر بھی جماع کرے گا تو اعتكاف باطل ہو جائے گا۔

[۶۰۳] (۸) اگر معتكف مسجد سے ایک گھڑی بغير عذر کے نکل جائے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا اعتكاف باطل ہو جائے گا۔ اور صاحبین نے فرمایا نہیں فاسد ہوگا یہاں تک کہ آدھا دن سے زیادہ ہو جائے۔

**بخ** امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ معتكف کے لئے مسجد سے نکلنا خلاف قیاس ہے۔ البتہ مجبوری کے طور پر ضرورت سے نکلنے کی گنجائش دی گئی ہے۔ اس لئے ضرورت سے زیادہ ایک گھنٹہ بھی نکلے گا تو اعتكاف فاسد ہو جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ تھوڑی بہت دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے اگر تھوڑی سی دیر ہونے پر یا تھوڑی دیر کے لئے نکلنے پر اعتكاف فاسد کریں تو بہت تنگی ہو جائے گی۔ البتہ آدھا دن کوئی نہیں نکلتا اس لئے آدھے دن کا معیار ٹھیک ہے کہ آدھا دن سے زیادہ نکلے تو اعتكاف فاسد ہوگا (۲) اوپر حدیث گزر چکی ہے ولا یخرج لحاجته الا لما لا بد منه (ج) (ابو داؤد شریف، المعتكف یعود الریض ص ۳۳۲، نمبر ۲۴۷) اس سے معلوم ہوا کہ بہت ضروری حاجت کے لئے نکلے۔

حاشیہ : (الف) حضور ﷺ تھے تو رات میں آپ کی زیارت کرنے کے لئے میں آئی۔ میں آپ سے بات کرتی رہی پھر کھڑی ہوئی (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا معتكف جماع کرے تو اس کا اعتكاف باطل ہو جائے گا اور شروع سے اعتكاف کرے (ج) نہ نکلے مگر ایسی ضرورت کے لئے جس کا کوئی چارہ نہ ہو۔

[۶۰۴] (۹) ومن اوجب على نفسه اعتكاف ايام لزمه اعتكافها بلياليها وكانت متتابعة وان لم يشترط التتابع فيها.

اس لئے بغیر ضرورت سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوگا (۳) حدیث میں ہے عن عائشة قال النفیلى قالت كان النبی ﷺ يمر بالمريض وهو معتكف فيمر كما هو ولا يعرج يسأل عنه (الف) (ابوداؤد شریف، المعترف بعود المريض ص ۳۳۲ نمبر ۲۲۷۲) اس حدیث میں حضور لوگوں کی عیادت کرتے جاتے اور چلتے جاتے، کہیں ٹھہرتے نہیں تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اور اسی سے امام ابوحنیفہ نے استدلال کیا کہ بغیر ضرورت کے زیادہ ٹھہرنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔

[۶۰۴] (۹) کسی نے اپنی ذات پر چند دنوں کا اعتکاف لازم کیا تو اس پر ان کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔ اور اعتکاف پے در پے کرنا ہوگا چاہے اس میں پے در پے کی شرط نہ لگائی ہو۔

**تشریح** مثلاً چھ دنوں کا اعتکاف اپنے اوپر لازم کیا تو ان کی چھ راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا۔ اور چھ کے چھ دن پے در پے اعتکاف کرنا ہوگا۔ چاہے پے در پے کی نیت نہ کی ہو۔

**حجہ** محاورے میں دن بولتا ہے تو اس میں رات بھی شامل ہوتی ہے۔ اس لئے نیت کرنے والوں نے دن بولا تو اس کی رات بھی شامل ہوگی۔ اس لئے جتنے دنوں کی نیت کی ہے اس کی راتوں کا اعتکاف بھی لازم ہوگا (۲) روزہ متفرق طور پر ہوتا ہے۔ کیونکہ روزہ صرف دن میں ہوتا ہے اس کے بعد رات آتی ہے جس میں روزہ نہیں ہے اور دونوں کے درمیان فاصلہ ہے۔ اس لئے روزہ متفرق طور پر ہوگا۔ لیکن اعتکاف رات اور دن دونوں میں ہوتا ہے اس لئے وہ مسلسل ہوتا ہے۔ اس لئے اعتکاف میں مسلسل ہے۔ چاہے مسلسل کی نیت نہ کی ہو (۳) اثر میں ہے عن عطاء فی المعتکف يشترط ان يعتكف بالنهار ويأتى اهله بالليل قال ليس هذا باعتكاف (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۷ ما قالوا فی المعتکف یا قی اہلہ بالنهار ج ثانی ص ۳۳۶، نمبر ۹۶۳۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دن کے ساتھ رات بھی شامل ہوگی۔ اور جب رات شامل ہوگی تو پے در پے بھی ہو جائے گی **نوٹ** چند گھنٹوں کا اعتکاف بغیر روزے کے بھی ہوگا۔ اثر میں ہے عن یعلی بن امیہ انه كان يقول لصاحبه انطلق بنا الى المسجد فنعتكف فيه ساعة (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸۷ ما قالوا فی المعتکف یا قی اهلہ بالنهار ص ۳۳۶، نمبر ۹۶۵۲)



حاشیہ: (الف) حضور مریض کے پاس سے گزرتے اس حال میں کہ آپ محکف ہوتے تو گزرتے ہی چلے جاتے اور ٹھہرتے نہیں ان کا حال پوچھتے جاتے (ب) حضرت عطاء سے منقول ہے اس محکف کے بارے میں کہ شرط لگائے کہ اعتکاف کرے دن میں اور رات میں اہل کے پاس آئے تو فرمایا یہ اعتکاف نہیں ہے (ج) یعلی بن امیہ اپنے ساتھی سے کہتے ہمارے ساتھ مسجد چلو ایک گھنٹہ کا اعتکاف کر لیں۔

## ﴿ کتاب الحج ﴾

[۶۰۵] (۱) الحج واجب علی الاحرار المسلمين البالغين العقلاء الاصحاء اذا قدروا

## ﴿ کتاب الحج ﴾

**ضروری نوٹ** حج کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ یہاں بیت اللہ کا ارادہ خاص انداز سے کرنے کا نام حج ہے۔ حج کا ثبوت اس آیت سے ہے ولله علی الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا (الف) (آیت ۹۷ سورہ آل عمران ۳) آیت سے ثابت ہوا کہ جس کو بیت اللہ تک جانے کی طاقت ہو اس پر حج فرض ہے۔ حج مالی اور بدنی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ اسی لئے مجبوری کے وقت حج بدل جائز ہے۔ بغیر مجبوری کے خود حج کرے۔

[۶۰۵] (۱) حج واجب ہے آزاد، مسلمان، بالغ، عاقل، تندرست پر جب کہ توشے اور کجاوے پر قادر ہو۔ گھر کی ضروریات اور واپس لوٹنے تک اہل و عیال کے نفقہ سے زیادہ ہو اور راستہ مامون ہو۔

**تشریح** حج فرض ہونے کے لئے یہاں دس شرطیں بیان کی گئی ہیں (۱) آزاد ہونا (۲) مسلمان ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) تندرست ہونا (۶) توشے پر قدرت ہونا (۷) کجاوے اور سواری پر قدرت ہونا (۸) گھر کی ضروریات سے زیادہ ہونا (۹) واپس لوٹنے تک اہل و عیال جس کا نان و نفقہ حاجی کے ذمہ ہے اس سے زیادہ ہونا یا کم از کم اس کا انتظام ہونا (۱۰) راستہ کا امن والا ہونا۔ اور عورت کے لئے ایک شرط اور ہے۔ اس کے ساتھ ذی رحم محرم کا ہونا۔ یہ سب شرطیں پائی جائیں تو حج فرض ہوگا۔ اور یہ شرطیں حاجی کے پاس نہیں ہیں تو اس پر حج فرض نہیں ہوگا۔ البتہ جا کر کر لیا تو حج فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

تمام شرطوں کے دلائل : آزاد، مسلمان، بالغ اور عاقل ہو تو عبادت فرض ہے ورنہ نہیں۔ ان کے دلائل پہلے گزر چکے ہیں (۲) سنن بیہقی میں ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ايما صبي حج ثم بلغ الحنث فعليه حجة اخرى، وايما اعرابي حج ثم هاجر فعليه حجة اخرى، وايما عبد حج ثم اعتق فعليه حجة اخرى (ب) (سنن للبیہقی، باب اثبات فرض الحج رابع ص ۵۳۳، نمبر ۸۶۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ بچے اور غلام پر حج فرض نہیں ہے۔ تندرست ہو تو حج فرض ہوتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ تندرست نہ ہو تو بیت اللہ تک کیسے جائے گا۔

**وجہ** (۱) آیت میں من استطاع فرمایا گیا ہے کہ جو بیت اللہ تک جاسکتا ہو۔ اور مریض آدمی بیت اللہ تک جانی نہیں سکتا اس لئے اس پر فرض نہیں ہے۔ البتہ اگر پہلے تندرست تھا جس کی وجہ سے حج فرض ہوا بعد میں مریض ہوا تو اس پر حج بدل کرنے کی وصیت کرنا لازم ہے۔ صحت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله ابن عباس قال كان الفضل بن عباس رديف رسول الله فجاءته امرأة من خثعم

حاشیہ : (الف) اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتا ہے (ب) آپؐ نے فرمایا جس بچے نے بھی حج کیا ہو پھر بالغ ہوا تو اس پر یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرے۔ اور جو دیہاتی حج کر چکا ہو پھر ہجرت کی تو اس پر یہ ہے کہ دوسری مرتبہ حج کرے، اور جس غلام نے حج کیا ہو پھر آزاد کیا گیا تو اس پر دوسرا حج ہے **نوٹ** دیہاتی کو دوسری مرتبہ حج کرنے کا حکم اس وقت تھا جب ہجرت کے بغیر اسلام مقبول نہیں تھا، اب نہیں۔

على الزاد والراحلة فاضلا عن المسكن ومالا بد منه وعن نفقة عياله الى حين عوده وكان الطريق آمنا [۶۰۶] (۲) ويعتبر في حق المرأة ان يكون لها محرم يحج بها او زوج ولا

... فقالت يا رسول الله ان فريضة الله عز وجل على عباده في الحج ادر كت ابى شيخا كبيرا لا يستطيع ان يثبت على الراحلة الفاحج عنه قال نعم وذلك في حجة الوداع (الف) (ابوداؤد شريف، باب الرجل حج عن غيره ص ۲۵۹ نمبر ۱۸۰۹ / ترمذی شریف، باب ما جاء في الحج عن الشيخ الكبير والميت ص ۱۸۵ نمبر ۹۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تندرست ہو تو حج کرے گا ورنہ اس پر حج فرض نہیں ہے۔ البتہ فرض ہو گیا ہو بعد میں بیمار ہوا ہو تو اس کی جانب سے ولی حج بدل کرے۔ توشہ اور کجاوہ ہو تب حج فرض ہوتا ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال جاء رجل الى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ما يوجب الحج قال الزاد والراحلة (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء في ايجاب الحج بالزاد والراحلة ص ۱۶۸ نمبر ۸۱۳ / دارقطنی، کتاب الحج ج ۲ ص ۱۹۳ نمبر ۲۳۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر کا توشہ ہو اور سواری پر سوار ہونے کا خرچ ہو تب حج فرض ہوتا ہے۔ مکان سے اور مکان کی ضروری اشیاء سے فاضل ہو اور واپس لوٹنے تک اہل و عیال کے نفقہ سے زیادہ ہو۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب انسان کی حاجت اصلیه ہیں اور حج کے لئے حاجت اصلیه سے فارغ ہو۔ کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں اور حج حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد حقوق اللہ سے مقدم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سب ضروریات سے فارغ ہو تب حج واجب ہوگا۔ اور راستہ مامون ہو تب حج فرض ہوتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ راستہ مامون نہیں ہوگا تو حج کرنے کیسے جائے گا۔ من استطاع اليه سبيلا میں یہ داخل ہے کہ راستہ مکہ مکرمہ تک مامون ہوتا کہ بیت اللہ تک جاسکے (۲) جب تک مکہ مکرمہ تک جانے کا راستہ مامون نہ ہو اس وقت تک حضور حج کرنے تشریف نہیں لے گئے۔ حدیث میں ہے عن ابی امامة عن النبي ﷺ قال من لم يحبس مرض او حاجة ظاهرة او سلطان جائر ولم يحج فليمت ان شاء يهوديا او نصرانيا (سنن للبيهقي، باب امكان الحج ج ۲ ص ۵۳۶، نمبر ۸۶۶۰) اس حدیث میں ہے کہ ظالم بادشاہ نہ روکے جس سے راستہ کے مامون ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

نکتہ الزاد : توشہ۔ راحلہ : کجاوہ، سواری۔ عود : لوٹنا، واپس ہونا۔

[۶۰۶] (۲) اور عورت کے حق میں اعتبار کیا جائے گا کہ اس کے لئے محرم ہو جو اس کو حج کرائے، یا شوہر ہو۔ اور نہیں جانتا ہے عورت کے لئے کہ ان دونوں کے بغیر حج کرے جب کہ عورت کے درمیان اور مکہ مکرمہ کے درمیان تین دن کا سفر ہو یا زیادہ کا سفر ہو۔

عورت جس مقام سے حج کرنا چاہتی ہے وہاں سے مکہ مکرمہ تک تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر ہو تو بغیر محرم کے حج فرض نہیں ہوگا۔ یا محرم ہو یا شوہر ہو جو اس کو حج کرا سکے تب حج فرض ہوگا۔ اگر کوئی محرم اپنے خرچ سے حج کے لئے تیار نہ ہو تو عورت کے پاس اتنا خرچ ہونا چاہئے

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ فضل بن عباس حضور کے پیچھے بیٹھے تھے کہ قبیلہ بنی شمس کی ایک عورت آئی... کہنے لگی اے اللہ کے رسول حج کے بارے میں اللہ کا فرض بندوں پر نازل ہوا ہے، میرے باپ کو بوڑھا پا آ گیا ہے، کجاوہ پر ٹھہر نہیں سکتا تو کیا میں ان کی جانب سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں! یہ معاملہ حجۃ الوداع کا تھا (ب) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ! حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا توشہ اور کجاوہ کے مالک ہونے سے۔

يجوز لها ان يحج بغيرهما اذا كان بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة ايام فصاعدا [٦٠٤] (٣) والموافيت التي لا يجوز ان يتجاوزها الانسان الا محرما لاهل المدينة ذو الحليفة ولاهل  
 کہ محرم کو بھی خرچ دیکر حج کے لئے لے جاسکے۔

**نوٹ** بعض علماء نے فرمایا کہ محرم نہ ہو تو حج ہی فرض نہیں ہوگا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ حج فرض ہو جائے گا۔ لیکن حج میں جانا فرض نہیں ہوگا۔ وہ حج بدل کے لئے وصیت کرے۔

**حجہ** حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تسافر سفرا فوق ثلاثة ايام فصاعدا الا ومعها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذو محرم منها (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المرأة حج بغير محرم ص ۲۳۹ نمبر ۱۷۲۶ مسلم شریف، باب سفر المرأة مع محرم الى حج وغيره ص ۲۳۲ نمبر ۱۳۳۰) (۲) دارقطنی میں ہے عن ابی امامة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تسافر امرأة سفرا ثلاثة ايام او تحج الا ومعها زوجها (ب) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۲۳۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے ساتھ محرم ہو تب حج فرض ہوگا۔ کیونکہ بغیر محرم کے تین دن سے زیادہ کا سفر کرنا جائز نہیں ہے۔

**نامک** امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ معتمد عورت ہو تو حج میں عورت جاسکتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ عورت کے ساتھ جانے سے خرافات کا خطرہ ہے اس لئے منع کیا جائے اور حدیث میں بھی منع فرمایا ہے۔

**نوٹ** تاہم اگر عورت نے بغیر محرم کے حج کر لیا تو حج فرض ادا ہو جائے گا، اگرچہ ناجائز کا ارتکاب کیا۔

[۶۰۴] (۳) اور وہ میقات جو نہیں جائز ہے کہ انسان ان سے آگے گزرے مگر احرام باندھ کر۔ اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل عراق کے لئے ذات عرق، اہل شام کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن اور اہل یمن کے لئے یلملم ہے۔

**تشریح** مکہ مکرمہ سے کافی دوری پر یہ مقامات ہیں۔ مکہ مکرمہ کی تعظیم کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب ان میقات سے باہر سے لوگ مکہ مکرمہ آئیں تو ان مقامات پر حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر آئیں۔ اور حج یا عمرہ کریں۔ پھر اپنا کام کریں یہ بیت اللہ کی عظمت کا تقاضا ہے۔ اور اگر احرام باندھیں بغیر آگے تو اس کو دم لازم ہوگا۔ جس طرح کوئی مسجد میں آئے تو مسجد کی عظمت کا تقاضا ہے کہ پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھیں یا اور کوئی نماز پڑھیں۔

**حجہ** (۱) ان مقامات کی تصریح حدیث میں ہے عن ابن عباس قال وقت رسول الله ﷺ لاهل المدينة ذا الحليفة، ولاهل الشام الجحفة، ولاهل نجد قرن المنازل، ولاهل اليمن يلملم هن لهن ولمن اتى عليهن من غير هن ممن اراد

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا باپ ہو یا اس کا بھائی ہو یا اس کا شوہر ہو یا اس کا بیٹا ہو یا اس کا ذی رحم محرم ہو (ب) آپ فرمایا کرتے تھے عورت نہ سفر کرے تین دن کا سفر یا حج نہ کرے مگر یہ کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر ہو۔

العراق ذات عرق ولاهل الشام الجحفة ولاهل النجد قرن ولاهل اليمن  
یلملم [۶۰۸] (۴) فان قدم الاحرام على هذه المواقيت جاز [۶۰۹] (۵) ومن كان منزله

الحج والعمرة ومن كان دون ذلك فمن حيث انشاء حتى اهل مكة من مكة (الف) (بخاری شریف، باب محصل اہل مکة للحج والعمرة ص ۲۰۶ نمبر ۱۵۲۳ مسلم شریف، باب مواقيت الحج ص ۳۷۴ نمبر ۱۱۸۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یہ مقامات ان لوگوں کے لئے میقات ہیں۔ بغیر احرام کے ان سے آگے گزرنا جائز نہیں (۲) عن عائشة ان رسول الله ﷺ وقت لاهل العراق ذات عرق (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی امواقی ص ۲۵۰ نمبر ۱۷۳۹ بخاری شریف، باب ذات عرق لاهل العراق ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل عراق کے لئے میقات مقام ذات عرق ہے۔

## ﴿ میقات ﴾

ذوالحلیفہ	یہ مقام اہل مدینہ کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 410 کیلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
ذات عراق	یہ مقام اہل عراق کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 90 کیلومیٹر دور مشرق کی جانب ہے
جھہ	یہ مقام اہل شام کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 187 کیلومیٹر دور شمال کی جانب ہے
قرن	یہ مقام اہل نجد کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 80 کیلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے
یلملم	یہ مقام اہل یمن کی میقات ہے	مکہ مکرمہ سے 130 کیلومیٹر دور جنوب کی جانب ہے

[۶۰۸] (۴) پس اگر احرام ان مقامات سے پہلے باندھ لیا تو جائز ہے۔

**تشریح** اوپر جو پانچ جگہ میقات کی بیان کی گئی ہیں ان مقامات سے پہلے بھی احرام باندھ لیا تو جائز ہے، بلکہ صبر کر سکے تو افضل ہے۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قوله عز وجل واتموا الحج والعمرة لله، قال من تمام الحج ان تحرم من دويرة اهلك (ج) (سنن للبیہقی، باب من استحب الاحرام من دويرة اهلك ج ۴۵، نمبر ۸۹۲۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر گھر سے احرام باندھے تو زیادہ بہتر ہے۔

[۶۰۹] (۵) جس کا گھر میقات کے بعد ہو تو اس کی میقات حل ہے۔

**تشریح** مقام میقات کے اندر اور بیت اللہ کے ارد گرد جو حرم کا حصہ ہے اس سے باہر کو حل کہتے ہیں۔ جو لوگ میقات کے اندر رہتے ہیں ان کے لئے حج اور عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے جگہ حل ہے۔ وہ حل سے اپنا احرام باندھے۔ اس کو واپس میقات پر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حاشیہ: (الف) آپ نے میقات متعین کیا۔ مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ، شام والوں کے لئے جھہ، نجد والوں کے لئے قرن المنازل، یمن والوں کے لئے یلملم۔ یہ میقات ان لوگوں کے لئے ہیں اور ان کے علاوہ جو ان میقات سے گزریں ان میں سے جو حج اور عمرہ کا ارادہ کرتے ہوں۔ اور جو ان میقات کے اندر ہوں تو جہاں سے شروع کر رہا ہو (وہ وہ جگہ اس کی میقات ہے) یہاں تک کہ مکہ والوں کے لئے مکہ سے میقات ہے (ب) آپ نے میقات متعین کیا عراق والوں کے لئے ذات عرق (ج) حضور سے مروی ہے کہ اللہ کا قول اتموا الحج لله والعمرة لله، آپ نے فرمایا کہ حج کے اتمام میں سے یہ ہے کہ اپنے اہل کے گھر سے احرام باندھے۔

بعد المواقیت فمیقاته الحل [۶۱۰] (۶) ومن كان بمكة فمیقاته فی الحج الحرم وفی

مسئلہ نمبر ۳ میں حدیث بخاری شریف گزر چکی ہے جس کا حصہ تھا ومن كان دون ذلك فمن حيث انشأ حتى اهل مكة من مكة (بخاری شریف، نمبر ۱۵۲۲ / مسلم شریف، نمبر ۱۱۸۱) اور دوسری حدیث میں ہے فمن كان دونهن فمهل من اهل مكة وكذلك حتى اهل مكة يهلون منها (الف) (بخاری شریف، باب محل اهل الشام ص ۲۰۶ / ۲۰۷ نمبر ۱۵۲۶ / مسلم شریف، باب مواقیت الحج ص ۲۷۲ نمبر ۱۱۸۱) اس حدیث میں ہے کہ جو میقات کے اندر ہو وہ حج اور عمرہ کا احرام وہیں سے باندھیں جہاں سے وہ چل رہے ہیں یعنی حل سے۔

**نکتہ** منزل : رہنے کی جگہ، گھر۔

[۶۱۰] (۶) جو مکہ مکرمہ میں ہو اس کی میقات حج کے لئے حرم ہے اور عمرہ کے لئے حل ہے۔

**ترجمہ** اہل مکہ کے لئے اور وہ لوگ جو مکہ میں آکر کچھ دنوں ٹھہر گئے ہیں ان کے لئے حج کے لئے میقات حرم ہے۔ اس کی دلیل اوپر حدیث میں گزری فمن كان دونهن فمهل من اهل مكة وكذلك حتى اهل مكة يهلون منها (بخاری شریف، باب محل اهل الشام ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۲۶ / مسلم شریف نمبر ۱۱۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ حج کا احرام مکہ ہی سے باندھیں گے۔ ان کو حل جانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن عمرہ کا احرام حل سے باندھیں گے۔ کیونکہ حضرت عائشہ جو مکہ میں آکر مقیم ہوئیں اور گویا کہ مکی ہو گئیں لیکن عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے ان کو تنعیم جانے کے لئے کہا جو حرم سے باہر حل میں ہے۔ اور آج کل وہاں مسجد عائشہ موجود ہے۔ حدیث میں ہے حدثنی جابر بن عبد اللہ ان النبی ﷺ اهل واصحابه ... قالت يا رسول الله اتنطلقون بحجة وعمره وانطلق بالحج؟ فامر عبد الرحمن بن ابی بکر ان يخرج معها الى التنعيم فاعتمرت بعد الحج في ذي الحجة (ب) (بخاری شریف، باب عمرہ التنعيم، کتاب العمرہ ص ۲۴۰ نمبر ۸۵ / ابو داؤد شریف، باب المہلۃ بالعمرة تجبض ص ۲۸۰ نمبر ۱۹۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ نے عمرہ کے لئے تنعیم سے جا کر احرام باندھا جو حل میں ہے۔ اس لئے کہ عمرہ کے لئے حل سے احرام باندھیں گے۔

**نوٹ** میقات سے بغیر احرام کے گزرے گا تو دم لازم ہوگا۔

**ترجمہ** رای ابن عباس یرو من جاوز المواقیت غیر محرم (ج) (سنن للبیہقی، باب من مر بالمیقات یرید حجا وعمرۃ ج خاص ص ۴۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ میقات سے گزر جائے اس کو میقات پر واپس کیا جائے۔ کیونکہ بغیر احرام کے آگے نہیں گزرنا چاہئے۔ دوسرے اثر میں ہے عن عبد اللہ بن عباس انه قال من نسی من نسكه شيئا او تركه فليهرق دما (د) (سنن للبیہقی، باب من مر بالمیقات

حاشیہ : (الف) اور جو میقات کے اندر ہو تو جہاں سے چلے گا وہاں سے اتران باندھے۔ یہاں تک کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھے۔ (ب) حضرت عائشہ فرماتے لگی اے اللہ کے رسول! آپ حضرات حج اور عمرہ کے ساتھ جائیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ جاؤں گی۔ تو آپ نے عبد الرحمن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہ کے ساتھ تنعیم تک جائے تو میں نے حج کے بعد ذی الحجہ میں عمرہ کیا (ج) حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ جائے اس کو واپس کیا جائے (د) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جو حج کے نسک میں سے کچھ بھول جائے یا چھوڑ دے تو خون بہانا چاہئے یعنی دم دے۔

العمرة الحل [۶۱۱] (۷) واذا اراد الاحرام اغتسل او توضأ والغسل افضل ولبس ثوبين جديدين او غسيلين ازارا و رداء ومس طيبا ان كان له وصلى ركعتين وقال اللهم اني اريد الحج فيسره لي وتقبله مني ثم يلبى عقيب صلوة.

پریدجا و عمرہ حج خاص ص ۴۴، نمبر ۸۹۲۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر میقات پر احرام باندھے بغیر گزرا تو اس کو دم دینا ہوگا۔  
[۶۱۱] (۷) جب احرام کا ارادہ کرے تو غسل کرے یا وضو کرے البتہ غسل افضل ہے۔ اور دو نئے کپڑے پہنے یا دونوں دھوئے ہوئے ہوئے ہو۔ لنگی ہو اور چادر ہو۔ اور خوشبو لگائے اگر اس کے پاس ہو اور دو رکعت نماز پڑھے۔ اور اللهم انی اريد الحج فيسره لي وتقبله مني پڑھے، پھر نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

**شرح** احرام باندھتے وقت یہ چھ سنتیں ہیں۔ (۱) وضو کرے یا غسل کرے۔ البتہ غسل بہتر ہے (۲) دو نئے کپڑے پہنے (۳) خوشبو لگائے (۴) دو رکعت نماز پڑھے (۵) اور حج یا عمرہ کی نیت کرے (۶) نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

**مجا** حدیث میں ہے آپ نے احرام کے لئے غسل فرمایا عن ابن عباس قال اغتسل رسول الله ثم لبس ثيابه فلما اتى ذالحليفة صلى ركعتين ثم قعد على بعيره فلما استوى به على البیداء احرم بالحج (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۱۹ نمبر ۲۴۰۸ سنن للبیہقی، باب الغسل للاهلال ج خاص ص ۴۹، نمبر ۸۹۲۵) ترمذی شریف، باب ما جاء في الاغتسال عند الاحرام ص ۱۷ نمبر ۸۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے لئے غسل کرے یہ بہتر ہے۔ البتہ سہولت نہ ہونے پر وضو بھی کافی ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ احرام کے کپڑے پہنے (۲) حدیث میں ہے عن عبد الله بن عباس قال انطلق النبي ﷺ من المدينة بعد ما ترجمل وادهن ولبس ازاره و رداءه هو واصحابه فلم ينه عن شيء من الاردية والازر (ب) (بخاری شریف، باب بالبیس المحرم من الثياب والاردية والازر ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑے ازار اور چادر پہنے۔ لنگی کرے اور تیل یعنی خوشبو لگائے عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت مكنت اطيب رسول الله لاحرامه حين يحرم ولحله قبل ان يطوف بالبيت (ج) (بخاری شریف، باب الطيب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام سے پہلے خوشبو لگائے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ ایسی خوشبو نہ لگائے جس کا جرم احرام کے بعد ہے۔ کیونکہ اگر خوشبو کا جرم احرام کے بعد باقی رہا تو احرام کے بعد خوشبو سے فائدہ اٹھانا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے ایسی خوشبو لگانا جائز نہیں جس کا جرم بعد میں باقی رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے عن عائشة قالت كاني انظر الى وبيض الطيب في مفارق رسول الله ﷺ وهو محرم (د) (بخاری شریف،

حاشیہ : (الف) آپ نے غسل کیا پھر کپڑے پہنے۔ پس جب ذوالخليفة آئے تو دو رکعت نماز پڑھی پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ پس جب مقام بیداء پر چڑھے تو حج کا احرام باندھا (ب) آپ مدینہ سے چلے اس کے بعد کہ لنگی کی، تیل لگایا اور ازار پہنی اور چادر پہنی، وہ اور اس کے ساتھی تو آپ نے ازار اور چادر سے نہیں روکا (ج) میں حضور کو احرام کے لئے خوشبو لگاتی جس وقت آپ احرام باندھتے اور اس سے حلال ہونے کے لئے بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے (د) گویا کہ میں حضور کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیک رہی ہوں اس حال میں کہ آپ محرم تھے۔



[۶۱۲] (۸) فان كان مفردا بالحج نوى بتلبية الحج والتلبية ان يقول ليك اللهم ليك ليك لا شريك لك ليك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك ولا ينبغي ان يخل بشيء من هذه الكلمات فان زاد فيها جاز [۶۱۳] (۹) فاذا لبى

باب الطيب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے بعد خوشبو کا جرم باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ دو رکعت نماز پڑھے اس کی دلیل پیچھے دارقطنی کی حدیث گزری عن ابن عباس ان النبی ﷺ اهل فی دبر الصلوة (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء متی احرام النبی ﷺ ص ۱۶۹ نمبر ۸۱۹/ ابوداؤد شریف، باب فی وقت الاحرام ص ۲۵۳ نمبر ۱۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام باندھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنا سنت ہے۔ اللهم انی ارید الحج فیسره لی الخ یہ نیت ہے اور ہر عبادت کے لئے نیت ضروری ہے۔ اس لئے یہ نیت کرے اور آسانی اور قبولیت کے لئے دعا بھی کرے۔ اوپر کی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز کے بعد تلبیہ پڑھے۔

[۶۱۲] (۸) پس اگر مفرد بالبحر ہے تو تلبیہ پڑھ کر حج کی نیت کرے، اور تلبیہ یہ ہے کہ لیك اللهم ليك الخ (ترجمہ اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، حاضر ہوں آپ کے لئے کوئی شریک نہیں ہے، حاضر ہوں۔ تمام تعریفیں اور نعمت آپ کے لئے ہے اور ملک آپ کے لئے ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں) نہیں مناسب ہے کہ ان کلمات میں سے کچھ کم کرے، پس اگر زیادہ کرے تو جائز ہے۔

**شرح** حج کی نیت کر کے تلبیہ پڑھیں گے تو احرام باندھا چکا جائے گا۔

**نوٹ** اوپر جو تلبیہ ذکر کیا گیا ہے اس میں زیادتی بھی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ذکر ہے۔ اور ذکر میں زیادتی کرنا جائز ہے البتہ کمی کرنا ٹھیک نہیں۔

**ج** عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ كان اذا استوت به راحلته قائمة عند مسجد ذوالحليفة اهل فقال ليك اللهم ليك ليك لا شريك لك ليك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك. قالوا وكان عبد الله بن عمر يقول هذه تلبية رسول الله ﷺ قال قال نافع كان عبد الله يزيد مع هذا ليك ليك وسعديك والخير بيدك ليك والربغاء اليك والعمل (ب) (مسلم شریف، باب التلبیة وصفحتها وفتحها ص ۳۷۵ نمبر ۱۸۴) بخاری شریف، باب التلبیة ص ۲۱۰ نمبر ۱۵۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تلبیہ کس طرح پڑھے۔ اور عبد اللہ بن عمر کے عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کی تلبیہ کے علاوہ کچھ کلمات کی زیادتی بھی کی جاسکتی ہے۔

[۶۱۳] (۹) پس جب کہ تلبیہ پڑھا تو احرام باندھ لیا۔

**شرح** احرام کے کپڑے پہن کر حج یا عمرہ کی نیت کر کے تلبیہ پڑھے گا تو احرام باندھا چلا جائے گا۔

حاشیہ: (الف) حضور احرام باندھتے نماز کے بعد (ب) حضور جب سواری پر ٹھیک سوار ہو جاتے مسجد ذوالحلیفہ کے پاس تو احرام باندھتے اور کہتے لیك الخ۔ عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ یہ حضور کا تلبیہ ہے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر اس کے ساتھ لیك سعدیک والخیر بیدیک لیك والربغاء الیک والعمل زیادہ کرتے۔

فقد احرم [۶۱۴] (۱۰) فلیتق ما نهی الله عنه من الرفث والفسوق والجدال  
[۶۱۵] (۱۱) ولا یقتل صیدا ولا یشیر الیه ولا یدل الیه.

**ترجمہ** تبلیہ پڑھنے کو ہی احرام باندھنا کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی ﷺ فی حجة الوداع ... واهلی بالحج ودعی العمرة (الف) (بخاری شریف، باب کیف تهل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث میں اہلی بالبحج کا ترجمہ ہے کہ حج کا احرام باندھ لو اور یہ بھی ہے کہ حج کا تبلیہ پڑھو۔ اس لئے احرام باندھنے کے لئے تبلیہ پڑھنا واجب ہے۔ تفسیر طبری میں فمن فرض فیہن الحج قال من اهل بحج (ب) (تفسیر طبری ج ۲ ص ۱۵۲) اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تبلیہ پڑھا ہی احرام باندھنا ہے۔ اس لئے احرام کی نیت کر کے تبلیہ پڑھے گا تو احرام باندھا چلا جائے گا۔

[۶۱۴] (۱۰) پس بچے ان چیزوں سے جس سے اللہ نے منع کیا ہے، مثلاً جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتیں۔

**تشریح** اللہ نے محرم کو جماع، جھگڑے اور فسق کی باتیں کرنے سے منع کیا ہے۔ محرم احرام کی حالت میں ان باتوں سے پرہیز کرے۔

**ترجمہ** فمن فرض فیہن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج (ج) (آیت ۱۹ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو احرام باندھے اس کو جماع کی باتیں، فسق کی باتیں اور جھگڑے کی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

**نکتہ** الرفث : جماع کی باتیں۔ الفسوق : فسق کی باتیں۔ الجدال : جھگڑے کی باتیں۔

[۶۱۵] (۱۱) شکار کو نہ قتل کرے نہ اس کی طرف اشارہ کرے اور نہ اس پر رہنمائی کرے۔

**تشریح** شکار کا قتل کرنا، اس کی طرف اشارہ کرنا اور اس کی طرف رہنمائی کرنا سب محرم کے لئے حرام ہیں۔

**ترجمہ** احرام کی حالت میں شکار کرنا اس آیت سے حرام ہے احل لکم صید البحر و طعامہ متاعا لکم وللسیارة و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما (د) (آیت ۹۶ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سمندر کا شکار کرنا احرام کی حالت میں جائز ہے۔ لیکن خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں ہے۔ اور شکار کی طرف اشارہ کرنا یا رہنمائی کرنا جائز نہیں اس کی دلیل ان احادیث میں ہے عبد اللہ بن ابی قتادہ ان اباہ اخبرہ ان رسول اللہ خرج حاجا فخرجوا معہ ... فاکلنا من لحمہا (لحم الصيد) ثم قلنا انا کل لحم صید و نحن محرمون فحملنا ما بقی من لحمہا قال امنکم احد امرہ ان یحمل علیہا او اشار الیہا؟ قالوا لا قال فکلوا ما بقی من لحمہا (د) (بخاری شریف، باب لا یشیر المحرم الی الصيد لکی یستادہ التحلل ص ۲۳۶ نمبر ۱۸۲۴) اور مسلم میں ہے هل منکم احد امرہ او

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے... آپ نے فرمایا حج کا احرام باندھو اور عمرہ چھوڑ دو (ب) تفسیر طبری میں ہے فن فرض فممن الحج میں فرمایا کہ جس نے حج کا احرام باندھا (ج) جس نے حج فرض کیا تو نہ جماع کی بات کرے نہ فسق کی بات کرے اور نہ حج میں جھگڑا کرے (د) تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا حلال کیا گیا ہے جو تمہارے لئے سامان ہے اور سفر کرنے والوں کے لئے۔ اور تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم رہو (د) حضور حج کے لئے نکلے تو لوگ بھی ان کے ساتھ نکلے۔ ہم نے شکار کا گوشت کھایا تو ہم نے کہا کہ ہم نے شکار کا گوشت کھایا حالانکہ ہم محرم ہیں۔ تو جو گوشت باقی تھا اس کو لیکر حضور کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے ابو قحافہ کو حکم دیا تھا کہ شکار پر حملہ کرے یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۱۶] (۱۲) ولا یلبس قمیصا ولا سراویل ولا عمامة ولا قلنسوة ولا قباء ولا خفین الا ان لا یجد نعلین فیقطعهما من اسفل الکعبین [۶۱۷] (۱۳) ولا یغطی رأسه ولا وجهه.

اشار الیہ بشیء قال قانونا لا قال فکلوا ما بقی من لحمها (الف) (مسلم شریف، باب تحریم الصيد الماکول البری او ما اصلہ ذلک علی الحرم، کتاب الحج ص ۳۸۱ نمبر ۱۹۶/۲۸۵۵) احادیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے شکار کی طرف اشارہ کرنا یا رہنمائی کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

[۶۱۶] (۱۲) محرم نہ پہنے قمیص، نہ پانجامہ، نہ عمامہ، نہ ٹوپی، نہ قباء، نہ موزے مگر یہ کہ نہ پائے چپل تو اس کو ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دے۔  
**تشریح** اصول یہ ہے کہ مرد محرم سلا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ یہ سب سلے ہوئے کپڑے ہیں اس لئے ان کو نہ پہنے۔ اس میں ہے کہ موزہ بھی نہ پہنے کیونکہ موزہ بھی سلا ہوا ہوتا ہے۔ البتہ چپل نہ ہو تو موزہ کو ٹخنے سے نیچے کاٹ دے تاکہ چپل کی طرح ہو جائے پھر اس کو پہن سکتا ہے۔

**وجہ** اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمر ان رجلا قال یا رسول اللہ مایلبس المحرم من الثیاب؟ قال رسول اللہ ﷺ لا یلبس القمیس ولا العمام ولا السراویلات ولا البرانس ولا الخفاف الا احد لا یجد نعلین فلیلبس خفین ولیقطعهما اسفل من الکعبین ولا تلبسوا من الثیاب شیئا مسہ زعفران او ورس (ب) (بخاری شریف، باب ما لا یلبس المحرم من الثیاب ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۴۲/۱۵۴۲) مسلم شریف، باب ما یباح للمحرم کج او عمرۃ لیسہ و ما لا یباح ص ۲۳۷/۳۷۳ نمبر ۷۷۱/۱۱۱ ابوداؤد شریف، باب ما یلبس المحرم نمبر ۱۸۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قمیص، عمامہ، پانجامہ اور ٹوپی پہننا جائز نہیں ہے۔ عمامہ اگرچہ سلا ہوا نہیں ہوتا لیکن اس سے سر ڈھکا جاتا ہے اور مرد محرم کے لئے سر ڈھانکنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے پگڑی پہننا جائز نہیں۔ اسی طرح زعفران اور ورس سے رنگا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں خوشبو ہوتی ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں۔ البتہ اس کو دھو کر خوشبو ختم کر دی جائے تو پھر پہننا جائز ہوگا۔ اسی طرح موزے پہننا جائز نہیں ہے البتہ اگر چپل نہ ملے تو اس کو کاٹ کر چپل کی طرح بنا لے اور پہن لے۔

[۶۱۷] (۱۳) محرم نہ سر ڈھانکے اور نہ چہرہ ڈھانکے

**وجہ** سر نہ ڈھانکنے کی حدیث مسئلہ نمبر ۱۲ میں گزر چکی ہے ولا العمام ولا البرانس کہ پگڑی نہ پہنے اور ٹوپی نہ پہنے۔ کیونکہ ان سے سر ڈھنک جاتا ہے (۲) اور عورت کے چہرے پر کپڑا نہ آئے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر عن النبی ﷺ المحرمۃ لا تستنقب ولا تلبس القفازین (ج) (ابوداؤد شریف، باب ما یلبس المحرم ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۲۶) اس حدیث میں ہے کہ محرمہ عورت نقاب نہ

حاشیہ: (پچھلے صفحے سے آگے) فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جو اس کا گوشت باقی رہ گیا ہے اس کو کھاؤ۔ (الف) کیا تم میں سے کسی نے ابوقادہ کو حکم دیا تھا یا شکاری طرف کچھ اشارہ کیا؟ صحابہ نے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جو گوشت باقی رہا ہے اس کو کھاؤ۔ (ب) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! محرم کون سا کپڑا پہنے؟ آپ نے فرمایا قمیص نہ پہنے، نہ پگڑی باندھے، نہ پانجامہ پہنے، نہ ٹوپی پہنے، نہ موزہ پہنے مگر یہ کہ کوئی چپل نہ پائے تو دونوں موزے پہنے اور دونوں ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دے۔ اور کوئی بھی ایسا کپڑا نہ پہنے جس کو زعفران یا ورس لگا ہو (ج) حضرت عبد اللہ بن عمر حضور سے نقل کرتے ہیں کہ محرمہ عورت نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے پہنے۔

[۶۱۸] (۱۴) ولا یمس طيبا [۶۱۹] (۱۵) ولا یحلق رأسه ولا شعر بدنه ولا یقص من لحيته ولا من ظفره [۶۲۰] (۱۶) ولا یلبس ثوبا مصبوغا بورس ولا بزعفران ولا بعصفر

کرے کیونکہ اس سے چہرہ ڈھنک جاتا ہے (۳) حدیث میں ہے عن عائشة قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ ﷺ محرمات، فاذا حاذوا بنا سدلنا احدثانا جلبابها من رأسها علی وجهها فاذا جاوزونا كشفناه (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی المحرمۃ تقطعی وجهها ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرمہ عورت کے سامنے اجنبی مرد آئے تو چہرہ پر اس طرح دور سے کپڑا ڈالے کہ چہرے پر کپڑا نہ لگے، پھر مرد کے جانے کے بعد چہرہ سے کپڑا ہٹالے۔

[۶۱۸] (۱۴) اور محرم خوشبو نہ لگائے۔

بخاری ص ۱۱۸۰ نمبر ۳۷۴۲ بخاری شریف، باب غسل الخلو ف ثلاث مرات من الثياب ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں ہے۔ اوپر بھی ایک حدیث گزری جس میں تھا ولا تلبسوا من الثياب شيئا مہ زعفران اور ورس جس سے معلوم ہوا کہ زعفران اور ورس میں خوشبو ہوتی ہے۔ اس لئے ایسا کپڑا پہننا جائز نہیں۔

[۶۱۹] (۱۵) سر کو حلق نہ کرائے اور نہ بدن کے بال کو کاٹے اور نہ ڈاڑھی کو کتر وائے اور نہ ناخن کتر وائے۔

آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسکم حتی يبلغ الهدى محلہ فمن کان منکم مریضا او به اذا من رأسه ففدية من صیام او صدقة او نسک (ج) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ محرم کو سر کے بال یا بدن کے بال نہیں کٹوانا چاہئے۔ اگر بال کٹوائے تو صدقہ دینا ہوگا یا روزے رکھنے ہو گئے یا دم دینا ہوگا۔ ناخن کے بارے میں یہ اثر ہے عن الحسن و عطاء قال اذا انکسر ظفره قلمه من حیث انکسر وليس علیه شیء فان قلمه من قبل ان انکسر فعليه دم (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲ فی المحرم یقص ظفره ج ۳ ص ۱۳۰، نمبر ۱۷۷۵۶)

نفت یقص : کتر وانا، کاٹنا۔

[۶۲۰] (۱۶) اور نہ پہنے ورس سے رنگا ہوا کپڑا اور نہ زعفران سے اور نہ کسم سے رنگا ہوا مگر یہ کہ دھویا ہوا ہو چاہے رنگ نہ چھڑا ہو [تشریح] ان رنگوں میں خوشبو ہوتی ہے اور محرم کے لئے خوشبو لگانا جائز نہیں اس لئے ان رنگوں سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ البتہ کپڑا دھویا گیا ہو تو جائز ہے

حاشیہ (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہمارے سامنے سے سوار گزرتے اور ہم محرمہ ہوتیں حضور کے ساتھ، پس جب وہ ہمارے سامنے ہوتے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی چادر نکالتی اپنے سر سے اپنے چہرے پر۔ پس جب ہم سے گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے (ب) آپ نے فرمایا اپنا جبہ کھول لو اور جو تمہارے اوپر خلوق کا اثر ہو اس کو دھو لو (ج) اپنے سر کو حلق مت کراؤ یہاں تک کہ ہڈی اپنی جگہ پر پہنچ جائے تو تم میں سے جو مریض ہو یا اس کو سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزے سے صدقہ سے یا دم سے۔

الا ان يكون غسिला ولا ينفض الصبغ [۶۲۱] (۱۷) ولا بأس بان يغتسل ويدخل الحمام [۶۲۲] (۱۸) ويستظل بالبيت والمحمل.

چاہے رنگ نہ گیا ہو لیکن خوشبو ختم ہوگئی ہو تو جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ مقصود خوشبو کا ختم کرنا ہے رنگ کا جرم ختم کرنا نہیں ہے۔

**بخاری** (۱) عن عبد الله بن عمر ان رجلا قال يا رسول الله ما يليس المحرم من الثياب ... ولا تلبسوا من الثياب شيئا مسه زعفران او ورس (الف) (بخاری شریف، باب ما لا يليس المحرم من الثياب ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۳۲ / مسلم شریف، باب ما يباح للمحرم وبيان تخريم الطيب عليه ص ۳۷۲ / ۳۷۳ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ورس اور زعفران اور عصفر سے رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے۔ البتہ خوشبو دھل گئی ہو تو پہننا جائز ہے۔ اس کی دلیل اس حدیث میں ہے (۲) ان صفوان بن يعلى قال لعمر اني النبي ﷺ ... فقال اغسل الطيب الذي بك ثلث مرات وانزع عنك الجبة (ب) (بخاری شریف، باب غسل الخلو ف ثلث مرات من الثياب ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کپڑا دھو لے جس سے خوشبو ختم ہو جائے تو پہن سکتا ہے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں عصفر سے رنگا ہوا کپڑا پہن سکتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ عصفر میں خوشبو نہیں ہوتی (۲) ولبست عائشة الثياب المعصفر ة وهي محرمة وقال جابر لا اري المعصفر طيبا (ج) (بخاری شریف، باب ما يليس المحرم من الثياب والارديہ ص ۲۰۹ نمبر ۱۵۳۵) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ عصفر رنگ میں خوشبو نہیں ہوتی۔ [۶۲۱] (۱۷) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم غسل کرے اور غسلخانہ میں داخل ہو۔

**بخاری** ان عبد الله بن عباس والمصور بن مخرمة اختلفا بالابواء فقال ابن عباس يغسل المحرم رأسه ... قال فصب على رأسه ثم حرك ابو ايوب رأسه بيديه فاقبل بهما وادبر ثم قال هكذا رأيتنه يفعل (د) (ابوداؤد شریف، باب المحرم يغتسل ص ۲۶۲ نمبر ۱۸۴۰ / مسلم شریف، باب جواز غسل المحرم بدنه ورأسه ص ۳۸۳ نمبر ۱۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم غسل کر سکتا ہے۔ اور غسل کر سکتا ہے تو غسلخانہ میں بھی داخل ہو سکتا ہے۔

[۶۲۲] (۱۸) گھر سے اور کجاوہ سے سایہ حاصل کر سکتا ہے۔

**بخاری** گھر سے یا کجاوہ سے سایہ حاصل کرنے میں سر پر کپڑا رکھنا نہیں ہے۔ خیمہ بھی ہوگا تو سر سے دور ہوگا اس لئے سایہ حاصل کرنا جائز ہے۔ نیز اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے (۲) حدیث میں ہے عن ام الحصين حدثته قالت حججنا مع النبي ﷺ حجة الوداع فرأيت اسامة وبلا لا واحدهما اخذ بخطام ناقة النبي ﷺ والآخر رافع ثوبه يستره من الحر حتى رمى جمرة العقبة

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول! محرم کون سا کپڑا پہنے... مت پہنوا کیا کپڑا جس میں زعفران یا ورس رنگ لگا ہو (ب) آپ نے فرمایا اس خوشبو کو جو لگی ہے تین مرتبہ دھوؤ۔ اور اپنے سے جہ کھول دو (ج) حضرت عائشہ نے عصفر لگا ہوا کپڑا پہنا حال یہ ہے کہ وہ محرم تھی، اور جاہڑ نے فرمایا عصفر میں خوشبو نہیں سمجھتا (د) حضرت عبد اللہ ابن عباس اور مسور بن مخزوم نے مقام ابواء میں اختلاف کیا۔ عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ محرم سر کو دھو سکتا ہے... حضرت ابو ایوب نے سر پر پانی بہایا پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر حرکت دی پھر اس کو آگے پیچھے کیا پھر فرمایا اس طرح حضور کو کرتے ہوئے دیکھا۔

[۶۲۳] (۱۹) ویشد فی وسطه الهمیان [۶۲۴] (۲۰) ولا یغسل رأسه ولا لحیته بالخطمی [۶۲۵] (۲۱) ویکثر من التلبیة عقیب الصلوات کلما علا شرفا او هبط وادیا

(الف) (ابوداؤد شریف، باب فی الحرم یظلل ص ۲۶۱، ۲۶۲ نمبر ۱۸۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم سایہ حاصل کر سکتا ہے۔ کیونکہ حضورؐ نے کپڑے سے سایہ حاصل کیا۔

[۶۲۳] (۱۹) محرم کمر میں ہمیانی باندھ سکتا ہے۔

**تشریح** ہمیانی سلی ہوئی تھیلی ہوتی ہے جس میں محرم روپیہ رکھتا ہے۔ چونکہ روپیہ رکھنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس کی گنجائز ہے (۲) ہمیانی جسم میں پہنی نہیں جاتی صرف باندھی جاتی ہے۔ اس لئے کوئی حرج نہیں ہے (۳) اثر میں ہے سالت ابا جعفر و عطاء عن الهمیان للمحرم فقال لا بأس به (ب) (بخاری شریف، باب الطیب عند الاحرام ص ۲۰۸ نمبر ۱۵۳۷ مصنف ابن ابی شیبہ ۴۳۴ فی الهمیان للمحرم ج ثالث ص ۳۹۳، نمبر ۱۱۵۴۴ اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم ہمیانی باندھ سکتا ہے۔

[۶۲۴] (۲۰) اپنے سر کو اور ڈاڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔

**مذ** خطمی سے صفائی بہت ہوتی ہے اور حاجی کو پراگندہ رہنا بہتر ہے اس لئے سر اور ڈاڑھی کو خطمی سے نہ دھوئے۔ نیز اس میں تھوڑی خوشبو بھی ہوتی ہے اس لئے بھی اس کو استعمال کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پراگندہ رہنے کے لئے یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قام رجل الى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ما يوجب الحج؟ قال الزاد والراحلة قال يا رسول الله فما الحج قال الشعث التفل (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ما یوجب الحج ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاجی کو پراگندہ ہونا چاہئے۔

**نکتہ** خطمی : ایک قسم کی چیز ہے جس کو اردو میں گل خیر کہتے ہیں۔ اس سے بال وغیرہ صاف کئے جاتے ہیں اور تھوڑی سے خوشبو بھی ہوتی ہے۔

[۶۲۵] (۲۱) نماز کے بعد کثرت سے تلبیہ پڑھے، یا وادی میں اترے یا قافلہ والوں سے ملاقات ہو اور صبح کے وقت دو رکعت نماز کے بعد جب احرام باندھے اس کے بعد کثرت سے ہر وقت تلبیہ پڑھتا رہے۔ بلندی پر چڑھتے وقت، وادی میں نیچے اترتے وقت، قافلوں سے ملاقات کے وقت اور سحری کے وقت خصوصی طور پر بار بار تلبیہ پڑھے۔

**مذ** احرام میں تلبیہ نماز میں تکبیر کی طرح ہے۔ جس طرح نماز میں اٹھتے اور بیٹھتے وقت تکبیر کہی جاتی ہے اسی طرح اٹھتے اور بیٹھتے وقت تلبیہ پڑھی جائے گی (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قام رجل الى النبي ﷺ فقال يا رسول الله ما يوجب الحج؟ قال

حاشیہ : (الف) ام الحسین بیان کرتی ہیں کہ ہم نے حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں حج کیا تو اسامہ اور بلال اور ان میں سے ایک کو دیکھا کہ حضور کی اونٹنی کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔ اور دوسرا کپڑا اٹھا کر غری سے آپ کو پردہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ حجرۃ العقبہ کیا (ب) حضرت ابو جعفر اور عطاء سے محرم کے لئے ہمیانی کے بارے میں پوچھا؟ تو فرمایا کہ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے (ج) ایک آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ فرمایا توشہ اور کجاوہ کے مالک ہونے سے۔ پوچھا حج کیسا ہونا چاہئے؟ فرمایا پراگندہ اور نکھرے بالوں والا۔

او لقی رکبانا وبالا سحر [۶۲۶] (۲۲) فاذا دخل بمكة ابتداً بالمسجد الحرام فاذا عاين البيت کبر وهلل ثم ابتداً بالحجر الاسود فاستقبله وکبر وهلل.

الزاد والراحلة قال يا رسول الله فما الحج؟ قال الشعث التفل وقام آخر فقال يا رسول الله وما الحج قال العج والنسج قال وکيع یعنی بالعج العجيج بالتلبية والنسج نحر البدن (الف) (ابن ماجه شریف، باب ما یوجب الخ ص ۴۱۹، نمبر ۲۸۹۶) اس حدیث میں ہے الخ جس کا ترجمہ خود حضرت وکیع نے فرمایا بار بار تلبیہ پڑھنا۔ اس لئے بار بار تلبیہ پڑھنا بہتر ہے۔

**نفت** شرفا : بلند مقام۔ هبط : نیچے اترنا۔

[۶۲۶] (۲۲) پس جبکہ مکہ میں داخل ہو تو مسجد حرام سے شروع کرے، پس جبکہ بیت اللہ نظر آئے تو تکبیر کہے اور لا الہ الا اللہ پڑھے پھر حجر اسود سے شروع کرے اور اس کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے۔

**تشریح** مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد سب سے پہلا کام طواف قدوم کی تیاری کرنا ہے۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے بعد مسجد حرام جائے اور بیت اللہ نظر آئے تو اس کی تعظیم کے لئے تکبیر اور تہلیل کہے پھر حجر اسود کا استقبال کرے اور تکبیر و تہلیل کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو چومے۔

**مجموع** اخبر تنسی عائشة ان اول شيء بدأ به حين قدم النبي ﷺ انه توضأ ثم طاف (ب) (بخاری شریف، باب من طاف بالبيت اذا قدم مكة قبل ان يرجع الى بيته ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۴، مسلم شریف، باب بيان ان الحرم بعمرة لا تحلل بالطواف قبل الاسحى ص ۴۰۵ نمبر ۱۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ آنے کے بعد سب سے پہلے طواف بیت اللہ کرے۔ بیت اللہ دیکھتے ہی تکبیر و تہلیل کہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن جريح ان النبي ﷺ كان اذا راى البيت رفع يديه وقال اللهم زد هذا البيت تشريفاً وتعظيماً الخ (ج) (سنن للبيهقي، باب القول عند رؤية البيت ج خامس ص ۱۱۸، نمبر ۹۲۱۳، ترمذی شریف، باب ما جاء كراهية رفع اليد عند رؤية البيت ص ۸۷ نمبر ۸۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ دیکھتے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے۔

**فائدہ** دوسری حدیث میں ہے کہ بیت اللہ دیکھتے وقت ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے (ترمذی شریف، باب فی کراہیة رفع اليد عند رؤية البيت ص ۱۷۴ نمبر ۸۵۵، سنن للبيهقي، نمبر ۹۲۱۱) (۲) دوسری حدیث میں ہے عن عمر بن خطاب قال قال رسول الله ﷺ يا عمر! انك رجل قوى لا تؤذ الضعيف اذا اردت استلام الحجر فان خلالك فاستلمه والا فاستقبله وکبر (د) (سنن للبيهقي، باب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی حضور کے سامنے کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ! حج کس چیز سے واجب ہوتا ہے؟ فرمایا تو شہادہ اور کباہہ سے۔ پوچھا اے اللہ کے رسول حاجی کیسا ہونا چاہئے؟ فرمایا پراگندہ اور بکھرے بالوں والا۔ دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہ! حج کیا ہے؟ فرمایا تلبیہ پڑھنا اور خون بہانا (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور جب مکہ تشریف لائے تو سب سے پہلی چیز جو شروع کی یہ کہ وضو کیا اور بیت اللہ کا طواف کیا (ج) حضور جب بیت اللہ دیکھتے تو ہاتھ اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے اللهم الخ (د) آپ نے فرمایا اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، کمزور کو تکلیف نہ دینا۔ جب تم پتھر کو چومنا چاہو پس اگر جگہ خالی ہو تو حجر اسود کو چوم لو ورنہ تو اس کا استقبال کرو اور تکبیر کہو۔

[۶۲۷] (۲۳) ورفع يديه مع التكبير واستلمه وقبله ان استطاع من غير ان يؤذى مسلماً [۶۲۸] (۲۴) ثم اخذ عن يمينه ما يلي الباب [۶۲۹] (۲۵) وقد اضطبع رداءه قبل ذلك.

الاستلام في الزحام ج خاص ص ۱۳۰، نمبر ۹۲۶۱/ بخاری شریف، باب تقبيل الحجر، ص ۲۱۹ نمبر ۱۶۱۰/ اس سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور موقع ہو تو حجر اسود کو چومے۔

[۶۲۷] (۲۳) تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھائے اور حجر اسود کو چومے اور اس کو بوسہ دے اگر کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر ممکن ہو۔

**تشریح** کسی مسلمان کو تکلیف دیئے بغیر حضر اسود کو چومنا ممکن ہو تو چومے اور اگر تکلیف دیئے بغیر ممکن نہ ہو تو نہ چومے صرف ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور آگے بڑھ جائے۔

**وجہ** اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضرت عمر کو آپؐ نے فرمایا یا عمر انک رجل قوى لا تؤذ الضعیف اذا اردت استلام الحجر فان خلالك فاستلمه والا فاستقبله وکبر (الف) (سنن للبیہقی، باب الاستلام فی الزحام ج خاص ص ۱۳۰، نمبر ۹۲۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بھیڑ نہ ہو تو حجر اسود کو چومے اور اگر بھیڑ ہو اور لوگوں کو تکلیف ہونے کا خطرہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہے اور آگے چلا جائے۔ [۶۲۸] (۲۴) پھر بیت اللہ کے دروازہ کے پاس سے دائیں جانب سے شروع کرے۔

**وجہ** عن جابر قال لما قدم رسول الله مكة دخل المسجد فاستلم الحجر ثم مضى على يمينه فرمل ثلاثا ومشى اربعا (ب) (نسائی شریف، باب کیف یطوف اول ما یقدم علی ای شقیه یا خذ ج ثانی ص ۳۰ نمبر ۲۹۴۲/ بخاری شریف، باب استلام الحجر الاسود ج ۱ ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کی دائیں جانب سے طواف شروع کرے اور طواف قدم میں تین پہلے میں رمل کرے اور باقی چار میں اپنی بیت پر چلے۔

[۶۲۹] (۲۵) اس سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کیا ہو۔

**تشریح** جب طواف قدم کرے گا تو اپنی چادر کا اضطباع کرے گا۔ اضطباع کا مطلب یہ ہے کہ چادر دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دے۔

**وجہ** عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ واصحابه اعتمروا من الجعرانة فرملوا بالبيت وجعلوا ارديتهم تحت ابا طهم قد قذفوها على عواتقهم اليسرى (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاضطباع فی الطواف ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف شروع کرنے سے پہلے اپنی چادر کا اضطباع کرے۔

حاشیہ : (الف) اے عمر! تم طاقتور آدمی ہو، کمزور کو تکلیف نہ دینا۔ جب تم پتھر کو چومنا چاہو پس اگر جگہ خالی ہو تو حجر اسود کو چوم لو ورنہ تو اس کا استقبال کرو اور تکبیر کہو (ب) جب حضور مکہ آئے تو مسجد حرام میں داخل ہوئے اور حجر اسود کو چوما اور دائیں جانب سے گزرے۔ پس تین پہلے شوط میں رمل کیا اور چار میں اپنی بیت پر چلے (ج) حضورؐ اور ان کے ساتھیوں نے مقام حرائیہ سے عمرہ کیا اور بیت اللہ کے طواف میں رمل کیا اور اپنی چادروں کو بغل کے نیچے کیا اور اس کو بائیں کندھے پر ڈال دیا



[۶۳۰] (۲۶) فیطوف بالبيت سبعة اشواط ويجعل طوافه من وراء الحطيم [۶۳۱] (۲۷)

ویرمل فی الاشواط الثلث الاول ویمشی فی ما بقی علی هیئتہ۔

[۶۳۰] (۲۶) بیت اللہ کا سات شوط طواف کرے اور اپنا طواف حطیم سے شروع کرے۔

**ترجمہ** سات شوط طواف کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال سعى النبي ﷺ ثلثة اشواط ومشى اربعة فی الحج والعمرة (الف) (بخاری شریف، باب الرمل فی الحج والعمرة ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۳/۱۳۱۶۰ بوداؤد شریف، باب فی الرمل ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف میں سات مرتبہ بیت اللہ کے چاروں طرف چکر لگائے جس کو سات شوط کہتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پہلے میں رمل کرے گا اور باقی چار میں اپنی ہیئت پر چلے گا۔ اور حطیم کے پیچھے سے طواف کرنے کی دلیل یہ ہے کہ حطیم بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ قریش جب بیت اللہ تعمیر کر رہے تھے تو خرچ کی کمی کی وجہ سے اس حصے کو چھوڑ دیا اس لئے وہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس لئے اس کے پیچھے سے طواف کرے گا (۲) عن عائشة قالت كنت احب ان ادخل البيت فاصلى فيه فاخذ رسول الله ﷺ بيدي فادخلني الحجر وقال صلى في الحجر ان اردت دخول البيت فانما هو قطعة من البيت ولكن قومك استقصروه حين بنوا الكعبة فاخرجوه من البيت (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الصلوة فی الحجر ص ۷۷ نمبر ۸۷۶/۸۷۷ بوداؤد شریف، باب الصلوة فی الحجر ص ۲۸۴ نمبر ۲۰۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حطیم جس کو حجر بھی کہتے ہیں بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اس میں نماز پڑھنا گویا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا ہے۔ اس لئے حطیم کے پیچھے سے طواف کرنا چاہئے (۳) عن عطاء فی رجل طاف فکان من طوافه دخولا فی الحجر قال لا يعتد بما کان من دخول الحجر (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۸۹ فی الرجل یطوف بالبيت فیکون من طوافه دخولا فی الحجر ثالث ص ۱۱۳۹۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حطیم میں داخل ہو کر طواف کیا جائے گا اس کا اعتبار نہیں اس لئے حطیم کے باہر سے طواف کرے۔

[۶۳۱] (۲۷) تین پہلے شوط میں رمل کرے اور باقی میں اپنی ہیئت پر چلے۔

**تشریح** طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں اکڑا کر چلے اور باقی چار چکر میں اپنی حالت پر چلے۔

**ترجمہ** رمل کرنے کی وجہ مسئلہ نمبر ۲۶ میں حدیث گزر چکی ہے۔ البتہ اکڑا کر چلنے کی وجہ یہ تھی کہ جب صحابہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ عمرہ کرنے آئے تو کفار مکہ نے کہا کہ ان کو مدینہ کی آب و ہوائ نے کمزور کر دیا ہے۔ آپؐ نے یہ سنا تو صحابہ کو حکم دیا کہ اکڑا کر طواف کرو تو صحابہ کرام اکڑا کر طواف کرنے لگے۔ تین طواف کے بعد کفار مکہ بھاگ گئے تو باقی چار طوافوں میں اپنی حالت پر چلنے کا حکم دیا (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال قدم رسول الله واصحابه فقال المشركون انه يقدم عليكم وفد وهنهم حمي يثرب فامرهم النبي حاشية : (الف) آپؐ نے سنی کی تین شوط میں اور چلے چار میں حج میں اور عمرہ میں (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں چاہتی تھی کہ بیت اللہ میں داخل ہوں اور نماز پڑھوں تو حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو حطیم میں داخل کر دیا اور فرمایا حطیم میں نماز پڑھو۔ اگر تم بیت اللہ میں داخل ہونا چاہتی ہو اس لئے کہ وہ بھی بیت اللہ کا ٹکڑا ہے۔ لیکن تمہاری قوم کا خرچ کم ہو گیا جب اس کو بنایا تو انہوں نے بیت اللہ سے باہر نکال دیا۔

[۶۳۲] (۲۸) ويستلم الحجر كلما مر به ان استطاع [۶۳۳] (۲۹) ويختم بالاسلام الطواف [۶۳۴] (۳۰) ثم يأتي المقام فيصلي عنده ركعتين او حيث ما تيسر من

ﷺ ان يرملوا الاشواط الثلاثة وان يمشوا ما بين الركنين (الف) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الرمل ص ۲۱۸ نمبر ۱۶۰۲ / ابوداؤد شریف، باب فی الرمل ص ۲۶۶ نمبر ۱۸۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کس طرح رمل کی ابتدا ہوئی۔

**نفت** ریل : اکڑا کر چلنا۔ الاشواط : شوط کی جمع ہے طواف کے ایک چکر کو شوط کہتے ہیں۔ ہیئتہ : اپنی حالت پر

[۶۳۲] (۲۸) حجر اسود کو چومے جب جب بھی اس کے پاس سے گزرے اگر ہو سکتا ہو۔

**تشریح** جب جب حجر اسود کے پاس سے گزرے تو اگر چوم سکے تو اس کو چومے اور نہ چوم سکے تو ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرے اور تکبیر کہے عن ابن عباس قال طاف النبی ﷺ بالبیت علی بعیر کلما اتی الرکن اشار الیہ بشیء عنده وکبر (ب) (بخاری شریف، باب من اشار الی الرکن اذا اتی الیہ ص ۱۶۱۳ نمبر ۱۶۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب جب حجر اسود سے گزرے تو اس کو چومے۔ اور چوم نہ سکتا ہو تو اس کی طرف اشارہ کر کے تکبیر کہے عن ابن عمر قال کان رسول اللہ ﷺ لا یدع ان یتسلم الرکن الیمانی والحجر فی کل طوافه قال وکان عبد اللہ بن عمر یفعله (ج) (ابوداؤد شریف، باب استلام الارکان ص ۲۶۵ نمبر ۱۸۷۶ / بخاری شریف نمبر ۱۶۱۱)

**نوٹ** رکن سے مراد یہاں حجر اسود ہے۔

[۶۳۳] (۲۹) اور طواف چوم کر ختم کرے۔

**تشریح** جب ساتوں طواف ختم ہو تو اخیر میں بھی حجر اسود کو چومے اور چومنے پر طواف ختم کرے۔

**مجا** عن عبد الرحمن بن صفوان ... فرایت النبی ﷺ قد خرج من الکعبة هو واصحابه قد استلموا البیت من الباب الی الحطیم وقد وضعوا خدودهم علی البیت ورسول اللہ ﷺ وسطهم (د) (سنن للبیہقی، باب السلتزم من ح خاص ص ۱۵۰، نمبر ۹۳۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر میں بھی بیت اللہ کو چومنا چاہئے۔

[۶۳۴] (۳۰) پھر مقام ابراہیم پر آئے اور اس کے پاس دو رکعت نماز پڑھے یا مسجد میں جہاں آسان ہو۔

**تشریح** طواف کے سات شوط پورا کرنے کے بعد مقام ابراہیم کے پاس آئے اور دو رکعت نماز پڑھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اُردان کے ساتھی مکہ آئے تو مشرکین نے کہا تمہارے سامنے ایسا وفد آیا ہے جس کو مدینہ کے بخار نے کزد کر دیا ہے۔ تو حضورؐ نے ان کو حکم دیا کہ تین پہلے شوط میں اکڑ کر چلیں اور رکن یمانی اور رکن شامی کے درمیان آہستہ چلیں (ب) آپؐ نے بیت اللہ کا طواف اونٹ پر سوار ہو کر کیا، جب جب حجر اسود کے پاس آتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور تکبیر کہتے (ج) حضورؐ ہر طواف میں رکن یمانی اور حجر اسود کے استیلام کو نہ چھوڑتے اور فرمایا عبد اللہ بن عمرؓ بھی ایسا ہی کرتے تھے (د) میں نے حضورؐ کو دیکھا کہ وہ اُردان کے ساتھی بیت اللہ سے نکلے اور انہوں نے بیت اللہ کا کے دروازہ سے حطیم تک چو ما اور اپنے گالوں کو بیت اللہ پر رکھا اور حضورؐ صحابہ کے درمیان تھے۔

المسجد [۶۳۵] (۳۱) وهذا الطواف طواف القدوم وهو سنة وليس بواجب وليس على اهل مكة طواف القدوم.

**بج** سمعت ابن عمر يقول قدم النبي ﷺ فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف المقام ركعتين ثم خرج الى الصفا (الف) (بخاری شریف باب من صلی رکعتی الطواف خلف المقام ص ۲۲۰ نمبر ۱۶۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کے سات شوط کے بعد مقام ابراہیم پر آئے اور دو رکعت طواف کی پڑھے۔ آیت میں ہے واتخذوا من مقام ابراہیم مصلی (ب) (آیت ۱۲۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں حکم ہے کہ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھی جائے۔ یہ دو رکعت واجب ہے۔ اس کی دلیل حضور کی مواظبت ہے۔ اثر میں ہے قلت للزهري ان عطاء يقول تجزئه المكتوبة من ركعتي الطواف فقال السنة افضل لم يطف النبي ﷺ سبوعا قط الا صلى ركعتين (ج) (بخاری شریف، باب طاف النبي ﷺ وصلى سبوعا ركعتين ص ۲۲۰ نمبر ۱۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ جب جب آپ نے طواف کے سات شوط پورے کئے تو آپ نے دو رکعت طواف پڑھی۔ اس بیگنی کی وجہ سے رکعت طواف حنفیہ کے نزدیک واجب ہے **فائدہ** امام شافعی کے نزدیک اوپر کی حدیث کی وجہ سے رکعت طواف سنت ہے۔

**نوٹ** مقام ابراہیم کے پاس جگہ نہ ملے تو مسجد حرام کی کسی جگہ بھی رکعت طواف پڑھ سکتے ہیں۔

[۶۳۵] (۳۱) اس طواف کا نام طواف قدوم ہے یہ سنت ہے واجب نہیں ہے اور اہل مکہ پر طواف قدوم نہیں ہے۔

**تشریح** باہر سے آتے ہی جو طواف کرتے ہیں اس کو طواف قدوم آنے کا طواف کہتے ہیں۔ یہ آفاقی کے لئے سنت ہے۔

**مج** قدوم کے معنی باہر سے آنا، چونکہ آفاقی باہر سے آتے ہیں اس لئے اس کے لئے سنت ہے۔ مکی باہر سے نہیں آتے ہیں اس لئے اس کے لئے سنت نہیں ہے۔ البتہ کر لے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ یوں بھی ہر وقت طواف کرنا بہتر ہے (۲) حدیث میں ہے عن وبرة قال كنت جالسا عند ابن عمر فجاءه رجل فقال ايصلح لي ان اطوف بالبيت قبل ان اتى الموقف فقال نعم فقال فاراد ابن عباس يقول لا تطف بالبيت حتى تاتى الموقف فقال ابن عمر فقد حج رسول الله فطاف بالبيت قبل ان ياتي الموقف فبقول رسول الله احق ان تأخذ او بقول ابن عباس ان كنت صادقا (د) (مسلم شریف، باب استحباب طواف القدوم للحاج والعمري بعد ص ۴۰۵ نمبر ۱۲۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے حج کا احرام باندھا اس کے باوجود عرفہ جانے سے پہلے طواف

حاشیہ : (الف) حضور مکہ آئے اور سات شوط بیت اللہ کا طواف کیا اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی پھر صفا پہاڑی کی طرف نکلے (ب) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ (ج) میں نے زہری سے کہا کہ حضرت عطا فرماتے ہیں فرض نماز طواف کی دو رکعتوں کے لئے کافی ہے۔ حضرت زہری نے فرمایا سنت افضل ہے۔ حضور نے جب بھی سات شوط طواف کیا تو دو رکعت نماز پڑھی (د) حضرت وبراہ حضرت ابن عمر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو اس کے پاس ایک آدمی آیا اور پوچھا کہ میرے لیے یہ صحیح ہے کہ میں بیت اللہ کا طواف کروں موقف یعنی عرفہ آنے سے پہلے تو ابن عمر نے فرمایا ہاں! کہنے لگے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بیت اللہ کا طواف نہ کروں یہاں تک کہ عرفہ آجاء۔ پس ابن عمر نے فرمایا کہ حضور نے حج کیا اور عرفہ آنے سے پہلے طواف کیا تو حضور کا قول زیادہ حق دار ہے کہ کیا جائے یا ابن عباس کا قول اگر تم سچے ہیں۔

[۶۳۶] (۳۲) ثم خرج الى الصفا فيصعد عليه ويستقبل البيت ويكبر ويهمل ويصلي على النبي صلى الله عليه وسلم ويدعو الله تعالى لحاجته [۶۳۷] (۳۳) وينحط نحو المروة

قدوم کیا جو آفاقی کے لئے مستحب ہے۔

[۶۳۶] (۳۲) پھر صفا پہاڑی کی طرف نکلے اور اس پر چڑھے اور بیت اللہ کا استقبال کرے اور تکبیر کہے اور تہلیل کہے اور حضور پر درود بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کے لئے دعا کرے۔

**شرح** طواف اور طواف رکعت سے فارغ ہونے کے بعد اب سعی کرنے کے لئے صفا پہاڑی کی طرف جائے اور وہاں چڑھ کر بیت اللہ کی طرف استقبال کرے، تکبیر کہے، تہلیل کہے، درود اور دعا پڑھے۔

**ترجمہ** قال دخلنا على جابر بن عبد الله ... ثم خرج من الباب الى الصفا فلما دنى من الصفا قرء ان الصفا والمروة من شعائر الله نبأ بما بدء الله به فبدأ بالصفا فرقى عليه حتى رأى البيت فاستقبل القبلة فوحد الله وكبره وقال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير لا اله الا الله وحده انجز وعده ونصر عبده وهزم الاحزاب وحده ثم دعا بين ذلك قال مثل هذا ثلاث مرات ثم نزل الى المروة (الف) (مسلم شريف). باب حجة النبي ﷺ ص ۳۹۵ نمبر ۱۲۱۸ ابوداؤد شريف، باب صفة حجة النبي ﷺ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۵ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا پہاڑی پر آکر تکبیر و تہلیل کرے اور دعائیں کرے (۳) اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ان الصفا والمروة من شعائر الله فمن حج البيت او اعتمر فلا جناح عليه ان يطوف بهما (ب) (آیت ۱۵۸ سورة البقرة ۲) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا چاہئے۔ چنانچہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے، چھوڑنے سے دم لازم ہوگا۔ صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے، چنانچہ بیت اللہ کی طرف استقبال کر کے دعائیں پڑھے۔ حدیث میں ہے۔ حدثنا جابر ان رسول الله رقی الصفا حتى اذا نظر الى البيت كبر (ج) (نسائی شريف، باب موضع القيام على الصفا ج ۲ ص ۴۰۹ نمبر ۲۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا پر اتنا چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگے پھر تکبیر وغیرہ کہے۔ اس کے لئے حدیث ہے (نسائی شريف، باب التکبیر علی الصفا ص ۳۲ نمبر ۲۹۷) اور پر بھی مسلم شريف کی حدیث گزری جس میں صفا پر تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔

[۶۳۷] (۳۳) اور نیچے مروہ کی طرف اترے گا اور چلے گا اپنی ہیئت پر۔ پس جب بطن وادی میں پہنچے تو میلین اخضرین کے درمیان زور سے

حاشیہ : (الف) پھر دروازہ سے صفا کی طرف گئے، پس جب صفا کے قریب ہوئے تو ان الصفا والمروة من شعائر الله آپ نے پڑھا۔ پھر فرمایا وہاں سے شروع کروں گا جہاں سے اللہ نے شروع کیا ہے۔ پس صفا سے سعی شروع کی اور صفا پر چڑھے یہاں تک کہ بیت اللہ دیکھا اور قبلے کا استقبال کیا پھر تو حید بیان کی اور تکبیر کہی پھر لا الہ الا اللہ الخ پڑھا۔ پھر اس درمیان دعا کرتے رہے۔ پھر اس طرح تین مرتبہ دعا کی۔ پھر مروہ کی طرف اتر آئے (ب) صفا اور مروہ اللہ کے شعائر ہیں۔ تو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا تو اس پر کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ دونوں کا طواف کرے (ج) حضور صفا پر چڑھے یہاں تک کہ جب بیت اللہ پر نظر پڑی تو تکبیر کہی۔

ویمشی علی ہینتہ فاذا بلغ الی بطن الوادی سعی بین المیلین الا خضرین سعیا حتی یأتی المروۃ فیصعد علیہا ویفعل کما فعل علی الصفا۔

دوڑے یہاں تک کہ مروہ پہاڑی پر آجائے۔ اور اس پر چڑھے۔ اور اس پر ایسے ہی تکبیر و تہلیل اور دعائیں کرے جیسے صفا پر کیا۔

**تشریح** صفا اور مروہ کے درمیان پہلے نشیبی جگہ تھی جس کو میلین اخضرین کہتے ہیں۔ اس وقت یہ جگہ بالکل برابر ہے۔ البتہ ابتدا اور انتہا میں دوہری بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ وہاں پہنچے تو ذرا دوڑ کر چلے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام وہاں اپنے بیٹے اسمعیل کے لئے دوڑ کر چلی۔ اس جگہ کو بطن وادی بھی کہتے ہیں۔

**حج** اوپر کی حدیث کے سلسلے میں یہ ہیں کہ قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... ثم نزل الی المروۃ حتی اذا انصبت قدماہ رمل فی بطن الوادی حتی اذا صعد مشی حتی اتی المروۃ فصنع علی المروۃ مثل ما صنع علی الصفا (الف) (ابو داؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵ / مسلم شریف، باب صفۃ النبی ﷺ ص ۳۹۶ نمبر ۱۲۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن وادی میں تیز قدم چلے اور باقی مقامات پر اپنی حالت پر چلے (۲) سعی واجب ہے اس کے لئے یہ حدیث ہے عن برة بنت ابی تجرة قال رايت رسول الله حين انتهى الى المسعى قال اسعوا فان الله كتب عليكم السعي فرائته يسعي حتى بدت وكتباه من انكشف ازاره (ب) دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۲۴ نمبر ۲۵۶۰ / ۲۵۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سعی واجب ہے۔ کیونکہ آیت میں فلا جناح علیہ ان یطوف بہما ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سعی کی اہمیت فرض کی طرح نہیں ہے۔ آیت اور حدیث دونوں کو ملانے سے واجب کا اندازہ ہوتا ہے (۳) اس حدیث سے بھی وجوب کا پتا چلتا ہے عن عروۃ عن عائشة قال قلت لہا انی لا ظن رجلا لو لم یطف بین الصفا والمروۃ ما ضرہ قالت لم؟ قلت لان الله یقول ان الصفا والمروۃ من شعائر الله الخ فقالت ما اتم الله حج امرء ولا عمرته لم یطف بین الصفا والمروۃ ولو کان کما تقول لکان فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما (ج) (مسلم شریف، باب بیان ان السعی بین الصفا والمروۃ رکن ص ۴۱۴ نمبر ۱۲۷۷ / ابو داؤد شریف، باب امر الصفا والمروۃ ص ۲۶۹ نمبر ۱۹۰۱) اس حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ سعی واجب ہے۔

**فائدہ** امام شافعی دارقطنی اور مسلم شریف کی اوپر کی حدیث کی وجہ سے سعی فرض کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) پھر مروہ کی طرف اترے، یہاں تک کہ جب آپ کا قدم نیچے جہاں بطن وادی میں مل گیا، جب اوپر چڑھے تو آہستہ چلنے لگے یہاں تک کہ مروہ پر آئے اور مروہ پر ایسا ہی کیا جیسا صفا پر کیا (ب) حضور کو دیکھا کہ جب سعی کرنے کی جگہ پر آئے تو فرمایا سعی کرو، اللہ نے تم پر سعی فرض کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ سعی فرما رہے ہیں یہاں تک کہ ازار کھلنے کی وجہ سے آپ کے گھٹنے کھل گئے۔ (ج) حضرت عروہ نے حضرت عائشہ سے کہا میں گمان کرتا ہوں کہ صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا کیوں نہیں؟ میں نے کہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ تو حضرت عائشہ نے فرمایا کسی انسان کا حج اور عمرہ پورا نہیں ہوگا اگر اس نے صفا اور مروہ کا طواف نہیں کیا۔ اگر ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو تو آیت کی عبارت یوں ہونی چاہئے فلا جناح علیہ ان لا یطوف بہما۔

[۶۳۸] (۳۴) وهذا شوط فيطوف سبعة اشواط يبتدى بالصفاء ويختم بالمروة [۶۳۹] (۳۵) ثم يقيم بمكة محرما فيطوف بالبيت كلما بدا له.

**نوٹ** جس طرح صفا پر بیت اللہ کا استقبال کر کے تکبیر، تہلیل، درود اور دعا پڑھے گا اسی طرح مروہ پر بھی کرے گا۔ اوپر کی حدیث سے اس کا پتہ چلا۔

**لغت** بطن الوادی : صفا اور مروہ کے درمیان نشیبی جگہ کوطن الوادی کہتے ہیں۔ ابھی اس پر ہری بتیاں ڈال دی گئی ہیں۔ یہاں لوگ دوڑ کر چلتے ہیں۔ ہیئت : اپنی ہیئت پر۔

[۶۳۸] (۳۴) یہ ایک شوط ہے۔ پس طواف کرے گا سات شوط، شروع کرے گا صفا سے اور ختم کرے گا مروہ پر۔

**تشریح** صفا سے سعی شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے۔ اور صفا سے مروہ تک ایک شوط، اور مروہ سے صفا تک دوسرا شوط ہوگا۔ حنفیہ کے نزدیک یہ نہیں ہے کہ صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک ایک شوط ہو۔ اس طرح تو حنفیہ کے نزدیک چودہ شوط ہو جائیں گے۔

**مجا** فقال ابن عمر قدم رسول الله فطاف بالبيت سبعا وصلى خلف المقام ركعتين وطاف بين الصفا والمروة سبعا وقد كان لكم في رسول الله ﷺ اسوة حسنة (الف) (سنن للبيهقي، باب وجوب الطواف بين الصفا والمروة وان غيره لا تجزى عن جرح خاص ص ۱۵۸، نمبر ۹۳۶۳) ابوداؤد میں ہے ثم اتى الصفا والمروة فسعى بينهما سبعا ثم حلق رأسه (ب) (ابوداؤد شریف، باب امر الصفا والمروة ص ۲۶۸ نمبر ۱۹۰۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفا سے مروہ تک میں ایک شوط ہو جاتا ہے۔  
**فائدہ** بعض ائمہ کے نزدیک صفا سے مروہ اور مروہ سے صفا تک میں ایک شوط ہوگا۔

**مجا** ان کی دلیل اس اثر کا اشارہ ہے عن عطاء قال سألت عطاء عن رجل سعى بين الصفا والمروة اربعة عشرة مرة قال يجزيه (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۱۸ فی الرجل يسعى بين الصفا والمروة اربعة عشر مرة ج خاص ص ۵۰) ہماری دلیل اسی اثر کے ایک جز میں یحید کا لفظ ہے یعنی اس کو دوبارہ لوٹنا ہوگا۔ چودہ شوط کافی نہیں ہے۔

[۶۳۹] (۳۵) پھر مکہ مکرمہ میں احرام کے ساتھ ٹھہرا رہے اور جب جب خیال ہو بیت اللہ کا طواف کرتا رہے۔

**تشریح** حج کا احرام باندھا تھا تو طواف فرض کے بعد احرام کھلے گا اور یہ طواف قدم تھا اس لئے اس طواف کے بعد محرم ہو کر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہے۔ اور جب جب موقع ہو بیت اللہ کا خوب طواف کرتا رہے۔

**مجا** طواف کی بہت فضیلت ہے اس لئے جب جب موقع ہو طواف کرے (۲) حدیث میں ہے عن طائوس عن رجل ادرك النبي ﷺ قال الطواف بالبيت صلوة فاقلوا من الكلام (ج) (نسائی شریف، اباحة الكلام فی الطواف، ص ۴۰۲، نمبر ۲۹۲۵) نماز طواف

حاشیہ : (الف) آپ مکہ شریف لائے اور بیت اللہ کے سات طواف فرمائے اور مقام ابراہیم کے چپے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور صفا مروہ کے درمیان سات طواف کئے۔ اور رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے (ب) پھر آپ صفا مروہ پر آئے اور دونوں کے درمیان سات سعی کی، پھر سر کا حلق کرایا (ج) ایک آدمی جس نے حضور کو پایا ان سے دو اہت ہے کہ آپ نے فرمایا بیت اللہ کا طواف نماز کی طرح ہے اس لئے کلام کم کریں۔

[۶۴۰] (۳۶) واذا كان قبل يوم التروية بيوم خطب الامام خطبة يعلم الناس فيها الخروج الى منى والصلوة بعرفات والوقوف والافاضة.

کی طرح ہے اس لئے نفل نماز کی طرح بار بار طواف کرتا رہے۔ عن ابن عباس قال قال رسول الله من طاف بالبيت خمسين مرة خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الطواف ص ۵۷ نمبر ۸۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف کا ثواب بہت ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ طواف کرتا رہے اور حج کے احرام باندھنے والے کو محرم ہو کر رہنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة انها قالت خرجنا مع رسول الله عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمره ومنا من اهل بحج وعمره ومنا من اهل بالحج واهل رسول الله ﷺ بالحج فاما من اهل بعمره فحل واما من اهل بحج او جمع الحج والعمره فلم يحلوا حتى كان يوم النحر (ب) (سنن للبیہقی، باب المفرد یتقیم علی احرامہ حتی تتحلل منه یوم النحر خامس ص ۱۷۸، نمبر ۹۴۲۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھ کر قرآن کیا وہ طواف قدوم کے بعد احرام نہیں کھولے گا۔ بلکہ مکہ مکرمہ میں محرم ہو کر ٹھہرے گا۔ البتہ جس نے عمرہ کا احرام باندھا اس کا عمرہ پورا ہو جائے گا۔ اس لئے وہ احرام کھول دے گا اور حلال ہو کر مکہ مکرمہ میں قیام کرے گا۔

[۶۴۰] (۳۶) اور جبکہ یوم ترویہ سے ایک دن پہلے ہو تو امام خطبہ دے گا ایسا خطبہ کہ لوگوں کو اس میں سکھائیں گے منی کی طرف نکلنا اور عرفات میں نماز اور وقوف عرفہ اور افاضہ کے احکام۔

**تشریح** یوم ترویہ آٹھویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں۔ اس سے ایک دن قبل ساتویں ذی الحجہ ہوگی۔ تو ساتویں ذی الحجہ کو امام خطبہ دے جس میں لوگوں کو منی کی طرف نکلنے کے احکام، عرفات میں نماز کے احکام سکھائے۔ اسی طرح وقوف عرفہ کس طرح کریں، طواف وداع کس طرح کریں یہ سب احکام سکھائیں۔

**مجموعہ** (۱) ان احکام کے سکھانے کی ضرورت ہے اس لئے یہ احکام سکھائے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال کان رسول الله ﷺ اذا کان قبل التروية خطب الناس فاخبرهم بمناسكهم (ج) (سنن للبیہقی، باب الخطبة التي يستحب للامام ان ياتي بها في الحج اولها يوم السابع ج خامس ص ۱۸۰، نمبر ۹۴۳۶ نسائی شریف، الخطبة قبل يوم التروية ج ثانی ص ۳۴ نمبر ۲۹۹۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذی الحجہ کی ساتویں تاریخ کو خطبہ دینا چاہئے اور اس میں مناسک حج کے تمام پہلو اجاگر کرنا چاہئے۔

**نکتہ** الافاضة : عرفات میں ٹھہرنے کو اور طواف فرض کو افاضہ کہتے ہیں۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جس نے پچاس مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا گناہ سے اس طرح نکل جائے گا جیسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو (ب) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع کے دن نکلے تو ہم میں سے کچھ نے عمرہ کا احرام باندھا اور ہم میں سے کچھ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا۔ اور ہم میں سے کچھ نے حج کا احرام باندھا۔ اور حضورؐ نے حج کا احرام باندھا۔ پس جس نے عمرہ کا احرام باندھا وہ حلال ہو گیا۔ اور جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تو وہ حلال نہیں ہوئے یہاں تک کہ دسویں تاریخ ہوگئی (ج) حضورؐ نے آٹھویں تاریخ سے پہلے لوگوں کو خطبہ دیا اور ان کو ان کے مناسک حج کے بارے میں خبر دی۔

[۶۴۱] (۳۷) فاذا صلى الفجر يوم التروية بمكة خرج الى منى واقام بها حتى يصلى الفجر يوم عرفة ثم يتوجه الى عرفات فيقيم بها [۶۴۲] (۳۸) فاذا زالت الشمس من يوم عرفة صلى الامام بالناس الظهر والعصر ثم يتدى فيخطب خطبتين قبل الصلوة يعلم [۶۴۱] (۳۷) پس جب آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ میں فجر کی نماز پڑھے تو منی کی طرف نکلے اور وہاں ٹھہرے یہاں تک کہ نویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھے پھر عرفات کی طرف متوجہ ہو اور وہاں ٹھہرے۔

**تشریح** ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو مکہ مکرمہ میں فجر کی نماز پڑھ کر منی کی طرف روانہ ہو جائے اور وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑھے۔ اور اس درمیان تکبیر، تہلیل اور تلبیہ پڑھتا رہے۔ اور نویں تاریخ کو فجر کی نماز پڑھ کر منی سے عرفات کے لئے روانہ ہو جائے اور عرفات میں جا کر ظہر اور عصر کی نماز اکٹھی پڑھے۔

**حجہ** حضور ﷺ کے حج کی جو لمبی حدیث مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں ہے اس میں اس کی تفصیل ہے۔ دخلنا على جابر بن عبد الله فسأل عن القوم حتى انتهى الى ... فلما كان يوما التروية توجهوا الى منى فاهلوا بالحج وركب رسول الله صلى الله عليه وسلم الظهر والعصر والمغرب والعشاء والفجر ثم مكث قليلا حتى طلعت الشمس وامر بقبة من شعر تضرب له بنمرة فسار رسول الله ولا تشك قريش الا انه واقف عند المشعر الحرام كما كانت قريش تصنع في الجاهلية فاجاز رسول الله حتى اتى عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ﷺ ص ۳۹۶ نمبر ۱۲۱۸/۱ ابوداؤد شریف، باب صفة حجۃ النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو منی آئے اور وہاں پانچ نمازیں پڑھے اور نویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد عرفہ آجائے۔

[۶۴۲] (۳۸) پس جب کہ نویں تاریخ کو سورج ڈھل جائے تو امام لوگوں کو نماز پڑھائے ظہر اور عصر کی۔ پس نماز سے پہلے دو خطبے لوگوں کو دیں۔ ان دونوں میں نماز، وقوف عرفہ، وقوف مزدلفہ، رمی جمار، نحر، حلق اور طواف زیارت کے احکام سکھائے۔

**تشریح** سورج ڈھل جانے کے بعد پہلے دو خطبے دے جن میں وقوف عرفہ کے احکام، مزدلفہ میں ٹھہرنے کے احکام، رمی جمار کے احکام، قربانی کیسے کریں گے اس کے احکام، حلق کیسے کریں گے اس کے احکام اور طواف زیارت کے احکام کو تفصیل سے بیان کرے۔ اور حاجیوں کو سمجھائے۔ کیوں کہ اس کی ضرورت ہے۔

**حجہ** حدیث میں ہے دخلنا عن جابر بن عبد الله سأل عن القوم حتى انتهى الى ... حتى اذا زاغت الشمس امر

حاشیہ : (الف) پس جب ترویہ کا دن ہوا (یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ) تو لوگ منی کی طرف متوجہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا اور حضورؐ کو سوار ہوئے، پس منی میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز پڑی، پھر تھوڑی دیر ٹھہرے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا اور بال کے خیمے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو مقام نمرہ میں (عرفات میں نمرہ ایک جگہ ہے) لگایا جائے۔ پس حضورؐ چلے، قریش کو یقین تھا کہ وہ مشعر حرام مزدلفہ میں ٹھہریں گے۔ جیسا کہ قریش زمانہ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ لیکن حضورؐ آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ عرفات آگئے تو خیمہ کو پایا کہ مقام نمرہ میں لگایا گیا ہے۔ تو آپؐ وہاں اترے۔



الناس فيهما الصلوة والوقوف بعرفة والمزدلفة ورمى الجمار والنحر والحلق وطواف  
الزيارة [۶۴۳] (۳۹) ويصلي بهم الظهر والعصر في وقت الظهر باذان واقامتین [۶۴۴]  
(۴۰) ومن صلى الظهر في رحله وحده صلى كل واحدة منهما في وقتها عند ابی حنیفة

بالقصواء فرحلت له فاتی بطن الوادی فخطب الناس وقال ان دمائکم واموالکم حرام علیکم الخ (الف) (مسلم  
شریف، باب حجة النبی ﷺ ص ۳۹۷ نمبر ۱۲۱۸/ ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ  
نماز سے پہلے خطبہ دے اور احکام حج تفصیل سے سمجھائے۔

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک نماز کے بعد خطبہ دیں گے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ... حتی اذا كان عند صلوة  
الظهر راح رسول الله مهجرا فجمع بين الظهر والعصر ثم خطب الناس ثم راح فوقف (ب) (ابوداؤد شریف، باب  
الخروج الى عرفة ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۱۳) نماز کے بعد خطبہ کا ذکر ہے اس لئے نماز کے بعد عیدین کی طرح خطبہ دے۔  
[۶۴۳] (۳۹) لوگوں کو ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں پڑھائے ایک اذان اور دو اقامت سے۔

**تشریح** حنیفہ کے نزدیک تین شرطیں ہوں تو جمع بین الصلوة کر سکتے ہیں (۱) عرفہ کا میدان ہو (۲) امام کے ساتھ نماز پڑھا ہو (۳) احرام  
باندھا ہوا ہو تو ظہر اور عصر کو جمع کر سکتا ہے۔ ورنہ نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے گی۔

**مذہب** کیونکہ حدیث میں خلاف قیاس جمع بین الصلوة ثابت ہے (۲) حدیث میں ہے قال دخلنا على جابر بن عبد الله ... ثم اذن  
ثم اقام فصلى الظهر ثم اقام فصلى العصر ولم يصل بينهما شيئا ثم ركب رسول الله حتى اتى الموقف (ج) (مسلم  
شریف، باب حجة النبی ﷺ ص ۳۹۷ نمبر ۱۲۱۸/ ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ﷺ ص ۲۷۰ نمبر ۱۹۰۵) اس سے معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر کی نماز  
ایک ساتھ پڑھیں گے۔ اور پہلے حدیث سے معلوم ہوا کہ زوال کے فوراً بعد ظہر کی نماز کے لئے آپ تشریف لائے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عصر  
کو ظہر کے وقت میں پڑھیں گے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اذان ایک ہوگی اور اقامت دو ہوگی، ایک ظہر کے لئے اور ایک اقامت عصر کے لئے۔  
اور دونوں کے درمیان کوئی سنت نہیں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ جلدی وقوف عرفہ کی طرف متوجہ ہونا ہے۔

[۶۴۴] (۴۰) جس نے کجاوے میں تنہا نماز پڑھی تو ہر ایک نماز کو اپنے اپنے وقت میں پڑھے گا امام ابوحنیفہ کے نزدیک، اور صاحبین نے فرمایا  
منفرد بھی دونوں نمازوں کو جمع کرے گا۔

**تشریح** اوپر گزر چکا ہے کہ تین شرطیں ہوں تو میدان عرفات میں جمع بین الصلوتین کرے گا۔ یعنی ظہر اور عصر کو ایک ساتھ ظہر کے وقت میں

حاشیہ : (الف) یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا تو حکم دیا کہ قصواء ڈنٹی کو چلایا جائے تو طین وادی آئے اور لوگوں کو خطبہ دیا ان دمائکم واموالکم آخر تک (ب) ابن  
عمر سے روایت ہے کہ ... یہاں تک کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضور اول وقت میں نکلے اور ظہر اور عصر کو جمع کیا پھر لوگوں کو خطبہ دیا پھر چلے اور وقوف عرفہ کیا (ج) پھر  
اذان دی پھر اقامت کہی اور ظہر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عصر کی نماز پڑھی اور دونوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی، پھر حضور رسوا ہوئے یہاں تک کہ موقف  
کے پاس آئے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ وقال ابو یوسف و محمد یجمع بینہما المنفرد [۶۴۵] (۴۱) ثم یتوجہ پڑھے گا ورنہ نہیں۔

**وجہ** اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنا آیت کی وجہ سے فرض ہے۔ آیت میں ہے ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا (الف) (آیت ۱۰۳ سورۃ النساء) آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت کے ساتھ متعین ہے اس لئے بغیر مضبوط دلیل کے نماز اپنے وقت سے مقدم و مؤخر نہیں ہو سکتی۔ اور عرفات میں عصر مقدم ہوئی لیکن جن شرائط کے ساتھ مقدم ہوئی ہے انہیں شرائط کے ساتھ مقدم ہوگی، اگر وہ شرطیں نہ پائی جائیں تو مقدم نہیں ہوگی۔ اور امام کے ساتھ نماز پڑھنا شرط تھی اس لئے امام کے ساتھ نماز نہیں پڑھی اور تنہا اپنے کجاوے میں نماز پڑھی تو مقدم نہیں کرے گا بلکہ عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھے گا (۲) امام کے ساتھ نماز پڑھنے میں جمع اس لئے بھی کرے گا کہ عرفات کے میدان میں بکھرنے کے بعد دوبارہ جمع ہونا مشکل ہوگا اس لئے سہولت کے لئے جمع بین الصلوٰتین کیا۔ اور تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس سہولت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے جمع بین الصلوٰتین کی ضرورت نہیں۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ حدیث میں عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کا ذکر کثرت سے ہے اور بغیر کسی شرط کے ہے۔ اس لئے جو لوگ امام سے الگ نماز پڑھیں گے وہ بھی جمع بین الصلوٰتین کریں گے۔ انکی دلیل یہ اثر ہے ان ابن عمر کان یجمع بینہما اذا فاتہ مع الامام یوم عرفة (سنن للبیہقی، باب الخطبۃ یوم عرفة والجمع بین الظهر والعصر) ج ۱ ص ۱۸۶، نمبر ۹۳۵۶ (۶۴۵) [۴۱] پھر موقف کی طرف متوجہ ہوا در جبل رحمت کے قریب ٹھہرے اور عرفات کل کاکل ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

**تشریح** عرفات کے میدان کے چاروں طرف اشارے لگے ہوئے ہیں۔ اس کے اندر کہیں بھی ٹھہرے گا تو ج ادا ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرے۔ کیونکہ حضور مجبل رحمت کے پاس ٹھہرے تھے۔ اور بطنِ عرنہ کے پاس نہ ٹھہرے کیونکہ یہاں پہلی قوموں کو عذاب ہوا ہے۔

**وجہ** عرفات کا پورا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی ابن طالب قال وقف رسول اللہ بعرفۃ فقال ہذہ عرفۃ و هو الموقوف و عرفۃ کلھا موقف ثم افاض حین غربت الشمس (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء ان عرفۃ کلھا موقف ص ۱۷۷ نمبر ۸۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرفات کا پورا میدان ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور بطنِ عرنہ میں نہ ٹھہرے اس کی وجہ یہ حدیث ہے اخبرنی محمد بن منکدر ان النبی ﷺ قال عرفۃ کلھا موقف و ارتفعوا عن بطن عرنۃ و المزدلفۃ کلھا موقف و ارتفعوا عن محسر (ج) (سنن للبیہقی، باب حیث ما وقف من عرفۃ اجزاء ص ۱۸۶، ۹۳۵۹، سنن ابن ماجہ شریف باب الموقف بعرفات ص ۲۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطنِ عرنہ میں نہیں ٹھہرنا چاہئے۔ اور جبل رحمت کے پاس ٹھہرنے کی وجہ یہ حدیث ہے قال

حاشیہ : (الف) یقیناً نماز مؤمنین پر فرض ہے وقت متعین کے ساتھ (ب) حضور عرنہ میں ٹھہرے پس فرمایا یہ عرنہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور عرنہ پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ پھر سورج غروب ہونے کے بعد چلے (ج) آپ نے فرمایا پورا عرنہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ البتہ بطنِ عرنہ سے دور ہو۔ اور پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے البتہ محسر سے دور رہو۔

الی الموقف فيقف بقرب الجبل وعرفات كلها مواقف الا بطن عرنة [۶۴۶] (۴۲) وينبغي للامام ان يقف بعرفة على راحلته ويدعو ويعلم الناس المناسك [۶۴۷] (۴۳) ويستحب

دخلنا على جابر بن عبد الله ... ثم ركب رسول الله ﷺ حتى اتى الموقف فجعل بطن ناقته القصواء الى الصخرات وجعل حبل المشاة بين يديه واستقبل القبلة فلم يزل واقفا حتى غربت الشمس وذهبت الصفرة قليلا حتى غاب القرص (الف) (مسلم شريف، باب حجة النبي ص ۳۹۸/نمبر ۱۲۱۸/ابوداؤد شريف، باب صفة حجة النبي ص ۲۷۱/نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جبل رحمت کے پاس ٹھہرنا زیادہ افضل ہے۔

[۶۴۶] (۴۲) اور امام کے لئے مناسب ہے کہ عرفہ میں اپنی سواری پر ٹھہرے اور دعا کرتے رہیں اور لوگوں کو مناسک حج سکھاتے رہیں **شرح** امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنی سواری پر وقف کرے۔

**وجہ** تاکہ لوگ آسانی سے امام کو دیکھ سکے اور ان کو دیکھ دیکھ کر عوام مناسک ادا کر سکیں (۲) حضور عرفات میں قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر وقف عرفہ فرمایا تھا۔ اس لئے مستحب یہ ہے کہ امام اپنی سواری پر وقف کرے۔ البتہ عوام نیچے رہے۔ عن ام الفضل بنت الحارث ان اناسا اختلفوا عندها يوم عرفة في صوم النبي ﷺ فقال بعضهم هو صائم وقال بعضهم ليس بصائم فارسلت اليه بقدر لبن وهو واقف على بعيره فشربه (ب) ((بخاری شریف، باب الوقوف علی الدابة بعرفة (۲۳۵/نمبر ۱۶۶۱) اور یہی حدیث مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸ سے بھی معلوم ہوا کہ آپ قصواء اونٹنی پر سوار تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور نے سوار ہو کر وقف عرفہ فرمایا تھا۔ اور دعا کرتے رہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے عن عمر بن شعيب عن ابيه عن جده ان النبي ﷺ قال خير الدعاء يوم عرفة (ج) (ترمذی شریف، باب فی دعاء يوم عرفة ج ثانی ص ۱۹۵/نمبر ۳۵۸۵) اور دوسری حدیث میں ہے عن ابن عباس قال رايت رسول الله يدعو بعرفة يداه الى صدره كاستطعام المسكين (د) (سنن للبيهقي، باب افضل الدعاء يوم عرفة ج خامس ص ۱۹۰، نمبر ۹۴۷۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ میدان عرفات میں دعا میں مشغول رہنا چاہئے۔ یوں بھی جمع بین الصلوٰتین اس لئے کیا گیا ہے کہ جلدی موقف پر جا کر دعا کریں۔ تکبیر و تہلیل کریں۔

[۶۴۷] (۴۳) مستحب ہے کہ وقف عرفہ سے پہلے غسل کرے۔

**وجہ** غسل کرنا پاکی کی چیز ہے اس لئے وقف عرفہ سے پہلے غسل کرنا مستحب ہے۔

حاشیہ : (الف) آپ سوار ہوئے یہاں تک کہ موقف پر آئے اور اپنی قصواء اونٹنی کا پیٹ چٹان کی طرف کیا اور جبل المشاة کو سامنے رکھا اور قبلہ کا استقبال کیا اور سورج غروب ہونے تک ٹھہرے۔ اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ ٹیکہ غائب ہو گئی (ب) ام الفضل سے روایت ہے کہ ان کے پاس یوم عرفہ میں حضور کے روزے کے بارے میں اختلاف کیا۔ تو بعض نے کہا کہ آپ روزہ دار ہیں اور بعض نے کہا کہ آپ روزہ دار نہیں ہے۔ پس آپ کے پاس دودھ کا پیالہ بھیجا اور آپ اونٹنی پر سوار تھے۔ اور آپ نے دودھ نوش فرمایا (ج) آپ نے فرمایا بہترین دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے (د) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور کو عرفہ میں دعا کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ کے ہاتھ سینے تک تھے جیسے کوئی مسکین مانگ رہا ہو۔

ان یغتسل قبل الوقوف بعرفة [۶۴۸] (۴۴) ویجتهد فی الدعاء [۶۴۹] (۴۵) فاذا غربت الشمس افاض الامام والناس معه علی هینتهم حتی یأتوا المزدلفة فینزلون بها [۶۵۰] (۴۶) والمستحب ان ينزلوا بقرب الجبل الذی علیہ المیقدة یقال له قزح.

[۶۴۸] (۴۴) اور دعائیں خوب کوشش کرے۔

**مجا** اوپر کی حدیث میں گزرا کہ حضور اُس طرح دعا کرتے اور ہاتھ اٹھاتے جیسے مانگنے والے مسکین ہوں، اس لئے عرفہ میں خوب دعا کریں۔ [۶۴۹] (۴۵) پس جب سورج غروب ہو جائے تو امام عرفہ سے چلے اور لوگ بھی ان کے ساتھ چلے اپنی بیت پر یہاں تک کہ مزدلفہ آئے اور وہاں اترے۔

**تشریح** میدان عرفات میں شام تک رہے اور غروب آفتاب کے بعد وہاں سے چلے۔ پہلے امام چلے پھر عوام اس کے ساتھ چلے اور دوڑے نہیں۔ بلکہ اپنی بیت پر چلے۔

**مجا** قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... فلم یزل واقفا حتی غربت الشمس وذهبت الصفرة قليلا حتی غاب القرص واردف اسامة خلفه ودفع رسول الله ﷺ وقد شق للقواء الزمام حتی ان رأسها لیصیب مورک رحله ویقول بیده الیمنی ایها الناس السکينة السکينة کلما اتی جبلا من الحبال ارخی لها قليلا حتی تصعد حتی اتی المزدلفة (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸/ ابوداؤد شریف، باب حفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵/ ابواب الدفعة من عرفة ص ۲۷۲ نمبر ۱۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کے بعد عرفہ سے چلے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اطمینان سے چلے تیزی نہ کرے۔ [۶۵۰] (۴۶) مستحب یہ ہے کہ اس پہاڑ کے قریب ٹھہرے جس پر میقدہ ہے جس کو قزح کہا جاتا ہے۔

**تشریح** مزدلفہ میں مستحب یہ ہے کہ جبل قزح کے قریب ٹھہرے۔ یوں تو وادی محسر کے علاوہ پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ لیکن جبل قزح کے قریب ٹھہرنا مستحب ہے۔

**مجا** کیونکہ حضور ہیں ٹھہرے تھے۔ آیت میں ہے فاذا افضم من عرفات فاذا کروا الله عند المشعر الحرام (آیت ۱۹۸ سورة البقرة ۲) اس آیت میں ہے کہ عرفات سے چلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کو خوب یاد کرو اور جبل قزح کو مشعر الحرام کہتے ہیں (۲) حدیث میں ہے قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم ركب القواء حتی اتی المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعاہ وکبره وهللہ ووحده فلم یزل واقفا حتی اسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس (ب) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۹ نمبر

حاشیہ : (الف) آپ ٹھہرے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ سورج کا نکیہ غائب ہو گیا۔ اور اسامہ کو پیچھے بٹھایا اور حضور چلے۔ قواء اونٹنی کی گام پیچھے کھینچتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کا سر کجاوے کے اگلے حصے پر لگتا رہا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے کہ اے لوگو! سکون سے چلو سکون سے چلو کہیں نیلہ آتا تو آپ قواء کی گام کو تھوڑی دھکیلی کرتے تاکہ اس پر چڑھ جائے۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ تشریف لائے (ب) پھر قواء پر سوار ہوئے یہاں تک کہ مزدلفہ آئے۔ پھر قبلہ کا استقبال کیا، پھر اللہ کی تعریف بیان کی، تکبیر کہی، تہلیل کہی اور توحید بیان کی۔ ہمیشہ ٹھہرے رہے یہاں تک (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۵۱] (۴۷) ویصلی الامام بالناس المغرب والعشاء فی وقت العشاء باذان واقامة  
[۶۵۲] (۴۸) ومن صلی المغرب فی الطريق لم یجز عند ابی حنیفة و محمد رحمهما

۱۲۱۸/ ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) عن علی قال فلما اصبح یعنی النبی ﷺ وقف علی قرح فقال  
هو قرح وهو الموقف و جمع کلها موقف (الف) (ابوداؤد شریف، باب الصلوة ۲۷۱ نمبر ۱۹۳۵) ان دونوں حدیثوں سے  
معلوم ہوا کہ جبل قرح کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے۔

**نکتہ** المقیدہ : آگ جلنے کی جگہ، زمانہ جاہلیت میں اس پہاڑ کے قریب آگ جلانے کی جگہ تھی جس کو مقیدہ کہتے ہیں۔

[۶۵۱] (۴۷) اور امام لوگوں کو نماز پڑھائیں گے مغرب اور عشاء کی عشاء کے وقت میں ایک اذان اور ایک اقامت کے ساتھ۔

**تشریح** امام مزدلفہ میں بھی جمع بین الصلوتین کریں گے اور یہ جمع تاخیر کریں گے۔ اور عشاء کے وقت میں مغرب کی نماز پڑھیں گے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن ابن عمر قال جمع رسول اللہ ﷺ بین المغرب والعشاء بجمع صلی المغرب ثلاثا والعشاء  
رکعتین باقامة واحدة (ب) (مسلم شریف، باب الافاضة من عرفات الی المزدلفة واستحباب صلوٰتی المغرب والعشاء یمرجا بالمزدلفة فی  
ہذہ الیالیۃ ص ۴۱۷ نمبر ۳۱۱۲/۱۲۸۸) اس حدیث میں ہے کہ ایک اذان اور اقامت سے دونوں نماز پڑھے (۲) چونکہ مغرب کی نماز پڑھنے  
کے بعد تمام نمازی وہیں موجود ہیں اور نماز عشاء اپنے وقت پر پڑھی جا رہی ہے اس لئے دوبارہ اقامت کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس حدیث سے  
یہ بھی معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھیں گے۔

**نوٹ** دوسری حدیث میں دو مرتبہ اقامت کہنے کا تذکرہ ہے (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸) حتی اتی المزدلفة، فصلى بها المغرب  
والعشاء باذان واحد واقامتين (مسلم شریف، نمبر ۱۲۱۸)

[۶۵۲] (۴۸) جس نے مغرب کی نماز مزدلفہ کے راستے میں پڑھی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

**تشریح** عرفات سے چل کر مزدلفہ آ رہا ہو اور مزدلفہ سے پہلے راستہ میں مغرب کی نماز پڑھ لی تو طرفین کے نزدیک نماز کو دوبارہ لوٹانا ہوگا۔

**وجہ** (۱) اس لئے کہ آج کے دن کی مغرب کی نماز کا وقت بدل گیا اور مزدلفہ جانے کے بعد اس کا وقت ہوگا۔ اس لئے وقت سے پہلے نماز پڑھی  
ہے (۲) حدیث میں ہے اس دن نماز کا وقت حاجیوں کا بدل گیا۔ عن اسامة بن زيد انه سمعه يقول دفع رسول الله من عرفة ...

فقلت له الصلوة قال المصلوة امامك فجاء المزدلفة فتوضأ فاسبع ثم اقيمت الصلوة فصلى المغرب (ج) (بخاری  
شریف، باب الجمع بین الصلوة بالمزدلفة ص ۲۲۷ نمبر ۱۲۷۲/۱۲۷۲) مسلم شریف، باب استحباب ادامة الحاج التلبیۃ ص ۴۱۶ نمبر ۱۲۸۰) اس حدیث سے

حاشیہ : (بچھلے صفحہ سے آگے) کہ بہت اسفار ہو گیا، پس سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ چلے (الف) حضورؐ نے صبح کی توجہ جبل قرح کے پاس ٹھہرے اور وہی  
ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ اور مزدلفہ پورا ٹھہرنے کی جگہ ہے (ب) حضورؐ نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کو جمع کیا مغرب کی نماز پڑھی تین رکعت اور عشاء کی دو رکعت ایک  
ہی اقامت کے ساتھ (ج) حضورؐ نے آگے چلے ... میں نے کہا نماز کا وقت ہو گیا۔ آپؐ نے فرمایا نماز کا وقت آگے ہے۔ پھر مزدلفہ آئے اور اچھی طرح وضو کیا پھر نماز کی  
اقامت کی اور مغرب کی نماز پڑھی۔

اللہ تعالیٰ [۶۵۳] (۴۹) فاذا طلع الفجر صلى الامام بالناس الفجر بغلس.

معلوم ہوا کہ نماز کا وقت آگے ہے یعنی مزدلفہ پہنچ کر ہے (۳) ایک اثر میں ہے قال عبد الله بن مسعود هما صلواتان تحولان عن وقتهما صلوة المغرب بعد ما يأتي الناس المزدلفة والفجر حين يبرغ الفجر قال رايت النبي ﷺ يفعل (الف) (بخاری شریف، باب من اذن واقام لكل واحد منهما ص ۲۷۷ نمبر ۱۶۷۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ آج کے دن مغرب کی نماز کا وقت ہی بدل گیا ہے اس لئے وقت سے پہلے نماز پڑھے گا تو اس کو لوٹانا ہوگا۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مزدلفہ کے اندر نماز مغرب پڑھنا سنت ہے۔ اس لئے اگر مزدلفہ کے اندر نماز نہیں پڑھی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس لئے سنت کے خلاف کیا۔ لیکن نماز ہو گئی۔ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عبد الله بن زبير قال من سنة الحج ... ثم يفيض فيصلي بالمزدلفة او حيث قضى الله عز وجل ثم يقف بجمع (ب) (سنن للبيهقي، باب من قال يصليهما بالمزدلفة او حيث قضى الله عز وجل ج ۱ ص ۹۹، نمبر ۹۵۰۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں موقع ملے اور مغرب کا وقت ہو جائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔

[۶۵۳] (۴۹) پس جب فجر طلوع ہو تو امام لوگوں کو فجر کی نماز غلس میں پڑھائے۔

**وجہ** عام دنوں میں حنفیہ کے نزدیک نماز فجر اسفار میں پڑھنا سنت ہے لیکن اس دن وقوف مزدلفہ کی وجہ سے اور رمی جمار کی وجہ سے غلس میں ہی نماز پڑھی جائے گی (۲) عن عبد الرحمن بن يزيد قال خرجت مع عبد الله (بن مسعود) الى مكة ثم قد منا جمعا فصلى الصلوتين كل صلوة وحدها باذان واقامة والعشاء بينهما ثم صلى الفجر حين طلع الفجر قائل يقول طلع الفجر وقائل يقول لم يطلع الفجر ثم قال ان رسول الله قال ان هاتين الصلوتين حولتا عن وقتهما في هذا المكان المغرب والعشاء فلا يقدم الناس جمعا حتى يقيموا وصلوة الفجر هذه الساعة (ج) (بخاری شریف، متی، صلی الفجر بجمع ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۳) مسلم شریف، باب استحباب زیادة التغلیس بصلوة الصبح یوم النحر بالمزدلفة ص ۲۱۷ نمبر ۱۲۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں صبح کی نماز غلس میں پڑھی جائے گی۔

**نوٹ** اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دن نماز فجر کا وقت بدل گیا ہے۔ اس لئے غلس میں نماز پڑھی تو عام دنوں میں اصلی وقت اسفار کے وقت ہے۔ جو حنفیہ کا فجر کی نماز کا سلسلہ میں مسلک ہے۔

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا وہ دونوں نمازیں اپنے وقت سے بدل گئی ہیں۔ مغرب کی نماز لوگوں کے مزدلفہ آنے کے بعد اور فجر کی نماز جیسے ہی طلوع فجر ہو۔ حضور کو ایسا کرتے دیکھا (ج) پھر عرفہ سے چلے اور مزدلفہ میں نماز پڑھے یا اللہ تعالیٰ نے جہاں مقدر میں لکھا ہو وہاں نماز پڑھے۔ پھر مزدلفہ میں ٹھہرے (د) میں عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ مکہ مکرمہ گیا، پھر مزدلفہ آئے، پس دو نمازیں پڑھی، ہر نماز الگ الگ اذان اور اقامت کے ساتھ، اور عشا کا کھانا ان کے درمیان تھا، پھر فجر کی نماز طلوع فجر کے وقت پڑھی اتنی جلدی کہ کچھ کہتے تھے کہ صبح صادق ہو گئی اور کچھ کہتے تھے کہ ابھی صبح صادق نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں نمازیں اس مقام میں اپنے اپنے وقت سے بدل گئی ہیں، مغرب اور عشا کی نمازیں۔

[۶۵۴] (۵۰) ثم وقف الامام ووقف الناس معه فدعا [۶۵۵] (۵۱) والمزدلفة كلها موقف الا بطن محسر [۶۵۶] (۵۲) ثم افاض الامام والناس معه قبل طلوع الشمس حتى

[۶۵۴] (۵۰) پھر امام ٹھہرا رہے اور لوگ اس کے ساتھ ٹھہرے رہیں اور دعا کرتے رہیں۔

**تشریح** نماز فجر غلس میں پڑھ کر مزدلفہ ہی میں سب لوگ ٹھہرے رہیں اور اپنے لئے دعا کرتے رہیں۔ کیونکہ طلوع شمس سے پہلے یہاں سے نکلنا ہے تو اس وقت تک دعا اور استغفار کرتے رہے۔

**مجا** پہلے حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ حضورؐ اسفار تک تکبیر و تہلیل کرتے رہے۔ اور دعا کرتے رہے۔ قال دخلنا على جابر بن عبد الله ... ثم ركب القصواء حتى اتى المشعر الحرام فاستقبل القبلة فدعا وكبره وهللوه ووحده فلم يزل واقفا حتى اسفر جدا فدفع قبل ان تطلع الشمس (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ ابو داؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) معلوم ہوا کہ اسفار تک رکبیر، تہلیل، توحید کرتا رہے اور دعائیں کرتا رہے، اور طلوع شمس سے قبل مزدلفہ سے منیٰ کے لئے چلے۔

[۶۵۵] (۵۱) اور مزدلفہ کل کی کل ٹھہرنے کی جگہ ہے مگر وادی محسر۔

**مجا** وادی محسر میں اصحاب فیل والوں کو اللہ نے عذاب دیا تھا اس لئے وادی محسر میں نہ ٹھہرے، وادی محسر مزدلفہ میں ایک وادی کا نام ہے (۲) عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ كل عرفة موقف وارفعوا عن بطن عرنة و كل المزدلفة موقف وارفعوا عن بطن محسر و كل منى منحرا الا ما واء العقبة (ب) (ابن ماجہ شریف، باب الموقف بفراق ص ۴۳۶، نمبر ۳۰۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مزدلفہ میں بطن محسر ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے۔ باقی جگہ ٹھہر سکتا ہے۔ یوں بھی جب آپؐ وادی محسر سے گزرے تو اونٹنی کو تیز کر دیا تھا (نسائی شریف نمبر ۳۰۵۵)

[۶۵۶] (۵۲) پھر امام اور لوگ ان کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے یہاں تک کہ منیٰ آئے۔

**تشریح** سورج کے طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے منیٰ کے لئے روانہ ہو جائے۔

**مجا** (۱) مشرکین سورج کے طلوع ہونے کے بعد مزدلفہ سے چلا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ان کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے پہلے وہاں سے منیٰ کے چل پڑے (۲) سمعت عمر بن ميمون يقول شهدت عمر صلي بجمع الصبح ثم وقف فقال ان المشركين كانوا لا يفيضون حتى تطلع الشمس ويقولون اشرق ثبير وان النبي ﷺ خالفهم ثم افاض قبل ان تطلع الشمس (ج) (بخاری شریف، باب متى يدفع من جمع ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ

حاشیہ : (الف) پھر قصواء اونٹنی پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ مشر حرام کے پاس آئے، پس قبلہ کا استقبال کیا، دعا کی، تکبیر کی، توحید بیان کی، ٹھہرے رہے یہاں تک کہ بہت اسفار ہو گیا پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے (ب) آپؐ نے فرمایا عرفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن عرنة سے دور رہو، پورا مزدلفہ ٹھہرنے کی جگہ ہے لیکن بطن محسر سے دور رہو، پورا منیٰ نحر کی جگہ ہے سوائے عقبہ گھاٹی کے پیچھے۔ (ج) عمر بن ميمون فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ مزدلفہ (باقی اگلے صفحہ پر)

یاتو منی [۶۵۷] (۵۳) فیتبدأ بجمرة العقبة فیرمیها من بطن الوادی بسبع حصیات مثل حصاة الخذف [۶۵۸] (۵۴) ویکبر مع کل حصاة [۶۵۹] (۵۵) ولا یقف عندها

سے منی کے لئے روانہ ہو۔ مسئلہ نمبر ۵۰ میں بھی مسلم شریف کی حدیث (مسلم شریف نمبر ۱۲۱۸/۱ ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۰۵) گزری کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے آپ منی کے لئے روانہ ہوئے۔

[۶۵۷] (۵۳) پس جمرہ عقبہ سے شروع کرے اور جمرہ عقبہ کی رمی کرے بطن وادی سے سات کنکری کے ساتھ ٹھیکری کی کنکری کی طرح **تشریح** تین جمرات ہیں۔ اور اس وقت تینوں جگہ سمٹ کے کھجے کھڑے ہیں۔ جمرہ اولی، جمرہ وسطی اور عقبہ، دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرے گا اور بطن وادی سے سات کنکری مارے گا۔ جس طرح ٹھیکرے پھینکتے ہیں اس طرح پھینک کر مارے۔ کھجے کو لگ جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ ورنہ کم سے کم جو چاروں طرف تین تین فٹ کے حدود ہیں کنکری اس میں گرے تو کافی ہو جائے گا۔

**ترجمہ** قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ... ثم سلك الطريق الوسطی التي تخرج علی الجمرة الكبرى حتی اتی الجمرة التي عند الشجرة فرماها بسبع حصیات یکبر مع کل حصاة منها مثل حصی الخذف رمی من بطن الوادی ثم انصرف الی المنحر (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/۱ ابوداؤد شریف، باب حفتہ حجۃ النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بطن وادی سے جمرہ عقبہ پر ساتھ کنکریاں مارے۔

**نوٹ** العقبة : آخری، پیچھے، چونکہ یہ آخری جمرہ ہے اور دو جمروں کے پیچھے ہے اس لئے اس کو جمرہ عقبہ کہتے ہیں۔ رمی : بری کنکری پھینکنا۔ بطن وادی : جمرہ عقبہ کے پاس جگہ کا نام ہے۔ حصیات : حصاة کی جمع ہے کنکری۔ الخذف : ٹھیکرا پھینکنا۔ [۶۵۸] (۵۴) اور یکبر کہے ہر کنکری کے ساتھ۔

**تشریح** رمی جمار کے وقت جب کنکری پھینکتے تو ہر کنکری کے ساتھ یکبر کہے۔

**ترجمہ** اوپر حدیث میں گزرا یکبر مع کل حصاة منها (مسلم شریف، ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/۱ ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۰۵) باقی دلیل آگے آرہی ہے۔ [۶۵۹] (۵۵) اور جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرے گا۔

**تشریح** جمرہ اولی، جمرہ وسطی پر کنکری مارنے کے بعد ٹھہرے اور دعا کرے لیکن جمرہ عقبہ پر جب بھی کنکریں مارے تو ٹھہرے نہیں بلکہ آگے چلے جائے۔

**ترجمہ** تاکہ وہاں بھیڑ نہ ہو جائے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر انه کان یرمی الجمرة الدنيا بسبع حصیات یکبر علی اثر

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) میں صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہاں ٹھہرے اور فرمایا کہ مشرکین مزدلفہ سے کوچ نہیں کرتے جب تک سورج طلوع نہ ہو جاتا اور کہتے تھے میرا پہاڑ تو چمک اٹھا (تب کوچ کرتے) اور حضورؐ نے اس کی مخالفت کی اور سورج طلوع ہونے سے پہلے چلے (الف) پھر آپؐ درمیان کے راستے سے چلے جو جمرہ عقبہ پر نکلتا تھا۔ یہاں تک کہ اس جمرہ کے پاس آئے جو درخت کے پاس ہے یعنی جمرہ عقبہ تو اس کی رمی سات کنکریوں سے کی۔ ہر کنکری کے ساتھ یکبر کہتے ٹھیکری کی طرح بطن وادی سے رمی کی پھر مذبح کی طرف واپس لوٹے۔



[۶۶۰] (۵۶) و یقطع التلبیة مع اول حصة [۶۶۱] (۵۷) ثم یذبح ان احب .

کل حصاة ثم یتقدم حتی یسهل فیقوم مستقبل القبلة فیسهل فیقوم طویلا ویدعو ویرفع یدیه وثم یرمی الوسطی ثم یأخذ ذات الشمال فیستهل و یقوم مستقبل القبلة فیقوم طویلا ویدعو ویرفع یدیه و یقوم طویلا ثم یرمی جمرة ذات العقبة من بطن الوادی ولا یقف عندها ثن ینصرف و یقول هکذا رایت النبی ﷺ یفعله (الف) (بخاری شریف، باب اذا رمی الجمرتين یقوم مستقبل القبلة و یسهل ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث میں ہے کہ جمرہ عقبہ کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔ البتہ جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کی کنکری مارنے کے بعد کنارے پر ہٹ کر دعا کرے تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

**نوٹ** اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔

[۶۶۰] (۵۶) اور تلبیہ پہلی کنکری کے ساتھ منقطع کر دے۔

**وجہ** حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ اودف الفضل فاحبر الفضل انه لم یزل یلبی حتی رمی الجمرة العقبة (ب) (بخاری شریف، باب التلبیة والتکبیر غداة النحر حین حتی یرمی الجمرۃ العقبة ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۵) ابن ماجہ شریف میں یہ زیادتی ہے فلما رماها قطع التلبیة (ج) (ابن ماجہ شریف، باب متى یقطع الحاج التلبیة ص ۴۴۰، نمبر ۳۰۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمرہ عقبہ تک تلبیہ پڑھے گا اور پہلی کنکری مارتے ہی تلبیہ ختم کر دے گا (۲) تلبیہ کا مطلب ہے کہ میں حاضر ہوں۔ اب شیطان کے پاس کہے کہ میں حاضر ہوں تو یہ اٹی بات ہو جائے گی۔ اس لئے شیطان کو مارتے وقت تلبیہ ختم کر کے اللہ کی بڑائی بیان کرے اور تکبیر کہے۔

[۶۶۱] (۵۷) پھر ذبح کرے اگر پسند ہو تو۔

**وجہ** چونکہ کلام مفرد بالبح کے بارے میں چل رہا ہے اور مفرد پر ہدی واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے اس لئے اگر چاہے تو ہدی ذبح کرے اور چاہے تو نہیں کرے اس لئے مصنفؒ نے فرمایا اگر پسند ہو تو رمی کے بعد ذبح کرے۔ یوں حضورؐ نے ذبح کیا ہے۔ البتہ اگر تمتع یا قارن ہو تو ذبح کرنا واجب ہے (۲) حدیث میں ہے دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... ثم انصرف الی المنحر فنحر ثلاثا وستین بیده ثم اعطی علیا فنحر ما غیر و و اشترکہ فی ہدیہ (د) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۲۹۹ نمبر ۱۲۱۸) ابو داؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رمی کے بعد مفرد کو ہو سکے تو ذبح کرنا چاہئے (۲) یہ ہدی حج کرنے کے شکریہ کے طور پر ہے۔ اس لئے اللہ کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ہدی ذبح کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ بن عمر جمرہ اولیٰ پر رمی فرماتے سات کنکریوں کے ساتھ اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے پھر آگے بڑھتے یہاں تک کہ نرم زمین میں آتے پھر قبلہ کا استقبال کر کے کھڑے ہوتے اور دیر تک کھڑے رہتے اور دعا کرتے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کرتے پھر بائیں طرف ہٹتے اور نرم زمین پر جاتے اور قبلہ رخ کھڑے ہوتے پھر دعا کرتے۔ اور ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک کھڑے رہتے۔ پھر جمرہ عقبہ کی رمی کرتے تین وادی سے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔ پھر واپس لوٹتے اور فرماتے کہ اس طرح حضور کو کرتے دیکھا ہے (ب) حضورؐ نے فضل ابن عباس کو پیچھے بٹھایا تو انہوں نے خبر دی کہ آپؐ جمرہ عقبہ کی رمی تک ہمیشہ تکبیر کہتے رہے (ج) جب رمی کی تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دیا (د) پھر آپؐ مذبح کی طرف واپس لوٹے اور اپنے ہاتھ سے تریٹھاؤنٹ ذبح فرمائے۔ پھر حضرت علیؑ کو دیا اور باقی انہوں نے نعر فرمائے۔ اور حضرت علیؑ کو ہدی میں آپؐ نے شریک فرمایا۔

[۶۶۲] (۵۸) ثم یحلق او یقصر والحلق افضل [۶۶۳] (۵۹) وقد حل له کل شیء الا النساء [۶۶۴] (۶۰) ثم یتاتی مکة من یومه ذلک او من الغد او من بعد الغد فیطوف

[۶۶۲] (۵۸) پھر حلق کرائے یا قصر کرائے اور حلق افضل ہے۔

**تشریح** ری کے بعد حلق کرائے یا قصر کرائے۔

**بجہ** (۱) اب تک حج میں پراگندہ بال والا رہا ہے، اب بال صاف کر کے پراگندگی ختم کرے (۲) آیت میں ہے لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنین محلقین رء و مسکم ومقصرین (الف) (آیت ۲۷ سورۃ الفتح ۲۸) اس آیت میں اشارہ ہے کہ عمرہ یا حج کے بعد حلق کرائے یا قصر کرائے (۳) حدیث میں ہے عبد الله قال حلق رسول الله و حلق طائفة من اصحابه وقصر بعضهم قال عبد الله ان رسول الله قال رحم الله المحلقین مرة او مرتین ثم قال والمقصرین (ب) (مسلم شریف، باب تفضیل الحلق علی التقصیر وجواز التقصیر ص ۴۲۰ نمبر ۱۳۰۱/ ابوداؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۸ نمبر ۱۹۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ری کے بعد حلق بہتر ہے اور قصر بھی جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے حلق کرانے والے کو تین مرتبہ دعا دی اور قصر کرانے والے کو ایک مرتبہ دعا دی (۲) قصر میں کم پراگندگی دور ہوگی اس لئے قصر کم بہتر ہے۔

**نوٹ** عورتوں کے لئے صرف قصر کرنا جائز ہے۔ کیونکہ حلق اس کی زینت کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے ان ابن عباس قال قال رسول الله ليس على النساء حلق انما على النساء التقصير (ابوداؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۸۵) [۶۶۳] (۵۹) اور حلال ہوگئی ان کے لئے ہر چیز سوائے عورتوں کے۔

**تشریح** دسویں تاریخ کو رمی جمار کے بعد بیویوں کے علاوہ خوشبو، سلا ہوا کپڑا وغیرہ سب کچھ حلال ہو گئے۔

**بجہ** عن ابن عباس قال اذا رميت الجمره فقد حل لكم كل شيء الا النساء فقال له رجل يا ابن عباس والطيب؟ فقال اما انا فقد رايت رسول الله ﷺ يضمن رأسه بالمسك اقطيب ذلك ام لا؟ (ج) (ابن ماجہ شریف، باب ما يحل للرجل ازاري جمرۃ العقبة ص ۲۲۴/ نسائی شریف، باب ما يحل للمحرم للبحر الجمار ج ۲ ص ۳۰۸/ ابوداؤد شریف، باب الافاضة فی الحج ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے علاوہ تمام چیزیں حلال ہو گئیں جو احرام کی وجہ سے حرام ہوئی تھیں۔

[۶۶۴] (۶۰) پھر اسی دن مکہ مکرمہ آئے یا دوسرے دن یا تیسرے دن پھر بیت اللہ کا سات شوط طواف زیارت کرے۔

**تشریح** حاجی کو اختیار ہے کہ دسویں ذی الحجہ کو رمی، ذبح اور حلق کے بعد مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت جو فرض ہے وہ کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ

حاشیہ : (الف) ان شاء الله مسجد میں داخل ہونگے اس کے ساتھ اپنے سر کو منڈاتے ہوئے یا قصر کراتے ہوئے (ب) آپؐ نے حلق کرایا اور آپ کے ساتھیوں نے حلق کرایا اور بعض نے قصر کرایا۔ حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے دعا دی اے اللہ! حلق کرانے والوں پر رحم فرما ایک مرتبہ یا دوسرے۔ پھر فرمایا قصر کرنے والوں پر رحم فرما۔ حاشیہ : (ج) آپؐ نے فرمایا جب تم جمرہ کی رمی کرو تو تمہارے لئے ہر چیز حلال ہوگئی سوائے بیوی کے، ایک آدمی نے کہا اے عبد اللہ بن عباس! کیا خوشبو بھی؟ فرمایا بہر حال میں نے حضور کو دیکھا مشک سے سر کو مل رہے تھے تو کیا یہ خوشبو نہیں ہے؟

بالبیت طواف الزيارة سبعة اشواط [۶۶۵] (۶۱) فان كان سعى بين الصفا والمروة عقيب طواف القدوم لم يرمل في هذا الطواف ولا سعى عليه وان لم يكن قدم السعى رمل في هذا الطواف ويسعى بعده على ما قدمناه [۶۶۶] (۶۲) وقد حل له النساء .

گیارہویں یا بارہویں کو آئے۔ البتہ دسویں کو آنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں جلدی عبادت کو پورا کرنا ہے۔ اور حضور دسویں ہی کو مکہ تشریف لائے تھے اور طواف زیارت فرمایا تھا۔

**وجہ** دخلنا على جابر بن عبد الله... ثم ركب رسول الله فافاض الى البيت فصلى بمكة الظهر (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۴۰۰ نمبر ۱۲۱۸/ ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ دسویں ذی الحجہ کو ظہر تک مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ آکر طواف زیارت کرنا زیادہ بہتر ہے (۲) عن ابن عمر ان النبی ﷺ افاض يوم النحر ثم صلى الظهر بمنى يعني راجعا (ب) (ابوداؤد شریف، باب الافاضة فی الحج ص ۲۸۱ نمبر ۱۹۹۸) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپ نے طواف دسویں ذی الحجہ کو کیا ہے۔

[۶۶۵] (۶۱) پس اگر طواف قدوم کے بعد صفا اور مروه کے درمیان سعی کی ہو تو اس طواف زیارت میں رمل نہیں کرے گا اور نہ اس پر سعی ہے۔ اور اگر پہلے سعی نہیں کی ہے تو اس طواف میں رمل کرے گا اور اس کے بعد سعی کرے گا جیسا کہ پہلے بیان کیا۔

**تشریح** حج یا عمرہ میں ایک مرتبہ سعی اور ایک ہی مرتبہ اکڑ کر چلنا ہے۔ پس اگر حج کے طواف قدوم میں سعی اور رمل کر چکا ہے تو اس طواف زیارت میں سعی اور رمل نہیں ہے۔ اور اگر پہلے سعی اور رمل نہیں کیا ہے تو طواف زیارت کے بعد سعی بین الصفا والمروة بھی کرے گا اور طواف میں اکڑ کر بھی چلے گا۔

**وجہ** سمع جابر بن عبد الله يقول لم يطف النبي ﷺ ولا اصحابه بين الصفا والمروة الا طوافا واحدا... وقال الا طوافا واحدا طوافه الاول (ج) (مسلم شریف، بیان ان السعی لا یتکرر ص ۴۱۲ نمبر ۱۲۷۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج میں یا عمرہ میں ایک ہی سعی کرے گا۔ کیونکہ حضور اور صحابہ نے ایک ہی سعی کی تھی اور انہوں نے پہلی مرتبہ سعی کی تھی۔

**نکتہ** عقیب : بعد میں۔ رمل : اکڑ کر چلنا، طواف کے پہلے تین شوط میں اکڑ کر چلتے ہیں اس کو رمل کہتے ہیں۔

[۶۶۶] (۶۲) اور حلال ہو گئیں اس کے لئے بیویاں اس طواف کے بعد۔

**تشریح** طواف زیارت سے پہلے بیوی حرام تھی لیکن طواف زیارت کیا تو اس طواف کی وجہ سے اب بیویاں حلال ہو گئیں۔

**وجہ** ان عبد الله بن عمر قال فذكر الحديث... حتى قضى حجه و نحر هديه يوم النحر و افاض فطاف بالبیت ثم

حاشیہ : (الف) پھر حضور سوار ہوئے اور بیت اللہ تشریف لے گئے اور ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں پڑھی (ب) حضور دسویں ذی الحجہ کو چلے پھر واپس آکر منی میں ظہر کی نماز پڑھی یعنی طواف زیارت کر کے واپس آئے (ج) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضور آپ کے ساتھیوں نے صفا اور مروه کے درمیان ایک ہی مرتبہ سعی کی ہے... یہ بھی فرمایا کہ پہلی ہی مرتبہ سعی کی ہے۔

[۶۶۷] (۶۳) وهذا الطواف هو المفروض في الحج [۶۶۸] (۶۴) ويكره تأخيرها عن هذه الايام فان اخرها عنها لزمه دم عند اني حنيفة رحمه الله تعالى وقالا لا شيء عليه [۶۶۹] (۶۵) ثم يعود الى منى فيقيم بها.

حل من كل شيء حرم منه (الف) (سنن للبيهقي، باب التحلل بالطواف اذا كان قد سعى عقيب طواف القدوم ج خامس ص ۲۳۷، نمبر ۹۶۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد عورت بھی حلال ہو جائے گی۔ اس سے پہلے خوشبو، سلا، ہوا کپڑا اور شکار حلال ہوئے تھے، اب بیوی بھی حلال ہو گئی۔

[۶۶۷] (۶۳) حج میں یہ طواف فرض ہے۔

**وجہ** یہ طواف فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم ليقضوا نفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق (ب) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں امر کے صیغے کے ساتھ بیت عتیق یعنی بیت اللہ کے طواف کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ طواف فرض ہے۔

[۶۶۸] (۶۴) مکروہ ہے طواف زیارت کو مؤخر کرنا ان دنوں سے، پس اگر مؤخر کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کو دم لازم ہوگا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

**وجہ** امام ابوحنیفہ کی رائے ہے کہ طواف زیارت کو ایام نحر سے مؤخر کرے گا تو دم لازم ہوگا۔ (۱) کیونکہ یہ چیزیں وقت کے ساتھ موقت ہیں اس لئے ان کو وقت سے مؤخر کرنے پر دم لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے ان عبد الله بن عباس قال من نسي من نسكه شيئا او تركه فليهرق دما (ج) (سنن للبيهقي، باب من ترك شيئا من الرمي حتى يذبح ايام منى ج خامس ص ۲۳۸، نمبر ۹۶۸۸) اس اثر میں ہے کہ کچھ بھول جائے یا چھوڑ دے تو دم لازم ہوگا۔ اور چونکہ اس نے وقت پر طواف زیارت کو چھوڑ دیا چاہے بعد میں ادا کیا اس لئے اس کو دم لازم ہوگا۔ ایک اور اثر ہے۔ عن عباس قال من قدم شيئا من حججه او اخره فليهرق لذلك دما (مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۵۳ فی الرجل يحلق قبل ان يذبح، ج ثالث، ص ۹۴۵، نمبر ۱۳۹۵۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقت سے مؤخر کیا تو دم لازم ہوگا۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ عمر میں کبھی بھی طواف کرے گا وہ ادا ہی ہوگا اس لئے تاخیر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۶۶۹] (۶۵) پھر منی کی طرف مڑے اور وہاں قیام کرے۔

**تشریح** دسویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کر کے واپس منی آئے اور وہاں ٹھہرا رہے اور رمی جمار کرتا رہے۔

**وجہ** (۱) عن ابن عمر ان رسول الله افاض يوم النحر ثم رجع فصلى الظهر بمنى (د) (مسلم شریف، باب استحباب طواف الافاضة يوم النحر ص ۴۲۲ نمبر ۱۳۰۸) (۲) يسأل ابن عمر قال انا نبتاع باموال الناس فياتي احدنا مكة فيبيت على المال حاشية : (الف) یہاں تک کہ آپؐ نے اپنا حج پورا کیا اور دسویں تاریخ کو اپنی ہڈی کی نحر کی اور چلے۔ پس بیت اللہ کا طواف کیا پھر وہ تمام چیزیں حلال ہو گئیں جو آپؐ سے حرام ہوئی تھیں (ب) پھر اپنی پراگندگی دور کرے اور اپنی نذر پوری کرے اور بیت اللہ کا طواف کرے (ج) عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا جو ارکان حج میں سے کچھ بھول جائے یا اس کو چھوڑ دے تو غنم بھانا چاہئے (د) آپؐ نے یوم نحر میں طواف زیارت کیا پھر واپس ہوئے اور ظہر کی نماز منی میں پڑھی۔

[۶۷۰] (۶۶) فاذا زالت الشمس من اليوم الثاني من ايام النحر رمى الجمار الثلاث يتدئ بالتى تلى المسجد [۶۷۱] (۶۷) فيرميها بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة ثم يقف

فقال اما رسول الله ﷺ فبات بمنى وظل (الف) (ابوداؤد شریف، باب بیئت بمكة لیالی منی ص ۲۷۷ نمبر ۱۹۵۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں، گیارہویں اور بارہویں ايام تشریق میں منی میں رات گزارنا سنت ہے۔

[۶۷۰] (۶۶) گیارہویں تاریخ کو سورج ڈھل جائے تو تینوں جمرات کی رمی کرے، شروع کرے مسجد کے پاس سے۔

**تشریح** دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی تھی لیکن گیارہویں ذی الحجہ (جو دسویں ذی الحجہ کا دوسرا دن ہے) کو تینوں جمرات کی رمی کرے اور زوال کے بعد رمی کرے، پہلے جمرہ سے شروع کرے جو مسجد خیف کے قریب ہے، وہاں سات کنکری مارے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑا ہو کر دعا کرے اور تیسرے جمرے کے بعد کھڑا نہ رہے اور دعا نہ کرے تاکہ وہاں بھڑکنے نہ ہو۔

**سوال** ابن عمر منی ارمی الجمار؟ قال اذا رمى امامك فارمه فاعدت عليه المسئلة قال كنا نتحين فاذا زالت الشمس رمينا (ب) (بخاری شریف، باب رمی الجمار ص ۲۳۵ نمبر ۱۷۴۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ زوال کے بعد رمی کرے (۲) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے عن عائشة قالت افاض رسول الله ﷺ من آخر يومه حين صلى الظهر ثم رجع الى منى فمكث بها ليالى ايام التشريق يرمى الجمره اذا زالت الشمس كل جمره بسبع حصيات يكبر مع كل حصاة ويقف عند الاولى والثانية فيطيل القيام ويتضرع ويرمى الثالثة ولا يقف عندها (ج) (ابوداؤد شریف، باب رمی الجمار ص ۲۴۰ نمبر ۱۹۷۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے اور تیسرے اور چوتھے دن کی رمی زوال کے بعد کرے۔ اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور پہلے اور دوسرے جمرے کے پاس کھڑے رہ کر دعا کرے اور تیسرے جمرے کے پاس کھڑا نہ رہے۔

**نوٹ** ایوم الثانی من ايام النحر : یوم نحر کا دوسرا دن گیارہویں ذی الحجہ ہوتا ہے۔ المسجد : اس مسجد سے مسجد خیف مراد ہے جو جمرہ اولی سے کافی پیچھے کی جانب تھوڑی اونچائی پر ہے۔ اس وقت یہ بہت بڑی مسجد بنادی گئی ہے۔

[۶۷۱] (۶۷) پس ان کی رمی کرے سات سات کنکریوں کے ساتھ، تکبیر کہے ہر کنکری کے ساتھ پھر ٹھہرے جمرہ اولی کے پاس اور دعا کرے پھر رمی کرے جو اس کے بعد جمرہ ہے اسی طرح اور اس کے پاس ٹھہرے پھر رمی کرے جمرہ عقبہ کے پاس ایسے ہی اور اس کے پاس نہ ٹھہرے

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ ابن عمر سے پوچھا کہ ہم لوگوں کے مال بیچتے ہیں تو ہم میں بعض مکہ آتے ہیں اور وہاں مال کے لئے رات گزارتے ہیں؟ تو حضرت ابن عمر نے فرمایا بہر حال حضور تو منی میں رات گزارتے اور وہیں ٹھہرتے۔ (ب) میں نے ابن عمر سے پوچھا کہ کب رمی جمار کریں؟ فرمایا جب تمہارا امام رمی کرے تو تم اس کی رمی کرو۔ میں نے دوبارہ سوال کیا، حضرت ابن عمر فرمانے لگے ہم انتظار کرتے، پس جب سورج ڈھل جاتا تو ہم رمی کرتے (ج) حضورؐ نے اس دن کے آخر میں طواف زیارت کیا جس وقت ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر منی کی طرف واپس لوٹے، پس وہاں ايام تشریق کی رات میں ٹھہرے، جب سورج ڈھل جاتا تو جمرات کی رمی کرتے ہر جمرے پر سات سات کنکریوں کے ساتھ، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔ اور پہلے جمرے کے پاس اور دوسرے جمرے کے پاس ٹھہرتے، اور لمبا قیام کرتے اور گونگواتے اور تیسرے جمرے پر رمی کرتے تو اس کے پاس نہیں ٹھہرتے۔

عندها فیدعو ثم یرمی التی تلیها مثل ذلک ویقف عندها ثم یرمی جمرة العقبة کذلک ولا یقف عندها [۶۷۲] (۶۸) فاذا کان من الغد رمی الجمار الثلاث بعد زوال الشمس کذلک [۶۷۳] (۶۹) واذا اراد ان یتعجل النفر نفر الی مکة وان اراد ان یرقیم رمی

**تشریح** اس مسئلہ کی تفصیل اور وجہ سب اوپر گزر گئی ہے (ابوداؤد شریف نمبر ۱۹۷۳) (۲) عن ابن عمر انه کان یرمی الجمرة الدنيا بسبع حصیات یکبر علی اثر کل حصاة ثم یتقدم حتی یسهل فیکوم مستقبل القبلة فیکوم طویلا ویدعو ویرفع یدیه ثم یرمی الوسطی ثم یاخذ ذات الشمال فیسهل ویکوم مستقبل القبلة فیکوم طویلا ویدعو ویرفع یدیه ویکوم طویلا ثم یرمی جمرة ذات العتبة من بطن الوادی ولا یقف عندها ثم ینصرف ویقول هکذا رايت النبی ﷺ یفعلہ (الف) (بخاری شریف، باب اذا رمی الحجرین یتقدم مستقبل القبلة - یسهل ص ۲۳۶ نمبر ۱۷۵۱)

[۶۷۲] (۶۸) پس جب کہ اگلا دن ہو تو تینوں جمرات کی زوال کے بعد رمی کرے اسی طرح۔

**تشریح** اگلے دن سے مراد بارہویں ذی الحجہ ہے۔ یعنی بارہویں ذی الحجہ کو بھی گیارہویں ذی الحجہ کی طرح تینوں جمرات کی رمی کرے اور زوال شمس کے بعد کرے اور جمرہ اولیٰ اور جمرہ وسطیٰ پر ٹھہرے اور دعا کرے اور جمرہ عقبہ کے پاس نہ ٹھہرے۔

**مذہب** اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۶۶ میں گزر چکی۔

[۶۷۳] (۶۹) اگر جلدی کوچ کرنے کا ارادہ کرے تو کوچ کر جائے مکہ مکرمہ کی طرف اور اگر ٹھہرنا چاہے تو چوتھے دن رمی جمار کرے زوال کے بعد۔

**تشریح** اگر تین دین تک یعنی بارہویں تاریخ تک رمی جمار کر کے منیٰ سے مکہ مکرمہ جانا چاہے تو جاسکتا ہے اور اگر بارہویں تاریخ کی شام تک منیٰ میں ٹھہر گیا تو تیرہویں تاریخ کو زوال کے بعد تینوں جمرات کی رمی کرے پھر واپس مکہ مکرمہ واپس آئے۔

**مذہب** آیت میں ہے واذا کروا اللہ فی ایام معدودات فن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخر فلا اثم علیہ لمن اتقی (آیت ۲۰۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دو دن یعنی بارہویں تاریخ کو مکہ مکرمہ آئے تب بھی کوئی بات نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے عن عبد الرحمن یعممر الدیلی قال اتیت النبی ﷺ ہو بعرفة ... ایام منیٰ ثلثة فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تأخر فلا اثم علیہ (ب) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک فرتۃ ص ۱۹۳۹) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ منیٰ میں ٹھہرنے کے تین دن ہیں۔ لیکن دو دن

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمرؓ جمرہ اولیٰ کی ریسات کنگریوں کے ساتھ کرتے۔ ہر کنگری پر بکبیر کہتے، پھر آگے بڑھ کر نرم زمین پر جاتے اور قبلہ کی طرف استقبال کر کے دیر تک کھڑے رہتے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے۔ پھر جمرہ وسطیٰ کی رمی کرتے، پھر بائیں طرف نرم زمین پر کھڑے ہوتے اور قبلہ کی طرف استقبال کر کے ہاتھ اٹھاتے اور دیر تک دعا کرتے رہتے۔ پھر بطن وادی سے جمرہ عقبیٰ کی رمی کرتے اور اس کے پاس نہ ٹھہرتے پھر واپس لوٹ جاتے اور فرماتے کہ حضورؐ کو ایسے ہی کرتے دیکھا (ب) پ نے فرمایا... منیٰ میں ٹھہرنے کے تین دن ہیں۔ پس جس نے دو دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے مؤخر کیا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

الجمار الثالث في اليوم الرابع بعد زوال الشمس كذلك [۶۷۴] (۷۰) فان قدم الرمي في هذا اليوم قبل الزوال بعد طلوع الفجر جاز عند ابي حنيفة رحمه الله تعالى وقالوا لا

میں بھی یعنی گیارہویں اور بارہویں دن رمی جمار کر کے واپس آسکتا ہے (۳) ثریں ہے عن ابن عمر کان يقول من غربت عليه الشمس وهو بمنى اوسط ايام التشريق فلا ينفرن حتى يرمي الجمار من الغد (الف) (۴) عن ابن عباس قال اذا انفتح النهار من يوم النفر الآخر فقد حل الرمي والصدور (ب) (سنن للبيهقي، باب من غربت له الشمس يوم النفر الاول بمنى حتى رمي الجمار يوم الثالث بعد الزوال ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۶، ۹۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بارہویں کی شام ہو جائے تو منی سے کوچ نہ کرے بلکہ تیرہویں تاریخ کو زوال کے بعد رمی کر کے واپس آئے۔

[۶۷۴] (۷۰) پس اگر اس دن (تیرہویں) کو زوال سے پہلے رمی مقدم کی طلوع فجر کے بعد تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور صاحبین نے فرمایا جائز نہیں۔

**تشریح** تیرہویں ذی الحجہ کو زوال سے پہلے اور طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جائز نہیں۔

**وجہ** (۱) جب اس بات کی گنجائش ہے کہ تیرہویں تاریخ کو رمی کرے ہی نہیں تو اس بات کی بھی گنجائش ہوگی کہ زوال سے پہلے رمی کر لے (۲) اثر میں اوپر گزرا عن ابن عباس قال اذا انفتح النهار من يوم النفر الآخر فقد حل الرمي والصدور (سنن للبيهقي، باب من غربت الشمس يوم النفر الاول بمنى الخ ج خامس ص ۲۴۸، نمبر ۹۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ دن پھوٹ پڑے تو رمی کرنا حلال ہے۔ اور دن پھوٹ پڑنے سے مراد آفتاب کا طلوع ہونا ہے۔ اس طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنا چاہے تو تیرہویں تاریخ کو کر سکتا ہے۔

**فائدہ** صاحبین فرماتے ہیں کہ تیرہویں تاریخ کو بھی زوال کے بعد ہی رمی کرے کیونکہ حدیث میں ہے کہ دسویں تاریخ کو طلوع آفتاب کے بعد آپ نے رمی کی اور باقی دنوں میں زوال کے بعد رمی کی ہے۔ حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد الله يقول رايت رسول الله ﷺ يرمي على راحلته يوم النحر ضحى فاما بعد ذلك فبعد زوال الشمس (ج) (ابوداؤد شریف، باب فی رمی الجمار ص ۲۷۸ نمبر ۱۹۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ کو طلوع آفتاب کے بعد رمی کرے اور اس کے بعد باقی دنوں میں زوال کے بعد آپ رمی کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ نکلا کہ تیرہویں ذی الحجہ کو بھی زوال کے بعد ہی رمی کرے گا۔

**نوٹ** حضرت عبداللہ بن عباس کے قول کی وجہ سے امام ابوحنیفہ طلوع آفتاب کے بعد رمی کرنے کے قائل ہوئے ہیں۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عمر نے فرمایا ايام تشریق کے درمیان (یعنی بارہویں ذی الحجہ کو) جس پر منی میں سورج غروب ہو جائے تو وہ کوچ نہ کریں یہاں تک کہ اگلے دن یعنی تیرہویں ذی الحجہ کو رمی کر لیں (ب) حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تیرہویں ذی الحجہ کو دن پھوٹ پڑے تو رمی کرنا بھی حلال اور واپس جانا بھی حلال ہے نوٹ : یوم النفر الآخر تیرہویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں (ج) حضور کو دیکھا کہ دسویں تاریخ کو چاشت کے وقت اپنی سواری پر رمی کر رہے تھے۔ اور دسویں ذی الحجہ کے بعد تو زوال شمس کے بعد رمی کرتے۔

يجوز [۶۷۵] (۷۱) ويكره ان يقدم الانسان ثقله اله مكة ويقيم بها حتى يرمى  
[۶۷۶] (۷۲) فاذا نفر الى مكة نزل بالمحصب [۶۷۷] (۷۳) ثم طاف بالبيت سبعة  
اشواط لا يرمل فيها وهذا طواف الصدر.

[۶۷۵] (۷۱) مکروہ ہے کہ انسان اپنے سامان کو مکہ مکرمہ منتقل کرے اور خود منیٰ میں ٹھہرا رہے تاکہ رمی کرے۔

**تشریح** خود منیٰ میں ٹھہر کر رمی کرے اور اپنا سامان مکہ مکرمہ منتقل کر دے ایسا کرنا مکروہ تثنیہ ہے۔

**حجہ** (۱) اثر میں ہے قال عمر من تقدم ثقله ليلة ينفر فلا حج له (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۲۲ من کرہ ان يقدم ثقله من منیٰ، ج ثالث، ص ۳۸۷، نمبر ۱۵۳۸۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اپنا سامان مکہ مکرمہ منتقل کرنا مکروہ ہے تاہم اگر کر لیا تو دم لازم نہیں ہوگا۔ پچھلے زمانے میں آدمی اپنا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ ہوٹل وغیرہ میں نہیں رکھتے تھے اس لئے سامان مکہ مکرمہ بھیج دے اور خود منیٰ میں ٹھہرنے سے آدمی کا دل سامان پر لگا رہے گا اس لئے بھی مکروہ ہے۔ لیکن آج کل کی طرح پہلے سے سارا سامان مکہ مکرمہ کے ہوٹل میں ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔  
[۶۷۶] (۷۲) پس جب مکہ مکرمہ کی طرف کوچ کرے تو مقام محصب پر اترے۔

**تشریح** حضور نے منیٰ سے واپسی پر مکہ کے قریب مقام محصب پر پڑاؤ ڈالا تھا۔

**حجہ** (۱) آپؐ نے فرمایا کہ اس مقام پر کافروں نے مل کر فیصلہ کیا تھا کہ اسلام مٹا دیں گے اس لئے اس مقام پر پڑاؤ ڈال کر بتلائیں گے کہ اسلام پھل پھول کر مکہ میں واپس آ گیا، اسی شکرانہ میں آپؐ اور صحابہ مقام محصب میں قیام پذیر ہوئے (۲) ان انس بن مالک حدثہ عن النبی ﷺ انه صلى الظهر والعصر والمغرب والعشاء ورقدة بالمحصب ثم ركب الى البيت فطاف به (ب) (بخاری شریف، باب من صلى يوم النفر بالاطح ص ۲۳۷ نمبر ۶۴۷۱۷، مسلم شریف، باب استحباب نزول المحصب يوم النفر و صلوة الظهر وما بعده ص ۲۲۲ نمبر ۱۳۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ منیٰ سے نکلنے کے بعد مقام محصب میں ٹھہرنا چاہئے۔

**نکتہ** المحصب : مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

[۶۷۷] (۷۳) پھر بیت اللہ کا طواف کرے سات شوط، اس میں رمل نہ کرے اور یہ طواف صدر ہے۔

**تشریح** یوں تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے جتنے طواف کرے بہتر ہے، البتہ مکہ مکرمہ سے واپس ہوتے وقت آخری طواف کرے جس کو طواف صدر اور طواف وداع کہتے ہیں۔ اس طواف میں رمل نہ کرے۔

**حجہ** اب مکہ مکرمہ اور بیت اللہ کو الوداع کہہ رہا ہے اس لئے وداعی طواف کرے اور اس میں رمل اس لئے نہیں کرے گا کہ رمل اور سعی ہر حج اور عمرہ میں ایک ہی مرتبہ سنت ہے دوبارہ نہیں۔ اور طواف قدوم یا طواف زیارت میں ایک مرتبہ رمل اور سعی کر چکا ہے اس لئے اب دوبارہ نہیں کرے گا (۲) اس طواف کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال امر الناس ان يكون آخر عهدهم بالبيت الا انه خفف

حاشیہ : (الف) حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نے اپنا سامان بارہویں ذی الحجہ کی رات کو مکہ مکرمہ منتقل کر دیا تو گویا کہ اس کا حج ہی نہیں ہے (ب) آپؐ نے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نماز محصب میں پڑھی اور تھوڑی دیر سوئے پھر بیت اللہ کے لئے سوار ہوئے اور اس کا طواف کیا۔



[۶۷۸] (۷۴) وهو واجب الا على اهل مكة ثم يعود الى اهله [۶۷۹] (۷۵) فان لم يدخل المحرم مكة وتوجه الى عرفات ووقف بها على ما قدمناه سقط عنه طواف القدوم ولا

عن الحائض (الف) (بخاری شریف، باب طواف الوداع ص ۲۳۶ نمبر ۷۵۵) مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الخائض ص ۲۲۷ نمبر ۱۳۲) اس حیث سے معلوم ہوا کہ آفاقی پر طواف ووداع واجب ہے۔

[۶۷۸] (۷۴) یہ طواف ووداع واجب ہے مگر اہل مکہ پر واجب نہیں ہے۔ پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے۔

**تشریح** طواف ووداع کا مطلب ہے بیت اللہ چھوڑنے کا طواف۔ لیکن اہل مکہ چونکہ مکہ ہی میں ہیں اس لئے وہ بیت اللہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے ان کے لئے طواف ووداع واجب نہیں ہے۔ وہ تو جب جب موقع ملے طواف کرتے رہیں گے۔

**حج** واجب ہونے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے (۲) عن ابن عباس قال كان الناس ينصرفون في كل وجه فقال رسول الله لا ينصرفن احد حتى يمشوا آخر عهده بالبيت (ب) (مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الخائض ص ۲۲۷ نمبر ۱۳۲) ابوداؤد شریف، باب طواف الوداع ص ۲۸۱ نمبر ۲۰۰۵) اس حدیث میں امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے بھی طواف ووداع آفاقی کے لئے واجب ہوگا۔

[۶۷۹] (۷۵) اگر محرم مکہ میں داخل نہ ہو اور عرفات کی طرف متوجہ ہو جائے اور وہاں اس طرح قوف عرفہ کر لے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا تو اس سے طواف قدوم ساقط ہو جائے گا اور طواف قدوم کے چھوڑنے سے اس پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔

**تشریح** کوئی محرم مکہ نہ آیا اور احرام باندھ کر سیدھا عرفات چلا گیا تو اس کا حج ہو گیا۔ اب اس پر طواف قدوم کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور طواف قدوم کے چھوڑنے سے دم بھی لازم نہیں ہوگا۔

**حج** (۱) طواف قدوم مکہ آنے پر ہوتا ہے اور وہ مکہ آیا ہی نہیں اس لئے اس پر طواف قدوم نہیں ہے جیسے کوئی مسجد میں داخل ہو ہی نہیں تو اس پر تحیۃ المسجد لازم نہیں ہوگی۔ اور چونکہ طواف قدوم سنت ہے اس لئے سنت چھوڑنے پر دم لازم نہیں ہوگا (۲) اخبرنی عروة بن مضر عن الطائسی قال اتیت رسول الله بالموقف یعنی بجمع قلت جنت یا رسول الله من جبلی طی اکللت مطبئی واتعبت نفسی واللہ ماترکت من جبل الا وقفت علیه فهل لی من حج فقال رسول الله من ادرک معنا هذه الصلوة واتی عرفات قبل ذلک لیلا او نهرا فقد تم حجه و قضی تفثه (ج) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک عرفۃ ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۵۰)

حاشیہ : (الف) آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کا آخری عہد یعنی وقت بیت اللہ کے ساتھ ہو۔ مگر یہ کہ حائضہ عورت کے لئے تخفیف کر دی (ب) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ ادھر ادھر جا رہے تھے تو حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی ادھر ادھر نہ جائے یہاں تک کہ اس کا آخری وقت بیت اللہ کے طواف میں ہو (ج) عروہ بن مضر طائی فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس مزدلفہ میں آیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہؐ! پہاڑ سے میں آیا ہوں اور اپنی سواری اور اپنے آپ کو تھکا چکا ہوں۔ اور کسی ٹیلے کو نہیں چھوڑا ہے مگر میں نے اس پر قوف کیا ہے تو کیا میرا حج ہو گیا؟ آپؐ نے فرمایا جس نے ہمارے ساتھ یہ نماز پائی اور اس سے پہلے رات میں یادن میں عرفہ آیا تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اپنی پراگندگی دور کرے۔

شیء علیہ لترکہ [۶۸۰] (۷۶) ومن ادرك الوقوف بعرفة ما بين زوال الشمس من يوم  
عرفة الى طلوع الفجر من يوم النحر فقد ادرك الحج [۶۸۱] (۷۷) ومن اجتاز بعرفة

ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرك الامام من جمع فقد ادرك الحج ص ۹۷ نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں صحابی نے طواف قدوم نہیں کیا بلکہ براہ  
راست عرفہ چلے گئے اور مزدلفہ میں آکر حضور سے ملے پھر بھی آپؐ نے فرمایا کہ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو ٹھہر گیا تو حج ہو گیا۔ نیز آپؐ نے  
طواف قدوم چھوڑنے پر دم لازم نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو سیدھا عرفہ چلا گیا اس پر طواف قدوم لازم نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ  
طواف قدوم سنت ہے۔ اس کو چھوڑنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۶۸۰] (۷۶) جس نے وقوف عرفہ پایا نویں ذی الحجہ کے سورج کے زوال کے بعد سے دسویں تاریخ کے طلوع فجر سے پہلے تک تو اس نے حج  
پالیا۔

**تشریح** وقوف عرفہ فرض ہے اور اس کا وقت نویں ذی الحجہ کے سورج کے ڈھلنے کے بعد سے دسویں ذی الحجہ کے طلوع فجر سے پہلے تک ہے  
اس لئے اس دوران جس نے احرام کے ساتھ ایک منٹ کے لئے بھی وقوف عرفہ کر لیا اس کا حج ہو گیا۔ اب فرض میں سے طواف زیارت باقی  
ہے جو کبھی بھی کرے گا تو فرض ادا ہو جائے گا اگرچہ بے وقت کرنے سے دم لازم ہوگا۔

**نوٹ** (۱) ایک حدیث تو اوپر مسئلہ نمبر ۵۷ میں گزری جس میں تھا یہ تھا کہ دسویں ذی الحجہ سے پہلے دن یارات میں وقوف عرفہ کر لیا تو اس کا حج ہو  
گیا (۲) عن عبد الرحمن بن يعمر الديلمي قال اتيت النبي ﷺ ص هو بعرفة فجاء ناس او نفر من اهل نجد فامروا  
رجلا فنادى رسول الله كيف الحج فنادى الحج الحج يوم عرفة ومن جاء قبل صلاة الصبح من ليلة  
جمع فتم حججه (الف) (ابوداؤد شریف، باب من لم يدرك عرفته ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۳۹ ترمذی شریف، باب ماجاء من ادرك الامام من جمع فقد  
ادرك الحج ص ۸۷ نمبر ۸۸۹) اس حدیث میں لیلۃ جمع سے مراد عرفات کے بعد کی رات ہے۔ اس لئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نویں  
ذی الحجہ کا دن اور دسویں ذی الحجہ کی رات میں طلوع فجر سے پہلے ایک منٹ کے لئے وقوف عرفہ کر لیا تو حج پالیا۔

**نوٹ** لیلۃ جمع : مزدلفہ کی رات۔

[۶۸۱] (۷۷) جو عرفہ سے گزر گیا اس حال میں کہ وہ سویا ہوا ہے یا اس پر بیہوش طاری ہے یا وہ نہیں جانتا ہے کہ یہ عرفہ ہے تو یہ گزرتا وقوف  
عرفہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

**تشریح** احرام کے ساتھ عرفات کے اوقات میں عرفات سے گزر گیا لیکن اس کو پتہ نہیں چلا کہ یہ میدان عرفات ہے۔ مثلاً وہ سواری پر سویا ہوا  
تھایا اس پر بیہوش طاری تھی یا اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ میدان عرفات ہے پھر بھی چونکہ احرام کے ساتھ اوقات عرفہ میں گزرا ہے اس لئے

حاشیہ : (الف) حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کے پاس آیا اس حال میں کہ آپؐ عرفہ میں تھے۔ پس اہل نجد کے کچھ لوگ یا افراد آئے، انہوں نے ایک  
آدمی سے کہا اس نے حضورؐ کو آواز دے کر پوچھا کہ حج کسے کہتے ہیں؟ پس آپؐ نے ایک آدمی کو حکم دیا، اس نے اعلان کیا کہ حج عرفہ کے دن کا نام ہے۔ جو مزدلفہ کی  
رات کے صبح سے پہلے عرفہ آیا اس کا حج پورا ہو گیا۔

وهو نائم او مغمی علیہ او لم یعلم انها عرفة اجزأه ذلك عن الوقوف [۶۸۲] (۷۸) والمرأة فی جميع ذلك كالرجل غیر انها لا تكشف رأسها وتكشف وجهها.

وقوف عرفہ ہو گیا اور اس نے حج پایا۔

**حج** (۱) مسئلہ نمبر ۷۵ میں عروہ بن مضرس الطائی کی حدیث گزری جس میں ہے کہ میں نے کتنے پہاڑوں کو چھان مارا تو کیا میرا حج اور وقوف عرفہ ہو گیا، عبارت یہ ہے واللہ ما ترکت من جبل الا وقفت علیہ فهل لی من حج (الف) (ابوداؤد شریف، باب من لم یدرک فرقہ ص ۲۷۶ نمبر ۱۹۵) اور آپ نے فرمایا کہ اس دوران میدان عرفات سے گزر گیا تو حج ہو جائے گا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بغیر جانے کہ یہ میدان عرفات ہے وہاں سے گزر گیا تو حج ہو جائے گا (۲) اصل وقوف ہے چاہے میدان کا علم ہو یا نہ ہو (۳) عن عبد اللہ بن عمر قال اذا وقف الرجل بعرفة لبیل قد تم حجه وان لم یدرک الناس بجمع (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۵۱ من قال اذا وقف بعرفة قبل ان یطلع الغبر فقد ادرک، ج ثالث، ص ۲۱۸، نمبر ۱۳۶۷۳) اس اثر میں ہے کہ عرف میں لوگوں کو نہ پایا اور وہاں سے گزر گیا تو حج پورا ہو گیا نوٹ بیہوشی کے عالم میں یا سونے کے عالم میں محرم ہونا چاہئے۔ یا کم از کم ساتھی دوست ان کی جانب سے احرام باندھ لے تو حج ہوگا۔ اور اگر ساتھی دوست نے بھی ان کی جانب سے احرام نہیں باندھا اور خود بھی احرام نہیں باندھا تو وقوف عرفہ کرنے سے حج نہیں ہوگا۔

**نفت** : مغمی علیہ : بیہوشی طاری ہو گئی اس پے، اغماء سے مشتق ہے۔ اجناز : تجاوز سے مشتق ہے گزر گیا، تجاوز کر گیا۔

[۶۸۲] (۷۸) عورت ان تمام مسائل میں مرد کی طرح ہے علاوہ یہ کہ وہ اپنا سر نہیں کھولے گی اور اپنا چہرہ کھولے گی۔

**تشریح** جس طرح احکام مردوں پر لازم ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی لازم ہیں۔ البتہ جہاں ان کے ستر یا نساویت کے خلاف ہے وہاں عورتوں کا مسئلہ مردوں سے الگ ہے۔ اسی میں یہ چند مسائل ہیں جو ذکر کئے جا رہے ہیں کہ مرد احرام کی حالت میں سر کھولے گا لیکن عورت سر ڈھانکے گی۔ کیونکہ سر کھولنا ستر کے خلاف ہے۔ البتہ چہرہ کھولے گی۔ لیکن مرد سامنے آجائے تو چہرہ پھرا لے گی۔ تاکہ اجنبی مرد اس کے چہرے کو نہ دیکھے۔ یا چہرہ سے دور ہٹا کر اس طرح کپڑا لٹکائے گی کہ چہرے کے ساتھ مس نہ کرے البتہ مردوں سے پردہ بھی ہو جائے۔

**حکمت** اس کی حکمت یہ ہے کہ باندی کے لئے چہرے پر کپڑا ڈالنا ضروری نہیں ہے۔ اس لئے شریف اور آزاد عورت بھی اللہ کے دربار میں چہرہ کھول کر جائے تاکہ باندی اور آزاد دونوں اللہ کے حضور میں برابر ہو جائیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آزاد عورتیں ہر جگہ اپنا چہرہ کھولے پھریں اور ستر کے خلاف کام کریں۔

**حج** عن عائشة قالت کان الرکبان یمرون بنا ونحن مع رسول اللہ ﷺ فاذا محرمان حاذوا بنا سدلنا احدینا جلسا بہا من رأسها علی وجہها فاذا جاوزونا کشفناہا (ج) (ابوداؤد، باب فی الحرمۃ تقطعی وجہھا ص ۲۶۱ نمبر ۱۸۳۳) اس حدیث

حاشیہ : (الف) خدا کی قسم کوئی ٹیلہ نہیں چھوڑا جس پر وقوف نہیں کیا ہو تو کیا میرا حج ہو گیا؟ (ب) حضرت ابن عمر نے فرمایا اگر آدمی رات میں عرفہ میں ٹیلے سے تو اس کا حج پورا ہو گیا چاہے عرفہ میں لوگوں کو نہ پایا ہو (دوسرا ترجمہ ہے چاہے مزدلفہ میں لوگوں کو نہ پاسکے) (ج) حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ قافلے والے ہمارے سامنے سے گزرتے تھے اس حال میں کہ ہم حضور کے ساتھ محرم تھے۔ پس جب مرد ہمارے سامنے آتے تو ہم میں سے ہر ایک سر سے اپنا نقاب چہرے (باقی اگلے صفحہ پر)

[۶۸۳] (۷۹) ولا ترفع صوتها بالتلبیة [۶۸۴] (۸۰) ولا ترمل فی الطواف ولا تسعى

بین المیلین الا خضرین [۶۸۵] (۸۱) ولا تحلق ولكن تقصر .

سے معلوم ہوا کہ محرمہ عورت چہرہ کھلا رکھے اور کوئی اجنبی مرد سامنے آئے تو چہرہ سے دور کر کے چادر وغیرہ چہرہ پر لٹکا دے اس طرح سے کہ کپڑا چہرے سے مس نہ ہو (۲) عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال لیس علی المرأة احرام الا فی وجهها (الف) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۷ نمبر ۲۷۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا احرام اس کے چہرے میں ہے اس لئے وہ کپڑا چہرے سے دور رکھے گی۔ [۶۸۳] (۷۹) اور تلبیہ میں اپنی آواز بلند نہ کرے۔

**ترجمہ** عورت کی آواز میں مرد کے لئے کشش ہوتی ہے اس لئے وہ زور سے تلبیہ پڑھے گی تو اجنبی مرد اس کی طرف متوجہ ہونگے۔ اس لئے عورت زور سے تلبیہ نہ پڑھے وہ آہستہ آہستہ پڑھے (۲) عن ابن عمر قال لا تصعد المرأة فوق الصفا والمروة ولا ترفع صوتها بالتلبیة (ب) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۹ نمبر ۲۷۴۱ سنن للبیہقی، باب المرأة لا ترفع صوتها بالتلبیة ج خامس ص ۷۲، نمبر ۹۰۳۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت تلبیہ میں آواز بلند نہیں کرے گی۔ [۶۸۴] (۸۰) طواف میں اکڑ کر نہیں چلے گی اور نہ میلین اخضرین کے درمیان دوڑے گی۔

**تشریح** مرد طواف قدوم میں پہلے تین شوط میں رمل کرتے ہیں اور اکڑ کر چلتے ہیں لیکن اکڑ کر چلنا عورت کے ستر کے خلاف ہے اس لئے وہ رمل نہیں کرے گی۔ اسی طرح صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت میلین اخضرین میں عورت نہیں دوڑے گی کیونکہ یہ اس کے ستر کے خلاف ہے۔

**ترجمہ** (۱) عن ابن عمر قال لیس علی النساء رمل بالبيت ولا بین الصفا والمروة (ج) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۸ نمبر ۲۷۴۰) باب نمبر ۲۹ سنن للبیہقی، باب المرأة تطوف وتسی لیل اذا كانت مشہورة بالجمال ولا رمل علیها ج خامس ص ۷۷، نمبر ۹۰۵۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت نہ رمل کرے گی اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے گی۔

**لغت** میلین اخضرین : صفا اور مروہ کے درمیان دوہری بتیاں لگی ہوئی ہیں جہاں سعی کرنے والے تیز چلتے ہیں۔ [۶۸۵] (۸۱) اور عورت سر کا حلق نہ کرائے گی۔

**تشریح** حج میں رمی یا ذبح کے بعد محرم سر منڈاتے ہیں یا عمرے میں سعی کے بعد سر منڈواتے ہیں لیکن عورت اس وقت سر نہیں منڈوائے گی بلکہ صرف ایک انگلی کے برابر اپنے بال کاٹ کر احرام کھولے گی **ترجمہ** (۱) بال منڈوانے سے عورت گنجی ہو جائے گی جو اس کی زینت کے خلاف ہے اس لئے صرف قصر کرے گی (۲) ان ابن عباس قال قال رسول الله لیس علی النساء حلق انما علی النساء التقصیر (د) ابو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پڑا لیتے، پس جب وہ گزر جاتے تو ہم چہرہ کھول لیتے (الف) آپؐ نے فرمایا عورت پر احرام نہیں ہے مگر اس کے چہرے میں یعنی چہرے پر کپڑا نہ ڈالے (ب) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا عورت صفا اور مروہ پر نہ چڑھے اور نہ تلبیہ میں اپنی آواز بلند کرے (ج) حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت پر بیت اللہ کے طواف میں رمل نہیں ہے اور نہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا ہے (د) آپؐ نے فرمایا عورت پر حلق نہیں ہے عورت پر صرف قصر ہے۔

داؤد باب الحلق والتقصیر ص ۲۷۹ نمبر ۱۹۸ / ترمذی شریف باب ما جاء فی کراهیة الحلق للنساء ص ۱۸۲ نمبر ۹۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت حلق نہ کرے وہ صرف تقصیر کرے اور پورے بھر بال کٹوا کر حلال ہو جائے۔

**لغت** حلق: سر کو منڈوانا۔ قصر: کچھ بال رکھنا کچھ کو کٹوانا۔



## ﴿باب القرآن﴾

[۶۸۶] (۱) القرآن افضل عندنا من التمتع والافراد.

## ﴿باب القرآن﴾

**ضروری نوٹ** حج اور عمرہ دونوں کو ایک ہی سفر میں جمع کرے اور حج کے ساتھ عمرے کا احرام باندھے لے اس کو قرآن کہتے ہیں۔ قرآن کے معنی ہیں ملانا، چونکہ حج اور عمرہ کو ایک ساتھ ملایا اس لئے اس کو قرآن کہتے ہیں۔

[۶۸۶] (۱) قرآن ہمارے نزدیک تمتع اور افراد سے افضل ہے۔

**تشریح** صرف حج کا احرام باندھے تو اس کو حج افراد کہتے ہیں۔ پہلے عمرے کا احرام باندھے اس کو پورا کر کے احرام کھول دے اور میقات کے حدود میں ٹھہرا رہے پھر اشہر حج میں حج کا احرام باندھے اور حج پورا کرے تو اس کو حج تمتع کہتے ہیں۔ تمتع کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، چونکہ اس نے عمرہ کے بعد احرام کھولنے کا فائدہ اٹھایا اس لئے اس حج کو حج تمتع کہتے ہیں۔ اور قرآن کے معنی اوپر گزرے، ہمارے نزدیک قرآن افضل ہونے کی۔

**وجہ** (۱) یہ ہے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے اور زیادہ مشقت میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اس لئے حج قرآن افضل ہے (۲) سمع عمرہ یقول سمعت النبی ﷺ بوادی العقیق یقول انا فی اللیلۃ آت من ربی فقال صل فی هذا الوادی المبارک وقل عمرۃ فی حجبہ (الف) (بخاری شریف، باب قول النبی ﷺ للعقیق واد مبارک ص ۲۰۷ نمبر ۱۵۳۳۱ ابوداؤد وشریف، باب فی الاقران ص ۲۵۷ نمبر ۱۸۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ کو باضابطہ عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے کا حکم دیا اس لئے قرآن افضل ہوگا (۳) عن انس بن مالک انہم سمعوه یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یلبی بالحج والعمرة جميعا یقول لیبک عمرة و حجا لیبک عمرة و حجا (ب) (ابوداؤد وشریف، باب الاقران ص ۲۵۷ نمبر ۱۷۹۵۱۷۹۵ ابوترندی شریف، باب ماجاء فی الحج بین الحج والعمرة ص ۱۶۹ نمبر ۸۲۱) مسلم شریف، باب فی الافراد والقرآن ص ۲۰۴ نمبر ۱۲۳۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور نے حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھا جس سے معلوم ہوا کہ قرآن افضل ہے (۴) فدخلت علی ام سلمة ... سمعت رسول اللہ ﷺ یقول اهلوا یا آل محمد بعمرة فی حج (ج) (سنن اللیثی، باب العمرة قبل الحج والحج قبل العمرة ج ۱ ص ۵۷۹، نمبر ۸۷۸۶) اس حدیث میں بھی قرآن کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک قرآن افضل ہے۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک افراد افضل ہے۔

**وجہ** ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔ عن عائشة انها قالت خرجنا مع رسول اللہ عام حجة الوداع فمنا من اهل بعمرة و منا

حاشیہ : (الف) میں نے حضور سے وادی ثقیف میں سنا فرماتے تھے، میرے پاس آج میرے رب کی جانب سے آنے والے آئے اور فرمایا اس مبارک وادی میں نماز پڑھئے اور کو عمرہ حج کے اندر ہے (ب) میں نے حضور سے سنا حج اور عمرہ دونوں کا ساتھ تبلیہ پڑھتے تھے، فرماتے تھے لیبک عمرہ اور حج، لیبک عمرہ اور حج (ج) میں حضور سے کہتے ہوئے سنا آل محمد عمرہ کو حج میں داخل کر کے احرام باندھو۔

[۶۸۷] (۲) وصفة القران ان يهل بالعمرة والحج معا من الميقات ويقول عقيب الصلوة

اللهم انى اريد الحج والعمرة فيسهما لى وتقبلهما [۶۸۸] (۳) فاذا دخل مكة ابتدا

من اهل بحج و عمرة ومنا من اهل بالحج واهل رسول الله بالحج فاما من اهل بالحج او جمع الحج والعمرة لم يحل حتى كان يوم النحر (الف) (بخارى شريف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۲ ابوداؤد شريف، باب في افراد الحج ص ۲۵۴ نمبر ۱۷۷۹/۱۷۷۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور جتہ الوداع میں مفرد تھے اس لئے مفرد زیادہ بہتر ہوگا۔ امام مالکؒ کے نزدیک تمتع زیادہ افضل ہے۔ ان کی دلیل ہے کہ قرآن میں تمتع کا ذکر ہے۔ آیت میں ہے فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى (ب) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة ۲) اس آیت میں تمتع کی طرف اشارہ ہے اس لئے تمتع افضل ہے (۲) حضورؐ نے ان صحابہ کو جو ہدی ساتھ نہیں لے گئے عمرہ کر کے حلال ہونے کے لئے فرمایا ارشاد ہے عن جابر قال قدم رسول الله واصحابه لاربع ليال خلون ... قال رسول الله اجعلوها عمرة الا من كان معه الهدى (ج) (ابوداؤد شريف، باب في افراد بالحج ص ۲۵۶ نمبر ۱۷۸۸) (۳) عن عائشة قالت خرجنا مع النبي ﷺ ولا نرى الا انه الحج فلما قدمنا تطوفنا بالبيت فامر النبي ﷺ من لم يكن ساق الهدى ان يحل فحل من لم يكن ساق الهدى (د) (بخارى شريف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث میں حضورؐ نے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا اس لئے بھی تمتع افضل ہے۔ یہ بھی حضرت امام مالکؒ کی دلیل ہے کہ تمتع افضل ہے۔ یہ اختلاف صرف افضلیت کا ہے۔

[۶۸۷] (۲) اور قران کی شکل یہ ہے کہ میقات سے عمرہ اور حج کا ایک ساتھ احرام باندھے اور نماز کے بعد کہے اے اللہ! میں نے حج اور عمرہ کا ارادہ کیا ہے اس لئے ان دونوں کو آسان کر دے اور مجھ سے دونوں قبول کر۔

**تشریح** قران کی صورت یہ ہے کہ عمرہ اور حج کا احرام ایک ساتھ باندھے اور دسویں ذی الحجہ کو دونوں احراموں سے ایک ساتھ ذبح کرنے کے بعد حلال ہو۔ چونکہ حج اور عمرہ دونوں کو ملایا اس لئے یہ قران ہوا۔ اور دونوں کو جمع کیا ہے اس لئے دونوں کی آسانی کے لئے دعا کرے۔

[۶۸۸] (۳) پس جبکہ مکہ میں داخل ہو تو طواف سے شروع کرے، پس بیت اللہ کا طواف کرے سات شوط، تین پہلے میں رمل کرے اور باقی میں اپنی حالت پر چلے اور اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور یہ عمرہ کے افعال ہیں۔

**تشریح** عمرہ میں تین کام ہوتے ہیں (۱) احرام باندھنا (۲) سات شوط طواف کرنا (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا۔ چونکہ یہ تینوں اعمال

حاشیہ : (الف) ہم حضور کے ساتھ جتہ الوداع میں نکلے تو ہم میں سے کچھ عمرہ کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور ہم میں سے کچھ حج اور عمرہ دونوں کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور ہم میں سے کچھ صرف حج کا احرام باندھے ہوئے تھے، اور حضور نے حج کا احرام باندھا۔ بہر حال جس نے حج کا احرام باندھا یا حج اور عمرہ کو جمع کیا تو نہیں حلال ہوئے مگر یوم نحر میں (ب) پس جب بے خوف ہو جاؤ تو جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو ہدی میں سے آسان ہووے دے (ج) آپؐ اپنے صحابہ کے ساتھ چار ذی الحجہ کو مکہ تشریف لائے... آپؐ نے فرمایا حج کو عمرہ بنا دو مگر جس کے ساتھ ہدی ہو (د) ہم حضور کے ساتھ نکلے، ہماری نیت نہیں تھی مگر حج ہی کی، پس جب ہم آئے اور بیت اللہ کا طواف کیا تو جس نے ہدی نہیں ہاکی تھی ان کو حضورؐ نے حکم دیا کہ حلال ہو جائیں۔ تو جس نے ہدی نہیں ہاکی تھی وہ حلال ہو گئے۔

بالطواف فطاف بالبيت سبعة اشواط يرمل في الثلثة الاول منها ويمشي في ما بقي على هيئته ويسعى بعدها بين الصفا والمروة وهذه افعال العمرة [۶۸۹] (۴) ثم يطوف بعد السعي طواف القدوم ويسعى بين الصفا والمروة للحج كما بيناه في حق المفرد .

عمرہ کے ہیں اور عمرہ کا احرام باندھا ہے اس لئے یہ تینوں اعمال پہلے کریں گے اور عمرہ پورا کریں گے۔

**نوٹ** پہلے گزر چکا ہے کہ ہر عمرہ اور ہرج میں پہلے طواف کے پہلے تین شوط میں رمل کرتے ہیں اور باقی چار شوط میں اپنی حالت پر چلتے ہیں  
**بخاری** عن جابر قال قدم رسول الله واصحابه لاربع ليال خلون من ذي الحجة فلما طافوا بالبيت وبالصفا والمروة قال رسول الله ﷺ اجعلوها عمرة (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی افراد الحج ص ۲۵۶ نمبر ۱۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ کے لئے طواف اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے اور احرام باندھنے کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ احرام بغیر عمرہ ہی نہیں ہوگا۔  
[۶۸۹] (۴) پھر طواف کرے گا سعی کے بعد طواف قدوم اور سعی کرے گا صفا اور مروہ کے درمیان حج کے لئے جیسا کہ میں نے بیان کیا مفرد کے حق میں۔

**تشریح** عمرہ پورا کرنے کے بعد اب حج کے اعمال شروع کرے، اور حج کے اعمال میں سے طواف قدوم ہے اس لئے پہلے طواف قدوم کرے۔ اور چونکہ یہ طواف حج کے لئے پہلا طواف ہے اس لئے اس کے بعد صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے۔  
**نوٹ** حنفیہ کے نزدیک عمرہ کے لئے الگ طواف اور سعی ہے اور حج کے لئے الگ طواف اور سعی ہے۔ اس لئے قارن دومرتبہ طواف کرے گا اور دومرتبہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا۔

**بخاری** (۱) چونکہ دو الگ الگ عبادتیں ہیں اس لئے دونوں کے لئے الگ الگ سعی کی جائیگی (۲) عن علی ان النبی ﷺ کان قارنا فطاف طوافین وسعی سعیین (ب) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۳۲ نمبر ۲۶۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قارن دو طواف اور دو سعی کرے گا۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ قارن عمرہ اور حج کے لئے ایک طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ جب عمرہ حج میں داخل ہو گیا تو عمرہ کے اعمال بھی حج کے عمل میں داخل ہو گئے اس لئے ایک طواف اور ایک سعی دونوں کے لئے کافی ہوں گے (۲) حدیث میں ہے عن عائشة قالت خرجنا مع رسول الله في حجة الوداع ... واما الذين جمعوا بين الحج والعمرة فانما طافوا طوافا واحدا (ج) (بخاری شریف، باب طواف القارن ص ۲۲۱ نمبر ۱۶۳۸ مسلم شریف، جواز التحلل بالا حصار وجواز القران واقتصار القارن علی طواف واحد وسعی واحد ص ۴۰۴ نمبر ۲۹۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قارن ایک ہی طواف اور ایک ہی سعی کرے گا۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ اپنے صحابہ کے ساتھ چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے، پس جب بیت اللہ اور صفا مروہ کا طواف کیا تو آپؐ نے فرمایا اس کہ اس کو عمرہ بنا دو (ب) آپؐ قارن تھے پس آپؐ نے دو طواف کئے اور دو سعی کی (ج) ہم حضورؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے.... بہر حال جنہوں نے حج اور عمرہ کو جمع کیا تو انہوں نے صرف ایک طواف کیا۔



[۶۹۰] (۵) فاذا رمى الجمرة يوم النحر ذبح شاة او بقرة او بدنة او سبع بدنة او سبع بقرة فهذا دم القران [۶۹۱] (۶) فان لم يكن له ما يذبح صام ثلاثة ايام في الحج آخرها يوم

[۶۹۰] (۵) پس جب دسویں ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ کی رمی کرے تو ایک بکری ذبح کرے یا ایک گائے یا ایک اونٹ یا اونٹ کا ساتواں حصہ یا گائے کا ساتواں حصہ، پس یہ قرآن کا دم ہے۔

**تشریح** قارن اور متمتع پر ہدی لازم ہے۔ اور ہدی کی صورت یہ ہے کہ ایک بکری ہو یا ایک گائے ہو یا ایک اونٹ ہو یا گائے کا ساتواں حصہ یا اونٹ کا ساتواں حصہ ہو۔

**حجہ** قارن اور متمتع پر ہدی لازم ہونے کی وجہ یہ آیت ہے فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملایا چاہے تمتع کر کے ملایا ہو چاہے قرآن کر کے ملایا ہو اس پر ہدی لازم ہے۔ اور ہدی نہ دے سکے تو تین دن حج سے پہلے روزے رکھے اور سات دن حج کے بعد روزے رکھے، کل ملا کر دس دن روزے رکھے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس انه سئل عن متعه الحج فقال ... ثم امرنا عشية التروية ان نهل بالحج فاذا فرغنا من المناسك جئنا فطفنا بالبيت وبالصفاء والمروة فقد تم حجنا وعلينا الهدى كما قال الله عز وجل فما استيسر من الهدى (ب) (بخاری شریف، باب قول الله عز وجل ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام ص ۲۱۳ نمبر ۱۵۷) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا متمتع اور قارن پر ہدی لازم ہے۔ اور گائے یا اونٹ کے ساتویں حصے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله انه قال نحرنامع رسول الله ﷺ بالحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة (ج) (ابوداؤد شریف، باب البقرة والجزور عن كم تجزى ج ثاني ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۹ مسلم شریف، باب جواز الاشتراك في الهدى و اجزاء البدنة والبقرة كل واحد منهما عن سبعة نمبر ۱۳۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے اور اونٹ سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہے۔

[۶۹۱] (۶) پس اگر اس کے پاس ہدی نہ ہو جو ذبح کر سکے تو روزے رکھے، تین دن حج میں اور اس کا آخری دن نویں ذی الحجہ ہو۔

**تشریح** قارن اور متمتع پر ہدی واجب ہے لیکن اگر ہدی ذبح نہ کر سکے روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے یا جانور نہ ملنے کی وجہ سے تو حج سے پہلے تین روزے رکھے اور باقی سات روزے حج کے بعد رکھے۔

حاشیہ : (الف) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو ہدی میں سے جو آسان ہو۔ اور جو ہدی نہ پائے تو تین روزے رکھے حج کے زمانے میں اور سات جب لوٹے، یہ دس روزے کامل ہو گئے۔ یہ تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ ہو (ب) حضرت عبداللہ بن عباس سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا... ہم کو انھوں کی شام کو حکم دیا کہ ہم حج کا احرام باندھیں، پس جب ہم مناسک حج سے فارغ ہوئے تو ہم آئے اور بیت اللہ کا اور صفامروہ کا طواف کیا اور ہمارا حج پورا ہو گیا اور ہم پر ہدی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا فاما استيسر من الهدى (ج) حضرت جابر نے فرمایا ہم نے رسول اللہ کے ساتھ حدیبیہ میں ایک اونٹ سات کی طرف سے ذبح کیا اور ایک گائے سات کی طرف سے۔

عرفه [۶۹۲] (۷) فان فاتہ الصوم حتی یدخل يوم النحر لم یجزه الا الدم.

**ترجمہ** پہلے آیت گزر گئی کہ ہدی نہ ہو تو روزے رکھے، فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج و سبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرہ ۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی نہ دے سکو تو روزے رکھو۔ تین روزے حج سے پہلے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد۔ آخری دن یوم عرفہ ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہدی پر قدرت ہو جائے جو اصل ہے اس لئے روزہ جو فرع ہے اس کی تاخیر کرے۔ اور یوم النحر یعنی عید کے دن اور ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو روزہ اس لئے نہیں رکھے کہ یہ دن کھانے پینے کے ہیں۔ اور روزہ ان دنوں میں ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے عن عقبہ بن عامر قال قال رسول الله يوم عرفه ويوم النحر وايام التشريق عيدنا اهل الاسلام وهي ايام اكل وشرب (الف) (ابوداؤد شریف، باب صیام ایام التشریق ص ۳۳۵ نمبر ۲۴۱۹، مسلم شریف، باب تحريم صوم ایام التشریق ص ۳۶۰ نمبر ۱۱۴۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ یوم عرفہ اور ایام تشریق سے پہلے پہلے تین روزے رکھ لے (۲) قال ان رسول الله ﷺ نهى عن صيام هذين اليومين اما يوم الاضحى فتاكلون من لحم نسككم واما يوم الفطر ففطرکم من صيامکم (ب) (ابوداؤد شریف، باب فی صوم العیدین ص ۳۳۵ نمبر ۲۴۱۶، مسلم شریف، باب تحريم صوم یومی العیدین ص ۳۶۰ نمبر ۱۱۴۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں روزہ رکھنا منع ہے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ میں روزہ نہیں رکھے گا۔

[۶۹۲] (۷) پس اگر اس سے روزہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ داخل ہو گیا تو نہیں کافی ہوگا مگر ہدی دینا۔

**تشریح** قارن یا متمتع کو ہدی دینا تھا لیکن ہدی نہیں دے سکا اور دسویں ذی الحجہ تک روزہ بھی تین دن تک نہیں رکھ سکا تو اب دم ہی دینا ہوگا۔ روزے رکھنا کافی نہیں۔

**ترجمہ** (۱) کیونکہ آیت میں صیام ثلاثہ فی الحج ہے اور اس کا وقت دسویں ذی الحجہ سے پہلے پہلے ہے اور وہ فوت ہو گیا اس لئے اب اصل ہی لازم ہوگا یعنی ہدی لازم ہوگی (۲) اثر میں ہے عن ابن عباس قال اذا لم يصم المتمتع فعليه الدم... وعن عبراہیم قال لا بد من دم ولو يبيع ثوبه (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۳ فی المتع اذا فات الصوم ج ثالث ص ۱۵۰، نمبر ۱۲۹۸۳، ۱۲۹۸۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ دسویں ذی الحجہ تک روزے نہ رکھ سکا تو اس پر اب دم ہی لازم ہے۔

**فائدہ** امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں ذی الحجہ کو روزہ رکھ لے گا، کیونکہ اگرچہ اس دن کے روزے مکروہ ہیں لیکن ان کے لئے گنجائش ہے کیونکہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے عن ابن عمر قال الصيام لمن تمتع بالعمرة الى الحج الى يوم عرفه

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا عرفہ کا دن، اور دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق یعنی گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں تاریخ ہمارے اہل اسلام کی عید ہے اور وہ کھانے پینے کے دن ہے (ب) حضورؐ نے ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا، بہر حال عید الاضحیٰ کے دن تو اپنی قربانی کا گوشت کھاؤ، بہر حال عید الفطر کے دن تو تمہارے روزے سے اظہار کا دن ہے (ج) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اگر تمتع کرنے والا روزہ نہ رکھ سکے تو اس پر دم لازم ہے... اور ابراہیمؒ نے فرمایا کہ دم ضروری ہے اگرچہ کپڑے ہی پچتا پڑے۔

[۶۹۳] (۸) ثم يصوم سبعة ايام اذا رجع الى اهله فان صامها بمكة بعد فراغه من الحج جاز [۶۹۴] (۹) فان لم يدخل القارن بمكة وتوجه الى عرفات فقد صار رافضا لعمرته

فان لم يجد هديا ولم يصم صام ايام منى (الف) (بخاری شریف، باب صیام ايام التشریق ص ۲۶۸ نمبر ۱۹۹۹ مصنف ابن ابی شیبہ ۴۴ من رخص فی الصوم ولم یعلیہ ہدیہ یا جثالث، ص ۱۵۱، نمبر ۱۲۹۹۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر ہدی نہ پائے اور روزے بھی نہ رکھ سکے تو ايام تشریق میں روزے رکھ لے، اور باقی سات روزے حج کے بعد رکھے۔

[۶۹۳] (۸) پھر سات روزے رکھے جب اپنے گھر واپس آئے، پس اگر مکہ مکرمہ میں روزے رکھے حج سے فارغ ہونے کے بعد تو بھی جائز ہے۔

**تشریح** جو ہدی نہ پائے اور حج کے بعد سات روزے رکھنا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وہ سات روزے گھر آکر بھی رکھ سکتا ہے اور مکہ مکرمہ میں رکھنا چاہے تو وہاں بھی رکھ سکتا ہے۔ آیت میں وسبعة اذا رجعتم کا مطلب ہے اذا رجعتم من الحج کہ جب حج سے فارغ ہو جاؤ تو روزہ رکھو چاہے مکہ مکرمہ میں چاہے گھر واپس آنے کے بعد چاہے راستہ میں رکھ لو۔

**حج** عن عطاء قال وسبعة اذا رجعتم (الآية) قال ان شاء صامها في الطريق وان شاء بمكة (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۵ فی قضاء السبعة الفرق او الوصل ج ثالث، ص ۱۵۱، نمبر ۱۲۹۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے اور راستے میں رکھ سکتا ہے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ گھر واپس آکر ہی روزے رکھے۔

**حج** ان کا استدلال ہے کہ آیت میں وسبعة اذا رجعتم ہے، یعنی جب واپس آ جاؤ گھر کو۔ اس لئے گھر واپس آنے کے بعد ہی روزے رکھے (۲) اثر میں ہے عن سعيد بن المسيب قال ... فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام وسبعة اذا رجع الى اهله (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۶ من قال يصوم اذ رجع الى اهله ج ثالث، ص ۱۵۲، نمبر ۱۳۰۰۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ گھر واپس آنے کے بعد روزے رکھے۔

[۶۹۴] (۹) پس اگر قارن مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوا اور عرفات کی طرف متوجہ ہو گیا، پس وقوف عرفہ کی وجہ سے عمرہ چھوڑ نیوالا ہو گیا اور اس سے دم قران ساقط ہو جائے گا، اور اس پر عمرہ کے چھوڑنے کا دم لازم ہوگا اور اس پر عمرہ کی قضا لازم ہوگی۔

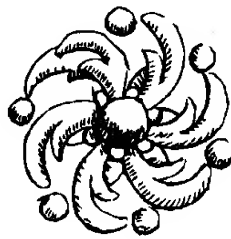
**تشریح** قارن بننے کے لئے ضروری ہے کہ حج سے پہلے عمرہ کیا ہو، اگر حج کے بعد عمرہ کیا تو وہ قارن نہیں بنے گا اور نہ اس پر دم قران لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ قارن ہی نہیں بنا۔ اب جو آدمی مکہ مکرمہ ہی نہیں آیا سیدہا عرفات چلا گیا تو یقینی بات ہے کہ وہ حج سے پہلے عمرہ نہ کر سکا اس کا عمرہ

حاشیہ : (الف) ابن عمر نے فرمایا روزہ اس آدمی کے لئے ہے جو عمرہ کوچ کے ساتھ ملا کر تمتع کرے عرفہ کے دن تک، پس اگر ہدی نہ پائے اور روزہ نہ رکھ سکے تو منی کے دنوں میں روزے رکھے (یعنی ايام تشریق میں روزے رکھے) (ب) عطاء اس آیت وسبعة اذا رجعتم کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اگر چاہے تو راستے میں روزے رکھے اور اگر چاہے تو مکہ میں روزے رکھے (ج) سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے اور سات دن جب گھر واپس آئے۔

بالوقوف وسقط عنه دم القران وعليه دم لرفض العمرة وعليه قضاؤها.

چھوٹ گیا اس لئے وہ قارن نہیں بنا۔ البتہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے عمرہ کی قضا لازم ہوگی اور احرام باندھنے کے بعد عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم رفض لازم ہوگا۔

بخبرتنی عائشة قالت خرجنا مع رسول الله ﷺ موافين ليهلال ذى الحجة... ارسل معي عبد الرحمان الى التميم فارد فيها فاهللت بعمرة مكان عمرتها فقصي الله حجها وعمرتها ولم يكن في شيء من ذلك هدى ولا صدقة ولا صوم (الف) (بخاری شریف، باب الاعتار بعد الحج بغیر ہدی ص ۲۳۰ نمبر ۱۷۸۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوڑنے کے بدلے عمرہ کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کے بعد عمرہ کرنے کی وجہ سے دم قران لازم نہیں ہوگا البتہ عمرہ چھوڑنے سے عمرہ چھوڑنے کا دم لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال ذبح رسول الله ﷺ عن عائشة بقرۃ يوم النحر (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاشتراك في الهدى الخ ص ۴۲۳ نمبر ۱۳۱۹) اس حدیث میں حضرت عائشہ کی جانب سے حضورؐ نے گائے ذبح کی، اور حضرت عائشہ قارن تو تھی نہیں کیونکہ حیض آنے کی وجہ سے وہ عمرہ چھوڑ چکی تھیں، پھر بھی آپؐ نے ان کی جانب سے ایک گائے ذبح کی۔ اس کا مطلب یہ کہ یہ عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم تھا، اس لئے عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۲) اثر میں ہے۔ عن طاؤس في الحرم للعمرة اعترض له قال يبعث بهدي ثم يحسب كم يسير ثم يحتاط بايام ثم يحل (مصنف ابن أبي شيبة، ۵۷ فی الرجل اذا اهل بعمرة فاحصر، ج ثالث، ص ۱۵۹، نمبر ۱۳۰۷۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ نہ کر سکے تو اس کی ہدی بھیجے۔



حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ ذی الحجہ کے چاند کے وقت نکلے... میرے ساتھ عبدالرحمان کو تھیم تک بھیجا، پس انہوں نے حضرت عائشہ کو پیچھے بٹھایا، پس عمرہ کی جگہ انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا، پس اللہ نے ان کے حج اور عمرہ کو پورا کیا اور اس کی وجہ سے ہدی، صدقہ اور روزے بھی لازم نہیں ہوئے (ب) حضورؐ نے عائشہ کے لئے وسوس ذی الحجہ کو گائے ذبح کی۔

## ﴿ باب التمتع ﴾

[۶۹۵] (۱) التمتع افضل من الافراد عندنا [۶۹۶] (۲) والتمتع على وجهين متمتع يسوق الهدى ومتمتع لا يسوق الهدى [۶۹۷] (۳) وصفة التمتع ان يبتدأ من الميقات فيحرم بالعمرة ويدخل مكة فيطوف لها ويسعى ويحلق او يقصر وقد حل من عمرته

## ﴿ باب التمتع ﴾

**ضروری نوٹ** حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ میں عمرے کا احرام باندھے پھر عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور حج کے زمانے میں حج کا احرام باندھ کر حج پورا کرے اس کو تمتع کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے۔ فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے تمتع ثابت ہوتا ہے (۲) حجۃ الوداع میں وہ احادیث ہیں جن میں آپ نے صحابہ کو عمرہ کر کے احرام کھلویا۔

[۶۹۵] (۱) ہمارے نزدیک تمتع افراد سے افضل ہے۔

**حجہ** تمتع میں دو عبادتیں ایک سفر میں ادا کی جاتی ہیں عمرہ اور حج اس لئے یہ افضل ہوگا (۲) صحابہ کو حجۃ الوداع میں عمرہ کر کے حلال ہونے کے لئے آپؐ نے فرمایا عن عائشة قالت خرجنا مع النبي ﷺ ... فامر النبي ﷺ من لم يكن ساق الهدى ان يحل فحل من لم يكن ساق الهدى (ب) (بخاری شریف، باب التمتع والاقران والاافراد بالحج ص ۲۱۲ نمبر ۱۵۶۱) اس حدیث میں آپؐ نے صحابہ کو عمرہ کر کے حلال ہونے کا حکم دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمتع افضل ہے۔

**فائدہ** امام ابوحنیفہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ افراد افضل ہے۔ کیونکہ اس میں صرف حج کے لئے سفر ہوتا ہے اور حج کے لئے تلبیہ اور تکبیر کی کثرت ہوتی ہے۔

[۶۹۶] (۲) متمتع کی دو قسمیں ہیں (۱) متمتع جو ہدی ہانکے اور دوسرا متمتع جو ہدی نہ ہانکے۔

**تشریح** قریب کے لوگ میقات سے ہی ہدی لیکر جاتے ہیں تو وہ ہدی ہانکنے والا متمتع ہوا اور جو لوگ ہدی ساتھ نہ لے جائے بلکہ بعد میں ہدی خرید کر ذبح کرے وہ متمتع ہے جو ہدی ساتھ نہ لے جائے۔ حضور حجۃ الوداع میں ہدی ساتھ لیکر تشریف لے گئے تھے۔

[۶۹۷] (۳) تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ میقات سے عمرے کا احرام شروع کرے اور مکہ میں داخل ہو۔ پس عمرے کا طواف کرے، سعی کرے اور حلق یا قصر کرے اور اپنے عمرے سے حلال ہو جائے۔

**تشریح** اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حاشیہ : (الف) جس نے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو کچھ ہدی میں سے آسان ہو وہ لازم ہے (ب) حضورؐ نے ان کو حکم دیا جس نے ہدی نہ ہانگی ہو یہ کہ حلال ہو جائے۔ تو جس نے ہدی نہ ہانگی تھی وہ حلال ہو گئے۔

[٦٩٨] (٣) يقطع التلبية اذا ابتدأ بالطواف [٦٩٩] (٥) ويقيم بمكة حلال. [٤٠٠] (٦) فاذا كان يوم التروية احرم بالحج من المسجد الحرام وفعل ما يفعله الحاج المفرد وعليه دم التمتع.

[۶۹۸] (۴) اور تبلیہ ختم کر دیا جب طواف شروع کرے۔

**تشریح** جب عمرے کا طواف شروع کرے تو اب تلبیہ پڑھنا ختم کر دے۔

لیک کے معنی ہیں میں حاضر ہوں۔ اور وہ حاضر ہو گیا تو اب دوبارہ میں حاضر ہوں کہنا اچھا نہیں ہے۔ اس لئے اب تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے۔

عن ابن عباس عن النبی و قال یلبی المعتمر حتی یستلم الحجر (الف) (ابوداؤد شریف، باب متى یقطع المعتمر التلبیة ص ۲۵۹ نمبر ۱۸۱/۱۸۲ ترمذی شریف، باب ما جاء متى یقطع التلبیة فی العمرة ص ۱۸۵ نمبر ۹۱۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حجر اسود کا بوسہ دے اور طواف شروع کرے تو تلبیہ پڑھنا چھوڑ دے۔

[۶۹۹] (۵) اور مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر مقیم رہے۔

الحج (۱) چونکہ یہ عمرہ سے حلال ہو چکے ہیں اس لئے اب مکہ مکرمہ میں حلال ہو کر ٹھہرے رہیں (۲) حدیث میں ہے حدیثی جابر بن عبد اللہ انہ حج مع رسول اللہ ﷺ يوم ساق البدن معه وقد اهلوا بالحج مفردا فقال لهم اهلوا من احرامكم بطواف البيت وبين الصفا والمروة وقصروا ثم اقيموا حلالا حتى اذا كان يوم التروية فاهلوا بالحج واجعلوا التي قدمتم بها متعة (ب) (بخاری شریف، باب التمتع والقرآن والافراد بالحج، ص ۲۱۲، نمبر ۱۵۶۸) اس حدیث میں عمرہ سے حلال ہونے کے بعد ٹھہرنے کے لئے کہا ہے۔

پس جبکہ ساتویں تاریخ ہو تو مسجد حرام سے حج کا احرام باندھے اور وہی اعمال کرے جو حج افراد ادا لے کرتے ہیں۔ اور اس پر دم متنع ہے۔

**ترغیب** چونکہ یہ مکی کی طرح ہو گئے اور مکی حج کا احرام حرم سے باندھتے ہیں اس لئے یہ بھی ساتویں تاریخ کو حج کا احرام حرم سے باندھیں گے۔ اور مفرد بالتحج جو اعمال کرتے ہیں مثلاً عرفات جاتے ہیں، مزدلفہ میں ٹھہرتے ہیں، رمی جمار کرتے ہیں اور طواف زیارت کرتے ہیں وہی اعمال آدہ یا بھی کرے گا۔ کیونکہ یہ بھی مفرد بالتحج کی طرح ہو گیا ہے۔ اور چونکہ یہ متمتع ہوا اس لئے اس پر دم متنع لازم ہوگا۔

مسجد حرام سے یا حرم سے احرام باندھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال وقت رسول اللہ ﷺ لاهل انمدينہ ذا الحلیفہ ولاهل الشام الجحفۃ ولاهل نجد قرن المنازل ولاهل اليمن یلملم فہن لہن ولمن اتی علیہن من غیر

(الف) آپؐ سے روایت ہے کہ عمرہ کرنے والا حجر اسود کے چومنے تک تلبیہ پڑھے (ب) حضرت جابر فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ اس وقت حج کیا جب وہ ہدی لے کر چل رہے تھے۔ لوگوں نے مفرد باج کا احرام باندھا۔ آپؐ نے فرمایا طواف بیت اللہ اور سعی بین السفا والردۃ کے بعد حلال ہو جاؤ اور پال کا کھڑا کر دو، جو حلال ہو کر ٹھہرے ہو۔ یہاں تک کہ جب آٹھویں تار یک ہو تو حج کا احرام باندھا دو جو پہلے عمرہ کا اس کو مستحب بناؤ۔

[۷۰۱] (۷) فان لم يجد ما يذبح صام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجع الى اهله [۷۰۲] (۸) وان اراد المتمتع ان يسوق الهدى احرم وساق هديه

اهلہن لمن كان يريد الحج والعمرة فمن كان دونهن فمهلہ من اهلہ و كذلك حتى اهل مكة يهلون منها (الف) (بخاری شریف، باب محل اہل الشام ص ۲۰۶ نمبر ۱۵۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ مکہ سے احرام باندھیں گے اور متمتع احرام کھولنے کے بعد کسی کی طرح ہو گئے اس لئے وہ بھی مکہ سے احرام باندھیں گے (۲) مسلم شریف میں ہے عن جابر بن عبد اللہ قال قال امرنا النبی ﷺ لما احللنا ان نحرم اذا توجهنا الى منى قال فاهللنا من الابطح (ب) (مسلم شریف، باب بیان وجوہ الاحرام وانہ یجوز افراد الحج والتمتع والقرآن الخ ص ۳۹۲ نمبر ۱۲۱۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نے حجۃ الوداع میں اٹح جو مکہ مکرمہ میں ایک جگہ ہے وہاں سے حج کا احرام باندھا۔ اور متمتع پر دم تمتع ہے اس کی دلیل پہلے گزر چکی ہے تاہم یہ آیت نص ہے فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى فمن لم يجد فصيام ثلاثة ايام في الحج وسبعة اذا رجعتم تلك عشرة كاملة ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام (ج) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جس نے تمتع کیا اس پر ہدی لازم ہے اور ہدی نہ دے سکا تو تین روزے حج سے پہلے رکھے اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے۔

[۷۰۱] (۷) پس اگر نہ پائے ایسا جانور جو ذبح کر سکے تو تین دن روزے رکھے حج میں اور سات دن جب الٹے گھر لوٹے۔

**تشریح** اس کی پوری تفصیل اور دلیل باب القران میں گزر چکی ہے۔

[۷۰۲] (۸) اگر تمتع کرنے والا ہدی ہانکنے کا ارادہ کرے تو اپنے ساتھ ہدی لے جائے۔

**تشریح** پہلے گزر چکا ہے کہ تمتع کرنے والے کے لئے افضل یہ ہے کہ گھر سے ساتھ ہدی لے جائے۔ اس لئے اگر ہدی ساتھ لے جائے تو یہ بہتر ہے۔

**حج** حضور حجۃ الوداع میں ہدی ساتھ لیکر تشریف لے گئے تھے۔ ان ابن عمر قال تمتع رسول اللہ ﷺ في حجة الوداع بالعمرة الى الحج واهدى فساق معه الهدى من ذى الحليفة وبدا رسول اللہ ﷺ فاهل بالعمرة ثم اهل بالحج فتمتع الناس مع النبی ﷺ بالعمرة الى الحج (د) (بخاری شریف، باب من ساق البدن معه ص ۲۲۹ نمبر ۱۶۹۱) مسلم شریف، باب وجوب الدم علی

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور نے میقات شعیب کیا، اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ، اہل شام کے لئے جھ، اہل نجد کے لئے قرن المنازل، اہل یمن کے لئے یلملم، پس یہ مقامات ان لوگوں کے لئے اور ان پر جو آئے، اس کے علاوہ اور جوان میقات کے اندر ہو تو اس کے لئے میقات اس کے اہل میں سے ہے اور ایسا ہی یہاں تک کہ اہل مکہ احرام باندھے گا کہ (ب) جب ہم عمرہ سے حلال ہوئے تو حضور نے ہمیں حکم دیا کہ ہم احرام باندھ لیں جب ہم منی کی طرف جانے لگے، فرمایا کہ ہم نے مقام اٹح سے احرام باندھا (ج) جس نے عمرہ کوچ کے ساتھ ملا کر تمتع کیا تو جو آسان ہدی میں سے، پس جو ہدی نہ پائے تو وہ تین دن روزے رکھے حج میں اور سات دن جب تم واپس لوٹو۔ یہ دس دن ہوئے۔ یہ تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے پاس نہ ہو (د) حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور حجۃ الوداع میں عمرہ کوچ کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ اور ہدی ذوالحلیفہ سے ساتھ لے گئے۔ اور حضور نے شروع کیا پس عمرے کا احرام (باقی اگلے صفحہ پر)

[۷۰۳] (۹) فان كانت بدنة قلدها بمزادة او نعل واشعر البدنة عند ابی یوسف و محمد رحمهما الله تعالى وهو ان يشق سنامها من الجانب الايمن ولا يشعر عند ابی حنيفة رحمه الله تعالى [۷۰۴] (۱۰) فاذا دخل مكة طاف وسعى ولم يتحلل حتى يحرم بالحج

اُمتنع الخ ص ۴۰۳ نمبر ۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ آپ حجۃ الوداع میں متمتع تھے اور آپ نے ہدی ساتھ لی تھی۔

[۷۰۳] (۹) پس اگر اونٹ ہو تو اس کو پرانے چمڑے یا جوتے کا ہار پہنائیں گے اور صاحبین کے نزدیک اونٹ کو شعار کریں گے۔ اور وہ یہ ہے کہ اونٹ کی کوہان کو دائیں جانب سے پھاڑ دے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک شعار نہیں ہے۔

**تشریح** ہدی لے چلے تو اس پر ہدی کی علامت لگائے، اونٹ کے لئے ہدی کی علامت دو ہیں۔ کوہان کو پھاڑ کر اس کے خون کو کوہان پر مل دینا (۲) پرانا چمڑا یا جوتا گردن میں لٹکا دینا تاکہ لوگ دیکھ کر اس کا احترام کریں اور چور ڈاکو ہدی کو نہ چھیڑیں۔ حضورؐ نے ہدی کے لئے دونوں کام کئے ہیں۔ عن عائشة قالت فلت قلنا تہدی النبی ﷺ ثم اشعرها وقلدها او قلدها ثم بعث بها الی البیت (الف) (بخاری شریف، باب اشعار البدن ص ۲۳۰ نمبر ۱۶۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی گردن میں قلاذہ ڈالنا بھی سنت ہے اور شعار کرنا بھی (۲) کان ابن عمر اذا ہدی زمن الحديد قلده و اشعره بذی الحلیفة یطعن فی شق سنامہ الايمن بالشفرة ووجهها قبل القبلة باركة (ب) (بخاری شریف، باب من اشعر وقلد بذی الحلیفة ثم احرم ص ۲۳۹ نمبر ۱۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ کی دائیں کوہان میں چھری مار کر خون نکالے۔ صاحبین کے نزدیک یہی سنت ہے۔ کیونکہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشعار ضروری نہیں ہے کیونکہ اس میں تعذیب حیوان ہے اور قلاذہ ڈالنے کا طریقہ بھی ہے اس لئے اشعار کرنا ضروری نہیں۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس قال ان شئت فاشعر الهدی وان شئت فلا تشعر (ج) (مصنف ابن ابی شیبہ ۵ فی الاشعار واجب ہوام لاج ثالث ص ۱۷۲، نمبر ۱۳۲۰۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشعار ضروری نہیں ہے۔

**نوٹ** امام صاحب کے اہل علاقہ بہت گہرائی کے ساتھ اشعار کرتے تھے جس سے حیوان کو زیادہ تکلیف ہوتی تھی اس لئے اپنے اہل زمانہ کے اشعار کا انکار کیا ہے۔ اصل اشعار کا انکار نہیں ہے۔

**اخت** مزادۃ : پرانا چمڑا۔ اشعر : چھری مار کر کوہان پھاڑنا۔

[۷۰۴] (۱۰) پس جب کہ مکہ مکرمہ داخل ہو تو طواف کرے اور سعی کرے اور حلال نہ ہو یہاں تک کہ آٹھویں تاریخ کو حج کا احرام باندھے چونکہ اس متمتع نے اپنے ساتھ ہدی ہانگی ہے اس لئے عمرہ کرنے کے بعد بال نہیں منڈوائے گا اور نہ سلاہوا کپڑا پہنے گا اور نہ خوشبو لگائے

**تشریح** : (پچھلے صفحہ سے آگے) باندھا پھر حج کا احرام باندھا۔ پس لوگوں نے بھی عمرہ کوچ کے ساتھ ملا کر متمتع کیا (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضورؐ کی ہدی کا قلاذہ بانٹتی تھی پھر آپ ہدی کا اشعار کرتے اور قلاذہ دالتے یا صرف قلاذہ دالتے پھر اس کو بیت اللہ بھیجتے (ب) حضرت ابن عمر جب مدینہ طیبہ سے ہدی بھیجتے تو اس کو قلاذہ ڈالتے اور ذوالحلیفہ میں اس کا اشعار کرتے اس طرح کہ اس کے دائیں کوہان کو نیزہ مار کر پھاڑتے اور جانور کو بٹھا کر قبلہ کی طرف متوجہ کرتے (ج) عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں اگر چاہے تو ہدی کا اشعار کرے اور چاہے تو نہ شعار کرے۔



یوم الترویة [۷۰۵] (۱۱) فان قدم الاحرام قبله جاز وعلیه دم التمتع [۷۰۶] (۱۲) فاذا حلق يوم النحر فقد حل من الاحرامين [۷۰۷] (۱۳) وليس لاهل مكة تمتع وولا قران

گا بلکہ احرام ہی کی حالت میں رہے گا اور دوبارہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے گا۔

**ترجمہ** حضور اپنے ساتھ ہدی لے گئے تھے تو درمیان میں حلال نہیں ہوئے تھے۔ عن ابن عمر قال قال تمتع رسول الله في حجة الوداع بالعمرة الى الحج واهدى فساق معه الهدى من ذى الحليفة وبدأ رسول الله لاهل بالعمرة ثم اهل بالحج فتمتع الناس مع النبي ﷺ بالعمرة الى الحج فكان من الناس من اهدى فساق الهدى ومنهم من لم يهد فلما قدم النبي ﷺ مكة قال للناس، من كان منكم اهدى فانه لا يحل من شيء حرم منه حتى يقضى حجه (الف) (بخاری شریف، باب من ساق البدن معص ۲۲۹ نمبر ۱۶۹۱) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ان لوگوں کو حکم دیا جو ہدی ساتھ لے گئے تھے کہ عمرہ اور حج کے احرام سے اکٹھے دسویں تاریخ کو حلال ہوں۔

[۷۰۵] (۱۱) پس اگر آٹھ تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھ لے تو جائز ہے اور اس پر تمتع کا دم لازم ہوگا۔

**ترجمہ** اوپر یہ گزرا کہ آٹھویں ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھے لیکن اگر آٹھ تاریخ سے پہلے حج کا احرام باندھے تو جائز ہے بلکہ افضل ہے کیونکہ عبادت کی طرف جلدی کر رہا ہے۔

[۷۰۶] (۱۲) پس جب دسویں ذی الحجہ کو طلق کرائے تو دونوں احراموں سے حلال ہو جائے گا۔

**ترجمہ** چونکہ عمرے کا احرام نہیں کھولا تھا اور حج کا احرام باندھ لیا تھا اس لئے دسویں تاریخ کو دونوں احراموں سے حلال ہوگا۔

**ترجمہ** اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۰ میں گزر گئی ہے۔ ثم لم يحلل من شيء حرم منه حتى يقضى حجه نحر هدية يوم النحر (بخاری شریف نمبر ۱۶۹۱)

[۷۰۷] (۱۳) اہل مکہ کے لئے نہ تمتع ہے اور نہ قران ہے صرف ان کے لئے حج افراد ہے۔

**ترجمہ** (۱) آیت میں ہے ذلک لمن لم یکن اہلہ حاضر فی المسجد الحرام (ب) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ذلک کا اشارہ تمتع اور اس کے تحت میں قران ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمتع اور قران اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب نہ ہو یعنی مکی نہ ہو۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک مکی اور میقات کے اندر والوں کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے (۲) ایک سفر میں حج اور عمرہ کر کے فائدہ اٹھانے کو تمتع کرنا کہتے ہیں۔ لیکن سفر ہی نہ ہو تو فائدہ اٹھانا کیا ہوگا۔ اس لئے اہل مکہ کے لئے تمتع اور قران نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس کی یہی

حاشیہ : (الف) حضور نے حجۃ الوداع میں عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا اور ہدی ہانگی اور ذی الحلیفہ سے ہدی ہانگی۔ اور حضور نے شروع کیا پس عمرے کا احرام باندھا پھر حج کا احرام باندھا اور لوگوں نے حضور کے ساتھ عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع کیا۔ پس لوگوں میں سے کچھ نے ہدی کو ہانکا، اور ان میں سے کچھ نے ہدی نہیں ہانکا۔ پس جب حضور مکہ آئے تو لوگوں سے کہا کہ تم میں سے جس نے ہدی ہانکا اس سے کوئی چیز حلال نہیں ہوگی جو حرام ہوئی ہے جب تک کہ حج پورا نہ ہو جائے (ب) تمتع اس کے لئے ہے جو مسجد حرام کے قریب نہ ہو۔

انما لهم الافراد خاصة [۷۰۸] (۱۴) واذا عاد المتمتع الى بلده بعد فراغه من العمرة ولم يكن ساق الهدى بطل تمتعه [۷۰۹] (۱۵) ومن احرم بالعمرة قبل اشهر الحج فطاف لها اقل من اربعة اشواط ثم دخلت اشهر الحج فتممها واحرم بالحج كان متمتعا فان طاف

تفسیر ہے کہ اہل مکہ کے علاوہ کے لئے تمتع اور قرآن ہے۔ عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج ... و اباحه للناس غير اهل مكة قال الله تعالى ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام (بخاری شریف، باب قول الله تعالى ذلك لمن لم يكن اهله حاضري المسجد الحرام ص ۲۱۴ نمبر ۱۵۷۲ / مصنف ابن ابی شیبہ ۳۸۱ من كان لا يرى على اهل مكة مكة، ج ثالث، ص ۴۱۶، نمبر ۱۵۶۹۰) امام شافعی کے نزدیک آیت میں ذک کا اشارہ تمتع نہیں ہے بلکہ ہدی ہے اس لئے ان کے نزدیک کمی تمتع اور قرآن تو کر سکتا ہے البتہ اس پر ہدی لازم نہیں ہے۔

قال يحيى سئل مالك عن رجل ... وانما الهدى او الصيام على من لم يكن من اهل مكة (الف) (موطا امام مالک ماجاء فی التمتع ص ۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کمی پر ہدی اور روزہ نہیں ہے۔

[۷۰۸] (۱۴) اگر تمتع کرنے والا عمرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے شہر آجائے اور ہدی نہ ہانگی ہو تو اس کا تمتع باطل ہو جائے گا۔ (۱) ہدی نہ ہانگی ہو تو اپنے اہل و عیال کے ساتھ ملے اور اپنے شہر جانے سے پہلا سفر باطل ہو گیا۔ شہر کے ساتھ المام حج ہو گیا۔ اور ایک سفر میں عمرہ اور حج ادا نہ کیا تو تمتع اور قرآن نہ ہوئے اس لئے تمتع باطل ہو گیا (۲) اثر میں ہے . عن عطاء قال من اعتمر في شهر الحج ثم رجع الى بلده ثم حج من عامه فليس بمتمتع، انما المتمتع من اقام ولم يرجع (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲، فی الررجل يحتمرني اشهر الحج ثم يرجع ثم حج، ج ثالث، ص ۵۲، نمبر ۱۳۰۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ کر کے گھر چلا گیا تو تمتع فاسد ہو گیا۔

اگر ہدی ساتھ لایا تھا اور پھر عمرہ کر کے گھر چلا گیا تو ہدی کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں واپس آنا ضروری ہے اس لئے پہلا سفر باطل نہیں ہوا اور گھر کے ساتھ المام حج نہیں ہوا اس لئے تمتع باطل نہیں ہوگا۔

[۷۰۹] (۱۵) جس نے حج کے مہینے سے پہلے عمرے کا احرام باندھا اور چار شوط سے کم طواف کیا پھر حج کا مہینہ داخل ہوا اور عمرہ کو پورا کیا اور حج کا احرام باندھا تو تمتع کرنے والا ہوگا۔ اور اگر حج کے مہینے سے پہلے عمرے کا طواف چار شوط کیا یا اس سے زیادہ کیا پھر اسی سال حج کیا تو یہ تمتع کرنے والا نہیں ہوگا۔

تمتع ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ حج سے پہلے عمرہ کیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ عمرہ حج کے مہینے میں ادا کیا ہو۔ حج کا مہینہ پہلی شوال سے دس ذی الحجہ تک ہے۔ دوسرا سول یہ ہے کہ اکثر شوط کا اعتبار ہے تو سات میں اکثر شوط چار ہیں اور اقل شوط تین ہیں۔ پس اگر

حاشیہ : (الف) حضرت یحییٰ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا... فرمایا ہدی یا روزہ اس پر ہے جو اہل مکہ میں سے نہ ہو، یعنی یقیات کے اندر میں سے نہ ہو (ب) حضرت امام حنبل نے فرمایا جس نے شوال، ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں عمرہ کیا پھر اپنے اہل کی طرف لوٹا پھر اسی سال حج کیا تو اس پر ہدی نہیں ہے۔ ہدی اس پر ہے جس نے اشہر حج میں عمرہ کیا پھر مکہ میں حج تک ٹھہرا یا پھر حج کیا۔

لعمرته قبل اشهر الحج اربعة اشواط فصاعدا ثم حج من عامه ذلك لم يكن متمتعا [۷۱۰] (۱۶) واشهر الحج شوال و ذو القعدة وعشر من ذي الحجة [۷۱۱] (۷۱) فان

اکثر شوط یعنی عمرے کے چار شوط شوال سے پہلے ادا کر لئے تو تمتع نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمرہ اشہر حج سے پہلے ادا ہو گیا۔ اور عمرہ حج کے مہینے سے پہلے ادا ہو تو تمتع نہیں ہوتا۔ اور اگر اکثر شوط یعنی چار شوط شوال میں ادا کئے تو چونکہ عمرہ حج کے مہینے میں ادا کیا اس لئے تمتع ہوگا۔

**وجہ** عن عبد الله بن عمر انه كان يقول من اعتمر في اشهر الحج في شوال او ذي القعدة او ذي الحجة قبل الحج ثم اقام بمكة حتى يدرکه الحج فهو متمتع ان حج و عليه ما استيسر من الهدى (الف) (موطا امام مالک، باب ماجاء في التمتع ص ۳۵۵ / مصنف ابن ابی شیبہ، نمبر ۱۳۰۰) عن ابن عباس انه سئل عن متعة الحج فقال ... اشهر الحج التي ذكر الله تعالى في كتابه شوال و ذو القعدة و ذو الحجة فمن تمتع في هذه الاشهر فعليه دم (ب) (بخاری شریف، باب قول الله عز وجل ذلك لمن لم يكن اهل حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۴ نمبر ۱۵۷۷) اس دونوں اثر سے شرطوں کا پتہ چلا، ایک یہ کہ حج کے مہینہ میں عمرہ کیا ہو اور دوسرا یہ کہ حج سے پہلے کیا ہو تب تمتع ہوگا۔ اور اگر حج کے بعد عمرہ کیا تو تمتع نہیں ہوگا اور نہ اس پر دم تمتع لازم ہوگا۔

**لغت** شوط : بیت اللہ کے گرد ایک چکر لگا کر ایک طواف کرنے کو ایک شوط کہتے ہیں۔

[۷۱۰] (۱۶) حج کا مہینہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ تک ہے۔

**وجہ** اس کی وجہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں حدیث گزشتہ (۲) آیت میں ہے الحج اشهر معلومات فمن فرض فيهن الحج فلا رقت ولا فسوق ولا جدال في الحج (ج) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة) اس آیت میں ہے کہ حج کے کچھ مہینے معلوم ہیں جس میں حج کا احرام باندھے۔ اور عبد اللہ بن عباس کی تفسیر یہ ہے کہ وہ مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔ جیسا کہ مسئلہ نمبر ۱۵ میں گزرا (بخاری شریف، باب قول الله عز وجل ذلك لمن لم يكن اهل حاضری المسجد الحرام ص ۲۱۴ نمبر ۱۵۷۷ / سنن للبیہقی، باب بیان اشهر الحج ج ۴ ص ۵۵۹، نمبر ۸۷۱) اس سے معلوم ہو کہ حج کے مہینے شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی دس تاریخ تک ہیں۔ سنن بیہقی میں دس ذی الحجہ تک کی تصریح موجود ہے۔

[۷۱۱] (۱۷) پس اگر حج کا احرام ان مہینوں سے پہلے باندھا تو اس کا حج منعقد ہو جائے گا۔

**تشریح** حج کے مہینے سے پہلے یعنی شوال سے پہلے رمضان ہی میں حج کا احرام باندھ لیا تو احرام منعقد ہو جائے گا اور حج کرنا صحیح ہوگا۔

**وجہ** (۱) احرام حج کے لئے شرط کے درجہ میں ہے اور شرط مقدم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے وضو نماز کے وقت سے پہلے کر سکتا ہے اسی طرح حج کا احرام حج کے مہینے سے پہلے باندھے تو باندھ سکتا ہے۔ البتہ اتنا پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے (۲) عن ابن عباس فی الرجل

حاشیہ : (الف) ابن عمر فرماتے ہیں کہ جس نے اشہر حج شوال، ذی قعدہ یا ذی الحجہ میں عمرہ کیا حج سے پہلے پھر مکہ مکرمہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ اس کو حج نے پالیا تو وہ تمتع کرنے والا ہے۔ اگر حج کیا اور اس پر جو آسان ہو وہ ہدی لازم ہے (ب) تمتع کے بارے میں حضرت ابن عباس سے پوچھا... اشہر حج وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ تو جس نے ان مہینوں میں تمتع کیا تو اس پر دم ہے (ج) حج کے مہینے معلوم ہیں۔ پس جس نے ان میں حج فرض کیا تو جماع کی اور فسق کی باتیں نہ کریں اور نہ حج میں جھگڑا ہے۔

قدم الاحرام بالحج عليها جاز احرامه وانعقد حجه [۷۱۲] (۱۸) واذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت واحرمت وصنعت كما يصنع الحاج غير انها لا تطوف بالبيت حتى تطهر [۷۱۳] (۱۹) واذا حاضت بعد الوقوف بعرفة و بعد طواف الزيارة انصرفت

يحرم بالحج في غير اشهر الحج قال ليس ذلك من السنة (الف) (سنن للبيهقي، باب لا يسهل بالحنفي غير اشهر الحج ج رابع ص ۵۶۱، نمبر ۸۷۲۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشہر حج سے پہلے حج کا احرام باندھے تو وہ سنت کے خلاف ہے یعنی مکروہ ہے۔ تاہم حج کا احرام ہو جائے گا۔

**تاکید** امام شافعی فرماتے ہیں کہ اشہر حج سے پہلے احرام باندھا تو حج نہیں ہوگا وہ عمرہ کے احرام میں تبدیل ہو جائے گا۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن عطاء قال من احرم بالحج في غير اشهر الحج جعلها عمرة (ب) (سنن للبيهقي، باب لا يسهل بالحنفي غير اشهر الحج ج رابع ص ۵۶۱، نمبر ۸۷۲۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اشہر حج کے علاوہ میں حج کا احرام باندھے تو اس کو عمرہ بنادے (۲) اوپر کا عبد اللہ بن عباس کا اثر بھی امام شافعی کی دلیل ہے۔

[۷۱۲] (۱۸) اگر عورت احرام کے وقت حائضہ ہو جائے تو غسل کرے اور احرام باندھے اور وہی اعمال کرے جو حاجی کرتے ہیں، علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے جب تک کہ پاک نہ ہو جائے۔

**ترجمہ** طواف کے علاوہ حج کے تمام کام صحرا میں ہوتے ہیں اس لئے حائضہ عورت وہ کر سکتی ہے البتہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اور حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی اس لئے طواف نہیں کرے گی۔ اور باقی حج کے تمام کام کرے گی (۲) حدیث میں بھی اس کا ثبوت ہے عن عائشة قالت خرجنا مع النبي ﷺ... فقال انفسيت يعني الحيضة قالت قلت نعم قال ان هذه شىء كتبه الله على بنات آدم فاقضى ما يقضى الحج غير ان لا تطوف بالبيت حتى تغتسلي قالت وضحى رسول الله نساؤه بالبقره (ج) (مسلم شریف، باب بیان وجوہ الاحرام وانہ يجوز افراد الحج والتمتع والقرآن ص ۳۸۸ نمبر ۱۲۱۱/۲۹۱۸ بخاری شریف، باب کیف تهل الحائض والنفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورت حج کا احرام باندھے گی البتہ طواف نہیں کرے گی۔

[۷۱۳] (۱۹) اگر قوف عرفہ اور طواف زیارت کے بعد حائضہ ہوگئی تو مکہ مکرمہ سے واپس ہو جائے گی اور طواف وداع چھوڑنے پر اس پر کچھ لازم نہیں ہے۔

**تشریح** طواف زیارت کرنے کے بعد عورت کو حیض آگیا تو چونکہ فرض کی ادائیگی ہوگئی اور اب صرف طواف وداع واجب باقی ہے اس لئے اس

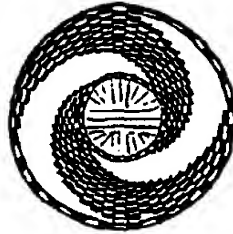
حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ آدمی جو اشہر حج کے علاوہ میں احرام باندھے، فرمایا یہ سنت میں سے نہیں ہے (ب) حضرت عطا فرماتے ہیں کہ جس نے اشہر حج کے علاوہ میں حج کا احرام باندھا تو اس کو عمرہ بنادے (ج) حضرت عائشہ نے فرمایا ہم حضور کے ساتھ نکلے... حضور نے فرمایا کیا تم حائضہ ہوگئی ہو۔ میں نے کہا ہاں! آپ نے فرمایا یہ چیز اللہ نے بنات آدم پر فرض کی ہے۔ پس حاجی جیسا ادا کرتے ہیں تم بھی ادا کرو البتہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا جب تک کہ پاک ہو کر غسل نہ کرو، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضور نے اپنی بیویوں کے لئے گائے ذبح کی۔

## من مکة ولا شیء علیها لترک طواف الصدر.

کو چھوڑ دے اور مکہ مکرمہ سے گھر واپس چلی جائے۔ چونکہ طواف وداع واجب ہے اس لئے اس کو چھوڑنے پر دم لازم نہیں ہوگا۔

**بخاری** عن عائشة قالت خرجنا مع النبی ﷺ ولا نرى الا الحج ... وحاضت صفية بنت حيي فقال النبی ﷺ عقری حلقی انک لحابستا اما کنت طفت یوم النحر؟ قالت بلی قال فلا بأس انفری (الف) (بخاری شریف، باب اذا حاضت المرأة بعد ما افاضت ص ۲۳۷ نمبر ۶۲۷۱ مسلم شریف، باب وجوب طواف الوداع ومسقوطة عن الخائض ص ۳۲۷ نمبر ۶۲۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے بعد حیض آجائے اور طواف وداع کا موقع نہ ہو تو طواف وداع حائضہ سے ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر طواف زیارت نہیں کی کہ حیض آگیا تو چونکہ وقفہ عرفہ کر چکی ہے اس لئے حج تو ہو گیا۔ البتہ طواف زیارت جو فرض ہے وہ رہ گیا۔ اس لئے طواف زیارت کے لئے رکے۔ یا جب موقع ہو طواف کرے اور دم دے۔ اور اس کا بھی موقع نہ مل سکے تو اس کے بدلے میں کسی سے طواف زیارت کروائے۔

**بخاری** اوپر حدیث میں حضرت صفیہ کے بارے میں پتا چلا کہ حائضہ ہو گئی تو آپؐ نے افسوس کا اظہار کیا کہ اگر طواف زیارت نہیں کیا تو ہمیں رکنا پڑے گا۔ لیکن جب پتا چلا کہ طواف زیارت کر چکی ہے تو فرمایا اب کوئی بات نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت کے لئے رکنا پڑیگا کیونکہ وہ فرض ہے۔ اور طواف زیارت رہ جائے تو اس کا بدل کر دانا پڑے گا اس کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن الحسن فی الرجل یحج فیموت قبل ان یقضى نسکة قال یقضى عنه ماقی من نسکة (مصنف ابن ابی شیبہ، ۲۱۶ فی الرجل یموت وقد حجی علیہ من نسکة شیء، ج ثالث، ص ۲۶۱، نمبر ۱۳۱۱۷)



حاشیہ : (الف) حضرت صفیہ حائضہ ہوئیں تو آپؐ نے فرمایا تیرا بھلا ہو تو نے مجھے روک لیا۔ کیا تم نے طواف زیارت کر لیا؟ حضرت صفیہؓ نے فرمایا ہاں! آپؐ نے فرمایا پھر تو کوئی حرج نہیں ہے، واپس چلو۔

## ﴿باب الجنایات﴾

[۷۱۴] (۱) اذا تطيب المحرم فعليه الكفارة فان طيب عضوا كاملا فمأزاد فعليه دم.

## ﴿باب الجنایات﴾

**ضروری نوٹ** جنایات جنایت کی جمع ہے۔ حج میں جو غلطیاں کی جاتی ہیں ان کو جنایت کہتے ہیں۔

[۷۱۴] (۱) محرم خوشبولگائے تو اس پر کفارہ ہے۔ پس اگر پورا عضو خوشبولگائی یا اس سے زیادہ تو اس پر ایک دم لازم ہے۔

**شرح** احرام کی حالت میں خوشبولگانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے اگر ایک پورے عضو پر خوشبولگائی مثلاً پورے سر یا پورے ہاتھ پر خوشبولگائی تو اس پر دم لازم ہوگا۔ اور اگر ایک عضو سے زیادہ پر خوشبولگائی تو یہ ایک عضو میں تدخل ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی جنایت ہے اس لئے دونوں ملا کر ایک ہی دم لازم ہوگا۔**مجا** عن جابر قال اذا شتم المحرم ريحانا او مس طيبا اهرق للذك دما (الف) مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۶ ما قالوا فيہ اذا شتم الریحان ج ثالث، ص ۳۰۸، نمبر ۱۳۶۰ (۲) عن عطاء قال اذا وضع المحرم على شيء منه دهنًا فيه طيب فعليه الكفارة (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۹۶ ما قالوا فيہ اذا شتم الریحان ج ثالث، ص ۳۰۸، نمبر ۱۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوشبولگائے تو دم لازم ہوگا۔ محرم کے لئے خوشبولگانے کی ممانعت اس حدیث میں ہے عن یعلیٰ ان رجلا اتی النبی ﷺ وهو بالجعرانة وعليه جبة و عليه اثر الخلق او قال صفرة فقال كيف تأمرني ان اصنع في عمرتي ... قال ابن السائل عن العمرة؟ اخلع عنك الجبة واغسل اثر الخلق عنك وانق الصفرة واصنع في عمرتك كما تصنع في حجك (ج) (بخاری شریف، باب يفعل بالعمرة ما يفعل بالبحج ص ۲۴۱ نمبر ۱۷۸۹، ابواب العمرة / مسلم شریف، باب ما يباح للمحرم ... وبيان تحريم الطيب عليه ص ۳۷۳ نمبر ۱۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محرم کو خوشبو نہیں لگانا چاہئے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر قال قال رجل فقال يا رسول الله ﷺ ماذا تأمرنا ان نلبس من الثياب في الاحرام؟ فقال رسول الله ... ولا تلبسوا شيئا مسه زعفران ولا الورس (د) (بخاری شریف، باب ما تنهى من الطيب المحرم والحرم منه ص ۲۴۸ نمبر ۱۸۳۸، ابواب العمرة) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خوشبو نہیں لگانا چاہئے۔**حاشیہ :** (الف) حضرت جابر فرماتے ہیں جب محرم خوشبو سونگھے یا خوشبو ملے تو اس کی وجہ سے دم ہے (ب) حضرت عطا فرماتے ہیں جب محرم کسی تیل پر ہاتھ رکھے جس میں خوشبو ہو تو اس پر کفارہ لازم ہے (ج) ایک آدمی حضور کے پاس آیا اس حال میں کہ آپ مقام ہجرانہ میں تھے، اس آدمی پر جب تھا اس میں خلوق کا اثر تھا یا فرمایا صفرو تھا، انہوں نے پوچھا مجھے میرے اعمال میں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں... آپ نے فرمایا عمرہ کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟ جب جسم سے کھول دو، اور اپنے سے خلوق کا اثر دھو دو، اور صفرو صاف کر دو اور عمرہ میں ایسا ہی کرو جیسا حج میں کرتے ہو (د) آپ نے فرمایا ایسا کپڑا مت پہنو جس کو زعفران نے چھو یا ہو یا ورس نے چھو یا ہو۔

[۷۱۵] (۲) ان طیب اقل من عضو فعليه صدقة [۷۱۶] (۳) وان لبس ثوبا مخیطا او اغطی رأسه یوما كاملا فعليه دم [۷۱۷] (۴) وان كان اقل من ذلك فعليه صدقة۔

[۷۱۵] (۲) اور ایک عضو سے کم خوشبو لگائی تو اس پر صدقہ ہے۔

ایک عضو خوشبو لگانا ارتفاق کامل ہے اس لئے دم لازم ہوا اور اس سے کم لگانے میں ارتفاق کامل نہیں ہے تاہم اچھا نہیں ہے۔ اس لئے آدھا صاع گیہوں صدقہ کرے۔ مطلق صدقہ سے آدھا صاع گیہوں مراد ہے۔

[۷۱۶] (۳) اگر سلا ہوا کپڑا پہنایا اپنے سر کو پورا ڈھانکا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

محرم کو سلا ہوا کپڑا پہننا ممنوع ہے اسی طرح مرد کے کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔ اس لئے اگر پورا دن سلا ہوا کپڑا پہنایا پورا دن سر ڈھانکا تو اس پر دم لازم ہوگا۔ سلا ہوا کپڑا پہننے اور سر ڈھانکنے کی ممانعت اس حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن عمر قال قام رجل فقال یا رسول اللہ ماذا تأمرنا ان نلبس من الثياب فی الاحرام؟ فقال النبی ﷺ لا تلبسوا القميص ولا السراويلات ولا العمائم ولا البرانس الا ان یکون احد لیست له نعلان فلیلبس الخفین ولیقطع اسفل من الکعبین ولا تلبسوا شینا مسہ زعفران ولا الورس ولا تنقب المرأة المحرمة ولا تلبس القفازین (الف) (بخاری شریف، باب ما تنهى من الطيب للمحرم والحرمہ ص ۲۳۸ نمبر ۱۸۳۸، باب ما یباح للمحرم من الخمر واللبس ص ۳۷۲ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں جتنے کپڑے پہننا ممنوع قرار دیا ہے وہ سب سلع ہوئے ہیں اس لئے سلع ہوئے کپڑے پہننا ممنوع ہے۔ اور عمامہ نہ پہننا اور برنس ٹوپی نہ پہننا اس سے معلوم ہوا کہ سر ڈھانکنا ممنوع ہے (۲) ایک دوسری حدیث سے بھی سر ڈھانکنا ممنوع معلوم ہوتا ہے وہ حدیث یہ ہے عن ابن عباس قال بینما رجل واقف مع النبی ﷺ بعرفة اذ وقع عن راحلته فوقصته او قال فاقصته فقال النبی ﷺ اغسلوه بماء وسدر وكفوه فی ثوبین ولا تمسوه طيبا ولا تخمروا رأسه ولا تحنطوه فان الله یبعثه یوم القیامة ملبیا (ب) (بخاری شریف، باب المحرم بیوت بعرفة ص ۲۳۹ نمبر ۱۸۵۰) اس حدیث میں ہے کہ محرم کے لئے سر ڈھانکنا ممنوع ہے۔

نوٹ جب یہ دونوں کام ممنوع ہیں تو ان کو کرنے سے دم لازم ہوگا، کیونکہ حج کی جنایت کا کفارہ دم ہے۔

[۷۱۷] (۴) اگر ایک دن سے کم سلا ہوا کپڑا پہننا تو اس پر صدقہ ہے۔

ارتفاق کامل اس وقت ہوگا جب کہ ایک دن پہننا ہو، کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے پہننا سردی گرمی سے بچنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ صرف جسم پر

حاشیہ : (الف) ایک آدمی کھڑا ہوا اور پوچھا یا رسول اللہ کہ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں کہ احرام کی حالت میں کپڑا پہنیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ قمیص نہ پہنو، نہ پانجامہ پہنو، نہ بگڑی پہنو، نہ ٹوپی پہنو، مگر یہ کہ کسی کے پاس چپل نہ ہو تو دونوں موزے پہنے اور ٹخنے سے نیچے کاٹ لے۔ اور ایسی کوئی چیز نہ پہنو جس میں زعفران لگا ہو۔ نہ درس لگا ہو۔ محرمہ عورت نقاب نہ ڈالے اور نہ دستانے پہنے (ب) حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک آدمی عرفات میں حضور کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے اچانک کجاوے سے گر گئے اور اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ تو آپ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کی پتی سے غسل دوا دو درود کپڑوں میں کفن دوا اور اس کو خوشبو نہ لگاؤ اور اس کے سر کو نہ ڈھانکنا اور نہ اس کو حنوط لگاؤ اس لئے کہ اللہ اس کو قیامت کے دن تبلیہ پڑھتے اٹھائے گا۔

[۷۱۸] (۵) وان حلق ربع رأسه فصاعدا فعليه دم وان حلق اقل من الربع فعليه صدقة.

رکھنا مقصود ہوتا ہے اس لئے اس سے ارتفاق کامل نہیں ہوا اس لئے دم نہیں لازم ہوگا۔ اسی طرح ایک دن سر کو نہیں ڈھانکا تو ارتفاق کامل نہیں ہوا اس لئے دم لازم نہیں ہوگا۔

**فائدہ** امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اکثر کل کے حکم میں ہے۔ اس قاعدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے دن کا اکثر حصہ سلا ہوا کپڑا پہنا تو دم لازم ہوگا۔

[۷۱۸] (۵) اگر چوتھائی سریا اس سے زیادہ منڈوایا تو اس پر دم لازم ہوگا، اور اگر چوتھائی سر سے کم کا حلق کر لیا تو اس پر صدقہ ہے۔

**تشریح** چوتھائی سر کل سر کے حکم میں ہے کیونکہ لوگ چوتھائی سر منڈواتے ہیں، اس لئے چوتھائی سر منڈوایا تو گویا کہ کل سر منڈوایا اس لئے چوتھائی سر منڈوانے میں دم لازم ہوگا۔

**وجہ** آیت میں ہے فمن كان منكم مريضا او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسك (الف) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة ۲) آیت میں ہے کہ سر میں تکلیف ہو اور سر منڈوانے کی ضرورت پڑے تو سر منڈوالے اور روزہ یا صدقہ یا ہدی میں سے کچھ ادا کرے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ مجبوری ہو۔ لیکن اگر مجبوری نہ ہو اور سر منڈوالیا تو ہدی ہی دینا ہوگا۔ اس کا اشارہ اس حدیث میں ہے عن عبد الله بن معقل قال جلست الى كعب بن عجرة فسألته عن الفدية فقال نزلت في خاصة وهي لكم عامة حملت الى رسول الله ﷺ والقمل يتناثر على وجهي فقال ما كنت ارى لو جمع بلغ بك ما ارى او ما كنت ارى الجهد بلغ ما ارى تجد شاة؟ فقلت لا قال فصم ثلاثة ايام او اطعام ستة مساكين لكل مسكين نصف صاع (ب) (بخاری شریف، باب الاطعام فی الفدية نصف صاع س ۲۳۴ نمبر ۱۸۱۶ مسلم شریف، باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا كان به اذى ص ۳۸۲ نمبر ۱۲۰۱/۲۸۸۳) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے پہلے پوچھا کہ تمہارے پاس بکری ہے؟ تو کعب بن عجرہ نے فرمایا نہیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ تین روز روزہ رکھو۔ یا چھ مسکین کو کھانا دو اور ہر مسکین کو آدھا صاع دو۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے ہدی بکری لازم ہوگی وہ نہ ہو تو روزہ اور صدقہ لازم ہے۔ اور یہ جب ہے کہ مجبوری ہو، اور مجبوری نہ ہو تو بکری ہی لازم ہوگی۔

**نوٹ** ہدی کو حرم میں ذبح کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ آیت میں ہے هديا بالغ الكعبة (ج) (آیت ۹۵ سورة المائدة ۵) اس لئے ان ہدی کو حدود حرم میں ہی ذبح کرنا ہوگا۔

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پورا سر منڈوائے تب دم لازم ہوگا۔

**وجہ** آیت میں سر مطلق ہے اور مطلق سے پورا مراد ہوتا ہے اس لئے پورا سر منڈوائے گا تب دم لازم ہوگا۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تین چار بال

حاشیہ : (الف) تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزے کا یا صدقہ دینا ہے یا قربانی دینا ہے (ب) میں نے کعب بن عجرہ کو فدیہ کے بارے میں پوچھا، فرمایا میرے بارے میں خاص نازل ہوا ہے اور تم لوگوں کے بارے میں عام ہے، فرمایا مجھے حضور کے پاس اٹھا کر لے جایا گیا۔ حال یہ کہ میرے چہرے پر جوئیں ریگ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں جو شقت تم کو پہنچتی ہے، کیا تم بکری رکھتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تین دن روزہ رکھو یا چھ مسکین کو کھانا کھلاؤ، ہر مسکین کو آدھا صاع (ج) ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو۔



[۷۱۹] (۶) وان حلق مواضع المحاجم من الرقبة فعليه دم عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف و محمد عليه صدقة [۷۲۰] (۷) وان قص اظافیر یدیه ورجلیه فعليه دم۔

منڈوائے تو دم لازم ہوگا ان کی دلیل یہ اثر ہے عن الحسن وعطاء انهما قالوا فی ثلث شعرات دم، الناسی والمعتد سواء (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۳۸ فی المحرم ثلث شعرات علیہ فی شیء ام لاج ثالث، ص ۲۱۰، نمبر ۱۳۵۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تین بال بھی مندو ادے تو دم لازم ہوگا اور بھول کر یا جان کر منڈائے دونوں برابر ہیں۔ اس اثر کی وجہ سے حنفیہ کے مسلک کی بھی تائید ہوتی ہے کہ چوتھائی سرمندو یا تو دم لازم ہوگا، اور بھول کر بھی منڈوائے گا تو دم لازم ہوگا۔ کیونکہ احرام یاد دلانے والا ہے۔

[۷۱۹] (۶) اور اگر گردن کی جگہ پچھنے کے لئے حلق کرائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر دم ہے اور صاحبین کے نزدیک اس پر صدقہ ہے **شرح** گردن پر بال ہوتے ہیں اس پر پچھنا لگوانے کے لئے بال صاف کیا تو چونکہ محرم کے بال کٹے اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔

**وجہ** اوپر کی حدیث میں مجبوری کی وجہ سے سرمندو یا تھا تو بکری لازم ہوتی تھی اسی طرح یہاں بھی بکری لازم ہوگی (۲) گردن مستقل عضو ہے اس لئے اس کے بال کاٹنے سے دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے قال مالک ومن نفث شعرا من انفه او بطله او طلی جسده بنورة او یحلن عن شجة فی رأسه بضرورة او یحلق قفاه لموضع المحاجم وهو محرم ناسیا او جاهلا ان من فعل شیئا من ذلك فعليه فی ذلك كله فدية ولا یبقى له ان یحلق موضع المحاجم (ب) (موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان یخرص ۴۵۰)

**وجہ** صاحبین : صاحبین کے نزدیک گردن کے منڈانے سے صدقہ لازم ہے دم لازم نہیں ہے۔

**وجہ** (۱) اصل مقصود پچھنا لگوانا ہے بال منڈوانا مقصود نہیں، اور پچھنا لگوانے سے دم لازم نہیں ہوتا اس لئے غیر مقصود بال کٹوانے سے بھی دم لازم نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن بحدیة قال احتجم النبی ﷺ وهو محرم (ج) (بخاری شریف، باب الحجامة للمحرم ص ۲۴ نمبر ۱۸۳۵ / مسلم شریف، باب جواز الحجامة للمحرم ص ۳۸۳ نمبر ۱۲۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں پچھنا لگوانا جائز ہے۔ اور جب پچھنا لگوانا جائز ہے تو جو غیر مقصود ہے یعنی گردن کے بال کٹوانا اس پر صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۲۰] (۷) اگر دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے ناخن کاٹے تو اس پر ایک دم ہے۔

**شرح** ایک ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر ایک ہاتھ کے پانچوں انگلیوں کے ناخن کاٹے تو ایک دم لازم ہوگا لیکن اگر دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کے بیسیوں انگلیوں کے ناخن کاٹے تب بھی ایک ہی دم لازم ہوگا اور تذخل ہو جائے گا۔

**وجہ** کیونکہ ایک ہی قسم کے گناہ ہیں اس لئے ایک میں تذخل ہو جائے گی (۲) ناخن کاٹنے سے دم اس لئے لازم ہوگا کہ وہ ارتفاق کامل ہے

حاشیہ : (الف) حسن وعطاء نے فرمایا تین بال میں دم ہے، اور بھول کر اور جان کر برابر ہے (ب) حضرت مالکؒ نے فرمایا کسی نے ناک کا بال یا بغل کا بال اکھیرا یا جسم پر بال صاف کرنے کے لئے چونا لگایا یا ضرورت کی بنا پر سر میں زخم لگوا یا یا گردن کا حلق کروا یا پچھنے کی جگہ حال یہ ہے کہ وہ محرم تھا جان کر یا بھول کر یہ کام کئے تو ان تمام کاموں میں فدیہ ہے۔ اس کو پچھنے کی جگہ حلق کی اجازت نہیں دی جائے گی (ج) ابن خضیرہ فرماتے ہیں کہ حضور نے احرام کی حالت میں پچھنا لگوا یا۔

[۷۲۱] (۸) وان قص یدا او رجلا فعليه دم [۷۲۲] (۹) وان قص اقل من خمسة اظافر فعليه صدقة [۷۲۳] (۱۰) وان قص من خمسة اظافر متفرقة من يديه ورجليه فعليه صدقة عند ابي حنيفة وابي يوسف رحمهما الله وقال محمد رحمه الله تعالى عليه دم

(۳) حج میں پراگندہ ہونا چاہئے اور ناخن کا ٹاپرا گندگی کے خلاف ہے اس لئے ناخن کاٹنے سے دم لازم ہوگا (۴) اثر میں ہے قال مالک لا يصلح للمحرم ان ينتف من شعره شيئا ولا يحلقه ولا يقصره حتى يحل الا ان يصيبه اذى في رأسه فعليه فدية كما امره الله تعالى ولا يصلح له ان يقلم اظفاره ولا يقتل قملة (موطا امام مالک، باب فدية من حلق قبل ان يخرص ۴۵۰) [۷۲۱] (۸) اگر ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تو اس پر دم ہے۔

**تشریح** دونوں ہاتھ، دونوں پیر چاروں کے ایک ساتھ ناخن نہیں کاٹے بلکہ صرف ایک ہاتھ کے ناخن کاٹے یا صرف ایک پاؤں کے ناخن کاٹے تب بھی ایک دم لازم ہے۔

**تب** کیونکہ یہ بیس انگلیوں کی چوتھائی ہے (۲) عن الحسن وعطاء قال اذا انكسر ظفرك فقله من حيث انكسر وليس عليه شيء فان قلته من قبل ان انكسر فعليه دم (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۲ فی المحرم بقص ظفرك ويهبط الجرح ج، ثالث، ص ۱۳۰، نمبر ۱۲۷۵۶) اس اثر میں ہے کہ ناخن کاٹے تو دم لازم ہوگا۔

**اسول** اس مسئلہ میں چوتھائی کوکل کے قائم مقام کیا گیا ہے۔

[۷۲۲] (۹) اور اگر پانچ انگلیوں سے کم کے ناخن کاٹے تو اس پر صدقہ ہے۔

**تب** ایک ہاتھ کے پانچ انگلیوں سے کم کے ناخن کاٹے تو اس پر اس لئے صدقہ ہے کہ بیس انگلیوں کی چوتھائی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے کم ہے اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔ یعنی ایک صاع جو یا آدھا صاع گیہوں۔

[۷۲۳] (۱۰) اور اگر مختلف ہاتھ اور مختلف پیر کے پانچ ناخن کاٹے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر صدقہ ہے اور امام محمد نے فرمایا اس پر دم لازم ہے۔

**تشریح** ایک ہاتھ کے پانچ ناخن نہیں کاٹے بلکہ مختلف ہاتھ اور پاؤں کے پانچ ناخن کاٹے تو شیخین کے نزدیک اس پر صدقہ لازم ہوگا۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر دم لازم ہوگا۔

**تب** شیخین فرماتے ہیں کہ مختلف ہاتھ، پیر سے ناخن کاٹنا زینت نہیں ہے بلکہ بدنمائی ہے اور شریعت میں احرام کے موقع پر زینت جائز نہیں ہے اور یہ بدنمائی ہوگئی اس لئے اس کو پورے بیس ناخنوں کی چوتھائی قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔

(ب) حضرت حسن اور عطاء نے فرمایا اگر ناخن ٹوٹ جائے تو کاٹ دے جہاں سے ٹوٹا ہے تو اس پر دم نہیں ہے۔ پس اگر ناخن ٹوٹنے سے پہلے اس کو کاٹ دے تو اس پر دم لازم ہے۔

[۷۲۴] (۱۱) وان تطيب او حلق او لبس من عذر فهو مخير ان شاء ذبح شاة وان شاء تصدق على ستة مساكين بثلاثة اصوع من الطعام وان شاء صام ثلاثة ايام [۷۵۲] (۱۲) وان قبل او لمس بشهوة فعليه دم انزل او لم ينزل [۷۲۶] (۱۳) ومن جامع في احد السبيلين

■ امام محمد فرماتے ہیں کہ مختلف ہاتھ پاؤں کے پانچ ناخن ہوں یا ایک ہاتھ کے، ہے یہ پورے ناخنوں کی چوتھائی اس لئے چوتھائی کو کل حکم کے قائم مقام کرتے ہوئے ایک دم لازم ہوگا (۲) جس طرح سر کے بال مختلف جگہ سے چوتھائی سر کاٹنے تو ایک دم لازم ہوتا ہے۔ [۷۲۳] (۱۱) اگر عذر کی وجہ سے خوشبو لگائی یا حلق کرایا یا سلا ہوا کپڑا پہنا تو اس کو اختیار ہے چاہے بکری ذبح کرے اور چاہے تو چھ مسکین پر تین صاع کھانا صدقہ کرے اور چاہے تو تین روزے رکھے۔

■ آیت میں موجود ہے کہ عذر کی وجہ سے سر منڈوایا تو ان تینوں میں سے ایک کام کرنے کا اختیار ہے یا بکری ذبح کرے یا تین صاع گیہوں چھ مسکین پر صدقہ کرے یا تین روزے رکھے (۲) آیت یہ ہے فمن كان منكم مريضا او به اذى من رأسه ففدية من صيام او صدقة او نسك (الف) (آیت ۱۹۶ سورة البقرة ۲) اس آیت میں ذکر ہے کہ سر میں تکلیف ہو تو سر منڈو ادے اور تینوں کاموں سے ایک کرے (۳) حدیث میں ہے ان كعب بن عجرة حدثه قال وقف على رسول الله بالحديبية ورأسى يتهافت قملا فقال يوذيك هو امك؟ قلت نعم قال فاحلق رأسك او احلق قال في نزلت هذه الآية فمن كان منكم مريضا الخ فقال النبي ﷺ صم ثلاثة ايام او تصدق بفرق بين ستة او نسك مما تيسر (ب) (بخاری شریف، باب قول اللہ اصدقتہ وہی ستہ مساکین ص ۲۴۴ نمبر ۱۸۱۵ / مسلم شریف، باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا كان به اى ص ۳۸۲ نمبر ۱۲۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عذر ہو اور خلاف احرام کام کیا تو صدقہ، روزہ یا ہدی میں سے کوئی ایک کرنے کا اختیار ہے۔

[۷۲۵] (۱۲) اگر بیوی کو بوسہ لے لیا یا شہوت سے چھو لیا تو اس پر دم لازم ہے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

■ اثر میں ہے عن ابی جعفر عن علی قال من قبل امرأته وهو محرم فليهرق دما (ج) (سنن للبیہقی، باب المحرم یصیب امرأته مادون الجماع ج ۱ ص ۲۷۵، نمبر ۹۷۹۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کو بوسہ لے لے تو دم لازم ہوگا (۲) ابامحمد کے کتاب الآثار ص ۵۳ پر بھی ابن عباس کا اثر ہے کہ دم لازم ہوگا۔

[۷۲۶] (۱۳) وقوف عرفه سے قبل جس نے دونوں راستوں میں سے ایک میں جماع کیا تو اس کا حج فاسد ہو گیا اور اس پر بکری لازم ہے۔ اور

حاشیہ : (الف) پس تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دینا ہے روزہ سے یا صدقہ دینے سے یا ذبح کرنے سے (ب) کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ حدیبیہ میں حضورؐ میرے سامنے آئے اور میرے سر پر جوئیں ریگ رہی تھی۔ تو آپؐ نے فرمایا کیا جوئیں تم کو تکلیف دے رہی ہے؟ میں نے کہا ہاں! آپؐ نے فرمایا اپنے سر کا حلق کرالو یا یوں فرمایا حلق کرالو۔ حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میرے بارے میں فمن كان منكم مريضا نازل ہوئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تین روز روزے رکھو یا ایک فرق چھ مسکین میں تقسیم کر دیا جو آسان ہوا اس کو ذبح کرو (ج) حضرت علیؓ سے روایت ہے فرمایا جس نے احرام کی حالت میں بیوی کو بوسہ دیا تو خون بہائے یعنی دم دے۔

قبل الوقوف بعرفة فسد حجه و عليه شاة ويمضى فى الحج كما يمضى من لم يفسد حجه و عليه القضاائط.

وہ حج میں گزرتا رہے جیسے وہ گزرتا ہے جس نے حج فاسد نہیں کیا اور اس پر قضا ہے۔

**شرح** کسی نے حج کا احرام باندھا پھر آگے یا پیچھے کے مقام میں جماع کیا تو حج فاسد ہو جائے گا۔ البتہ وہ اسی احرام کے ساتھ عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور جو جو کام حاجی کرتے ہیں وہی کام یہ کرتا رہے اور آئندہ سال حج کی قضا کرے۔ اور حج کے توڑنے کی وجہ سے بکری لازم ہوگی۔ بکری اس لئے لازم ہوگی کہ حج کی قضا لازم ہوگی تو جنائیت اتنی شدید نہیں رہی بلکہ ہلکی ہوگئی، اور وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو حج مکمل ہو گیا اس لئے اس کی قضا نہیں ہے اس لئے جنائیت شدید نہیں رہی اس لئے اونٹ لازم ہوگا۔ **حدیث** میں ہے اخبرنی یزید بن نعیم ان رجلا من جذام جامع امراته و هما محرمان فسال الرجل رسول الله ﷺ فقال لهما اقضيا نسككما و اهديا هديا ثم ارجعا حتى اذا جئتما المكان الذى اصبتما فيه ما اصبتما ففترقا و لا يرى واحد منكما صاحبه و عليكما حجة اخرى فتقبلان حتى اذا كنتما بالمكان الذى اصبتما فيه ما اصبتما فاحرما و اتما نسككما و اهديا (الف) (سنن للبيهقي، باب ما يفسد الحج خاص م ۲۷۲، نمبر ۹۷۷۸) (۲) عن ابن عباس في رجل وقع على امراته وهو محرم قال اقضيا نسككما و ارجعا الى بلدكما فاذا كان عام قابل فاخرجا حاجين فاذا احرمتما ففترقا و لا تلقيا حتى تقضيا نسككما و اهديا هديا (سنن للبيهقي، باب ما يفسد الحج خاص م ۲۷۳، نمبر ۹۷۸۲) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ سے پہلے جماع کر کے حج فاسد کر دیا تو اگلے سال قضا کرنا ہوگا اور ہدی دینا ہوگا۔ حج فاسد ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ من ادرک عرفات فوقف بها و المزدلفة فقدتم حجه و من فاتته عرفات فقد فاتته الحج فليحل بعمره و عليه الحج من قابل (دارقطني، کتاب الحج نمبر ۲۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ سے پہلے حج فاسد ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو اور آئندہ سال حج کرے۔ اور چونکہ ہدی مطلق ہے اس لئے بکری سے کام چل جائے گا (۳) حج فاسد ہونے کا اشارہ آیت سے بھی ملتا ہے فمن فرض فیمکن الحج فلا رفق و لا فسوق و لا جدال فی الحج (آیت ۱۹۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جماع کی بات بھی نہ کرے اور اس نے جماع کر لیا اس لئے حج فاسد ہو جائے گا۔ مطلق ہدی سے بکری مراد ہوتی ہے حدیث میں ہے عن کعب بن عجرۃ ان رسول الله ﷺ و انه يسقط على وجهه ... او بھدی شاة او يصوم ثلثة ايام (ب) بخاری شریف، باب النسک شاة م ۲۴۴ کتاب العمرۃ نمبر ۱۸۱) اس حدیث میں بکری کو ہدی کہا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مطلقا ہدی کہا جائے تو اس سے بکری مراد ہوتی ہے۔

حاشیہ: (الف) قبیلہ جذام کے ایک آدمی نے اپنی بیوی سے جماع کیا اور وہ دونوں محرم تھے۔ اس آدمی نے حضورؐ سے پوچھا تو آپؐ نے دونوں سے فرمایا، دونوں حج کی قضا کریں، اور دونوں ہدی دیں، پھر گھر لوٹ جائیں، یہاں تک کہ جب اس مکان پر آئیں جس میں یہ حرکتیں کی ہیں تو دونوں الگ الگ ہو جائیں اور دونوں میں سے کوئی دوسرے کو نہ دیکھے اور تم دونوں پر دس راج ہے۔ پس دونوں آدھیہاں تک کہ جب اس مکان پر آؤ جہاں یہ مصیبت پہنچی ہے تو دونوں احرام باندھو اور دونوں حج پورا کرو (ب) آپؐ نے کعب بن عجرہ کو دیکھا کہ اس کے چہرے پر جو نیکیں گر رہی ہیں، آپؐ نے فرمایا ایک بکری ہدی دیں یا تین دن روزے رکھیں۔

[۷۲۷] (۱۴) وليس عليه ان يفارق امرأته اذا حج بها في القضاء عندنا [۷۲۸] (۱۵)

ومن جامع بعد الوقوف بعرفة لم يفسد حجه وعليه بدنة [۷۲۹] (۱۶) ومن جامع بعد

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ اونٹ لازم ہوگا۔ جس طرح وقوف عرفہ کے بعد جماع کرے تو اونٹ لازم ہوتا ہے۔

[۷۲۷] (۱۴) اور اس پر لازم نہیں ہے کہ بیوی کو جدا کرے جبکہ بیوی کے ساتھ قضاء حج کر رہا ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔

**تشریح** جس وقت فاسد شدہ حج کی قضا کر رہا ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس حج میں بیوی کو جدا کرنا ضروری نہیں ہے۔ ساتھ رکھے گا تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔

**مذہب** اوپر کی حدیث میں احرام باندھنے سے لیکر طواف زیارت تک بیوی کو جدا رکھنے کا حکم ہے وہ احتیاط کے لئے ہے تاکہ دوبارہ بیوی کے ساتھ جماع نہ کر بیٹھے۔ یہ احتیاط کر لے تو بہتر ہے۔ لیکن اگر بیوی کو ساتھ رکھے تو حج پر کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ اثر میں ہے۔ عن مجاہد وعطاء قالوا وعليهما الحج من قابل ولا يخترقان (مصنف ابن ابی شیبہ، ۵۸ فی الرجل یواقع اہلہ وهو محرم، ج ثالث، ص ۱۶۰، نمبر ۱۳۰۸۵)

**فائدہ** امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ ہے کہ احرام باندھنے کے بعد سے طواف زیارت تک بیوی کو جدا رکھے۔

**مذہب** ان کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں حکم ہے کہ بیوی کو حج کی قضا کرتے وقت علیحدہ رکھے۔

[۷۲۸] (۱۵) جس نے وقوف عرفہ کے بعد جماع کیا تو اس کا حج فاسد نہیں ہوگا اور اس پر اونٹ لازم ہے۔

**تشریح** وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے بیوی سے جماع کیا تو حج تو ہو گیا کیونکہ وقوف عرفہ تو کر لیا ہے لیکن حلق سے پہلے بیوی حلال نہیں تھی اور نہ سلا کپڑا اور خوشبو حلال تھے اس لئے اس وقت جماع کیا تو جنایت سنگین ہے اس لئے اونٹ ذبح کرنا ہوگا۔

**مذہب** (۱) عن ابن عباس ان رجلا اصاب من اہلہ قبل ان يطوف بالبيت يوم النحر فقال ينحران جزورا بينهما وليس عليهما الحج من قابل (الف) (سنن للبيهقي، باب الرجل يصيب امرأته بعد التحلل الاول قبل الثاني ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۸۰۱، موطا امام مالک باب هدى من اصاب اہلہ قبل ان يفيض ص ۲۰۶، مصنف ابن ابی شیبہ، ۵۹ کم علیہما حد یا و احدا او اثینین؟، ج ثالث، ص ۱۶۱، نمبر ۱۳۰۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ وقوف عرفہ کے بعد اور حلق سے پہلے جماع کر لے تو بد نہ یعنی اونٹ لازم ہوگا اور حج مکمل ہو جائے گا۔ اس کی قضا لازم نہیں ہے (۲) وقوف عرفہ کے بعد جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوگا اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۳ کی دارقطنی کی حدیث بھی ہے۔

ادرك عرفات فوقف بها والمزدلفة فقد تم حجه (دارقطنی نمبر ۲۳۹۷، ترمذی شریف نمبر ۸۸۹)

[۷۲۹] (۱۶) جس نے حلق کرانے کے بعد جماع کیا اس پر بکری لازم ہے۔

**تشریح** حج میں حلق کر چکا تھا لیکن ابھی طواف زیارت نہیں کیا تھا اور جماع کر لیا تو چونکہ ابھی عورت حلال نہیں ہوئی تھی اس لئے دم لازم ہوگا۔ لیکن خوشبو اور سلا کپڑا حلال ہو چکے تھے اس لئے جنایت میں تخفیف ہوگئی۔ اس لئے اونٹ کی بجائے بکری لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) ابن عباس نے فرمایا کوئی آدمی دسویں ذی الحجہ کو بیت اللہ کے طواف سے پہلے جماع کر لے تو فرمایا کہ دونوں اونٹ ذبح کرے اور دونوں پراگلے سال حج کرنا ضروری نہیں ہے۔

الحلق فعليه شاة [۴۳۰] (۱۷) ومن جامع في العمرة قبل ان يطوف اربعة اشواط افسدها ومضى فيها وقضاها وعليه شاة [۴۳۱] (۱۸) وان وطئ بعد ما طاف اربعة اشواط فعليه

**وجہ** حضرت عبداللہ بن عباس کے اثر میں اس کا اشارہ ملتا ہے عن ابن عباس انه قال في الذي يصيب اهله قبل ان يفيض يعتمر ويهدى (الف) (سنن للبيهقي، باب الرجل يصيب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثاني ج خامس ص ۲۷۹، نمبر ۹۸۰۶) اس اثر میں ہدی مطلق ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حلق کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کیا تو مطلق ہدی سے بکری مراد ہے۔ [۴۳۰] (۱۷) جس نے چار شوط طواف کرنے سے پہلے عمرہ میں جماع کیا تو اس نے عمرہ فاسد کر دیا اس لئے وہ عمرہ میں گزرتا رہے گا اور اس کو قضا کرے گا اور اس پر ایک بکری لازم ہے۔

**تشریح** چار شوط طواف کر لے تو سات طواف میں سے اکثر ہو گیا تو گویا کہ فرض کی ادائیگی ہو گئی۔ لیکن اگر چار شوط سے کم طواف کیا تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اور فرض کی ادائیگی نہیں ہوئی اس لئے اگر چار شوط سے پہلے جماع کر لیا تو عمرہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ سات شوط طواف عمرہ میں فرض ہیں اس لئے اس کی قضا لازم ہوگی۔ اور عمرہ چھوڑنے کی وجہ سے بکری لازم ہوگی۔ بکری لازم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عمرہ حج سے کم درجہ کا ہے اس لئے کم درجہ کا دم لازم ہوگا۔

**وجہ** عن سعيد بن جبير ان رجلا اهل هو وامراته جميعا بعمرة فقطت مناسكها الا التقصير فغشيها قبل ان تقصر فسل ابن عباس عن ذلك فقال انها لشيبه ... وقال لها اهرى بقى دما قالت ماذا قال انحرى ناقة او بقرة او شاة قالت اى ذلك افضل قال ناقة (ب) (سنن للبيهقي، باب المعتمر لا يقرب امرأته ج خامس ص ۲۸۰، نمبر ۹۸۰۶) اس اثر میں ہے کہ حلق سے پہلے جماع کیا تو دم لازم ہوگا۔ اسی طرح طواف کرنے سے پہلے جماع کیا تو عمرہ فاسد ہوگا۔ اور اس کی قضا کرنی ہوگی اور دم بھی لازم ہوگا۔ کیونکہ جب حلق سے پہلے جماع کرنے سے دم لازم ہوا تو طواف کرنے سے پہلے بدرجہ اولی دم لازم ہوگا۔ اور جس طرح وقوف عرفہ سے پہلے جماع کرنے سے حج فاسد ہو جاتا ہے اسی طرح عمرہ میں طواف کرنے سے پہلے جماع کرنے سے عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک عمرہ فاسد ہونے میں بھی اونٹ لازم ہوگا۔ جس طرح حج فاسد ہونے میں اونٹ لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ اوپر کے اثر میں اونٹ کا تذکرہ ہے۔

[۴۳۱] (۱۸) اور اگر عمرہ میں چار شوط طواف کرنے کے بعد جماع کیا تو اس پر بکری لازم ہے اور اس کا عمرہ فاسد نہیں ہوگا اور نہ اس کی قضا لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس نے اس آدمی کے بارے میں فرمایا جو طواف زیارت سے پہلے جماع کر لے وہ عمرہ کرے گا اور ہدی دے گا (ب) سعید بن جبیر فرماتے ہیں ایک آدمی اور اس کی بیوی دونوں نے عمرہ کا احرام باندھا پھر سارے مناسک ادا کیا سوائے تقصیر کرانے کے، پس تقصیر سے پہلے اس سے جماع کر لیا پس ابن عباس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اس نے جماع جلدی کیا... ابن عباس نے عورت سے فرمایا خون بہاؤ۔ عورت پوچھنے لگی کیا ذبح کروں؟ فرمایا اونٹ یا گائے یا بکری۔ پوچھا کیا افضل ہے؟ فرمایا اونٹ۔

شاة ولا تفسد عمرته ولا يلزمه قضاؤها [۷۳۲] (۱۹) ومن جامع ناسيا كمن جامع عمدا  
فی الحكم [۷۳۳] (۲۰) ومن طاف طواف القدوم محدثا فعليه صدقة .

**تشریح** عمرہ میں سات شوط طواف کرنا فرض ہے۔ البتہ صفا اور مردہ کے درمیان سعی کرنا حنفیہ کے نزدیک فرض نہیں ہے واجب ہے۔ اس لئے چار شوط جو سات کے آدھے کا اکثر ہے کر لیا تو گویا کہ عمرہ کا رکن طواف کر لیا اس لئے عمرہ فاسد نہیں ہوگا۔ لیکن سعی کرنا اور حلق کرنا باقی ہے اور جماع کر لیا اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔

**حجہ** اوپر کی حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک چار شوط طواف کے بعد جماع کیا تب بھی عمرہ فاسد ہو جائے گا۔

**حجہ** ان کی دلیل یہ اثر ہے سألنا جابر بن عبد الله فقال لا يقرئها حتى يطوف بين الصفا والمروة (الف) بخاری شریف، باب متى يحل المعتمر ص ۳۱۱ نمبر ۱۷۹۴ اس اثر سے معلوم ہوا کہ صفا اور مردہ کی سعی سے قبل جماع نہ کرے اور کر لیا تو گویا کہ فرض چھوڑا اس لئے عمرہ فاسد ہوگا۔

[۷۳۲] (۱۹) جس نے بھول کر جماع کیا تو اس کا حکم ایسا ہے جیسے جان کر جماع کیا۔

**تشریح** جان کر جماع کرنے سے جو جنایت لازم ہوتی ہے حج اور عمرہ میں بھول کر جماع کرنے سے بھی وہی جنایت لازم ہوگی۔ یعنی حج اور عمرہ میں بھول کر اور جان کر جنایت کرنے کا حکم ایک ہے۔

**حجہ** (۱) نصوص عام ہیں ان میں جان کر اور بھول کر کرنے میں فرق نہیں کیا گیا ہے اس لئے دونوں کے احکام ایک ہوں گے۔ صرف روزے میں بھول کر کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔ وہاں اس کی تصریح کر دی گئی ہے (۲) حج اور عمرہ کی حالت یاد دلانے والی ہے اس لئے ان میں بھول کا اعتبار نہیں ہے (۳) ان میں جنایت کا مدار ارتفاق اور فائدہ حاصل کرنے پر ہے، اور فائدہ حاصل کیا ہے چاہے بھول کر کیا ہو اس لئے دم لازم ہوگا۔ (۳) بھول کر اور جان کر دونوں کا حکم ایک ہے اس کے لئے یہ اثر ہے قال مالک ... او يحلق قفاه لموضع المحاجم وهو محرم ناسيا او جاهلا ان من فعل شيئا من ذلك فعليه في ذلك كله الفدية موطا امام مالک باب فدية من حلق قبل ان ينحر (ص ۴۵۰) عن الحسن وعطاء انهما قالوا في ثلاث شعرات دم الناسي والمعتمد فيها سواء (سنن للبيهقي، باب المحرم لا يحلق شعره ج خامس ص ۹۸، نمبر ۹۱۲۴ مدارقطني، نمبر ۲۵۱۲) ان اثر میں بھول اور جان کر جنایت کرنے کو برابر قرار دیا گیا ہے۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک بھول کر کرنے سے جنایت لازم نہیں ہوگی۔ ان کے نزدیک بھول سے کچھ لازم نہیں ہوتا کیونکہ امت سے خطا اور نسیان معاف کر دیا گیا ہے۔ اس کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

[۷۳۳] (۲۰) جس نے طواف قدوم محدث ہو کر کیا تو اس پر صدقہ ہے۔

حاشیہ : (الف) میں نے جابر بن عبد اللہ سے پوچھا تو فرمایا کہ عورت کے قریب نہ جائے جب تک کہ صفا اور مردہ کے درمیان سعی نہ کر لے۔

[۷۳۴] (۲۱) وان كان جنباً فعليه شاة [۷۳۵] (۲۲) وان طاف طواف الزيارة محدثاً فعليه

**ترجمہ** طواف قدوم وضو کی حالت میں کرنا چاہئے لیکن کسی نے حدث کی حالت میں طواف قدوم کر لیا تو اس پر صدقہ لازم ہوگا۔  
**وجہ** حدیث میں ہے کہ طواف نماز کی طرح ہے اور نماز میں وضو ضروری ہے اس لئے طواف میں بھی وضو ضروری ہوگا۔ اس لئے اگر بغیر وضو کے طواف قدوم کیا تو صدقہ لازم ہوگا۔ حدیث میں ہے عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البيت مثل الصلوة الا انکم تتکلمون فيه فمن تکلم فيه فلا یتکلم الا بخیر (الف) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الکلام فی الطواف ص ۱۹۰ حدیث نمبر ۹۶۰ نسائی شریف، باب اباحة الکلام فی الطواف ج ۲ ص ۲۸ نمبر ۲۹۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف نماز کی طرح ہے اس لئے طواف میں بھی وضو شرط ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے عن عائشة انها قالت قدمت مكة وانا حائض ولم اطف بالبيت ولا بين الصفا والمروة قالت فشکوت ذلك الى رسول الله فقال افعلى كما يفعل الحاج غير ان لا تطوفى بالبيت حتى تطهري (ب) (بخاری شریف، باب تقصی الحائض المناسک کما لا الطواف بالبيت ص ۲۳۳ نمبر ۱۶۵۰) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ طہارت کے بغیر طواف نہ کرے۔

**نوٹ** تاہم طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ کیونکہ قرآن نے جو طواف کا تذکرہ کیا ہے اس میں طہارت کی شرط نہیں لگائی ہے اس لئے بغیر وضو کے طواف کیا تو طواف ادا ہو جائے گا۔ آیت ہے وليطوفوا بالبيت العتيق (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں طواف کرنے کا حکم دیا لیکن طہارت کی شرط نہیں لگائی اس لئے بغیر طہارت کے بھی طواف ہو جائے گا البتہ صدقہ یا دم لازم ہوگا۔  
**نوٹ** صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر کی مقدار آدھا صاع ہے۔ کیونکہ مطلق صدقہ سے صدقۃ الفطر کی مقدار مراد ہوتی ہے۔

[۷۳۴] (۲۱) اور اگر طواف قدوم جنبی ہو کر کر لیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

**وجہ** جنابت کی حالت میں طواف قدوم کیا تو طواف میں حدث کی نسبت زیادہ نقص ہوا اس لئے بکری لازم ہوگی۔ باقی وجہ مسئلہ نمبر ۲۰ میں گزر چکی (۲) دم لازم ہونے کی دلیل یہ اثر ہے ان عبد الله بن عباس قال من نسي من نسكه شيئا او تركه فليهرق دما (الف) (موطا امام مالک، باب ما يفعل من نسي من نسكه شيئا ص ۳۵۰ سنن للبيهقي، باب من ترك شيئا من الرمي حتى يذهب ايام منى، ج ۵ ص ۱۵۲ اراد قطنی ج ۲ ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲/۲۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ کچھ چھوٹ جائے تو دم لازم ہوگا۔ اور جنابت کی حالت میں طواف کرنا سے گویا کہ طواف چھوٹ گیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

[۷۳۵] (۲۲) اور اگر طواف زیارت محدث ہو کر کر لیا تو اس پر بکری لازم ہے۔

**وجہ** چونکہ طواف زیارت اہم ہے اور فرض ہے اور اس کو محدث ہو کر کر لیا تو کمی رہی اس لئے اس کی کو بکری ذبح کر کے پوری کرے۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا بیت اللہ کے ارد گرد طواف نماز کی طرح ہے۔ مگر یہ کہ تم طواف میں بات کرتے ہو تو جو طواف کے دوران بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے (ب) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں مکہ آئی اس حال میں کہ میں حاضر تھی، نہ بیت اللہ کا طواف کر پائی اور نہ صفا مروہ کا۔ میں نے حضور کو اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا جیسا حاجی کرتے ہیں ویسا ہی کرو علاوہ یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک کہ پاک نہ ہو جاؤ۔



شاة [۷۳۶] (۲۳) وان كان جنبا فعليه بدنة والا فضل ان يعيد الطواف مادام بمكة ولا ذبح عليه [۷۳۷] (۲۴) ومن طاف طواف الصدر محدثا فعليه صدقة وان كان جنبا فعليه شاة [۷۳۸] (۲۵) وان ترك طواف الزيارة ثلاثة اشواط فمادونها فعليه شاة [۷۳۹] (۲۶) وان ترك اربعة اشواط بقي محرما ابدا حتى يطوفها.

[۷۳۶] (۲۳) اور اگر طواف زیارت جنبی ہو کر کر لیا تو اس پر اونٹ لازم ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ طواف کو لوٹا لے جب تک مکہ میں رہے۔ پھر اس پر ذبح نہیں ہے۔

**تشریح** اگر طواف لوٹا یا تو دم لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس میں نقص تھا اس کو پورا کر لیا اس لئے دم لازم نہیں ہوگا۔ اور افضل یہی ہے کہ ایسے نقص والے طواف کو دوبارہ کر لے۔

**نوٹ** طواف زیارت کو جنبی ہو کر کیا تو یہ بڑی جنایت ہے اس لئے اس میں دم بھی بڑا یعنی اونٹ لازم ہوگا۔

[۷۳۷] (۲۴) جس نے طواف وداع حدث کی حالت میں کیا اس پر صدقہ ہے اور اگر جنابت کی حالت میں کیا تو اس پر بکری ہے۔

**مذہب** طواف وداع طواف زیارت سے کم درجہ ہے اس لئے اس کا حکم طواف قدم کی طرح ہوگا۔ یعنی حدث کی حالت میں کیا تو صدقہ لازم ہوگا اور جنابت کی حالت میں کیا تو بکری لازم ہوگی۔ کیونکہ جنابت کی حالت میں جنابت زیادہ ہے۔

**نفت** طواف صدر : طواف وداع جو آخری وقت میں کیا جاتا ہے، اس کو طواف صدر بھی کہتے ہیں۔

[۷۳۸] (۲۵) اگر طواف زیارت میں سے تین شوط یا اس سے کم چھوڑ دیئے تو اس پر بکری ہے۔

**تشریح** طواف زیارت فرض ہے۔ پس اگر زیادہ شوط یعنی چار شوط طواف کیا اور اس سے کم چھوڑے تو اس پر بکری لازم ہوگی۔

**مذہب** اثر میں ہے ان عبد الله بن عباس قال من نسي من نسكه شيئا او تركه فليهرق دما (الف) (موطا امام مالک، باب ما يفعل من نسي من نسكه شيئا ص ۳۵۰ سنن للبيهقي، باب من ترك شيئا من الرمي حتى يذهب ايام منى، ج خامس ص ۲۳۸، نمبر ۹۶۸۸ سنن دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نسک میں سے کچھ چھوٹ جائے تو دم لازم ہوگا۔ اور یہاں فرض طواف میں سے چھوٹا ہے اس لئے دم لازم ہوگا۔

[۷۳۹] (۲۶) اگر طواف زیارت میں سے چار شوط چھوڑ دیئے تو ہمیشہ محرم باقی رہے گا یہاں تک کہ طواف کرے۔

**تشریح** طواف زیارت میں سے چار شوط نہیں کیا تو اکثر طواف نہیں کیا تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اس لئے جب تک طواف فرض نہ کرے بیوی کے بارے میں محرم ہی باقی رہے گا کیونکہ جب تک طواف زیارت نہ کرے آدمی کے لئے بیوی حلال نہیں ہوتی۔

**مذہب** اثر میں ہے۔ حدثنا ابی الزناد عن الفقهاء الذين ينتهي الى قومهم من اهل المدينة كانوا يقولون من نسي ان يفرض

حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا جو حج کی عبادت میں سے کچھ بھول جائے یا اس کو چھوڑ دے تو اس کو خون بہانا چاہئے۔

[۷۴۰] (۲۷) ومن ترک ثلاثة اشواط من طواف الصدر فعليه صدقة [۷۴۱] (۲۸) وان ترک طواف الصدر او اربعة اشواط منه فعليه دم [۷۴۲] (۲۹) ومن ترک السعی بین الصفا والمروة فعليه شاة وحجه تام [۷۴۳] (۳۰) ومن افاض من عرفات قبل الامام فعليه

حتى رجع الى بلاده فهو حرام حين يذكر حتى يرجع الى البيت فيطوف به، فان اصاب النساء اهذى بدنة (سنن للبیہقی، باب التحلل بالطواف اذا كان قد سعى عقیب طواف القدوم، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۶۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت نہ کیا ہو تو ہمیشہ باقی رہے گا اور اس درمیان بیوی سے صحبت کی تو اونٹ کا دم دینا ہوگا۔

[۷۴۰] (۲۷) کسی نے طواف وداع کے تین شوط چھوڑے تو اس پر صدقہ ہے۔

**ترجمہ** طواف وداع واجب ہے اور تین شوط یا اس سے کم چھوڑا ہے تو گویا کہ طواف وداع ادا کر دیا اس لئے تین شوط چھوڑنے میں صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۴۱] (۲۸) اگر طواف صدر چھوڑ دیا یا اس کے چار شوط چھوڑ دیئے تو اس پر بکری لازم ہے۔

**ترجمہ** چار شوط چھوڑے تو گویا کہ پورا طواف صدر چھوڑ دیا۔ اور طواف صدر واجب ہے اس لئے اس کے چھوڑنے سے بکری لازم ہوگی۔

**ترجمہ** بکری لازم ہونے کی وجہ عبداللہ بن عباس کا قول ہے جو اوپر گزر چکا ہے (دارقطنی نمبر ۲۵۱۲)

[۷۴۲] (۲۹) کسی نے صفا اور مروہ کی سعی چھوڑ دی تو اس پر بکری لازم ہے اور اس کا حج مکمل ہو گیا۔

**ترجمہ** سعی واجب ہے۔ اس لئے اس کے چھوڑنے سے دم واجب ہوگا۔ پہلے عبداللہ بن عباس کا قول گزر چکا ہے (دارقطنی نمبر ۲۵۱۲/۲۵۱۳)

کہ نسک چھوڑنے سے دم لازم آتا ہے۔ اور حج اس لئے مکمل ہو جائے گا کہ تمام فرائض ادا ہو گئے اور سعی ہمارے نزدیک واجب ہے اس لئے

حج مکمل ہو جائے گا۔ اثر میں ہے عن الحسن فی الرجل یت ترک الصفا والمروة قال علیہ دم (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۳۳ فی

الرجل یت ترک الصفا والمروة ما علیہ، ج ثالث، ص ۲۶۹، نمبر ۱۴۲۰)

[۷۴۳] (۳۰) جو عرفات سے امام سے پہلے نکل جائے اس پر دم ہے۔

**ترجمہ** امام ٹھیک غروب آفتاب کے بعد نکلیں، پس اگر کوئی آدمی امام سے پہلے نکلا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے

نکلا۔ اس لئے غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے نکلا تو اس پر دم لازم ہوگا۔

**ترجمہ** حدیث میں ہے کہ حضور غروب آفتاب کے بعد عرفات سے نکلے تھے قال دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... فلم یزل واقفا

حتى غربت الشمس وذہبت الصفرة قليلا حتى غاب القرص (الف) (مسلم شریف، باب حجة النبی ﷺ ص ۳۹۸ نمبر ۱۲۱۸/

ترمذی شریف، باب ماجاء ان عرفۃ کلھا موقف ص ۷۷ نمبر ۸۸۵) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور مغرب کے بعد عرفات سے چلے تھے اور

حاشیہ : (الف) آپ سورج غروب تک وقف عرفہ کرتے رہے اور تھوڑی زردی چلی گئی یہاں تک کہ سورج کی نکیہ غائب ہو گئی۔

دم [۷۴۴] (۳۱) ومن ترك الوقوف بمزدلفة فعليه دم [۷۴۵] (۳۲) ومن ترك رمی

مغرب سے پہلے کوئی عرفات سے نکلا تو گویا کہ نیک کی تقدیم کی تو نیک کی تقدیم کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔ عن ابن عباس قال من قدم شينا من حجه او اخره فليهرق لذلك دما (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نیک مقدم مؤخر کرنے سے دم لازم ہوگا۔ اور یہاں نکلنے کو مقدم کیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

**نوٹ** غروب آفتاب سے پہلے عرفات سے باہر نکلا گیا پھر غروب سے پہلے عرفات میں آ گیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

[۷۴۴] (۳۱) جس نے مزدلفہ کا وقوف چھوڑا اس پر دم لازم ہے۔

**مذ** مزدلفہ کا وقوف واجب ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ واجب چھوڑنے سے دم لازم ہوتا ہے۔ اس لئے مزدلفہ کا وقوف چھوڑنے سے دم لازم آئے گا۔ مزدلفہ میں وقوف واجب ہے اس کی دلیل یہ گیت ہے فاذا افضتم من عرفات فاذا ذكر والله عند المشعر الحرام (ب) (آیت ۱۹۸ سورة البقرة ۲) (اس آیت میں امر کا صیغہ ہے کہ مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور مشعر حرام مزدلفہ میں ہے اس لئے مزدلفہ کا وقوف واجب ہے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عروة بن مضر قال اتيت رسول الله بالمزدلفة... فقال رسول الله من شهد صلواتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلا او نهارا فقد تم حجه وقضى فشه (ج) (ترمذی شریف، باب ما جاء من ادرك الامام نجح فقد ادرك الحج ص ۱۷۹ نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ جو مزدلفہ کی نماز میں حاضر ہوا اور وہاں کا وقوف کیا اور اس سے پہلے عرفہ کا وقوف کیا تو حج مکمل ہو گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وقوف مزدلفہ واجب ہے۔ اور حضرت ابن عباس کا قول پہلے گزر چکا ہے کہ واجب چھوڑنے سے دم لازم ہوگا (دارقطنی ج ثانی ص ۲۱۵ نمبر ۲۵۱۲، ۲۵۱۴)

[۷۴۵] (۳۲) کسی نے تمام دنوں کی رمی جمار چھوڑ دی تو اس پر دم ہے۔ اور اگر ایک دن کی تمام رمی چھوڑ دی تب بھی اس پر دم ہے۔

**مذ** ہر دن کی الگ الگ رمی جمار واجب ہے اس لئے اگر ایک دن کی تمام رمی چھوڑ دی تو دم لازم ہوگا۔ لیکن اگر تینوں دنوں کی تمام رمی چھوڑ دی تو ایک دوسرے میں تدخل ہو جائے گا۔ کیونکہ ایک ہی قسم کی جنایت ہے اس لئے تمام رمی کو چھوڑنے پر ایک ہی دم لازم ہوگا۔ رمی جمار واجب ہے اس لئے اس کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے عن الزهري عن ابان ابن عثمان قال والله ان الصلوة لتقصي فكيف لا تقضي رمي الجمار (د) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۰۵ فی الرجل ينسي ان يرمي الجمار يقضيه او يهرق دما، ج ثالث، ص ۳۷۹، نمبر ۱۵۳۰) اس اثر سے رمی جمار کی اہمیت معلوم ہوتی ہے (۲) عن عطاء بن ابي رباح انه قال من نسي جمرة واحدة او الجمار كلها حتى يذهب ايام التشريق فدم واحد يجزيه (ه) (سنن للبيهقي، باب من ترك شيئا من الرمي حتى يذهب ايام منى ص ۲۴۸،

حاشیہ: (الف) عبد اللہ بن عباس نے فرمایا کسی نے حج میں سے کچھ مقدم کیا یا مؤخر کیا تو اس کی وجہ سے خون بہائے (ب) جب تم عرفات سے چلو تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو (ج) آپ نے فرمایا جو اس نماز میں حاضر ہوا اور ہمارے ساتھ یہاں سے چلے تک ٹھہرا رہے اور اس سے پہلے رات میں یا دن میں عرفہ میں ٹھہرے تو اس کا حج پورا ہو گیا اور اس کی پرگندگی دور کرنی چاہیے (د) ابان بن عثمان نے فرمایا خدا کی قسم نماز قضا کرتے ہیں تو رمی جمار کیوں نہ قضا کی جائے (ه) عطاء بن ابی رباح نے فرمایا جو ایک جمرہ بھول جائے یا تمام جمرات بھول جائے یہاں تک کہ ایام تشریق ختم ہو جائیں تو ایک دم سب کو کافی ہے۔

الجمار فی الايام کلها فعليه دم [۷۴۶] (۳۳) وان ترک رمی احدى الجمار الثلاث فعليه صدقة [۷۴۷] (۳۴) وان ترک رمی جمرة العقبة فی يوم النحر فعليه دم [۷۴۸] (۳۵) ومن اخر الحلق حتى مضت ايام النحر فعليه دم عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ.

نمبر ۹۶۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ رمی چھوڑ دے تو دم لازم ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام رمی چھوٹ جائے تو داخل ہو جائیں گے اور ایک ہی دم لازم ہوگا۔

[۷۴۶] (۳۳) اور اگر تین رمی جمار میں سے ایک چھوڑ دیا تو اس پر صدقہ ہے۔

■ گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں کو تینوں کھبوں کی رمی کی جاتی ہے۔ پس اگر تینوں میں سے ایک کھبے کی رمی چھوڑ دی تو صدقہ لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تین کھبوں کے چھوڑنے پر دم ہے اور ایک کھبہ اس کا آدھا بھی نہیں ہے اس لئے صدقہ لازم ہوگا۔

[۷۴۷] (۳۴) اگر دسویں تاریخ کو جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو اس پر دم ہے۔

■ دسویں ذی الحجہ کو صرف جمرہ عقبہ یعنی آخری کھبے کی رمی کرتے ہیں اس لئے اگر دسویں کو جمرہ عقبہ کی رمی چھوڑ دی تو گویا کہ پورے ایک دن کی رمی چھوڑ دی اور پورے دن کی رمی چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۲ میں حضرت عطاء کا قول گزر گیا ہے (۲) کسی نسک کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا اس کی دلیل دارقطنی نمبر ۲۵۱۲ میں گزر گئی)

[۷۴۸] (۳۵) جس نے حلق کو مؤخر کیا یہاں تک کہ ایام نحر گزر گئے تو اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم ہے۔

■ کسی نے حلق نہیں کرایا تھا یہاں تک کہ بارہویں تاریخ گزر گئی تو چونکہ وقت سے مؤخر کیا اس لئے دم لازم ہوگا۔

■ عن ابن عباس قال من قدم شينا من حجه او اخره فليهرق لذلك دما (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۵۳ فی الرجل یحلق قبل ان یذبح، ج ثالث، ص ۳۴۵، نمبر ۱۴۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کوئی نسک وقت سے مؤخر کر دے تو اس پر دم لازم ہوگا۔ اور اس شخص نے حلق کو اپنے وقت سے مؤخر کیا اس لئے اس پر دم لازم ہوگا۔ حلق کے لئے ایام نحر متعین ہے۔ کیونکہ کوئی چیز وقت کے ساتھ عبادت ہوتی ہے وقت کے بعد نہیں۔ اس لئے وقت سے حلق مؤخر کرے گا تو دم لازم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن عامر فی امرأة نسیت تقصر حتی خربت، فقال عبد الرحمن بن الاسود و عامر تقصر و تهرق دما (مصنف ابن ابی شیبہ، ۴۵۶، نمبر فی الرجل والمرأة نسیا ان تقصرا (ج ثالث، ص ۴۰۱، نمبر ۱۵۵۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ یوم نحر سے مؤخر کرنے سے دم لازم ہوگا۔ ترتیب واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث بھی ہے عن انس بن مالک ان رسول اللہ اتی منی فاتی الجمرة فرماها ثم اتی منزله بمنی ونحر ثم قال للسلحاق خذ و اشار الی جانبہ الایمن (ب) (مسلم شریف، بیان ان السنة یوم النحر یرمی ثم یحرم ثم یحلق ص ۴۳۱ نمبر ۱۳۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ترتیب سے کرنا چاہئے۔

حاشیہ : (الف) عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا حج میں سے کسی نے کوئی چیز مقدم کی یا اس کو مؤخر کی تو اس کی وجہ سے خون بہائے (ب) حضور مٹی آئے۔ پس جمرہ کے پاس آئے اور اس کی رمی کی پھر مٹی میں اپنی جگہ پر آئے اور قربانی کی پھر سر منڈنے والے سے کہا کہ لو اور دائیں جانب اشارہ فرمایا۔

[۷۴۹] (۳۶) وكذلك ان اخر طواف الزيارة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالى.

**فائدہ** امام صاحبین کے نزدیک مقدم مؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال قال رجل للنبی ﷺ ذرت قبل ان ارمی قال لا حرج قال حلفت قبل ان اذبح قال لا حرج قال ذبحت قبل ان ارمی قال لا حرج (الف) (بخاری شریف، باب الذبح قبل الحلق ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۲۲/۱ مسلم شریف، باب جواز تقدیم الذبح علی الرمی والحلق علی الذبح ص ۴۲۱ نمبر ۱۳۰۶) مسلم کی حدیث میں یہ زیادتی بھی ہے قال فما سئل رسول الله ﷺ عن شيء قدم ولا اجر الا قال افعل ولا حرج (نمبر ۱۳۰۶) اس حدیث میں ہے کہ کوئی عمل مقدم ومؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔ اس لئے حلق کو ایام نحر سے مؤخر کرنے سے دم لازم نہیں ہوگا۔

[۷۴۹] (۳۶) ایسے ہی اگر طواف زیارت ایام نحر سے مؤخر کر دیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم لازم ہوگا۔

**مجا** اوپر حضرت عبداللہ بن عباس کا قول گزر چکا ہے۔ اس اثر میں بھی اس کا اشارہ ہے۔ عن ابی الزناد عن الفقهاء الذین ینتہی الی قولہم من اهل المدينة كانوا یقولون من نسی ان یفیض حتی رجع الی بلاده فهو حرام حین یدکر حتی یرجع الی البیت فیطوف بہ فان اصاب النساء اهدی بدنة (سنن للبیہقی، باب التحلل بالطواف اذا کان قد سقی عقیب طواف القدوم، ج خامس، ص ۲۳۸، نمبر ۹۶۵۰) اس میں ہے کہ بھول کر بھی طواف زیارت نہیں کیا اور بیوی سے مل لیا تو اونٹ لازم ہوگا۔ اور صاحبین کا مسلک یہ ہے کہ دم لازم نہیں ہوگا۔ ان کی دلیل مسئلہ نمبر ۳۵ میں حدیث گزر چکی ہے (بخاری شریف، نمبر ۱۷۲۲/۱ مسلم شریف نمبر ۱۳۰۶)

﴿شکار کا بیان﴾

**ضروری نوٹ** احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا حرام ہے، البتہ سمندری شکار کرنا جائز ہے۔ اور اگر کوئی محرم شکار کرے تو اس کو شکار کا بدلہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تقتلوا الصيد وانتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء ما قتل من النعم یحکم بہ ذوا عدل منکم ہدیا بالغ الکعبۃ او کفارة طعام مساکین او عدل ذلک صیاما (آیت ۹۴ سورۃ المائدہ ۵) آیت میں ہے احل لکم صید البحر و طعامہ متاعا لکم وللسیارة و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرما (ب) (آیت ۹۶ سورۃ المائدہ ۵) ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا حرام ہے اور سمندری جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شکار کرے گا تو اس کی جزا دینی ہوگی۔ یا اس کے کفارہ کے طور پر مساکین کو کھانا ہوگا یا اس کی قیمت لگا کر جو گیہوں ہو ہر آدھے ساع گیہوں کے بدلے میں ایک روزہ رکھے (۲) اس کے لئے حدیث یہ ہے عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلھن فی الحرم الغراب والحدأة والعقرب والفارۃ والکلب العقور (الف) (بخاری شریف، باب

حاشیہ : (الف) ایک آدمی نے حضور سے کہا میں نے رمی سے پہلے طواف زیارت کر لیا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کہا ذبح کرنے سے پہلے حلق کر لیا۔ آپ نے فرمایا کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ کہا رمی کرنے سے پہلے ذبح کر لیا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں ہے (ب) تمہارے لئے سمندری شکار حلال کیا گیا ہے اور اس کا کھانا تمہارے لئے اور مسافروں کے لئے سامان ہے۔ اور خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک تم محرم ہو (الف) آپ نے فرمایا (باقی اگلے صفحہ پر)

[۷۵۰] (۳۷) واذا قتل المحرم صيدا او دل عليه من قتله فعليه الجزاء وسواء في ذلك

العامد والناسی والمبتدی والعائد.

ما يقتل الحرم من الدواب ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۹ / مسلم شریف، باب ما يندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في الحبل والحرم ص ۳۸۱ نمبر ۲۸۶۳ / ۱۱۹۸ اس حدیث میں ان پانچ جانوروں کو احرام کی حالت میں مارنا جائز ہے تو معلوم ہوا کہ باقی شکاری جانور کو مارنا جائز نہیں ہے۔

[۷۵۰] (۳۷) اگر محرم نے شکار کو قتل کر دیا یا ایسے آدمی کو بتایا جو اس کو قتل کرے تو اس پر شکار کا بدلہ ہے، اور اس بارے میں جان کر اور بھول کر شروع میں یا آخر میں قتل کرنے والے برابر ہیں۔

**تشریح** محرم شکار کو خود قتل کرے تب بھی شکار کا بدلہ اس کو لازم ہوگا۔ اور دوسرے کو بتلائے کہ شکار وہاں ہے اور اس نے شکار کو قتل کر دیا تب بھی بتلانے والے محرم پر بدلہ لازم ہے۔ اسی طرح بھول کر قتل کر دیا یا جان کر قتل کر دیا تب بھی بدلہ لازم ہے۔ اور شروع میں قتل کر دیا یا کسی نے شکار کو زخمی کیا تھا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تب بھی بدلہ لازم ہے۔

**مجموعہ** شکاری کو بتلا کر شکار کی محافظت کو برباد کیا اس لئے بتلانے والے پر بھی بدلہ لازم ہوگا (۲) اس حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے اخبرنی عبد الله بن ابي قتادة ثم ... قلنا انا كل لحم صيد ونحن محرمون؟ فحملنا ما بقى من لحمها قال امنكم احد امره ان يحمل عليها او اشار اليها؟ قالوا لا قال فكلوا ما بقى من لحمها (الف) (بخاری شریف، باب لا یثیر الحرم الی الصید کی یسطاده الحلال ص ۲۴۶ نمبر ۱۸۲۳ / مسلم شریف، باب تحريم الصيد المأكول البری وما اصد ذلك علی الحرم ص ۳۸۰ نمبر ۱۱۹۶ / ۲۸۵۵) اس حدیث میں ہے کہ کیا تم نے شکار کرنے کا اشارہ کیا ہے؟ جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے آدمی کو شکار کرنے کا اشارہ بھی خود شکار کرنے کی طرح ہے۔ اس لئے شکار کرنے کا اشارہ کرنے سے بھی بدلہ لازم ہو جائے گا۔ اثر میں ہے عن الحسن والعطاء فی المحرم اشار الی صید فاصابه محرم قالوا علیه الجزاء (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۵۳ فی الشمیر الی الصید قال علیہ الجزاء، ج ثالث، ص ۴۰۰، نمبر ۱۵۵۱۳) اس اثر میں ہے کہ اشارہ کرنے والے پر شکار کا بدلہ لازم ہے۔ اور بھول کر اور جان کر برابر ہے اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابی عبيدة بن عبد الله بن مسعود ان محروما القى جوالق فاصاب يربوعا فقتله فقضى فيه ابن مسعود بعفرو او جفرة (ج) (سنن للبیہقی، باب قتل الحرم الصيد عمد او خطاء ج خامس ص ۲۹۴، نمبر ۹۸۵۸) اس اثر میں غلطی سے ربوع پر جل گر گیا اور مر گیا تب بھی اس پر بکری کا بچہ لازم کیا گیا۔ اسی قسم کا فیصلہ حضرت عمر نے بھی کیا ہے قال مالک ... او يحلق قفاه لموضع المحاجم وهو

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فرمایا پانچ جانور کل کے کل فاسق ہیں۔ حرم میں بھی قتل کئے جائیں گے۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور ہادلا کتا (الف) (عبد اللہ بن ابی قتادہ سے مروی ہے... ہم نے پوچھا کیا شکار کا گوشت کھا سکتے ہیں جبکہ ہم محرم ہیں؟ پس گوشت کا باقی حصہ ہم لے کر گئے۔ آپ نے پوچھا کیا تم میں سے کسی نے اس کو حکم دیا تھا کہ شکار پر حملہ کرے یا اس کی رہنمائی کی تھی؟ لوگوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا جو باقی گوشت ہے اس کو کھاؤ (ب) حضرت حسن اور عطاء سے محرم کے بارے میں منقول ہے، اس نے شکاری طرف رہنمائی کی اور دوسرے محرم نے اس کو مار دیا۔ دونوں نے فرمایا اس پر بدلہ لازم ہے (ج) (عبد اللہ بن مسعود کے بیٹے نے فرمایا کہ ایک محرم کا جل گر گیا اور ربوع کو لگا اور وہ مر گیا تو عبد اللہ بن مسعود نے اس میں بکری کے بچے کا فیصلہ کیا۔

[۷۵۱] (۳۸) والجزاء عند ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ ان یقوم الصيد فی

محرم ناسیا او جاهلا ان من فعل شینا من ذلك فعليه في ذلك كله الفدية (موطا امام مالک، باب فدیہ من حلق قبل ان یتحر ص ۲۵۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول سے بھی کوئی کام کرے گا تو اس پر جان کر کرنے کی طرح فدیہ لازم ہوگا۔  
**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ بتلانے والے پر فدیہ لازم نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے خود شکار کو ہلاک نہیں کیا ہے۔ اوپر کی آیت میں ومن قتله منکم متعمدا ہے یعنی جان کر قتل کیا ہو بھول کر نہیں تب ہی بدلہ لازم ہے۔

[۷۵۱] (۳۸) شکار کا بدلہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت اس جگہ لگائی جائے جہاں اس کو قتل کیا ہے۔ یا اس جگہ کے قریب کی جگہ کی اگر اس کو صحرا میں قتل کیا ہو تو اس کی قیمت لگائیں گے دو انصاف و رادی۔  
**تشریح** جس جگہ شکار قتل ہوا ہے اس جگہ میں اس شکار کی جو قیمت ہوگی وہ لگائی جائے گی۔ اور اگر شکار صحرا میں قتل ہوا ہے تو اس صحرا سے قریب میں جو آبادی ہے وہاں اس شکار کی جو قیمت ہو سکتی ہے وہ قیمت لگائی جائے گی۔

**منہج** آیت میں ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تقتلوا الصيد وانتم حرم ومن قتله منکم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم بحکم بہ ذوا عدل منکم (الف) (آیت ۹۵ سورۃ المائدہ ۵) اس آیت میں ہے کہ دو انصاف و رادی شکار کے بدلے کا فیصلہ کریں گے۔ اب بدلے کے فیصلے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس قسم کا شکار ہے اس کی جسمانی ساخت کو دیکھ کر اس کے مناسب اونٹ، گائے، بکری یا بکری کے بچے کا فیصلہ کرے۔ مثلاً ہرن کی جسمانی ساخت کے برابر بکری ہے اس لئے ہرن کے بدلے میں بکری لازم کرے اور اس سے بڑے جانور کے بدلے لگائے لازم کرے اور یہ مسلک امام محمد اور امام شافعی کا ہے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی پھر اس قیمت سے یا ہدی خریدے اور اس کو حرم میں ذبح کرے کیونکہ آیت میں حد یا بالغ الکعبۃ کی قید ہے۔ یا اس قیمت سے گیہوں خریدے اور ہر مسکین کو آدھا آدھا صاع گیہوں دے۔ یا جتنے صاع گیہوں اس قیمت سے آسکتے ہیں اس کے ہر آدھے صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے مثلاً دس صاع گیہوں شکار کی قیمت سے خریدا جاسکتا ہے تو بیس دن روزے رکھے، شکار کی قیمت لگانے کے بعد شکار کرنے والے کو یہ تینوں اختیار ہیں جیسا کہ آیت میں اس کو اختیار دیا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بحکم ذوا عدل کا مطلب یہی ہے کیونکہ جب آپ شکار کی قیمت سے کھانا خریدیں گے یا روزے رکھیں گے تو آخر شکار کی قیمت لگانی ہی ہوگی۔ اس لئے پہلے ہی سے شکار کی قیمت لگائی جائے اور اس قیمت سے ہدی خریدی جائے اور آیت میں مثل سے مراد مثل معنوی لی جائے (۲) ذوا عدل کی ضرورت بھی اسی وقت زیادہ پڑے گی جب شکار کی قیمت لگانے کی ضرورت ہو۔ اور قرآن نے ذوا عدل کی قید لگا کر اس طرف اشارہ کیا ہے (۳) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن کعب بن عجرہ ان النبی ﷺ قضی فی بیض نعام اصابہ محرم بقدر ثمنہ (ب) (دارقطنی، کتاب الحج ثانی ص ۲۱۸ نمبر ۲۵۲۸ سنن للبیہقی، باب بیض النعام یصیبھا الحرم ج ۳ ص ۳۳۰ نمبر ۱۰۰۲۱) اس حدیث میں حضور نے شتر مرغ کے انڈے کی

حاشیہ : (الف) اے ایمان والو شکار کو احرام کی حالت میں قتل نہ کرو۔ تم میں سے جو جان کر قتل کرے گا تو جیسا شکار قتل کرے گا چوپایوں میں سے ویسا ہی بدلہ دینا ہوگا۔ تم میں سے دو انصاف و راس کا فیصلہ کریں گے (ب) آپ نے شتر مرغ کے انڈے جس کو حرم نے توڑا، اس کی قیمت کی مقدار کا فیصلہ کیا ہے۔

المكان الذی قتلہ فیہ او فی اقرب المواضع منه ان کان فی بریۃ یقومہ ذوا عدل [۷۵۲] (۳۹) ثم هو مخیر فی القیمۃ ان شاء ابتاع بها ہدیۃ فذبحہ ان بلغت قیمته ہدیۃ وان شاء اشتری بها طعاما فتصدق بہ علی کل مسکین نصف صاع من بر او صاعا من تمر او صاعا من شعیر وان شاء صام عن کل نصف صاع من بر یوما وعن کل صاع من شعیر یوما [۷۵۳] (۴۰) فان فضل من الطعام اقل من نصف صاع وهو مخیر ان شاء قیمت لگائی ہے جس سے معلوم ہوا کہ شکار کی قیمت لگائی جائے گی۔

**نوٹ** اگر قیمت سے جانور خرید تو اس کو حرم کی حدود میں ذبح کرنا ہوگا۔ کیونکہ آیت میں ہدیۃ بالغ الکعبۃ کی قید ہے۔ اس لئے اگر حرم سے باہر جانور ذبح کیا تو کافی نہیں ہے۔

**نکتہ** بریۃ : خشکی، صحرا۔ ذوا عدل : انصاف کرنے والا آدمی، ماہر اور تجربہ کار آدمی۔

[۷۵۲] (۳۹) پھر شکار کرنے والے کو قیمت میں اختیار ہے چاہے اس سے ہدیۃ خریدے اور اس کو ذبح کرے اگر اس کی قیمت ہدیۃ کی حد تک پہنچ جائے۔ اور چاہے تو اس کی قیمت سے کھانا خریدے اور ہر مسکین پر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقہ کرے۔ اور چاہے تو ہر آدھے صاع گیہوں کے بدلے ایک دن روزہ رکھے اور ہر ایک صاع جو کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

**تشریح** شکار کی قیمت لگنے کے بعد شکار کرنے والے کو تین اختیار ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

**وجہ** تینوں اختیار کی وجہ آیت ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ اور اس کی تفسیر حضرت ابن عباس سے اس طرح ہے۔ عن ابن عباس فی قولہ آیت فجزاء مثل ما قتل من النعم، قال اذا اصاب المحرم الصيد یحکم علیہ جزاء ہ فان کان عنده جزاء ہ ذبحہ وتصدق بلحمہ فان لم یکن عنده جزاء ہ قوم جزاء ہ دراهم ثم قوم الدرہم طعاما فصام مکان کل نصف صاع یوما وانما ارید بالطعام الصیام انه اذا وجد الطعام وجد جزاء ہ (الف) (سنن للبیہقی، باب من عدل صیام یوم بدین ج خامس ص ۳۰۴، نمبر ۹۸۹۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قیمت لگانے کے بعد یا ہدیۃ خریدے یا کھانا خرید کر آدھا آدھا صاع گیہوں مساکین پر تقسیم کرے یا ہر آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو کے بدلے ایک دن روزہ رکھے۔

[۷۵۳] (۴۰) پس اگر گیہوں میں سے آدھے صاع سے کم بچ گیا تو جنایت کرنے والے کو اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو صدقہ کر دے اور چاہے تو اس کے بدلے ایک دن مکمل روزہ رکھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس سے روایت ہے فجر اذہ مثل ما قتل من النعم کے بارے میں اگر مثل نہ پائی جائے تو اس کی مثل قیمت ہے۔ جتنی اس کی قیمت ہے اس کے قیمت کے بدلے میں کھانا متعین کیا جائے۔ پھر ہر آدھا صاع کے بدلے میں ایک دن روزہ ہے یا مسکین کے کھانے سے کفارہ یا اس کے بدلے میں روزہ، پھر کھانا روزے کے بدلے میں ہے۔ پس جب کھانا پایا جائے تو اس کا بدلہ پایا گیا۔



تصدق بی وان شاء صام عنه یوما كاملا [۷۵۴] (۴۱) وقال محمد رحمه الله يجب فی الصيد النظیر فیما له نظیر ففی الطبی شاة و فی الضبع شاة و فی الارنب عناق و فی النعامة بدنة و فی الیربوع جفرة [۷۵۵] (۴۲) ومن جرح صید او نتف شعره او قطع عضوا منه

**تشریح** آدھا صاع سے کم گیہوں بچ گیا اس لئے یا تو اس کو صدقہ کر دے اور اگر روزہ رکھنا چاہے تو ایک دن سے کم کا روزہ نہیں ہوتا ہے اس لئے پورے ایک دن کا روزہ رکھے۔

[۷۵۴] (۴۱) امام محمد نے فرمایا شکار میں جسمانی مثل واجب ہے جس کی مثل ہو۔ اس لئے ہرن کے بدلے بکری، اور گوہ میں بکری، اور خرگوش میں بکری کا بڑا بچہ، اور شتر مرغ میں اونٹ اور چوہے میں بکری کا چھوٹا بچہ۔

**تشریح** امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شکار کی جسمانی مثل کا اعتبار ہے۔ یعنی جو پالتو جانور جس شکار کے برابر ہے وہی پالتو جانور بدلے میں لازم ہوگا۔ مثلاً ہرن کے برابر بکری ہے اس لئے ہرن شکار کیا تو اس کے بدلے میں بکری لازم ہوگی۔ خرگوش کے برابر بکری کا بچہ ہے اس لئے خرگوش شکار کیا تو بکری کا بچہ لازم ہوگا۔

**وجہ** (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں فجزاء مثل ما قتل من النعم کہا ہے۔ اس لئے نعم کا لفظ اس طرف اشارہ ہے کہ جانور سے مثل کا اعتبار کیا جائے گا (۲) حدیث میں ہے عن جابر قال قضی رسول اللہ ﷺ فی الطبی شاة و فی الضبع كبشا و فی الارنب عناقا و فی الیربوع جفرة فقلت لابن الزبیر وما الجفرة قال التی قد فطمت و رعت (الف) (سنن دارقطنی، کتاب الحج ج ۲ ص ۲۱۷ نمبر ۲۵۲۷ سنن للبیہقی، باب فدیۃ الفصح ج ۱ ص ۲۹۹، نمبر ۹۸۷۹) اس حدیث میں حضورؐ نے ہرن میں بکری لازم کی جس سے معلوم ہوا کہ شکار کی جسمانی برابری کا اعتبار ہے۔ اسی طرح دوسرے شکاری جانور کا بھی جسمانی مثل کا ہی اعتبار کر کے اس حدیث میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شکار میں کونسا پالتو جانور لازم ہوگا۔

**لفظ** الطبی : ہرن، الفصح : بچو، الارنب : خرگوش، عناق : بکری کا بڑا بچہ، النعامة : شتر مرغ، بدنة : اونٹ، الیربوع : چوہے کی طرح چھوٹا سا جانور، جفرة : بکری کا چھوٹا بچہ۔

[۷۵۵] (۴۲) کسی نے شکار کو زخمی کیا یا اس کا بال اکھیرایا اس کا عضو کاٹا تو اس کی قیمت میں جتنی کمی ہوئی ہے اس کا ضامن ہوگا۔

**وجہ** شکار کو مارنا ناجائز تھا اس لئے اگر اس کو مارا نہیں لیکن زخمی کر کے یا بال اکھیر کر اس کو نقصان پہنچایا تو جتنا نقصان ہوا اس کی قیمت لازم ہوگی۔ مثلاً شکار کی قیمت پچاس پونڈ تھی اور زخمی ہونے کے بعد چالیس پونڈ رہ گئی تو دس پونڈ کی کمی واقع ہوئی اس لئے کمی واقع کرنے والے پر دس پونڈ لازم ہوں گے (۲) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة ان رسول اللہ قال فی بیضة نعامة کسره رجل محرم صیام

حاشیہ : (الف) حضورؐ نے ہرن کے بارے میں بکری کا فیصلہ کیا اور بچو کے بارے میں مینڈھے کا اور خرگوش کے بارے میں بکری کے بڑے بچے کا اور چوہے کے بدلے بکری کے چھوٹے بچے کا۔ میں نے ابن زبیر سے کہا جفرہ کیا ہے؟ فرمایا بکری کا جو بچہ دودھ چھوڑ چکا ہو اور چرنے لگا ہو۔

ضمن ما نقص من قيمته [۷۵۶] (۴۳) وان نتف ریش طائر او قطع قوائم صید فخرج به من حیز الامتناع فعیله قيمته كاملة [۷۵۷] (۴۴) ومن کسر بیض صید فعليه قيمته [۷۵۸] (۴۵) فان خرج من البيضة فرخ ميت فعليه قيمته حيا.

یوم فی کل بیضة (الف) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۹ نمبر ۲۵۳) اس حدیث میں شتر مرغ کے انڈے کو توڑنے پر ایک روزہ لازم کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ کسی شکار کو نقصان کرنے پر نقصان کی مناسبت دینی ہوگی۔

[۷۵۶] (۴۳) اگر پرندے کا پر اکھیڑا یا اس کا پاؤں کاٹا جس کی وجہ سے وہ حفاظت کے دائرے سے نکل گیا تو ایسا کرنے والے پر جانور کی پوری قیمت لازم ہوگی۔

**تشریح** محرم نے کسی شکار کا پر اکھیڑ دیا کہ وہ انسانوں اور جانوروں سے اڑ کر اپنی حفاظت نہیں کر سکتا یا جانور کا پاؤں توڑ دیا جس کی وجہ سے اب اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ہے تو ایسا کرنے والے پر پورے پرندے اور پورے جانور کی قیمت دینی ہوگی۔

**حج** پر اکھیڑنے یا پاؤں کاٹنے کی وجہ سے گویا کہ ہلاکت تک پہنچا دیا تو گویا کہ محرم نے شکار کو ہلاک کیا یا اس کا سبب بنا اس لئے پوری قیمت لازم ہوگی (۲) عن طارق ان اربدا وطأ ضبا ففزر ظهرو فاتی عمر فسأله فقال عمر ما ترى فقال جدیدا قد جمع الماء والشجر فقال عمر فذلک فیہ (ب) (سنن للبیہقی، باب فدیۃ الضب ج خامس ص ۳۰۱، نمبر ۹۸۹) اس اثر میں ہے کہ گوہ کی پیٹھ توڑ دی تو بکری کا بچہ لازم کیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس انداز کا نقصان ہوا کہ وہ اب لوگوں سے محفوظ نہیں رہ سکتا تو پوری قیمت لازم ہوگی

**نکات** نینف : پر اکھیڑنا، ریش : پر، حیز الامتناع : محفوظ رہنے کی جگہ سے نکلا گیا، یعنی خود محفوظ نہ رہ سکا۔

[۷۵۷] (۴۴) کسی نے شکار کے انڈے کو توڑ دیا تو اس پر اس کی قیمت لازم ہے۔

**حج** شکار کا انڈا شکار کے درجے میں ہے۔ تو جس طرح شکار کے ہلاک کرنے سے قیمت لازم ہوگی اس کے انڈے توڑنے سے بھی قیمت لازم ہوگی (۲) عن کعب بن عجرة ان النبی ﷺ قضی فی بیض نعام اصابہ محرم بقدر ثمنہ (ج) (دارقطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۸ نمبر ۲۵۲۸ سنن للبیہقی، باب بیض النعامۃ یصیہا المحرم، ج خامس ص ۳۴۰، نمبر ۱۰۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ انڈا توڑنے سے اس کی قیمت لازم ہوگی۔

[۷۵۸] (۴۵) پس اگر انڈے سے مردہ بچہ نکلا تو اس پر زندہ بچہ کی قیمت لازم ہوگی۔

**حج** انڈا سے مردہ بچہ نکلا تو گمان یہی ہے کہ انڈا توڑنے والے کی حرکت سے بچہ مردہ ہوا ہے۔ کیونکہ انڈے کے اندر عموماً بچہ زندہ رہتا ہے۔ اس لئے انڈا توڑنے والے پر زندہ بچہ کی قیمت لازم ہوگی۔

حاشیہ : (الف) آپؐ نے شتر مرغ کے انڈے کے بارے میں فرمایا جس کو کسی محرم آدمی نے توڑ دیا ہو ہر انڈے کے بدلے میں ایک دن کا روزہ ہے (ب) حضرت اربد نے گوہ کو روند دیا اور اس کی پیٹھ توڑ دی پھر حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور ان کو پوچھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ کی کیا رائے ہے؟ کہا بکری کا بچہ کہ پانی اور گھاس کھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ٹھیک ہے (ج) آپؐ نے شتر مرغ کے انڈے میں فیصلہ کیا جو محرم نے توڑا تھا اس کی قیمت کے مقدار۔

[۷۵۹] (۴۶) وليس في قتل الغراب والحدأة والذئب والحية والعقرب والفارة والكلب والعقور جزاء [۷۶۰] (۴۷) وليس في قتل البعوض والبراغيث والقراد شيء [۷۶۱] (۴۸) ومن قتل قملة تصدق بما شاء.

[۷۵۹] (۴۶) کو اے قتل کرنے اور چیل اور بھیڑ یا اور سانپ اور بچھو اور چوہا اور بادلا کتا کے قتل کرنے میں بدلہ لازم نہیں ہے۔

**نوٹ** (۱) یہ جانور فطری طور پر دوسروں پر حملہ کرنے والے ہیں اور تکلیف دینے والے ہیں۔ تو چونکہ فطرۃ موزی ہیں اس لئے اس کے قتل کرنے سے بدلہ لازم نہیں ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ان رسول الله قال خمس من الدواب كلهن فاسق يقتلن في الحرم الغراب والحدأة والعقرب والفارة والكلب العقور (الف) (بخاری شریف، باب ما يقتل المحرم من الدواب ص ۳۳۶ نمبر ۱۸۲۹ مسلم شریف، باب ما يندب للمحرم وغيره قتله من الدواب في أهل والحرم ص ۳۸۱ نمبر ۱۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان جانوروں کو محرم قتل کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ فطری طور پر موزی ہیں۔

**نوٹ** الكلب العقور سے جنگلی کتا مراد ہے۔ کیونکہ پالتو کتا تو شکار نہیں ہے اس لئے اس کے قتل کرنے سے بدلہ لازم نہیں ہوگا۔ کتے میں تمام درندے شامل ہیں۔ کیونکہ وہ بھی فطری طور پر موزی ہیں اس لئے ان کے قتل سے بھی بدلہ لازم نہیں ہے۔ قال مالک الكلب العقور الذي امر المحرم بقتله ان كل ما عقر الناس و عدا عليهم و اخافهم مثل الاسد والنمر والفهد والذئب فهو الكلب العقور (سنن للبیہقی، باب المحرم قتله من دواب البر في الحلال والحرم ج خامس ص ۳۳۶، نمبر ۱۰۰۵)

[۷۶۰] (۴۷) چھھر، پسو اور چچڑی کے مارنے میں کچھ لازم نہیں ہے۔

**نوٹ** (۱) یہ سب شکار نہیں ہیں (۲) یہ سب عادی اور فطری موزی ہیں اس لئے ان کے قتل کرنے اور مارنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن عائشة قالت يقتل المحرم الهوام كلها الا القملة فانها منه (مصنف عبدالرزاق، باب القمل، ج رابع، ص ۳۱۳، نمبر ۸۲۵۹ ص ۳۵۰، نمبر ۱۰۰۶) اس اثر میں ہے کہ جوئیں کے علاوہ چھھر، پسو کو مارے تو کچھ لازم نہیں ہے۔

**نوٹ** البعوض : چھھر، البراغیث : پسو، القراد : چچڑی یہ کھٹل کی طرح ہوتا ہے اور جانوروں کے جسم سے چپکا ہوتا ہے۔

[۷۶۱] (۴۸) کسی نے جوہ ماری تو صدقہ کرے جتنا چاہے۔

**نوٹ** (۱) جوئیں جسم کے میل سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور احرام کی حالت میں میل صاف کرنا جائز نہیں اس لئے اس سے پیدا شدہ جوئیں کو مارنا بھی جائز نہیں۔ اور مارے گا تو اس کے بدلے میں صدقہ دے۔ کیونکہ بہت چھوٹا جانور ہے (۲) اثر میں ہے قال مالک ... ولا يقتل قملة ولا يطر حها من رأسه الى الارض ولا من جلده ولا من ثوبه فان طر حها المحرم من جلده او من ثوبه فليطعم حفنة

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں حرم میں بھی وہ قتل کئے جائیں گے۔ کو، چیل، بچھو، چوہا اور بادلا کتا۔

[۷۶۲] (۴۹) ومن قتل جرادة تصدق بما شاء و تمره خیر من جرادة [۷۶۳] (۵۰) ومن قتل ما لا يؤکل لحمه من السباع ونحوها فعليه الجزاء ولا يتجاوز بقيمتها شاه.

من الطعام (الف) موطا امام مالک، باب فدیۃ من حلق قبل ان یخرج من سنن للبیہقی، باب قتل القمل ج خاص ص ۳۵۰، نمبر ۱۰۰۶) فی قول عبداللہ بن عمر۔ اس اثر سے معلوم ہوا کہ جو کیں مارنے سے کچھ کھانا صدقہ کرے۔ ایک ایک مٹھی کھانا صدقہ کرے۔ [۷۶۲] (۴۹) کسی نے ٹڈی قتل کر دی تو جتنا چاہے صدقہ کرے اور ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے۔

مجاثر میں ہے عن زید بن اسلم ان رجلا جاء الی عمر بن الخطاب فقال یا امیر المؤمنین انی اصبت جرادات بسوطی وانا محرم فقال له عمر اطعم قبضة من طعام اور دوسرے اثر میں ہے فقال عمر انک لتجد دراهم لتمره خیر من جرادة (ب) (موطا امام مالک، باب فدیۃ من اصاب شیا من الجراد وهو محرم ص ۳۳۸، سنن للبیہقی، باب ماوردنی جزاء ما دون الحمام ج خاص، ص ۳۳۸، نمبر ۱۰۰۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کچھ کھانا صدقہ کرے۔ اور ایک کھجور ٹڈی سے کے بدلے بہتر ہے۔ اس لئے ٹڈی کے بدلے کھجور بھی دیدے تو کافی ہے۔

[۷۶۳] (۵۰) کسی نے ایسے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا پھاڑ کھانے والے جانور کے مانند جانور کو قتل کیا تو قتل کرنے والے محرم پر بدلہ ہے۔ لیکن اس کی قیمت بکری سے آگے نہ بڑھے۔

تشریح پھاڑ کھانے والے جانور کو قتل کیا جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو یا پھاڑ کھانے والا جانور تو نہیں ہے لیکن اس کا گوشت کھانا حلال نہیں ہے اس کو قتل کیا تو چونکہ وہ شکار کا جانور ہے اس لئے اس کا بدلہ لازم ہوگا۔ البتہ چونکہ اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس لئے اس کی قیمت بکری سے زیادہ نہ لگائی جائے۔

مجاثر حدیث میں ہے کہ غیر ماکول شکار کی قیمت بکری سے کم لگائی گئی ہے۔ عن جابر عن النبی ﷺ قال فی الضبیغ اذا اصابه المحرم كبش و فی الظبی شاة و فی الارنب عناق و فی الیربوع جفرة (ج) (دارقطنی، کتاب الحج ج چانی ص ۲۱۷ نمبر ۲۵۲۳) اس حدیث میں یربوع جو چوہے کی قسم کا جانور ہے اور اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اس کی قیمت بکری کا بچہ لگائی گئی ہے۔ اسی طرح گوہ کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اور اس کا بدلہ مینڈھا لگایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول اللحم شکار کا بدلہ لازم ہوگا۔ اور اس کی قیمت بکری سے زیادہ نہ بڑھے۔

حاشیہ : (الف) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا... جو کیں قتل نہ کی جائیں۔ اور نہ اس کو مرے زمین پر ڈالے اور نہ اپنے جسم سے اور نہ کپڑے سے، پس اگر محرم نے اپنے جسم یا کپڑے سے ڈالا تو ایک لپا کھانا کھانا چاہئے (ب) زید بن اسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میں نے احرام کی حالت میں کوڑے سے کچھ ٹڈیاں ماری ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک مٹھی کھانا کھلاؤ۔ دوسری اثر میں ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا تم لوگ بہت درہم رکھتے ہو۔ ایک کھجور ٹڈی سے بہتر ہے (ج) آپؐ نے بجو کے بارے میں فرمایا جبکہ محرم اس کو مارے تو مینڈھا لازم ہے، اور ہرن میں بکری اور خرگوش میں بکری کا بچہ اور چوہے میں بکری کا چھوٹا بچہ۔

[۷۶۴] (۵۱) وان صال السبع علی محرم فقتله فلا شیء علیه [۷۶۵] (۵۲) وان اضطر المحرم الی اکل لحم الصيد فقتله فعليه الجزاء [۷۶۶] (۵۳) ولا بأس بان یذبح المحرم

[۷۶۴] (۵۱) اگر پھار کھانے والا جانور محرم پر حملہ آور ہو گیا اور محرم نے اس کو قتل کر دیا تو محرم پر کچھ بھی لازم نہیں ہے۔

**وجہ** (۱) اوپر بخاری شریف کی حدیث گزری عن عائشة ان رسول اللہ ﷺ قال خمس من الدواب کلھن فاسق یقتلھن فی الحرم (الف) (بخاری شریف، باب ما یقتل المحرم من الدواب ص ۲۳۶ نمبر ۱۸۲۹ / مسلم شریف نمبر ۱۱۹۸) اس حدیث میں ہے کہ یہ پانچ جانور فطری طور پر موزی ہیں۔ اس لئے ان کو قتل کر سکتے ہیں۔ پس اگر صرف حملہ کرنے کے وہم پر قتل کر سکتے ہیں تو جو جانور باضابطہ محرم پر حملہ کر چکا ہو اس کو بدرجہ اولیٰ قتل کر سکتا ہے۔ اور قتل کرنے والے پر کچھ لازم نہیں ہوگا (۲) اثر میں ہے عن عطاء قال کل عدو عدا علیک فاقتلہ وانت محرم (ب) (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۳۹ ما یقتل المحرم ج ۳ ص ۳۳۳، نمبر ۱۳۸۲۵) اس اثر میں ہے کہ اگر جانور آپ پر حملہ کر دے تو آپ اس کو قتل کر سکتے ہیں۔

**لغت** صال : حملہ کیا۔

[۷۶۵] (۵۲) اگر محرم شکار کا گوشت کھانے کی طرف مجبور ہوا اس لئے شکار کو قتل کیا تو محرم پر اس کا بدلہ ہے۔

**تشریح** محرم کو شکار کے گوشت کھانے کی مجبوری تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے شکار کو قتل کیا۔ پھر بھی چونکہ شکار کو قتل کیا ہے اس لئے اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

**وجہ** اوپر گزر چکا ہے کہ بھول کر کرے یا جان کر کرے تب بھی جنت کا بدلہ لازم ہے (۲) فمن کان منکم مریضا او به اذی من رأسه فسفدية من صیام او صدقة او نسک (ج) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مرض یا سر کی تکلیف کی وجہ سے بھی سر مند وایا تو فدیہ لازم ہوگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مجبوری کی وجہ سے شکار کو قتل کیا تب بھی اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۶۶] (۵۳) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم بکری، گائے، اونٹ، مرغی اور کسکری بطخ کو ذبح کرے۔

**وجہ** اس لئے کہ شکار کو قتل کرنا آیت کی وجہ سے ممنوع ہے اور یہ جانور شکار نہیں ہیں بلکہ پالتو ہیں اس لئے احرام کی حالت میں ان کو ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اثر میں ہے ولم یر ابن عباس وانس بالذبح باسا وهو غیر الصيد نحو الابل والغنم والبقر والدجاج والخیل (د) (بخاری شریف، باب اذا صاد الحلال فاحدی للمحرم الصيد ص ۲۳۵، نمبر ۱۸۲۱)

**لغت** الکسکری : کسکریک گاؤں کا نام ہے جس کی طرف بطخ کی نسبت کی گئی ہے اور کسکری بطخ کہا گیا ہے۔

**نوٹ** جنگلی بطخ شکار ہے اس لئے اس کو ذبح کرنے سے دم لازم ہوگا۔

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا پانچ جانور سب کے سب فاسق ہیں ان کو محرم میں بھی قتل کئے جائیں (ب) عطاء نے فرمایا ہر دشمن جو تم پر حملہ کرے اس کو قتل کر دو چاہے تم محرم ہو (ج) تم میں سے جو مریض ہوں یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزے کا فدیہ دینا ہے، یا صدقہ دینا ہے یا قربانی دینا ہے (د) حضرت ابن عباس اور حضرت انس ذبح کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے جبکہ وہ جانور شکار کے علاوہ ہو جیسے اونٹ، بکری، گائے، مرغی اور گھوڑا۔

الشاة والبعر والدجاج والبط الکسکری [۷۶۷] (۵۴) وان قتل حماما مسرولا او ظبیا مستانسا فعليه الجزاء [۷۶۸] (۵۵) وان ذبح المحرم صيدا فذبیحته میتة لا یحل اکلها [۷۶۹] (۵۶) ولا بأس بان یأکل المحرم لحم صید اصطاده حلال وذبحه اذا لم

[۷۶۷] (۵۴) اگر قتل کرد یا سوزے والے کبوتر کو، یا مانوس ہرن کو تو اس پر بدلہ ہے۔

**تشریح** وہ کبوتر جس کے پاؤں میں بھی پر نکلے ہوتے ہیں اور اڑنے میں مست ہوتا ہے اس کو محرم نے مار دیا تو اس کا بدلہ لازم ہوگا۔ اسی طرح ہرن شکار ہے لیکن مانوس کر لیا گیا اور گھر میں رہنے لگا تب بھی محرم نے اس کو مارا تو بدلہ لازم ہوگا۔

**وجہ** یہ دونوں جانور اصل خلقت کے اعتبار سے متوحش ہیں اور شکار ہیں۔ لیکن کبوتر سست اڑنے کی وجہ سے مانوس جیسا لگتا ہے اسی طرح ہرن کو مانوس کر لینے کی وجہ سے پالتو کی طرح لگتا ہے۔ لیکن اصل خلقت میں شکار ہیں اس لئے ان کو مارنے سے بدلہ لازم ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن ابن عباس قال فی الحمامة شاة (مصنف عبدالرزاق، باب فی الحمام وغیرہ، ج رابع، ص ۴۱۵، نمبر ۸۲۷۷) اور ہرن کے بارے میں یہ اثر ہے۔ عن عکرمۃ ان رجلا اصاب ظبیا وهو محرم فاتی علیا فساله فقال اهد کبشا من الغنم (مصنف عبدالرزاق، باب ابوہریرہ، ج رابع، ص ۴۰۶، ۸۲۳۸) اس اثر میں ہے کہ ہرن کے بدلے بکری دے۔

**نکتہ** حمام مسرول : سرول سراویل سے مشتق ہے، پا جامہ پہنا ہوا یعنی وہ کبوتر جس کے پاؤں میں پر نکلا ہوا ہو۔ یہ کبوتر اڑنے میں سست ہوتا ہے اور گھر میں زیادہ تر رہتا ہے۔ لیکن متوحش ہے اور شکار ہے۔ ظمی : ہرن

[۷۶۸] (۵۵) اگر محرم نے شکار کو ذبح کیا تو اس کا ذبیحہ مردہ ہے۔ اس کا کھانا کسی کے لئے جائز نہیں۔

**تشریح** احرام کی وجہ سے محرم شکار کو ذبح کرنے کے قابل ہی نہیں رہا اس لئے اگر اس نے ذبح کیا تو گویا کہ مجوسی نے ذبح کیا اس لئے اس ذبیحہ کا کھانا نہ محرم کے لئے جائز ہے اور نہ حلال کے لئے جائز ہے۔

**وجہ** اثر میں ہے۔ عن عطاء انه قال لا یحل اکلہ لاحد (مصنف عبدالرزاق، باب الصيد وذبحہ، ج رابع، ص ۴۳۹، نمبر ۸۳۶۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ محرم شکار کو ذبح کرے تو کسی کے لئے حلال نہیں ہے۔

**فائدہ** امام شافعی فرماتے ہیں کہ محرم شکار کو ذبح کر دے تو کسی محرم کے لئے تو جائز نہیں لیکن حلال کے لئے جائز ہے۔

**وجہ** محرم مسلمان ہے اس لئے شکار کو ذبح کر سکتا ہے اس لئے اس کا ذبیحہ غیر محرم کی طرح حلال ہے۔ البتہ آیت کی وجہ سے کسی محرم کے لئے کھانا جائز نہیں ہے۔ اس لئے غیر محرم کے لئے جائز ہوگا۔

[۷۶۹] (۵۶) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ محرم اس شکار کا گوشت کھائے جس کو حلال نے شکار کیا ہو اور اس کو حلال ہی نے ذبح کیا ہو۔ جبکہ محرم نے ذبح نہ کیا ہو اور نہ اس کے شکار کرنے کا حکم دیا ہو۔

**تشریح** محرم اس شکار کا گوشت کھا سکتا ہے جس کو کسی حلال نے شکار کیا ہو اور حلال ہی نے ذبح کیا ہو بشرطیکہ محرم نے نہ اس کو ذبح کیا ہو اور نہ

یدل علیہ المحرم ولا امرہ بصیدہ [۷۷۰] (۵۷) و فی صید الحرم اذا ذبحہ الحلال  
الجزاء [۷۷۱] (۵۸) وان قطع حشیش الحرم او شجرة الذی لیس بمملوک ولا هو مما

محرم نے اس کو شکار کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ شکار کرنے کا اشارہ کیا ہو۔

**پیش** شکار ذبح ہونے کے بعد اب شکار نہیں رہا بلکہ گوشت ہو گیا۔ اور محرم کے لئے گوشت کھانا جائز ہے اس لئے شکار کا گوشت کھا سکتا ہے (۲) ابو قتادہ والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ذبح کر کے حضور کی خدمت میں گوشت پیش کیا اور آپؐ نے اور صحابہ نے اس کو کھایا۔ حدیث میں ہے عن عبد اللہ بن ابی قتادہ قال انطلق ابی عامر الحدیبیہ ... قلت یا رسول اللہ اصبت حمار وحش و عندی منہ فاضلہ فقال للقوم کلوا و هم محرمون (الف) (بخاری شریف، باب و اذا صاد الحلال فاحدی للمحرم الصيد اکله ص ۲۳۵ نمبر ۱۸۲۱ مسلم شریف، باب تحریم الصيد الماکول البری الخ نمبر ۱۱۹۶/۲۸۵) اس حدیث میں حلال نے شکار کیا تھا اور اسی نے ذبح کیا تھا اور گوشت محرم کو دیا اور آپؐ نے اس کے کھانے کو حلال قرار دیا۔

[۷۷۰] (۵۷) حرم کے شکار میں جبکہ اس کو حلال آدمی ذبح کرے تو بدلہ ہے۔

**تشریح** حرم کے اندر شکار محفوظ ہو جاتا ہے اس کو نہ محرم چھیڑ سکتا ہے اور نہ حلال آدمی چھیڑ سکتا ہے۔ اس لئے اگر حلال آدمی نے حرم کے شکار کو قتل کر دیا تو حلال آدمی پر اس کا بدلہ لازم ہوگا۔

**پیش** حدیث میں ہے عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال لا یعضد اعضاها ولا ینفر صیدھا ولا تحل لقطتها الا لمنشد ولا یختلی خلاھا فقال عباس یا رسول اللہ الا الاذخر فقال الا الاذخر (ب) (بخاری شریف، کیف تعرف لقطۃ اہل مکہ ص ۳۲۸ نمبر کتاب الملقطۃ نمبر ۲۳۳۳ مسلم شریف، باب تحریم مکہ و تحریم صید حاص ص ۲۳۷ نمبر ۱۳۵۳) اس حدیث میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے شکار کو بھگایا نہ جائے۔ اس لئے اس کے شکار کو ذبح کیا تو اس کا بدلہ لازم ہوگا (۲) عن عطاء ان رجلا اغلق بابہ علی حمامۃ و فرخیا ثم انطلق الی عرفات و منی فرجع و قد موت فاتی ابن عمر فذکر له ذلک فجعل علیہ ثلاثا من الغنم و حکم معہ رجل (ج) (سنن للبیہقی، باب ما جاء فی جزاء الحمام و ما فی معناه ج خاس ص ۳۳۷ نمبر ۱۰۰۰۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے شکار کو قتل کرنے سے بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۷۱] (۵۸) اگر حرم کے گھاس کو کاٹا یا اس کے درخت کو کاٹا جو مملوک نہیں ہے اور نہ ایسا ہے جس کو لوگ اگاتے ہوں تو اس پر اس کی قیمت

حاشیہ: (الف) میں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے وحشی گدھا شکار کیا ہے اور میرے پاس کچھ بچا ہوا ہے۔ آپؐ نے قوم سے فرمایا کہ اذکار لا نکدہ محرم تھے (ب) آپؐ نے فرمایا حرم کے کانٹوں کو نہ کاٹے۔ اس کے شکار کو نہ بھگائے، اس کے لفظ کو نہ اٹھائے مگر اعلان کرنے کے لئے نہ اس کا گھاس اکھیڑے۔ حضرت عباس نے کہا یا رسول اللہ! مگر اذخر گھاس تو آپؐ نے فرمایا مگر اذخر گھاس اکھاڑ سکتے ہو (ج) حضرت عطاء نے فرمایا ایک آدمی نے کبوتر اور اس کے دو بچے پر دروازہ بند کر دیا پھر عرفات اور منی چلا گیا پھر واپس آیا تو کبوتر مر چکے تھے۔ پس حضرت عبداللہ بن عمر کے پاس آئے اور اس کا تذکرہ کیا تو حضرت ابن عمر نے اس پر تین بکریاں لازم کی اور ان کے ساتھ ایک آدمی نے بھی فیصلہ کیا۔

ينبتہ الناس فعليه قيمته [۷۷۲] (۵۹) وکل شيء فعله القارن مما ذکرنا ان فيه على

لازم ہے۔

**ج** مسئلہ نمبر ۵۷ میں حدیث گزری (بخاری شریف نمبر ۲۴۳۳ / مسلم شریف نمبر ۱۳۵۳) جس میں تھا ولا یختلی خلاها یعنی حرم کی گھاس کو نہ اکھاڑا جائے۔ اس لئے کہ اس کے درخت اور گھاس بھی محترم ہیں۔ اس لئے اس کا گھاس اکھیڑا یا درخت کا ٹاٹا تو اس کی قیمت لازم ہوگی (۲) دوسری حدیث میں ہے فلا یحل لامرء یومن بالله والیوم الآخر ان یسفک بها دما ولا یعضد بها شجرة (الف) (مسلم شریف، باب تحریم مکة و تحریم صیدھا و خلاھا و شجرھا ص ۴۳۸ نمبر ۱۳۵۴) اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ مکہ کے درخت اور گھاس نہ کاٹے جائیں (۳) قال الشافعی من قطع من شجر الحرم شیتنا جزاه حلالا کان او محرما فی الشجرة الصغيرة شاة و فی الكبير بقرة. وعن عطاء فی الرجل یقطع من شجر الحرم قال فی القضیب درهم و فی الدوحة بقرة یروی هذا عن ابن الزبیر و عطاء (ب) (سنن للبیہقی، باب لا یخفر صید الحرم ولا یعضد شجرة ولا یختلی خلاھا الا الاذخر من خاس ص ۳۲۰ نمبر ۹۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرم کے بڑے درخت کو کاٹا جائے تو گائے لازم ہوگی اور چھڑی وغیرہ کاٹی جائے تو ایک درہم لازم ہوگا۔

**نوٹ** ایسا درخت یا ایسی زراعت جو کسی کی ملکوت ہو تو اس کو کاٹنے سے کچھ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بندے کی ملکیت ہوگی۔ اسی طرح امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ حرم کی گھاس چرا سکتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن علی فی قصة حرم المدينة عن النبی ﷺ ... ولا یصلح لرجل ان یقطع منها شجرة الا ان یعلف رجل بعیرہ (ج) (سنن للبیہقی، باب جواز الرعی فی الحرم ج ۱ ص ۳۳۰ نمبر ۹۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ جانور کو چارہ کھلانے کے لئے گھاس کاٹا جاسکتا ہے۔

[۷۷۲] (۵۹) ہر وہ کام جو قارن کرے جن کا میں نے ذکر کیا ان میں مفرد پر ایک دم ہے تو قارن پر دو دم ہیں۔ ایک دم اس کے حج کے لئے اور ایک دم اس کے عمرہ کے لئے۔

**تشریح** جن کاموں میں مفرد بائع پر ایک دم لازم ہوتا ہے ان جنایات میں قارن کو دو دم لازم ہوں گے۔

**ج** قارن بیک وقت دو احرام باندھے ہوئے ہیں۔ ایک حج کا اور ایک عمرے کا۔ اس لئے وہ بیک وقت گویا کہ دو احرام کی بے احترامی کرتے ہیں اس لئے اس پر دو دم لازم ہوں گے۔ ایک حج کے احرام کے لئے اور دوسرا عمرہ کے احرام کے لئے۔

**ج** اثر میں ہے۔ قال مالک ومن قرن الحج والعمرة ثم فاته الحج فعليه ان یحج قابلا ویقرن بین الحج والعمرة ویهدی ھدیین لقرانه الحج مع العمرة وھدیا لمافاته من الحج (موطا امام مالک ھدی من فاته الحج ص ۲۰۶) اور مصنف

حاشیہ : (الف) جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ حرم میں خون بہائے اور نہ وہاں کے درخت کاٹے (ب) امام شافعیؒ نے فرمایا جس نے حرم کے درخت کو کاٹا اس پر اس کا بدلہ ہے چاہے حلال ہو یا محرم، چھوٹے درخت میں بکری اور بڑے درخت میں گائے۔ اور حضرت عطا سے روایت ہے جو حرم کے درخت کو کاٹے تو چھڑی میں ایک درہم ہے اور بڑے درخت میں گائے (ج) مدینہ کے حرم ہونے کے سلسلہ میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپؓ سے مروی ہے کہ کسی آدمی کے لئے جائز نہیں ہے کہ اس کے درخت کاٹے مگر یہ کہ آدمی اپنے اونٹ کو چرا سکتا ہے۔



المفرد دما فعليه دمان دم لحجته ودم لعمرته [۷۷۳] (۶۰) الا ان يتجاوز الميقات من غير احرام ثم يحرم بالعمره والحج فيلزمه دم واحد [۷۷۴] (۶۱) واذا اشترك محرمان في قتل صيد الحرم فعلى كل واحد منهما الجزاء كاملا [۷۷۵] (۶۲) واذا اشترك حلالان في قتل صيد الحرم فعليهما جزاء واحد [۷۷۶] (۶۳) واذا باع المحرم صيدا او

ابن ابی شیبہ میں ہے۔ عن ابراهيم قال هديان (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۸، ما سجد عليه من الهدى اذا جمع بينهما فاحصر، ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قارن پر دو ہدی ہے۔

[۷۷۳] (۶۰) مگر یہ کہ میقات سے بغیر احرام کے گزر جائے پھر عمرہ اور حج کا احرام باندھے تو اس کو ایک ہی دم لازم ہوگا۔

**نہج** اس صورت میں ایک ہی دم اس لئے لازم ہے کہ میقات سے گزرتے وقت وہ قارن نہیں تھا۔ قارن تو بعد میں بنا ہے اور بعد میں حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہے اس لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے کا ایک دم لازم ہوگا۔

[۷۷۴] (۶۱) اگر دو محرم ایک شکار کے قتل میں شریک ہو جائے تو ان دونوں میں سے ہر ایک پر پورا پورا بدلہ لازم ہوگا۔

**نہج** (۱) یہاں احرام کے احترام کی وجہ سے شکار کا بدلہ لازم ہوتا ہے اور دونوں کا احرام ہے اور دونوں نے اپنے اپنے احرام کی بے احترامی کی ہے اس لئے دونوں پر الگ الگ پورا پورا دم لازم ہوگا۔ چاہے شکار ایک ہی ہو (۲) مسئلہ نمبر ۳ میں حدیث گزری کہ اگر شکار کے لئے اشارہ بھی کیا اور دوسرے حلال نے اس کو قتل کیا تو محرم پر بدلہ لازم ہے۔ یہاں تو اشارہ سے بڑھ کر شکار کے قتل کرنے میں شریک ہوا اس لئے بدرجہ اولیٰ شکار کا بدلہ لازم ہوگا (۳) اثر میں ہے قال مالک فی القوم یصیون الصيد جمیعا وهم محرمون او فی الحرم قال اری ان کل انسان منهم جزاء ان حکم علیہم بالہدی فعلى کل انسان منهم هدی (الف) (موطا امام مالک، باب جامع الفدیہ ص ۲۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ہر ایک محرم پر الگ الگ شکار کا بدلہ لازم ہوگا۔

[۷۷۵] (۶۲) اگر دو حلال حرم کے شکار کے قتل میں شریک ہوئے تو دونوں پر ایک ہی بدلہ ہے۔

**نہج** یہاں دونوں حلال ہیں اس لئے احرام کی وجہ سے بدلہ نہیں ہے بلکہ حرم کے احترام میں شکار کا بدلہ لازم ہے۔ اس لئے محل ایک ہے اس لئے دونوں حلال پر ایک شکار کا بدلہ لازم ہوگا اور دونوں پر آدھا آدھا بدلہ ہوگا۔

**اصول** محل ایک ہو تو ایک بدلہ لازم ہوتا ہے۔

[۷۷۶] (۶۳) اگر محرم نے شکار بیچا یا خریدا تو بیع باطل ہے۔

**نہج** احرام کی وجہ سے محرم شکار کا مالک ہی نہیں بنا اور نہ بن سکے گا اس لئے اس کا خریدنا یا بیچنا باطل ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے

حاشیہ : (الف) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا تمام ہی قوم نے شکار پر حملہ کیا اور وہ محرم تھے یا شکار حرم میں تھا تو فرمایا میں سمجھتا ہوں ہر ایک پر بدلہ لازم ہے۔ اگر ان پر ہدی کا فیصلہ کیا جائے تو ہر ایک پر ہدی لازم ہوگی۔

## ابتاعه فالبيع باطل.

عن الصعب بن جثامة الليثي انه اهدى لرسول الله ﷺ حمارا وحشيا وهو بالابواء او بدران فردده عليه فلما راى ما فى وجهه قال انا لم نرده عليك الا انا حرم (ب) (بخارى شريف، باب اذا اهدى للمحرم حمار وحشيا لم يقبل ص ۲۳۶ نمبر ۱۸۲۵) اس حدیث میں ہے کہ آپ کو وحشی گدھا زندہ ہدیہ دیا گیا تو آپ نے صرف اس وجہ سے اس کو قبول نہیں کیا کہ آپ محرم تھے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ محرم شکار کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ نہ بیع کر سکتا ہے اور نہ اس کو خرید سکتا ہے (۲) ہدیہ میں لیکر بھی مالک بنتا ہے اور خریدنے سے بھی مالک بنتا ہے اس لئے جب ہدیہ میں قبول کر کے مالک نہیں بنا تو خرید کر کے بھی مالک نہیں بن سکتا۔



حاشیہ : (الف) صعّب بن جثامہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور کو وحشی گدھا مقام ابواء یا مقام ودان میں ہدیہ دیا تو آپ نے اس کو واپس کر دیا۔ پس جب اس کے چہرے پر غمگینی کے اثرات دیکھے تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آپ پر واپس نہیں کیا مگر یہ کہ میں محرم ہوں۔

## ﴿باب الاحصار﴾

[۷۷۷] (۱) اذا احصر المحرم بعدو او اصابه مرض يمنعه من المضى جاز له التحلل

## ﴿باب الاحصار﴾

**تذکرہ نوٹ** احصار حج یا عمرہ سے روک دیے جانے کو کہتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے واتموا الحج والعمرة لله فان احصرتم فما استيسر من الهدى ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى لمحلہ (الف) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ احصار ہو جائے تو ہدی بیت اللہ بھیجے اور حلال ہو جائے (۲) حدیث احصار کی دلیل یہ ہے فقال ابن عباس قد احصر رسول الله فحلق رأسه وجامع نسائه ونحو هديه حتى اعتمر عاما قابلا (ب) (بخاری شریف، باب اذا احصر المحصر ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۰۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عمرہ میں احصار ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضور کو صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار قریش نے روکا تھا اور عمرہ سے احصار کیا تھا۔

[۷۷۷] (۱) جب محرم دشمن کی وجہ سے محصر ہو جائے یا اس کو مرض لاحق ہو جائے جو اس کو آگے بڑھنے سے روک دے تو جائز ہے اس کو حلال ہونا۔ اور اس کو کہا جائے گا کہ بکری بھیجو جو حرم میں ذبح کی جائے۔

**تشریح** احصار دشمن کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے اور مرض کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال کسی وجہ سے بھی اعمال حج یا عمرہ ادا نہ کر سکتا ہو تو احصار ہوگا۔ اب اس کے لئے یہ ہے کہ بکری حرم بھیجے جو وہاں ذبح کی جائے۔ یا کسی جانے والے کو بکری دیدے اور متعین دن میں ذبح کرنے کا وعدہ کر دالے اور اس دن محصر حلال ہو جائے۔

**حج** جس طرح دشمن سے احصار ہوتا ہے اسی طرح مرض سے بھی احصار ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت الحجاج ابن عمرو الانصاری قال قال رسول الله ﷺ من كسر او عرج فقد حل وعليه الحج من قابل قال عكرمة فسالت ابن عباس وابا هريرة عن ذلك فقالا صدق وفي رواية آخر او مرض (ج) (ابوداؤد شریف، باب الاحصار ص ۲۶۴ نمبر ۱۸۶۲ ار ترمذی شریف، باب ما جاء في الذي يحل بالحي فیکسر او یعرج ص ۱۸۷ نمبر ۹۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف دشمن ہی کی وجہ سے نہیں بلکہ مرض اور پاؤں ٹوٹنے کی وجہ سے بھی احصار ہو سکتا ہے۔

**تذکرہ** امام شافعی کے نزدیک صرف دشمن کی وجہ سے احصار ہوتا ہے۔ ان کی دلیل عمرہ اور صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے جس میں صرف دشمن کفار مکہ کی وجہ سے احصار ہوا ہے (۲) عن ابن عباس قال لا حصر الا حصر العدو (د) (سنن للبیہقی، باب من لم ير الا حلال بالاحصار بالمرض ج

حاشیہ : (الف) حج اور عمرہ کو پورا کرو۔ پس اگر تم روک دیے گئے تو جو ہدی آسان ہو۔ اور سر کا حلق مت کراؤ یہاں تک کہ ہدی اپنی جگہ تک پہنچ جائے (ب) ابن عباس نے فرمایا حضور کو احصار کیا تو آپ نے اپنا سر حلق کرایا۔ اور اپنی بیوی سے جماع کیا اور ہدی کا غز کیا یہاں تک کہ اگلے سال عمرہ کیا۔ (ج) آپ نے فرمایا جس کا کچھ ٹوٹ گیا یا لنگڑا ہو گیا تو حلال ہو جائے اور اس پر اگلے سال حج ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہؓ کو اس بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حج فرمایا (د) ابن عباس نے فرمایا حصر نہیں ہے مگر دشمن کی جانب سے حصر ہو سکتا ہے۔

وقیل له ابعت شاة تذبح فی الحرم.

خاص ص ۲۱۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف دشمن سے حصر ہوتا ہے۔ بکری حرم میں ذبح ہو تب احرام کھولے اس کی دلیل یہ آیت ہے فان احصرتم فما استيسر من الهدى ولا لحلقوا رؤوسكم حتى تبلغ الهدى محله (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب تک ہدی اپنی جگہ یعنی حرم میں نہ پہنچ جائے اپنا سر نہ منڈاؤ۔ ہدی کی جگہ حرم ہے اس کی دلیل یہ آیت ہے ومن قتله منكم متعمدا فجزاء مثل ما قتل من النعم يحكم به ذوا عدل منكم هديا بالغ الكعبة (الف) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتہ چلا کہ ہدی کعبہ تک پہنچے اور وہیں ذبح ہو۔ اس لئے احصار کی ہدی بھی حرم میں ذبح ہو تب حلال ہوگا (۲) حدیث میں ہے یحدث ابی میمون بن مهران قال خرجت معتمرا... فالتیت ابن عباس فسألته فقال ابدل الهدی فان رسول الله ﷺ امر اصحابه ان يبدلوا الهدی الذی نحروا عام الحديبية فی عمرة القضاء (ب) (ابوداؤد شریف، باب الاحصار ص ۲۶۳ نمبر ۱۸۶۳) اس حدیث میں ہے کہ صحابہ نے صلح حدیبیہ میں جو قربانیاں حدیبیہ میں ذبح کی تھیں اس کو دوبارہ ذبح کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ قربانی ادا نہیں ہوئی۔ اس لئے خنیہ کے نزدیک احصار کی ہدی حرم ہی میں ذبح کرنا ہوگا (۳) عن ابن مسعود فی الذی غدغ وهو محرم بالعمرة فاحصر فقال عبد الله ابعثوا بالهدی واجعلوا بینکم وبينه يوم امار فاذا ذبح الهدی بمكة حل هذا قال ابو عبيد قال الکسائی الامار العلامة (ج) (سنن للبیہقی، باب من رای الاحلال بالا حصار بالمرض ج خاص ص ۳۶۱، نمبر ۱۰۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کعبہ جانے والے کو ہدی دیدے اور کسی خاص دن کا وعدہ لے لے اور اس دن حلال ہو جائے۔

**نہ** امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ جس جگہ حصر ہوا ہے اسی جگہ ہدی ذبح کر دے حرم بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے وقال مالک وغيره ينحر هديه ويحلق فی ای موضع كان ولا قضاء عليه لان النبی ﷺ واصحابه بالحديبية نحروا وحلقوا وحلوا من كل شيء قبل الطواف وقبل ان يصل الهدی الى البيت ثم لم يذكر ان النبی ﷺ امر احدا ان يقضي شيئا ولا يعودوا له والحديبية خارج من الحرم (د) (بخاری شریف، باب من قال ليس على المحصر بدل ص ۲۳۳ نمبر ۱۸۱۳) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہاں احصار ہوا ہے وہیں ہدی ذبح کرے گا۔ کیونکہ صحابہ اور حضور نے حدیبیہ میں ہدی ذبح کی اور حدیبیہ حرم میں نہیں

حاشیہ : (الف) اور جو تم میں سے جان کر شکار کو قتل کرے تو اس کا بدلہ اس کے مثل ہے جو قتل کیا جانور میں سے اس کا فیصلہ کرے دو انصاف دے اور آدی ہدی جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو (ب) ابی میمون بن مهران بیان فرماتے ہیں کہ میں عمرہ کے لئے نکلا... پس ابن عباس کے پاس آیا اور ان کو پوچھا، انہوں نے فرمایا ہدی کو بدلواں لے کر حضور نے اپنے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ہدی بدل دیں جو غزہ فرمایا تھا حدیبیہ کے سال عمرۃ القضاء میں یعنی دوبارہ ہدی ذبح کیا (ج) عبدالرحمن بن یزید نے فرمایا ہمارے ساتھ ایک آدمی نے عمرہ کا احرام باندھا۔ پس اس کو کچھو نے کاٹ لیا۔ پس کچھ سوار ظاہر ہوئے ان میں عبداللہ بن مسعود تھے ان سے لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہدی بھیجو اور تمہارے اور ان کے درمیان ایک دن متین کر لو۔ پس جب وہ دن گزر جائے تو حلال ہو جائے (د) امام مالک اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہدی غزہ کے اور جس جگہ چاہے طاق کرے اور اس حصر پر قضا نہیں ہے۔ کیونکہ حضور اور ان کے اصحاب نے حدیبیہ میں غزہ کیا اور ہر چیز سے حلال ہوئے طواف سے پہلے۔ اور بیت اللہ تک ہدی پہنچنے سے پہلے۔ پھر کسی نے ذکر نہیں کیا کہ حضور نے کسی کو کچھ قضا کرنے کا حکم دیا ہو۔ اور نہ اس کی قضا کے لئے واپس ہوئے ہوں۔ اور حدیبیہ حرم سے باہر

[۷۷۸] (۲) وواعد من يحملها يوما بعينه يذبحها فيه ثم تحلل [۷۷۹] (۳) فان كان قارنا بعث دميين [۷۸۰] (۴) ولا يجوز ذبح دم الاحصار الا في النحر [۷۸۱] (۵) ويجوز ذبحه قبل يوم النحر عند ابي حنيفة وقالوا لا يجوز الذبح للمحصر الا في يوم النحر

ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرم کے علاوہ میں احصار کی ہدی ذبح کی جاسکتی ہے۔

[۷۷۸] (۲) یا وعدہ کرائے اس آدمی کو جو بکری لے جائے ایک متعین دن کا جس میں بکری ذبح کرے پھر محصر حلال ہو جائے۔

**تشریح** محصر کسی آدمی کے ساتھ بکری حرم تک بھیجے اور اس سے وعدہ لے لے کہ کس دن اس بکری کو حرم میں ذبح کرے گا اس دن وہ حلال ہو جائے۔ کیونکہ بکری ذبح ہونے سے پہلے حلال ہونا حنفیہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

**ترجمہ** کیونکہ آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسکم حتی يبلغ الهدی محله (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ جب تک ہدی ذبح نہ ہو سر مت منڈاؤ (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے پہلے ہدیٰ نحر کی پھر حلق کروایا عن المسور ان رسول الله ﷺ نحر قبل ان يحلق وامر اصحابه بذلك (الف) (بخاری شریف، باب النحر قبل الحلق فی النحر ص ۲۳۳ نمبر ۱۸۱۱) اس حدیث میں آپؐ نے فرمایا پہلے ہدیٰ کا نحر کرو پھر سر منڈاؤ۔ اس لئے حنفیہ کے نزدیک پہلے نحر کرے پھر حلق کرائے (۳) اور پر عبد اللہ بن مسعود کا اثر گزر جس میں ہے کہ جس کے ساتھ ہدیٰ بھیجے اس سے متعین دن کا وعدہ لے لے، اور اس دن محصر حلال ہو جائے (سنن للبیہقی، نمبر ۱۰۱۰۱) [۷۷۹] (۳) پس اگر محصر قارن ہو تو دو دم بھیجے۔

**ترجمہ** قارن دو احرام باندھے ہوئے ہے۔ ایک احرام حج کا اور ایک احرام عمرے کا اس لئے دو احرام سے حلال ہونے کے لئے دو دم بھیجنا پڑے گا۔ قال مالک ومن قرن الحج والعمرة ثم فاته الحج فعليه ان يحج قابلا ويقرون بين الحج والعمرة ويهدى هديين هديا لقرانه الحج مع العمرة وهديا لما فاته من الحج (موطا امام مالک، باب ہدیٰ من فاتہ ص ۴۰۶) (۲) دوسرے اثر میں ہے عن ابراهيم قال هديان (ب) مصنف ابن ابی شیبہ ۱۸۱۱ ما يجب عليه من الهدى اذا جمع بينهما فاحصر، باب الاحصار ص ۵۹، ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۶) اس اثر میں ہے کہ قارن محصر ہو جائے تو دو ہدیٰ لازم ہوں گی۔

[۷۸۰] (۴) اور نہیں جائز ہے احصار کے دم کا ذبح کرنا مگر حرم میں۔

**تشریح** احصار کا دم حرم میں ذبح کرے، اس کے علاوہ میں ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔

**ترجمہ** اور پر گزر چکی ہے آیت بھی اور حدیث بھی۔ ولا تحلقوا رؤوسکم حتی يبلغ الهدی محله (آیت ۱۹۶، سورۃ البقرۃ ۲)

[۷۸۱] (۵) اور جائز ہے احصار کی ہدیٰ کا ذبح کرنا یوم النحر سے پہلے ابو حنیفہ کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا حج کے محصر کی ہدیٰ کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے مگر دسویں ذی الحجہ کو۔

حاشیہ: (الف) حضورؐ نے حلق کرنے سے پہلے نحر فرمایا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم فرمایا (ب) حضرت ابوزہریم نے فرمایا قارن پر دو ہدیٰ ہیں۔

[۷۸۲] (۶) ويجوز للمحصر بالعمرة ان يذبح متى شاء [۷۸۳] (۷) والمحصر بالحج

**شرح** حج کے احرام میں محصر ہوا تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے بھی ہدی ذبح کر سکتا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور صاحبین فرماتے ہیں کہ حج کے احرام میں محصر ہوا تو دسویں ذی الحجہ سے پہلے ہدی ذبح نہیں کر سکتا ہے۔

**ترجمہ** ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک قسم کا دم کفارہ ہے۔ اسی وجہ سے اس کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اور دم کفارہ حرم کے ساتھ تو خاص ہے، کسی متعین دن کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس لئے دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہوگا۔ اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح دم قرآن اور دم تہن دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے پہلے ان کا ذبح کرنا جائز نہیں اسی طرح حج کا دم احصار بھی دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص ہوگا کہ اس سے پہلے اس کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے۔

[۷۸۳] (۶) اور عمرہ کے محصر کے لئے جائز ہے کہ ہدی ذبح کرے جب چاہے۔

**ترجمہ** عمرہ کسی زمانے میں ہو سکتا ہے اس لئے اس کا احصار ہوا تو اس کی ہدی جب چاہے ذبح کر سکتا ہے۔ دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہے (۲) حضور اور صحابہ صلعم حدیبیہ کے موقع پر محصر ہوئے تو اسی وقت ہدی ذبح کر دیا جبکہ یہ احصار ذی قعدہ میں تھا (بخاری شریف نمبر ۱۷۷۸) کم اعتمر النبی ﷺ قال اربع : عمرة الحديبية في ذى القعدة حيث صده المشركون (بخاری شریف، باب کم اعتمر النبی، نمبر ۱۷۷۸)

[۷۸۳] (۷) حض کا محصر اگر حلال ہو جائے تو اس پر حج ہے اور عمرہ ہے۔

**شرح** حج کا احرام باندھا تھا اور احصار ہو گیا تو حج کے احصار کے بعد عمرہ کرے اور عمرہ نہ کر سکا تو آئندہ عمرہ کرے اور حج کے بدلے حج کی قضا کرے۔ تو گویا کہ حج کا محصر حج بھی کرے گا اور عمرہ بھی کرے گا۔

**ترجمہ** قال مالک وقد امر بن الخطاب ابا ايوب الانصاري وهبار بن الاسود حين فاتهما الحج واتيا يوم النحر ان يحلا بعمره ثم يرجعا حلالا ثم يحجبان عاما قابلا ويهديان فمن لم يجد فصيام ثلثة ايام في الحج وسبعة اذا رجع الى اهله (موطا امام مالک، باب ما جاء فيمن احصر بغير عدوس ۳۷۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حج فوت ہو جائے اور محصر مکہ مکرمہ میں ہو اور عمرہ کر سکتا ہو تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج قضا کرے۔ عمرہ کی قضا کی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت خرجنا مع النبي ﷺ ... ارسلني النبي مع عبد الرحمن بن ابي بكر الى التنعيم فاعتمرت فقال هذه مكان عمرتك (الف) (بخاری شریف، باب كيف تفعل الحائض والنفاس ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوٹ جائے تو قضا کرنا ہوگا (۳) حدیث میں ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من وقف بعرفات لبيل فقد ادرک الحج ومن فاتته عرفات لبيل فقد فاتته الحج فليحل بعمره وعليه الحج من قابل (ب) (دارقطني بکتاب الحج ج ۲ ص ۲۱۲ نمبر ۲۳۹۶ سنن للبيهقي، باب ما

حاشیہ: (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں حضور کے ساتھ تھی... مجھ کو حضور نے عبد الرحمن کے ساتھ تعیم بھیجا، پس میں نے عمرہ کیا۔ پس آپ نے فرمایا یہ حیرے عمرہ کی جگہ پر ہے (ب) آپ نے فرمایا جو عرفات میں رات میں ٹھہرا ہو تو حج پالیا۔ اور جس سے رات تک میں عرفات فوت ہو گیا تو اس سے حج (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا تحلل عليه حجة و عمره [۷۸۴] (۸) وعلى المحصر بالعمرة القضاء.

بفعل من فاعله الحج خاس ص ۲۸۲، نمبر ۹۸۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور آئندہ سال حج کرے۔

**فائدہ** امام مالکؒ کے نزدیک حج فرض ہو تو اس کی قضا ہے ورنہ نہیں۔ ان کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس انما البدل علی من نقص حجه بالتلذذ فاما من حبسه عذر او غير ذلك فانه يحل ولا يرجع واذا كان معه هدى وهو محصر نحره ان كان لا يستطيع ان يبعث به، وان استطاع ان يبعث به لم يحل حتى يبلغ الهدى محله، وقال مالك وغيره ينحره هديه ويحلق في اى موضع كان ولا قضاء عليه لان النبی ﷺ واصحابه بالحديبية نحرُوا وحلقوا وحلوا من شىء قبل الطواف وقبل ان يصل الهدى الى البيت ثم لم يذكر ان النبی ﷺ امر احدا ان يقضوا شيئا ولا يعودوا له والحديبية خارج من الحرم (الف) (بخاری شریف، باب من قال ليس على المحصر بدل ص ۲۴۳ نمبر ۱۸۱۳) اس اثر میں ہے کہ حضورؐ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر عمرہ چھوڑا اور بعد میں کسی کو قضا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ اور کئی صحابہ ایسے تھے جو اگلے سال عمرہ کے لئے نہیں آ سکے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قضا واجب نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے قضا نہیں کی۔

**نوٹ** حج فرض میں احصار ہو جائے تو بالاتفاق اس کی قضا لازم ہے۔

[۷۸۴] (۸) اور عمرہ کے محصر پر قضا لازم ہے۔

**مذ** مسئلہ نمبر ۷ میں حضرت عائشہؓ کی حدیث گزری جس میں تھا عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی ﷺ في حجة الوداع ... ارسلني النبی ﷺ مع عبد الرحمن بن ابي بكر الى التنعيم فاعتمرت فقال هذه مكان عمرتك (ب) (بخاری شریف، باب كيف تفعل الى النقص والفساء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ چھوٹ جائے تو عمرہ چاہے نفل ہے لیکن احرام باندھنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی قضا کرنی ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ نے عمرہ چھوڑا تھا تو آپؐ نے عمرہ کروایا اور فرمایا یہ اس عمرے کے بدلے میں ہے۔

**فائدہ** امام مالکؒ کا مسلک اور اس کے دلائل اوپر مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئے کہ حج فرض کے علاوہ کی قضا نہیں ہے۔ (بخاری شریف نمبر ۱۸۱۳)

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) فوت ہو گیا۔ اس لئے عمرہ کر کے حلال ہو جائے اور اس پر اگلے سال حج ہے (الف) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا بدل اس پر ہے جس نے لذت اٹھانے کے لئے حج توڑا بہر حال جس کو عذر نہ رہا روک لیا یا اس کے علاوہ ہوا وہ حلال ہو جائے اور واپس نہ لوئے۔ اور اگر اس کے ساتھ ہدی ہو اور محصر ہو جائے تو اس کو نحر کر دے اگر اس کو حرم تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ اور اگر پہنچ سکتا ہو تو نہ حلال ہو یہاں تک کہ ہدی اپنے محل تک پہنچ جائے۔ اور حضرت مالکؒ اور ان کے علاوہ نے فرمایا ہدی کو نحر کرے اور جہاں چاہے حلق کرے اور اس پر قضا نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضورؐ اور ان کے صحابہ نے حدیبیہ میں نحر کیا اور حلق کرایا اور طواف سے پہلے ہر چیز سے حلال ہو گئے۔ اور بیت اللہ تک ہدی پہنچنے سے پہلے حلال ہو گئے۔ پھر کسی نے ذکر نہیں کیا کہ حضورؐ نے کسی کو کچھ قضا کرنے کا حکم دیا ہو اور نہ قضا کے لئے واپس لوئے۔ اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے (الف) مجھے حضورؐ نے عبد الرحمنؓ کے ساتھ تنعیم تک بھیجا۔ پس میں نے عمرہ کیا، پس آپؐ نے فرمایا یہ تیرے عمرہ کی جگہ پر ہے۔

[۷۸۵] (۹) وعلى القارن حجة و عمرتان [۷۸۶] (۱۰) واذا بعث المحصر هديا وواعد هم ان يذبحوه في يوم بعينه ثم زال الاحصار فان قدر على ادراك الهدى والحج لم يجز له التحلل ولزمه المضي [۷۸۷] (۱۱) وان قدر على ادراك الهدى دون الحج تحلل [۷۸۸] (۱۲) وان قدر على ادراك الحج دون الهدى جاز له التحلل استحسانا

[۷۸۵] (۹) اور قارن پر حج اور دو عمرے ہیں۔

**تشریح** قارن نے حج اور عمرے کا احرام ایک ساتھ باندھا ہے اس لئے جب وہ محصر ہوئے تو ایک عمرہ احصار کی وجہ سے لازم ہوگا اور ایک حج اور ایک عمرہ قرآن کی وجہ سے لازم تھے۔ اس لئے ایک حج اور دو عمرے لازم ہوئے۔

**نوٹ** حج فوت ہو جائے تو عمرہ کر کے حلال ہو اس کی دلیل مسئلہ نمبر ۷ میں گزر گئی (دارقطنی نمبر ۲۳۹۶، بیہقی ج خامس ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲) عن حماد في رجل اهل بعمره وحجة فاحصر قال يبعث بالهدى فاذا بلغ الهدى محله احل و عليه حجة و عمرتان وقال الحكم عليه حجة و ثلاث عمر (مصنف ابی ابن شیبہ ابی الرجل يجمع بين الحج والعمره فيحصر ما عليه في قابل ج ثالث، ص ۱۳۳، نمبر ۱۲۷۹۵)

[۷۸۶] (۱۰) اگر محصر نے ہدی بھیجی اور لوگوں سے وعدہ کروایا کہ اس کو متین دن میں ذبح کرے گا پھر احصار زائل ہو گیا۔ پس اگر ہدی پانے پر اور حج پانے پر قدرت ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز نہیں، اور اس کو آگے بڑھنا لازم ہے۔

**تشریح** محصر ہدی بھیج چکا ہے لیکن اس درمیان احصار زائل ہو گیا۔ اور حج اور ہدی دونوں پانے پر قادر ہے تو حلال نہ ہو بلکہ آگے بڑھے اور حج کرے اور ہدی بعد میں خود سے ذبح کرے۔

**مذہب** چونکہ اصل پر قادر ہو گیا اس لئے اب فرع پر عمل نہیں کرے گا۔

**اصول** اصل پر قادر ہو تو فرع پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

[۷۸۷] (۱۱) اور اگر ہدی پانے پر قدرت ہو لیکن حج پانے پر قدرت نہ ہو تو حلال ہو جائے۔

**مذہب** حج اصل ہے اور اصل پر قدرت نہیں ہوئی تو جا کر کیا کرے گا اس لئے اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔

[۷۸۸] (۱۲) اور اگر حج کے پانے پر قدرت ہو نہ کہ ہدی پانے پر تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے استحسانا۔

**تشریح** محصر کا احصار زائل ہو گیا اور حج تو پاسکتا ہے لیکن ہدی نہیں پاسکتا ہو تو اس کے لئے حلال ہونا جائز ہے۔ اگر چہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے اور جا کر حج کرنا چاہئے۔

**مذہب** کیونکہ اصل پر قادر ہے اور ہدی ایک فردی چیز ہے جس پر قادر نہیں ہے اس لئے قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کو حلال نہیں ہونا چاہئے بلکہ جا کر حج کر لینا چاہئے۔ لیکن ہدی یعنی مال کی بھی ایک حیثیت ہے اس لئے وہ ضائع نہ ہو اس لئے اس کے حلال ہونے کی گنجائش ہے، تاہم حلال نہ



[۷۸۹] (۱۳) ومن احصر بمكة وهو ممنوع عن الحج والوقوف والطواف كان محصرا  
[۷۹۰] (۱۴) وان قدر على ادراك احدهما فليس محصر.

ہو اور جا کر حج کرے تو بہتر ہے تاکہ احرام باندھ کر جس کام کا عہد کیا تھا وہ پورا کرے، اسی لئے معنف نے فرمایا کہ اتھمانا ایسا کرنا جائز ہے۔ قیاس کا تقاضا یہ نہیں ہے۔

[۷۸۹] (۱۳) جو مکہ مکرمہ میں محصور ہو گیا اور وہ حج کرنے سے اور وقوف عرفہ کرنے سے اور طواف کرنے سے روک دیا گیا تو وہ محصر ہے  
**تشریح** وقوف عرفہ کرنا اور طواف زیارت کرنا حج کے یہ دو ارکان اصل ہیں اور ان دونوں سے روک دیئے گئے تو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بھی محصر ہو جائے گا۔

**مذہب** (۱) کیونکہ وقوف عرفہ نہیں کیا تو حج نہیں ہوا اور طواف نہ کر سکا تو عمرہ کر کے بھی حلال نہیں ہو سکے گا تو گویا کہ وہ لوگ جو محل میں محصر ہوتے ہیں ان کی طرح محصر ہو گئے (۲) مسئل مالک عن من اهل من اهل مكة بالحج ثم اصابه كسر او بطن متخرق او امرأة تطلق قال من اصابه هذا منهم فهو محصر يكون عليه مثل ما يكون على اهل الاتفاق اذا هم احصروا (الف) موطا امام مالک، باب ما جاء فيمن احصر بغیر عدد ص ۳۸۰ اس اثر سے معلوم ہوا کہ اہل مکہ حج کرنے سے اور طواف کرنے سے روک دیئے گئے تو وہ بھی آفاقی کی طرح محصر ہوں گے۔

[۷۹۰] (۱۴) اور اگر وقوف عرفہ یا طواف بیت اللہ کے پانے پر قدرت ہو تو محصر نہیں ہے۔

**تشریح** وقوف عرفہ کر سکتا ہو تو حج ہو گیا، اب طواف زیارت باقی ہے تو وہ کبھی بھی کر سکتا ہے، اس لئے گویا کہ وہ محصر نہیں ہے۔ اور اگر طواف بیت اللہ کر سکتا ہے اور وقوف عرفہ نہیں کر سکتا تو حج تو فوت ہو جائے گا لیکن عمرہ کا طواف اور سعی کر کے حلال ہو سکتا ہے۔ اس لئے اب اس کو احصار کی ہدی لازم نہیں ہوگی تو گویا کہ محصر نہیں ہوا۔ یہی مطلب ہے فلیس بمحصر کا کہ اس کو احصار کی ہدی لازم نہیں ہوگی۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا حج ہو گیا اور وہ واقعی محصر نہیں ہے۔

**فائدہ** امام شافعی کے نزدیک وقوف عرفہ، یا طواف دونوں میں سے ایک سے روک دیا جائے تو محصر ہوگا۔ ان کی دلیل مسئلہ نمبر ۱۳ میں اثر امام مالک ہے۔



حاشیہ : (الف) حضرت مالک سے پوچھا گیا جس نے اہل مکہ میں حج کا احرام باندھا پھر اس کا پاؤں ٹوٹ گیا یا پتھری ہو گئی یا عورت کو طلاق دیدی گئی؟ فرمایا ان میں جن کو یہ عوارض لاحق ہوں وہ محصر ہیں۔ ان پر ایسے ہی ہے جیسے آفاقی پر ہے جب آفاقی محصر ہو جائیں۔

## ﴿ باب الفوات ﴾

[۷۹۱] (۱) ومن احرم بالحج ففاته الوقوف بعرفة حتى طلع الفجر من يوم النحر فقد فاته الحج [۷۹۲] (۲) وعليه ان يطوف ويسعى ويتحلل ويقضى الحج من قابل ولا دم عليه

## ﴿ باب الفوات ﴾

**ضروری نوٹ** حج کے فوت ہونے کو فوات کہتے ہیں۔

[۷۹۱] (۱) جس نے حج کا احرام باندھا اور اس کا وقوف عرفہ فوت ہو گیا یہاں تک کہ دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہو گئی پس اس کا حج فوت ہو گیا **تشریح** دسویں ذی الحجہ کی فجر طلوع ہونے سے پہلے پہلے وقوف عرفہ کر لینا چاہئے اس سے حج ہو جائیگا۔ اب وہ وہ طلوع فجر سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کا حج فوت ہو گیا، وقوف عرفہ فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ثم ایضوا من حیث افاض الناس (آیت ۱۹۹ سورۃ البقرۃ ۲) حدیث میں ہے عن عروۃ بن مضر ... فقال رسول الله من شهد صلواتنا هذه ووقف معنا حتى يدفع وقد وقف بعرفة قبل ذلك ليلا او نهارا فقد تم حجه (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من ادرك الامام یجمع فقد ادرك الحج ص ۸۷۸ نمبر ۸۹۱ راہ ابو داؤد شریف، باب من لم يدرك عرفته ص ۲۷۶، نمبر ۱۹۴۹)

[۷۹۲] (۲) اور اس پر لازم ہے کہ طواف کرے اور سعی کرے اور اگلے سال حج کرے اور اس پر حج چھوڑنے کا دم نہیں ہے **تشریح** قاعدہ یہ ہے کہ جس سے حج فوت ہو جائے تو اگر وہ اعمال عمرہ یعنی طواف اور سعی کر سکتا ہو تو وہ کر کے حلال ہو جائے اور اگلے سال حج کرے۔ اور چونکہ عمرہ کر لیا تو اب اس پر ہدی ذبح کرنا لازم نہیں ہے۔ البتہ اگر عمرہ نہ کر پاتا تو ہدی لازم ہوتی۔

**حجہ** ان دونوں مسئلوں کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال من وقف بعرفات بليل فقد ادرك الحج ومن فاته عرفات بليل فقد فاته الحج فليحل بعمره وعليه الحج من قابل (الف) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۱۲ نمبر ۲۳۹۶) اور دوسری حدیث میں یہ عبارت ہے من ادرك عرفة قبل طلوع الفجر في يوم النحر فقد تم حجه (ب) (دار قطنی، کتاب الحج، ج ثانی، ص ۲۱۲ نمبر ۲۳۹۴ سنن للبیہقی، باب ادرك الحج باذراك عرفته قبل طلوع الفجر من يوم النحر ج خاص ص ۲۸۲، نمبر ۹۸۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کا وقوف عرفہ چھوٹ گیا تو حج فوت ہو گیا اب اس کو اعمال عمرہ کر کے حلال ہونا چاہئے۔ اس صورت میں اس پر ہدی لازم نہیں ہوگی۔ اور عمرہ کرنے پر ہدی لازم نہیں ہوگی کیونکہ مذکورہ حدیث میں ہدی کا تذکرہ نہیں ہے (۲) عمر ابن خطاب کے فیصلے میں یہ الفاظ ہیں ان هبار بن الاسود جاء يوم النحر وعمر ينحر ... ثم انحر هديا ان كان معك ثم احلقوا او قصروا واجعوا (ج) (سنن للبیہقی، باب ما يفعل من فاته الحج، ج خاص ص ۲۸۴، نمبر ۹۸۲۲) اس اثر میں ہے کہ اگر ہدی ہو تو ذبح کر دو

حاشیہ : (الف) آپؐ نے فرمایا جو عرفات میں رات میں ٹھہرے تو اس نے حج پالیا، اور جس سے رات میں عرفات فوت ہو گیا تو اس سے حج فوت ہو گیا۔ پس عمرہ کر کے حلال ہونا چاہئے۔ اور اس پر اگلے سال حج ہے (ب) جس نے دسویں تاریخ کی فجر طلوع ہونے سے پہلے عرفہ پالیا تو اس کا حج پورا ہو گیا (ج) ہبار بن اسود دسویں ذی الحجہ کو حضرت عمرؓ کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ اونٹ نحر کر رہے تھے... پھر ہدی نحر کر دیا اگر تمہارے پاس ہو، پھر حلق کر دیا یا قصر کر دیا اور واپس ہو جاؤ۔

[۷۹۳] (۳) والعمرة لا تفوت [۷۹۴] (۴) وهی جائزة جی جميع السنة الا خمسة ايام يكره فعلها فيها يوم عرفة ويوم النحر وایام التشريق [۷۹۵] (۵) والعمرة سنة

اور نہ ہو تو ذبح نہ کر د جس کا مطلب یہ ہے کہ اعمال عمرہ کرے تو حج فوت کرنے والے پر ہدی لازم نہیں ہے۔  
[۷۹۳] (۳) عمرہ فوت نہیں ہوتا ہے۔

**تشریح** حج کا معاملہ یہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کو عرفات کا وقوف کرے گا تو حج ہوگا اور اس وقت عرفات کا وقوف نہ کر سکا تو اب حج نہیں ہوگا۔ اب آئندہ سال حج کا احرام باندھ کر پھر نویں ذی الحجہ میں وقوف کرے تو حج ہوگا۔ لیکن عمرہ کا معاملہ کسی دن کے ساتھ خاص نہیں ہے، وہ کسی دن میں بھی کر سکتا ہے۔ اس لئے عمرہ میں احصار تو ہوگا لیکن فوت نہیں ہوگا، وہ جب بھی ادا کرے گا ادا ہی ہوگا۔  
[۷۹۴] (۴) عمرہ جائز ہے پورے سال میں مگر پانچ دنوں میں کہ ان میں اس کا کرنا مکروہ ہے۔ عرفہ کا دن دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے تین دن۔

**تشریح** عمرہ پورے سال میں جائز ہے لیکن نویں ذی الحجہ، دسویں ذی الحجہ، گیارہویں ذی الحجہ، بارہویں ذی الحجہ اور تیرہویں ذی الحجہ کو گویا کہ پانچ دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ ہے۔

**مجا** (۱) اثر میں ہے عن عائشة قالت حلت العمرة الدهر الا ثلاثة ايام يوم النحر ويومين من ايام التشريق اور دوسرے اثر میں ہے عن العمرة قال اذا مضت ايام التشريق فاعتمر متى شئت الى قابل (الف) (مصنف ابن ابی شیبہ ۸ فی العمرة من قال فی کل شهر من قال متی ما شئت جثالث، ص ۱۲۶، نمبر ۱۲۷۱۲۷۲۲۱۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ایام تشریق میں عمرہ مکروہ ہے۔ اور اس کے بعد سارے سال میں جب چاہے عمرہ کر سکتا ہے۔  
[۷۹۵] (۵) عمرہ سنت ہے۔

**مجا** عمرہ سنت ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر عن النبی ﷺ سئل عن العمرة او اجبة هی قال لا وان يعتمر واهو افضل (ب) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی العمرة او اجبة ص ۱۸۶ نمبر ۹۳۱۹ دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۱ نمبر ۲۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ سنت ہے واجب نہیں ہے۔

**فائدہ** بعض اصحاب ظواہر اس کو واجب کہتے ہیں ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن زید بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ ان الحج للعمرة فريضة لا يضرك بايهما بدأت (ج) (دار قطنی، کتاب الحج ج ثانی ص ۲۵۰ نمبر ۲۶۹۲) (۲) ان ابن عباس قال

حاشیہ : (الف) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پورے زمانے میں عمرہ حلال ہے مگر تین دن میں، دسویں ذی الحجہ اور ایام تشریق کے دو دن۔ دوسرے اثر میں ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ جب ایام تشریق گزر جائیں تو اگلے سال تک جب چاہیں عمرہ کرتے رہیں (ب) آپ سے عمرہ کے بارے میں پوچھا گیا، کیا وہ واجب ہے؟ فرمایا نہیں، اور اگر عمرہ کرو تو زیادہ افضل ہے (ج) آپ نے فرمایا حج اور عمرہ دونوں فرض ہیں، کوئی حرج کی بات نہیں کس کو پہلے کریں حج کو یا عمرہ کو۔

[۷۹۶] (۶) وہی الاحرام والطواف والسعی.

العمرة واجبة كوجوب الحج من استطاع اليه سبيلا (الف) (دارقطني، كتاب الحج ج ٢ ص ٢٥٠ نمبر ٢٦٩) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوا کہ عمرہ واجب ہے۔

**نوٹ** لیکن دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ سنت ہے اور پورے سال میں جائز ہے۔

[۷۹۶] (۶) عمرہ کا احرام باندھنا، طواف کرنا اور سعی کرنا ہے۔

**تشریح** تین ارکان کے مجموعے کا نام عمرہ ہے (۱) احرام باندھنا (۲) بیت اللہ کا سات شوط طواف کرنا (۳) صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرنا۔ اسی تین چیز کے مجموعے کا نام عمرہ ہے۔

**حدیث** حدیث میں ہے عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت خرجنا مع النبی فی حجة الوداع ... قالت فطاف الذین كانوا اهلوا بالعمرة بالبيت وبين الصفا والمروة ثم حلوا (ب) (بخاری شریف، باب کیف تهل الى النقص والنقصاء ص ۲۱۱ نمبر ۱۵۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمرہ میں احرام باندھنا اور طواف بیت اللہ کرنا اور صفا اور مروہ کی سعی کرنا۔ دوسری حدیث میں ہے حدثنا ابو نعیم حدثنا ابو شہاب ... فقال لهم احلوا من احرامكم بطواف البيت وبين الصفا والمروة وقصروا ثم اقيموا حلالا (ج) (بخاری شریف، باب التمتع والاقران والافراد بالحج ص ۲۱۳ نمبر ۱۵۶۸) اس حدیث میں بھی ہے کہ عمرہ میں طواف اور سعی کرنا حلال ہو جائے یہی اعمال عمرہ ہیں۔



حاشیہ : (الف) حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا عمرہ حج کی طرح واجب ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم حضور کے ساتھ حجۃ الوداع میں نکلے... فرمایا ان لوگوں نے بیت اللہ کا طواف کیا جنہوں نے عمرے کا احرام باندھا، اور صفا مروہ کی سعی کی، پھر حلال ہو گئے (ج) ابو شہاب نے حدیث بیان کی... لوگوں سے کہا تمہارے عمرے کے احرام سے حلال ہو جاؤ۔ بیت اللہ کا طواف کر کے اور صفا مروہ کے درمیان سعی کر کے اور سر کا قصر کرالو پھر حلال ہو کر ظہرے رہو۔

## ﴿باب الهدی﴾

[۷۹۷] (۱) الهدی ادناه شاة وهو من ثلاثة انواع من الابل والبقر والغنم [۷۹۸] (۲) یجزئ فی ذلک کله الثنی فصاعدا الا من الضأن فان الجذع منه یجزئ فیہ.

## ﴿باب الهدی﴾

**شروقی نوٹ** ہدی، جو جانور ذبح ہونے کے لئے حرم بھیجا جائے اس کو ہدی کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت میں ہے فاذا امنتم فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى (الف) (آیت ۱۹۶ سورہ بقرہ ۲) اس آیت سے ہدی کا ثبوت ہوا۔ [۷۹۷] (۱) ہدی کا ادنی بکری ہے اور وہ تین قسم پر ہے۔ اونٹ، گائے اور بکری۔

**بیہ** چونکہ کسی حدیث میں بکری سے کم ہدی دینے کا ثبوت نہیں ہے اس لئے بکری ادنی ہے (۲) اخیرنا ابو جمرہ قال سألت ابن عباس عن السمتعة فامرني بها وسألته عن الهدى فقال فيها جزور او بقرة او شاة او شرك في دم (ب) (بخاری شریف، باب فمن تمتع بالعمرة الى الحج فما استيسر من الهدى ص ۲۲۸ نمبر ۱۶۸۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ، گائے اور بکری ہدی ہیں۔ یا اونٹ اور گائے کا ساتواں حصہ ہو۔

[۷۹۸] (۲) ان تمام میں شئی یا اس سے زیادہ عمر کا جانور کافی ہے مگر بھیڑ میں کہ اس کا جذع بھی ہدی میں کافی ہے۔

**تشریح** جانور کو جوانی کے دو دانت آنے کے بعد اس کو شئی کہا جاتا ہے۔ اور بھیڑ چھ ماہ کا ہو تو اس کو جذع کہتے ہیں۔ ہدی اور قربانی میں تمام جانور کا شئی ذبح کیا جائے گا لیکن بھیڑ میں اس کی گنجائش ہے کہ موٹا نگرا ہو تو جذع یعنی دانت سے پہلے کا جانور بھی کافی ہوگا۔ کیونکہ حدیث میں اس کی خصوصیت وارد ہوئی ہے۔

**بیہ** حدیث میں ہے عن جابر قال قال رسول الله لا تدبخوا الامسنة الا ان يعسر عليكم فتدبخوا جذعة من الضأن (ج) (ابوداؤد شریف، باب ما يجوز في الضحايا من السن ج ثانی ص ۳۰ کتاب الضحایا نمبر ۲۷۹ رتذی شریف، باب فی الجذع من الضأن فی الاضاحی ص ۲۷۶ ابواب الاضاحی نمبر ۱۳۹۹ مسلم شریف، باب سن الاضحية نمبر ۵۰۸۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اور جانوروں میں شئی ضروری ہے۔ اور بھیڑ میں چھ ماہ کا بچہ جس کو جذع کہتے ہیں وہ بھی کافی ہوگا بشرطیکہ موٹا نگرا ہو۔

**لغت** الثنی : نیادانت آیا ہو، بکری دوسرے سال میں قدم رکھے تو شئی ہوتی ہے۔ گائے۔ بھینس دو سال کے بعد تیسرے میں قدم رکھے تو شئی ہوتی ہیں۔ اونٹ چار سال پورے کر کے پانچویں سال میں قدم رکھے تو نیادانت آتا ہے اور شئی ہوتا ہے۔

حاشیہ : (الف) پس جب تم امن میں ہو جاؤ تو جس نے عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ حاصل کیا۔ پس ہدی میں سے جو آسان ہو وہ دو (ب) میں حضرت ابن عباس سے جمع کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے مجھے اس کا حکم دیا۔ اور ان کو ہدی کے بارے میں پوچھا تو فرمایا اس میں اونٹ ہے یا گائے ہے یا بکری ہے یا جانور میں شرکت ہے (ج) آپ نے فرمایا مت ذبح کرو مگر مسند مگر تم پر تک دیتی ہو تو بھیڑ کا جذع ذبح کرو۔

[۷۹۹] (۳) ولا يجوز في الهدى مقطوع الاذن ولا اكثرها ولا مقطوع الذنب ولا

مقطوع اليد ولا الرجل ولا ذاهبة العين ولا العفجاء ولا العرجاء التي لا تمشي الى

[۷۹۹] (۳) نہیں جائز ہے ہدی میں کان مکمل کٹا ہوا اور نہ اس کا اکثر کٹا ہوا اور نہ دم کٹی ہوئی اور نہ ہاتھ کٹا ہوا اور نہ پاؤں کٹا ہوا اور نہ آنکھ کٹی ہوئی اور نہ بلا اور نہ لنگڑا جو ذبح تک نہ جاسکتا ہو۔

**مذہب (۱)** ہدی اللہ کے بارگاہ میں پیش ہوتی ہے اس لئے اچھا جانور ہو، عیب دار جانور انسان بھی پسند نہیں کرتا تو اللہ کی بارگاہ میں کیسے پیش کیا جائے؟ (۲) حدیث میں ہے سألت براء بن عازب مالا يجوز في الاضاحی فقال قام فينا رسول الله ... فقال اربع

لا تجوز في الاضاحی العوراء بين عورها والمريضة بين مرضها والعرجاء بين ظلعها والكسيرة التي لا تنقي (الف) (ابوداؤد شریف، باب ما يكره من الضحایا ج ثانی ص ۳۱ کتاب الضحایا نمبر ۲۸۰۲ ترمذی شریف، باب مالا يجوز من الاضاحی ص ۳۶۴ نمبر

۱۳۹۷) دوسری حدیث میں ہے قال اتيت عتبة بن عبد سلمی ... انما نهى رسول الله عن المصفرة والمستأصلة والبخقاء والمشيعه والكسراء، فالمصفرة التي تستاصل اذنها حتى يبدو سماخها، والمستأصلة التي استوصل

قربنها من اصله، والبخقاء التي تبخرق عينها المشيعه التي لا تتبع الغنم عجفا و ضعفا والكسراء الكسيرة (ب) (نمبر ۲۸۰۳) تیسری حدیث میں ہے عن علی قال امرنا رسول الله ان نستشرف العين والاذن ولا نضحی بعوراء ولا

مقابلة ولا مدبرة ولا خرقاء ولا شرقاء قال زهير فقلت لابی اسحاق اذكر عضباء وقال لا قلت فما المقابلة؟ قال يقطع طرف الاذن فقلت فما المدبرة؟ قال يقطع من مؤخر الاذن قلت فما الشرقاء؟ قال تشق الاذن قلت فما

الخرقاء؟ قال تخرق اذنها للسمة (ج) (ابوداؤد شریف، باب ما يكره من الضحایا ج ثانی ص ۳۱ کتاب الضحایا نمبر ۲۸۰۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کان کٹا ہوا، دم کٹی ہوئی، ہاتھ کٹا ہوا۔ پاؤں کٹا ہوا، نایبنا، لنگڑا اور عضو کٹا ہوا یا خراب ہو تو قربانی اور ہدی میں نہیں چلے

گا۔ اور تہائی سے کم ہو تو وہ چل جائے گا۔

**نوٹ** حدیث کے ترجمہ میں عیب کا ترجمہ بھی آگیا ہے۔

حاشیہ: (الف) ہمارے درمیان حضور کھڑے ہوئے... فرمایا چار جانور قربانی میں جائز نہیں (۱) کاناجس کا کان پین ظاہر ہو (۲) پیارجس کا مرض ظاہر ہو (۳) لنگڑا جس کا لنگڑا پین ظاہر ہو (۴) اور اتنا بڑا ہو کہ ہڈی ظاہر ہوتی ہو (ب) حضور نے بالکل کان کٹے ہوئے جانور کی قربانی کرنے سے منع فرمایا (۲) اور جڑ سے سینک نکلا

ہوا (۳) اندھا (۴) دبلا (۵) کوئی عضو ٹوٹا ہوا جانور قربانی سے منع فرمایا، مصفر وہ ہے جس کا کان جڑ سے نکلا ہوا ہو یہاں تک کہ دماغ نظر آتا ہو، اور مستاصل وہ ہے جس کا سینک جڑ سے نکلا ہوا ہو، اور بھٹا وہ ہے جس کی آنکھ اندھی ہو، اور مشیعہ وہ ہے جو دبے پین کی وجہ سے بکریوں کے پیچھے نہ جاسکتا ہو، اور کسراء وہ ہے جس کا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو (ج) ہم کو حضور نے حکم دیا کہ آنکھ کو اور کان کو جھانک کر دیکھ لیں اور کان جانور ذبح نہ کریں۔ اور نہ کنارے پر کٹے ہوئے کان والے کو، اور نہ پیچھے کٹے

ہوئے کان والے کو، اور نہ پھاڑے ہوئے کان والے کو، اور نہ علامت کے لئے شکاف ڈالے ہوئے کان والے کو۔ زہیر نے ابواسحاق سے پوچھا کیا عضباء کا ذکر کیا ہے؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا مقابلہ کیا ہے؟ فرمایا کان کا کنارہ کٹا ہوا۔ میں نے کہا مدبرہ کیا ہے؟ فرمایا کان کا پچھلا حصہ کٹا ہوا۔ میں نے پوچھا شرقاء کیا ہے؟ فرمایا

کان پھٹا ہوا ہو۔ میں نے کہا خرقاء کیا ہے؟ فرمایا علامت کے لئے کان پھاڑا ہو۔

المنسک [۸۰۰] (۴) والشاة جائزة في كل شيء الا في موضعين من طاف طواف الزيارة جنبا ومن جامع بعد الوقف بعرفة فانه لا يجوز فيهما الا بدنة.

**نکات** العجفاء : جو بہت دبلا پتلا جانور ہو۔ العرجا : لنگڑا۔ المنسک : نسک سے مشتق ہے جہاں جانور ذبح کیا جاتا ہے۔

[۸۰۰] (۴) بکری ہر چیز میں جائز ہے مگر دو جگہوں میں (۱) جس نے طواف زیارت جنبی ہو کر کیا (۲) اور جس نے وقف عرفہ کے بعد جماع کیا۔ پس ان دونوں میں اونٹ کے علاوہ جائز نہیں ہے۔

**تشریح** یہ دونوں مسئلے اوپر گزر چکے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ طواف میں وضو اور طہارت شرط ہے لیکن اس کے برخلاف طواف زیارت جو فرض ہے اس کو جنابت کی حالت میں کیا اس لئے طواف تو ہو جائے گا لیکن اقلظ جنابت ہے اس لئے بکری کی بجائے اونٹ لازم ہوگا، اور بہتر یہ ہے کہ اس طواف کو دوبارہ لوٹا لے تو کچھ لازم نہیں ہوگا۔

**حجہ** طہارت کے بغیر طواف زیارت کیا ہو تو گویا کہ طواف کیا ہی نہیں اس لئے طواف زیارت جو اہم ہے اس میں اہم جانور اونٹ لازم ہوگا۔ طہارت کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البيت مثل الصلوة الا انکم تتکلمون فيه فمن تکلم فيه فلا يتکلم الا بخير (الف) (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الکلام فی الطواف ص ۹۰ نمبر ۹۶۰ رسائی شریف، باب اباحة الکلام فی الطواف ج ۳ ص ۲۸ نمبر ۲۹۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طواف نماز کی طرح ہے۔ اور نماز بغیر طہارت کے نہیں ہوتی اس لئے طواف بھی بغیر طہارت کے نہیں ہوگا۔ اور کر لیا تو دم دینا ہوگا (۲) دوسری حدیث میں ہے عن عائشة انها قالت قدمت مكة وانا حائض ولم اطف بالبيت ولا بين الصفا والمروة قالت فشكوت ذلك الى رسول الله ﷺ فقال افعلى كما يفعل الحاج غير ان لا تطوفى بالبيت حتى تطهري (ب) (بخاری شریف، باب تقضى الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت ص ۲۲۳ نمبر ۱۶۵) اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ بغیر طہارت کے طواف نہ کرے اور کیا تو دم یا صدقہ لازم ہوگا۔ البتہ چونکہ طواف کا درجہ نماز سے کم ہے اس لئے طواف کی ادائیگی ہو جائے گی۔ تاہم جب تک مکہ مکرمہ میں ہو تو اس طواف کو دوبارہ لوٹا لینا چاہئے پھر دم یا صدقہ لازم نہیں ہوگا۔ اور وقف عرفہ کے بعد اور طواف زیارت سے پہلے جماع کرنے پر اونٹ لازم ہوگا۔ اس کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عباس اتاه رجل فقال وطئت امرأتی قبل ان اطوف بالبيت قال عندک شیء؟ قال نعم انی موسر قال فانحر ناقة سمينه فاطعمهما المساکين (ج) (سنن للبیہقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثاني ج ۴ ص ۲۷۹، نمبر ۹۷۹۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو ایک اونٹ دینا ہوگا۔ اسی طرح دوسرے اثر میں ہے عن ابن عباس انه سئل عن رجل

(الف) آپ نے فرمایا بیت اللہ کے گرد طواف نماز کی طرح ہے۔ مگر اس میں بات کرتے ہو۔ اس لئے جو بات کرے وہ خیر ہی کی بات کرے (ب) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ آئی اور حائضہ تھی۔ اور بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا اور نہ صفا مروہ کے درمیان میں، فرمایا میں نے حضور سے اس کی شکایت کی تو فرمایا جیسا حاجی کرتے ہیں ویسا ہی کرو مگر یہ کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرو جب تک پاک نہ ہو جاؤ (ج) حضرت ابن عباس کے پاس ایک آدمی آیا۔ کہا میں نے اپنی بیوی سے بیت اللہ کے طواف سے پہلے وطی کی۔ ابن عباس نے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہا ہاں! میں مالدار ہوں۔ کہا موٹی اونٹنی ذبح کرو اور مسکین کو کھلاؤ۔

[۸۰۱] (۵) والبدنة والبقرة یجزئ کل واحد منهما عن سبعة انفس اذا کان کل واحد من الشرکاء یرید القربة فاذا اراد احدهم بنصیبه اللحم لم یجز للباقيین عن القربة [۸۰۲] (۶) ویجوز الاکل من هدی التطوع والتمتعة والقران

وقع علی اہله وهو محرم وهو بمنی قبل ان یفیض فامرہ ان ینحر بدنة قال الشافعی وبهذا نأخذ قال مالک علیہ عمرہ وبدنة وحجة تامة (الف) (سنن للبیہقی، باب الرجل یصیب امرأته بعد التحلل الاول وقبل الثاني ج خامس ص ۲۸۰، نمبر ۹۸۰۳، موطا امام مالک، باب ہدی من اصاب احلہ قبل ان یفیض ص ۴۰۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ طواف زیارت سے پہلے جماع کر لیا تو اونٹ لازم ہوگا۔

[۸۰۱] (۵) اونٹ اور گائے ان دونوں میں سے ہر ایک کافی ہے سات آدمیوں کی جانب سے جبکہ ہر ایک شریک قربت کا ارادہ رکھتا ہو۔ پس جبکہ ان میں سے ایک اپنے حصے سے گوشت کا ارادہ کیا ہو تو باقی کا بھی قربت سے کافی نہیں ہوگا۔

اونٹ اور گائے سات سات آدمیوں کی جانب سے کافی ہیں۔ اس سے زیادہ کی جانب سے نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تمام شرکاء نے قربت کی نیت کی ہو۔ مثلاً ہدی یا قربانی یا عقیقہ ادا کرنا چاہتے ہوں، اگر ان میں سے ایک نے بھی گوشت کھانے کی نیت کی تو ایک کے فساد کی وجہ سے باقی شرکاء کا بھی فساد لازم آئے گا اور کسی کی بھی قربت یعنی ہدی یا قربانی یا عقیقہ ادا نہیں ہوگا۔

جانور ایک ہے اس لئے ایک حصہ دار کی خامی سے پورے جانور میں خامی آئے گی اور ایک حصہ کے قربت کی ادائیگی نہ ہونے سے کسی کی بھی قربت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ جیسے نماز کے ایک رکن کی کمی سے پوری نماز فاسد ہوتی ہے۔ ایک اونٹ میں سات آدمی اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہونے کی حدیث یہ ہے عن جابر بن عبد اللہ قال نحرنا مع رسول اللہ ﷺ عام الحديبية البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة (ب) (مسلم شریف، باب جواز الاشتراك فی الهدي واجزاء البدنة والبقرة کل واحدة منھما عن سبعة، کتاب الحج ص ۳۲۲ نمبر ۱۳۱۸/۱ بوداؤد شریف، باب البقر والجزور عن کم تجزی ج ثانی ص ۳۲ نمبر ۲۸۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ اور گائے اور بھیں سات حصہ داروں کی جانب سے کافی ہو سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ کے نہیں۔

نیت : نصیب : حصہ

[۸۰۲] (۶) جائز ہے کھانا نفلی ہدی سے اور تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی سے۔

نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی جرمانے کے طور پر نہیں ہیں بلکہ انعام اور خوشی کے طور پر ہیں اس لئے ان کا گوشت خود ہدی کرنے والا کھا سکتا ہے۔ اور غرباء و مساکین کو بھی کھلا سکتا ہے۔

حاشیہ : (الف) ابن عباس سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا جس نے اپنی بیوی سے جماع کیا اس حال میں کہ وہ محرم تھا اور وہ مٹی میں تھا طواف زیارت سے پہلے تو اس کو حکم دیا کہ اونٹ نحر کرے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا ہم اسی کو لیتے ہیں۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا اس پر عمرہ ہے اور اونٹ ہے اور حج مکمل ہو گیا (ب) جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور کے ساتھ حدیبیہ کے سال اونٹ کو سات آدمیوں کی جانب سے اور گائے کو سات آدمیوں کی جانب سے ذبح کیا۔



[۸۰۳] (۷) ولا يجوز الاكل من بقية الهدايا.

**مجمع** (۱) جیسے قربانی کا گوشت انعام کے طور پر ہے۔ اس لئے اس کو خود کھا سکتا ہے اور غرباء و مساکین کو بھی کھلا سکتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہدی کے گوشت میں سے کھایا قال دخلنا علی جابر بن عبد الله فسأل عن القوم ... ثم انصرف الى المنحر فنحر ثلثا وستين بيده ثم اعطى عليا فنحر ما غبر واشركه في هديه ثم ام من كل بدنة ببضعة فجعلت في قدر فطبخت فاكلا من لحمهما وشربا من مرقها (الف) (مسلم شریف، باب حجۃ النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸ ابوداؤد شریف، باب صفۃ حجۃ النبی، ص ۲۷۱، نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہدی کا گوشت کھایا اس لئے نفلی ہدی، قرآن اور تمتع کی ہدی کا گوشت کھانا جائز ہے۔ اور جنایات اور شکار کے بدلے کا گوشت خود جنایت دینے والے کو کھانا جائز نہیں ہے۔ اس کے لئے یہ اثر ہے عن ابن عمر لا یوکل من جزاء الصيد والنذر ویوکل مما سوی ذلک وقال عطاء یأکل ویطعم من المتعة (ب) (بخاری شریف، باب اذا ابوانا لایراجم مکان البیت ان لا تشرک فی شئنا ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۹) (۳) عن ابن عباس انه قال فی الحمامة شاة لا یوکل منها یتصدق بها، وروينا عنه فی الذی یطأ امرأته قبل الطواف انحر ناقة سمينة فاطعمها المساکین وروينا عن طاؤس وسعيد بن جبیر انهما قال لا یأکل من جزاء الصيد ولا من الفدية (ج) (سنن للبیہقی، باب لا یأکل من کل ہدی کان اصلہ واجبا علیہ الخ ج ۵ ص ۳۹۶، نمبر ۱۰۲۳۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جنایت کا بدلے کا گوشت خود نہ کھائے بلکہ مساکین کو کھلا دے۔

[۸۰۳] (۷) باقی ہدی کو کھانا جائز نہیں ہے۔

**تشریح** جنایت کا بدلہ، شکار کا بدلہ ان قسم کی ہدی کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔

**مجمع** یہ جرم ہیں دم انعام نہیں ہے اس لئے خود نہ کھائے ذبح کر کے غرباء و مساکین کو کھانے کے لئے چھوڑ دے۔ دلیل مسئلہ نمبر ۶ میں گزر چکی ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۱۹) (۲) یہ حدیث بھی اسکی دلیل ہے حدثنی موسیٰ بن سلمة الہذلی ... فقال یا رسول اللہ ﷺ کیف اصنع بما ابدع علی منها قال انحرها ثم اصبغ نعلیہا فی دمہا ثم اجعلہا علی صفتہا فلا تأکل منها انت ولا احد من اهل رفقتک (د) (ابوداؤد شریف، باب فی الہدی اذا اعطی قبل ان یتلغ ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۳ ابوترذی شریف، باب ما جاء اذا عطب الہدی ما یصنع بہ ص ۱۸۱ نمبر ۹۱۰ رموطا امام مالک، باب فی الہدی اذا عطب او ضل ص ۴۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنایات کی

حاشیہ: (الف) پھر حضورؐ کرنے کی جگہ کی طرف واپس لوٹے اور تریٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نخر فرمائے، پھر حضرت علیؓ کو دیا پس انہوں نے باقی اونٹ نخر کئے، اور ہدی میں ان کو شریک کیا، پھر حکم دیا کہ ہر اونٹ کے گوشت کے ٹکڑے کو ہانڈی میں کیا جائے پھر سب کو پکایا گیا پھر دونوں نے اس کے گوشت کو کھایا اور اس کے شوربہ سے پیا (ب) ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ نہ کھایا جائے شکار کے بدلے کا گوشت اور نذر کی ہدی کا گوشت اور ان کے علاوہ کھایا جائے، اور حضرت عطاءؓ نے فرمایا تمتع کا گوشت کھائے اور دوسروں کو کھلائے (ج) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کبوتر کے بدلے میں ایک بکری ہے۔ اس کو کھایا نہ جائے، اس کو صدقہ کر دیا جائے۔ انہیں سے روایت ہے اس شخص کے بارے میں جو طواف سے پہلے واپس کر لے نخر کرے موطا اونٹ اور اس کو مسکین کو کھلائے۔ طاؤسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے روایت ہے کہ شکار کا بدلہ نہ کھائے اور نہ فدیہ کا بدلہ کھائے (د) پوچھا یا رسول اللہ! کیسے کروں اگر ہدی میں سے کچھ عیب دار ہو جائے؟ آپؐ نے فرمایا اس کو نخر کر دو پھر اس کے کھر کو اس کے خون میں رنگ دو، پھر کھر کو اس کی ایک جانب پر رکھ دو۔ پھر تم اور تمہارے ساتھی میں سے کوئی اس کو نہ کھائے۔

[۸۰۴] (۸) ولا يجوز ذبح هدى التطوع والمتعة والقران الا في يوم النحر [۸۰۵] (۹)

ويجوز ذبح بقية الهدايا في اى وقت شاء [۸۰۶] (۱۰) ولا يجوز ذبح الهدايا الا في

ہدی ذبح کر کے چھوڑ دے اور خود نہ کھائے اور نہ اس کے ساتھی کھائے بلکہ غرباء کے لئے چھوڑ دے۔ کیونکہ پھاڑ کھانے والے جانوروں کے لئے چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔

[۸۰۴] (۸) نہیں جائز ہے نفلی، تمتع اور قران کی ہدی کا ذبح کرنا مگر دسویں ذی الحجہ کو۔

۱۰ چونکہ رمی جمار کے بعد نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی ذبح کرے گا اور وہ دسویں ذی الحجہ کو ہوگا اس لئے ان ہدی کو بھی دسویں ذی الحجہ ہی کو ذبح کرے گا (۲) آیت میں اس کا اشارہ موجود ہے فكلوا منها واطعموا البائس الفقير ۵ ثم ليقتضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفوا بالبيت العتيق (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی کا گوشت غرباء کو کھلاؤ پھر سرمنڈاؤ اور بیت اللہ کا طواف کرو۔ تو سرمنڈاؤ دسویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے اس لئے ہدی کا ذبح کرنا بھی دسویں ذی الحجہ کو ہوگا۔

[۸۰۵] (۹) اور باقی ہدی کو جب چاہے ذبح کرو۔

۱۱ نفلی ہدی، تمتع کی ہدی اور قران کی ہدی کے علاوہ جو ہدی ہوں گی وہ جنایات کی ہدی، احصار کی ہدی اور شکار کے بدلہ کی ہدی ہوں گی۔ چونکہ یہ ہدی کسی دن کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لئے کسی دن بھی ان کو ذبح کی جاسکتی ہیں۔ دسویں ذی الحجہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں ۱۲ حضور صلح حدیبیہ کے عمرہ کے موقع پر محصر ہوئے اور ہدی ذبح کی حالانکہ وہ دسویں ذی الحجہ کا دن نہیں تھا بلکہ ذی قعدہ کا دن تھا اس لئے معلوم ہوا کہ باقی ہدی کو کسی دن ذبح کر سکتا ہے۔

[۸۰۶] (۱۰) نہیں جائز ہے کسی ہدی کو ذبح کرنا مگر حرم میں۔

۱۳ نفلی ہدی، تمتع کی ہدی، قران کی ہدی، شکار کا بدلہ ہدی، جنایات کی ہدی اور احصار کی ہدی ان سب کو حنفیہ کے نزدیک حرم ہی میں ذبح کرنا ضروری ہے۔

۱۴ آیت میں ہے ولا تحلقوا رؤوسكم حتى يبلغ الهدى محله (ب) (آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ) دوسری آیت میں ہے يحكم به ذوا عدل منكم هديا بالغ الكعبة (ج) (آیت ۹۵ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت سے پتہ چلا کہ ہدی کعبہ تک پہنچے اور وہاں ذبح ہو (۳) اثر میں ہے قال مالك والذي يحكم عليه بالهدى في قتل الصيد او يجب عليه الهدى في غير ذلك فان هديه لا يكون الا بمكة كما قال الله تعالى هديا بالغ الكعبة (د) (موطا امام مالک، باب جامع الهدى ص ۴۰۹) اس اثر میں ہے کہ شکار

حاشیہ : (الف) ہدی سے کھانا اور فقیروں کو کھلاؤ اور گندگی کو ختم کرو اور اپنی نذر پوری کرو اور پرانے گھر کا طواف کرو (ب) سرمت منڈاؤ جب تک ہدی مقام تک نہ پہنچ جائے یعنی حرم نہ پہنچ جائے (ج) شکار کے بدلہ کا فیصلہ کریں گے دو انصاف ورا آدمی ہدی کا جو کعبہ تک پہنچنے والی ہو (د) حضرت امام مالکؒ نے فرمایا جو ہدی کا فیصلہ کیا جائے شکار کے قتل میں یا اس پر ہدی واجب ہو اس کے علاوہ میں تو اس کی ہدی نہ ذبح ہو مگر مکہ مکرمہ میں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہدی جو مکہ مکرمہ تک پہنچنے والی ہو۔

الحرم [۸۰۷] (۱۱) ويجوز ان يتصدق بها على مساكين الحرم وغيرهم [۸۰۸] (۱۲) ولا يجب التعريف بالهدايا [۸۰۹] (۱۳) والافضل في البدن النحر وفي البقرة والغنم

کا بدلہ یا اور جو ہدی واجب ہو وہ مکہ مکرمہ میں ذبح کی جائیں (۴) جانور کا ذبح کرنا اس وقت قربت ہوگا جبکہ وقت کے ساتھ خاص ہو جیسے قربانی کا جانور یا مکان کے ساتھ خاص ہو۔ یہاں زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے تو مکان یعنی حرم کے ساتھ خاص ہونا چاہئے۔

**نہ** امام مالک کا مسلک پہلے گزر چکا ہے کہ احصار کی ہدی جہاں احصار ہوا ہو وہیں ذبح کر دی جائے۔

**مذہب** کیونکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے اور صحابہ نے حدیبیہ میں ہدی ذبح کی اور حدیبیہ حرم سے باہر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ احصار کی ہدی حرم سے باہر ذبح کر سکتا ہے۔ تفصیل مسئلہ نمبر ایک باب الاحصار میں گزر چکی ہے۔

[۸۰۷] (۱۱) اور جائز ہے حرم کے مسکینوں پر گوشت کو صدقہ کر دے اور اس کے علاوہ کے مسکینوں پر بھی۔

**تشریح** کسی قسم کی ہدی کے گوشت کو حرم کے مسکینوں پر بھی صدقہ کر سکتے ہیں اور حرم کے علاوہ کے مسکینوں پر بھی صدقہ کر سکتے ہیں۔

**مذہب** آیت میں ہدی کے گوشت کو کھانے کے لئے عام رکھا ہے صرف حرم کے مساکین کی تخصیص نہیں کی ہے اس لئے دونوں قسم کے مساکین اس کے گوشت کھا سکتے ہیں۔ آیت ہے فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر (الف) (آیت ۲۹ سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ ہدی کا گوشت البائس اور فقیر کو کھلاؤ چاہے جہاں کا ہو (۲) فقیر کو کھلانا قابل ثواب ہے اس لئے مطلق فقیر داخل ہوگا۔

**نوٹ** حرم کے فقیر زیادہ محتاج ہوں تو ان کو کھلانا زیادہ افضل ہے۔

**فائدہ** امام شافعیؒ کے نزدیک حرم کے فقیروں کو کھلانا ہوگا۔

[۸۰۸] (۱۲) ہدی کو عرفات لے جانا واجب نہیں۔

**مذہب** جنایات، احصار اور شکار کے بدل کی ہدی تو کسی دن بھی ذبح کی جاسکتی ہے اس لئے ان کو عرفہ کے دن عرفات کیسے لے جائیں گے۔ البتہ نفلی ہدی جمع کی ہدی اور قرآن کی ہدی دسویں ذی الحجہ کو ذبح کی جائے گی اس لئے ان کو عرفات لے جانا ممکن ہے۔ بلکہ نعت کی چیز ہے اس لئے ان کی تشبیر کی جاسکتی ہے۔ لیکن عرفات ساتھ لے جانا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ ساتھ لے جانے میں مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر ان کو سنبھالنے والا نہ ہو تو ساتھ لے جائے۔

**نعت** التعریف : عرفات لے جانا

[۸۰۹] (۱۳) اونٹ میں افضل نحر کرنا ہے اور گائے اور بکری میں ذبح کرنا۔

**تشریح** آیت میں ہے فصل لربک وانحر (ب) (آیت ۲ سورۃ الکوش ۱۰۸) اس میں حکم ہے کہ اونٹ کا نحر کرو (۲) حدیث میں ہے

عن انس قال قال صلی النبی ﷺ الظهر بالمدينة اربعاً... ونحر النبی ﷺ بيده سبعة بدن قياما وضحي بالمدينة كبسين املحين اقرنين (ج) (بخاری شریف، باب نحر البدن قائمۃ ص ۲۳۱ نمبر ۱۷۱۴) ابوداؤد شریف، باب کیف نحر البدن ص ۲۵۳ نمبر

حاشیہ : (الف) اس ہدی سے کھاؤ اور مسکین کو کھلاؤ (ب) اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور نحر کرو (ج) آپؐ نے ظہر کی نماز مدینہ میں چار رکعت (باقی اگلے صفحہ پر)

الذبح [۸۱۰] (۱۴) والاولی ان يتولى الانسان ذبحها بنفسه اذا كان يحسن ذلك  
[۸۱۱] (۱۵) ويتصدق بجلالها وخطامها ولا يعطى اجرة الجزار منها.

۱۷۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنا افضل ہے۔ اور اگر ذبح کر دیا تب بھی کافی ہے (۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بکرے کو ذبح کرے (۲) گائے کو ذبح کرے۔ اس سلسلے میں یہ حدیث ہے عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ ذبح عمن اعتمر من نسائه بقرة بیہن (الف) (ابوداؤد شریف، باب فی ہدی البقر ص ۲۵۱ نمبر ۱۷۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گائے کو ذبح کرے نحر نہ کرے۔

الخ : اونٹ کے پاؤں کو الٹا باندھ دے اور اس کو کھڑا کرے اور اس کی گردن میں چھری مار کر کھانے کی نالی کو پھاڑ دے اس کو نحر کرنا کہتے ہیں۔

[۸۱۰] (۱۴) زیادہ بہتر یہ ہے کہ انسان خود ہدی ذبح کرے اگر یہ اچھا کر سکتا ہو تو۔

اگر اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ آدمی خود اپنی ہدی اور قربانی ذبح کرے۔

اس میں عبادت کو احسن طریقہ سے ادا کر سکتا ہے (۲) حضورؐ نے خود ذبح کیا ہے عن انس قال ضحی النبی ﷺ بکبشین امسحین فرائہ واضعا قدمہ علی صفاحہما یمسوی ویکبر فذبحہما بیدہ (ب) (بخاری شریف، باب من ذبح الاضاحی بیدہ ص ۸۳۴ کتاب الاضاحی نمبر ۵۵۵۸/ مسلم شریف باب استحسان الاضحیہ وذبحھا مباشرة بلا توکیل ج ثانی ص ۱۵۵، کتاب الاضاحی نمبر ۱۹۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر خود اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو تو خود جانور ذبح کرے۔ اور کوئی مجبوری ہو تو دوسرے کو ذبح کرنے کا وکیل بنا سکتا ہے۔ حضرت جابرؓ کی لمبی حدیث میں اس کا تذکرہ ہے دخلنا علی جابر بن عبد اللہ ... فنحر ثلاثا وستین بیدہ ثم اعطی علیا فنحر ما غبر واشو کہ فی ہدیہ (ج) (مسلم شریف، باب حجة النبی ص ۳۹۹ نمبر ۱۲۱۸/ ابوداؤد شریف، باب صفة حجة النبی ص ۲۷۱ نمبر ۱۹۰۵) اس حدیث میں ہے کہ تریسٹھ اونٹ کے بعد باقی اونٹ حضرت علیؓ کو نحر کرنے دیا اور ان کو نحر کرنے کا وکیل بنایا۔

[۸۱۱] (۱۵) اور ہدی کے جھول کو اور اس کی لگام کو صدقہ کرے اور قصائی کی اجرت ہدی سے نہ دے۔

قصائی کی اجرت ہدی کے گوشت یا اس کی کھال سے نہ دے۔

(۱) ہدی کا جانور صدقہ ہو گیا اس لئے اس میں سے کسی چیز کو اجرت میں نہ دے بلکہ صدقہ کر دے (۲) حدیث میں ہے ان علیا اخبرہ ان النبی ﷺ امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا و جلالھا ولا یعطی فی جزا رہا شینا

حاشیہ : (پچھلے صفحہ سے آگے) پڑھی... حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹ ذبح کئے کھڑے کھڑے۔ اور مدینہ میں دو چنکبرے، سینک والے مینڈھے ذبح کئے (الف) آپؐ نے عمرہ کرنے والی بیویوں کی جانب سے گائے ذبح کی (ب) آپؐ نے دو چنکبرے مینڈھے ذبح کئے تو میں نے دیکھا کہ اپنے قدم کو ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے۔ پس بسم اللہ پڑھے اور بکیر لکھی۔ اور دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کئے (ج) آپؐ نے تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے نحر کئے پھر حضرت علیؓ کو دیا اور باقی ماندہ انہوں نے نحر کئے۔ اور ان کو ہدی میں آپؐ نے شریک کیا۔

[۸۱۲] (۱۶) ومن ساق بدنة فاضطر الى ركوبها ركبتها وان استغنى عن ذلك لم يركبها

[۸۱۳] (۱۷) وان كان لها لبن لم يحلبها ولكن ينضح ضرعها بالماء البارد حتى ينقطع

اللبن.

(الف) (بخاری شریف، باب یصدق بجلو والهدی ص ۲۳۲ نمبر ۱۷۱۷) مسلم شریف، باب الصدقة بلحوم الهدایا و جلودھا و جلاھا ص ۲۲۳ نمبر ۱۳۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہدی کا گوشت تقسیم کر دے اور اس کی کھال، جھول صدقہ کر دے اور قصائی کو ہدی میں سے اجرت نہ دے

**نعت** جلال : جھول۔ خطام : لگام۔ الجوار : قصائی۔

[۸۱۲] (۱۶) کسی نے اونٹ ہانکا پس اس پر سوار ہونے کے لئے مجبور ہوا تو اس پر سوار ہو جائے۔ اور اگر سوار ہونے سے بے نیاز ہو تو سوار نہ ہو

**تشریح** پس اگر اس پر سوار ہونے کی مجبوری نہ ہو تو اس پر سوار نہ ہو اور اگر مجبوری ہو جائے تو سوار ہو سکتا ہے۔

**وجہ** حدیث میں ہے سمعت جابر بن عبد اللہ سئل عن ركوب الهدى؟ فقال سمعت النبي ﷺ يقول ار كبتها بالمعروف اذا الجنت اليها حتى تجدد ظهرا (ب) (مسلم شریف، باب جواز ركوب البدنة المهداة لمن احتاج اليها ص ۲۲۶ نمبر ۱۳۲۲) ابوداؤد شریف، باب فی ركوب البدن ص ۲۵۲ نمبر ۱۷۶۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مجبوری ہو تو دوسری سواری پانے تک مناسب انداز میں سوار ہو سکتا ہے۔ البتہ سوار ہونے کی ضرورت نہ ہو تو چونکہ وہ صدقہ کی چیز ہے اس لئے حتی الوسع اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

[۸۱۳] (۱۷) اور اگر ہدی کو دودھ ہو تو اس کو نہ دو ہے۔ لیکن اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دے یہاں تک کہ دودھ منقطع ہو جائے

**تشریح** اگر ہدی دودھ دینے والی ہو اور دن ذبح کرنے کے قریب ہو تو اس کے تھن پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے اس سے دودھ تھن میں سکڑ جائے گا۔ اور آہستہ آہستہ دودھ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر ذبح کرنے میں بہت دن باقی ہو تو دودھ دوہ کر اس کو صدقہ کر دے۔ کیونکہ یہ صدقہ کا جانور ہے۔ اس لئے اس کی ہر چیز صدقہ میں جائے۔ اور اگر اس دودھ کو خود استعمال کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔

**وجہ** مسئلہ نمبر ۱۵ میں حدیث گزری ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۱۷) مسلم شریف نمبر ۱۳۱۷) کہ ہدی کی جھول، لگام وغیرہ صدقہ کرے۔ جب ہدی سے خارج چیز صدقہ کرے تو ہدی کا جزو بدرجہ اولیٰ صدقہ کرے اور دودھ ہدی کا جزو ہے اس لئے اس کو صدقہ کرے (۲) اس کی تائید میں ایک اثر بھی ہے۔ سمع رجلا من همدان سأل عليا عن رجل اشترى بقرة ليضحى بها فنتجت فقال لا تشرب لبنها الا فضلا (ج) (سنن للبيهقي - باب لبن البدن لا يشرب ج خاس ص ۳۸۸، نمبر ۱۰۲۱) اس اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ دودھ صدقہ کر کے بیچ جائے تو پیئے۔ تاہم اس کو استعمال نہ کرے صدقہ کر دے۔

حاشیہ : (الف) حضرت علی نے خبر دی کہ حضورؐ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اونٹ کی نگرانی کرے اور تمام اونٹ کو تقسیم کرے ان کے گوشت کو، ان کی کھال کو اور ان کے جھول کو تقسیم کرے۔ اور ان کی گوشت بنائی میں کچھ نہ دے (ب) جابر بن عبد اللہ کو ہدی پر سوار ہونے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا میں نے حضورؐ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے مناسب انداز میں اس پر سوار ہوا اگر آپ کو مجبوری ہو تو جب تک سواری نہ ملے (ج) ہمدان کے ایک آدمی نے حضرت علیؑ کو پوچھا، ایک آدمی نے قربانی کرنے لئے گائے خریدی پس اس نے بچہ جن دیا؟ حضرت علیؑ نے فرمایا اس کے دودھ کو مت پیو مگر جو باقی رہ جائے۔

[۸۱۳] (۱۸) ومن ساق هديا فعطب فان كان تطوعا فليس عليه غيره [۸۱۵] (۱۹) وان كان عن واجب فعليه ان يقيم غيره مقامه [۸۱۶] (۲۰) وان اصابه عيب كثير اقام غيره مقامه وصنع بالمعيب ما شاء [۸۱۷] (۲۱) واذا عطب البدنة في الطريق فان كان تطوعا نحرها وصبغ نعلها بدمها وضرب بها صفحتها ولم يأكل منها هو ولا غيره من

[۸۱۳] (۱۸) کسی نے ہدی ہانگی پس وہ ہلاک ہوگئی، پس اگر نفلی ہدی ہے تو اس پر اس کے علاوہ نہیں ہے۔

**شرح** اگر نفلی ہدی ہو تو اس کے ہلاک ہونے پر اس کے بدلے میں دوسری لازم نہیں ہے۔

**وجہ** نفلی ہدی کا دینا پہلے بھی واجب نہیں تھا اس لئے ہلاک ہونے کے بعد بھی واجب نہیں رہے گا (۲) حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول الله من اهدى بدنة تطوعا فعطبت فليس عليه بدل وان كان نذرا فعليه البدل (الف) (سنن للبیہقی، باب ما یکون علیہ البدل من الهدی ایا اذا عطب او ضل ج خامس ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷ موطا امام مالک، باب فی الہدی اذا عطب او ضل ص ۴۰۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی ہدی ہو تو ہلاک ہونے پر دوسری دینا لازم نہیں اور نذر اور بدل کی ہدی ہو یا واجب ہدی ہو تو اس کے بدلے میں دینا واجب ہے۔

[۸۱۵] (۱۹) اور اگر واجب ہدی ہو تو اس پر لازم ہے کہ دوسری ہدی اس کی جگہ لازم کرے۔

**شرح** اگر واجب ہدی ہو اور ہلاک ہو جائے تو اس کی جگہ دوسری ہدی دینا لازم ہے۔

**وجہ** ہدی اس کے ذمہ واجب ہے اور ادائیگی نہیں ہوئی اس لئے ادائیگی کرنی ہوگی (۲) حدیث مسئلہ نمبر ۱۸ میں گزر گئی۔ وان كان نذرا فعليه البدل (سنن للبیہقی ج خامس ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷)

[۸۱۶] (۲۰) اور اگر ہدی میں عیب آگیا ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی قائم کرے اور عیب دار کو جو چاہے کرے۔

**وجہ** ہدی میں اتنا عیب آگیا ہو کہ اس عیب کی وجہ سے ہدی قربانی نہیں کی جاسکتی ہو اور ہدی واجب ہو تو اس کی جگہ دوسری ہدی دینا ضروری ہے۔ اور عیب دار ہدی اس کی ہوگئی اس لئے اس کو جو چاہے کرے۔

[۸۱۷] (۲۱) اگر اونٹ راستے میں تھک جائے پس اگر نفلی ہو تو اس کو خر کر دے اور اس کے کھروں کو اسی کے خون سے رنگ دے اور اس کے شانے پر مار دے اور اس کو خود نہ کھائے اور نہ اس کے علاوہ مالدار لوگوں میں سے کھائے۔

**شرح** ہدی کا اونٹ راستے میں ہلاک ہونے کے قریب ہو جائے۔ پس اگر وہ اونٹ نفلی ہدی تھا تو اس کو وہیں ذبح کر دے اور نشان کے لئے کہ یہ اونٹ نفلی ہدی کا ہے اور صرف غرباء کے لئے حلال ہے یہ کرے کہ اس کے کھروں کو اس کے خون سے رنگ دے۔ یا مطلب یہ ہے کہ اس کی گردن میں جو قلابہ ہے اس کو خون سے رنگ دے اور اس کو ہدی کی ایک جانب ڈال دے تاکہ لوگ سمجھ جائے کہ یہ نفلی ہدی ہے جو راستے میں

حاشیہ : (الف) آپ نے فرمایا کسی نے نفلی اونٹ ہدی بھیجا، وہ تھک گیا تو اس پر بدل نہیں ہے۔ اور اگر نذر کی ہو تو اس پر بدل ہے۔

الاغنياء [۸۱۸] (۲۲) وان كانت واجبة اقام غيرها مقامها وصنع بها ماشاء [۸۱۹] (۲۳)

ہلاک ہونے کے قریب ہوگئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کو ذبح کر دیا اور اب صرف غرباء کے لئے حلال ہے۔

**وجہ** یہ ہدیٰ نفلی تھی اس لئے اگر حرم میں پہنچ کر ذبح ہوتی تو خود ذبح کرنے والا کھاسکتا تھا لیکن حرم میں پہنچنے سے پہلے ذبح ہوئی تو ایک قسم کی جنایت ہوگئی اس لئے اس کو صرف غرباء کھائیں گے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال بعث رسول اللہ ﷺ فلانا الاسلمی وبعث معه بثمان عشرة بدنة فقال ارايت ان ازحف على منها شيء قال تنحرها ثم تصبغ نعلها في دمها ثم اضربها على صفحتها ولا تأكل منها انت ولا احد من اصحابك او قال من اهل رفقتك (الف) (ابو داؤد شریف، باب فی الہدی اذا عطب قبل ان يبلغ ص ۲۵۲ نمبر ۶۳۷۱۷۷ ترمذی شریف، باب ما جاء اذا عطب الہدی ما یصح به ص ۱۸۱ نمبر ۹۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خود اور ساتھی اس کو نہ کھائیں بلکہ اس کی کھر کو رنگ کر غرباء کے لئے چھوڑ دے۔

**نوٹ** کیونکہ یہ ہدیٰ نفلی ہے اس لئے اس کے بدلے دوسری ہدیٰ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

**لغت** عطب : جانور کا تھک جانا اور ہلاکت کے قریب پہنچ جانا۔ نعل : کھر، قلاہہ کا جوتا۔ صفیہ : ایک جانب، ایک کنارہ۔

[۸۱۸] (۲۲) اور اگر ہدیٰ واجب ہے تو اس کی جگہ دوسری ہدیٰ قائم مقام کرے اور پہلی ہدیٰ کو جو چاہے کرے۔

**تشریح** اگر واجب ہدیٰ ہے تو اس کو حرم میں ذبح کرنا چاہئے اور وہاں ذبح نہ کر سکا، اور ہلاک ہوگئی یا ہلاکت کے قریب ہوگئی تو واجب اس کے ذمہ رہ گیا اس لئے اس کی جگہ دوسری ہدیٰ دے اور یہ خراب ہدیٰ اس کا مال ہو گیا اس لئے اس کو جو چاہے کرے۔

**وجہ** حدیث گزر چکی ہے۔ عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من اهدى بدنة تطوعا فعطبت فلیس علیہ بدل وان كان نذرا فعليه البدل (سنن للبیہقی، باب ما یكون علیہ البدل من الہدایا اذا عطب او ضل، ج خامس، ص ۳۹۹، نمبر ۱۰۲۵۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واجب ہدیٰ ہو تو اس کا بدل دینا ضروری ہے۔

[۸۱۹] (۲۳) نفلی، تمتع اور قرآن کی ہدیٰ کو قلاہہ ڈالے اور احصار کے دم کو قلاہہ نہ ڈالے اور نہ جنایات کی ہدیٰ کو۔

**وجہ** نفلی ہدیٰ، تمتع کی ہدیٰ اور قرآن کی ہدیٰ نعمت ہیں اس لئے اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ اور قلاہہ ڈالنے سے اس کا اظہار ہوگا کہ یہ نعمت کی ہدیٰ ہے۔ اور احصار کی ہدیٰ اور جنایت کی ہدیٰ جرم کی ہدیٰ ہیں ان کا اظہار کرنا معیوب ہے۔ اور قلاہہ ڈالنے سے اس کا اظہار ہوگا اس لئے ان ہدنی کی گردن میں قلاہہ نہ ڈالے (۲) حدیث میں ہے فقالت عائشة لیس کما قال ابن عباس انا فلتت فلانہ ہدی رسول اللہ بیدی ثم قلدها رسول اللہ بیدیه ثم بعث بها مع ابی (الف) (بخاری شریف، باب من قلد القلانہ بیدہ ص ۲۳۰ نمبر ۷۰۰) اس مسلم

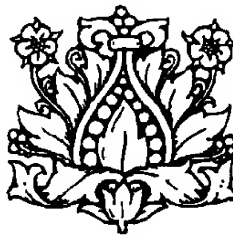
حاشیہ : (الف) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور نے ناجیہ اسلمی کو بھیجا اور ان کے ساتھ اٹھارہ اونٹ بھیجے۔ انہوں نے کہا اگر اونٹ ہلاک ہو جائے تو کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اس کو بچ کر دو پھر اس کے کھر کو خون میں رنگ دو۔ پھر اس کو اس کے کنارے پر مار دو۔ اور ان میں سے تم اور تمہارے ساتھی نہ کھائیں یا فرمایا تمہارے دوست نہ کھائیں (ب) حضرت عائشہ نے فرمایا ایسی بات نہیں ہے جیسا کہ ابن عباس نے کہا۔ میں حضور کی ہدیٰ کا ہار باغا کرتی تھیا پنے ہاتھ سے پھر حضور ہدیٰ کو اپنے ہاتھ سے قلاہہ ڈالے، پھر اس کو میرے باپ ابو بکر کے ساتھ روانہ کرتے۔

ویقلد ھدی التطوع والمتعة والقران ولا یقلد دم الاحصار ولا دم الجنایات.

شریف باب استحباب بحث الھدی الی الحرم لمن لا یرید الذھاب بنفسه واستحباب تقلیدہ ص ۲۲۵ نمبر ۱۳۲۱/۳۲۰۵ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی ہدی کی گردن میں جوتے کا ہار ڈالے تاکہ ڈاکو یا لوگ اس ہدی کا احترام کرے اور اس کو نقصان نہ پہنچائے۔

**نوٹ** یقلد : جوتے یا چمڑے کا ہار بنا کر ہدی کی گردن میں ڈالنا۔

**نوٹ** بکری کی گردن میں قلاوہ ڈالنا اچھا نہیں ہے۔ کیونکہ چلنا مشکل ہو جائے گا۔ البتہ بکری کو قلاوہ والے کا ثبوت ہے (بخاری شریف نمبر ۱۷۰۲) عن عائشةؓ قالت كنت افتل القلائد للنبي ﷺ فيقلد الغنم ويقيم في اهله حلالا (بخاری شریف، باب تقلید الغنم، ص ۲۳۰، نمبر ۱۷۰۲)





# ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

## مختصر تعارف

قصر نبوت پر نقب لگانے والے راہزن دور نبوت سے لے کر دور حاضر تک مختلف انداز کے ساتھ وجود میں آئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت ﷺ کا تاج صرف اور صرف آمنہ اور عبد اللہ کے بیٹے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے سر پر سجایا اور دیگر مدعیان نبوت مسیلمہ کذاب سے لے کر مسیلمہ قادیان تک سب کو ذلیل و رسوا کیا۔ امت کے ہر طبقہ میں ایسے اشخاص منتخب کئے جنہوں نے ختم نبوت ﷺ کے دفاع میں اپنی جانوں تک کے نذرانے دیئے اور شب و روز اپنی محنتوں اور صلاحیتوں کو بفضل اللہ تعالیٰ ناموس رسالت و ختم نبوت ﷺ کے مقدس رشتے کے ساتھ منسلک کر دیا۔

ختم نبوت اکیڈمی (لندن) کے قیام کا مقصد بھی من جملہ انہی اغراض و مقاصد پر محیط ہے، چنانچہ عالمی مبلغ ختم نبوت ”حضرت عبدالرحمن یعقوب باوا“ نے قادیانیت کی حقیقت سے مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لئے جس طرح اپنی زندگی کو اس کا خیر کے لئے وقف کیا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، انہی کی انتھک محنت و کاوشوں سے اکیڈمی کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

الحمد للہ اس ادارہ نے عالمی سطح پر ختم نبوت کے دفاع کو مضبوط کیا ہے۔ تقاریر، لٹریچر، اخبارات و جرائد اور انٹرنیٹ کے ذریعہ مسلمانوں کو قادیانیت اور ان کی ریشہ دوانیوں سے باخبر کیا اور پوری دنیا میں ختم نبوت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو اخلاص کے ساتھ مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین! مسلمانوں سے درخواست ہے کہ وہ اس ادارہ کے ساتھ بھرپور تعاون فرمائیں۔

انتظامیہ: ختم نبوت اکیڈمی (لندن)

**KHATME NUBUWWAT ACADEMY**

387 Katherine Road, Forest Gate, London E7 8LT

United Kingdom.